ذخیرۃ الجنان

فی

فہم القرآن

جلد دوم

افادات

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جمع و ترتیب

مولانا محمد نواز بلوچ

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

ذخیرة الجنان

في

فہم القرآن

جلد 2 ⟸ حصہ 4،5،6

افادات

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نظرثانی
مولانا علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

جمع وترتیب
مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

من ابی الزاہد

الیٰ جمیع اولادی و احبابی و تلامذتی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

راقم اثیم گکھڑ میں قرآن کریم و حدیث شریف
کا پنجابی میں جو درس دیتا رہا اس درس
قرآن کریم کا بڑی عرق ریزی کے ساتھ اردو میں ترجمہ
مولانا محمد نواز بلوچ صاحب نے کیا جسکی طباعت
کا انتظام الحاج میر محمد لقمان اللہ صاحب
نے اور ان کے بھائیوں نے کیا ہے راقم اثیم
طباعت کے جملہ حقوق انکو دیتا ہے ہاں اگر علمی
طور پر اصلاح کی ضرورت پڑے تو راقم اثیم
کے بیٹے مثلاً عزیزم زاہد اور عزیزم قارن سلمہما
تعالیٰ وغیرہ مشورہ دے سکتے ہیں باقی
سب حقوق طباعت جناب میر صاحب
کو دیدیئے ہیں واللہ الموفق

ابو الزاہد محمد سرفراز عفی عنہ
۱۴ صفر ۱۴۲۳ھ
۲۸ اپریل ۲۰۰۲ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ لَنۡ تَنَالُوا ، وَالۡمُحۡصَنٰتُ ، لَايُحِبُّ اللّٰهُ
(۴) (۵) (۶)

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

نام کتاب .... ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

جلد 2 ⟸ حصہ 6،5،4

افادات .... امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مرتب .... مولانا محمد نواز بلوچ، فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

نظر ثانی .... مولانا علامہ زاہد الراشدی، شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

سرورق .... محمد خاور بٹ، گوجرانوالہ

طابع وناشر .... لقمان اللہ میر برادران، سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

فون .... 0300 - 8741292
0321 - 8741292

قیمت ....

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ چہارم)

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تا کہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہونگے وہ میں برداشت کرونگا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِ راہ بن گئی۔وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔جیسا کہ حدیث نبویؐ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

آیاتھا ۱۷۶ ﴿۴﴾ سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ ﴿۹۲﴾ رکوعاتھا ۲۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿اتَّقُوْا﴾ ڈرو ﴿رَبَّكُمُ﴾ اپنے رب سے ﴿الَّذِیْ﴾ وہ رب ﴿خَلَقَكُمْ﴾ جس نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ایک نفس سے ﴿وَّخَلَقَ مِنْهَا﴾ اور پیدا کیا اس نے اس نفس سے ﴿زَوْجَهَا﴾ اس کا جوڑا ﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا﴾ اور بکھیرے ان دونوں سے ﴿رِجَالًا كَثِیْرًا﴾ بہت سارے مرد ﴿وَّنِسَآءً﴾ اور عورتیں ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿الَّذِیْ﴾ وہ ﴿تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ﴾ کہ تم سوال کرتے ہو اس کے نام پر ﴿وَالْاَرْحَامَ﴾ اور قرابت داری سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا﴾ تم پر نگران ﴿وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓى﴾ اور دو یتیموں کو ﴿اَمْوَالَهُمْ﴾ ان کے مال ﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا﴾ اور نہ تبدیل کرو ﴿الْخَبِیْثَ﴾ ردی مال کو ﴿بِالطَّیِّبِ﴾ عمدہ مال کے بدلے ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا﴾ اور نہ کھاؤ ﴿اَمْوَالَهُمْ﴾ ان کے مال ﴿اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک یہ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿حُوْبًا﴾ گناہ ﴿كَبِیْرًا﴾ بڑا ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ﴾ اور اگر تم خوف کرو ﴿اَلَّا تُقْسِطُوْا﴾ یہ کہ تم نہیں انصاف کر سکو گے ﴿فِی الْیَتٰمٰى﴾ یتیم عورتوں کے ساتھ ﴿فَانْكِحُوْا﴾ پس تم نکاح کرو ﴿مَا طَابَ لَكُمْ﴾ جو تمھیں پسند آئیں ﴿مِّنَ النِّسَآءِ﴾ عورتوں سے ﴿مَثْنٰى﴾ دو ﴿وَثُلٰثَ﴾ اور تین ﴿وَرُبٰعَ﴾ اور چار ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ﴾ پس اگر تم خوف کرو ﴿اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ یہ کہ تم عدل نہیں کر سکو گے ﴿فَوَاحِدَةً﴾ پس ایک ہی عورت کافی ہے ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ یا وہ جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى﴾ یہ زیادہ قریب ہے ﴿اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ کہ تم مائل نہ ہو جاؤ کسی ایک کی طرف ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ﴾ اور دو تم عورتوں کو ﴿صَدُقٰتِهِنَّ﴾ ان کے مہر ﴿نِحْلَةً﴾ خوشی کے ساتھ ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ﴾ پس اگر وہ خوش کر لیں تمھارے لیے اس مہر میں سے کسی شے سے ﴿نَفْسًا﴾ اپنے نفس کو ﴿فَكُلُوْهُ﴾ پس تم کھاؤ اس کو ﴿هَنِیْٓــًٔا﴾ مزیدار ﴿مَّرِیْٓــًٔا﴾ خوش گوار۔

حقوق کی تقسیم

اس سے پہلی سورت میں معاملہ تھا اغیار کے ساتھ یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین وغیرہ کو تبلیغ و اصلاح کی دعوت اور ان کے ساتھ جہاد کا۔ اور اس سورت میں معاملہ ہے اپنوں کے ساتھ۔ آنحضرت ﷺ جب مبعوث ہوئے اس وقت عورتوں اور

۔ چھوٹے بچوں کی بڑی حق تلفی ہوتی تھی۔ عورتوں کو جائیداد سے محروم کر دیا جاتا تھا اور چھوٹے بچوں کو بھی کچھ نہیں ملتا تھا، ان کا خود ساختہ قانون تھا کہ وراثت وہ لے سکتا ہے جو لڑ سکتا ہو عورتوں اور بچوں نے کیا لڑنا ہے؟ لہٰذا ان کو جائیداد سے محروم رکھتے تھے۔ حالانکہ اگر ان کی منطق کو سامنے رکھا جائے تو اس طرح کہنا زیادہ مناسب تھا کہ جو لڑ کر کما سکتے ہیں ان کو نہ دو اور جو لڑ کر نہیں کما سکتے ان کو دو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں حقوق کو بیان فرمایا ہے۔

نساء کا معنیٰ

اس سورت کا نام سورۃ النساء ہے اور نِسَاء، اِمْرَاَۃ کی جمع ہے، اگرچہ بظاہر جمع اور مفرد میں مناسبت نظر نہیں آتی لیکن ہر فن میں کچھ باتیں ہوتی ہیں جو فن والے ہی سمجھتے ہیں۔ امرأۃ کا معنیٰ عورت اور نساء کے معنیٰ ہیں عورتیں۔ تو سورۃ النساء کا مفہوم بنے گا کہ یہ وہ سورت ہے جس میں رب تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق بیان فرمائے ہیں۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، اس سے پہلے اکاون [۵۱] سورتیں نازل ہو چکی تھیں، نزول کے اعتبار سے اس سورت کا باون [۵۲] نمبر ہے۔ اس سورت کے چوبیس [۲۴] رکوع اور ایک سو چھہتر [۱۷۶] آیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿اتَّقُوْا رَبَّكُمُ﴾ ڈرو اپنے رب سے ﴿الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ وہ رب جس نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ایک ہی نفس سے اور وہ نفس تھے حضرت آدم علیہ السلام یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا ہے ﴿وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور پیدا فرمایا اس نے اس نفس سے اُس کا جوڑا۔ احادیث اور تفسیروں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے اماں حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا ﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾ اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد بہت سارے اور عورتیں۔ آج دنیا انسانوں سے بھری ہوئی ہے، جس ملک میں جاؤ پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ سب کی اصل حضرت آدم اور حوا علیہما السلام ہیں۔

قطع رحمی کا مفہوم مثال سے

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ اور ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے وہ کہ تم سوال کرتے ہو اس کے نام پر اور قرابت داری سے۔ یعنی اس اللہ سے ڈرو، جس کا نام لے کر تم سوال کرتے ہو اور کہتے ہو کہ: رب کے واسطے مجھے دے اور رب کے واسطے مجھے معاف کر دے۔ کیا تم نے رب تعالیٰ کو صرف مانگنے کے لیے رکھا ہوا ہے؟ نہیں، بلکہ اس سے ڈرو اور اس کے احکام کی پابندی کرو اور قطع رحمی سے ڈرو۔ یعنی اپنے عزیزوں، رشتہ داروں سے بغیر کسی شرعی وجہ کے قطع رحمی نہ کرو۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ: جن چیزوں کا دنیا میں فوری طور پر بدلہ ملتا ہے ان میں قطع رحمی بھی ہے۔ قطع رحمی اگر شرعی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مثال کے طور پر شادی کے موقع پر اگر کوئی ڈھول بجاتا ہے، باجے، شرلیاں، پٹاخے چھوڑتا ہے، ٹھاہ، ٹھاہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نہیں آؤں گا، شادی میں شریک نہیں ہوں گا تو اس قطع رحمی پر ثواب ملے گا اور گناہ نہیں ہوگا،

کیوں کہ ڈھول باجے، ٹھاہ واہ شریعت کے خلاف ہیں۔ کوئی بھی دینی بات ہو اگر وہ نہیں مانتے تو تم ان کی کوئی پروانہ کرو۔ اور دُنیاوی معاملات میں قطع رحمی بڑا گناہ ہے، اس کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص رحم کرتا ہے، اس کی عمر لمبی ہوگی، عمر میں برکت ہوگی۔ دوسرا یہ کہ لوگ اس کو اچھے نام سے یاد کریں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، جو کچھ تم کرتے ہو، ظاہر یا پوشیدہ، ہر چیز اس کے علم میں ہے۔

حقوق کا بیان

آگے حقوق کا بیان ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں یتیموں کے ساتھ بڑی زیادتی ہوتی تھی۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: ایک آدمی فوت ہوگیا اور اس کے بچے چھوٹے ہیں تو ان کا نگران چچا یا تایا بنا، بچے چھوٹے تھے اور چھوٹے بچوں کو اتنی سوجھ بوجھ نہیں ہوتی، تو یہ نگران اس طرح کرتا کہ ان کے سامان میں سے عمدہ چیزیں اُٹھالیتا اور نگ پورے کرنے کے لیے ردی چیزیں وہاں رکھ دیتا۔ مثلاً: اچھے اچھے پلنگ خود لیتا، اپنے گھر کے پرانے اور ردی ان کے کھاتے میں ڈال دیتا۔ اچھے اچھے بستر خود اُٹھالیتا اور ردی وہاں رکھ دیتا۔ اچھی چیزیں، کرسیاں اُٹھالیتا اور کمزور (پرانی) ان کے سامان میں رکھ دیتا اور یہ اس معاشرے کا مزاج بن گیا تھا، الا ماشاء اللہ، حالانکہ یہ جائز نہیں تھا۔ یتیموں کا جو مال ہے وہ ان کا ہے، چاہے کھرا ہے یا کھوٹا ہے۔ وہ تمھارے پاس امانت ہے، جب وہ بالغ ہو جائیں اور انھیں سوجھ بوجھ آجائے تو ان کے حوالے کر دو۔

یتیم پر خرچ کا اصول

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ﴾ اور دو یتیموں کو ان کا مال ﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ﴾ اور نہ تبدیل کرو ردی مال کو عمدہ مال کے ساتھ۔ کہ تم اپنا ردی مال ان کے کھاتے میں ڈال دو اور ان کا عمدہ مال خود لے لو، ایسا مت کرو اور کسی طرح بھی نہ کرو ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ﴾ اور نہ کھاؤ تم ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر۔ اب ظاہر بات ہے کہ بچے چھوٹے ہیں اور فرض کرو کہ ان کی ماں بھی فوت ہوگئی ہے اور ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں تو ان کا کھانا پکانا بھی چاچے تائے نے کرنا ہوتا تھا۔ تو وہ اس طرح کرتے تھے کہ اپنا خرچہ برائے نام شامل کرتے اور زیادہ یتیموں کا مال ڈال کر کھا جاتے اور لوگوں کو یہ بتاتے کہ ہم ان کے لیے پکا رہے ہیں اور وہ کھا رہے ہیں، حالانکہ اس طریقے سے کھا خود جاتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

اور علیحدہ علیحدہ ہانڈیوں کے تیار کرنے میں بھی خاص دقت اور پریشانی پیش آتی ہے کہ اپنا کھانا الگ تیار ہو اور یتیموں کا الگ تیار ہو، پھر گھر میں بے سمجھ بچے بھی ہوتے ہیں، وہ ان کا سالن کھا جائیں اور وہ ان کا سالن کھا جائیں، یہ بڑی تکلیف دہ صورت ہوتی ہے۔ تو اس کے لیے شریعت نے دوسرے پارے میں اصول بیان فرمایا کہ ﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ﴾ "اور اگر تم کھانے پینے میں اس کو ساتھ ملا لو ﴿فَاِخْوَانُكُمْ﴾ تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔" یعنی رب کی طرف سے تمھیں اجازت ہے۔ وہ اس طرح کہ

مثال کے طور پر یتیم بچہ آٹھ سال کا ہے تو اس کے آٹے میں سے اتنا آٹا تم لے لو کہ جتنا تم اپنے آٹھ سالہ بچے کے لیے آٹا استعمال کرتے ہو اور اس بچے کے لیے سالن کا جتنا خرچہ کرتے ہو، یتیم کے مال میں سے اتنا خرچہ لے لو۔ پھر اس میں جو کمی بیشی ہوگی وہ تمھیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔ ((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" نیت تمھاری یتیم کے مال کو کھانے کی نہ ہو ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ خرابی کرنے والے کو اور اصلاح کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔" ان کا آٹا تم اپنے آٹے میں دیانت داری کے ساتھ ڈالو، جتنا حق بنتا ہے اور سالن پکانا ہے تو بھی ان کا حصہ دیانت داری کے ساتھ ڈالو۔ تھوڑی بہت کمی بیشی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔

یتیم کی دیکھ بھال کرنا عبادت ہے

ان کے کپڑوں کا حساب الگ رکھو، علاج معالجے کا حساب الگ رکھو، ان کے تعلیمی اخراجات کا حساب الگ رکھو اور آگے ذکر آئے گا کہ گواہ بھی بنا لو، یعنی یتیموں کے مال کا۔ جب نگران بنو تو ان کے مال کی فہرست بناؤ کہ یہ ان کا سامان ہے اور اس پر کم از کم دو آدمیوں کو گواہ بناؤ، پھر جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کے مال ان کے سپرد کرو، مگر گواہوں کے سامنے اور جو اخراجات ہوئے ہیں، ان کا بھی حساب کر لو اور یہ سب کچھ عبادت سمجھ کے کرو۔

یتیموں کی نگرانی کرنا اور ان کے مال کی حفاظت کرنے کا ثواب نفلی نماز اور نفلی روزوں سے زیادہ ہے اور یہ سب کچھ دیانت داری کے ساتھ ہو، تاکہ تم پر کسی قسم کا حرف نہ آئے۔ اور یتیموں کا مال کھانا ﴿إِنَّهُ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ بے شک یہ ہے بڑا گناہ۔ کیوں کہ یتیم کا مال کھانے والے نے اللہ تعالیٰ کا حق بھی توڑا اور بندے کا حق بھی توڑا۔ اور بندے کا حق معاف نہیں ہوتا، چاہے کروڑ مرتبہ بھی توبہ کر لے، جب تک صاحبِ حق معاف نہیں کرے گا، معافی نہیں ہوگی۔

یتیم لڑکیوں کے حقوق

یتیموں کے مالی حقوق کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکیوں کے حقوق کو بیان فرمایا ہے۔ نزولِ قرآن کریم کے وقت یتیم لڑکیوں کے ساتھ بھی بڑی زیادتی ہوتی تھی۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: چچا تایا فوت ہو گیا اور اس کی لڑکیاں بھی ہیں اور یہ سرپرست ہوتا اور خود چچے یا تائے کی لڑکی کے ساتھ نکاح کر لیتا اور حق مہر بھی پورا نہ دیتا کہ میں سرپرست ہوں، مجھے کون پوچھنے والا ہے۔ اور دوسرے حقوق مثلاً: لباس، خوراک وغیرہ، وغیرہ بھی پورے نہ کرتا کہ مجھ سے کس نے باز پرس کرنی ہے۔ وہ میرے چچے، تائے یا پھوپھی کی لڑکی ہے، ماموں کی لڑکی ہے اور میں خود سرپرست ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس طرح نہ کرو، بلکہ اگر تم نے ان کے ساتھ شادی کرنی ہے تو ان کو حق مہر بھی پورا دو اور جو دوسرے حقوق ہیں، مثلاً: لباس، خوراک وغیرہ کے وہ بھی دستور کے مطابق مہیا کرو، جتنا کہ دوسرے لوگ دیتے ہیں۔ اور یتیم لڑکیوں پر ظلم نہ کرو۔

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ﴾ اور اگر خوف کرو ﴿أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ یہ کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے یتیم عورتوں کے ساتھ (تو

ان کے ساتھ نکاح نہ کرو) ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ پس تم نکاح کرو جو تمھیں پسند آئیں عورتوں سے ﴿مَثْنٰى﴾ دو ﴿وَ ثُلٰثَ﴾ یا تین ﴿وَ رُبٰعَ﴾ یا چار۔ یاد رکھنا! اُمت میں سے کسی شخص کو بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی کہ بیک وقت آپ ﷺ کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں۔ اس میں اُمت آپ ﷺ کی پیروی نہیں کرسکتی، کیوں کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

رافضیوں اور خارجیوں کا غلط نظریۂ نکاح

رافضی اور خارجی کہتے ہیں کہ ایک آدمی بیک وقت اٹھارہ بیویاں رکھ سکتا ہے، حالانکہ یہ جائز نہیں۔ اور وہ مغالطہ اس طرح دیتے ہیں کہ دیکھو! ﴿مَثْنٰى﴾ کے معنی ہیں دو دو، تو چار ہو گئیں اور ﴿ثُلٰثَ﴾ کے معنی ہیں تین تین، تو چھ ہو گئیں اور چھ اور چار دس اور ﴿رُبٰعَ﴾ کے معنی ہیں چار چار تو آٹھ ہو گئیں اور دس اور آٹھ اٹھارہ ہو گئیں۔ لہٰذا ایک آدمی کے لیے بیک وقت اٹھارہ بیویاں جائز ہیں۔ جب کہ امام علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ جن کو زین العابدین کہتے ہیں اور یہ اہل تشیع کے چوتھے امام ہیں اور ترتیب اس طرح ہے: پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ، دوسرے امام حضرت حسن رضی اللہ عنہ، تیسرے امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور چوتھے امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ۔ تو ان چوتھے امام سے اس آیت کریمہ کی تفسیر بخاری شریف میں اس طرح منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ﴿مَثْنٰى﴾ سے دو دو مراد نہیں ہے، بلکہ صرف دو مراد ہے اور یہاں واو کے معنٰی أَوْ کے ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ دو کرو یا تین کرو یا چار کرو تو چار سے زیادہ کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔

آنحضرت ﷺ کے پاس دو شخص آئے تھے، ایک تھے حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ۔ کہنے لگے: حضرت! میرے نکاح میں دس عورتیں ہیں، مجھے بتائیں میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے چار رکھنے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ چوں کہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے لہٰذا اُنھوں نے چار سے زیادہ کو الگ کر دیا۔ دوسرے شخص نے کہا: حضرت! میرے نکاح میں دو سگی بہنیں ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ "اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی حرام ہے۔" یعنی بیک وقت کسی کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں نہیں رہ سکتیں، ہاں! اگر ایک فوت ہو جائے اور اس کے بعد دوسری سے نکاح کر لے تو وہ الگ بات ہے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ﴾ پس اگر تم خوف کرو ﴿اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ یہ کہ تم ایک سے زیادہ عورتوں میں عدل نہیں کر سکو گے ﴿فَوَاحِدَةً﴾ پس ایک ہی عورت کافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دو یا تین یا چار کے ساتھ نکاح کی اجازت مشروط ہے عدل کے ساتھ، اگر عدل نہیں کر سکتے تو پھر ایک پر ہی گزارا کرو ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ یا وہ جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ یعنی اگر تم ایک آزاد عورت کے حقوق بھی پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو پھر لونڈی پر گزارا کرو۔

لونڈی اور غلام کا مفہوم

لونڈی اور غلام کا مفہوم سمجھ لیں۔ شرعی جہاد ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائیں تو اس میں کافروں کے مرد، عورتیں اور بچے گرفتار ہوں گے، ان کے متعلق تفصیل ہے۔ نمبر ایک: قیدیوں کا قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لیا جائے۔ کیونکہ ظاہر بات ہے کہ جب لڑائی ہوگی تو تمھارے آدمی بھی تو ان کے پاس قید ہوں گے، تو قیدیوں کے آپس میں تبادلے کی بھی اجازت ہے۔ دوسری صورت: چھبیسواں پارہ سورۂ محمد میں ہے ﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً﴾ "پس یا تو احسان کر کے چھوڑ دینا چاہیے یا کچھ مال لے کر۔" یعنی شرعاً تمھیں اس بات کی بھی اجازت ہے کہ مفت میں تم ان قیدیوں کو چھوڑ دو، کوئی معاوضہ نہ لو اور اس چیز کی بھی تمھیں اجازت ہے کہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو، کیوں کہ ان کو تم نے کچھ دن رکھا ہے، ان پر تمھارا خرچہ ہوا ہے۔ اور اگر تم اس طرح بھی نہیں کرتے تو آخری صورت یہ ہے کہ تم ان کو غلام بنالو، لونڈیاں بنالو اور یہ غلام اور لونڈیاں امیر لشکر کسی کے سپرد کرے تو دائیں ہاتھ سے قیدی کا ہاتھ پکڑ کر جن کو دینا چاہے گا، اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑائے گا اور کہے گا کہ یہ تیری ملک ہے اور اسی وجہ سے اس کو مِلکِ یمین کہتے ہیں اور یہی مطلب ہے ﴿اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ﴾ یا وہ جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو کوئی چیز دو تو دائیں ہاتھ سے دو، کھاؤ پیو دائیں ہاتھ سے، استنجاء کرو بائیں ہاتھ سے، ناک صاف کرو بائیں ہاتھ سے۔ تو امیر لشکر جب کسی کے سپرد کر دے گا تو پھر اس کا سارا خرچہ اس کے ذمہ ہوگا، یہ قیدی کے سپرد کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ ورنہ اگر وہ ہاتھ نہ بھی لگائے صرف زبان سے کہہ دے کہ اتنے آدمی تیرے غلام ہیں تو وہ اس کے غلام ہوں گے۔ ان میں جو عورتیں ہوں گی، ان کے متعلق تفصیل ہے: اگر وہ اہل کتاب یعنی یہودی یا نصرانی ہیں تو مالک ان کے ساتھ ہم بستری بھی کر سکتا ہے۔ اگر وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں اور وہ مسلمان ہونے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں تو پھر ان کے ساتھ خاوند بیوی والا معاملہ درست نہیں ہے، وہ صرف اس کی ملک ہوں گی۔ جیسے کوئی گدھی یا خچری خرید لے تو وہ اس کا مالک تو ہوگا مگر اس کے ساتھ جماع تو نہیں کر سکتا۔ لونڈی کے ساتھ جماع کے لیے دو شرطیں ہیں: یا وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ اور اس وقت ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کہیں کوئی شرعی لونڈی ہو۔ یہ جو غنڈے قسم کے لوگ عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر بیچ آتے ہیں، یہ شرعی غلام نہیں بن سکتے اور یہ بڑا سنگین مسئلہ ہے۔ تعزیری طور پر اغواء کنندگان کی سزا موت ہونی چاہیے، تاکہ آئندہ کسی کو ایسی جرأت نہ ہو اور فقہ اسلامی بھی اس کی تائید کرے گی۔

تو یہ جو مسئلہ بیان ہوا ہے کہ اگر تم زیادہ عورتوں کے ساتھ انصاف قائم نہیں کر سکتے تو پھر ایک ہی کافی ہے یا لونڈی پر گزارا کرو ﴿ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا﴾ یہ زیادہ قریب ہے کہ تم مائل نہ ہو کسی ایک کی طرف ﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِہِنَّ نِحۡلَۃً﴾ اور دو تم عورتوں کو ان کے مہر خوشی کے ساتھ۔ جو مہر تم نے مقرر کیا ہے، وہ تمھارے ذمہ ہے، دینا پڑے گا ﴿فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡہُ نَفۡسًا﴾ پس اگر وہ عورتیں خوش کر لیں اپنے نفس کو تمھارے لیے مہر میں سے کسی شے پر۔ یعنی مہر سے، یا اس کے کچھ حصہ سے

دستبردار ہو جائیں ﴿فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾ پس کھاؤ تم اس کو مزیدار خوشگوار۔

﴿هَنِيْٓـًٔا﴾ کا معنی ہے: رچتا۔ ﴿مَّرِيْٓـًٔا﴾ کا معنی ہے: پچتا۔ جیسے: اچھی چیزوں کو انسان کھاتا ہے تو کھاتے وقت بھی مزہ آتا ہے اور بعد میں بد ہضمی بھی نہیں ہوتی۔ یعنی جو چیز تمھیں معاف کر دی گئی ہے وہ مزیدار طریقے سے کھاؤ اور بعد میں بد ہضمی بھی نہیں ہوگی، لیکن بیوی کی رضا کے ساتھ۔ ایسا نہیں کہ سر پر ڈنڈا رکھ کر معاف کراؤ تو یہ عند اللہ معاف نہیں ہوگا، قیامت والے دن پکڑ ہوگی۔ خوشی اور رضامندی سے معاف کرے اور اس میں بھی اس کی مرضی ہے، سارا معاف کر دے، آدھا معاف کر دے، کچھ حصہ معاف کر دے، جتنا وہ چاہے، کیوں کہ مہر کی وہ مالک ہے۔

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ﴾ اور نہ دو تم بے وقوفوں کو ﴿اَمْوَالَكُمُ﴾ اپنے مال ﴿الَّتِيْ﴾ وہ مال ﴿جَعَلَ اللّٰهُ﴾ کہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿لَكُمْ﴾ تمھارے واسطے ﴿قِيٰمًا﴾ قائم رہنے کا ذریعہ ﴿وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا﴾ اور ان کو کھلاتے پلاتے رہو ان مالوں سے ﴿وَاكْسُوْهُمْ﴾ اور ان کو لباس پہناتے رہو ﴿وَقُوْلُوْا لَهُمْ﴾ اور کہو ان کو ﴿قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ بات بھلی ﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى﴾ اور امتحان لو تم یتیموں کا ﴿حَتّٰٓى﴾ یہاں تک کہ ﴿اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ جب وہ پہنچ جائیں نکاح کی مدت کو ﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ﴾ پس اگر تم محسوس کرو ﴿مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ ان سے رشد و بھلائی اور سمجھ ﴿فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ پس تم ان کو دے دو ﴿اَمْوَالَهُمْ﴾ ان کے مال ﴿وَلَا تَاْكُلُوْهَآ﴾ اور نہ کھاؤ تم ان یتیموں کے مالوں کو ﴿اِسْرَافًا﴾ حد سے بڑھتے ہوئے ﴿وَّبِدَارًا﴾ اور جلدی کرتے ہوئے ﴿اَنْ يَّكْبَرُوْا﴾ یہ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا﴾ اور جو شخص غنی ہو ﴿فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ پس چاہیے کہ وہ یتیم کے مال کے کھانے سے بچے ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا﴾ اور جو شخص محتاج ہے ﴿فَلْيَاْكُلْ﴾ پس چاہیے کہ وہ کھائے ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ دستور کے مطابق ﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ﴾ پس جب تم دو ان کو ﴿اَمْوَالَهُمْ﴾ ان کے مال ﴿فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ﴾ پس تم گواہ بنا لو ان پر ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا ﴿لِلرِّجَالِ﴾ مردوں کے لیے ﴿نَصِيْبٌ﴾ حصہ ہے ﴿مِّمَّا﴾ اس مال سے ﴿تَرَكَ الْوَالِدٰنِ﴾ جو چھوڑ گئے ماں باپ ﴿وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ اور قریبی رشتہ دار ﴿وَلِلنِّسَآءِ﴾ اور عورتوں کے لیے ﴿نَصِيْبٌ﴾ حصہ ہے ﴿مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ﴾ جو چھوڑ گئے ماں باپ ﴿وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ اور قریبی رشتہ دار ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ﴾ تھوڑا اس مال سے ﴿اَوْ كَثُرَ﴾ یا زیادہ ہو ﴿نَصِيْبًا﴾ حصہ ہے ﴿مَّفْرُوْضًا﴾ طے شدہ۔

ان آیات میں معاشرے کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ یعنی آپس میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ۔ اور کل کے سبق میں

آپ نے سنا کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ طریقہ اور رواج تھا اور آج کے دور میں بھی کوئی کمی نہیں ہے کہ چچا تایا فوت ہو جاتا اور ان کی اولاد چھوٹی ہوتی، یہ ان کا سرپرست بنتا، بے دردی اور بے ترسی سے ان کا سب کچھ کھا پی جاتا، ان کا عمدہ مال خود لے لیتا اور ردی مال ان کے کھاتے میں ڈال کر گنگ پورے کر دیتا۔ اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ ہر زمانے اور ہر علاقے میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں، سمجھ دار بھی اور بے وقوف بھی۔ اور اس سے کوئی ملک اور کوئی قوم مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسی طرح یتیم بچوں میں بھی بے وقوف بھی ہوتے ہیں اور سمجھ دار بھی ہوتے ہیں، شریف بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی ہوتے ہیں۔

بے وقوف کے متعلق شرعی احکام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ﴾ ، سُفَهَاءُ ، سَفِيْهٌ کی جمع ہے اور نہ دو تم بے وقوفوں کو ﴿اَمْوَالَكُمُ﴾ اپنے مال ﴿الَّتِيْ﴾ وہ مال ﴿جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ کہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ﴿قِيٰمًا﴾ قائم رہنے کا ذریعہ۔ مال ہوگا تو کھائے گا، پیے گا، پہنے گا، بغیر مال کے تو نظام نہیں چلتا۔ اگر تم نے بے وقوف کو مال دے دیا تو وہ اُڑا دے گا، ضائع کر دے گا، خصوصاً جب بے وقوف کو بُرے ساتھی مل جائیں تو وہ اس سے بھی بُرے ہوں گے۔ لہٰذا جو بے وقوف ہے، چچے کا بیٹا ہے، ماموں کا بیٹا ہے، بھائی کا بیٹا ہے، برادری رشتہ داروں میں سے کوئی ہے، جس کے تم نگران اور سرپرست ہو، اس کو تم مال نہ دو۔ اس میں اس کی بہتری ہے۔ بے وقوف کو بے وقوف مل گئے تو سب کچھ تباہ کر دیں گے۔

بُری صحبت کا اثر

نوجوانو! عزیزو! اور ساتھیو! اچھی طرح یاد رکھنا! کبھی کسی بُرے کے پاس بیٹھک نہ رکھنا، برائی کا اثر بہت جلد ہوتا ہے، کیونکہ نفس امارہ بھی برائی کو چاہتا ہے اور شیطان بھی برائی کو چاہتا ہے اور ماحول بھی برائی سے آلودہ ہے، لہٰذا بُرے آدمی کے پاس ایک دفعہ بھی بیٹھ گئے تو تم میں ضرور برائی آئے گی۔ مرد، عورتیں میرے پاس آتے ہیں اور روتے ہیں کہ ہمارا بچہ غلط راستے پر چل پڑا ہے، بُرے لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے، نشئی ہو گیا ہے، یہ ہو گیا ہے، وہ ہو گیا ہے، تعویذ دے دو۔ بھائی! پہلے سے ان کو بُری مجلسوں سے دور رکھو، اچھے لوگوں کی صحبت میں بھیجو۔

تو فرمایا کہ بے وقوفوں کو اپنے مال نہ دو، یہ مال تمھارے قائم رہنے کا ذریعہ ہیں۔ وہ ضائع کر دیں گے اور اس طرح کرو ﴿وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا﴾ ان مالوں میں سے ان کو کھلاتے رہو ﴿وَاكْسُوْهُمْ﴾ اور ان کو لباس پہناتے رہو، تم ان کے نگران ہو، دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم نے رب تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے، ان کے مال کی حفاظت کرو اور ضرورت کے مطابق ان پر خرچ کرو ﴿وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ اور کہو ان کو بات بھلی اور اچھی۔ کیوں کہ وہ بے وقوف ہیں، کہہ سکتے ہیں کہ تو ہمارے مال کا کیا لگتا ہے؟ ہمارا مال ہمارے حوالہ کر اور یہ بات وہ کسی کے اُکسانے پر بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں شرارتی لوگ بھی ہوتے ہیں، وہ اُکساتے ہیں کہ مال تو تیرا ہے، اس سے وصول کرو۔ تو ایسے موقع پر تمھیں جذبات میں نہیں آنا

چاہیے اور غصے میں آ کر یہ نہ کہو کہ یہ تیرا مال ہے، اس کو سنبھال اور یہاں سے دفع ہوجا۔ کیونکہ وہ تو بے وقوف ہے اور تم نے بھی اس کو جذبات میں آ کر رد کر دیا تو وہ بگڑ جائے گا، تباہ ہوجائے گا۔ لہٰذا جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے حوصلے سے کام لو اور اس کو اچھی بات کہہ کر ٹال دو کہ بھائی! واقعی مال تیرا ہے، میں تو خادم ہوں، یہ آج بھی تیرا ہے اور کل بھی تیرا ہے۔ مگر اس بے وقوف کے حوالہ نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

آگے فرمایا ﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى﴾ اور امتحان لو تم یتیموں کا ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں نکاح کی مدت کو یعنی بالغ ہوجائیں تو تم ان کا امتحان لو ﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ پس اگر تم محسوس کرو ان سے بھلائی اور سمجھ ﴿فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾ پس تم ان کو دے دو ان کے مال۔ مطلب یہ ہے کہ یتیم جب تک بالغ نہ ہوں اس وقت تک تو ان کا مال ان کے حوالے نہیں کرنا اور جب بالغ ہوجائیں تو سب سے پہلے ان کا امتحان لو۔ اور امتحان کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً: تم ان کو کچھ رقم دو اور کہو کہ بھائی! عزیز، برخوردار! یہ رقم تو اپنے پاس رکھ اور یہ نہ بتاؤ کہ میں نے تجھے رقم کیوں دی ہے؟ پھر دیکھو کہ اس رقم کا وہ کیا کرتا ہے، دو چار ہفتوں کے بعد اس سے دریافت کرو کہ بھائی! تو نے اس رقم کا کیا کیا ہے؟ اگر سمجھ دار ہوگا تو اس نے اپنے فائدے کی کوئی چیز خریدی ہوگی، جوتا، کپڑا وغیرہ یا کوئی کتاب خریدی ہوگی یا رقم محفوظ ہوگی اور کہے گا کہ خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اور اگر بے وقوف ہوگا تو فلم یا تھیٹر دیکھنے گیا ہوگا اور کھا پی کے اُڑا دی ہوگی۔ تو اس طرح تمھیں اندازہ ہوجائے گا کہ بے وقوف ہے یا سمجھ دار ہے۔

امتحان کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یتیم کو کہو برخوردار! یہ رقم ہے، بازار سے جا کر اپنے لیے سوٹ کا کپڑا لاؤ۔ پھر اندازہ لگاؤ کہ مہنگا لایا ہے یا سستا لایا ہے، اچھا لایا ہے یا نکما۔ اس سے انسان کی عقل معلوم ہوجاتی ہے، اس لیے کہ سمجھ دار ہے تو کئی دکانیں گھوم پھر کر اچھا اور سستا کپڑا لائے گا اور اگر بے وقوف ہے تو نکما اور مہنگا لائے گا، اس کے علاوہ بھی امتحان کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ میں نے سمجھانے کے لیے یہ دو صورتیں بیان کی ہیں۔ امتحان کے بعد اگر سمجھو کہ سمجھ دار ہے اور نفع نقصان کو سمجھتا ہے تو پھر اس کا مال اس کے حوالے کر دو اور اگر سمجھو کہ بے وقوف ہے، سب کچھ اُجاڑ دے گا اور تباہ کر دے گا تو پھر مال اس کے حوالے نہ کرو، چاہے کچھ کرتا اور کہتا پھرے۔ اور اس سلسلے میں جو تم اس پر محنت اور کوشش کرو گے، وقت خرچ کرو گے تو تمھیں جہاد کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ جہاد کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم اس کی اصلاح کے لیے جو کوشش کرو گے، یہ جہاد ہوگا اور ثواب ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے: ((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ)) "دین نام ہی خیر خواہی کا ہے۔" بغیر کسی لالچ اور طمع کے خیر خواہی کرتا ہے، خیال رکھتا ہے، دوسرے کے لیے ایثار کرتا ہے اور قربانی دیتا ہے، اس کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے، چاہے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ دین کا خلاصہ ہے۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا﴾ اور نہ کھاؤ تم ان یتیموں کے مالوں کو حد سے بڑھتے ہوئے اور جلدی کرتے ہوئے۔

اسراف کا معنی ہے: ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور بدار کا معنی ہے: جلدی کرتے ہوئے، یہ خیال کرتے ہوئے ﴿أَنْ يَّكْبَرُوْا﴾ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے، پھر وہ ہمیں کھانے نہیں دیں گے اور اب بے سمجھ ہیں، ان کا مال کھا جاؤ، جس طرح کھا سکتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس طرح نہ کرو۔

صاحبِ نصاب کی تعریف

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا﴾ اور جو شخص غنی ہو، یعنی جو نگران اور سرپرست مال دار ہو ﴿فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ تو چاہیے کہ وہ یتیم کے مال کے کھانے سے بچے، اس حد تک بچے کہ اگر یتیم کی ہانڈی پکی ہے اور اس نے نمک چکھنا ہے تو نمک چکھ کر تھوک دو، حلق سے نیچے نہ اُترے، مگر آج کل ایسے آدمی کہاں سے تلاش کرو گے، بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ تو نگران اور سرپرست غنی ہے تو وہ یتیم کا مال کھانے سے بچے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں غنی صاحبِ نصاب کو کہتے ہیں۔ اور صاحبِ نصاب کی تعریف آپ کئی مرتبہ سن چکے ہیں کہ ایسا آدمی بھی صاحبِ نصاب ہے جس کے پاس سونا چاندی اور نقد پیسہ اور سامانِ تجارت تو اگرچہ موجود نہیں ہے، مگر اس کے گھر میں فالتو سامان موجود ہے، یعنی ضرورت سے زائد سامان چاہے وہ چارپائیاں ہوں، کرسیاں ہوں، پلنگ ہوں یا برتن ہوں جو کہ عموماً استعمال میں نہیں آتے۔ کبھی کوئی مہمان آ گیا تو استعمال کر لیے، اس فالتو سامان کی قیمت اگر ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچ جاتی ہے تو ایسا شخص شرعی اور فقہی طور پر صاحبِ نصاب ہے اور غنی ہے۔ اگر مقروض نہ ہو۔ غنی صرف اس کو نہیں کہتے جو کہ کوٹھیوں اور کارخانے کا مالک ہو۔ اور ایسے شخص پر قربانی بھی لازمی ہے اور فطرانہ بھی اور ایسا شخص زکوٰۃ بھی نہیں لے سکتا اور نہ فطرانہ، چاہے مرد ہے یا عورت ہے۔

بیوہ عورت اور یتیم لڑکی کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ

بعض اوقات کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو لوگ اس کو بیوہ ہونے کی وجہ سے کہ بچے اس کے یتیم ہو گئے ہیں، زکوٰۃ دے دیتے ہیں تو اس میں تفصیل ہے: اگر وہ بیوہ واقعتاً صاحبِ نصاب نہیں ہے اور یتیم بچے بھی صاحبِ نصاب نہیں ہیں تو پھر تو ان کو زکوٰۃ دینا صحیح ہے اور اگر اس کا خاوند اتنا مال چھوڑ گیا ہے کہ وہ صاحبِ نصاب ہے اور یتیم بچے بھی صاحبِ نصاب ہیں، کیونکہ ان کا باپ کافی مال چھوڑ گیا ہے تو ایسی بیوہ اور ایسے یتیم بچوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ قطعاً ادا نہیں ہوگی، کیونکہ وہ صاحبِ نصاب ہیں۔ نہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں، نہ فطرانہ۔ صرف رشتہ داری نہیں دیکھنی کہ زکوٰۃ تو ہم نے دینی ہے، بھابھی کو دے دو، کیونکہ وہ بیوہ ہو گئی۔ بھائی! یہ بھی دیکھو کہ اس کو زکوٰۃ لگتی بھی ہے یا نہیں؟

بعض لوگ یتیم لڑکی یا غریب لڑکی کی شادی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا۔ نمبر ایک اس غریب لڑکی کو زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کہہ کر نہ دو، اگرچہ وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ کیونکہ بعض غیور طبیعتیں اس چیز کو گوارا نہیں کرتیں اور تم دیتے وقت نیت زکوٰۃ ہی کی کرو، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بے شک اس کو کہو کہ یہ تمھاری

امداد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کو زکوٰۃ کتنی دینی ہے اور کس طرح دیں کہ اس کا کام بھی ہو جائے اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے۔ کیونکہ آج کل ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت تقریباً پانچ ہزار روپے ہے۔ اگر ایک آدمی نے اس لڑکی کو پانچ ہزار روپے دے دیے تو وہ صاحبِ نصاب ہوگئی، اب وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتی۔ جب دوسرا آدمی اس کو زکوٰۃ کی رقم دے گا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تیسرا دے گا، چوتھا دے گا، اس کی بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تو اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم اس کی ضرورت کے مطابق اکٹھی کرلی جائے اور اس کو یک مشت دے دی جائے تو سب کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ یہ مسائل ہر وقت پیش آتے رہتے ہیں، ان کو اچھی طرح سمجھ لیں اور یاد کرلیں۔

پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ لڑکی سادات میں سے تو نہیں ہے۔ اگر سادات میں سے ہے تو اس کو بھی زکوٰۃ نہیں لگے گی اور پانچ بیٹوں کی اولاد کو سادات کہا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب۔ یہ سادات ہیں، ان میں سے کسی کو کسی وقت بھی زکوٰۃ نہیں لگتی، نہ قسم کا کفارہ، نہ فطرانہ اور نہ عشر۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ زکوٰۃ کس کو دوں تو ادا ہو جائے گی۔ صرف زکوٰۃ دے دینے سے کوئی ذمہ سے فارغ نہیں ہو جاتا، بلکہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ جس کو زکوٰۃ کی رقم دے رہا ہوں، وہ اس کا مصرف بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج کل جو حالات ہیں، لینے والا نہیں بتائے گا کہ میں مصرف ہوں یا نہیں۔

آگے فرمایا ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا﴾ اور جو شخص محتاج ہے، فقیر ہے اور فقیر کی تعریف کرتے ہیں کہ مَنْ لَّا يَمْلِكُ قُوْتَ يَوْمِهٖ "جس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی نہ ہو" اور یہ فقیر، یتیم کا نگران ہے۔ ﴿فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ پس چاہیے کہ وہ کھائے دستور کے مطابق۔ دستور کا مطلب یہ ہے کہ وہ عام حالات میں ایسے ماحول میں جو کھاتا ہے، وہی کچھ کھائے۔ اگر وہ ایسے حالات میں دال کھاتا ہے تو یتیم کے مال سے گوشت نہیں کھا سکتا۔ معروف کا معنیٰ عرف کا ہے کہ ایسے حالات میں اس موقع پر وہ کیا کھاتا ہے؟ دال کھاتا ہے تو دال کھائے، سبزی کھاتا ہے تو سبزی کھائے اور کھانا بھی ایک آدھ موقع پر ہے، ایسا نہیں کہ ہر وقت یتیم کے سر چڑھا رہے اور اس کی جان اس وقت چھوڑے جب اس کی ساری رقم ختم ہو جائے۔ اپنے کھانے پینے کے لیے الگ محنت کرنی چاہیے، مسلمان کے لیے ایک دن بھی فارغ رہنا گناہ کی بات ہے۔

نوجوانو! ہڈحرام ہونا بہت بڑا گناہ ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے کافی ہے کہ گھر کے افراد تو روٹی کو ترسیں اور یہ پتنگیں اُڑائے، کبوتروں کے پیچھے دوڑے اور گیموں کے پیچھے پڑا رہے۔ یعنی نکما ہونا بڑا گناہ ہے۔ ہاں! کوئی بیمار ہے، اندھا ہے، لنگڑا ہے، لولا ہے تو اس کا مسئلہ جدا ہے اور ہر دیانت داری کے ساتھ کوشش کرتا ہے، مگر مزدوری نہیں ملتی تو اس کا مسئلہ بھی جدا ہے، یعنی یہ گنہگار نہیں ہوگا۔ تو دوسروں پر بوجھ بن کر رہنا گناہ ہے

اور یہ اسلام کا اصول ہے کہ لڑکا جب بالغ ہوجائے تو اس کو اپنے مال پر چھوڑ دو، کمائے اور کھائے۔ مگر آج اکثر اس اصول کے خلاف ہو رہا ہے اور مسلمانوں کے بچے کھیل کود میں وقت ضائع کرتے ہیں اور ماں باپ کا سر کھا جاتے ہیں، جان نہیں چھوڑتے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ مسلمان کو مسلمان ہونا چاہیے۔

اور دستور کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ وہ اپنی خدمات کا جائز اور بقدرِ ضرورت معاوضہ لے۔ یعنی یتیم اگر اپنے باپ کے کاروبار کو نہیں چلا سکتا تو یہ اس کی نگرانی کرے اور جائز معاوضہ لے۔ محض یتیم کا مال سمجھ کر ہضم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾ پس جب تم ان کو دو ان کے مال۔ یعنی جب تم یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو ﴿فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ﴾ پس تم گواہ بنا لو ان پر۔ یعنی جب تم یتیموں کا مال واپس کرو تو گواہ بنا لو کہ اتنا مال میں نے واپس کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب یتیموں کا مال تمھارے پاس آئے تو اس وقت بھی گواہ بناؤ کہ ان کا اتنا مال میرے پاس ہے اور جب یتیم بالغ ہوجائیں اور ان کا مال ان کے حوالے کرو تو بھی گواہ بناؤ اور پوری تفصیل سامنے رکھو کہ: کل مال اتنا تھا، اس میں اتنا کھانے پینے پر خرچ ہوا ہے اور اتنا ان کی تعلیم پر خرچ ہوا ہے اور اتنا ان کے علاج معالجے پر خرچ ہوا ہے اور اتنا مال باقی ہے، یہ دیکھ لو، میں ان کے حوالے کر رہا ہوں۔ فرمایا ایک اور بات بھی یاد رکھنا! ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا سب کچھ اس کے علم میں ہے، جو کچھ کر رہے ہو، سوچ سمجھ کر کرو، کیونکہ رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

بہن کا حصہ وراثت معاف کرنا کب معتبر ہے؟

آگے ایک اور مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو وراثت سے حصہ نہیں ملتا تھا، کہتے تھے کہ عورتیں چونکہ صنف نازک ہیں، لڑ نہیں سکتیں، اس لیے ان کا وراثت میں کوئی حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ﴾ مردوں کے لیے حصہ ہے ﴿مِّمَّا﴾ اس مال سے ﴿تَرَكَ الْوَالِدٰنِ﴾ جو چھوڑ گئے ہیں ماں باپ ﴿وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے ﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ﴾ اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے ﴿مِّمَّا﴾ اس مال سے ﴿تَرَكَ الْوَالِدٰنِ﴾ جو چھوڑ گئے ہیں ماں باپ ﴿وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے ﴿مِمَّا﴾ اس مال سے ﴿قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ﴾ تھوڑا اس مال سے یا زیادہ ہو، اس میں ان کا باقاعدہ حصہ ہے۔ یعنی جس چیز کے ماں باپ مالک تھے، چاہے وہ سوئی کا دھاگا ہی کیوں نہ ہو، عورت کا اس میں حصہ ہے۔ اسی طرح بھائی فوت ہوگیا ہے، بہن فوت ہوگئی ہے، اس میں عورتوں کا باقاعدہ حصہ ہے۔

کئی لوگ یہ داؤ کھیلتے ہیں کہ بہن نے معاف کر دیا ہے۔ بھائی! یہ کیسی معافی ہے کہ ابھی اسے ملا تو کچھ ہے نہیں، معاف اس نے پہلے کر دیا ہے۔ بھائی! پہلے اس کے حوالے کرو، زمین وغیرہ کی رجسٹری اس کے نام کراؤ، انتقال ہوجائے اور اس کا قبضہ ہوجائے پھر چند سال وہ اس سے فائدہ اٹھائے، پھر وہ تمھیں دے تو ٹھیک ہے۔ جب اس کے ہاتھ میں ہے ہی کچھ نہیں، اس نے معاف کیا کرنا ہے؟ یہ تو ایسے ہی ہے کہ میں تمھیں کہتا ہوں کہ میں نے سارا پاکستان تمھیں دے دیا ہے تو اس کا کیا معنیٰ ہے؟ یہ تو

رب تعالیٰ سے بھی داؤ کھیلنا ہے اور مخلوق سے بھی۔ فرمایا ﴿نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ حصہ ہے طے شدہ اور ان حصوں کی تفصیل اگلے رکوع میں آ رہی ہے۔

﴿وَ اِذَا حَضَرَ﴾ اور جب حاضر ہوں ﴿الْقِسْمَةَ﴾ تقسیم کے وقت ﴿اُولُوا الْقُرْبٰى﴾ قریبی رشتہ دار ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ اور یتیم ﴿وَالْمَسٰكِيْنُ﴾ اور مسکین ﴿فَارْزُقُوْهُمْ﴾ تو دو ان کو تم ﴿مِّنْهُ﴾ اس مال میں سے ﴿وَ قُوْلُوْا لَهُمْ﴾ اور کہو ان کو ﴿قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ بات بھلی ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ﴾ اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ ﴿لَوْ تَرَكُوْا﴾ اگر چھوڑیں وہ ﴿مِنْ خَلْفِهِمْ﴾ اپنے پیچھے ﴿ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا﴾ اولاد کمزور ﴿خَافُوْا عَلَيْهِمْ﴾ خوف ہو گا ان کو ان کے بارے میں ﴿فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ تعالیٰ سے ﴿وَلْيَقُوْلُوْا﴾ اور چاہیے کہ کہیں ﴿قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ بات درست ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَاْكُلُوْنَ﴾ جو کھاتے ہیں ﴿اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى﴾ یتیموں کا مال ﴿ظُلْمًا﴾ زیادتی کرتے ہوئے ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿يَاْكُلُوْنَ﴾ کھاتے ہیں (بھرتے ہیں) ﴿فِيْ بُطُوْنِهِمْ﴾ اپنے پیٹوں میں ﴿نَارًا﴾ آگ ﴿وَسَيَصْلَوْنَ﴾ اور عنقریب داخل ہوں گے ﴿سَعِيْرًا﴾ بھڑکتی ہوئی آگ میں۔

غیر وارث سے حسنِ سلوک

اس سے پہلے آیت کریمہ میں بیان ہوا تھا کہ ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جن سے وراثت کا حصہ مل سکتا ہے جو مال چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے، چاہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اور یہ حصہ طے شدہ ہے۔ آگے ان حصوں کی تفصیل بیان ہو رہی ہے اور اس سے پہلے غیر وارث رشتہ دار اور یتیم، مسکین اور غرباء سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ جب وراثت کا مال تقسیم کیا جاتا ہے تو ایسے موقع پر عموماً قریبی رشتہ دار آ جاتے ہیں کہ دیکھو! کس طرح تقسیم کرتے ہیں اور یتیم مسکین بھی اس اُمید پر آ جاتے ہیں کہ شاید ہمیں بھی کچھ مل جائے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾ اور جب حاضر ہوں وراثت کی تقسیم کے وقت ﴿اُولُوا الْقُرْبٰى﴾ قریبی رشتہ دار اور ہوں وہ بڑے غریب ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ اور یتیم۔ یعنی تقسیم کے وقت اپنی برادری یا محلے یا اپنے قصبے سے یتیم بچے بھی آ جائیں ﴿وَالْمَسٰكِيْنُ﴾ اور مسکین آ جائیں ﴿فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ﴾ تو دو ان کو تم اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے، مگر اس موقع پر غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کو کچھ دینے میں تفصیل ہے کہ ایک تو اس وقت تمام وارث موجود ہوں، کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھی غیر حاضر ہوا تو مشترکہ مال میں سے کسی کو کچھ نہیں دیا جا سکتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ان میں سے کوئی نابالغ نہ ہو، کیونکہ نابالغ کی اجازت کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

چاہے وہ دیکھا دیکھی یا شرم کی وجہ سے کہہ بھی دے کہ میرے حصے میں سے بھی دے دو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ سب کے سب یتیموں، مسکینوں کو دینے پر راضی ہوں، اگر بعض راضی ہوں اور بعض راضی نہ ہوں، پھر بھی نہیں دے سکتے۔ یہ تین بنیادی شرطیں ہیں، اگر یہ پائی جائیں تو تقسیم سے پہلے یتیموں، مسکینوں کو دیا جاسکتا ہے اور تقسیم کے بعد تو ہر ایک اپنے حصے کا مالک بن جائے گا، پھر اپنی ملک میں جو چاہے کرے اور اگر غریبوں مسکینوں کو نہیں دے سکتے تو ﴿وَ قُولُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ اور کہو ان کو بھلی بات۔ مثلاً: ان کو کہو کہ بھائی! ہم مشترکہ مال میں سے دینے کے مجاز نہیں ہیں، کیونکہ کچھ وارث غیر حاضر ہیں یا یہ کہو کہ بھائی! وارثوں میں سے کچھ نابالغ بچے ہیں، اس لیے دینے کے مجاز نہیں ہیں یا اس واسطے دینے کے مجاز نہیں ہیں کہ کچھ راضی ہیں اور کچھ راضی نہیں ہیں، نہ دینے کی وجہ ضرور بیان کریں۔ کیونکہ اگر وجہ نہ بیان کی تو ان کے دل میں آئے گا کہ انھوں نے ہمیں بالکل ٹھکرا دیا ہے۔

شبہ کا ازالہ کرنا چاہیے

اور مسئلہ یہ ہے کہ جب بھی کسی کو بات سے شبہ پیدا ہو یا اس کے کام سے کسی کو وہم پیدا ہوتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہم کو دور کرے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں شبہ نہ رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے، عشاء کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں کسی خانگی مسئلے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، باقی تو چلی گئیں، مگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دیر تک بیٹھی رہیں، خاصی رات گزر گئی، معمولی سی چاندنی تھی، جب جانے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دروازے کے قریب کھڑا ہوتا ہوں تو میری نگرانی میں چلی جا۔ کیونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے کمرے مسجد نبوی کے ساتھ لین (قطار) میں تھے، جن کو حجرات کہا گیا ہے، قرآن پاک میں مستقل سورت ہے "سورت الحجرات" مسجد نبوی کے ساتھ پہلا کمرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا، دوسرا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تھا، تیسرا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا، چوتھا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور وہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کمرہ بھی تھا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے رہے اور وہ چلی گئیں۔ اتنے میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ آگئے، یہ دونوں گہرے دوست تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہو؟ ان دونوں نے اپنے نام بتائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے قریب آجاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے دیکھا ہے کہ ایک عورت ابھی میری نگرانی میں گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں! دیکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ میری بیوی صفیہ (رضی اللہ عنہا) تھی۔ انھوں نے کہا: سبحان اللہ! حضرت! کیا ہمیں یہ بھی کوئی وہم ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کو کوئی اجنبی عورت آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ "جہاں تک انسان میں خون کا دوران ہوتا ہے، وہاں تک شیطان کا بھی دورہ ہوتا ہے۔" میرے دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے شیطان یہ وسوسہ ڈالے کہ یہ عورت کون تھی؟ اور رات کو کیوں آئی؟ اس لیے میں

نے خود اس وہم کا ازالہ کر دیا ہے کہ وہ میری بیوی صفیہ (رضی اللہ عنہا) تھی، دوسری بھی آئی تھیں، مگر چلی گئیں، اس کا کام زیادہ تھا، یہ بیٹھی رہی۔ تو بخاری شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے قول یا فعل سے کسی کو شبہ پیدا ہوتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ خود اس کو دور کر دے اور اپنا دفاع کرے۔

مالِ یتیم میں احتیاط

تو مسئلہ یہ بیان ہو رہا تھا کہ اگر یتیموں مسکینوں کو دینا کچھ نہیں ہے تو ان کو اس کا سبب اور صحیح وجہ بیان کر دو، جس طرح کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ اور یاد رکھنا! یتیموں کے مال کے متعلق بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کتنی احتیاط کی ضرورت ہے؟ اس کا اندازہ اس مسئلہ سے لگائیں کہ یتیم بچہ ہے، اس کے کپڑے ہیں، آیا اس کے کپڑے صرف پہننے کے لیے کسی اور بچے کو دیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کے کپڑے فالتو ہیں یا بچہ بڑا ہو گیا ہے اور کپڑے چھوٹے ہو گئے ہیں تو یہ کپڑے کسی اور بچے کو دیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ تو فقہائے کرام نے اس سلسلے میں خاصی بحث کی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ نہیں دیے جا سکتے، کیونکہ کپڑے ان یتیموں کی ملک ہیں اور ان کی ملک میں چیز آ تو سکتی ہے، ملک سے نکل نہیں سکتی، کیونکہ بالغ ہونے سے پہلے وہ اجازت دینے کے بھی اہل نہیں ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ان کا سرپرست ان کے فالتو کپڑے یا وہ کپڑے جو چھوٹے ہو گئے ہیں، اپنے بچے یا کسی اور بچے کو دے دیں تو وہ اس کا مجاز ہے۔ بہرحال بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہے، ہم نے تو دینی مسائل سمجھے ہی نہیں ہیں، بڑی باریکیاں ہیں۔

فرمایا ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ﴾ اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ ﴿لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا﴾ اگر چھوڑیں وہ اپنے پیچھے اولاد کمزور ﴿خَافُوا عَلَيْهِمْ﴾ خوف ہو گا ان کو ان کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ نے بات سمجھائی ہے کہ تمھارے پاس جو لوگوں کے یتیم بچے آئے ہیں یا مسکین اور محتاج آئے ہیں اس اُمید پر کہ ہمیں کچھ ملے گا اس کو تم اس طرح سمجھو کہ تم فوت ہو گئے ہو اور تمھارے یتیم بچے پیچھے رہ گئے ہیں اور ہیں بھی کمزور کہ وہ کما بھی نہیں سکتے اور غریب بھی ہیں، وہ اگر کسی کے دروازے پر جائیں اور ان کو کچھ نہ ملے وہ محروم اور خالی ہاتھ واپس آئیں تو سوچو تمھارے دل پر کیا گزرے گی؟ کوئی صدمہ یا دکھ ہو گا یا نہیں؟

اسی طرح دوسروں کے یتیموں کا بھی دکھ محسوس کرو کہ وہ بلاوجہ تمھارے پاس سے محروم نہ جائیں، خالی ہاتھ جائیں تو کسی معقول وجہ سے جائیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اگر مشترکہ مال میں سے کسی وجہ سے نہیں دیا جا سکتا تو انتظار میں بٹھا دیں، جب مال تقسیم ہو جائے تو جس مال کے تم مالک بن گئے ہو اور عاقل بالغ ہو، دینے کے مجاز ہو، اس میں سے ان کو دے کر بھیجو، خالی ہاتھ نہ بھیجو اور ان سے ہمدردی کرو۔ ﴿فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ تعالیٰ سے ﴿وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾ اور چاہیے کہ کہیں بات درست اور معقول۔ یعنی ان کو معقول طریقے سے سمجھا دیں، جھڑکیں نہیں، تاکہ ان کے دلوں میں وہم اور کدورت پیدا نہ ہو۔

آگے اور سخت مسئلہ ہے، اس کو اچھی طرح سمجھنا اور اس پر عمل بھی کرنا، صرف برادریاں نہ پالنا۔ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى﴾ جو کھاتے ہیں یتیموں کا مال ﴿ظُلْمًا﴾ زیادتی کرتے ہوئے، شریعت کے قاعدوں سے تجاوز کرتے ہوئے۔ کیونکہ شریعت یتیموں کے مال کو کھانے کی اجازت نہیں دیتی۔ ﴿اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ پختہ بات ہے کھاتے ہیں، ڈال رہے ہیں اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ۔ یہ بوٹیاں نہیں، آگ کے انگارے ہیں جو کھا رہے ہیں۔ معاف رکھنا! یتیم کا مال سارے ہی کھاتے ہیں اور کھاتے کس طرح ہیں؟ وہ اس طرح کہ مثلاً: ایک آدمی فوت ہو گیا اور اس کے وارثوں میں چھوٹے بچے، بچیاں بھی ہیں اور ابھی وراثت تقسیم نہیں ہوئی اور اس مال میں سے تیجا، ساتواں، دسواں ہوتا ہے، چالیسواں بھی ہوتا ہے اور تم کھاتے ہو، برسی ہوتی ہے اور تم کھاتے ہو۔ یہ قطعی حرام ہے، دوزخ کی آگ پیٹ میں ڈالتے ہو۔ کیونکہ ایسا تو ہمارے علاقے میں ہے ہی نہیں کہ وفات کے ساتھ ہی شرعی طور پر وراثت تقسیم کر دیں۔ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ البتہ ایسے دو چار آدمی میرے ذہن میں ہیں کہ جنھوں نے مرنے سے پہلے اپنا مال وارثوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تو تقسیم سے پہلے اس مال میں سے تیجے، ساتویں، دسویں، چالیسویں پر یا اس میں سے خیرات کریں گے یا جمعرات کو کھانا دیں گے، یہ جو بھی کھائے گا حرام کھائے گا اور یہ تمام فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم کا اتفاقی مسئلہ ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور احمد رضا خان بریلوی جو بریلوی حضرات کے امام ہیں، ان کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ یتیم کا مال کھانا حرام ہے اور کھا سارے رہے ہیں، کیا مولوی یا قاری یا پیر یا حافظ یا حاجی، کیا چودھری یا ماموں، کیا چچے، سارے ہی چاٹ (ہضم کر) جاتے ہیں۔

ایک ہے تیجے، ساتویں اور دسویں کی تعیین کرنا۔ یہ بدعت ہے۔ یہ علیحدہ مسئلہ ہے اور مشترکہ مال میں سے صدقہ خیرات حرام ہے، یہ الگ مسئلہ ہے۔ اور یہ مسئلہ لوگوں کو سمجھانا بڑا اجہاد ہے اور یہ جہاد بھی تم ضرور کرنا۔ چونکہ صدیوں سے یہ ہندوانہ رسمیں لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں، اس لیے ان کا چھوڑنا خاصا مشکل ہے۔

میں کہتا ہوں اس محاذ سے جس پر بندوق لے کر کافروں کے مقابلے میں لڑنا ہے، یہ محاذ اس سے زیادہ سخت ہے کہ ساری برادری کے طعنے سنے اور پھر بھی کہے کہ نہیں کھاؤں گا، کیونکہ اس میں یتیم کا مال ہے، البتہ فوتگی کے موقع پر عزیز رشتہ دار جو کھانا پکاتے ہیں وہ کھانا جائز ہے اور ایسے موقع پر کھانا پکا کر بھیجنا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ موتہ کے مقام پر شہید ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو فرمایا: اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرَ طَعَامًا فَاِنَّهُمْ قَدْ اَتَاهُمْ مَا یُشْغِلُهُمْ "کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کر کے بھیجو، کیونکہ ان کو صدمہ ہے۔" تو ایسا کھانا غریب امیر سب کھا سکتے ہیں، قریب سے آیا ہوا بھی کھا سکتا ہے اور دور سے آیا ہوا بھی کھا سکتا ہے، لیکن تیجے، ساتویں اور دسویں کے لیے تو کوئی پکا کر نہیں بھیجتا، یہ تو مرنے والے کے مال سے پکتا ہے، اس واسطے اِس روٹی اور اُس روٹی میں بڑا فرق ہے۔

ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ جو آدمی جنازہ میں شریک ہو گیا ہے اس کو الگ تعزیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کا فرض ادا ہو گیا ہے۔ لیکن بعض دفعہ آدمی سفر پر ہوتا ہے یا اور کسی وجہ سے اس کو علم نہیں ہوتا اور وہ جنازے میں شریک

نہیں ہوسکتا تو وہ بعد میں تعزیت کے لیے جاسکتا ہے تو اس موقع پر دقت پیش آ سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب تعزیت کے لیے دور کسی جگہ پر جائے گا تو روٹی بھی کھانی ہے اور وہ کھلائیں گے بھی تو اب آدمی کیا کرے؟ تو اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کو مسئلہ سمجھائے اور بات واضح کرے کہ چونکہ تمھارا مال شرعی طور پر وارثوں میں تقسیم نہیں ہوا اور میں مشترکہ مال میں سے کھا نہیں سکتا، اس لیے ناراض نہ ہوں۔ البتہ عورتیں ضد کی بڑی پکی ہوتی ہیں اور مسائل بھی کم سمجھتی ہیں، لہٰذا اگر کوئی عورت ضد کر جائے کہ تو نے روٹی کھا کر جانا ہے تو ایسی مجبوری کی حالت میں کھانا کھا لے، مگر جتنی روٹی کھائی ہے اس سے زائد پیسے ان کے کسی بچے یا گھر کے کسی فرد کو دے دے تو یہ معاوضہ ہو جائے گا اور حرام سے بچ جائے گا لیکن ہے بڑا جہاد کہ ڈٹ جائے اور رسموں کو چھوڑ دے۔

میرے خیال میں حاجی فخر الدین صاحب مرحوم گکھڑ میں پہلے شخص تھے کہ جب ان کے پوتے کو دفنانے کے بعد دعا کی گئی تو اُنھوں نے اعلان کیا کہ ہم نے کوئی تیجا یا ساتواں نہیں کرنا اور نہ ہی کوئی اس ارادے سے ہمارے گھر آئے، میں بھی وہاں موجود تھا، ان کی برادری کے کچھ آدمیوں نے کہا کہ پھر تو ہم سے کٹ گیا ہے نا، علیحدہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کی مغفرت فرمائے، بڑے تیز مزاج تھے، کہنے لگے: اگر اس بات سے میں الگ ہو گیا ہوں تو مجھے الگ ہی رہنے دو۔ بڑے جہاد کی بات ہے اور لوگ بڑے عجیب ہیں کہ جنازہ تو مجھ سے پڑھواتے ہیں اور گھر جا کر اعلان کرتے ہیں کہ کل قل شریف ہوں گے یا پرسوں ہوں گے۔ بھئی! یا تو مجھ سے جنازہ نہ پڑھواؤ یا قلوں کا اعلان نہ کرو۔ پھر مجھے آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ اس کا نام ایصالِ ثواب ہے۔ بھئی! ایصالِ ثواب کے کھانے کے مستحق تو غریب اور محتاج ہیں، یہ چچا کیوں کھا گیا؟ دادا کیوں کھا گیا؟ سسر کیوں کھا گیا؟ داماد کیوں کھا گیا؟ چودھری کیوں کھا گیا؟ یہ ایصالِ ثواب کے کیا لگتے ہیں؟ یہ سب خالص رسمیں ہیں اور کھانے کے حیلے بہانے ہیں، ان سے بچو اور بہتر یہ ہے کہ جب قبر پر دعا ہو تو اعلان کر دو کہ ہم نے کوئی رسم وغیرہ نہیں کرنی، جس نے قرآن کریم پڑھنا ہو اپنے گھر پڑھ لے، مسجد میں بیٹھ کر پڑھ لے، جہاں چاہے پڑھے، ہر جگہ پڑھا جا سکتا ہے، مگر ایسے مجاہد بہت کم ہیں، جو اتنی ہمت کریں، ایک دوسرے سے شرم کرتے ہیں، وہ کہتا ہے شاید وہ اعلان کر دے اور وہ کہتا ہے کہ شاید وہ کر دے۔

تو مسئلہ یہ بیان ہو رہا تھا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں ﴿وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ اور وہ عنقریب داخل ہوں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہوگا کہ یہ یتیموں کا مال کھا گئے ہیں۔ میں نے تمھیں مسئلہ کھول کر سمجھا دیا ہے، آگے تمھاری گور گردن پر ہے۔

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں تاکیدی حکم دیتے ہیں ﴿فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ تمھاری اولاد کے بارے میں ﴿لِلذَّكَرِ﴾ مرد کے واسطے ﴿مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ دوعورتوں کے حصے کے برابر ہے ﴿فَإِنْ كُنَّ﴾ پس اگر وہ ﴿نِسَاءً﴾ عورتیں ﴿فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾ دو سے زیادہ ہوں ﴿فَلَهُنَّ﴾ پس ان عورتوں کے لیے ﴿ثُلُثَا﴾ دوتہائی ہیں ﴿مَا تَرَكَ﴾ اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً﴾ اور اگر ہے وہ ایک لڑکی ﴿فَلَهَا النِّصْفُ﴾ تو اس کے لیے ہے کل جائیداد کا آدھا حصہ ﴿وَلِأَبَوَيْهِ﴾ اور مرنے والے کے والدین کے لیے ﴿لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا﴾ ان میں سے ہر ایک کے لیے ﴿السُّدُسُ﴾ چھٹا حصہ ہے ﴿مِمَّا تَرَكَ﴾ اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے ﴿إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ اگر ہے اس کی اولاد ﴿فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ﴾ پس اگر نہیں مرنے والے کی اولاد ﴿وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ﴾ اور اس کے وارث اس کے ماں باپ ہیں ﴿فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ پس اس کی ماں کے لیے ہے تیسرا حصہ ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ﴾ پس اگر ہیں مرنے والے کے بہن بھائی ﴿فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ تو اس کی ماں کے لیے ہے چھٹا حصہ ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ وصیت کے بعد ﴿يُوصِي بِهَا﴾ جو وصیت اس نے کی ہے ﴿أَوْ دَيْنٍ﴾ یا قرضہ ادا کرنے کے بعد ﴿آبَاؤُكُمْ﴾ تمھارے باپ دادا ہیں ﴿وَأَبْنَاؤُكُمْ﴾ اور تمھارے بیٹے ہیں ﴿لَا تَدْرُونَ﴾ تم نہیں جانتے ﴿أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمھارے لیے نفع پہنچانے کے اعتبار سے ﴿فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ عَلِيمًا﴾ ہے جاننے والا ﴿حَكِيمًا﴾ حکمت والا۔

مسئلہ وراثت

وہ ضروری اور اہم مسائل جن میں پہلے بھی کوتاہی ہوتی تھی اور اب بھی کوتاہی ہوتی ہے، ان میں سے ایک وراثت کا مسئلہ بھی ہے۔ اس کے متعلق بڑا سخت حکم ہے کہ مرنے والے کے جو شرعی وارث ہیں ان کو قرآن وسنت کے مطابق حصہ دو، لیکن لوگ اس کی پروا نہیں کرتے۔ لہٰذا مرنے والے نے جو مال چھوڑا ہے اس کے متعلق جو ضروری باتیں ہیں وہ سمجھ لیں۔

مسئلہ اس طرح ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے فوت ہو جانے کے بعد سب سے پہلے اس کے مال میں سے جو اس نے چھوڑا ہے سنت کے مطابق کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا کیونکہ یہ سب سے مقدم ہے۔ اس میں کفن کا کپڑا، غسل دینے کی اجرت اور قبر کھودنے کی اجرت ہے۔ کیونکہ ظاہر بات ہے کہ کفن کے کپڑے پر پیسے خرچ ہوں گے، اسی طرح اگر غسل کوئی مفت دینے کے لیے تیار نہیں ہے تو اس کو اُجرت دینا بھی جائز ہے، چاہے مرد ہو یا عورت ہو اور اگر غسل مفت کرا دے

تو اس کا بڑا ثواب ہے۔

مجمع الزوائد حدیث کی کتاب ہے، اس میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ میت کو غسل دینے والے اور اس کے بدن میں جو عیب ہیں ان کو چھپانے والے کے چالیس کبیرہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح قبر کھودنے کا بھی بڑا ثواب ہے، بشرطیکہ مفت میں بنائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص میت کی قبر کھودے گا، جس میں اس کو دفن کیا جائے گا، یوں سمجھو کہ اس نے اس کو ساری عمر کے لیے مکان بنا دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی مفت میں نہیں کھودتا تو اس کو اُجرت دینا بھی جائز ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے مرنے والے کے ترکہ سے کفن دفن کا انتظام ہوگا اور خوشبو اور کافور وغیرہ بھی اس میں شامل ہے۔ دوسرے نمبر پر اس کے ذمہ جو قرض ہے، وہ اُتارا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس نے بیوی کا حق مہر زندگی میں ادا نہیں کیا تو وہ بھی ادا کیا جائے گا۔ تیسرے نمبر پر اس نے جو جائز وصیت کی ہے، اس کو پورا کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کو اپنی جائیداد کے تیسرے حصے میں وصیت کرنے کا حق ہے، چاہے وہ جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو، اس میں وصیت کر سکتا ہے کہ بھائی! میرے ترکہ میں سے مسجد بنا دینا یا مدرسہ بنانا یا فلاں کو اتنے پیسے دے دینا۔ بشرطیکہ وہ شرعی وارث نہ ہو، یعنی جائز کاموں کی وصیت کر سکتا ہے۔ تو اب ترتیب اس طرح ہوئی کہ مرنے والے کے متروکہ مال میں سے سب سے پہلے کفن دفن کا انتظام ہوگا، اس کے بعد اس کا قرض اُتارا جائے گا، پھر اس کی وصیت پوری کی جائے گی، چوتھے نمبر پر اس کی وراثت شرعی وارثوں میں تقسیم کی جائے گی۔ کچھ وارثوں کا ذکر تو آج کی آیت کریمہ میں ہے اور کچھ وارثوں کا ذکر کل آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

ایک اور ضروری بات بھی یہاں پر سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ پانچ چیزیں اور سبب ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اسباب نہ ہوں تو کوئی آدمی وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ وہ اسباب یہ ہیں: نمبر ایک: اختلاف دین ہے کہ مثلاً: باپ مسلمان ہے اور بیٹا کافر ہو گیا تو یہ کافر بیٹا باپ کی وراثت سے محروم ہو گیا یا اس کا اُلٹ ہو کہ بیٹا مسلمان ہے اور باپ کافر ہے تو اس مسلمان بیٹے کو کافر باپ کی وراثت نہیں مل سکتی اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ کافر سے وہی کافر مراد نہیں جن کو لوگ کافر سمجھتے ہیں۔ مثلاً: یہ کہ ہندو کافر ہیں، یہودی کافر ہیں، عیسائی کافر ہیں، پارسی کافر ہیں، سکھ کافر ہیں، عوام ان کو کافر سمجھتے ہیں، مگر کافر سے مراد وہ کافر ہیں جن کو شریعت کافر کہے۔ مثلاً: شریعت کی اصطلاح میں قادیانی بھی کافر ہیں، صابی بھی کافر ہیں، بہائی بھی کافر ہیں، رافضی بھی کافر ہیں، منکرین حدیث بھی کافر ہیں، شرک میں ڈوبے ہوئے بھی کافر ہیں۔

سنی رافضی کا وارث نہیں اور نہ ہی سنی رافضی کا نکاح ہے

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر میں سے ہیں، ان کا فتاویٰ رشیدیہ طبع شدہ ہے۔ ان سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضرت! ایک شخص رافضی ہے، شیعہ ہے، کیا اس کی وراثت سنی بیٹے کو مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور دوسرا

مسئلہ یہ بتاؤ کہ سنی اور رافضی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ فقہی طور پر نہ تو بیٹا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی نکاح ہوسکتا ہے اور تمام فقہاء اس مسئلے پر متفق ہیں۔ آج بہت سارے لوگ اس کا لحاظ نہیں کرتے، حالانکہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ ہماری بیٹی جہاں جارہی ہے ان کا عقیدہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ جب کہ لوگ اس کی پروا نہیں کرتے، بلکہ مال دیکھتے ہیں، لڑکے کی شکل وصورت دیکھتے ہیں، کاروبار دیکھتے ہیں، الا ماشاء اللہ! سو میں سے ایک دو ہوں گے جو اس کا خیال کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت ساری ایسی جگہیں ہوتی ہیں جہاں نکاح قطعاً نہیں ہوتا۔ تو بہرحال وراثت سے محرومی کا ایک سبب ہے اختلاف دین۔

اور دوسرا سبب ہے اختلافِ دارین کہ ایک دارالاسلام میں رہتا ہے اور دوسرا دارالحرب میں رہتا ہے اور ہیں بھی دونوں مسلمان۔ یہ مرگیا تو اس کو وراثت نہیں ملے گی اور اگر وہ مرگیا تو اس کو وراثت نہیں ملے گی۔ پھر دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریف میں فقہی طور پر خاصا اختلاف ہے۔

دارالاسلام کی ایک تعریف یہ کرتے ہیں کہ دارالاسلام اسے کہتے ہیں کہ جہاں من وعن یعنی اول تا آخر اسلامی قانون نافذ ہوں، اس تعریف کے مطابق پوری دنیا میں صرف وہ خطہ دارالاسلام ہے جو طالبان کے پاس ہے جو تقریباً ستائیس [۲۷] صوبے ہیں، بتیس [۳۲] صوبوں میں سے۔ باقی جو پچاس یا پچپن ملک ہیں بمع سعودیہ کے کوئی بھی دارالاسلام نہیں ہے۔ کیونکہ کسی بھی اسلامی ملک میں اول تا آخر اسلامی قوانین نافذ نہیں۔

اور دارالحرب اسے کہتے ہیں کہ جہاں مسلمان اپنے اسلامی فرائض ادا نہ کرسکیں۔ اس تعریف کے مطابق صرف چین اور روس اس زمرہ میں آتے ہیں جو مسلمانوں کو کوئی عبادت ادا نہیں کرنے دیتے تھے، مگر اب وہاں بھی ادا کرنے دیتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں مسلمانوں کو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے روکا جاتا ہو۔ تو اس وقت صحیح معنی میں دارالحرب بھی کوئی نہیں ہے۔

اور وراثت سے محرومی کا تیسرا سبب یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں ملے گی، جب کہ آج کل بہت سارے ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ مال کی خاطر باپ کو قتل کردیا جاتا ہے، چچے تائے کو قتل کردیا جاتا ہے، بھائی کو قتل کردیا جاتا ہے کہ مال ہمیں مل جائے۔ چوں کہ اسلامی قانون نافذ نہیں ہے، مل بھی جاتا ہے۔

وراثت سے محرومی کا چوتھا سبب ہے غلام ہونا۔ میرے علم کے مطابق اس وقت دنیا میں شرعی غلامی کہیں نہیں ہے کہ ایک شخص شرعی طور پر غلام ہو اور اس کے باپ دادا آزاد ہوں، اگر ایسا ہو تو یہ غلام ان کا وارث نہیں بن سکتا۔

اور پانچواں سبب ہے نبی کی اولاد ہونا۔ کیونکہ نبی کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو کچھ مدت کے بعد بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن کو مسئلہ کا علم نہ تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائیداد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرعی وارثوں میں تقسیم کی جائے اور شرعی طور پر ہمارا جو

حصہ بنتا ہے، وہ ہمیں دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے: ((نَحْنُ مَعْشَرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ)) "ہم جو انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہیں، ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

بخاری اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی؟ قال نعم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی قَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ۔ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ گواہ ہے، ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وراثت تقسیم ہوتی تو مسئلہ چوبیس سے بنتا۔ کیونکہ اس آیت کریمہ میں ہے کہ اگر صرف ایک لڑکی ہی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے تو چوبیس کا نصف بارہ ہے تو بارہ حصے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ملتے اور آٹھواں حصہ بیویوں کو ملتا، جس کا ذکر کل کی آیات میں آئے گا، ان شاء اللہ!۔

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ بیوی ایک ہو یا دو ہوں، تین ہوں یا چار ہوں، حصہ آٹھواں ہی ملتا ہے اور اسی میں تمام شریک ہوتی ہیں، جب کہ خاوند صاحب اولاد ہو، چاہے ایک بچی ہی کیوں نہ ہو۔ تو تین حصے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ملتے اور نو حصے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ملتے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا تھے۔ مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی، اس لیے کسی کو حصہ نہیں ملا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان سنا دیا، جس کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی تسلیم کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تسلیم کیا۔ اور یہ روایت بہت سارے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے اور متواتر روایت ہے اور اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی وراثت کے بارے میں کبھی سوال نہیں کیا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہی ہیں۔

رافضیوں کا خمینی جس کو وہ اپنا امام مانتے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اس کی ایک کتاب ہے کشف الاسرار اور اس کتاب کو انھوں نے اس کثرت سے شائع کیا ہے کہ میرے خیال میں ان کے ہر گھر میں یہ کتاب ہوگی۔ انھوں نے مختلف زبانوں فارسی، عربی اور اردو، انگریزی میں شائع کی ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ: قرآن پاک کا پہلا منکر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے، اس لیے کہ قرآن کا حکم ہے وراثت دو اور اس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حصہ نہیں دیا۔ پھر کہتا ہے کہ قرآن کا دوسرا منکر عمر رضی اللہ عنہ ہے، جو ملحد اور زندیق بھی تھا، کیونکہ اس نے بھی حصہ نہیں دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ نہیں دیا، یہ تینوں تو اس طرح قرآن پاک کے منکر اور کافر ہو گئے۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو چار سال خلیفہ رہے ہیں، انھوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ کیوں نہیں دیا؟ ٹھیک ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئی تھیں، مگر ان کی اولاد تو موجود تھی، ان کو دے دیتے۔ کیونکہ کسی کے فوت ہو جانے سے اس کا حق ختم نہیں ہو جاتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ وراثت ان کی اولاد کو دے دیتے۔ اگر دیا ہے تو ثابت کرو اور اگر نہیں دیا اور یقیناً نہیں دیا تو پھر تمھاری منطق کی رو سے وہ بھی قرآن پاک کے منکر،

کافر اور زندیق ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حصہ وراثت نہ دینے کی وجہ سے یہ تین ظالم ہیں، قرآن پاک کے منکر ہیں تو پھر اس ظلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شریک ہیں، کیوں بھائی؟ میری بات تمھیں سمجھ آ رہی ہے یا نہیں؟ ہمیں کسی سے عداوت نہیں ہے، بات سمجھنے کی ہے کہ اگر اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت کا حصہ نہ دیں تو وہ منکر اور کافر ہو گئے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ دیں تو مومن رہیں؟ آخر یہ فرق کیا ہے؟

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کا منکر کہنا غلط ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منکر قرآن اور ملحد اور زندیق کہنا غلط ہے، ناجائز ہے، حرام ہے تو کہتے ہیں کہ یہ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں اور ان کی کتابیں جن میں یہ سب کچھ درج ہے، دھڑا دھڑ گھروں میں پہنچائی جائیں تو ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ یہ الٹی منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی اور یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اگر عقیدے کے بیان کرنے کا نام فرقہ واریت پھیلانا ہے تو پھر ہم سارے ہی فرقہ واریت پھیلانے والے ہیں اور اگر لڑائی اور دہشت گردی کا نام فرقہ واریت ہے تو اس کے سارے طبقے ہی مخالف ہیں، سوائے غالیوں کے۔

تو میں یہ بات سمجھا رہا تھا کہ اگر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حصۂ وراثت نہیں دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی چار سال خلیفہ رہے ہیں، انھوں نے کیوں نہیں دیا؟ اگر وہ فوت ہو گئی تھیں تو ان کی اولاد تو تھی، ان کو دے دیتے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ جدی پشتی وراثتی حق کسی کے مرجانے سے ختم نہیں ہو جاتا۔ آج لوگوں نے یہ بہانہ بنایا ہوا ہے کہ زمینیں انگریز کے دور میں ملی ہیں، اگر انگریز نے ناجائز تقسیم کی ہے اور لڑکیوں کو ان کا حق نہیں دیا اور لڑکوں کو دیا ہے، اس میں ہمارا کیا دخل اور قصور ہے؟

حاشا وکلا! یہ بات غلط ہے، اس طرح لڑکیوں کا حق ختم نہیں ہوا۔ یہ لوگ اپنے شرعی وارثوں کا حصہ نکال دیں۔ مثلاً: پھوپھیوں کا یا پڑ پھوپھیوں کا اولاد در اولاد جو حصہ بنتا ہے، وہ نکال کر ان کی اولاد کے حوالے کریں، ورنہ سب حرام خور ہیں اور نہ حج قبول ہے، نہ نمازیں، نہ روزے، کوئی بھی عبادت قبول نہیں ہوگی۔ تو خیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کیا اور باقی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں تاکیدی حکم دیتے ہیں۔ وصیت کا معنیٰ ہے پختہ حکم ﴿فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ تمھاری اولاد کے بارے میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ مرد کے واسطے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ یعنی لڑکے کو اتنا حصہ دو جتنا دو لڑکیوں کو دینا ہے۔ مثلاً: ایک آدمی فوت ہو گیا ہے اور اس کے وارث صرف ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں اور کوئی شرعی وارث نہیں ہے تو آدھا مال لڑکے کو ملے گا اور آدھا دو لڑکیوں کو ملے گا۔ یعنی مسئلہ چار سے حل ہوگا، دو حصے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو اور اگر کسی مرنے والے کے وارث چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے تو مسئلہ نو سے حل ہوگا کہ دو حصے لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا، بشرطیکہ اور کوئی شرعی وارث نہ ہو۔ تو ضابطہ یہ ہے کہ لڑکوں کو لڑکی کی نسبت دوہرا حصہ ملے گا۔

باقی رہا ملحدوں کا یہ اعتراض کہ یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ لڑکا بھی اسی ماں باپ کا ہے اور لڑکی بھی اسی ماں باپ کی ہے، پھر شریعت لڑکے کو دوہرا حصہ اور لڑکی کو ایک حصہ کیوں دیتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اسی آیت کریمہ کے آخر میں آئے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ

کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے، اس کا کوئی فعل اور حکم حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکی کی ضروریات کا بوجھ خاوند پر ڈالا ہے کہ وہ اس کو مہر بھی دے گا، مکان، لباس، خوراک، علاج معالجہ بھی خاوند کے ذمہ ہے اور ماں باپ کی طرف سے بھی دلوایا ہے، بخلاف لڑکے کہ اس کا خرچہ سسرالیوں کے ذمہ نہیں ہے اور لڑکی کا تو اس حد تک خیال رکھا گیا ہے کہ اگر خاوند خرچہ نہ دے تو خسر دے اور اگر خسر نہ دے تو خسر کا باپ دے، یعنی خاوند کا دادا، لہٰذا شریعت نے لڑکی کے حق میں کوئی کمی نہیں کی۔ ﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾ پس اگر وہ عورتیں دو سے زیادہ ہیں، دو ہیں، تین ہیں یا زیادہ ہیں، یعنی مرنے والے کی لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں، بیٹا نہیں ہے ﴿فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ تو ان عورتوں کے لیے دو تہائی ہے اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے۔ یعنی کل مال کے تین حصے کیے جائیں گے، دو حصے ان لڑکیوں کے ہوں گے، چاہے وہ جتنی بھی ہوں اور تیسرا حصہ دوسرے وارثوں کو ملے گا اور اگر دوسرا وارث کوئی نہ ہو تو یہ تیسرا حصہ بھی انہی لڑکیوں کو مل جائے گا ﴿وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً﴾ اور اگر ہے وہ لڑکی ایک ﴿فَلَهَا النِّصْفُ﴾ تو ہے اس کے لیے کل جائیداد کا آدھا حصہ۔ یعنی اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہے، لڑکا نہیں ہے تو کل جائیداد کا آدھا حصہ اس لڑکی کو ملے گا، چاہے وہ جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو۔

آگے مرنے والے کے والدین کا حصہ بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا ﴿وَلِاَبَوَيْهِ﴾ اور مرنے والے کے والدین کے لیے ﴿لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے ﴿مِمَّا تَرَكَ﴾ اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے اور یہ چھٹا حصہ اس صورت میں ملے گا ﴿اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ اگر ہے اس کی اولاد۔ چاہے ایک لڑکی ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں مسئلہ حل ہوگا چھ سے کہ ایک حصہ باپ کو، ایک حصہ ماں کو اور باقی جو چار حصے ہیں وہ لڑکے لڑکیوں کو ملیں گے ﴿فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ﴾ پس اگر نہیں ہے مرنے والے کی اولاد بایں طور کہ شادی ہی نہیں کی، یا شادی کی مگر اولاد نہیں ہوئی یا ہوئی اور مر گئی ﴿وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ﴾ اور اس کے وارث اس کے ماں باپ ہیں ﴿فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ پس اس کی ماں کے لیے ہے تیسرا حصہ۔

اور مسئلہ یاد رکھنا! کہ ماں باپ کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو حصہ نہیں ملتا، یعنی ایک آدمی فوت ہو گیا، اولاد نہیں ہے، بہن بھائی زندہ ہیں تو ماں باپ کے ہوتے ہوئے بہن بھائی اس کی وراثت سے محروم ہو جائیں گے۔ بھائی بہنوں کو اس وقت ملتا ہے جب کہ ماں باپ زندہ نہ ہوں اور اس وقت مسئلہ تین سے حل ہوگا کہ کل جائیداد کے تین حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ ماں کو ملے گا اور دو حصے باپ کو ﴿فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ﴾ پس اگر ہیں مرنے والے کے بہن بھائی تو ان کو ملے گا تو کچھ نہیں، مگر ﴿فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ﴾ تو اس کی ماں کے لیے ہے چھٹا حصہ۔ یعنی مرنے والے کے اگر بہن بھائی موجود ہیں تو ماں کو تیسرے کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا اور مسئلہ چھ سے حل ہوگا۔ یعنی کل مال کے چھ حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ ماں کو ملے گا اور باقی پانچ حصے باپ کو۔ یہ بڑے باریک مسئلے ہیں، نہ کوئی پوچھتا ہے، نہ کوئی بتاتا ہے اور نہ کوئی عمل کرتا ہے، الا ماشاء اللہ۔ باقی بھاؤ ہر چیز کا ہم جانتے ہیں، کیونکہ روزانہ کا مشغلہ ہے۔

لیکن یہ جائیداد کی تقسیم ہوگی ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ وصیت کے بعد ﴿يُّوْصِيْ بِهَآ﴾ جو وصیت اس نے کی ہے ﴿اَوْ دَيْنٍ﴾

یا قرضہ ادا کرنے کے بعد یعنی اس کے ذمہ جو قرضہ ہے اس کی ادائیگی کے بعد ﴿اٰبَآؤُكُمْ﴾ تمھارے باپ دادا ہیں ﴿وَ اَبْنَآؤُكُمْ﴾ اور تمھارے بیٹے ہیں ﴿لَا تَدْرُوْنَ﴾ تم نہیں جانتے ﴿اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمھارے لیے نفع پہنچانے کے اعتبار سے۔ یہ تقسیم رب تعالیٰ نے کی ہے، وہ سب سے زیادہ اور بہتر جانتا ہے ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے، یعنی جو حصے بیان ہوئے ہیں، یہ رب تعالیٰ کی طرف سے فرض ہیں، ان کو نہ ماننے والا پکا کافر ہے اور مان کر عمل نہ کرنے والا بہت بڑا مجرم اور سخت گنہگار ہے، ساری زندگی دوزخ میں رہے گا، الا ماشاء اللہ۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا۔ یہ تقسیم اس نے اپنے علم کے مطابق خود فرمائی ہے۔ کل بیوی اور خاوند کے حصے کا بیان ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ، اگر زندگی باقی رہی تو۔

﴿وَلَكُمْ﴾ اور تمھارے واسطے ﴿نِصْفُ﴾ آدھا ہے ﴿مَا﴾ اس مال کا ﴿تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ﴾ جو چھوڑا ہے تمھاری بیویوں نے ﴿اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ﴾ اگر نہیں ہے ان بیویوں کی کوئی اولاد ﴿فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ﴾ پس اگر ہے ان کی اولاد ﴿فَلَكُمُ الرُّبُعُ﴾ پس تمھارے لیے چوتھا حصہ ہے ﴿مِمَّا تَرَكْنَ﴾ اس مال میں سے جو وہ چھوڑ مری ہیں ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ وصیت کے بعد ﴿يُّوْصِيْنَ بِهَآ﴾ جو وصیت انھوں نے کی ہے ﴿اَوْ دَيْنٍ﴾ یا قرض ادا کرنے کے بعد اگر ان کے ذمہ قرض ہے ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ﴾ اور ان عورتوں کے لیے چوتھا حصہ ہے ﴿مِمَّا﴾ اس مال میں سے ﴿تَرَكْتُمْ﴾ جو تم نے چھوڑا ہے ﴿اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ﴾ اگر نہ ہو تمھاری کوئی اولاد ﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ﴾ پس اگر ہے تمھاری اولاد ﴿فَلَهُنَّ الثُّمُنُ﴾ پس ان کے لیے ہے آٹھواں حصہ ﴿مِمَّا﴾ اس مال میں سے ﴿تَرَكْتُمْ﴾ جو تم نے چھوڑا ہے ﴿مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ وصیت کے بعد ﴿تُوْصُوْنَ بِهَآ﴾ جو وصیت تم نے کی ہے ﴿اَوْ دَيْنٍ﴾ یا قرضہ ہے تو اس کو ادا کرنے کے بعد ﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ﴾ اور اگر ہے کوئی شخص ﴿يُّوْرَثُ﴾ جس کی میراث ہے ﴿كَلٰلَةً﴾ اوترا (نہ باپ نہ بیٹا) ﴿اَوِ امْرَاَةٌ﴾ یا ایسی ہی کوئی عورت ہے ﴿وَّلَهٗٓ اَخٌ﴾ اور اس کا بھائی ہے ﴿اَوْ اُخْتٌ﴾ یا بہن ہے ﴿فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا﴾ تو ان دونوں میں ہر ایک کے لیے ﴿السُّدُسُ﴾ چھٹا حصہ ہے ﴿فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ پس اگر وہ ہیں اس سے زیادہ ﴿فَهُمْ شُرَكَآءُ﴾ پس وہ سب شریک ہیں ﴿فِي الثُّلُثِ﴾ تیسرے حصے میں ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ وصیت کے بعد ﴿يُّوْصٰى بِهَآ﴾ جو وصیت کی گئی ﴿اَوْ دَيْنٍ﴾ یا قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ﴿غَيْرَ مُضَآرٍّ﴾ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے ﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے ﴿وَاللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيْمٌ﴾ جاننے والا ہے ﴿حَلِيْمٌ﴾ حوصلے والا ہے

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ﴾ اور جس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی ﴿وَ رَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ﴿يُدْخِلْهُ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو داخل کرے گا ﴿جَنّٰتٍ﴾ ایسے باغوں میں ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ کہ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے ﴿وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ اور یہی بڑی کامیابی ہے ﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ﴾ اور جس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی ﴿وَ رَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ﴿وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ﴾ اور پھلانگ گیا اللہ تعالیٰ کی حدیں ﴿يُدْخِلْهُ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو داخل کرے گا ﴿نَارًا﴾ دوزخ کی آگ میں ﴿خَالِدًا فِيْهَا﴾ ہمیشہ اس میں رہے گا ﴿وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

کل کے درس میں اولاد اور ماں باپ کے حصے کا بیان ہوا تھا کہ لڑکوں کو دوہرا اور لڑکیوں کو اکہرا حصہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک لڑکی ہے تو اس کو کل جائیداد کا آدھا حصہ ملے گا۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ ہیں تو ان کو کل جائیداد کے دو حصے ملیں گے اور تیسرا حصہ دوسرے وارثوں کو ملے گا۔ اولاد کے ہوتے ہوئے والدین کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر مرنے والے کی اولاد نہیں ہے تو کل جائیداد والدین کو مل جائے گی۔ بہن بھائی محروم ہو جائیں گے۔ اور اب تقسیم اس طرح ہوگی کہ کل جائیداد کے چھ حصے ہوں گے: ایک حصہ والدہ کو ملے گا اور باقی پانچ حصے باپ کو ملیں گے۔ یہ کل کے سبق کا خلاصہ ہے، جو تم نے سنا ہے اور یہ سب کچھ ہوگا وصیت پر عمل کرنے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد۔

قرض کی ادائیگی ضروری ہے

اور یاد رکھنا! قرض کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تک آدمی کا قرض ادا نہ کر دیا جائے، اس وقت تک اس کو جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، چاہے کتنا نیک ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایک جنازے کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟ اگر جواب ملتا کہ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا جنازہ پڑھا دیتے۔ اور اگر جواب ملتا کہ اس کے ذمہ قرض ہے تو پھر دریافت فرماتے کہ: کیا اس نے اتنا مال چھوڑا ہے کہ جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے؟ اگر جواب ہاں میں ملتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا جنازہ بھی پڑھا دیتے۔ اور اگر جواب نہیں میں ملتا کہ اس نے کچھ نہیں چھوڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کندھے مبارک پر چادر ڈال کر فرماتے صَلُّوْا عَلٰى أَخِيْكُمْ "بھائی کا جنازہ خود پڑھ لو، میں نہیں پڑھاؤں گا اور تشریف لے جاتے۔"

اس لیے یہ مسئلہ سمجھ لو کہ بلا ضرورت قرض لینا صحیح نہیں ہے اور اگر لیا ہے تو اس کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک قرضہ ادا نہیں کرایا جائے گا جنت میں داخلہ نہیں ملے گا، اگرچہ اس کو سزا تو نہیں ہوگی، مگر جنت سے محرومی کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔ خاص طور پر شادی بیاہ کی رسموں نے ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے، ان کے لیے قرضہ اُٹھانا صحیح نہیں ہے۔

خاوند، بیوی کی وراثت کا بیان

آج کی آیات میں خاوند بیوی کے حصہ کا ذکر ہے۔ فرمایا﴿ وَلَكُمْ ﴾اور تمھارے لیے یعنی خاوندوں کے لیے ﴿ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ ﴾ آدھا اس مال کا جو چھوڑا ہے تمھاری بیویوں نے اور نصف اس وقت ہوگا ﴿ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ﴾ اگر نہیں ہے ان بیویوں کی کوئی اولاد۔ موجودہ خاوند سے نہیں ہے یا پہلے کسی خاوند سے نکاح تھا، پھر بیوہ ہوگئی، مگر اولاد نہ ہوئی یا پہلے کسی سے نکاح تھا، پھر طلاق ہوگئی، مگر اس سے بھی اولاد نہیں ہے تو اس عورت نے جو مال چھوڑا ہے، چاہے وہ زمین ہے یا مکان ہے یا نقدی ہے یا برتن وغیرہ ہیں تو اس کا نصف خاوند کو ملے گا اور جو باقی آدھا ہے وہ اس کے والدین کو ملے گا۔ اگر مرنے والی عورت کے والدین زندہ نہیں ہیں تو پھر بہن بھائیوں کو ملے گا اور اگر بہن بھائی نہیں ہیں تو چچے تائیوں کو ملے گا۔ وراثت ایک ایسی چیز ہے جو دور تک جاتی ہے۔

﴿ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ ﴾ پس اگر ہے ان کی اولاد۔ موجودہ خاوند سے یا اگر بیوہ ہو کر دوبارہ نکاح کیا ہے تو فوت شدہ خاوند سے ہو یا مطلقہ ہو کر نکاح کیا ہے اور طلاق دینے والے خاوند سے اولاد ہو ﴿ فَلَكُمُ الرُّبُعُ ﴾ تو تمھارے لیے چوتھا حصہ ہے ﴿ مِمَّا ﴾ اس مال میں سے ﴿ تَرَكْنَ ﴾ جو وہ چھوڑ مری ہیں ﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ ﴾ وصیت کے بعد جو انھوں نے کی ہے، بشرطیکہ وہ وصیت جائز ہو ﴿ اَوْ دَيْنٍ ﴾ یا قرضہ ہے تو اس کو ادا کرنے کے بعد۔ اور یہ بات کل کے درس میں بیان ہو چکی ہے کہ کل مال کے تیسرے حصے میں وصیت کرنا جائز ہے، اس سے زائد میں نہیں، کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون ایسا شخص ہے جو اس بات کو پسند کرے کہ اس کا مال اس کی بجائے اس کے وارثوں کے کام آئے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: حضرت! ہم میں سے تو ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم تو سارے اس کا شکار ہو، کیونکہ تمھارا مال تو وہی ہے جو تم نے کھالیا، پی لیا اور پہن لیا اور اپنے ہاتھ سے صدقہ خیرات کرلیا، باقی تو سارا وارثوں کا ہے۔ پھر اگر وارث نیک ہیں تو تمھارے مرنے کے بعد وہ تمھارا مال کھائیں گے اور نماز روزے کی پابندی کریں تو اس کا تمھیں بھی پورا ثواب ملے گا اور اگر خدانخواستہ بُرے ہیں، شرابی کبابی ہیں تو تمھیں بھی مار پڑے گی۔ لیکن یہ اس صورت میں کہ تم نے ان کی اصلاح کی کوشش نہ کی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ "اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔" اگر کسی نے کوتاہی کی ہے تو وہ مجرم ہے، سزاوار ہے اور اگر ان کی اصلاح کی پوری کوشش کی ہے تو پھر مرنے والا بری الذمہ ہے۔

اولاد کی موجودگی میں پوتے پوتیوں کو وراثت نہیں ملتی

سامعین میں سے کسی شخص نے سوال کیا کہ دادے کی وراثت پوتے پوتیوں کو مل سکتی ہے یا نہیں؟ فرمایا: اولاد کی

موجودگی میں پوتے پوتیوں کو وراثت نہیں مل سکتی، رشتہ دار کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ان کے لیے وصیت کر سکتا ہے کہ میرے پوتے پوتیاں یتیم ہیں، لہٰذا میری جائیداد میں سے اتنا ان کو دے دینا یا اپنی زندگی میں ان کو دے دے۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ﴾ اور ان عورتوں کے لیے چوتھا حصہ ہے ﴿مِمَّا﴾ اس مال میں سے ﴿تَرَكْتُمْ﴾ جو تم نے چھوڑا ہے۔ خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد ایک عورت ہے یا دو ہیں یا تین یا چار ہیں، ان کو چوتھا حصہ ملے گا ﴿إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ﴾ اگر نہ ہو تمھاری کوئی اولاد چاہے ان عورتوں سے یا ان سے جو پہلے فوت ہو گئی ہیں ﴿فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ﴾ پس اگر ہے تمھاری اولاد چاہے ایک لڑکی ہی کیوں نہ ہو ﴿فَلَهُنَّ الثُّمُنُ﴾ تو ان عورتوں کے لیے ہے آٹھواں حصہ ﴿مِمَّا﴾ اس مال میں سے ﴿تَرَكْتُم﴾ جو تم نے چھوڑا ہے ﴿مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ وصیت کے بعد ﴿تُوصُونَ بِهَا﴾ جو وصیت تم نے کی ہے ﴿أَوْ دَيْنٍ﴾ یا قرضے کے بعد جو مرنے والے کے ذمہ رہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خاوند بیوی کا حق بیان فرمایا ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ وراثت کا حق صرف ان چیزوں میں ہے جو جدی پشتی چلی آ رہی ہیں۔ اور جو خود کمائی ہیں ان میں وراثت نہیں چلتی۔ یہ ذہن بالکل غلط ہے، بلکہ جائیداد جس طرح کی بھی ہو چاہے جدی پشتی ہے یا خود کمائی ہے یا کسی نے تحفہ اور ہدیہ کے طور پر دی ہے، یعنی مرتے وقت وہ جس مال کا مالک ہے، اس میں بدستور وراثت چلے گی۔

اوترے کی وراثت کے احکام

آگے اور مسئلہ ہے۔ فرمایا ﴿وَإِن كَانَ رَجُلٌ﴾ اور اگر ہے کوئی شخص ﴿يُورَثُ كَلَالَةً﴾ جس کی میراث ہے اوترا (نہ باپ نہ بیٹا) ﴿أَوِ امْرَأَةٌ﴾ یا ایسی ہی کوئی عورت ہے کہ جس کی نہ تو اولاد اور نہ ہی ماں باپ ہیں، یعنی اصول بھی نہیں اور فروع بھی نہیں ﴿وَلَهُ أَخٌ﴾ اور اس کا بھائی ہے ﴿أَوْ أُخْتٌ﴾ یا بہن ہے۔ یاد رکھنا! یہاں بہن بھائی سے مراد وہ بہن بھائی ہیں جو ماں کی طرف سے ہوں۔ رہے وہ بعض بھائی جو ماں باپ شریک ہوں یا صرف باپ شریک ہوں تو ان کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا، یعنی حقیقی بہن بھائی جن کو عربی میں عینی کہتے ہیں، ان کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا اور جو باپ شریک ہوں اور مائیں الگ الگ ہوں ان کو عربی میں علاتی کہتے ہیں اور جو صرف ماں شریک ہوں ان کو اخیافی کہتے ہیں۔ یہاں جن کا ذکر ہے وہ اخیافی ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں باقاعدہ "مِنَ الْأُمِّ" کا لفظ تھا، یعنی وہ قرأت اس طرح کرتے تھے وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِّنَ الْأُمِّ "اور اس کا بھائی یا بہن ماں کی طرف سے۔" اور اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ یہاں ماں شریک بہن بھائی مراد ہیں۔ تو اوترے اور اوتری کا بھائی یا بہن ہے ماں کی طرف سے تو ﴿فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا﴾ پس ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ﴿السُّدُسُ﴾ چھٹا حصہ ہے ﴿فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ﴾ پس اگر وہ ہیں اس سے زیادہ یعنی دو تین بہنیں ہیں یا دو تین بھائی ہیں ﴿فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ پس وہ سب شریک ہیں تیسرے حصے میں یعنی سب

کو تیسرا حصہ ملے گا اور یہ تیسرا حصہ برابر تقسیم کریں گے، کیونکہ حقیقی بہن بھائی ہوں یا علاتی ہوں تو بہن کو اکہرا اور بھائی کو دوہرا حصہ ملتا ہے، لیکن یہاں اس طرح نہیں ہوگا، بلکہ جتنا بھائی کو ملے گا، بہن کو بھی اتنا ہی حصہ ملے گا ﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ﴾ وصیت کے بعد ﴿يُّوۡصٰى بِهَاۤ﴾ جو وصیت کی گئی ہے ﴿اَوۡ دَيۡنٍ﴾ یا قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ﴿غَيۡرَ مُضَآرٍّ﴾ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے، نہ لینے والے کسی کو نقصان پہنچائیں اور نہ دینے والے کسی کو وراثت سے محروم کریں۔

اولاد مطیع ہو یا عاصی، وراثت سے محروم نہیں ہو سکتی

بعض جذباتی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور جذبات میں آکر غلط قدم اٹھاتے ہیں۔ ضلع گجرات سے ایک صاحب آئے، بظاہر بڑے دین دار معلوم ہوتے تھے، ان کی بیوی فوت ہوگئی تھی اور اولاد نافرمان تھی اور ان کے پاس زمین تھی۔ کہنے لگے: میں ساری زمین مدارس اور مساجد کے لیے وقف کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ دیکھو بھائی! تمھاری اولاد ہے، فرماں بردار ہے یا نافرمان، جب تک وہ مسلمان ہیں تم ان کو وراثت سے محروم نہیں کر سکتے۔ کہنے لگے کہ میں تو دین کے لیے وقف کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ تو تمھاری گفتگو سے معلوم ہو رہا ہے کہ تم دین کے لیے وقف کرنا چاہتے ہو اور اولاد کو محروم کرنا چاہتے ہو، یہ شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔ شریعت تمھیں تیسرے حصے تک اجازت دیتی ہے، چاہے مسجد کے لیے وقف کردو یا مدرسے کے لیے وقف کرو، چاہے یتیم خانے کے لیے وقف کردو یا کسی غریب کو دے دو، مگر ساری جائیداد نہیں دے سکتے۔

منکرِ وراثت کافر ہے

فرمایا ﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ﴿حَلِيۡمٌ﴾ حوصلے والا ہے۔ یعنی وہ سب کچھ جانتا ہے، اگر فوری طور پر سزا نہیں دیتا تو اس لیے کہ وہ تحمل والا ہے ﴿تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ﴾ یہ جو وراثت کے مسائل بیان ہو رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ﴾ اور جس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ﴿يُدۡخِلۡهُ﴾ داخل کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ﴿جَنّٰتٍ﴾ ایسے باغوں میں ﴿تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ﴾ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا﴾ ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے ﴿وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ﴾ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین اور مسلمات کو جنت نصیب فرمائے۔ ﴿وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ﴾ اور جس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی ﴿وَرَسُوۡلَهٗ﴾ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی ﴿وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ﴾ اور پھلانگ گیا اللہ تعالیٰ کی حدوں کو ﴿يُدۡخِلۡهُ نَارًا﴾ داخل کرے گا اس کو دوزخ کی آگ میں ﴿خَالِدًا فِيۡهَا﴾ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

یعنی جو شخص وراثت کے مسائل کا منکر ہے، وہ کافر ہے، چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا پھرے، نمازیں پڑھے، روزے رکھے، زکوٰۃ دے، وہ قطعاً مسلمان نہیں ہے۔ اس لیے کہ وراثت اللہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا منکر کافر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا اور اگر منکر نہیں ہے بلکہ وراثت کے مسائل کو حق سمجھتا ہے، مگر عمل نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے، کافر

نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، ایسا شخص دوزخ میں رہے گا۔

فرمایا ﴿وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔ لہٰذا تھوڑی سی زندگی کے لیے اپنی آخرت تباہ نہ کرنا۔ یہ وراثت کے مسائل مولویوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جو قرآن پاک میں موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبان سے نکلے ہیں اور اُمتِ مسلمہ کا ان پر اجماع اور اتفاق ہے، ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَالّٰتِيْ﴾ اور وہ عورتیں ﴿يَاْتِيْنَ﴾ جو کرتی ہیں ﴿الْفَاحِشَةَ﴾ بے حیائی ﴿مِنْ نِّسَآئِكُمْ﴾ تمھاری عورتوں میں سے ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا﴾ پس تم گواہ بنالو ﴿عَلَيْهِنَّ﴾ ان پر ﴿اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ چار مرد اپنے میں سے ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا﴾ پس اگر وہ گواہی دیں ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ﴾ پس ان کو روک رکھو ﴿فِي الْبُيُوْتِ﴾ گھروں میں ﴿حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ ان کو اُٹھالے موت ﴿اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ﴾ یا بنائے اللہ تعالیٰ ﴿لَهُنَّ﴾ ان کے واسطے ﴿سَبِيْلًا﴾ کوئی راستہ ﴿وَالَّذٰنِ﴾ اور وہ دو مرد ﴿يَاْتِيٰنِهَا﴾ جو کرتے ہیں بے حیائی ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿فَاٰذُوْهُمَا﴾ پس ان دونوں کو تم اذیت پہنچاؤ ﴿فَاِنْ تَابَا﴾ پس اگر وہ توبہ کرلیں ﴿وَاَصْلَحَا﴾ اور وہ اصلاح کرلیں ﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا﴾ تو ان سے اعراض کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿تَوَّابًا﴾ توبہ قبول کرنے والا ﴿رَّحِيْمًا﴾ مہربان ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ﴾ توبہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے واسطے ﴿يَعْمَلُوْنَ﴾ جو کرتے ہیں ﴿السُّوْٓءَ﴾ بے حیائی ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ جہالت کی وجہ سے ﴿ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ﴾ پھر وہ توبہ کرتے ہیں ﴿مِنْ قَرِيْبٍ﴾ جلدی ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس وہ لوگ ہیں ﴿يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرماتے ہیں، یعنی ان کی توبہ قبول کرتا ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيْمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيْمًا﴾ حکمت والا ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ﴾ اور نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لیے ﴿يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ جو کام کرتے ہیں برے ﴿حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ﴾ یہاں تک کہ جب حاضر ہوتی ہے ﴿اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت تو اس وقت ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ بے شک میں نے اب توبہ کی ﴿وَلَا الَّذِيْنَ﴾ اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگی ﴿يَمُوْتُوْنَ﴾ کہ وہ مرتے ہیں ﴿وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ اس حال میں کہ وہ کافر ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہ لوگ ہیں ﴿اَعْتَدْنَا لَهُمْ﴾ ہم نے تیار کیا ہے ان کے واسطے

﴿عَذَابًا﴾ عذاب ﴿اَلِيمًا﴾ دردناک۔

زمانہ جاہلیت میں عورت وراثت سے محروم تھی

اس سے پہلے دو رکوعوں میں عورتوں کے حقوق کا ذکر تھا۔ یعنی وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا اور یہ اصول ان کا صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ وراثت کا مستحق وہ ہے جو لڑ سکتا ہو۔ کیونکہ انھوں نے لڑائی کو مقصدِ حیات بنا لیا تھا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص فوت ہوتا اور اس کی بیوی حاملہ ہوتی تو وہ وصیت کر کے مرتا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کو میرا پیغام دینا کہ فلاں میرا دشمن ہے اس کو قتل کرنا ہے۔ یعنی بچوں کو پیدائش سے پہلے ہی قتل وقتال کی وصیتیں ہوتی تھیں اور چوں کہ عورتیں عموماً لڑ نہیں سکتیں، اس لیے ان کو وراثت کا حق نہیں ملتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کو غلط قرار دیا اور عورتوں اور مردوں کے حصے مقرر فرمائے۔ تو پہلے دونوں رکوعوں میں عورتوں کے حقوق کا بیان تھا اور اب ان حقوق کا ذکر ہے جو عورتوں کے ذمہ ہیں۔ یعنی عورتوں پر جو پابندیاں ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھیں۔ شریعت نے یک طرفہ کارروائی نہیں کی، بلکہ دونوں پہلوؤں کو واضح کیا ہے۔

اصولی طور پر جب بیٹی باپ کے گھر ہو تو اس کی تعلیم وتربیت اور نگرانی باپ کے ذمہ ہے، اگر باپ فوت ہو جائے تو دادا کے ذمہ ہے، اگر دادا فوت ہو جائے تو چچا تائیوں کے ذمہ ہے، اگر وہ بھی نہیں ہیں تو پھر بھائیوں کے ذمہ ہے۔ یعنی اس کی دینی، اخلاقی تربیت اور خوراک، رہائش، علاج معالجہ وغیرہ شریعت نے ان کے ذمہ لگایا ہے۔ اگر کوئی باپ طاقت کے ہوتے ہوئے اولاد کا علاج نہیں کراتا، خوراک کا انتظام نہیں کرتا، گرمی سردی کا لباس مہیا نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے۔ عورت کی شادی ہو جانے کے بعد یہ سارے حقوق خاوند کے ذمہ ہیں، اگر خاوند اس سلسلے میں کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم ہوگا۔ ہاں! اگر بے بس ہے تو سزا سے بچ جائے گا۔ یعنی ہڈ حرام بھی نہیں، کام کی کوشش بھی کرتا ہے، مگر قسمت ساتھ نہیں دیتی تو پھر وہ مجبور ہے۔ عورت کے ذمہ جو حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شریعت نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی غیر محرم کو خاوند کی اجازت کے بغیر گھر نہ آنے دے اور خاوند بھی کسی کو گھر آنے کی اجازت اس وقت دے جب وہ خود گھر میں موجود ہو۔ اپنی غیر حاضری میں کسی کو اجازت نہیں دے سکتا۔ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ حضرت! دیور اور جیٹھ بھی ہوتے ہیں، یعنی خاوند کے چھوٹے بڑے بھائی۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ان کا بھی تنہائی میں آنا نری موت ہے۔ ہاں! اگر گھر میں ماں باپ بہن موجود ہیں، یعنی گھر آباد ہے تو دیور جیٹھ آ سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جس عورت کے ساتھ غیر محرم ہوگا، تیسرا شیطان ہوگا۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن میں خدا خوفی ہو اور ایسے اللہ تعالیٰ کے بندے بھی موجود ہیں، مگر شریعت نے عمومی ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ کوئی غیر محرم کسی کے گھر نہیں آ سکتا۔ حتیٰ کہ سات، دس سال کے نابالغ بچے جو پہلے گھروں میں آتے جاتے ہیں، بالغ ہو جانے کے بعد ان کو بھی منع کر دیا گیا کہ اب وہ گھر میں نہیں آ سکتے، جیسا کہ سورۂ نور کے اندر اس کا حکم موجود ہے۔ عورتیں یہ نہیں

کہہ سکتیں کہ ہمارے پاس ہی پلے بڑھے ہیں اور انہی گھروں میں کھیلتے رہے ہیں، کیونکہ اس وقت نابالغ تھے اور اب بالغ ہو گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ شرعی اصولوں کی پابندی کی جائے تو ان شاء اللہ العزیز کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انسان شرعی حدود کو پھلانگتا ہے۔

شہادت علی الزنا کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالّٰتِیْ﴾ اور وہ عورتیں ﴿یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ جو کرتی ہیں بے حیائی ﴿مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ﴾ تمھاری عورتوں میں سے۔ یہاں فاحشہ سے مراد زنا کا مرتکب ہونا ہے تو جب وہ یہ حرکت کریں ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ﴾ تم گواہ بنالو ان پر ﴿اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ اپنے میں سے چار یعنی مردوں میں سے چار گواہ بناؤ۔ اس لیے کہ زنا کے سلسلے میں ایک لاکھ عورت بھی گواہی دے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا چار مرد گواہ ہوں اور وہ اس بات کی گواہی دیں کہ واقعی اس عورت نے ہمارے سامنے بدکاری کی ہے۔ اور ان گواہوں کے لیے بھی خاصی شرائط ہیں۔ جن میں سے موٹی موٹی یہ ہیں کہ: اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے ایک نماز چھوڑ دے تو اس کی گواہی منظور نہیں ہوگی، جب تک وہ کھلے بندوں توبہ نہ کرے۔ عذر کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی سویا ہوا ہے اور اس کو جگانے والا کوئی نہیں ہے اور نماز کا وقت نکل گیا ہے تو یہ جب بیدار ہوگا تو نماز کو قضا کرے گا تو اس کا وقت پر نماز نہ پڑھنا عذر کی وجہ سے ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے ایک روزہ چھوڑ دے تو وہ بھی مردود الشہادت ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے متعلق جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے کہ اس نے فلاں موقع پر جھوٹ بولا تھا، چاہے ایک دفعہ ہی جھوٹ بولا ہو، اس کی شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے نماز باجماعت ادا نہ کرے تو اس کی گواہی کو بھی شریعت تسلیم نہیں کرتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے جمعہ چھوڑ دیتا ہے تو یہ بھی مردود الشہادت ہے۔ خیر القرون کے زمانہ میں اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ اذان ہو جانے کے بعد معذوروں کے علاوہ کوئی مسجد میں نہ پہنچے۔ آج تو ہم میں سے کوئی شاذ و نادر ہی شرعی گواہ ہوگا جو ان شرائط پر پورا اُترے۔

﴿فَاِنْ شَهِدُوْا﴾ پس اگر وہ چار مرد گواہی دے دیں تو ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ﴾ پس ان کو روک رکھو ﴿فِی الْبُیُوْتِ﴾ گھروں میں کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں، اب وہ گھر سے باہر ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتیں ﴿حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ ان کو اُٹھالے موت۔ یہ پہلا حکم تھا کہ جب کسی عورت سے بدکاری ثابت ہو جاتی تو اس کو گھر میں پابند کر دیا جاتا تھا، اب یہ حکم نہیں۔ چنانچہ فرمایا ﴿اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا﴾ یا بنائے اللہ تعالیٰ ان کے واسطے کوئی راستہ۔ وہ راستہ اللہ تعالیٰ نے بنا دیا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں اور وہ اس کا اقرار کریں یا شرعی طور پر گواہ موجود ہوں جو گواہی دیں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا یا ان میں سے ایک شادی شدہ ہو اور ایک غیر شادی شدہ ہو تو شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے، یعنی غیر شادی شدہ زانی کی سزا کم ہے اور غیر شادی شدہ کی سزا ﴿فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ [النور: ۲] "تو مارو تم

ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے۔" اس دوران اگر مر جائیں تو بے شک مر جائیں۔

اگر یہ شرعی سزائیں نافذ ہوں تو بدکاری کبھی نہ ہو، چار سال کے دوران طالبان کے علاقہ میں صرف تین چار قتل ہوئے ہیں، قرآن کریم کے احکام کے مطابق قاتلوں سے قصاص لیا گیا، پھر یہ جرم نہیں ہوا۔ طالبان کو بے دین انگریزی ذہن کے لوگ جابر اور ظالم کہتے ہیں اور شرعی حدود کو ظالمانہ، جابرانہ اور وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں۔ بھئی! سوال یہ ہے کہ جو تمھارا مخالف اور باغی ہو، اس کے لیے تو پھانسی کا قانون ہو اور جو رب تعالیٰ کا مخالف اور باغی ہو اس کی کیا سزا ہے؟ کیونکہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا، ڈاکوؤں کو سولی پر لٹکانا اور ہاتھ پاؤں کاٹنا، چور کا ہاتھ کاٹنا اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارنا اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور وہ ارحم الراحمین ہے، اس کے قوانین جابرانہ اور ظالمانہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اور دین دار لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان سزاؤں کو صحیح سمجھتے ہیں اور دین سے دور انگریزی ذہن رکھنے والے ان کو ظالمانہ اور وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں۔

ضیاء الحق مرحوم کے دور میں لاہور ہائیکورٹ کے ایک جج نے ایسے ہی ایک کیس میں کہا تھا کہ یہ کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا جابرانہ، ظالمانہ اور وحشیانہ فیصلہ ہے اور یہ یہودیوں کی ایجاد ہے، اسلامی احکامات نہیں ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اور اس کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا، اس پر تمام طبقوں کے علماء اکٹھے ہوئے اور کہا کہ یہ بکواس اگر کوئی سیاسی لیڈر کرتا تو اس کا جواب ہم جلسوں اور جلوسوں کی صورت میں دیتے، مگر یہ الفاظ تو ایک جج نے عدالت میں بیٹھ کر کہے ہیں اور عدالت کے اندر جج کا بیان قانون ہوتا ہے اور یہ ریمارکس ہائیکورٹ کے جج نے دیئے ہیں، لہٰذا اس پر خاموش نہیں رہنا چاہیے۔ چنانچہ پچاس علماء پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا گیا، اس وفد میں میں بھی شامل تھا کہ یہ وفد صدرِ مملکت سے ملاقات کرے اور احتجاج کرے۔

چنانچہ ہم براہِ راست ضیاء الحق کو ملے اور اس کو کہا کہ ایک طرف تو آپ اسلام اسلام کہتے تھکتے نہیں اور دوسری طرف حالت یہ ہے کہ آپ کا ایک جج عدالت میں بیٹھ کر شرعی حدود کے متعلق یہ ریمارکس دے رہا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اخبار مجھے دو۔ ہم نے تین چار اخبار اس کے سامنے رکھ دیئے۔ اس نے پڑھنے کے بعد کہا کہ تمھاری شکایت بجا اور صحیح ہے، میں اس کا انصاف کروں گا۔ یہ بھی بڑی بات تھی کہ اس نے مان لیا، ورنہ آج کے حکمران تو ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ پھر اس نے شریعت کورٹ بنائی، جس کے لیے تین جج مقرر ہوئے۔ ایک مولانا تقی عثمانی صاحب، دوسرے پیر کرم شاہ صاحب، تیسرے کا نام میں بھول گیا ہوں کہ اگر کوئی جج اسلام کے خلاف بات کرے گا تو یہ شریعت کورٹ کے جج اس کا فیصلہ کریں تو پھر ججوں کے دماغ درست ہو گئے کہ ہم نے اگر خلافِ شرع کوئی فیصلہ دیا تو اُوپر والی عدالت ہمارے اس فیصلے کو رد کر دے گی۔ چنانچہ اس کے بعد اس دور میں ججوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ پھر جب بے نظیر کا دور آیا تو اس نے تینوں ججوں کو نکال دیا کہ ان کی ضرورت نہیں ہے، خواہ مخواہ پیسے ضائع ہو رہے ہیں۔ پھر بے نظیر کے اس اقدام کے خلاف درخواست دی گئی تھی، پھر اس کا کیا بنا مجھے معلوم نہیں ہے۔

لواطت کی سزا

آ گے اور مسئلہ ہے۔ فرمایا ﴿وَالَّذٰنِ﴾ اور وہ دو مرد ﴿یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ﴾ جو کرتے ہیں بے حیائی تم میں سے۔ یعنی دو مرد آپس میں بے حیائی کرتے ہیں ﴿فَاٰذُوْهُمَا﴾ پس تم ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ ﴿فَاِنْ تَابَا﴾ پس اگر وہ توبہ کرلیں ﴿وَ اَصْلَحَا﴾ اور اصلاح کرلیں ﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا﴾ تو ان سے اعراض کرو، درگزر کرو اور آئندہ ان کو کوئی ایذاء نہ دو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا﴾ ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

ہم جنس پرستی کے مرتکب کے سلسلے میں یہ حکم شروع میں تھا اور اب حکم یہ ہے یعنی اگر مرد آپس میں بے حیائی کا ارتکاب کریں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر شادی شدہ ہیں تو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر شادی شدہ ہیں تو سو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ یعنی جو زنا کا حکم، وہی اس فعل کا حکم ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ دونوں کو کسی دیوار کے نیچے کھڑا کر دو اور اوپر دیوار کو گرا کر مار دو۔ اور اب تو یورپ کے بعض علاقوں مثلاً: برطانیہ میں یہ قانون پاس ہوا ہے کہ باقاعدہ مرد، مرد کے ساتھ شادی کرلے تو حرج نہیں ہے اور ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو میاں بیوی کو حاصل ہوتے ہیں، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ بے ایمان بے حیائی کی حدیں پھلانگ گئے ہیں۔ رب تعالیٰ نے جو فطرت بنائی ہے ان خبیثوں نے اس فطرت کو برباد کر دیا ہے۔

تو یہ ابتدائی حکم تھا کہ ان کو سزا دو، تاکہ وہ آئندہ اس قسم کی برائی کا ارتکاب نہ کریں۔ اسی لیے شریعت کہتی ہے کہ جب لڑکا، لڑکی بالغ ہو جائیں تو فوراً ان کی شادی کا انتظام کرو، اگر والدین نے شادی کا انتظام نہ کیا اور لڑکے، لڑکی نے گناہ کا ارتکاب کیا تو ماں باپ بھی مجرم ہیں اور یہاں تو ہمیں معلوم ہے کہ تیس تیس سال کی عمر کو بچیاں پہنچ جاتی ہیں اور ماں باپ کو ان کی شادی کی فکر ہی نہیں ہے اور لڑکوں کا بھی یہی حال ہے اور یہی چیز خرابی کی جڑ ہے، اس کو ختم کرنا چاہیے اور شرعی اصولوں کی پابندی کرنی چاہیے۔

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے توبہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ جو کرتے ہیں بے حیائی جہالت کی وجہ سے ﴿ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ﴾ پھر وہ توبہ کرتے ہیں جلدی ﴿فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ پس وہ لوگ ہیں ان پر اللہ تعالیٰ رجوع فرماتے ہیں یعنی ان کی توبہ قبول فرماتے ہیں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا۔ اور یہ بات بھی میں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ توبہ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ زبان سے کہو أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَیْهِ اور توبہ ہوگئی، بلکہ توبہ کی شرطیں ہیں، یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وہ حقوق جن کی قضاء ہے، مثلاً: نماز ہے، روزہ ہے، جب تک ان کی قضاء نہیں کرے گا تو توبہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ بری الذمہ نہیں ہوگا۔ یعنی اگر کسی کے ذمہ ایک روزہ ہے، یا ایک نماز ہے تو جب تک ان کی قضاء نہیں کرے گا، معاف نہیں ہوں گے، چاہے کروڑ مرتبہ بھی

سجدے میں گر کر توبہ کرے۔ ہاں! اگر کسی نے شراب پی ہے، زنا کیا ہے، یا میدانِ جنگ سے بھاگا ہے، سچے دل سے توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔

اسی طرح حقوق العباد کے متعلق بھی یاد رکھنا کہ جب تک وہ ادا نہیں کرے گا، معاف نہیں ہوں گے۔ ﴿وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ﴾ اور نہیں توبہ ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ جو کرتے ہیں بُرے کام ﴿حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ جب حاضر ہوتی ہے، ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت تو اس وقت ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ بے شک میں نے اب توبہ کی یعنی مرتے وقت کہتا ہے میری توبہ، میری توبہ۔ نزع کے وقت کی توبہ بالکل قبول نہیں ہے۔ ﴿وَلَا الَّذِيْنَ﴾ اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگی ﴿يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ کہ مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں۔ یعنی کفر کی حالت میں مرتے ہیں کہ سینے میں کفر بھی ہے اور ساتھ ساتھ توبہ توبہ بھی کرتے ہیں، اس توبہ کا کوئی معنی نہیں ہے۔ ہاں! صحت ہو، ہوش وحواس قائم ہوں، کفر وشرک کو چھوڑ کر توبہ کرے تو قبول ہوگی۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ یہ لوگ ہیں تیار کیا ہے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب، جس میں وہ جلیں گے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ [آمین!]

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ﴾ اے وہ لوگو! ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿لَا يَحِلُّ﴾ حلال نہیں ہے ﴿لَكُمْ﴾ تمھارے واسطے ﴿اَنْ﴾ یہ بات ﴿تَرِثُوا النِّسَآءَ﴾ کہ تم وارث بنو عورتوں کے ﴿كَرْهًا﴾ زبردستی ﴿وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ اور نہ روکو تم ان کو ﴿لِتَذْهَبُوْا﴾ تاکہ لے جاؤ تم ﴿بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ بعض وہ چیزیں جو تم نے ان کو دی ہیں ﴿اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ﴾ مگر یہ کہ کریں ﴿بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ کھلی بے حیائی ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور زندگی بسر کرو تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے ﴿فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ﴾ پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو ﴿فَعَسٰٓى﴾ پس قریب ہے ﴿اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا﴾ یہ کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو ﴿وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ اور بنادے اللہ تعالیٰ اس میں بہت ساری بہتری ﴿وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ﴾ اور اگر تم ارادہ کرو ﴿اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ﴾ عورت کے بدلنے کا دوسری عورت کی جگہ ﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ﴾ اور دے چکے ہو تم ان میں سے ایک کو ﴿قِنْطَارًا﴾ کافی مال ﴿فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ﴾ پس نہ لو تم اس مال میں سے ﴿شَيْـًٔا﴾ کچھ بھی ﴿اَتَاْخُذُوْنَهٗ﴾ کیا لیتے ہو تم وہ مال ﴿بُهْتَانًا﴾ بہتان باندھ کر ﴿وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ اور صریح گناہ کی شکل میں ﴿وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ﴾ اور کیسے لو گے تم اس مال کو ان سے ﴿وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ﴾ حالانکہ پہنچ چکے بعض تمھارے ﴿اِلٰى بَعْضٍ﴾ بعض کی طرف ﴿وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ﴾ اور لیا ان عورتوں نے تم سے ﴿مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ وعدہ پختہ ﴿وَ لَا تَنْكِحُوْا﴾ اور نہ نکاح کرو تم ﴿مَا﴾ ان عورتوں سے

﴿نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ جن کے ساتھ نکاح کیا تمھارے باپ دادا نے ﴿مِّنَ النِّسَآءِ﴾ عورتوں میں سے ﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ مگر وہ بات جو پہلے ہو چکی ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً﴾ بے شک یہ بے حیائی ہے ﴿وَّمَقْتًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی بات ہے ﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ اور برا راستہ ہے۔

ماقبل سے ربط

یہ بات پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے اور آپ سن چکے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وراثت سے محروم کر دیتے تھے کہ وہ لڑ نہیں سکتے اور وراثت کا مستحق وہ ہے جو لڑ سکتا ہے۔ تو عورتوں کو وراثت تو سرے سے نہیں دیتے تھے، نہ ماں کی، نہ باپ کی، نہ اور کسی کی جس کی وہ وارث بن سکتی تھیں، مگر برادری کے لوگ اپنی حیثیت کے مطابق تحفے اور ہدیے دیتے تھے۔ کسی نے زمین ہدیہ کر دی، کسی نے مکان ہدیہ کر دیا، کسی نے گائے، بھینس، اونٹنی ہدیہ کر دی کہ یہ تیری ہے، اس کا دودھ پیا کر اور پہلے لوگ اس وقت بھی دیتے تھے اور آج بھی دیتے ہیں۔ پھر اتفاقاً اگر وہ عورت بیوہ ہو جاتی کہ خاوند فوت ہو گیا تو اس کا سسر یا اس کا جیٹھ اور دیور اس کو آگے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، اگر خوبصورت ہوتی تو جیٹھ یا دیور اپنے ساتھ نکاح کر لیتے تھے، مگر کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے کہ اس کے پاس جو مال ہے وہ بھی ساتھ چلا جائے گا۔ کیونکہ بعض عورتوں کے ساتھ کافی مال جمع ہو جاتا تھا، بس کہتے کہ یہ یہیں رہے، اور یہیں مرے، تاکہ مرنے کے بعد اس کا مال ہمیں مل جائے۔

ابتدائے اسلام میں لوگوں نے نیا نیا کلمہ پڑھا تھا، وہ بھی اسی طرح کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ﴾ حلال نہیں ہے تمھارے لیے ﴿اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا﴾ یہ بات کہ تم وارث بنو عورتوں کے زبردستی کہ تم ان کو نکاح نہیں کرنے دیتے کہ یہیں مریں اور ان کا مال ہمیں مل جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھیں اس چیز کی اجازت نہیں ہے۔

جوان عورت اگر بیوہ ہو جائے تو اس کو شریعت بڑی تاکید کرتی ہے کہ وہ نکاح ضرور کرے، ورنہ خرابیاں پیدا ہوں گی اور یہ باتیں عام تجربے میں بھی آ چکی ہیں، البتہ بچوں کے سلسلے میں پریشانی ہوتی ہے کہ ان کی پرورش کا کیا ہوگا؟ تو بعض نیک دل بھی ہوتے ہیں، جو بچوں کی کفالت اپنے ذمہ لیتے ہیں، اگرچہ ایسے لوگ تھوڑے ہیں، مگر ہیں ضرور۔ اگر ایسی صورت نہ ہو کہ ہونے والا خاوند بچوں کی کفالت کا ذمہ نہ لے تو پھر مسئلہ یہ ہے کہ جب تک بچی بالغ نہ ہو، وہ ماں کی تربیت میں رہے گی اور لڑکا سات سال تک ماں کی تربیت میں رہے گا اور اس کا خرچہ پہلے وارثوں کے ذمہ ہے، وہ دیں گے۔ اگر وہ خود نہ دیں تو قاضی وارثوں سے خرچہ دلوائے گا۔ اگر وارث اس پوزیشن میں نہیں ہیں تو بیت المال سے باقاعدہ وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ ان بچوں کا کوئی انتظام نہ ہو اور ان کو یتیم خانے داخل کر دیا جائے، یا وہ بچے لاوارث ہو کر بداخلاقیوں کا شکار ہو جائیں۔

نہیں! بلکہ علاقے کے قاضی کی ذمہ داری ہے۔

اگر اسلامی قانون نافذ ہو جائے تو جس جگہ جمعہ کی نماز ہو گی وہاں پر ایک بااختیار جج، قاضی اور عامل ہو گا، جس کا یہ فریضہ ہو گا کہ وہ محلے میں بیوہ عورتوں اور بچوں کا خیال رکھے اور ایسے آدمیوں کو تلاش کرے کہ جن کو روزگار میسر نہیں ہے اور وہ بھوکے ہیں اور یہ تلاش کرنا اس کی ذمہ داری میں شامل ہو گا۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو حکومت کی طرف سے سزا ہو گی کہ تمھارے حلقہ میں فلاں بیوہ عورت کیوں بھوکی رہی ہے، وہ یتیم بچہ کیوں بھوکا رہا ہے؟ فلاں بے روزگار کیوں بھوکا رہا ہے؟ لوگوں کو اسلامی قانون کی خوبیاں معلوم نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ اور نہ روکو تم ان کو نکاح کرنے سے ﴿لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ تاکہ لے جاؤ تم بعض وہ چیزیں جو تم نے ان کو دی ہیں، یعنی جو مال تم نے ان کو دیا ہے، اس کو حاصل کرنے کے لیے حیلے کرتے ہو، نکاح سے روکتے ہو ﴿اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ مگر یہ کہ وہ کریں کھلی بے حیائی۔ یعنی وہ عورتیں اگر صریح بے حیائی کریں تو ان کو روکنے کا حق ہے کہ جب تک وہ مر نہ جائیں گھر میں قید ہی رکھو۔ مگر یہ حکم پہلے تھا جب رجم اور کوڑوں کی سزا مقرر نہیں ہوئی تھی، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اب جب رجم اور کوڑوں کا حکم نازل ہوا تو اب بیوہ چاہے نیک ہے یا بد ہے، اس کو اور اس کے مال کو روکنے کا حق نہیں ہے، عدت گزرنے کے بعد وہ اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور زندگی بسر کرو تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حوا علیہا السلام کی خلقت اور پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے ہوئی تھی۔ فرمایا: ﴿اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ﴾ "عورتوں کے متعلق مجھ سے تاکیدی حکم حاصل کرو، ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے تو یوں سمجھو کہ عورت ٹیڑھی ہوتی ہے، اس کو تم تیر کی طرح سیدھا کرنا چاہو تو نہیں ہو گی، ٹیڑھی رہے گی، اگر سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائے گی، یعنی طلاق کی نوبت آ جائے گی۔"

عورتوں کا مزاج قدرتی طور پر ضدی ہوتا ہے، وہ ضد کی پکی ہوتی ہیں، اگر تم چاہو کہ ان کی ضد ختم کر دو، یہ تمھارے بس میں نہیں ہے۔ بعض نیک دل کچھ نرم ہو جاتی ہیں، بس وقت گزارو اور ان کے ساتھ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرو، ان کے مزاج کا خیال رکھو۔ اور عورت کا بھی فرض ہے کہ وہ خاوند اور اس کے گھر والوں کے مزاج کو سمجھے کہ میرے خاوند کا کیا مزاج ہے، میرے سسر کا کیا مزاج ہے، میری ساس کا کیا مزاج ہے اور جو کام ان کے مزاج کے خلاف ہے، اس کا ارتکاب نہ کرے۔ کیونکہ اس سے بدمزگی پیدا ہو گی۔ دونوں فریقوں کو اللہ تعالیٰ نے حقوق بتلائے ہیں، مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی اور حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھو، جن گھروں میں بدمزگی ہے، وہ جہنم کے ٹکڑے ہیں، وہی گھر سکھی ہیں جہاں بدمزگی نہیں ہے

﴿فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ﴾ پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو ﴿فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا﴾ پس قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو ﴿وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ اور بنا دے اللہ تعالیٰ اس میں بہت ساری بہتری۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے تمھیں بہت ساری خیر عطا فرما دے اور یہ بات تجربے میں آئی ہے کہ بعض عورتیں بڑی تند اور سخت مزاج ہوتی ہیں، لیکن ان سے اللہ تعالیٰ ایسی اولاد

عطا فرماتے ہیں جو ملک وملت اور مذہب کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔ ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ﴾ اور اگر تم ارادہ کرو ﴿اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ﴾ عورت کے بدلنے کا دوسری عورت کی جگہ۔ اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس شرط کے ساتھ اجازت ہے کہ أَنْ تَعْدِلُوْا عدل وانصاف کو قائم رکھے ورنہ اجازت نہیں ہے، بلکہ اگر انصاف نہیں کرسکتا تو گناہ ہے۔

بیوی کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم

حدیث پاک میں آتا ہے جس شخص کی دو بیویاں ہیں اور اس نے انصاف نہیں کیا تو وہ قیامت والے دن فالج زدہ ہوگا۔ میدانِ حشر میں سارے لوگ اس کو دیکھیں گے کہ اس کی ایک جانب مفلوج ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ عدل وانصاف نہیں کیا۔ عدل وانصاف یہ ہے کہ دونوں کو خوراک، لباس، رہائش، علاج معالجہ میں برابری دے۔ رہی قلبی محبت تو یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لباس، خوراک اور رہائش کے بارے میں برابری رکھتے تھے، پھر فرماتے تھے کہ اے پروردگار! هٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا أَمْلِكُ "یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں فَلَا تُؤَاخِذْنِیْ پس تو میرا مواخذہ نہ کرنا فِیْمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ ان چیزوں میں جو تیرے اختیار میں ہیں اور میرے اختیار میں نہیں ہیں۔" کیونکہ طبعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ تھی۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں اور اس کا مریدوں کو بھی علم تھا۔ لہٰذا مرید اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے ہدیہ لاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرید دو تربوز لایا اور دونوں ہم وزن تھے، حضرت کی خدمت میں پیش کیے۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کو تولو، جب تولے گئے، دونوں ہم وزن نکلے۔ فرمایا: دونوں کو آدھا آدھا کرو۔ چنانچہ حسب ارشاد دونوں کو آدھا آدھا کر دیا گیا۔ ایک آدھا ایک سے اور ایک آدھا دوسرے سے ایک بیوی کو بھیج دیا اور دوسرا آدھا آدھا دوسری بیوی کو بھیج دیا۔ کسی نے سوال کیا: حضرت! دونوں ہم وزن تھے، ایک ایک بھیج دیتے۔ فرمایا: بھائی! کوئی تربوز میٹھا ہوتا ہے اور کوئی میٹھا نہیں ہوتا، اگر ایک کے حصے میں میٹھا آتا اور دوسری کے حصے میں پھیکا آتا تو قیامت والے دن مجھ سے باز پرس ہوتی اس لیے میں نے اس طرح کیا ہے۔ تو ایسا شخص اگر ایک سے زائد نکاح کرلے تو گنجائش ہے اور اگر دوسرا نکاح کرنے کے بعد پہلی کا حال بھی معلوم نہ کرے تو گناہ کی بات ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ دوسرے نکاح کی خواہش ہوتی، مگر مالی توفیق نہ ہوتی تو اس طرح کرتے تھے کہ پہلی بیوی کو تنگ کرتے تھے۔ مثلاً: الزام لگا دیا کہ تو فلاں کے ساتھ کھڑی تھی، وہاں کیوں گئی تھی؟ آٹا گوندھتے ہلتی کیوں ہے؟ مختلف بہانے بنا کر اس کو کوستے اور الزام تراشیاں کرتے، تاکہ وہ عورت تنگ ہو کر خلع کرلے کہ رقم دے کر جان چھڑائے، تاکہ دوسری شادی کے لیے مال نہ خرچ کرنا پڑے۔ تو فرمایا کہ اس چیز کی تمھیں اجازت نہیں ہے ﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا﴾ اور دے چکے

ہوتم ان میں سے ایک کو کافی مال ﴿فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا﴾ پس نہ لوتم اس مال میں سے کچھ بھی یعنی پہلی بیوی کو تم نے جو مال دیا ہے، اس میں سے تمھیں کچھ لینے کی اجازت نہیں ہے ﴿اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ کیا لیتے ہو تم وہ مال بہتان باندھ کر اور صریح گناہ کی شکل میں کہ اس پر طرح طرح کے بہتان باندھتے ہو کہ وہ تنگ آ کر خلع لینے پر مجبور ہو جائے، اس کا تمھیں حق نہیں پہنچتا۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ مہر کی زیادتی اگر کوئی اچھی چیز ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کرتے، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کا حق مہر پانچ سو درہم تھا۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا، اس وقت میرے خیال کے مطابق اس کی مالیت تقریباً دس ہزار بنتی ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مہر زیادہ مقرر کرنا اگر کوئی فضیلت کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے لیے زیادہ مقرر فرماتے، لہٰذا مہر زیادہ نہ مقرر کرو۔

ایک بوڑھی عورت نے منہ پر کپڑا ڈالا ہوا تھا، کھڑے ہو کر کہنے لگی مَهْلًا يَا عُمَرُ، عمر! ٹھہر جا، ہم نے تمھاری تقریر سنی ہے، یہ بتاؤ کہ تمھاری بات مانیں یا رب تعالیٰ کی بات مانیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اماں! بات تو رب تعالیٰ ہی کی ماننی ہے۔ تو بوڑھی نے پھر کہا رب تعالیٰ تو فرماتے ہیں: ﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا﴾ اور دے چکے ہو تم ان عورتوں میں سے کسی کو ڈھیر مال تو اس سے تم نہ لو کچھ بھی۔ اللہ تعالیٰ تو ہمیں ڈھیر مال دلواتا ہے اور تم منع کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ اُمت کبھی تباہ نہ ہوگی جس اُمت کی بوڑھیوں کو بھی یہ مسئلے یاد ہوں۔

پھر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے تھیں اور اس وقت ان کی عمر گیارہ سال تھی تو ان کا مہر چالیس ہزار درہم مقرر فرمایا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ پہلی بیویوں کو حق مہر کم دیا تھا اس کو زیادہ دیا ہے؟ تو فرمایا اس وقت میری مالی پوزیشن کمزور تھی اور اب مضبوط ہے۔ اور یاد رکھنا! کہ مہر خاوند کی حیثیت کے مطابق ہے۔ کئی لوگ ابھی تک یہ رَٹ لگائے پھرتے ہیں کہ شرعی مہر بتیس روپے چھ آنے ہے۔ حاشا وکلا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انگریز دور میں پانچ سو درہم کی قیمت تھی ایک سو بتیس روپے چھ آنے۔ تو سو کا نام نہیں لیتے تھے، بتیس روپے چھ آنے کہہ دیتے تھے، تو ان کو بتیس روپے چھ آنے یاد ہو گئے ہیں۔ پھر دیکھو! باقی ساری رسمیں کرتے ہیں اور مہر پر آ کے اَڑ جاتے ہیں کہ مہر شرعی ہوگا اور شرعی بھی خود ساختہ۔ لہٰذا یاد رکھنا! آج کل کے زمانے میں مہر بتیس روپے چھ آنے ہو تو نکاح بالکل نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر عمل کرتے ہیں: لَا مَهْرَ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ کہ دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ہے۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ یہ تقریباً چھتیس ماشے چاندی بنتی ہے، میرے خیال کے مطابق اس وقت اس کی قیمت دو سو روپے بنتی ہے۔ تو اس وقت دو سو روپے سے کم کوئی مہر مقرر کرے گا تو وہ مہر نہیں ہوگا۔ پھر ہر زمانے میں قیمت بدلتی رہتی ہے، اس اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔

فرمایا ﴿وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ﴾ اور کیسے لو گے تم ان سے اس مال کو ﴿وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ حالانکہ پہنچ چکے بعض

تمھارے بعض کی طرف۔ یعنی تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو، خاوند بیوی رہ چکے ہو۔ ﴿وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ اور لیا ان عورتوں نے تم سے پختہ وعدہ۔ وہ پختہ وعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا ایجاب وقبول ہوتا ہے تو مرد کہتا ہے میں نے قبول کی۔ یہ بڑا پختہ وعدہ ہے لہٰذا تم قبول کرنے کے بعد ان کو کیوں چھوڑتے ہو؟ اور ان کو تنگ کر کے خلع پر کیوں مجبور کرتے ہو؟ ایک اور مسئلہ بھی یاد رکھنا! وہ یہ کہ بعض جاہل قسم کے نکاح خواں ان الفاظ کے ساتھ نکاح پڑھاتے ہیں کہ فلاں دختر فلاں کی اتنے مہر کے عوض میں تجھے قبول ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے قبول ہے، ان الفاظ کے ساتھ نکاح نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ استفہام ہے اور جملہ استفہامیہ سے نکاح نہیں ہوتا۔ نکاح ان الفاظ کے ساتھ کہ فلاں دختر فلاں اس کی اجازت سے میں نے اپنی وکالت سے تجھے نکاح کر کے دے دی ہے اور وہ کہے کہ میں نے قبول کی ہے۔

اور مسئلہ۔ فرمایا ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ اور نہ نکاح کرو تم ان عورتوں سے جن کے ساتھ نکاح کیا تمھارے باپ دادا نے۔ زمانہ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ اگر کسی کے باپ نے جوان عورت سے نکاح کیا ہوتا اور باپ فوت ہو جاتا تو اس کے بیٹوں میں سے کوئی ایک اس سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کر لیتا۔ یا اسی طرح دادا یا نانا نے کسی نوجوان عورت کے ساتھ نکاح کیا ہوتا تو ان کے فوت ہو جانے کے بعد یہ اپنی سوتیلی دادی یا نانی سے نکاح کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا ﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ مگر وہ بات جو پہلے ہو چکی۔ یعنی دور جاہلیت میں آج سے پہلے جو ہو چکا ہے، وہ نادانی کی وجہ سے تھا، اب آئندہ کے لیے ایسی عورتیں ہمیشہ کے لیے تم پر حرام ہو گئی ہیں۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا﴾ بے شک یہ بے حیائی ہے اور اللہ کی ناراضی کی بات ہے کہ جس عورت کو باپ استعمال کرتا تھا، اب اسی کو بیٹا استعمال کرے، جس کو دادا استعمال کرتا رہا، اسی کو پوتا استعمال کرے، جس کو نانا استعمال کرتا رہا، اس کو نواسہ استعمال کرے، بڑی بے حیائی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی بات ہے ﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ اور یہ بہت برا راستہ ہے۔ لہٰذا ان کے حقوق کا لحاظ کرو، چاہے وہ نوعمر ہیں، تمھارے نکاح میں نہیں آسکتیں۔

﴿حُرِّمَتْ﴾ حرام کر دی گئیں ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر ﴿اُمَّهٰتُكُمْ﴾ تمھاری مائیں ﴿وَبَنٰتُكُمْ﴾ اور تمھاری بیٹیاں ﴿وَاَخَوٰتُكُمْ﴾ اور تمھاری بہنیں ﴿وَعَمّٰتُكُمْ﴾ اور تمھاری پھوپھیاں ﴿وَخٰلٰتُكُمْ﴾، اور تمھاری خالائیں ﴿وَبَنٰتُ الْاَخِ﴾ اور بھتیجیاں ﴿وَبَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ اور بھانجیاں ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ﴾ اور تمھاری وہ مائیں ﴿اَرْضَعْنَكُمْ﴾ جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہے ﴿وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ اور تمھاری دودھ شریک بہنیں ﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ اور تمھاری بیویوں کی مائیں ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ﴾ اور تمھاری وہ پروردہ بچیاں ﴿فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ جو تمھاری گود اور تربیت میں ہیں ﴿مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ﴾ تمھاری ان عورتوں سے ﴿دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ جن کے ساتھ تم ہم بستری کر چکے ہو ﴿فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ پس اگر تم نے ان کے ساتھ ہم بستری نہیں کی ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾

پس کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ﴾ اور تمھارے بیٹوں کی بیویاں بھی حرام کردی گئی ہیں ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ بیٹے ﴿مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ جو تمھاری پشت سے ہیں ﴿وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ اور یہ کہ تم جمع کرودو بہنوں کو نکاح میں ﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ مگر وہ جو پہلے گزر چکا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ ہے بخشنے والا مہربان۔

اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لیے مرد اور عورت کو پیدا کیا۔ مرد اور عورتیں پیدا فرمائیں کہ ان کے ذریعہ نسل انسانی باقی رہے اور انسان کا شمار چونکہ اشرف المخلوقات میں ہوتا ہے لہٰذا اس کے شرف کو محفوظ کرنے کے لیے قانون دے دیا تا کہ یہ حیوانوں کی طرح زندگی نہ گزارے۔ اس لیے نکاح کے اصول بیان فرماتے ہیں کہ کن کن عورتوں سے نکاح ہوسکتا ہے اور کن کن عورتوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

ذمی کے لیے اسلامی قوانین کی پابندی ضروری ہے

دنیا میں ایسی بد بخت قومیں بھی تھیں اور اب بھی موجود ہیں کہ جو ماں، بہن، بیٹیوں، نواسیوں اور پوتیوں سے نکاح کر لیتے ہیں۔ ان کا اصول یہ ہے کہ عورتیں سب برابر ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ ایران کے مجوسی اور پارسیوں کا یہی نظریہ تھا۔ سعودیہ کے بالکل کنارے پر ایک مقام تھا حجر، وہاں کچھ مجوسی آباد تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے دورِ خلافت میں معلوم ہوا کہ ایک پارسی نے بیٹیاں اور بہن اپنے نکاح میں رکھی ہوئی ہیں تو وہاں کے گورنر کو تحریری طور پر حکم بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ وہاں ایک ایسی قوم آباد ہے کہ انھوں نے بیٹیاں اور بہنیں نکاح میں رکھی ہوئی ہیں تَفَرَّقُوْا ان میں تفریق کرادو، اسلام میں یہ بدمعاشی برداشت سے باہر ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ جو کافر اسلامی حکومت میں رہیں گے جن کو فقہی اصطلاح میں ذمی کہا جاتا ہے، ان کو تمام اسلامی قوانین کی پابندی کرنا پڑے گی۔ سوائے دو چیزوں کے۔

① شراب کی ان کو اجازت ہے، بنائیں، پئیں اور بیچیں۔ اس سلسلہ میں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

② خنزیر کھائیں، بیچیں، کوئی پابندی نہیں ہے۔ ان دو کے علاوہ جتنے اسلامی احکام ہیں وہ ان پر نافذ ہوں گے۔ چوری کریں گے تو ہاتھ کاٹے جائیں گے، شادی شدہ زنا کرے گا تو سنگسار کیا جائے گا، غیر شادی شدہ کرے گا تو سو کوڑے مارے جائیں گے، ماں بہن کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے مذہب میں ماں بہن کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ چونکہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ نہیں ہے اس لیے یہاں کافر بڑی جرأت کے ساتھ اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک عیسائی پاکستان میں تقریر کرتا پھر رہا ہے اور وہ حکومتِ پاکستان کا مہمان ہے، وہ کہتا پھر رہا ہے کہ عیسائی اگر مسلمان ہوجائے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، اسی طرح اگر مسلمان عیسائی

ہو جائے تو اس پر بھی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ حالانکہ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے مطابق اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے۔ بہر حال اسلام نے بے حیائی کی جڑیں اکھیڑی ہیں، نہ آتش پرستوں کے طریقے کو رہنے دیا ہے، نہ کسی اور طریقے کو۔

آج سے تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے، اخبار میں آیا تھا کہ کسی مغربی ملک میں ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ نکاح کر لیا جو اسی خاوند سے تھا۔ عورت کی عمر بیالیس سال تھی اور لڑکے کی عمر اٹھارہ سال تھی اور اس عورت کا باقاعدہ فوٹو بھی شائع ہوا تھا۔ کچھ لوگوں نے لڑکے کو طعنے دیئے کہ وہ تیری ماں ہے تو اس نے کہا کوئی بات نہیں، وہ میری ماں بھی ہے اور میری بیوی بھی ہے، تمھیں کیا تکلیف ہے؟ تو اس قدر دنیا میں بے حیائی پھیلی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی کو بند کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ آپ نے کل کے درس میں سنا ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ اور نہ نکاح کرو تم ان عورتوں کے ساتھ جن کے ساتھ نکاح کیا ہے تمھارے باپ دادا نے۔ یعنی جن عورتوں کے ساتھ تمھارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے، ان کے ساتھ تمھارا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس حکم میں سوتیلی مائیں، سوتیلی دادیاں، سوتیلی نانیاں سب داخل ہیں۔

اور آج کے درس میں یہ حکم ہے۔ فرمایا ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ﴾ حرام کردی گئی ہیں تم پر تمھاری مائیں۔ یعنی ماں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور نانی، پڑنانی، دادی، پردادی اُوپر تک سب ماں کے حکم میں ہیں ﴿وَبَنٰتُكُمْ﴾ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر تمھاری بیٹیاں۔ نہ بیٹی کے ساتھ نکاح جائز ہے، نہ نواسی کے ساتھ نیچے تک چلے جاؤ کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا ﴿وَاَخَوٰتُكُمْ﴾ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر تمھاری بہنیں چاہے وہ بہنیں عینی ہوں، ماں باپ شریک یا علاتی ہوں یعنی باپ شریک یا اخیافی ہوں ماں شریک، باپ الگ الگ ہے، تینوں صورتوں میں بہن کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا۔ ﴿وَعَمّٰتُكُمْ﴾ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر تمھاری پھوپھیاں۔ ان میں بھی وہی تفصیل ہوگی کہ وہ پھوپھی باپ کی حقیقی بہن ہو یا باپ کی طرف سے بہن ہو، ماں کی طرف سے نہیں، ماں کی طرف سے بہن ہو، باپ کی طرف سے نہیں، تینوں صورتوں میں حرام ہے۔ ﴿وَخٰلٰتُكُمْ﴾ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر تمھاری خالائیں، ان میں بھی وہی تفصیل ہے کہ وہ ماں کی حقیقی بہن ہو یا ماں کی طرف سے بہن ہو یا باپ کی طرف سے بہن ہو، ماں الگ الگ ہو، تینوں صورتوں میں اس کے ساتھ نکاح حرام ہے ﴿وَبَنٰتُ الْاَخِ﴾ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں۔ ان میں بھی وہی تفصیل ہے کہ حقیقی بھائی ہے، اس کی بیٹی یا ماں کی طرف سے بھائی ہو اس کی بیٹی یا باپ کی طرف سے بھائی ہے اس کی بیٹی، تینوں صورتوں میں بھائی کی بیٹی کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

﴿وَبَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ اور حرام کردی گئی ہیں تم پر بہن کی بیٹیاں یعنی بھانجیاں۔ یہاں وہی تفصیل ہے حقیقی بہن کی لڑکی ہو یا ماں شریک بہن کی لڑکی ہو یا باپ شریک بہن کی لڑکی ہو، تینوں صورتوں میں اس کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ﴾ اور تمھاری وہ مائیں ﴿اَرْضَعْنَكُمْ﴾ جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہے یعنی رضاعی ماں کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ نہ رضاعی ماں کی ماں کے ساتھ، نہ اس کی بیٹی کے ساتھ، رضاعی ماں کا سلسلہ بھی اسی طرح چلتا ہے جس طرح نسبی اور حقیقی ماں کا چلتا ہے۔

مسئلہ رضاعت :

عورتوں کی یہ رضاعت کا مسئلہ اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ بعض بے چاریاں بالکل سادہ ہوتی ہیں، ان کو مسئلے کا علم نہیں ہوتا اور وہ پیار میں آکر اپنے بھتیجوں اور بھانجوں کو دودھ پلا دیتی ہیں یا کوئی عورت سودا سلف لینے کے لیے گئی اور پیچھے اس کا بچہ بچی رو رہے ہیں تو ان کو اپنا دودھ پلا دیا کہ خاموش ہو جائیں، ایسا بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے ساتھ حرام حلال کے مسائل کا تعلق ہے۔ لہٰذا بلا ضرورت کوئی عورت کسی بچے کو دودھ نہ پلائے۔ ہاں! اگر مجبوراً پلانا پڑا ہے کہ اگر نہ پلائیں تو بچے کی جان کو خطرہ تھا کہ مر جاتا تو پھر اس کی تشہیر کرے کہ فلاں لڑکے یا لڑکی کو میں نے دودھ پلایا ہے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی علم نہیں ہے، اگر اس نے نہ بتایا اور فوت ہوگئی اور لاعلمی کی وجہ سے بہن بھائی کا نکاح ہوگیا تو آگے ساری نسل حرامیوں کی چلے گی اور دودھ کے چند قطرے بھی اندر چلے گئے تو احکامات مرتب ہونے کے لیے کافی ہیں۔

اور فقہائے کرام رحمہم اللہ نے یہاں تک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر غیر شادی شدہ لڑکی صحت مند ہے اور اس کا دودھ اُتر آیا ہے اور ایسا ہوسکتا ہے باوجود اس کے کہ وہ بد چلن بھی نہ ہو، اگر اس نے اپنا دودھ کسی بچی یا بچے کو پلایا تو رضاعت کا حکم ثابت ہو جائے گا اور وہ اس بچی، بچے کی ماں بن جائے گی۔ بڑا نازک مسئلہ ہے، اس کی گھروں میں خوب تشہیر کرو اور جو عورتیں درس سنتی ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی برادری کی عورتوں کو بتائیں کہ کوئی عورت کسی کے بچے کو دودھ نہ پلائے اور اگر پلائے تو اس کی خوب تشہیر کرے کہ میں نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے، تاکہ آنے والی نسلوں پر اس کی زد نہ پڑے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ گھر میں موجود تھے کہ اتنے میں ایک کالے رنگ کی لونڈی آئی، بنت اہاب اس کا نام تھا، دیکھا کہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ کہنے لگی کہ میں نے تو تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، تم آپس میں رضاعی بہن بھائی ہو تم میاں بیوی کس طرح بن گئے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ ہمیں تو نہ تو نے بتایا ہے، نہ اور کسی نے بتایا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں۔ یہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ حضرت! اس طرح میری بیوی ہے اور ایک کالے رنگ کی عورت آئی ہے، وہ کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو تم میاں بیوی کس طرح بن گئے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس عورت کو الگ کر دے، احتیاط اسی میں ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ رضاعت کا حکم تب ثابت ہوگا کہ دو سال کی عمر کے اندر اندر دودھ پلایا جائے۔ کیونکہ دوسرے پارے میں موجود ہے ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ کہ دودھ پلانے کا زمانہ دو سال ہے۔ دو سال کے بعد جب بچہ کھانے پینے لگ جائے تو پھر دودھ پینے سے رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایک آدمی نے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کا دودھ چوس لے تو کیا نکاح رہتا ہے یا نہیں؟ تو میں نے کہا کہ بھائی اس کو بیوی کے دودھ کو چوسنے کی کیا ضرورت تھی؟ بھیڑ بکری کا چوس لیتا، مگر ایسا کرنے سے نکاح پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ رضاعت کا حکم دو سال کے اندر اندر ثابت ہوتا ہے، لیکن ایسی کوئی

حرکت کرنی نہیں چاہیے۔شریعت کے دائرے میں رہنا چاہیے۔ ﴿وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ اور تمھاری دودھ شریک بہنیں۔ ان کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے اور اس کی کئی صورتیں بن سکتی ہیں۔ایک یہ کہ لڑکے کی ماں کا دودھ کسی لڑکی نے پیا ہے تو یہ دونوں آپس میں بہن بھائی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لڑکی نے کسی لڑکے کی ماں کا دودھ پیا ہو تو بہن بھائی بن گئے۔

اور ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کسی لڑکے اور لڑکی نے کسی تیسری عورت کا دودھ پیا ہو جو نہ لڑکے کی ماں ہے، نہ لڑکی کی، تب بھی یہ دونوں آپس میں بہن بھائی بن گئے اور بہن بھائی بننے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اکٹھے ایک ہی وقت میں پئیں، یعنی دودھ پینے کا زمانہ ایک ہو، بلکہ فرض کرو کہ لڑکے نے آج دودھ پیا ہے اور لڑکی نے اس عورت کا دودھ دو سال یا دس سال یا تیس سال یا پچاس سال بعد پیا تب بھی یہ آپس میں بہن بھائی بن جائیں گے، کیونکہ دونوں کی ماں ایک ہے۔ ﴿وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ﴾ اور تمھاری بیویوں کی مائیں یعنی ساس کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے چاہے وہ مطلقہ ہو یا بیوہ ہو جائے، کوئی بھی حیثیت رکھتی ہو وہ تمھاری ماں کے درجہ میں ہے۔

﴿وَ رَبَآىٕبُكُمُ﴾ ربائب، ربیبۃ کی جمع ہے، تمھاری پروردہ بچیاں ﴿الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ وہ جنھوں نے تمھاری گود میں تربیت پائی ہے ﴿مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ تمھاری ان عورتوں سے جن سے تم ہم بستری کر چکے ہو۔ مثلاً: ایک عورت بیوہ یا مطلقہ ہے اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا اور پہلے خاوند سے بچی ہے تو یہ دوسرا خاوند اس بچی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میری بیٹی نہیں ہے، کسی اور کی بچی ہے۔ کیونکہ عموماً بیوہ ہونے اور مطلقہ ہونے کی شکل میں چھوٹے بچے ماں کے پاس رہتے ہیں تو یہ ربیبہ کہلاتی ہے۔ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ پس اگر تم نے کسی کے ساتھ ہم بستری نہیں کی ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ﴾ تو کوئی گناہ نہیں ہے تم پر۔ مثلاً: ایک آدمی نے بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کیا ہے، مگر ہم بستری نہیں کی اور طلاق کی نوبت آ گئی ہے یا وہ عورت فوت ہوگئی تو اس کی وہ بچی جو پہلے خاوند سے ہے اس کے ساتھ یہ دوسرا خاوند نکاح کر سکتا ہے، اس کے لیے حلال ہے، کوئی گناہ نہیں ہے۔ ﴿وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ﴾ اور تمھارے بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں ﴿الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ وہ بیٹے جو تمھاری پشت سے ہیں۔ یعنی جو تمھارے صلبی بیٹے ہیں اور یہ صلبی کی قید اس لیے لگائی کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے طلاق اور عدت کے بعد نکاح جائز ہے، اس کے حقوق وہ نہیں ہیں جو صلبی بیٹے کے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جس کو بیٹا کہہ دیتے تھے اس کے وہی حقوق سمجھتے تھے جو صلبی بیٹے کے ہوتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو متبنّٰی بنایا تھا اور آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا، آپس میں مزاج نہ ملنے کی وجہ سے طلاق کی نوبت آ گئی۔ عدت گزرنے کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرنا چاہا تو آپ ﷺ اس پروپیگنڈے سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ آپ ﷺ نے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ تو بائیسویں پارے میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ تَخْشَى النَّاسَ﴾ "اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے ﴿وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے

ڈرو۔" یعنی لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو۔ متبنّٰی کی بیوی سے نکاح جائز ہے، رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے اور رضاعی بیٹا وہ ہے جس نے بیوی کا دودھ پیا ہے، اس بچے نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا پھر وہ فوت ہوگیا یا اس نے طلاق دے دی تو یہ رضاعی باپ اس عورت کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا۔ رضاعی بیٹے، بیٹی کے وہی احکام ہیں جو حقیقی بیٹے کے ہیں۔

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ اور یہ کہ تم جمع کرو دو بہنوں کو نکاح میں۔ یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، برابر ہے کہ حقیقی بہنیں ہوں یا باپ کی طرف سے بہنیں ہوں یا ماں کی طرف سے بہنیں ہوں۔ اسی طرح پھوپھی، بھتیجی بھی کسی کے نکاح میں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ آگے پیچھے رہ سکتی ہیں کہ ایک فوت ہوجائے تو دوسری سے نکاح کرلے۔ اسی طرح خالہ بھانجی بھی اکٹھی نہیں رہ سکتیں، آگے پیچھے ہوسکتی ہیں کہ مثلاً: ایک آدمی نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا، موافقت نہ ہوئی، طلاق ہوگئی، اب اس کی بھتیجی یا بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو جب تک پہلی عورت کی عدت ختم نہیں ہوگی، اس وقت تک اس کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح نہیں کرسکتا۔ کیونکہ دونوں کا جمع ہونا لازم آتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے احکام بتائے ہیں۔

جڑواں بہنوں سے متعلق مودودی صاحب کا غلط فتویٰ

کافی عرصہ ہوا ہے کہ ایک مسئلہ درپیش آیا کہ ایک آدمی کی دو بچیاں ہیں کہ قدرتی طور پر دونوں کی پیٹھ جڑی ہوئی ہے، دونوں صحت مند اور جوان ہوگئی ہیں، ڈاکٹروں نے کہا کہ دونوں کو الگ الگ کرنے کے لیے رگیں کاٹی گئیں تو مرجائیں گی۔ نکاح کا مسئلہ پیش آیا کہ ان کا نکاح کس طرح کیا جائے، کیا صورت ہوگی؟ تو مودودی صاحب نے فتویٰ دیا کہ دونوں کا ایک مرد کے ساتھ نکاح کردو، جائز ہے۔ ہم نے بڑا احتجاج کیا کہ قرآن پاک کا حکم ہے ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ کہ دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اور ان دونوں کا وجود الگ الگ ہے، صرف ایک جگہ سے رگیں جڑی ہوئی ہیں کہ اگر کاٹتے ہیں تو مرنے کا خطرہ ہے اور قرآن پاک کا صریح حکم ہے کہ دو بہنوں کا نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے۔ علماء کا مودودی صاحب سے کوئی ذاتی اختلاف اور دشمنی نہیں ہے اس اللہ کے بندے نے قرآن پاک کی تفسیر میں بھی اور فقہی مسائل میں بھی بڑی قلابازیاں کھائی ہیں اور اس نے بڑا کچھ کہا ہے۔

تو یہ اٹل مسئلہ ہے کہ دو بہنیں اکٹھی ایک نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔ ہاں! اس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک کے ساتھ نکاح ہوا ہے وہ فوت ہوجائے تو عدت گزرنے کے بعد اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کے فوت ہوجانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کردیا۔

﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ مگر وہ جو پہلے گزر چکا۔ وہ جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھا اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، کیونکہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔ تمام مسلمان مرد، عورتوں پر فرض ہے کہ ان مسائل کو ازبر کریں اور یاد رکھیں تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔

﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ﴾ اور (حرام کردی گئی ہیں تم پر) وہ عورتیں جو خاوندوں والی ہیں ﴿مِنَ النِّسَآءِ﴾ عورتوں میں سے ﴿اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ مگر وہ جن کے مالک ہو جائیں تمھارے دائیں ہاتھ ﴿كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا گیا ہے ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ﴾ اور حلال کردی گئیں تمھارے لیے ﴿مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا﴾ یہ کہ تلاش کرو تم ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ ﴿مُّحْصِنِیْنَ﴾ نکاح کی قید میں رکھنے والے ہو ﴿غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ﴾ نہ کہ شہوت رانی کرنے والے ہو ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ﴾ پس تم نے ان عورتوں میں سے جس سے فائدہ اٹھایا ﴿فَاٰتُوْهُنَّ﴾ پس دو تم ان کو ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ مہر ان کے ﴿فَرِیْضَةً﴾ جو مقرر ہیں ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ﴾ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿فِیْمَا﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ﴾ جس پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ ﴿مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ﴾ مہر مقرر کرنے کے بعد ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلِیْمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِیْمًا﴾ حکمت والا ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿لَّمْ یَسْتَطِعْ﴾ جو نہیں طاقت رکھتا ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿طَوْلًا﴾ نہ قدرت ﴿اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ یہ کہ نکاح کرے آزاد عورتوں کے ساتھ ﴿الْمُؤْمِنٰتِ﴾ جو مومن ہیں ﴿فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ تو ان کے ساتھ نکاح کرلے جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ تمھاری لونڈیوں میں سے جو مومن ہیں ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿بِاِیْمَانِكُمْ﴾ تمھارے ایمان کو ﴿بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ﴾ بعض تمھارے وابستہ بعض کے ساتھ ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ﴾ پس تم ان لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرو ﴿بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ﴾ ان کے مالکوں کی اجازت سے ﴿وَاٰتُوْهُنَّ﴾ اور دو تم ان کو ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ مہر ان کے ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اچھے طریقے کے ساتھ ﴿مُحْصَنٰتٍ﴾ وہ نکاح کی قید میں رکھی جائیں ﴿غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ﴾ وہ مستی نکالنے والی نہ ہوں ﴿وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾ اور پوشیدہ طور پر یارانے رکھنے والی نہ ہوں ﴿فَاِذَآ اُحْصِنَّ﴾ پس جب وہ محصن ہو جائیں یعنی نکاح کی قید میں لائی جائیں ﴿فَاِنْ اَتَیْنَ﴾ پس اگر کریں وہ ﴿بِفَاحِشَةٍ﴾ کوئی گناہ ﴿فَعَلَیْهِنَّ﴾ بس ان پر ہے ﴿نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ آدھی سزا جو آزاد عورتوں پر ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿لِمَنْ خَشِیَ﴾ اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے ﴿الْعَنَتَ﴾ گناہ میں مبتلا ہونے سے ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿وَاَنْ تَصْبِرُوْا﴾ اور یہ کہ تم صبر کرو ﴿خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ تمھارے لیے بہت بہتر ہے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلی آیات میں ان عورتوں کا ذکر تھا، جن کے ساتھ نکاح حرام ہے، اسی حد کا ذکر ہے ﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ اور (حرام کردی گئیں ہیں تم پر) وہ عورتیں جو خاوند والی ہیں یعنی وہ عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہیں جب تک ان کا خاوند فوت نہ ہوجائے یا طلاق نہ دے دے اور عدت نہ گزر جائے، اس عورت کے ساتھ کسی کا نکاح جائز نہیں ہے۔

اس مقام پر مُحْصَنَات سے مراد خاوند والی عورتیں ہیں کہ خاوند والی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے ﴿اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ مگر وہ جن کے مالک ہوجائیں تمھارے دائیں ہاتھ۔

یہ بات ذرا توجہ سے سمجھنا کہ کچھ کام ایسے ہیں جو دائیں ہاتھ سے کرنے ہیں اور کچھ کام ایسے ہیں جو بائیں ہاتھ سے کرنے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھایا کرو اور دائیں ہاتھ سے پیا کرو، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور پیتا ہے، اس طرح وضو میں پہلے دایاں ہاتھ دھوؤ، پھر بایاں۔ کتاب دائیں ہاتھ میں پکڑو، جوتا بائیں ہاتھ میں پکڑو، کوئی چیز کسی کو دینی ہے دائیں ہاتھ سے دو، لینی ہے دائیں ہاتھ سے لو، استنجا کرنا ہے بائیں ہاتھ سے کرو، ناک صاف کرنا ہے بائیں ہاتھ سے کرو۔

ملکِ یمین کا مفہوم

تو ملک یمین کا مطلب ہے دائیں ہاتھ کی ملک۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب شرعی جہاد ہو اور اس میں کافر مرد عورتیں گرفتار ہوجائیں، قیدی بن جائیں تو ان کے متعلق پہلا حکم یہ ہے کہ تم اپنے قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کرو، کیونکہ تمھارے ساتھی بھی تو قیدی ہوئے ہوں گے، کیونکہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تم ہی قیدی کرو اور وہ نہ کرسکیں لہٰذا تم یہ قیدی دے کر اپنے ساتھی لے لو۔ دوسرا حکم قرآن پاک کے چھبیسویں پارے میں آتا ہے کہ ﴿فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً﴾ یا تم ان قیدیوں کو مفت میں چھوڑ دو، اس کی بھی تمھیں اجازت ہے یا ان سے فدیہ اور خرچہ لے کر چھوڑنا چاہتے ہو تو اس کا بھی تمھیں حق ہے، اگر یہ تینوں صورتیں نہ بن سکیں تو آخری حکم یہ ہے کہ ان کو تم غلام اور لونڈی بنا کے رکھو۔ پھر امیر لشکر ان کو مختلف ساتھیوں کے حوالے کرے گا اور طریقہ یہ ہوگا کہ امیر لشکر ایک قیدی کو دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور کہے گا کہ یہ تیرا غلام ہے اور وصول کرنے والا بھی دائیں ہاتھ سے وصول کرے گا، اس کو کہتے ہیں ملکِ یمین یعنی دائیں ہاتھ کی ملک۔ پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہاتھ سے ہی پکڑائے، اگر لفظ زبان سے ہی کہہ دے کہ یہ تیرا غلام ہے، یہ تیری لونڈی ہے تو اس طرح بھی جائز ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لو کہ جس کو لونڈی ملے گی، وہ اس کو بطور بیوی کے استبراءِ رحم کے بعد استعمال کرسکتا ہے، یعنی ایک ماہواری آنے کے بعد، ماہواری سے پہلے نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے خاوند سے حاملہ ہو تو اس طرح نسب خلط ملط ہوجائے گا اور معلوم نہیں ہوگا کہ بچہ پہلے کا ہے یا اس کا۔

شریعت نے نسب کے تحفظ کی بڑی تاکید فرمائی ہے، جب ایک حیض آ جائے گا تو اس بات کی دلیل ہوگی کہ یہ حاملہ نہیں ہے اور قیدی بن کے لونڈی ہو جانے کے بعد پہلے خاوند سے طلاق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر اس میں بھی تفصیل ہے کہ وہ لونڈی اگر یہودیہ ہے یا عیسائی ہے تو اس کو بطور بیوی کے استعمال کر سکتا ہے، اگر وہ یہودیہ یا عیسائی نہیں ہے اور مسلمان ہوگئی ہے تو اس کو بطور بیوی کے استعمال کر سکتا ہے اور اگر مسلمان نہ ہو تو پھر ملک یمین تو ہوگی، مگر اس کو بطور بیوی کے استعمال نہیں کر سکتا۔ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی گدھی یا گھوڑی خرید لے تو وہ اس کا مالک تو ہوگا مگر ان سے کوئی کارروائی جائز نہ ہوگی۔

تو فرمایا خاوند والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں مگر وہ جو تمھاری لونڈیاں ہو جائیں، بے شک دارالحرب میں ان کے خاوند موجود ہیں مگر اب وہ تمھاری لونڈیاں ہیں تم ان کو بغیر نکاح کے استعمال کر سکتے ہو اور اگر کسی اور کی لونڈی ہے تو تم اس کے ساتھ نکاح بھی کر سکتے ہو اگر مالک تمھارے ساتھ نکاح کرا دے تو۔ اور اپنی لونڈی کا نکاح کرا دینے کے بعد اب مالک اس سے دوسری خدمت تو لے سکتا ہے مگر اس سے وطی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ حق اس نے دوسرے کو دے دیا ہے۔

حق مہر کی مقدار

﴿كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ یعنی عورتوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ﴾ اور حلال کر دی گئی ہیں تمھارے لیے ﴿مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ یعنی ماں، بیٹی، پھوپھی، خالہ، رضاعی ماں، ساس، بہو اور خاوند والی عورتیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ ان کے علاوہ عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں لیکن شرط یہ ہے ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ یہ کہ تلاش کرو تم اپنے مالوں کے ساتھ۔ نکاح میں مال یعنی مہر کا ہونا ضروری ہے اور مہر ہے کتنا؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ مہر کم از کم دس درہم ہے اس سے کم مہر نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((لَا مَهْرَ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ)) "دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔" ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ یہ کل چھتیس ماشے چاندی ہوئی، آج کل یہ تقریباً دو سو روپے کی بنتی ہے۔

میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ یہ جو بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ شرعی مہر بتیس روپے ہے، حاشا و کلا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ انگریز کے دور میں چونکہ چاندی سستی تھی اور لوگ مہر فاطمی مقرر کرتے تھے، مہر فاطمی پانچ سو درہم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی بیٹیوں اور بیویوں کا مہر بھی پانچ سو درہم تھا اور انگریز کے دور میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت بنتی تھی ایک سو بتیس روپے اور چھ آنے۔ لوگوں نے ایک تو سو کو اُڑا دیا اور آنے بھی اُڑا دیئے، بتیس روپے رہنے دیئے اور اس وقت میرے خیال میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت تقریباً (کم و بیش) دس ہزار بنتی ہے۔ تو یاد رکھنا! بتیس روپے کوئی مہر نہیں ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنا کہ اگر نکاح کے وقت مہر نہ بھی مقرر کیا جائے، نکاح پھر بھی ہو جائے گا۔ کیونکہ دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہو تو نکاح ہو جاتا ہے اور مہر بعد میں دینا پڑے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ نکاح کے وقت مقرر نہ کرنے سے

ساقط ہو جائے۔

فرمایا ﴿مُحْصِنِیْنَ﴾ نکاح کی قید میں رکھنے والے ہو ﴿غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ﴾ نہ کہ شہوت رانی کرنے والے ہو کہ اپنی غرض پوری کی اور اس کو نکال دیا۔ اسلام میں ان چیزوں کی بڑی تاکید ہے کہ انسان انسان ہے، عورت عورت ہے، وہ گائے، بھینس یا بکری نہیں ہے کہ آج اس منڈی میں اور کل اس منڈی میں ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ﴾ پس تم نے ان عورتوں میں سے جس سے فائدہ اٹھایا ﴿فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ پس دو تم ان کو مہران کے ﴿فَرِیْضَةً﴾ جو مقرر ہیں۔ جو مہر مقرر ہو چکا ہے وہ عند اللہ اس عورت کا حق ہے وہ تمھیں دینا پڑے گا۔ ہاں! عورت اگر اپنی مرضی سے معاف کر دے، سارا معاف کر دے، آدھا معاف کر دے، چوتھا حصہ معاف کر دے، لیکن اس کی معافی کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ کیونکہ یہ اس کا شرعی حق ہے جو مرنے کے بعد بھی سر سے نہیں اُترے گا۔

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ﴾ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿فِیْمَا﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ﴾ جس پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ ﴿مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ﴾ مہر مقرر کرنے کے بعد۔ مثلاً: نکاح کے موقع پر پانچ سو روپے مہر مقرر کیا تھا اور اب خاوند اس کو اپنی مرضی سے ایک ہزار دینا چاہتا ہے، دو ہزار دینا چاہتا ہے، پانچ ہزار دینا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ جو مقرر ہوا ہے، اس سے زیادہ نہیں دے سکتا، جس طرح بیوی معاف کر سکتی ہے، خاوند اضافہ کر سکتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا۔ جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں وہ بڑے پختہ اور حکمت کے مطابق ہیں، ان پر عمل کرو۔

روافض کا ایک غلط استدلال

یہاں پر ایک اور بات بھی سمجھ لیں کہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ﴾ کی آیت کریمہ سے شیعہ حضرات نے بڑا غلط استدلال کیا ہے کہ اس سے اُنھوں نے متعہ ثابت کیا ہے۔ متعہ کا لغوی معنیٰ ہے فائدہ اٹھانا اور ایک متعہ شیعوں کے ہاں ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ تنہائی میں مرد، عورت آپس میں راضی ہو جائیں۔ مثلاً: مرد کسی عورت کو کہے کہ میں تجھے اتنے پیسے دوں گا تو میری خواہش پوری کر دے، وہ قبول کر لے۔ پھر خواہش پوری کرنے کے بعد نہ وہ اس کی بیوی، نہ یہ اس کا خاوند، یہ متعہ ہے۔ اور اس کے اُنھوں نے بڑے فضائل بیان کیے ہیں۔ پناہ بخدا! وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص متعہ کرنے کے بعد غسل کرتا ہے تو غسل کے پانی کے ایک ایک قطرے سے ستر ستر فرشتے پیدا ہوتے ہیں، وہ اس کے لیے ساری عمر دعائیں کرتے رہتے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ شریعت جس کو حرام کہتی ہے اس کے یہ فضائل بیان کیے ہیں۔

ان کی ایک تفسیر ہے "مَنْهَجُ الصَّادِقِیْن" ایران سے طبع ہوئی ہے۔ اس تفسیر میں اس مقام پر ایک جعلی اور من گھڑت حدیث لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے گا، اس کو امام حسین رضی اللہ عنہ کا درجہ مل جائے گا، جو دو

مرتبہ متعہ کرے گا، اس کو امام حسن رضی اللہ عنہ کا درجہ مل جائے گا، جو تین مرتبہ متعہ کرے گا اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ مل جائے گا اور جو چار دفعہ متعہ کرے گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کو پہنچ جائے گا (**العیاذ باللہ تعالیٰ، العیاذ باللہ تعالیٰ**).

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ خرافات نقل کی ہیں۔ اہل حق جب ان کی یہ باتیں بیان کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں اور ایرانی' ایسے مسائل والی کتابیں مسلسل بھیجتے رہتے ہیں اور پاکستانی شیعہ تقسیم کرتے رہیں تو کوئی فرقہ واریت نہیں ہے، بڑی عجیب منطق ہے کہ چھپوا کر بھیجنے والے فرقہ واریت پھیلانے والے نہیں ہیں اور ان کو بیچنے اور تقسیم کرنے والے بھی فرقہ واریت پھیلانے والے نہیں ہیں اور جو ان کو پڑھ کر سنا دے وہ فرقہ واریت پھیلانے والا ہے۔ بھئی! ہم لڑائی جھگڑے کے قائل نہیں اور دہشت گردی کے سخت منکر ہیں، چاہے کوئی طبقہ بھی کرے، مگر حق کو بیان کرنا تو حق ہے۔ مثلاً: اس طرح قرآن پاک کی کوئی تفسیر کرے، جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اس آیت کریمہ کی تشریح میں لکھا ہے کہ جو چار مرتبہ متعہ کرے اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان لغویات کی تردید کرنے کا تو ہمیں حق حاصل ہے، اسلام کے خلاف کوئی بات کرے تو ہر مسلمان کے فریضہ میں داخل ہے کہ وہ اس کی تردید کرے۔

آگے فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا﴾ اور وہ شخص جو نہیں رکھتا تم میں طاقت ﴿اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ یہ کہ نکاح کرے آزاد عورتوں کے ساتھ۔ یہاں پر محصن کے معنی آزاد عورت کے ہیں کہ جو آدمی آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو فرمایا ﴿فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ پس ان کے ساتھ نکاح کرے جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں، لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرے ﴿مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ تمھاری لونڈیوں میں سے جو مومن ہیں۔

ایک مسئلہ تو یہ سمجھ لیں کہ اپنی لونڈی کے ساتھ نکاح نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے بغیر نکاح کے مباشرت کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ یہودیہ ہو یا نصرانیہ ہو۔ ہاں! لونڈی کا جو مالک ہے وہ اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کر سکتا ہے، یہ جائز ہے۔ لیکن مالک جب اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کر دے گا تو اب وہ خود اس لونڈی کے ساتھ ہم بستری نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ اب دوسرے کی منکوحہ بیوی ہے اور اس نے یہ حق دوسرے کو دے دیا ہے۔ تو فرمایا کہ اگر تمھیں آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہیں ہے تو تم ان کے ساتھ نکاح کر لو جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں تمھاری مومن لونڈیوں میں سے۔ ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ﴾ اور اللہ خوب جانتا ہے تمھارے ایمان کو ﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ بعض تمھارے وابستہ ہیں بعض کے ساتھ۔ رب تعالیٰ نے عورتیں بھی پیدا فرمائی ہیں اور مرد بھی پیدا فرمائے ہیں کیونکہ نسل انسانی کو قیامت تک چلانا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ﴾ پس تم ان لونڈیوں کے ساتھ نکاح کر لو ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ ﴿وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ اور دو تم ان کو ان کے مہر ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اچھے طریقے کے ساتھ یعنی جس قاعدے اور طریقے کے مطابق آزاد عورتوں کو مہر دیا جاتا ہے، اسی طرح ان کو بھی دو ﴿مُحْصَنٰتٍ﴾ وہ نکاح کی قید میں رکھی جائیں، تاکہ نسل کا علم ہو کہ کس کی ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے زنا کو حرام کیا ہے کہ نسب کا علم نہیں ہوتا۔

حدیث پاک میں آتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت بدکاری کے نتیجہ میں حاملہ ہوگئی اس پر جنت حرام ہے۔ کیونکہ اس نے غیر کا نطفہ اپنے خاوند کی وراثت میں داخل کر دیا ہے۔ زنا بڑے گناہوں میں سے ہے کہ اس نے خاوند کا حق بھی مارا اور رب تعالیٰ کا بھی ﴿غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ﴾ وہ مستی نکالنے والی نہ ہوں ﴿وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾ اور پوشیدہ طور پر یارانے رکھنے والیاں بھی نہ ہوں ﴿اَخْدَانٍ﴾ خِدْن سے ہے، اس کا معنیٰ وہ دوست جو برائی کے لیے ہو۔ ﴿فَاِذَآ اُحْصِنَّ﴾ پس جب وہ محصن ہو جائیں نکاح کی قید میں لائی جائیں یعنی ان لونڈیوں کی شادی ہو جائے، پھر شادی کے بعد ﴿فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ﴾ پس اگر کریں وہ کوئی گناہ ﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ پس ان پر ہے آدھی سزا جو آزاد عورتوں پر ہے۔

زانیہ لونڈی کی سزا

آزاد عورت شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا ہے رجم۔ تو رجم کا نصف تو نہیں ہو سکتا کہ آدھی لونڈی ماردی جائے اور آدھی زندہ چھوڑ دی جائے لہٰذا لونڈی کی سزا صرف پچاس کوڑے ہیں۔ چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو اور غلام کو بھی اس پر قیاس کیا گیا ہے کہ اس کی سزا بھی پچاس کوڑے ہیں، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ اور لونڈی کی نصف سزا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے پردہ نہیں ہے، عام چلے پھرے گی، بازار سے سودا سلف بھی لائے گی تو اس کے لیے چونکہ زیادہ سہولت نہیں ہے لہٰذا سزا بھی زیادہ نہیں ہے۔

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ﴾ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے گناہ میں مبتلا ہونے سے تم میں سے۔ مطلب یہ ہے کہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا بہتر نہیں ہے۔ ایک تو اس لیے کہ لونڈی کی جو اولاد ہوگی وہ بھی غلام ہوگی، باوجودیکہ خاوند آزاد ہے۔ کیونکہ غلامی اور آزادی میں ماں کا اعتبار ہوتا ہے، چونکہ ماں لونڈی ہے، اس لیے اولاد غلام ہوگی لہٰذا اچھی بات نہیں ہے کہ آزاد آدمی غلام اولاد پیدا کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لونڈی کا پردہ کوئی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ بغیر دوپٹے کے بھی چل پھر سکتی ہے اور اس پر بازار جانے میں بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس نے مالک کے لیے بازار بھی آنا جانا ہے، خاوند گرفت نہیں کر سکتا اور غیرت مند آدمی اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی اس طرح کھلے طور پر پھرے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ لیکن ضابطہ یہ ہے کہ: إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِبَلِيَّتَيْنِ فَاخْتَرُوْا أَهْوَنَهُمَا "اگر تم دو مصیبتوں میں پھنس جاؤ تو ان دو میں ہلکی کو قبول کر لو۔" بجائے اس کے کہ زنا میں مبتلا ہو جاؤ اس سے بہتر ہے کہ لونڈی سے نکاح کر لو۔ کیونکہ زنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ﴿وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ اور یہ کہ تم صبر کرو تمہارے لیے بہت بہتر ہے کہ تمہاری اولاد کی آزادی پر بھی فرق نہیں پڑے گا اور تمہاری غیرت کو بھی چیلنج نہیں ہوگا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ جو احکام اس نے بنائے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے۔

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ﴾ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِیُبَیِّنَ لَكُمْ﴾ تا کہ بیان کرے تمھارے لیے احکام ﴿وَ یَهْدِیَكُمْ﴾ اور تا کہ تمھاری رہنمائی کرے ﴿سُنَنَ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے راستوں کی ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ جو تم سے پہلے گزرے ہیں ﴿وَ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ﴾ اور تا کہ تم پر رجوع فرمائے ﴿وَ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿عَلِیْمٌ﴾ جاننے والا ہے ﴿حَكِیْمٌ﴾ حکمت والا ہے ﴿وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے ﴿اَنْ﴾ اس بات کا ﴿یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ﴾ کہ تم پر رجوع فرمائے ﴿وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ ﴿یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ﴾ جو پیروی کرتے ہیں خواہشات کی ﴿اَنْ﴾ اس بات کا ﴿تَمِیْلُوْا﴾ تم پھر جاؤ حق سے ﴿مَیْلًا عَظِیْمًا﴾ پھر جانا بہت بڑا ﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ﴾ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ﴾ اس کا کہ ﴿یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ تم سے بوجھ ہلکا کرے ﴿وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَاْكُلُوْۤا﴾ نہ کھاؤ ﴿اَمْوَالَكُمْ﴾ اپنے مال ﴿بَیْنَكُمْ﴾ آپس میں ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ ناحق طریقے سے ﴿اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً﴾ مگر یہ کہ ہو تجارت ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ آپس میں رضامندی کے ساتھ ﴿وَ لَا تَقْتُلُوْۤا﴾ اور نہ قتل کرو ﴿اَنْفُسَكُمْ﴾ اپنی جانوں کو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِكُمْ رَحِیْمًا﴾ تم پر مہربانی کرنے والا ﴿وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جس نے کی یہ کارروائی ﴿عُدْوَانًا﴾ زیادتی کرتے ہوئے ﴿وَّ ظُلْمًا﴾ اور ظلم کرتے ہوئے ﴿فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا﴾ پس عنقریب ہم اسے داخل کریں گے آگ میں ﴿وَ كَانَ ذٰلِكَ﴾ اور ہے یہ چیز ﴿عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا﴾ اللہ تعالیٰ پر آسان ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا﴾ اگر تم اجتناب کرو گے ﴿كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ ان بڑے گناہوں سے جن سے تمھیں روکا گیا ہے ﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ﴾ تو ہم مٹا دیں گے تم سے تمھارے چھوٹے گناہ ﴿وَ نُدْخِلْكُمْ﴾ اور ہم داخل کریں گے تمھیں ﴿مُّدْخَلًا﴾ داخل ہونے کی جگہ میں ﴿كَرِیْمًا﴾ جو بڑی عزت والی ہوگی۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر حقوق العباد بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ یتیموں کے حقوق بیان فرمائے، پھر عورتوں کے حقوق بیان فرمائے کہ جو وراثت کی حق دار ہیں، پھر ان عورتوں کا بیان فرمایا جن کے ساتھ نکاح حرام ہے اور ان کا ذکر فرمایا جن کے ساتھ نکاح حلال ہے۔ اب اللہ تعالیٰ احسان جتلاتے ہیں کہ میں نے یہ احکام نازل فرما کر تم پر احسان کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ﴾ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِیُبَیِّنَ لَكُمْ﴾ تا کہ بیان کرے تمھارے لیے احکام، یہ جو یتیموں کے حقوق بیان فرمائے، عورتوں کے حقوق بیان فرمائے، اسی طرح عورتوں کی حلت وحرمت کے حقوق بیان فرمائے ہیں، یہ اس کا تمھارے

اُوپر احسان ہے۔ ﴿وَيَهْدِيَكُمْ﴾ اور تمھاری رہنمائی کرے ﴿سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ان لوگوں کے راستوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔

﴿سُنَنَ﴾ جمع ہے سُنَّةٌ کی اور سُنَّةٌ کا معنی ہے راستہ۔ تم سے پہلے جو جو پیغمبر گزرے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام سنائے، تاکہ ان کی اُمتیں ان احکامات پر عمل کریں۔ تو جس طرح پہلے پیغمبروں کو ان کی اُمت کے لیے احکام سنائے تاکہ وہ ان پر عمل کرے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اور تمھیں پہلے کامیاب لوگوں کے طریقوں سے بھی آگاہ کیا تاکہ تم بھی ان صالحین کے نقشِ قدم پر چل کر منزلِ مقصود پالو۔

﴿وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ﴾ اور تاکہ تم پر رجوع فرمائے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، حکمت والا ہے۔ لہٰذا اس نے جو احکام تم پر نازل فرمائے ہیں وہ حکمت پر مبنی ہیں۔ ﴿عَلِيْمٌ﴾ بھی ہے، جو فرمایا ہے حق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس حکم کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اچھا ہے، ساری دنیا کے عقل مند اکٹھے ہو کر اس میں خرابی نہیں نکال سکتے اور جس چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یہ بُری ہے تو ساری دنیا کے عقل مند اکٹھے ہو کر اس میں اچھائی نہیں پیدا کر سکتے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے وہی حق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے وہی حق ہے۔

تہتر فرقے

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود کے اکہتر فرقے ہوئے یعنی یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے دین میں گڑبڑ کی اور اکہتر مذہبی فرقے بنادیئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یعنی یہ اُمت یہود و نصاریٰ سے پیچھے نہیں رہے گی كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً "ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے، ایک جنت میں جائے گا۔" سوال کیا مَنْ هِيَ؟ "حضرت! وہ نجات پانے والا کون سا فرقہ ہوگا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ "وہ نجات پانے والا جنتی فرقہ وہ ہوگا جو میرے راستے پر چلے گا اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلے گا۔"

اور امام عبد الکریم شہرستانی بڑے چوٹی کے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، اُنھوں نے اپنی کتاب "اَلْمِلَلْ وَالنِّحَلْ" میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنت میں جانے والے اہل السنۃ والجماعۃ ہوں گے۔ سوال کیا گیا حضرت! اہل سنت والجماعت کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِيْ "میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلنے والے اہل سنت والجماعت ہوں گے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بات بالکل صاف فرمادی کہ جنت میں جانے والے اہل سنت والجماعت ہوں گے اور اہل سنت والجماعت وہ ہیں جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلنے والے ہیں۔ اب تم دیکھ لو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس پر کون چلنے والا ہے؟ اور بات تو

بالکل صاف ہے کہ جنت میں وہی جائے گا، باقی سب جہنمی ہیں۔اور ہمارے ہاں اہل بدعت حضرات نے دھکے (زبردستی) سے اہل السنت کا لفظ اپنے لیے اَلاٹ کیا ہوا ہے۔سوال یہ ہے کہ جو کام تم لوگ کرتے ہو کیا آنحضرت ﷺ نے کیے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیے ہیں؟ تو پھر واقعتاً تم اہل السنت ہو؟ اور اگر یہ کام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کیے تو دھکے شاہی کر کے اہل السنت بن جانے کی کیا حیثیت ہے؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفے کے گورنر تھے۔کوفے کی آبادی بڑی تیزی سے بڑھی، مسجدیں عام تعمیر ہوگئیں۔ایک مسجد میں لوگوں نے اکٹھے ہو کر بلند آواز سے ذکر کرنا شروع کر دیا۔ایک آدمی دوڑتا ہوا گورنر کے پاس آیا کہ حضرت! فلاں مسجد میں لوگ یُهَلِّلُوْنَ وَ یُكَبِّرُوْنَ جَهْرًا "بلند آواز سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَيُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ۔اور بلند آواز سے حضور پاک ﷺ پر درود پاک پڑھتے ہیں۔" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَوَ قَدْ فَعَلُوْا "کیا واقعی یہ کارروائی ہوئی ہے؟" پہلے تو اس بات پر غور کرو کہ وہ آدمی براہِ راست گورنر کے پاس پہنچا۔اگر بلند آواز سے ذکر کرنا لوگوں کا معمول ہوتا اس شخص کو گورنر کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر گورنر صاحب سن کر فرماتے ہیں اَوَ قَدْ فَعَلُوْا" کہ کیا واقعی وہ اس طرح کرتے ہیں؟" اگر اس کا کچھ بھی جواز ہوتا تو فرماتے کہ اگر وہ لوگ بلند آواز سے کلمہ پڑھتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں تو تجھے کیا تکلیف ہے؟ کرنے دو۔لیکن گورنر نے بڑے تعجب کے لہجے میں فرمایا کہ واقعی ایسی کارروائی ہوئی ہے؟ اس شخص نے کہا، ہوئی ہے۔فرمایا اب جب وہ ایسا کریں تو فوراً مجھے اطلاع دینا۔اس شخص نے اگلے روز آکر اطلاع دی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منہ پر کپڑا ڈال کر چہرہ چھپا کر تیزی کے ساتھ وہاں جا پہنچے۔ان کا وجود مبارک ہلکا پھلکا سا تھا بہت تیز چلتے تھے۔مسجد میں پہنچ کر کپڑا منہ مبارک سے اُتارا اور فرمایا: مَنْ عَرَفَنِيْ فَقَدْ عَرَفَنِيْ "جو مجھے پہچانتا ہے سو وہ پہچانتا ہے وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْنِيْ اور جو مجھے نہیں جانتا وہ اچھی طرح جان لے کہ میں عبداللہ بن مسعود کوفے کا گورنر ہوں۔" پھر فرمایا: تم نے بہت بڑی بدعت ایجاد کی ہے، تعجب ہے تم پر اے امت محمد ﷺ! کیا ہی جلد ہلاکت میں پڑ گئے ہو ابھی تک هٰؤُلَاءِ الصَّحَابَةُ بَيْنَكُمْ مُتَوَافِرُوْنَ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تم میں بکثرت موجود ہیں۔۳۲ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ۱۱۰ھ تک رہا ہے وَهٰذَا ثِيَابُهٗ لَمْ تُبَلَّ "اور ابھی تک جناب رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے وَاٰنِيَتُهٗ لَمْ تُكَسَّرْ اور ابھی تک آپ ﷺ کے برتن نہیں ٹوٹے، دریں حالت تم بدعت اور گمراہی کے دروازے کھولتے ہو حَتّٰى اَخْرَجَهُمْ مِنَ الْمَسْجِدِ یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔ فَقَالَ مَا اَرَاكُمْ اِلَّا مُبْتَدِعِيْنَ پھر فرمایا کہ میرا فتویٰ ہے تم بدعتی ہو۔" تو یہ بدعتی آج اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور جو کچھ آج کل کے بدعتی کرتے ہیں وہ بھی یہی کچھ کر رہے تھے کہ بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھ رہے تھے اور اللہ اکبر پڑھ رہے تھے اور درود شریف پڑھ رہے تھے، مگر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو بدعتی کہہ کر مسجد سے نکال دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَارَضِيتُ لَكُمْ مَّارَضِيَ لَكُمُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ "اے امتیو! میں تمھارے لیے اس چیز پر راضی ہوں جس پر عبداللہ (رضی اللہ عنہ) راضی ہیں۔ وَسَخِطْتُ لَكُمْ مَّاسَخِطَ لَكُمُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ اور میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا جس کو عبداللہ (رضی اللہ عنہ) پسند نہیں کرتے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر اتنا اعتماد تھا۔ تو معاف کرنا یہ بدعتی اہل سنت کس طرح بن گئے؟ جنھوں نے کوئی بدعت چھوڑی ہی نہیں اور بدعت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتنا بُرا سمجھتے تھے، اس کا اندازہ اس روایت سے لگائیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بدعت سے نفرت

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک مسجد میں نماز کی غرض سے داخل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ان کو حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کبھی اور کبھی اور ساتھی لے کر جاتے تھے۔ اذان ہو چکی تھی، مؤذن نے اونچی آواز میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ آؤ بھائی! نماز کا وقت ہے، جماعت کا وقت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: أَخْرِجْ بِنَا فَإِنَّ هٰذِهٖ بِدْعَةٌ "مجھے یہاں سے لے چلو اس لیے کہ یہ بدعت ہے۔" اندازہ کریں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بدعت اور اہل بدعت سے کیسی نفرت کی کہ انھوں نے ان کی مسجد میں نماز پڑھنی بھی گوارا نہ کی کہ اذان کے بعد لوگوں کو بلانے کا کیا معنٰی ہے؟

اس مسئلہ میں تفصیل ہے اچھی طرح سمجھ لو۔ وہ اس طرح کہ اذان ہو جانے کے بعد تم گھر سے نماز کے لیے مسجد میں آ رہے ہو اور آتے ہوئے اپنے محلے میں آس پاس کے لوگوں کو کہتے ہو کہ آؤ بھائی! نماز کے لیے چلیں، یہ جائز ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ مؤذن اذان دینے کے بعد پھر اذان کی طرح آوازیں لگائے اور کہے کہ نماز کے لیے آؤ۔ یہ بدعت ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تو چونکہ مؤذن نے اذان کے بعد تثویب کی تھی اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وہاں نماز نہ پڑھی۔ تو بہت سارے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ بریلویوں کو وہ اہل سنت والجماعت سمجھتے ہیں اور ہم کو وہابی کہتے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ بھئی! وہابی تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے اور وہ مسلکاً حنبلی تھا اور ہم بڑے پکے حنفی ہیں، ہم وہابی کس طرح ہو گئے؟ یہ انگریز کی پالیسی ہے، اس نے ہمیں بدنام کرنے کے لیے ہمارے ساتھ یہ وہابی کی دم لگائی تھی جو ابھی تک اتری نہیں۔ حاشا وکلا! ہم بالکل وہابی نہیں، الحمد للہ ہم سنی ہیں اور اہل سنت والجماعت ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اہل سنت والجماعت کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا: اہل سنت وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر چلنے والے ہیں اور جماعت سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔ تو تہتر فرقوں میں سے نجات پانے والا فرقہ اہل سنت والجماعت ہے، باقی سب دوزخی ہیں۔ پھر دوزخ میں جانے کی بھی تفصیل ہے، بہتر فرقوں میں سے وہ بھی ہوں گے کہ جن کا افتراق کفر وشرک کی

حد تک پہنچ چکا ہوگا، وہ تو کبھی بھی دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے، ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے اور بہتر فرقوں میں سے ایسے بھی ہوں گے جن کا افتراق واختلاف صرف بدعت کی حد تک ہوگا، کفر وشرک ان میں نہیں ہوگا، یہ بھی دوزخ میں تو جائیں گے مگر کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکل آئیں گے۔ جو فرقہ اول تا آخر دوزخ سے بچے گا وہ ہے جو مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کا مصداق ہوگا۔ یہ نجات پانے والے فرقے کا معیار ہے اس کو اچھی طرح یاد رکھنا! کسی کے دھوکے میں نہ آنا۔

﴿وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اس بات کا کہ تم پر رجوع فرمائے، تمھاری توبہ قبول کرے ﴿وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ ﴿یَتَّبِعُوْنَ الشَّھَوٰتِ﴾ جو پیروی کرتے ہیں خواہشات کی ﴿اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا﴾ اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ تم پھر جاؤ حق سے پھر جانا بہت بڑا، بہت زیادہ۔ وہ اس طرح خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بدعات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے؟ بھئی! حرج تو ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف کرتے ہو اور چلتے ہو، یہ تھوڑا حرج ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عید کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ عید گاہ میں پہنچے اور لوگ بھی پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک صوفی طرز کے آدمی نے عید گاہ میں نماز شروع کی ہوئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام قنبر رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جا کر اس صوفی کے کان میں آہستہ سے کہو کہ عید والے دن عید گاہ میں عید کی نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی۔ زوال کے بعد ظہر بھی ہے اور عصر بھی ہے۔ غلام نے حسبِ حکم صوفی کے کان میں جا کر کہہ دیا۔ مگر وہ بڑا سخت قسم کا صوفی تھا باز نہ آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے پوچھا کہ بھائی! تو اس کو کہہ کر آیا ہے؟ اس نے کہا حضرت! بالکل اچھی طرح کہہ کر آیا ہوں مگر وہ نہیں مانتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لے گئے اور اسے کندھے سے پکڑ کر فرمایا کہ تو کیا کر رہا ہے؟ وہ بڑے غصے میں کہنے لگا کہ نماز پڑھ رہا ہوں کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو گناہ کر رہا ہے۔ کیونکہ جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں ان کا کرنا گناہ ہے۔ اب دیکھو! وہ نماز پڑھ رہا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ تو گناہ کر رہا ہے۔ دوسری طرف کوفہ کی ایک مسجد میں چند آدمی بلند آواز سے درود شریف پڑھ رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو کان سے پکڑ کر مسجد سے نکال دیا۔ اس لیے کسی شے کی شکل وصورت نہیں دیکھنی کہ اس میں کیا حرج ہے، اس میں کیا حرج ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے، اس کا کرنا سنت ہے اور اگر ثابت نہیں تو اس کا کرنا بدعت ہے، یہ ہے حرج۔

﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ﴾ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ﴾ کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور۔ انسان بہت کمزور ہے، چاہے اپنے آپ کو جتنا تگڑا اور مضبوط سمجھے۔ دو دن بخار ہو جائے تو ہلنے کے

قابل نہیں رہتا اور اس وقت اس کو اللہ یاد آتا ہے اور کہتا ہے یا اللہ! یا اللہ!۔ پہلے فرمایا کہ کسی کے نفس میں تصرف کرنا رب تعالیٰ کے حکم کے بغیر حرام ہے آگے فرمایا کہ مال میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف تصرف کرنا حرام ہے۔

فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طریقے سے۔ وہ اس طرح کہ تم چوری کر کے کھاؤ، ڈاکہ ڈال کے کھاؤ، رشوت لے کر کھاؤ، ظلم و زیادتی کر کے کھاؤ، مکر و فریب کے ذریعہ حاصل کرو، یا فراڈ کر کے حاصل کرو یا ملاوٹ کر کے حاصل کرو، یہ سب طریقے باطل طریقے ہیں ﴿اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً﴾ مگر یہ کہ ہو تجارت ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ آپس میں رضامندی سے۔ تجارت کے ذریعہ کھانا جائز ہے مگر دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانا جائز نہیں ہے۔ ﴿وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ نہ قتل کرو اپنی جانوں کو۔ کیونکہ جن کو قتل کر رہے ہو وہ بھی تو تمھارے جیسے انسان ہیں نا، تمھارے بھائی ہیں، ان کو تم کیوں قتل کرتے ہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرنے والا، شفقت کرنے والا۔ ﴿وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جس نے کی یہ کارروائی یعنی اللہ کے حکموں کو توڑا ﴿عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا﴾ زیادتی کرتے ہوئے اور ظلم کرتے ہوئے۔

عدوان کہتے ہیں بندے کے حق کو توڑنے کو۔ اور ظلم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حق کو توڑنے کو۔ تو جب آدمی کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حق کو بھی توڑنے والا ہوگا اور بندے کے حق کو بھی توڑنے والا ہوگا۔ تو جو شخص تعدی اور ظلم کرے گا ﴿فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا﴾ پس عنقریب ہم اسے داخل کریں گے آگ میں۔ اگر دنیا میں وہ کسی نہ کسی طرح سزا سے بچ بھی گیا تو جہنم کی ابدی سزا اس کے انتظار میں ہے۔ ﴿وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا﴾ اور ہے یہ دوزخ میں سزا دینا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان۔

کبیرہ گناہوں سے احتراز

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا﴾ اگر تم اجتناب کرو گے ﴿كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ ان بڑے گناہوں سے جن سے تمھیں روکا گیا ہے ﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ﴾ تو ہم مٹا دیں گے تم سے تمھارے چھوٹے گناہ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو چھوٹے گناہ ہم خود بخود معاف کر دیں گے، کبیرہ گناہ بڑے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے بھاگنا، جھوٹ بولنا، یہ سب بڑے گناہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے گناہ ہیں۔ تو اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو تمھارے جو چھوٹے گناہ ہیں وہ نیکیوں کی برکت سے خود بخود مٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یعنی نیکیوں کی برکت سے صغیرہ گناہ خود بخود معاف ہو جاتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی نماز کے لیے گھر سے چلتا ہے تو ہر قدم کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک

صغیرہ گناہ مٹ جاتا ہے۔ پھر جب وضو کرتا ہے تو اس کی برکت سے صغیرہ گناہ خود بخود جھڑ جاتے ہیں، پھر جب مسجد میں آ کر نماز میں شریک ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو نیکیاں ملتی رہتی ہیں ﴿وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ اور ہم تمھیں داخل کریں گے داخل ہونے کی جگہ میں جو بڑی عزت والی ہے اور وہ جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین اور مسلمات کو نصیب فرمائے۔ آمین

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا﴾ اور نہ آرزو کرو تم ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ﴾ کہ فضیلت بخشی ہے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کے ذریعہ ﴿بَعْضَكُمْ﴾ تم میں سے بعض کو ﴿عَلٰى بَعْضٍ﴾ بعض پر ﴿لِلرِّجَالِ﴾ مردوں کے لیے ﴿نَصِيْبٌ﴾ حصہ ہے ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز سے ﴿اكْتَسَبُوْا﴾ جو انھوں نے کمائی ﴿وَلِلنِّسَآءِ﴾ اور عورتوں کے لیے ﴿نَصِيْبٌ﴾ حصہ ہے ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز سے ﴿اكْتَسَبْنَ﴾ جو انھوں نے کمائی ﴿وَسْئَلُوا اللّٰهَ﴾ اور سوال کرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس کی مہربانی کا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِكُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کو ﴿عَلِيْمًا﴾ جاننے والا ﴿وَلِكُلٍّ﴾ اور ہر ایک کے لیے ﴿جَعَلْنَا﴾ بنائے ہم نے ﴿مَوَالِيَ﴾ وارث ﴿مِمَّا﴾ اس مال میں ﴿تَرَكَ الْوَالِدٰنِ﴾ جو چھوڑا ماں باپ نے ﴿وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ اور قریبی رشتہ داروں نے ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ جن کے ساتھ گرہ لگ گئی ہے تمھاری قسموں کو ﴿فَاٰتُوْهُمْ﴾ پس دو تم ان کو ﴿نَصِيْبَهُمْ﴾ ان کا حصہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز پر ﴿شَهِيْدًا﴾ گواہ ﴿اَلرِّجَالُ﴾ مرد ﴿قَوّٰمُوْنَ﴾ حاکم ہیں ﴿عَلَى النِّسَآءِ﴾ عورتوں پر ﴿بِمَا﴾ بہ سبب اس کے کہ ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ﴾ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿بَعْضَهُمْ﴾ ان میں سے بعض کو ﴿عَلٰى بَعْضٍ﴾ بعض پر ﴿وَّبِمَآ﴾ اور اس سبب سے ﴿اَنْفَقُوْا﴾ کہ مرد خرچ کرتے ہیں ﴿مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ اپنے مالوں سے ﴿فَالصّٰلِحٰتُ﴾ پس نیک عورتیں ﴿قٰنِتٰتٌ﴾ اطاعت کرنے والی ﴿حٰفِظٰتٌ﴾ حفاظت کرنے والی ﴿لِّلْغَيْبِ﴾ پسِ پشت ﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے ﴿وَالّٰتِيْ﴾ اور وہ عورتیں ﴿تَخَافُوْنَ﴾ کہ تم خوف کرتے ہو ﴿نُشُوْزَهُنَّ﴾ ان کی اکڑ اور بد دماغی کا ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ پس ان کو تم نصیحت کرو ﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ﴾ اور ان کو جدا کر دو ﴿فِي الْمَضَاجِعِ﴾ بستروں میں ﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ اور ان کو مارو ﴿فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ﴾ پس اگر وہ تمھاری اطاعت کریں ﴿فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ﴾ پس نہ تلاش کرو تم ان کے خلاف ﴿سَبِيْلًا﴾ کوئی راستہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلِيًّا﴾ بلند شان والا ﴿كَبِيْرًا﴾ بہت بڑا۔

اس سورت میں حقوق العباد کا بہت سارا حصہ بیان ہوا ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلے یتیموں کے حقوق بیان ہوئے، پھر عورتوں کو وراثت ملنے کے مسائل کا بیان ہوا، پھر نکاح کے اصول بیان فرمائے کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن عورتوں سے نکاح ناجائز ہے، پھر مال کے متعلق بیان ہوا کہ جائز طریقے سے کھاؤ، ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔

شانِ نزول

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول تفسیروں میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا پہلا نام برہ یا بعض روایتوں میں ہندہ آتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر دیا۔ یہ پہلے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے اور ان میں سے تھے جنھوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں، ان کی ایک بیٹی تھی زینب بنت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور ایک بیٹا تھا عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پریشان تھی، کیونکہ عالم اسباب میں مالی طور پر کوئی سہارا نہیں تھا۔ برادری تو تھی مگر کافر مشرک ہونے کی وجہ سے سارے ان سے ناراض تھے کہ تو مسلمان کیوں ہوگئی ہے؟ اور کوئی بھائی بہن ان کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ عدت گزرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا تا کہ ان کی پریشانی ختم ہو۔ کیونکہ جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں آئیں گی تو بچے بھی ساتھ رہیں گے سب کا گزراوقات چلتا رہے گا۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب نکاح کا پیغام سنا تو حیران ہوئیں کہ میں بچوں والی عورت ہوں میرے لیے تو اس سے بڑی فخر والی کوئی بات نہیں ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آؤں، مگر بچوں کا کیا بنے گا؟ چنانچہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ حضرت! آپ کا پیغام مجھے ملا اور میری عدت بھی ختم ہوگئی ہے اور میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات بھی کوئی نہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں آؤں، مگر بچوں کا کیا بنے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے میں اسی لیے تیرے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں کہ بچوں کی اخلاقی تربیت بھی ہو اور عالم الاسباب میں ان کے لیے رزق کا بھی سبب بن جائے گا۔

اور یاد رکھنا! یہ اسباب ہیں، رزق کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ "اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔" اور ایک مقولہ ہے کہ: جس نے دی ہے جان، وہی دیتا ہے نان۔ رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے یہ اقتصادیات والے تو ویسے ہی پریشان ہوتے رہتے ہیں۔ یہ پڑھے لکھے پاگل اور بے وقوفوں کے سردار ہیں کہ آج سے بیس سال بعد جب مخلوق بڑھ جائے گی تو کیا کھائے گی؟ یہ تمھارا سر کھائے گی۔ بھائی! رزاق اللہ تعالیٰ ہے تمھیں کس چیز کی فکر ہے؟ بھئی! آج سے پچاس سال پہلے مخلوق کم تھی اور پیداوار بھی کم تھی، اب مخلوق بڑھ گئی ہے پیداوار بھی بڑھ گئی ہے۔ گزشتہ سال میں نے اخبار میں پڑھا کہ ڈسکہ کے علاقہ میں ایک ایکڑ

زمین سے پچھتر من گندم ہوئی ہے۔

بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پر جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان میں مذکور ہے کہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت کی سمجھ دار عورتوں میں سے تھیں، افقہ النساء کے لفظ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حوصلہ بھی بڑا عطا فرمایا تھا اور بات کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ بھی بڑا عمدہ تھا، جہاں کہیں گفتگو میں بات بگڑ جاتی وہاں ان کو لے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معاملہ سیدھا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان کے پاس عورتیں اکٹھی ہو کر آئیں اور کہنے لگیں کہ سارا اجر و ثواب تو مرد لے گئے ہیں ہمارے پاس کیا بچا ہے؟ دیگچیاں مانجنا، جھاڑ و پھیرنا اور بیٹ (غلاظت) صاف کرنا۔

دیکھو! اذان عورتیں نہیں دے سکتیں جبکہ اذان کے ایک ایک حرف کے بدلے میں دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور بلند آواز سے پڑھنے کی نوے نیکیاں ملتی ہیں اور اسی طرح تکبیر کہنے والے کو ایک ایک حرف کے بدلے میں دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور بلند آواز سے پڑھنے کی سو نیکیاں ملتی ہیں۔ اسی لیے ترمذی شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ)) "جو شخص اذان دے تکبیر وہی کہے۔" یہ اس کا حق ہے۔ ہاں! مؤذن اگر اپنی مرضی سے کسی اور کو اجازت دے دے تو وہ علیحدہ بات ہے۔ جس طرح عورت اذان نہیں دے سکتی اسی طرح امامت بھی نہیں کرا سکتی، مردوں کے لیے جج بھی نہیں بن سکتی، جہاد پر بھی نہیں جا سکتی۔ تو وہ عورتیں کہنے لگیں کہ یہ بہت سارے نیکیوں کے کام ہیں جو مرد ہی سرانجام دیتے ہیں ہمارے لیے کیا بچا ہے؟

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر کے تمھیں بتاؤں گی۔ چنانچہ اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ عورتیں تو مفت میں سارا ثواب لے جاتی ہیں بغیر کچھ کرنے کے۔ کہنے لگیں وہ کس طرح؟ فرمایا: وہ اس طرح کہ مثال کے طور پر جس عورت کا خاوند امام ہے تو جتنی نیکیاں امام کو ملیں گی اتنی ہی اس کی عورت کو ملیں گی، جتنی نیکیاں مجاہد کو ملیں گی اس کی بیوی کو بھی اتنی ہی نیکیاں ملیں گی، اسی طرح جس عورت کا خاوند جج یا قاضی ہے، مؤذن ہے، ان کی بیویوں کو بھی گھر بیٹھے ہی اتنا ثواب ملے گا۔ کیونکہ ان کے کاموں میں ان کی عورتوں کا دخل ہے۔ مثلاً: روٹی پکا کر دینا، کپڑے دھونا، ان کے گھروں کی حفاظت کرنا اور ان کی خدمت کرنا، اس لیے عورتوں کا ان کے ثواب میں برابر کا حصہ ہے۔ مؤذن اگر کھائے، پیے گا نہیں تو آواز کس طرح نکالے گا۔ مجاہد اگر کھائے، پیئے گا نہیں تو جہاد کس طرح کرے گا؟ کپڑے دُھلے ہوئے نہیں ہوں گے تو نماز کس طرح پڑھے گا؟

بخاری شریف میں حدیث ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فَقَدْ غَزَا)) جس آدمی نے مجاہد کو جہاد کا سامان مہیا کیا وہ بھی غازی ہے کہ ایک آدمی خود جہاد پر نہیں جا سکتا مجاہد کو سفر خرچ دیتا ہے، ہتھیار مہیا کرتا ہے، یہ جہاد میں برابر کا شریک ہے ((وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا)) اور جو خود جہاد پر نہیں گیا ہے، رقم بھی نہیں دے سکتا کہ مسکین ہے مگر غازی کے گھر کی نگرانی کی، اس کے بچوں کا خیال رکھا، سودا سلف لا کے دے دیا، ایندھن لا کے دے دیا، فرمایا یہ بھی اسی طرح کا مجاہد ہے جس

طرح کا وہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیکی صرف آدمی کی ذات تک نہیں رہتی بلکہ اس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے۔

تو چونکہ عورتوں نے کہا تھا کہ اگر ہم مرد ہوتیں تو ہمارے لیے بھی اجر وثواب زیادہ ہوتا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور نہ آرزو کرو تم اس چیز کی جس کے ذریعہ فضیلت بخشی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر ﴿لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ﴾ مردوں کے لیے حصہ ہے ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز سے ﴿اكْتَسَبُوْا﴾ جو انھوں نے کمائی ہے ﴿وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ﴾ اور عورتوں کے لیے حصہ ہے ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز سے ﴿اكْتَسَبْنَ﴾ جو انھوں نے کمائی ہے۔ وہ کمائی براہِ راست بھی ہے اور خاوند کی خدمت کرتی ہے اس کی کمائی میں بھی حصہ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ مومن آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اس کو صدقے کا پورا ثواب ملے گا۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ بیوی پر خرچ کرنا، بچوں پر خرچ کرنا فرض ہے اور صاحبِ خانہ کی ذمہ داری ہے اور اس پر لازم ہے لہٰذا جب وہ اس نیت سے خرچ کرے گا کہ اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے تو اس کو صدقے کا ثواب ملے گا۔

حدیث پاک میں ہے: ((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) "پختہ بات ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" تو جب وہ خدا اور رسول ﷺ کو راضی کرنے کی نیت سے ماں باپ پر خرچ کرے گا، بیوی بچوں پر خرچ کرے گا، بہن بھائیوں پر خرچ کرے گا، اس پر اس کو ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ کتے، بلے کو کھلائے گا اس کا بھی ثواب ملے گا، مگر دو شرطوں کے ساتھ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا ایک یہ کہ مومن ہو اور دوسرا یہ کہ اپنے اُوپر بوجھ نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب تم بیمار ہو تو علاج کراؤ۔ اب کوئی شخص اس لیے علاج کراتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے تو وہ شخص تندرست ہو یا نہ ہو علاج پر اس نے جتنا روپیہ خرچ کیا ہے اس کا اس کو ثواب ملے گا۔

تو فرمایا کہ آرزو نہ کرو بلکہ ﴿وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور سوال کرو تم اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی کا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہے ہر چیز کو جاننے والا ﴿وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ﴾ مَوَالِیَ جمع ہے مولیٰ کی اور مولیٰ کے متعدد معانی آتے ہیں۔ مثلاً: آقا، آزاد کردہ غلام، چچا اور بھائی کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔ مولیٰ کے معانی وارث کے بھی ہیں اور یہاں اسی معنیٰ میں ہے اور آیت کا معنی ہوگا اور ہر ایک کے لیے بنائے ہم نے وارث ﴿مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ﴾ اس مال میں جو چھوڑا ہے ماں باپ نے اور قریبی رشتہ داروں نے۔ وہ مال چاہے منقولہ جائیداد سے ہو یا غیر منقولہ جائیداد سے۔ یوں سمجھو کہ سوئی دھاگے تک کی چیزوں کے باقاعدہ مرد بھی وارث ہیں اور عورتیں بھی وارث ہیں۔ اس قاعدے کے مطابق جو ﴿یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ﴾ کے رکوع میں پڑھ چکے ہو۔ ﴿وَ الَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ اور وہ لوگ کہ جن کے ساتھ تمھاری گرہ لگ گئی ہے تمھاری قسموں کی ﴿فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ﴾ پس دو تم ان کو ان کا حصہ۔

عقدِ موالات

مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی دو آدمی

آپس میں بھائی بھائی بنتے تھے اور قسم اُٹھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تیرا بھائی ہوں اگر تیرے ساتھ کوئی لڑے گا تو میں تیرے ساتھ ہوں گا، اگر تیرے اُوپر کوئی تاوان آیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں گا اور اگر میرے اُوپر کوئی تاوان آیا تو تو اس کا ذمہ دار ہوگا۔ یعنی اگر میرے پاس کوئی شے ہوئی تو تو اس میں شریک ہوگا۔ اس کو کہتے ہیں عقدِ موالات۔ یعنی آپس میں دوستی کی گرہ اور اس پر قسم اُٹھانا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں ان کو باقاعدہ وراثت سے چھٹا حصہ ملتا تھا، اب جمہور کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے، نہیں ملے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَب بھی اس کا حکم باقی ہے، وہ اس طرح کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے اور اس نومسلم کے باقی رشتے دار کافر ہیں اور یہ نومسلم جس مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے اس کے ساتھ نفع، نقصان کا عقد کرتا ہے تو اس کو عقدِ موالاتِ اسلام کہتے ہیں۔ اگر یہ نومسلم فوت ہوگیا تو اس کے مال کا وارث وہ مسلمان ہوگا جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے، بشرطیکہ مرنے والے کا کوئی رشتہ دار مسلمان نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس کا کوئی رشتہ دار مسلمان ہوا تو اس کا حق مقدم ہے اور وہی مرنے والے کا وارث بنے گا اور اگر نومسلم نے کسی کے ساتھ عقدِ موالات نہیں کیا اور فوت ہوگیا تو پھر اس کا مال بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا، تاکہ تمام مسلمانوں کو فائدہ ہو۔

مردوں کی عورتوں پر حاکمیت

﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾ ہر چیز پر گواہ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ مرد حاکم ہیں عورتوں پر ﴿بِمَا﴾ بسبب اس کے کہ ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد کو مرد ہونے کی وجہ سے عورت پر فضیلت بخشی ہے۔ مرد، مرد ہے اور عورت، عورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کسریٰ کی لڑکی بولان کو ایران کا اقتدار سپرد کر دیا گیا ہے، بخاری شریف میں حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ اِمْرَأَةً)). [رقم، ۴۱۶۳] "وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جس نے زمامِ حکومت عورت کے سپرد کر دی۔"

اور یاد رکھنا! قوم اسم نکرہ ہے، اس میں سب قومیں شامل ہیں، مسلمان ہوں یا کافر ہوں۔ قرآن پاک نے بھی اسی طرح فرمایا ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔ یعنی اقتدار، حکومت، حکمرانی یہ مردوں کے لیے ہے ﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا﴾ اس سبب سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں ﴿مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ اپنے مالوں سے۔ کیونکہ عورت کا خرچ مرد کے ذمہ ہے تو ظاہر بات ہے کہ کمائے گا، محنت کرے گا، درجہ بھی اس کا زیادہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَالصّٰلِحٰتُ﴾ پس نیک عورتیں ﴿قٰنِتٰتٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والیاں ہیں، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں بردار ہیں اور اپنے خسر اور ساس کی بھی جائز کاموں میں فرماں برداری کرتی ہیں۔ ہاں! اگر ساس، خسر، ماں، باپ، بہنیں، بھائی، کوئی خلافِ شرع کام کہیں تو پھر ان کی بات نہیں ماننی۔ کیوں کہ ضابطہ ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ

مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔"

دوسری صفت: ﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ﴾ أَيْ غَيْبَةِ أَزْوَاجِهِنَّ خاوند گھر میں نہیں ہے، محنت مزدوری کرنے کے لیے کہیں گیا ہوا ہے، یا حج کے لیے گیا ہے، یا جہاد کے لیے گیا ہے، اس کی غیر حاضری میں اپنی جان کی، عزت کی، مال کی، بچوں کی حفاظت کرتی ہے یعنی جو ذمہ داری ہے اس کو پورا کرتی ہیں اور یہ حفاظت ہوگی ﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور ہوگی بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ خالی بندہ کچھ بھی نہیں ہے، نہ مرد کچھ ہے، نہ عورت کچھ ہے۔ باسببیہ ہو تو معنیٰ ہوں گے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرنے کے سبب سے حفاظت کرنے والی ہیں۔

﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ﴾ اور وہ عورتیں کہ تم خوف کرتے ہو ﴿نُشُوْزَهُنَّ﴾ ان کی اکڑ اور بد دماغی سے کہ ضد کرتی ہیں اور جائز کاموں میں اطاعت نہیں کرتی ہیں۔ ان کے لیے پہلا حکم ہے ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ پس ان کو نصیحت کرو کہ دیکھ! تو بیوی ہے، میں خاوند ہوں اور جو کام میں تجھے کہہ رہا ہوں وہ قرآن وسنت کے مطابق ہے، فقہ اسلامی کے مطابق ہے، یہ تجھے کرنا پڑے گا۔ بعض عورتیں نیک فطرت ہوتی ہیں مگر غلط فہمی کا شکار ہوتی ہیں سمجھانے سے سمجھ جاتی ہیں۔ دوسرا حکم: ﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ اور ان کو جدا کر دو بستروں میں۔ ان کو بستروں سے الگ کرو، نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور نہ اُٹھو اور نہ ان کے ساتھ لیٹو، شاید ان کو احساس ہو جائے کہ میرا خاوند مجھ سے ناراض ہے۔ کچھ عورتوں کی اس طرح اصلاح ہو جائے گی۔ اگر یہ دونوں طریقے کامیاب نہ ہوں تو تیسرا حکم ضرب یضرب کا ہے۔ فرمایا ﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ اور ان کو مارو۔ مگر اتنا نہیں کہ ان کی ٹانگ توڑ دو، بازو توڑ دو، سر پھاڑ دو اور اُٹھا کر ہسپتال لے جانا پڑے۔ بس اتنا مارنا ہے کہ جس سے ان کو تنبیہ ہو جائے۔ کیوں کہ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مار کے بغیر ان کی اصلاح نہیں ہوتی۔ ﴿فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ﴾ پس اگر وہ تمھاری اطاعت کریں ﴿فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾ پس نہ تلاش کرو تم ان کے خلاف کوئی راستہ۔ یعنی جب وہ درست ہو جائیں اور اطاعت شروع کر دیں تو تمھارے دل میں ناراضی کی جو گرہ ہے اس کو کھول دو۔ اس طرح نہ کہو کہ اب تو ٹھیک ہو گئی ہے مگر اس نے پہلے میری بات کیوں نہیں مانی، اگر اس طرح کی گرہیں دل میں رکھو گے تو گھر اُجڑ جائے گا۔ جب وہ صحیح ہو گئی ہے تو تم بھی بات کو ختم کرو۔ گھر جب ہی آباد ہوتے ہیں کہ معاملہ کو طول نہ دیا جائے، کوئی بھی فریق جب معاملے کو طول دے گا تو وہ گھر برباد ہو جائے گا۔

میراثیوں کے گھر روز لڑائی ہوتی تھی، ان کے گھر مہمان آیا، اس نے پوچھا کہ تم اس طرح کیوں کرتے ہو؟ ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لیے گھروں میں ٹوکا ٹوکی ہوتی رہتی ہے تو ایک دوسرے کی دل آزاری ہوتی رہتی ہے اور گھر دوزخ بن جاتے ہیں، لہٰذا گھروں کو جنت بناؤ، دوزخ نہ بناؤ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾ بے شک ہے اللہ بلند شان والا، بہت بڑا۔ تم بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو، آخر انسان ہو، غلطی ہو جاتی ہے، اگر پروردگار تم پر سختی کرے تو تمھارا حشر ہو جائے۔ اس لیے جب عورتیں اپنی اصلاح کر لیں تو معاملہ رفع دفع کرو اور احسن طریقے سے زندگی بسر کرو۔

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ﴾ اور اگر تمھیں خوف ہو ﴿شِقَاقَ﴾ اختلاف کا ﴿بَیْنِهِمَا﴾ میاں بیوی کے درمیان ﴿فَابْعَثُوْا﴾ پس بھیجو تم یعنی مقرر کرو تم ﴿حَكَمًا﴾ ایک منصف اور ثالث ﴿مِّنْ اَهْلِهٖ﴾ خاوند کی برادری سے ﴿وَحَكَمًا﴾ اور ایک منصف اور ایک ثالث ﴿مِّنْ اَهْلِهَا﴾ بیوی کی برادری سے ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ﴾ اگر وہ دونوں ارادہ کریں ﴿اِصْلَاحًا﴾ اصلاح کرنے کا ﴿یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا﴾ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کردے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ عَلِیْمًا﴾ ہے جاننے والا ﴿خَبِیْرًا﴾ خبردار ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اور عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی ﴿وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا﴾ اور نہ شریک ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو ﴿وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو ﴿وَّبِذِی الْقُرْبٰی﴾ اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ﴿وَالْیَتٰمٰی﴾ اور یتیموں کے ساتھ ﴿وَالْمَسٰكِیْنِ﴾ اور مسکینوں کے ساتھ ﴿وَالْجَارِ﴾ اور اس پڑوسی کے ساتھ ﴿ذِی الْقُرْبٰی﴾ جو قریبی ہے ﴿وَالْجَارِ﴾ اور اس پڑوسی کے ساتھ ﴿الْجُنُبِ﴾ جو اجنبی ہے ﴿وَالصَّاحِبِ﴾ اور اس ساتھی کے ساتھ ﴿بِالْجَنْۢبِ﴾ جو پہلو میں ہے ﴿وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ اور مسافروں کے ساتھ ﴿وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ اور ان کے ساتھ جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا یُحِبُّ﴾ نہیں پسند کرتا ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿كَانَ مُخْتَالًا﴾ جو تکبر کرنے والا ہو ﴿فَخُوْرَا﴾ اپنی بڑائی بیان کرنے والا ہو ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ﴿یَبْخَلُوْنَ﴾ جو بخل کرتے ہیں ﴿وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ﴾ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو ﴿بِالْبُخْلِ﴾ بخل کا ﴿وَیَكْتُمُوْنَ﴾ اور چھپاتے ہیں ﴿مَآ﴾ وہ چیز ﴿اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اپنے فضل سے ﴿وَاَعْتَدْنَا﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے ﴿لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ کافروں کے لیے ﴿عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ عذاب رسوا اور ذلیل کرنے والا ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿یُنْفِقُوْنَ﴾ جو خرچ کرتے ہیں ﴿اَمْوَالَهُمْ﴾ اپنے مالوں کو ﴿رِئَآءَ النَّاسِ﴾ لوگوں کو دکھانے کے لیے ﴿وَلَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور صحیح معنیٰ میں ایمان نہیں لاتے ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور نہ ایمان لاتے ہیں آخرت کے دن پر ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا﴾ کہ ہو شیطان اس کا ساتھی ﴿فَسَآءَ قَرِیْنًا﴾ پس بہت برا ساتھی ہے۔

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اس بات کا ذکر تھا کہ اگر کوئی عورت بددماغ ہے اور خاوند کے سامنے اکڑ جائے اور اس کی صحیح بات بھی ماننے کے لیے تیار نہ ہو تو اس کے لیے ترتیب وار تین حکم بیان فرمائے کہ اس کو وعظ و نصیحت کرو، سمجھاؤ اور بستر سے الگ کردو، اس کے نزدیک نہ جاؤ اور کچھ دن دیکھو شاید اس طرح اس کو احساس پیدا ہو جائے۔ اگر اس طرح اس کا دماغ درست

نہ ہو، پھر تادیباً اس کو مارو۔ آگے فرمایا کہ اگر ان تینوں سزاؤں سے بھی اس کی اصلاح نہ ہو ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ﴾ اور اگر اے وارثو! اور رشتہ دارو! تمھیں خوف ہو ﴿شِقَاقَ بَیْنِهِمَا﴾ میاں بیوی کے درمیان اختلافات کا کہ ان کا اختلاف اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اصلاح کی کوئی صورت نہیں ہے تو ﴿فَابْعَثُوْا﴾ پس بھیجو تم یعنی مقرر کرو ﴿حَكَمًا﴾ ایک منصف اور ثالث ﴿مِّنْ اَهْلِهٖ﴾ خاوند کی برادری سے ﴿وَحَكَمًا﴾ اور ایک منصف اور ثالث ﴿مِّنْ اَهْلِهَا﴾ بیوی کی برادری سے۔

اعترافِ غلطی بہت بڑی خوبی ہے

مطلب یہ ہے کہ جب میاں بیوی کے درمیان معاملہ انتہائی کشیدہ ہو جائے اور صلح کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو ایک آدمی خاوند کی برادری سے مقرر کیا جائے، کیونکہ خاوند کی طبیعت اور مزاج کو وہ جانتا ہوگا اور ایک آدمی بیوی کی برادری سے، کیونکہ وہ اس کے مزاج اور طبیعت سے واقف ہوگا۔ یہ دونوں ثالث سر جوڑ کر بیٹھ جائیں، دونوں کی باتیں سنیں، غور و فکر کریں اور نزاع کو تلاش کریں کہ ان کے درمیان اختلاف اور نزاع کیوں پیدا ہوا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا﴾ اگر وہ دونوں ثالث ارادہ کریں گے اصلاح کا تو ﴿یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا﴾ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ جس کی غلطی ہو اس کو کہیں کہ یہ تیری زیادتی ہے اور وہ اپنی غلطی تسلیم کرے۔ کیونکہ غلطی کو تسلیم کرنا ہی انسان کی سب سے بڑی شرافت ہے اور اپنی غلطی کو نہ ماننا یہ ابلیس کا طریقہ ہے۔

دیکھو! قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا کو بہشت میں ٹھہرانے کے بعد حکم دیا کہ ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ "کہ اس درخت کے قریب نہ جانا۔" وہ گندم کا درخت تھا، دنیا میں تو گندم کے پودے ہوتے ہیں، بہشت میں درخت ہوں گے۔ تو فرمایا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا، اگر گئے تو ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ پس تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔" لیکن ان سے غلطی ہوگئی، وہ بھی صرف اتنی کہ اس کو چکھا کھایا نہیں، صرف چکھنے سے رب تعالیٰ ناراض ہو گئے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ﴾ [الاعراف: ۲۲] "پس جب اُنھوں نے درخت کو چکھا۔" صرف چکھنے سے رب تعالیٰ ناراض ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمھیں منع کیا تھا پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس موقع پر حضرت آدم علیہ السلام اگر ظاہری بہانے بنانا چاہتے تو بنا سکتے تھے۔ مثلاً: کہہ سکتے تھے کہ اے پروردگار! اس شیطان سے پوچھو جس نے جھوٹی قسمیں اٹھا کر ہمیں پھسلایا ہے، اس نے ہمارے ساتھ کیوں دھوکا کیا ہے؟ مگر آدم علیہ السلام سمجھ دار تھے، سمجھ گئے کہ جتنے بھی چکر کاٹیں آخر غلطی تو ہوئی ہے، غیر مشروط طور پر کہا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ "اے رب ہمارے! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ﴿وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا﴾ اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ ہم ضرور ہو جائیں گے خسارہ پانے والوں میں سے۔" معافی مانگی، غلطی کا اقرار کیا۔

اور دوسری طرف دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا کہ اے ابلیس! میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کر تو نے

سجدہ کیوں نہ کیا؟ تو شیطان کہنے لگا ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ "میں آدم سے بہتر ہوں ﴿خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ مجھے تو نے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور آدم کو تو نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے، میں اس کو کیوں سجدہ کرتا، اکڑ گیا۔" تو غلطی پر اکڑنا شیطان کا کام ہے اور غلطی کو تسلیم کرنا آدم کا کام ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے غیر مشروط طور پر کہا اے پروردگار! غلطی ہوئی ہے، معاف فرمادے، اللہ تعالیٰ نے بھی رجوع فرمایا اور معاف کر دیا، بس سارے فساد کی جڑ ہے اَنا، کہ میں بھی کچھ ہوں۔ جس فریق سے غلطی ہوئی ہے وہ مان لے کہ ہاں! واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو معاملہ کبھی طول نہیں پکڑے گا اور اگر غلطی کو جائز ثابت کرنے کے لیے دلیلیں شروع ہو جائیں تو پھر اس معاملہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھادی ہے کہ اگر ثالثان کی نیت درست ہو تو اللہ تعالیٰ موافقت پیدا فرمادے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار۔ لہٰذا اس نے جو احکام اپنے بندوں کے لیے جاری فرمائے ہیں، حق ہیں اور صحیح ہیں۔

تو میاں بیوی کا حق بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ تمھارے ذمے اور بھی حق ہیں، ان کا خیال رکھو اور ان میں سب سے بڑا حق ہے اللہ تعالیٰ کا۔ اس لیے فرمایا ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اور عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی، عبادت چاہے بدنی ہو یا زبانی ہو یا مالی ہو، صرف اللہ کا حق ہے اور ہر نماز میں ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔ التحیات کے معانی ہیں زبانی عبادتیں الصلوات کے معانی ہیں بدنی عبادتیں اور الطیبات کے معنی ہیں مالی عبادتیں۔ یہ سب عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ تو پہلا حکم ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرو۔

دوسرا حکم ہے ﴿وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ اور نہ شریک ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ نہ فرشتے اللہ کے شریک ہیں، نہ قطب، نہ ابدال، نہ ولی، نہ شہید، نہ حجر، نہ شجر، نہ سورج، نہ چاند۔ کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔

اور تیسرا حکم کیا ہے۔ فرمایا ﴿وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یہاں تک کہ ماں باپ کے سامنے سخت لہجے میں بھی بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ اور نہ کہو ان کو "ہوں" یعنی کہ کوئی بات اچھی نہ لگے تو آدمی "ہوں" کہتا ہے، فرمایا ماں باپ کے سامنے "ہوں" کہنے کی بھی اجازت نہیں ہے اور بعض علاقوں میں "ہوں" اور "ہاں"، تسلیم کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں مگر یہ لہجہ اچھا نہیں ہے اس لیے اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ جی ہاں! کہہ کر جواب دو، نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ علیہ رئیس التابعین ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے سامنے اس انداز سے بولو کہ جس انداز سے سخت مزاج آقا کے سامنے غلام بولتا ہے۔ ﴿وَّبِذِى الْقُرْبٰى﴾ اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ماں باپ کے بعد بہن، بھائی، چچا اور دیگر اقارب ہیں، ان کا بھی حق ہے، ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ بول چال، لین دین میں ان کا پورا خیال ملحوظ رکھو۔ ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ اور یتیموں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ عام اس سے کہ وہ یتیم اپنی برادری سے ہوں،

محلے سے ہوں، اپنے شہر سے ہوں یا کسی اور علاقے کے ہوں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

مسکین اسے کہتے ہیں جو صاحب نصاب نہیں ہے۔ یعنی اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، قربانی واجب نہیں ہے، فطرانہ اس پر نہیں ہے، کمزور آدمی ہے۔ تو اس کمزور آدمی کا بھی خیال رکھو۔ عموماً لوگوں کا یہ دستور ہے کہ مال دار آدمی سے علیک سلیک رکھتے ہیں، بیمار ہو تو تیمارداری کے لیے بھی جاتے ہیں، غریب کے پاس کوئی نہیں جاتا، کمزور کو کوئی نہیں پوچھتا۔ ہاں! اس غریب کو اگر اللہ تعالیٰ اقتدار دیں تو پھر سارے اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، رشتے داریاں نکالتے ہیں اور اس کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں کہ میرے فلاں کے رشتے دار ہیں اور فلاں کے رشتے دار ہیں اور جب اقتدار ختم ہو جائے تو پھر کوئی نہیں پوچھتا۔

﴿وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ اور اس پڑوسی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو جو قریبی ہے۔ اس کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ پڑوسی ہے اور برادری کا ہے تو اس کا دوہرا حق ہے۔ ایک وہ پڑوسی ہونے کی حیثیت سے، ایک رشتے دار ہونے کی وجہ سے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ پڑوسی جو بالکل قریب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا پڑوسی کا حق کتنے گھروں تک ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آس پاس کے چالیس گھر پڑوسی ہیں۔ کہنے لگی حضرت! اتنے پڑوسیوں کی کوئی خدمت کر سکتا ہے؟ مثال کے طور پر کوئی تحفہ یا سالن وغیرہ دینا چاہے تو اتنے گھروں تک کون پورا آ سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَأَقْرَبُهُمْ إِلَيْكَ بَابًا پھر ان میں سے جس کا دروازہ تیرے زیادہ قریب ہے، اس کا حق ہے۔ ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ اور اس پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو جو اجنبی ہے یعنی اس کی برادری اور رشتے داروں میں سے نہیں ہے، اس کا بھی حق ہے اور اس کا یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ پڑوسی جو ذرا ہٹا ہوا ہے جس کا گھر دروازے سے دور ہے، اس کا بھی حق ہے۔ ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ اور اس ساتھی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو جو پہلو میں ہے۔ یعنی تمھارے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ مثلاً:

تم بیٹھے ہو اور جگہ تمھارے پاس وافر ہے اور دوسرا آدمی تمھارے ساتھ تنگ بیٹھا ہے تو اس کو جگہ دو تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھے یا کوئی اور تمھارے ساتھ بیٹھنا چاہے تو اس کو نہ روکو۔ اس طرح کہ چوڑے ہو کر دو تین سیٹوں پر قبضہ جمالو اس کا تمھیں حق نہیں اس ساتھی کو حق دو۔ اسی طرح اگر ساتھ والا جاتے ہوئے کوئی چیز بھول کر چھوڑ گیا ہے تو اس کی حفاظت تمھارے ذمہ ہے اور اس سے اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو معاف کر دو۔ یہ پہلو کا ساتھی بسوں میں بھی ہوتا ہے، ریل گاڑیوں میں بھی ہوتا ہے، جہازوں میں بھی ہوتا ہے، تو پہلو کے ساتھی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا ہے۔

اسی طرح اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جہاں لوگ بیٹھے ہیں ان کے درمیان بیٹھنے کی جگہ بھی ہے یا نہیں۔ بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ جگہ تو ہے نہیں ویسے ہی درمیان میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور بیٹھنے والوں کو تنگ کرتے ہیں، یہ بھی گناہ کی بات ہے۔ اگر لوگ اسلام کے اصولوں پر عمل کریں تو دنیا میں کبھی فتنہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ فتنہ فساد اس وقت ہوتا ہے

جب لوگ اَنا، ضد اور ذاتی مفادات پر اتر آتے ہیں۔

﴿وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ اور مسافروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کی چوری ہو جاتی ہے یا پیسے گر جاتے ہیں اور اس کو کرایہ کی ضرورت ہے، روٹی کھانی ہے، رات گزارنی ہے، پیشہ ور مانگنے والا نہیں ہے، اتفاقاً ایسا ہو گیا ہے اور ایسے مسافروں کا بھی باقاعدہ حق ہے ﴿وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ یعنی غلاموں اور لونڈیوں کا بھی حق ہے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ کہ اُن سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو اور بول چال بھی اس کے ساتھ سختی سے نہ کرو۔ یہ سب حقوق ہیں، درجہ بہ درجہ جو شریعت نے بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ﴾ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا ﴿مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾ جو تکبر کرنے والا ہو۔ اپنی بڑائی بیان کرنے والا ہو۔ مختال اکڑ کر چلنے والے کو کہتے ہیں اور فخور اپنی بڑائی بیان کرنے والے کو کہتے ہیں کہ میں فلاں خاندان کا ہوں۔ یہ بھی بڑے گناہ کی بات ہے۔ یہ جو کمی اور غیر کمی کا فرق ہے اسلام اس کو مٹانے کے لیے آیا ہے مگر ہم نے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا ہوا ہے کہ یہ چودھری ہے اور یہ کمی ہے۔ کیونکہ آج بھی اگر کوئی بڑا آدمی چارپائی پر بیٹھا ہو تو اس کے ساتھ کسی نیچ قوم کے آدمی کو بیٹھنے کی ہمت نہیں ہے اور اگر کوئی بیٹھ جائے تو اس کو وہ بُرا سمجھتے ہیں۔

یہ افراط و تفریط اسلام میں نہیں ہے۔ اسلام میں گورا کالا، امیر غریب، بادشاہ گدا گر سب انسان ہیں۔ یہ فرق یہود و ہنود اور نصاریٰ وغیرہ قوموں نے تراشا ہوا ہے، جن کے ہاں گورے اور کالے لوگوں کے عبادت خانے ماضی قریب تک الگ الگ رہے ہیں اور گورے کالے لوگوں کے ہسپتال بھی الگ الگ رہے ہیں۔ گورے کالوں کو اپنے ساتھ بیٹھنے بھی نہیں دیتے تھے وہ الگ بیٹھتے تھے۔ جب ہمارے تبلیغی حضرات ان ملکوں میں تبلیغ کے لیے جاتے ہیں اور گورے کالے سب مل کر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور اکٹھے نمازیں پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں تو وہ لوگ حیران ہوتے ہیں۔

بخل کی ممانعت

تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور نہ لڑائی اور خود ثنائی کو پسند کرتا ہے۔ ﴿الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ﴾ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں۔ بخل کا معنیٰ ہے کہ جہاں روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہاں خرچ نہ کیا جائے یا جتنا خرچ کرنے کی ضرورت ہو اس سے کم خرچ کیا جائے ﴿وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا یعنی خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم کرتے ہیں، ترغیب دیتے ہیں کہ غریبوں اور مسکینوں پر خرچ نہ کرو ﴿وَیَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور چھپاتے ہیں وہ چیز جو ان کو دی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی پر فضل کیا ہے، نعمت دی ہے تو اس کو چھپانا نہیں چاہیے بلکہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا فضل اور احسان ہے اس نے مجھے مال دیا ہے، دولت دی ہے، جائیداد دی ہے

اور یہ چیز اس کی وضع قطع اور لباس سے ظاہر ہو۔
شریعت ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتی کہ جس کی مالی پوزیشن مضبوط اور اچھی ہو مگر وہ اپنی حیثیت کے مطابق لباس نہ پہنے بلکہ کم درجے کے کپڑے استعمال کرے۔ البتہ کام کے وقت مسئلہ اس سے جدا ہے کہ ایک آدمی خراد مشین پر کھڑا ہے یا مزدور گارا اُٹھا رہا ہے، کسان کھیتوں میں کام کر رہا ہے تو اس موقع پر کام والا لباس پہنیں گے، وہ ٹھیک ہے۔ مگر کام کے علاوہ اپنی حیثیت کے مطابق لباس نہیں پہنتا تو رب تعالیٰ کی نعمت کی بے قدری ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ "کہ اپنے رب کی نعمت کو بیان کر۔" ﴿وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے ﴿عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ عذاب رسوا کرنے والا اور ذلیل کرنے والا کہ وہ عذاب ان کو ذلیل اور رسوا کر کے رکھ دے گا کہ یہ ہیں تکبر کرنے والے ﴿وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ﴾ اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو ﴿رِئَآءَ النَّاسِ﴾ لوگوں کو دکھانے کے لیے۔

ریاکاری کی مذمت

آج شادیوں اور منگنیوں اور دیگر رسموں یعنی تیجے، ساتے اور چالیسویں پر لوگ جو خرچ کرتے ہیں، یہ سب ریاکاریاں ہیں۔ بے شک صدقہ خیرات اچھی بات ہے کہ اگر کوئی فوت ہو جائے تو اس کے ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ خیرات کرنا اچھی بات ہے مگر اس کے لیے دو چیزیں اصولی طور پر یاد رکھیں۔ ایک یہ کہ صدقہ خیرات کے لیے شریعت نے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا، نہ کوئی دن مقرر فرمایا ہے، نہ تیجہ، نہ ساتواں، نہ دسواں، نہ چالیسواں، نہ جمعہ، نہ جمعرات، یہ دنوں کا تعین کرنا بدعت ہے اور جب یہ بدعت ہے تو ایک تنکے کا بھی ثواب نہیں ملے گا، فقط رقم ضائع ہوگی۔
دوسری بات یہ ہے کہ صدقہ خیرات اس انداز سے کرو کہ دائیں ہاتھ سے دو تو بائیں کو معلوم نہ ہو مگر اس پر ہمارے دل مطمئن نہیں ہوتے جب تک ہم ڈھنڈورا نہ پیٹ لیں اور گلی میں ہمارے دروازے کے سامنے دیگیں نہ کھڑکیں۔ اسی طرح جب تک تیسرے دن سامنے پھل فروٹ نہ ہوں تو ہمارے دل مطمئن نہیں ہوتے۔ یاد رکھنا! یہ سب رسمیں ہیں ان سے ثواب کی بجائے عذاب ہوگا۔ بلکہ اصل طریقہ یہ ہے جو فوت ہو جائے اس کے لیے بلا تعین ایام دعائیں کرو، صدقہ خیرات کرو، مگر خفیہ طریقے سے تاکہ اس کو ثواب پہنچے، اس پر شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ ﴿وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اور صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے ﴿وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور نہ ایمان لاتے ہیں آخرت کے دن پر۔ زبانی، زبانی تو کہتے ہیں کہ ہم آخرت کو مانتے ہیں لیکن حقیقتاً نہیں مانتے۔ کیونکہ صحیح معنوں میں آخرت کو مانتے تو بخل نہ کرتے ﴿وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا﴾ اور وہ شخص کہ ہو شیطان اس کا ساتھی ﴿فَسَآءَ قَرِيْنًا﴾ پس وہ بہت بُرا ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کا ساتھی بننے سے بچائے اور اس کا کوئی ساتھی نہ ہو۔ [آمین]

﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ﴾ اور کیا نقصان تھا ان کا ﴿لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ﴾ اگر وہ ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿وَ اَنْفَقُوْا﴾ اور خرچ کرتے ﴿مِمَّا﴾ اس چیز سے ﴿رَزَقَهُمُ اللّٰهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِهِمْ﴾ ان کو ﴿عَلِيْمًا﴾ جاننے والا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَظْلِمُ﴾ ظلم نہیں کرتا ﴿مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ ایک ذرے کے برابر بھی ﴿وَ اِنْ تَكُ﴾ اور اگر ہو وہ ذرہ ﴿حَسَنَةً﴾ نیکی ﴿يُّضٰعِفْهَا﴾ اس کو بڑھائے گا ﴿وَيُؤْتِ﴾ اور دے گا ﴿مِنْ لَّدُنْهُ﴾ اپنی طرف سے ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿فَكَيْفَ﴾ پس کیا حال ہوگا ﴿اِذَا جِئْنَا﴾ جس وقت ہم لائیں گے ﴿مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ﴾ ہر اُمت سے ﴿بِشَهِيْدٍ﴾ گواہ ﴿وَّجِئْنَا﴾ اور ہم لائیں گے ﴿بِكَ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ ان پر گواہ ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿يَوَدُّ الَّذِيْنَ﴾ پسند کریں گے وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿وَعَصَوُا﴾ اور اُنھوں نے نافرمانی کی ﴿الرَّسُوْلَ﴾ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، وہ اس کو پسند کریں گے ﴿لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ﴾ برابر کردی جائے ان کے ساتھ زمین ﴿وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا﴾ اور نہیں چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ﴾ اے لوگو! ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَقْرَبُوا﴾ نہ قریب جاؤ ﴿الصَّلٰوةَ﴾ نماز کے ﴿وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ اس حالت میں کہ تم نشے میں ہو ﴿حَتّٰى﴾ یہاں تک کہ ﴿تَعْلَمُوْا﴾ تم جان لو ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿تَقُوْلُوْنَ﴾ جو تم پڑھتے اور کہتے ہو ﴿وَلَا جُنُبًا﴾ اور نہ جنابت کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) ﴿اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ مگر راستے سے گزرنے والے ہو ﴿حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ یہاں تک کہ تم غسل کرلو ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى﴾ اور اگر ہو تم بیمار ﴿اَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ یا سفر پر ﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ﴾ یا آئے تم میں سے کوئی ایک ﴿مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ قضائے حاجت سے فارغ ہوکر ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ یا ہم بستری کی ہو تم نے عورتوں سے ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ پس نہ پاؤ تم پانی ﴿فَتَيَمَّمُوْا﴾ پس تم تیمم کرو ﴿صَعِيْدًا﴾ پاک مٹی سے ﴿طَيِّبًا﴾ جو صاف ہو ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ﴾ پس مسح کرو تم اپنے چہروں کا ﴿وَ اَيْدِيْكُمْ﴾ اور اپنے ہاتھوں کا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَفُوًّا﴾ معاف کرنے والا ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو ایمان نہیں لاتے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ﴾ اور کیا نقصان تھا ان کا، کیا ان پر پہاڑ گر جائے گا یا کوئی مصیبت ان پر آن پڑے گی ﴿لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ﴾ اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر۔ ایمان بڑی آسان چیز ہے کہ زبان سے اقرار کرنا ہے اور دل سے تصدیق کرنی ہے مگر جن لوگوں کی قسمت میں ہو۔ کیونکہ جن احکام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ ایسے نہیں

ہیں کہ انسان ان پر عمل نہ کر سکے بلکہ انسان کی طاقت کے مطابق ہے اور اگر کسی حکم پر عمل کرنے کی طاقت نہ رہے تو شریعت ان پر جبراً عمل کرنے کا حکم نہیں دیتی۔

مثلاً: اگر آدمی کے پاس روپیہ اور مال نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، حج نہیں ہے، قربانی اور فطرانہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی کھڑے ہو کر نماز نہیں ادا کر سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو اشارہ سے پڑھ لے اور اسی صفحہ پر آگے آرہا ہے کہ اگر وضو نہیں کر سکتا تو تیمم کر لے۔ دیکھو! آخر ہم بھی مسلمان ہیں، ایمان والے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنیٰ میں مسلمان بنائے، ہم پر کون سا پہاڑ آ گرا ہے۔ تو جو لوگ ایمان سے گریز کرتے ہیں اگر وہ ایمان لے آئیں تو ان پر کون سی مصیبت آ پڑے گی؟ ﴿وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور وہ خرچ کرتے ہیں اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سارا مال دینے کا حکم نہیں دیتے بلکہ اس نے زکوٰۃ میں چالیسویں حصے کا حکم دیا ہے اور عشر میں دسویں یا بیسویں حصے کا حکم دیا ہے، سال بھر میں ایک مرتبہ قربانی کا حکم دیا ہے اور سال میں ایک دفعہ فطرانہ دینا ہے اور عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرنا ہے۔ باقی سارے مہینے اور سال تمہارے ہیں، کماؤ، پکاؤ اور کھاؤ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ان کو جاننے والا۔ ان کی نیتوں کو جانتا ہے، ارادوں کو جانتا ہے، ظاہر اور باطن کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی۔ ذَرَّہ اس چیونٹی کو بھی کہتے ہیں جو زرد رنگ کی چھوٹی سی ہوتی ہے اور ان کو بھی ذَرَّہ کہتے ہیں جو فضا میں اُڑتے ہیں۔ عربی لوگ جب کسی شے کی قلت کو بیان کرتے ہیں تو ذَرَّہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے لیے فرمایا ہے کہ وہ کسی پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا اور وہ اس کے ذمہ لگا دیا جائے، ایسا نہیں ہوگا یا کسی نے قاعدے کے مطابق نیکی کی ہو اور اس میں کمی کر دی جائے ایسا بھی نہیں ہوگا۔ ﴿وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً﴾ اور اگر ہو وہ ذرّہ نیکی ﴿يُّضٰعِفْهَا﴾ اس کو بڑھائے گا ﴿وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور دے گا اپنی طرف سے اجر بہت بڑا۔ اگر ایمان کی حالت میں اخلاص کے ساتھ اتباعِ سنت میں نیکی کی جائے تو اس کا ادنیٰ ترین بدلہ ہے دس نیکیاں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ "جو کوئی نیکی لے آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی۔"

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو السلام علیکم کہتا ہے تو کہنے والے کو دس نیکیاں بھی ملیں گی اور ایک صغیرہ گناہ بھی خود بخود مٹ جائے گا اور ایک درجہ بھی بلند ہو جائے گا۔ اسی طرح وعلیکم السلام بھی مکمل جملہ ہے، وعلیکم السلام کہنے والے کو بھی دس نیکیاں ملیں گی اور اگر وعلیکم السّلام ورحمۃُ اللہ کہے گا تو بیس نیکیاں ملیں گی اور اگر ساتھ وبرکاتہ بھی کہا تو تیس نیکیاں مل گئیں اور اگر اس کے ساتھ مغفرتہ بھی کہہ دیا تو چالیس نیکیاں مل گئیں، ایک منٹ بھی نہیں لگا اور نیکیوں کا انبار لگ گیا۔

اسی طرح ایک دفعہ سبحان اللہ! کہنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں، ایک قدم مسجد کی طرف جانے کے لیے اُٹھائے گا دس نیکیاں ہیں اور اگر اس نیت کے ساتھ قدم رکھا کہ میں نے وہاں جا کر قرآن وحدیث کا درس بھی سننا ہے تو پھر یہ قدم فی سبیل اللہ

مد میں ہوگا، لہٰذا ایک قدم کے بدلے کم از کم سات سو نیکیاں ملیں گی، اللہ تعالیٰ کے خزانے بڑے وسیع ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے حق میں گواہی

تو فرمایا کہ وہ نیکی کو بڑھائے گا۔ آگے فرمایا ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ﴾ پس کیا حال ہوگا جس وقت لائیں گے ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ ﴿وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ اور ہم لائیں گے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان پر گواہ۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر اور تشریح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت آتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن تمام مخلوقات کو اکٹھا کرے گا اور سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی جمع کرے گا تو کافروں اور نافرمانوں پر اتمامِ حجت کے لیے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے سوال فرمائے گا۔ مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام سے سوال فرمائے گا کیا تو نے اپنی اُمت کو تبلیغ کی تھی؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے: اے اللہ! میں نے واقعی تبلیغ کی تھی۔ پھر نوح علیہ السلام کی اُمت سے سوال ہوگا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تمھیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کردے گی کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سوال کرے گا اے نوح! تمھارا کوئی گواہ بھی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے میرے گواہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت ہے۔ اگر وہ لوگ یہ سوال کریں گے کہ یہ گواہ تو ہمارے زمانہ میں موجود نہ تھے لہٰذا یہ گواہ کیسے ہوئے؟ تو اُمت محمدیہ، یہ جواب دے گی کہ ہم نے قرآن پڑھا ہے جس میں صاف طور پر لکھا ہوا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور اسی طرح دوسرے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے تبلیغ کی تھی اور ہمیں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا، جب خدا تعالیٰ اور اس کا رسول برحق یہ فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی تو ہم برحق اور سچی گواہی دیتے ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت گواہی دے چکے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت کی شہادت اور گواہی کی تصدیق کریں گے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سرکاری گواہ کی ہوگی۔ اسی طرح تمام پیغمبروں کی اُمتیں انکار کریں گی اور کہیں گی کہ ہمارے پیغمبروں نے ہمیں تبلیغ نہیں کی اور وہ پیغمبر دعویٰ کریں گے کہ ہم نے تبلیغ کی ہے اور یہ اُمتِ مسلمہ ان کی گواہی دے گی کہ پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت کی تصدیق فرمائیں گے کہ میری اُمت نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اور اس پر فیصلے ہوں گے۔ یہ مطلب ہے اس آیت کریمہ کا کہ ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ پس کیا حال ہوگا جس وقت ہم لائیں گے ہر اُمت سے گواہ اور ہم لائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر گواہ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت کی تصدیق کریں گے کہ میری اُمت نے جو گواہی دی ہے وہ حق گواہی دی ہے۔

﴿يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اس دن پسند کریں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ﴾ اور اُنھوں نے نافرمانی کی ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ وہ کس چیز کو پسند کریں گے؟ فرمایا ﴿لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ﴾ کاش کہ برابر کردی جائے ان کے ساتھ زمین کہ ان کو دفن کر کے زمین کو ہموار کردیا جائے یا یہ کہ ان کو مٹی کر کے زمین کے برابر کردیا جائے ﴿وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ

حَدِیْثًا﴾ اور نہیں چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات۔

ساتویں پارے میں ہے کہ مشرک لوگ پہلے انکار کریں گے اور کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ "اللہ کی قسم! جو ہمارا پروردگار ہے کہ ہم شریک نہیں بناتے تھے۔" یعنی ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے۔ مشرک اتنے ڈھیٹ اور بے حیا ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی زبانوں پر مہر لگ جائے گی جیسا کہ سورۂ یٰسین میں ہے ﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، پھر یہ بول نہیں سکیں گے، کان بولیں گے، ناک بولے گا، ہاتھ بولیں گے، ایک ایک عضو بولے گا اور سب کچھ بتا دیں گے کہ یہ کیا کرتے رہے ہیں۔

پہلے ذکر تھا ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا﴾ اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہراؤ اور یاد رکھنا! شرک اتنی بری چیز ہے کہ غیر اختیاری طور پر بھی صادر ہو جائے تو معاف نہیں ہوگا۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں اُنھوں نے دوستوں کو ولیمہ کی دعوت دی اور ولیمہ سنتِ مؤکدہ ہے، مگر اس میں بھنگڑا اور ناچ گانا نہیں ہے جو ہم لوگوں نے سمجھا ہوا ہے اور نہ ہی اس میں تکلفات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو دستر خوان کے اُوپر کھجوریں ڈال دیں اور فرمایا کہ کھاؤ بھائی! ولیمہ ہے۔ ایک دوسرے موقع پر ستو رکھ دیے اور فرمایا کھاؤ، ولیمہ ہے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے موقع پر گنجائش تھی لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت روٹی کھلا دی۔ مطلب یہ ہے کہ ولیمہ ہمت اور حیثیت کے مطابق ہے، تکلفات کی کوئی حیثیت نہیں ہے جو آج کل لوگوں نے اختیار کیے ہوئے ہیں کہ ولیموں اور جہیزوں کی وجہ سے عورتیں بوڑھی ہو گئی ہیں۔ یہ ملعون طریقے اور رسمیں ہیں، ان کے خلاف جہاد کرو، یہ تمھارا فرض ہے اور کوشش کرو کہ کوئی بچی بیس سال سے اُوپر نہ جائے بلکہ بیس سال کی عمر تک شادی ہو جائے۔ کیونکہ اس کے بعد طبی لحاظ سے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ آج کل کی طب کا تو مجھے علم نہیں ہے مگر میں نے پرانی طب پڑھی ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ عورت کی عمر جب زیادہ ہو جائے اور شادی نہ کی جائے تو اس کے رحم میں ٹیوبیں ہوتی ہیں وہ ضائع ہو جاتی ہیں، جل جاتی ہیں اور عورت بچہ جننے کے قابل نہیں رہتی، پھر ساری زندگی علاج کراتے پھرو، کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ الا ماشاء اللہ

نماز کے اوقات میں شراب کی ممانعت

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چند ساتھیوں کو دعوتِ ولیمہ پر مدعو کیا۔ وہ مسجد نبوی والے محلے کے ساتھ دوسرا محلہ تھا، وہاں رہتے تھے۔ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تھی اس وقت مدینہ طیبہ میں بلند اور پست جگہیں بہت تھیں، اب تو سڑکیں بن گئی ہیں اور بجلی کا زمانہ بھی نہ تھا اس لیے انھوں نے یہ انتظام شام ہونے سے پہلے کیا تا کہ ساتھی

کھانا کھا کر روشنی میں ہی اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کو کھانا کھلانے کے بعد شراب پیش کی جس طرح آج کل چائے یا بوتل پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور شراب بڑی تیز تھی، ادھر مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا، مدعوئین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، محلے والوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں تاکہ ہمیں ان کی امامت میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہو جائے۔ کیونکہ ہر آدمی کی کوشش ہوتی ہے کہ نیک سے نیک آدمی کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کی، چوں کہ نشے میں تھے تو سورۂ کافرون کو اس طرح پڑھا ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ، لَآ﴾ کا لفظ چھوڑ گئے۔ اصل میں تو اس طرح ہے ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ "میں نہیں عبادت کرتا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔" اور لَآ کے بغیر ترجمہ بنتا ہے، "میں بھی انہی کی عبادت کرتا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔" اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے پابندی لگا دی کہ نماز کے وقت کوئی آدمی شراب پی کر نہ آئے۔ اس کے بعد پھر شراب بالکل حرام کر دی گئی۔ جیسا کہ ساتویں پارے میں حرمت کا حکم موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ نہ قریب جاؤ نماز کے ﴿وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ اس حالت میں کہ تم نشے میں ہو۔ یعنی نماز کے اوقات میں شراب ممنوع ہو گئی ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ یہاں تک کہ تم جان لو اس چیز کو جو تم پڑھتے اور کہتے ہو۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات سمجھ آئی کہ ہم نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس کی ہمیں سمجھ آنی چاہیے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔

آج بہت سارے نمازی ایسے نظر آئیں گے کہ انہیں نماز پڑھتے پچاس، ساٹھ سال ہو گئے ہیں مگر ان کو نماز کا ترجمہ نہیں آتا۔ بلکہ اچھے خاصے سمجھ دار نمازیوں سے بھی دعا قنوت کے اس جملے کا ترجمہ پوچھو تو نہیں آئے گا کہ "وَنَحْفِدُ" کا کیا معنیٰ ہے؟ میرے اندازے کے مطابق سو میں سے پانچ بتا سکیں گے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے کیا پڑھا ہے اور کیا کہہ رہے ہو؟ آج ہم پر شراب کا نشہ تو نہیں ہے، مگر جہالت کا نشہ ضرور ہے۔ لہٰذا یاد رکھو! نماز کا ترجمہ ہر مسلمان مرد و عورت کو آنا چاہیے۔

آگے فرمایا ﴿وَلَا جُنُبًا﴾ اور نہ جنابت کی حالت میں نماز کے قریب جاؤ ﴿اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ مگر یہ کہ سفر کرنے والے ہو۔ یعنی مسافر ہو۔ اگر کوئی شخص مسافر ہے اور غسل کی ضرورت پڑ گئی ہے اور پانی بھی میسر نہیں ہے یعنی پانی ایک میل دور ہے اور اگر ہے تو استعمال کرنے پر قدرت نہیں ہے تو اجازت ہے کہ غسل اور وضو کی جگہ تیمم کرے اور نمازیں ادا کرے اور ﴿عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ کا دوسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے محل یعنی مسجد میں داخل بھی نہ ہو۔ البتہ وہاں بطور راستہ گزرنا ہو تو مسجد سے گزر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مسجد میں بدخوابی ہو گئی تو مسجد سے گزر کر باہر جانا جائز ہے۔ بہر حال فرمایا کہ دو حالتوں میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ ایک یہ کہ تم نشے کی حالت میں ہو اور دوسرا یہ کہ جنبی ہو ﴿حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى﴾ اور اگر ہو تم بیمار۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جس میں پانی کا استعمال

بیماری میں اضافے کا باعث بن سکتا ہے یا ہلاکت کا خطرہ ہے تو پانی استعمال نہ کرے بلکہ تیمم کر کے نماز ادا کرے۔ مگر پانی کے استعمال سے ایسا ڈاکٹر یا طبیب منع کرے جس میں یہ تین شرطیں پائی جائیں۔

❀ نمبر ایک: ڈاکٹر اور طبیب مسلمان ہو۔ کیونکہ غیر مسلم کی کوئی بات مسلمان کے لیے اسلامی امور میں حجت نہیں ہے۔

❀ نمبر دو: دیندار ہو۔ یعنی نماز روزے کا پابند ہو۔ جو ڈاکٹر اور حکیم نماز روزے کا پابند نہیں ہے، نمازی کے لیے اس کی بات بھی حجت نہیں ہے۔

❀ نمبر تین: مستند ہو، عطائی نہ ہو کہ چند شیشیاں لے کر بیٹھ گیا ہو اور لوگوں کو لوٹ رہا ہو۔ غیر مستند ڈاکٹر حکیم کی بات بھی اسلامی احکامات میں حجت نہیں ہے۔ اگر ایسا ڈاکٹر اور حکیم کہے کہ تم روزہ نہ رکھو تو نہ رکھو اور اگر ایسا ڈاکٹر اور حکیم کہے کہ پانی استعمال نہیں کرنا تو پانی استعمال نہ کرو، تیمم کرو اور نماز پڑھو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ﴿اَوْ عَلٰی سَفَرٍ﴾ یا سفر پر ہو اور پانی سے ایک میل دور ہو ﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ﴾ یا آئے تم میں سے کوئی ایک ﴿مِّنَ الْغَآىِٕطِ﴾ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ یا ہم بستری کی ہو تم نے عورتوں سے ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ پس نہ پاؤ تم پانی ﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ پس تم تیمم کرو پاک مٹی سے۔ اگر مٹی پر، زمین پر، کسی بچے یا بڑے نے پیشاب کیا ہو اور پیشاب خشک ہو گیا ہے تو ایسی زمین سے تیمم نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ تیمم کے لیے ﴿طَيِّبًا﴾ کی قید ہے۔ البتہ ایسی جگہ پر نماز پڑھ سکتے ہو۔ زمین کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس پر پانی ڈال دو اور دوسرا یہ کہ وہ خشک ہو جائے تو پاک ہو گئی ہے۔

تیمم کا طریقہ

آگے تیمم کا طریقہ بیان فرمایا ہے ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ﴾ پس مسح کرو تم اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا۔ تیمم کے لیے دو ضربیں ہیں۔ دونوں ہاتھ زمین پر مار کر جھاڑ لو اور منہ پر ملو اس طرح کہ کوئی جگہ خالی نہ رہے۔ دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ زمین پر مارو اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک ملو، اچھی طرح کہ کوئی جگہ خالی نہ رہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِّلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ أَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ)) "کہ تیمم دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لیے ہے کہنیوں تک۔" غسل کا تیمم بھی یہی ہے اور وضو کا تیمم بھی یہی ہے۔ تیمم میں نہ سر کا مسح ہے اور نہ پاؤں کا مسح ہے۔ اس تیمم کے ساتھ تم نماز پڑھ سکتے ہو، قرآن مجید کو ہاتھ لگا سکتے ہو، طواف کر سکتے ہو۔ یعنی جو جو عبادتیں وضو کے ساتھ جائز ہیں وہ تیمم کے ساتھ بھی جائز ہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا۔

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ﴿اِلَى الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿اُوْتُوْا﴾ جن کو دیا گیا ﴿نَصِيْبًا﴾ ایک حصہ ﴿مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ کتاب سے ﴿يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ﴾ خریدتے ہیں وہ گمراہی ﴿وَيُرِيْدُوْنَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ﴾ اس بات کا کہ ﴿تَضِلُّوا﴾ تم بھی بہک جاؤ ﴿السَّبِيْلَ﴾ راستے سے ﴿وَاللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿اَعْلَمُ﴾ خوب جانتا ہے ﴿بِاَعْدَآئِكُمْ﴾ تمھارے دشمنوں کو ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حمایت کرنے والا ﴿وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ مدد کرنے والا ﴿مِنَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں سے ﴿هَادُوْا﴾ جو یہودی ہیں ﴿يُحَرِّفُوْنَ﴾ تحریف کرتے ہیں، بدلتے ہیں ﴿الْكَلِمَ﴾ کلمات کو ﴿عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ ان کی جگہوں سے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿سَمِعْنَا﴾ ہم نے سن لیا ہے ﴿وَعَصَيْنَا﴾ اور ہم نے نافرمانی کی ﴿وَاسْمَعْ﴾ اور تو سن ﴿غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ اور تو نہ سنایا جائے ﴿وَّرَاعِنَا﴾ اور راعنا کہتے ہیں ﴿لَيًّا﴾ دبا کر، پھیر کر ﴿بِاَلْسِنَتِهِمْ﴾ اپنی زبانوں کو ﴿وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ﴾ اور عیب نکالتے ہیں دین میں ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ﴾ اور اگر بے شک وہ ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ﴿سَمِعْنَا﴾ ہم نے سن لیا ہے ﴿وَاَطَعْنَا﴾ اور ہم نے اطاعت کی ﴿وَاسْمَعْ﴾ اور تو سن ﴿وَانْظُرْنَا﴾ اور نظر شفقت فرما ہم پر ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ تو یہ چیز ان کے لیے بہتر ہوتی ﴿وَاَقْوَمَ﴾ اور بہت درست ہوتی ﴿وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ ان کے کفر کی وجہ سے ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ پس نہیں ایمان لاتے وہ ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر بہت تھوڑے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ﴾ اے وہ لوگو! ﴿اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿اٰمِنُوْا﴾ ایمان لاؤ ﴿بِمَا﴾ اس چیز پر ﴿نَزَّلْنَا﴾ جو ہم نے نازل کی ہے ﴿مُصَدِّقًا﴾ تصدیق کرنے والی ہے ﴿لِّمَا﴾ اس چیز کی ﴿مَعَكُمْ﴾ جو تمھارے پاس ہے ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ﴾ پہلے اس سے کہ ہم مٹادیں ﴿وُجُوْهًا﴾ چہروں کو ﴿فَنَرُدَّهَا﴾ پس ہم ان کو پلٹا دیں ﴿عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ﴾ ان کی پشتوں کی طرف ﴿اَوْ نَلْعَنَهُمْ﴾ یا ہم ان پر لعنت بھیجیں ﴿كَمَا لَعَنَّاۤ﴾ جس طرح کہ ہم نے لعنت بھیجی ﴿اَصْحٰبَ السَّبْتِ﴾ ہفتے کے دن زیادتی کرنے والوں پر ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ ﴿مَفْعُوْلًا﴾ طے شدہ۔

اہلِ کتاب کا تعارف

قرآن پاک میں بہت سارے مقامات پر اہل کتاب کا ذکر آیا ہے۔ اہل کتاب کا معنیٰ ہے کتاب والے اور اس سے مراد ہیں عیسائی اور یہودی۔ کیونکہ وہ آسمانی کتابوں کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے اور کہتے ہیں کہ ہم تورات کو مانتے ہیں، انجیل کو مانتے ہیں، زبور کو مانتے ہیں، اگرچہ ہے فقط ماننے کا دعویٰ عمل نہیں کرتے۔

جس طرح آج کل مسلمان کہلانے والے بہت سارے فرقے ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں، ظاہری طور پر تو قرآن کریم کا کوئی انکار نہیں کرتا مگر قرآن کی بات کوئی نہیں مانتا، اپنی مرضی اور خواہش پر چلتے ہیں۔ یہاں تک کہ قادیانی کافر بھی کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کو نبی مانتے ہیں اور کلمہ بھی آنحضرت ﷺ کا پڑھتے ہیں اور ظاہری طور پر نمازیں بھی آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق ادا کرتے ہیں مگر جب ختم نبوت کا مسئلہ آتا ہے تو وہاں من مانی کرتے ہیں۔ نہ قرآن کو مانتے ہیں، نہ حدیث کو مانتے ہیں اور یہی حال ہے اہلِ بدعت کا کہ ظاہری طور پر قرآن وحدیث کو مانتے ہیں لیکن جب ان کے عقائد پر زد پڑتی ہے تو تاویلیں کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

لہٰذا اہلِ کتاب کا تعارف کرایا جارہا ہے۔ فرمایا ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا ایک حصہ کتاب سے۔ مطلب یہ ہے کہ ساری کتاب کو تو مانتے نہیں ہیں صرف دعویٰ ہے ساری کتاب کے ماننے کا حقیقتاً صرف وہ حصہ مانتے ہیں جو ان کے مطلب کا ہے کہ جس کے ماننے سے ان کے عقائد اور نظریات پر زَد نہیں پڑتی۔ لہٰذا ساری کتاب تو حاصل نہ ہوئی صرف کچھ حصہ ہی حاصل ہوا۔ جس طرح ہماری اسمبلی میں یہ بات ہوئی تھی کہ ہمارا آئین قرآن وسنت کے مطابق ہوگا مگر وہ جس کو اسمبلی پاس کرے گی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت کا وہ حصہ جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوگا اس کو نہیں مانیں گے۔ تو بھئی! تم نے مانا کیا ہے؟ جو مانا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نمازیں پڑھیں گے، روزے رکھیں گے، حج ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور قرآن کا وہ حصہ جو ہماری قانون سازی پر اثر انداز ہوگا وہ نہیں مانیں گے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مانا بھی نہیں ہے۔ تو مانا تو نہ ہوا کہ مطلب کی چیزیں مان لیں اور بقیہ کا انکار کر دیا۔ اسمبلی کی اس بات پر ہم نے کافی احتجاج کیا مگر ہماری کون سنتا ہے؟ بھئی! ایسے نظریات کے ہوتے ہوئے کیا تم مسلمان کہلانے کے حق دار ہو؟

اسی طرح یہود ونصاریٰ بھی کتاب کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے مگر مانتے صرف مطلب کی چیزیں تھے ﴿يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ﴾ اور خریدتے ہیں وہ گمراہی۔ اور ارادہ کرتے ہیں اس بات کا کہ تم بھی بہک جاؤ۔ چونکہ اس دور میں ان کے جو مذہبی پیشوا تھے، اثر ورسوخ بھی انہی کا تھا لوگ ان کی بات مانتے تھے، کوئی خوشی سے اور کوئی مجبوراً مانتا تھا اور ان کے پیشوا اکثر گمراہ تھے۔ جو نیک دل اور صحیح تھے وہ تھوڑے تھے۔

جس طرح آج کل ترکی کا حال ہے کہ وہاں کے سرکاری مولویوں نے فتویٰ دیا ہے کہ تم نماز ترکی زبان میں پڑھا کرو اور وہاں علمائے حق بھی ہیں جنھوں نے ان کے خلاف فتویٰ دیا ہے کہ نماز ترکی زبان میں نہیں ہوگی، عربی زبان میں ہوگی۔ کیونکہ اگر نماز ترکی زبان میں پڑھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا جو نماز آنحضرت ﷺ سے منقول تھی وہ تو بگڑ گئی۔ ترکی والے ترکی میں، فارسی والے فارسی میں، اُردو والے اُردو میں، ہندی والے ہندی میں، چین والے چینی زبان میں پڑھیں، پھر نماز تو نہ رہی۔ اور یہ بے دینی ہر دور میں رہی ہے اور اس کے مطابق مولوی بھی مل جاتے ہیں اور اب بھی یہ کام بڑے زوروں پر ہے۔

تو فرمایا خود تو گمراہ ہوئے ﴿وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے بہک جاؤ

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ﴾ اور اللہ خوب جانتا ہے تمھارے دشمنوں کو۔ چاہے وہ کھلے دشمن ہوں یا خفیہ دشمن ہوں، تمھارے اندر رہنے والے۔ اور یاد رکھنا! کھلے دشمن کا خطرہ کم ہوتا ہے اور چھپے دشمن کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے جو بظاہر اپنا بن کے رہتا ہے اور باطنی طور پر دشمنی کرتا ہے۔ اور یہ باطل قوتیں جتنی ہیں ایسے ہی لوگوں کو خرید کر حق کو نقصان پہنچاتی ہیں ورنہ براہِ راست وہ کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ اسی مسئلہ کو لے لو کہ اگر امریکہ براہِ راست فتویٰ دیتا کہ تم ترکی زبان میں نماز پڑھو تو کس نے تسلیم کرنا تھا؟ بلکہ ترکی ہی سے مولوی کھڑے کیے اور انھوں نے فتویٰ دیا کہ نماز ترکی زبان میں جائز ہے۔

مشہور حکایت ہے کہ لوہے اور لکڑی کا آپس میں مناظرہ ہوا۔ لوہے نے کہا کہ میں مضبوط اور طاقت ور ہوں۔ لکڑی نے کہا میں مضبوط اور طاقت ور ہوں۔ لوہے نے کہا کہ میں تمام چیزوں کو کاٹ دیتا ہوں یہاں تک کہ لکڑی کو بھی کاٹ دیتا ہوں۔ لکڑی نے کہا کہ بے شک تو مضبوط اور طاقت ور ہے مگر میرے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مثلاً: دیکھو! کلہاڑی کتنی موٹی اور تیز ہوتی ہے مگر جب تک لکڑی کا دستہ نہیں پڑے گا لکڑی کو کاٹ نہیں سکتی۔ اسی طرح علمائے سوء اور پیٹ پرست پیر اور خود غرض لیڈر کفر کی کلہاڑی کے دستے ہیں اور اسلام کے درخت کو کاٹنے کے درپے ہیں۔ لیکن اگر تم صحیح معنیٰ میں مسلمان ہو تو تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حمایت کرنے والا ﴿وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ مدد کرنے والا۔ اسلام کبھی دنیا سے مٹ نہیں سکتا چاہے کافر سر دھڑ کی بازی لگا دیں اور طاغوتی طاقتیں جتنا مرضی زور لگا لیں۔

تحریفِ معنوی اور لفظی

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ ان لوگوں سے جو یہودی ہیں ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ﴾ تحریف کرتے ہیں، بدلتے ہیں کلمات کو ﴿عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ ان کی جگہوں سے۔ یہ بدلنا اور تحریف کرنا لفظی بھی ہے اور معنوی بھی ہے، ہیر پھیر کرتے تھے۔ تحریفِ لفظی کی مثال تو آگے آ رہی ہے اور معنوی تحریف اس طرح کرتے تھے کہ مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ کی جو نشانیاں ان کی کتابوں میں مذکور تھیں ان کے متعلق کہتے کہ نشانیاں تو ہیں مگر وہ اس پیغمبر پر صادق نہیں آتیں، آپ ﷺ کی بجائے دوسروں پر چسپاں کر دیتے۔ تو جو ذات ان نشانیوں کی مصداق ہے اس سے پھیر کر دوسروں پر فٹ کر دینا یہی تحریف ہے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ اور کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ یہ لوگ جب آنحضرت ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے تو آنحضرت ﷺ ان کو حوالے دیتے کہ تمھاری تورات اور انجیل میں میری بشارت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں ﴿الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ "وہ پاتے ہیں آخری پیغمبر کو لکھا ہوا تورات اور انجیل میں۔" تو جب آپ ﷺ ان کو حوالے دیتے تو کہتے کہ ہم نے یہ بات سن لی ہے اور آہستہ سے کہہ دیتے کہ مانیں گے نہیں۔ اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ کھلے طور پر کہتے تھے کہ یہ پیش گوئیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں مگر ہم ان کو نہیں مانتے۔

اور کہتے ہیں ﴿وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ اور تو سن، نہ سنایا جائے۔ اس جملے کا اچھا مطلب بھی بن سکتا تھا اور بُرا بھی۔ اچھا مطلب تو یہ ہے کہ آپ ہماری بات سنیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ سنائی جائے۔ یعنی بُری بات تیرے کان میں نہ آئے۔ اور بُرا مطلب کہ تو سن اور نہ سنایا جائے کہ بہرہ ہو جائے کہ تیرے کان کام کے نہ رہیں۔ تو جو اچھے لوگ تھے وہ پہلا معنیٰ مراد لیتے تھے اور یہودی دوسرا معنیٰ مراد لیتے تھے۔ ﴿وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ﴾ اور ﴿رَاعِنَا﴾ کہتے ہیں دبا کر اپنی زبانوں کو۔ ﴿رَاعِنَا﴾ کا لفظ رعایت سے ہو سکتا ہے معنیٰ ہیں پاس، عزت کرنا، لحاظ کرنا، رعایت اور مراعات بڑے مشہور لفظ ہیں ہماری زبان میں بھی بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے مجھے رعایت دو، یہ بڑی رعایتی چیز ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جب ﴿رَاعِنَا﴾ کا لفظ بولتے تھے تو ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ حضرت! ہماری رعایت کرو۔ کیونکہ ہم میں شہری لوگ بھی ہیں، دیہاتی بھی ہیں، پڑھے لکھے بھی ہیں، اَن پڑھ بھی ہیں، ذہین بھی ہیں اور درمیانے درجے کے لوگ بھی ہیں، غبی بھی ہیں، حضرت! بیان اس انداز سے ہو کہ ہم سارے سمجھ جائیں۔ کیونکہ بعض باریک اور دقیق چیزیں سارے نہیں سمجھ سکتے۔ اور یہودی یہ جملہ ذرا زبان دبا کر بولتے تھے جس سے "ی" پیدا ہو جاتی تھی، رَاعِيْنَا بن جاتا تھا۔ تو یہ "رَعُوْنَتْ" سے ہو جاتا تھا، "رَعُوْنَتْ" کے معنیٰ ہیں تکبر۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں میں بڑی رعونت ہے، یعنی تکبر ہے۔ تو تھوڑا سا دبا کر بولنے سے لفظ بدل جاتا تو معنیٰ بھی بدل جاتا۔ کیونکہ زبر اور زیر سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً: بَکْرِیْ اور چیز ہے اور بِکْرِیْ اور شے ہے۔ اسی طرح اَچھ اور چیز ہے اور اِچھ اور چیز ہے۔ اسی طرح اس کے معنیٰ احمق اور چرواہے کے بھی ہوتے اور یہودی یہی مراد لیتے تھے (معاذ اللہ)۔ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ پر پابندی لگا دی، جیسا کہ پہلے پارے میں بیان ہو چکا ہے ﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ "کہ اے مسلمانو! ﴿رَاعِنَا﴾ نہ کہو ﴿انْظُرْنَا﴾ کہو۔ اس لیے کہ یہودی اس سے غلط فائدہ اُٹھاتے ہیں تم اس کی بجائے ﴿انْظُرْنَا﴾ کہو کہ حضرت! ہم پر نظرِ شفقت فرماؤ۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جائز چیز سے بھی اگر باطل غلط فائدہ اٹھائے تو وہ جائز چیز بھی ممنوع ہے۔ کیونکہ فی نفسہٖ رَاعِنَا کا لفظ بُرا نہیں تھا اور کہنے والوں کی نیت بھی صحیح ہوتی تھی مگر یہودی خباثت کرتے تھے اس لیے منع کر دیا گیا اور یہودیوں کی عادت تھی وہ اپنی خباثت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آتے تو کہتے: السام علیکم اور سام کے معنیٰ ہے موت، درمیان سے لام کھا جاتے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک یہودی آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرے مبارک میں تشریف فرما تھے، دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے کہا: السام علیک، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ لفظ سن کر کہا: علیك السام واللعنة "تیرے اُوپر موت اور لعنت پڑے۔" خیر یہودی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کر کے چلا گیا۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آج تو بڑے غصے میں تھی۔ کہنے لگی: حضرت! اَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ؟ "آپ نے وہ لفظ نہیں سنے جو اس نے کہے ہیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلَمْ تَسْمَعِیْ مَا قُلْتُ؟ "تو نے نہیں سنا جو میں نے اس کو جواب دیا ہے؟" فرمایا

اس نے کہا السام علیك، میں نے جواب میں کہا علیک، کہ تو جو کہتا ہے وہ تیرے اُوپر پڑے۔ مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ شرافت بھی برقرار اور جواب بھی ہو گیا۔

اور کچھ خبیث ایسے بھی تھے کہ آ کر کہتے: السِّلام علیکم، سین کے کسرے کے ساتھ۔ اس کا معنیٰ ہے تجھ پر چٹان گرے۔ اور اگر جمع کی ضمیر ہو تو معنیٰ بنے گا تم پر چٹان گرے۔ تو اس طرح کی خباثتیں کرتے تھے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر یہودیوں کا اعتراض

﴿وَ طَعْنًا فِی الدِّیْنِ﴾ اور عیب نکالتے ہیں دین میں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہودیوں نے بٹھالیا اور کہنے لگے کہ تیرا نبی کیسا ہے کہ تمھیں بتاتا ہے کہ پیشاب اس طرح کرو، پاخانہ اس طرح کرو، یہ دین ہے؟ یہ تعلیم دینے کے لیے آیا ہے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ معمر صحابی تھے، اُنھوں نے اڑھائی سو سال عمر پائی ہے اور صحت مند بھی اس طرح تھے کہ دیکھنے والا کہتا تھا ساٹھ ستر سال عمر ہو گی۔ پرانے تجربہ کار تھے، جواب میں فرمایا: ہاں، بھئی! وہ ہمیں سمجھاتے ہیں کہ جب تم بول و براز کے لیے بیٹھو تو کعبۃ اللہ کی طرف منہ نہ کرو، نہ پیٹھ کرو، اس میں کون سی بُری بات ہے؟ کیا قبلے کے احترام کی ضرورت نہیں ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ جب استنجا کے لیے ڈھیلا استعمال کرو تو بائیں ہاتھ سے استعمال کرو اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہڈی استعمال نہ کرو ممکن ہے اس کا کوئی کنارہ تیز ہو، جس سے تمھیں تکلیف پہنچے اور یہ بھی سمجھایا ہے کہ گوبر اور کوئلوں کے ساتھ استنجا نہ کرو۔ کون سی بُری تعلیم دی ہے؟ دیکھنا! یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں مگر ہیں تو دین، وہ ان پر طعن کرتے تھے۔ اور یاد رکھنا! دین کے کسی بھی حکم پر طعن کرنا کفر اور الحاد ہے۔

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا﴾ اور اگر بے شک وہ کہتے ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ ہم نے سنا ہے اور اطاعت کی ہے ﴿وَ اسْمَعْ﴾ اور آپ سنیں ﴿وَ انْظُرْنَا﴾ اور ہم پر نظر شفقت فرمائیں ﴿لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ﴾ تو یہ چیز ان کے لیے بہتر ہوتی ﴿وَ اَقْوَمَ﴾ اور بہت درست اور معقول بات ہوتی ﴿وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ ان کے کفر کی وجہ سے ﴿فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ پس نہیں ایمان لاتے وہ مگر بہت تھوڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سارے معجزات دیکھنے کے باوجود بہت کم یہودی ایمان لائے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے تھے مگر ضد کی وجہ سے انکار کر جاتے تھے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ اے وہ لوگو! جن کو دی گئی کتاب ﴿اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا﴾ ایمان لاؤ اس چیز پر جو ہم نے نازل کی ہے۔ یعنی قرآن پاک پر ایمان لاؤ ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ تصدیق کرنے والی ہے اس چیز کی جو تمھارے پاس ہے۔ قرآن پاک، اصل تورات اور اصل انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور اصل زبور کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ کیونکہ اصولی طور پر دین ایک ہی ہے۔ لہٰذا اگر قرآن کریم ان کے خلاف ہوتا تو پھر کہہ سکتے کہ ہماری کتابوں میں اصول اور ہیں اور تمھاری کتاب میں اصول اور

ہیں ہم کس طرح تسلیم کریں؟ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک ان کا مصدِّق ہے مکذِّب نہیں۔ فرمایا ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا﴾ پہلے اس سے کہ ہم چپٹا کر دیں تمھارے چہروں کو، مٹا دیں تمھارے چہروں کو ﴿فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ﴾ پس ہم ان کو پلٹ دیں ان کی پشتوں کی طرف۔ اب تو منہ چھاتی کی طرف ہے ہم چاہیں تو تمھارے چہرے پیٹھوں کی طرف پھیر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کون سا کام مشکل ہے؟ ﴿اَوْ نَلْعَنَهُمْ﴾ یا ہم ان پر لعنت بھیجیں ﴿كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ﴾ جس طرح کہ ہم نے لعنت بھیجی ہفتے کے دن زیادتی کرنے والوں پر۔

ان کا واقعہ نویں پارے میں بیان ہوا ہے۔ بحر قلزم کے کنارے ایلہ نامی ایک بستی تھی، آج کل اس کو ایلات کہتے ہیں۔ یہ ان کی بندرگاہ ہے۔ ان پر پابندی تھی کہ تم ہفتے والے دن شکار نہیں کر سکتے، ہفتے کے علاوہ دوسرے دنوں میں جائز ہے۔ کیونکہ ہفتے کا دن عبادت کے لیے خاص تھا جس طرح ہمارے لیے جمعہ والے دن پہلی اذان سے لے کر نمازِ جمعہ کے ختم ہونے تک نماز کے علاوہ کوئی کام جائز نہیں ہے۔ مثلاً: خریدنا بیچنا، کھانا پینا، لکھنا پڑھنا، سونا، پہلی اذان کے بعد یہ سارے کام حرام ہو گئے۔ سوائے اس کام کے جس کا تعلق نمازِ جمعہ کے ساتھ ہے کہ غسل کر سکتے ہو، مسواک کر سکتے ہو، وضو کر سکتے ہو، کپڑے بدل سکتے ہو، خوشبو لگا سکتے ہو، خطیب جمعہ کے لیے مطالعہ کر سکتا ہے اور ایسا کام جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے، وہ حرام ہے، چاہے نکاح ہی کیوں نہ ہو۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم پر تو صرف دو اڑھائی گھنٹے پابندی لگی ہے اور ان پر تو چوبیس گھنٹے پابندی تھی، رات کو بھی اور دن کو بھی۔ مگر ان لوگوں نے حیلے کے ساتھ مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں، کچھ ان کو روکنے والے بھی تھے۔ تو جن لوگوں نے ہفتے کے دن کی تعظیم نہ کی اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی۔ تفصیل پارہ: ۷ سورۃ مائدہ میں آئے گی ﴿وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾ "اور بنا دیا اللہ تعالیٰ نے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر۔" بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا اور جوانوں کو بندر بنا دیا۔ وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور روتے تھے مگر گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ تین دن کے بعد ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔

اس اُمت میں بھی بندر اور خنزیر بنیں گے ؟

تو فرمایا جس طرح ہفتے کے دن شرارت کرنے والوں پر ہم نے لعنت کی اس طرح تم پر بھی کر سکتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے اس اُمت کے آخری دور میں اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو بندر اور خنزیر بنائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا حضرت! کیا وہ کلمہ نہیں پڑھتے ہوں گے؟ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يُصَلُّوْنَ وَ يَصُوْمُوْنَ وَيَحُجُّوْنَ)) نمازیں بھی پڑھیں گے، روزے بھی رکھیں گے، حج بھی کریں گے، مگر گانے بجانے کے بڑے شوقین ہوں گے۔ یوں سمجھو کہ رات کو ٹی وی کے آگے بیٹھے ہوں گے اور صبح جب اُٹھیں گے تو بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل ہو چکے ہوں گے۔ یہ روایت بخاری شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف میں بھی موجود ہے۔ اور یاد رکھو! ﴿وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ طے شدہ۔ رب تعالیٰ جو فرماتے ہیں وہ کر سکتے ہیں اور کرتے بھی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی نافرمانی نہ کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا یَغۡفِرُ﴾ نہیں بخشے گا ﴿اَنۡ﴾ اس بات کو ﴿یُّشۡرَکَ بِہٖ﴾ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے ﴿وَ یَغۡفِرُ﴾ اور بخش دے گا ﴿مَا﴾ اس گناہ کو ﴿دُوۡنَ ذٰلِکَ﴾ جو شرک سے نیچے ہے ﴿لِمَنۡ یَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہے گا ﴿وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ﴾ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿فَقَدِ﴾ پس بہ تحقیق ﴿افۡتَرٰۤی﴾ اس نے افترا باندھا ﴿اِثۡمًا عَظِیۡمًا﴾ بہت بڑے گناہ کا ﴿اَلَمۡ تَرَ﴾ کیا نہ دیکھا تو نے ﴿اِلَی الَّذِیۡنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ﴾ جو اپنی جانوں کی صفائی بیان کرتے ہیں ﴿بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پاک کرتا ہے جس کو چاہے ﴿وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿فَتِیۡلًا﴾ دھاگے برابر ﴿اُنۡظُرۡ﴾ دیکھ ﴿کَیۡفَ یَفۡتَرُوۡنَ﴾ کیسے افترا باندھتے ہیں ﴿عَلَی اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿الۡکَذِبَ﴾ جھوٹ کا ﴿وَ کَفٰی بِہٖۤ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا﴾ اور کافی ہے یہ گناہ صریح ﴿اَلَمۡ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا تو نے ﴿اِلَی الَّذِیۡنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿اُوۡتُوۡا﴾ جن کو دیا گیا ﴿نَصِیۡبًا﴾ حصہ ﴿مِّنَ الۡکِتٰبِ﴾ کتاب کا ﴿یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ ایمان لاتے ہیں ﴿بِالۡجِبۡتِ﴾ جبت بت پر ﴿وَ الطَّاغُوۡتِ﴾ اور طاغوت بت پر ﴿وَ یَقُوۡلُوۡنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿لِلَّذِیۡنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿کَفَرُوۡا﴾ جو کافر ہیں ﴿ہٰۤؤُلَآءِ﴾ یہ کافر ﴿اَہۡدٰی﴾ زیادہ ہدایت والے ہیں ﴿مِنَ الَّذِیۡنَ﴾ ان لوگوں سے ﴿اٰمَنُوۡا﴾ جو ایمان لائے ﴿سَبِیۡلًا﴾ راستے کے لحاظ سے ﴿اُولٰٓئِکَ﴾ وہی لوگ ہیں ﴿الَّذِیۡنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ﴿وَ مَنۡ یَّلۡعَنِ اللّٰہُ﴾ اور وہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے ﴿فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا﴾ پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لیے کوئی مددگار ﴿اَمۡ لَہُمۡ نَصِیۡبٌ﴾ کیا ان کے لیے حصہ ہے ﴿مِّنَ الۡمُلۡکِ﴾ بادشاہی میں سے ﴿فَاِذًا﴾ پس اس وقت ﴿لَّا یُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ﴾ نہ دیں گے لوگوں کو ﴿نَقِیۡرًا﴾ تل برابر بھی ﴿اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ﴾ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ ﴿عَلٰی مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ﴾ اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے دی ان لوگوں کو ﴿مِنۡ فَضۡلِہٖ﴾ اپنے فضل سے ﴿فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ﴾ پس بہ تحقیق دی ہم نے ﴿اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ﴾ آل ابراہیم کو ﴿الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ﴾ کتاب اور دانائی بھی ﴿وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ مُّلۡکًا عَظِیۡمًا﴾ اور ہم نے دیا ان کو بہت بڑا ملک۔

شرک سب سے بڑا گناہ اور شرک کی صورتیں:

اللہ تعالیٰ کے قانون میں شرک سے بڑا کوئی گناہ اور جرم نہیں ہے اسی لیے لفظ ﴿اِنَّ﴾ کے ساتھ اس کا حکم بیان فرمایا ہے۔ ﴿اِنَّ﴾ کا معنی ہے تحقیق، بلاشک۔ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ﴾ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔

شرک کی ایک صورت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے اس طرح کی کوئی اور ذات تسلیم کی جائے۔ مگر ایسے مشرک دنیا میں بہت کم ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرائیں۔

اور شرک کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی کو شریک مانا جائے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں، علم غیب، حاضر وناظر، مختارِ کل، خالق، رازق، زندہ کرنے والا، مارنے والا۔ تو ان اوصاف میں شریک ٹھہرانے والے مشرک پہلے بھی بہ کثرت تھے اور اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کے سوا پیغمبروں اور ولیوں کو، شہیدوں وغیرہ کو عالم الغیب، حاضر وناظر، مختارِ کل وغیرہ مانتے ہیں۔

اور شرک کی تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے کہ مثلاً: عزت دینا، ذلیل کرنا، صحت دینا، بیمار کرنا، بادشاہ بنانا، گداگر بنانا وغیرہ رب تعالیٰ کے افعال ہیں۔ ان میں شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سمجھنا کہ وہ عزت وذلت کا اختیار رکھتا ہے یا بیمار کرنے یا صحت دینے کا اختیار رکھتا ہے، وغیرہ۔ یہ شرک فی الافعال ہے۔ حالانکہ نہ تو کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک ہے، نہ صفات میں شریک ہے اور نہ افعال میں کوئی شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں، صفات میں، افعال میں وحدہٗ لاشریک لہ ہے اور اس کے ساتھ شرک کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اسی لیے اس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ ہے اور معافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ﴾ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ نہ فرشتوں میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ پیغمبروں میں، نہ ولیوں میں، نہ شہیدوں میں اور نہ اماموں میں اس کا کوئی شریک ہے۔ ہاں! یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں اور اپنی اپنی جگہ ان کے مقام ہیں۔ پیغمبر اپنی جگہ شان اور رتبے والے ہیں، ولی، شہید اور امام اپنی جگہ قابلِ تعظیم ہیں مگر اللہ، اللہ ہے۔ ان میں سے نہ تو کوئی اللہ ہے اور نہ ہی کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک ہے۔

تو فرمایا شرک کی معافی نہیں ہے ﴿وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ اور بخش دے گا اس گناہ کو جو شرک سے نیچے ہے جس کے لیے چاہے گا، مجبور نہیں ہے۔ پھر اس میں بھی اس کی مرضی ہے چاہے پہلے قدم پر معاف کر دے یا کچھ دیر دوزخ میں سزا دے کر معاف کر دے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی وقت آئے گا کہ شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی معافی ہو جائے گی مگر شرک کی معافی نہیں ہے۔ مشرک کو قطعاً معاف نہیں کیا جائے گا۔ فرمایا ﴿وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللہِ﴾ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا﴾ اس نے افتراء باندھا بہت بڑے گناہ کا۔ کیونکہ شرک بہت بڑا گناہ ہے۔

آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ؟ حضرت! یہ بتاؤ کہ بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَنْ تَجْعَلَ لِلہِ نِدًّا وَھُوَ خَلَقَکَ "یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا ہے۔" حضرت! شرک کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا: عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ. والدین کی نافرمانی۔ یعنی حقوق اللہ میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے

اور حقوق العباد میں والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے۔

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ ﴾ کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف ﴿ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ﴾ جو اپنی جانوں کی صفائی اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ یہ یہودیوں کا ذکر ہے، وہ ایسا کرتے تھے۔ چھٹے پارے میں آئے گا، ان شاءاللہ تعالیٰ، یہود نے کہا ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ "ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔" حالانکہ اللہ تعالیٰ کا نہ بیٹا ہے، نہ بیٹی ہے، کیونکہ وہ ﴿ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴾ ہے۔ "نہ رب تعالیٰ نے کسی کو جنا ہے اور نہ رب تعالیٰ کو کسی نے جنا ہے۔" نہ اس کی ماں، نہ باپ، نہ دادا، نہ دادی، نہ نانا، نہ نانی، نہ بیٹا، نہ بیٹی، اللہ تعالیٰ ان سب سے مبرا اور پاک ہے اور یہ چیزیں اُس کی شان کے خلاف ہیں۔

بخاری شریف میں حدیثِ قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يَسُبُّنِيْ ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ۔ "آدم کا بیٹا یعنی انسان مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ مجھے گالیاں دینے کا اُسے کوئی حق نہیں ہے۔" گالیاں کس طرح دیتا ہے؟ فرمایا يَدْعُوْلِيْ وَلَدًا "میری طرف وہ اولاد کی نسبت کرتا ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔ جس طرح ہم میں سے کسی ثابت النسب بیٹے، بیٹی کے متعلق کوئی یہ کہے کہ یہ تیرا بیٹا، بیٹی نہیں ہے تو یہ ہمارے لیے گالی ہے اور کہنے والے کو اسّی کوڑے سزا ہے، اس طرح اگر کوئی کسی کو حرامی کہے یا زانی یا لوطی کہے تو کہنے والے کو اسّی کوڑے کھانے پڑیں گے اور یہ ایسی سزا ہے کہ لاکھ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی۔ بلکہ اسّی کوڑے کھانے پڑیں گے، کیونکہ قرآن پاک کا حکم ہے۔ اور حدیثِ قدسی کے یہ الفاظ بھی ہیں كَذَّبَنِيْ ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ "آدم کا بیٹا مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اس کو مجھے جھٹلانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔" جھٹلاتا کس طرح ہے؟ کہتا ہے لَنْ يُّعِيْدَنِيْ "قیامت نہیں آئے گی؟" تو جو شخص یہ کہتا ہے کہ قیامت نہیں آئے گی، معاذ اللہ تعالیٰ، وہ رب تعالیٰ کو جھوٹا قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قیامت ضرور آئے گی اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے۔

لفظ فتیل، نقیر اور قطمیر کی تشریح

تو یہودی یہ کہہ کر کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں، اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ بندہ اپنی جگہ پاک صاف بنا پھرے تو اس کی کوئی حقیقت اور معنیٰ نہیں ہے ﴿ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا دھاگے برابر۔ فتیل اس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی نالی کے درمیان ہوتا ہے اور جو گٹھلی کے خشک ہونے پر ظاہر ہوتا ہے۔ عربی لوگ جب کسی شے کی قلت کو بیان کرتے تھے تو فتیل کا لفظ بولتے تھے کہ فلاں کے پاس فتیل بھی نہیں ہے جس طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاں کے پاس تنکا بھی نہیں ہے۔

اسی طرح نقیر کا لفظ بھی اسی رکوع میں آرہا ہے، نقیر کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی کے پیٹ میں ایک چھوٹا سا نقطہ ہوتا ہے، اسی

سے کھجور کا درخت اُگتا ہے، عربی لوگ قلت بیان کرنے کے لیے یہ لفظ بھی بولتے تھے اور کہتے تھے: مَا يَمْلِكُ مِنْ نَقِيْرٍ "کہ فلاں نقیر کا بھی مالک نہیں ہے۔" اسی طرح ایک لفظ قطمیر ہے۔ قطمیر اس چھلکے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اُوپر باریک سا ہوتا ہے۔ اس کا ذکر بائیسویں پارے میں آئے گا کہ جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا مشکل کشا حاجت روا سمجھتے ہیں ﴿مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ وہ تو کھجور کی گٹھلی کے اُوپر جو باریک سا پردہ ہے اس کے بھی مالک نہیں ہیں۔ تو یہاں فرمایا کہ کسی پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ دیکھو! کیسے افترا باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا کہ کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور پیارے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، کس طرح جھوٹ بولتے ہیں ﴿وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ اور کافی ہے یہ صریح گناہ کہ رب تعالیٰ کے پیغمبروں کو اور نیک بندوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کرنے والے حق تعالیٰ کے دین کا اور پیغمبروں کی تعلیم کا انکار کرنے والے اور حق کا مقابلہ کرنے والے رب تعالیٰ کے بیٹے اور پیارے بنتے پھریں۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی

ہجرت کے دوسرے سال سترہ رمضان المبارک جمعہ والے دن واقعہ بدر پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ کی قیادت تھی، آپ ﷺ کے علاوہ تین سو بارہ آدمی تھے اور آپ ﷺ تیرھویں تھے اور ان تین سو تیرہ کے پاس صرف آٹھ تلواریں، چھ زرہیں، دو گھوڑے، ستر اونٹ تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے کہ غربت کی وجہ سے ان کے پاؤں میں جوتا نہیں تھا اور ایسے بھی تھے کہ جن کے سر پر ٹوپی، پگڑی نہیں تھی اور مقابلہ میں ایک ہزار کا لشکر ہر طرح کے اسلحہ سے لیس تھا۔ ہر ایک کے پاس تلوار، نیزہ اور تیر موجود تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور کافر بُری طرح شکست سے دوچار ہوئے۔ ستر [۷۰] کافر مارے گئے اور ستر [۷۰] گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح مدینہ طیبہ کے یہودیوں سے برداشت نہ ہوئی، ان کا پارہ چڑھ گیا کہ مسلمان کامیاب ہو گئے ہیں اور یہ کل کو ہمیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ لہٰذا ان کے خلاف کوئی منصوبہ بنانا چاہیے۔ چنانچہ کعب بن اشرف جو یہودیوں کا مولوی تھا اور دولت مند تاجر تھا اور بڑا خبیث آدمی تھا، مسلمانوں کے خلاف سازش تیار کرنے کے لیے اس نے مکہ مکرمہ جانے کا پروگرام بنایا۔ اس غرض کے لیے اس نے ستر [۷۰] آدمیوں پر مشتمل ایک وفد تیار کیا اور اُونٹوں پر سامان رکھوایا اور یہ ظاہر کیا کہ ہم تجارت کے لیے مکہ مکرمہ جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ ستر [۷۰] آدمیوں کا قافلہ لے کر مکہ مکرمہ پہنچا۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں ابوسفیان کا اقتدار تھا، کیونکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ہجرت کے آٹھویں سال مسلمان ہوئے ہیں اور یہ واقعہ جنگ بدر کے بعد اور اُحد سے پہلے کا ہے۔ کعب بن اشرف ستر [۷۰] آدمیوں کا یہ قافلہ لے کر ابوسفیان کے پاس گیا، اُنھوں نے اس کی بڑی عزت کی کیونکہ عربی لوگ نسلاً بعد نسلٍ بڑے مہمان نواز واقع ہوئے ہیں۔

کعب بن اشرف نے کہا کہ ہم بظاہر تجارت کے لیے آئے ہیں مگر ہمارا مقصد اور ہے اگر تم ٹھنڈے دل سے سنو تو میں بیان کروں۔ ابوسفیان نے کہا ہاں! تم بیان کرو، میں سنوں گا۔ کعب بن اشرف نے کہا کہ محمد ﷺ کا معاملہ تمھارے سامنے ہے کہ بدر میں اس نے تمھیں کتنا نقصان پہنچایا ہے اور آئندہ کے لیے بھی اس کی بڑی سخت تیاریاں ہیں لہٰذا ہم سب مل کر کہ تم مکہ مکرمہ سے حملہ کرو اور ہم مدینہ سے اُٹھیں اور اپنے مشترکہ دشمن کو سبق سکھا دیں۔ ابوسفیان کو کعب بن اشرف کی بات پر یقین نہ آیا اور کہا کہ ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم کچھ کرو گے اور ہمارا ساتھ دو گے صرف ہمیں پھنسانا چاہتے ہو ہم تمھاری بات کو اس صورت میں سچا ماننے کے لیے تیار ہیں کہ تم ہمارے بتوں کے سامنے سجدہ کرو۔

مشرکین مکہ نے کعبۃ اللہ کے اندر اور دیواروں پر تین سو ساٹھ بت نصب کیے ہوئے تھے۔ ان میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ، حضرت مریم علیہم السلام کے بت بھی تھے اور ایک بت ہبل تھا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے شہید بیٹے حضرت ہابیل علیہ السلام کا بت تھا اور وہ اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے جب نعرہ لگایا کرتے تو کہتے اُعْلُ هُبَل! ہبل زندہ باد۔ ان تین سو ساٹھ بتوں میں سے ایک کا نام جبت اور ایک کا نام طاغوت تھا اور وہ لوگ جب کسی بات کا عہد و پیمان کرتے تھے تو ان کو سلامی کرتے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر عہد و پیمان کرتے۔

چنانچہ ابوسفیان نے کہا کہ اگر واقعتاً تم ہماری مدد کرنے کے لیے تیار ہو تو ہمارے بتوں، جبت اور طاغوت، کو سجدہ کرو، سلامی دو اور ہمارے ساتھ معاہدہ کرو۔ چنانچہ یہودیوں نے جبت اور طاغوت کو سجدہ کیا اور ان پر ہاتھ رکھا۔ حالانکہ یہ بات ان کے عقیدے کے بھی خلاف تھی کیونکہ یہودی بتوں کے قائل نہیں تھے۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ ہمارا دین صحیح ہے یا محمد ﷺ کا؟ کعب بن اشرف نے کہا کہ پہلے تم اپنے دین کی کچھ موٹی موٹی باتیں بتاؤ پھر میں کچھ کہہ سکوں گا۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہمارا دین یہ ہے کہ ہم بیت اللہ کی عزت کرتے ہیں اور طواف کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، ان کی خدمت کرتے ہیں اور اگر قیدی آجائیں تو ان کو رہا کر دیتے ہیں اور ان کو کھانا کھلاتے ہیں اور بہت سارے نیکی کے کام کرتے ہیں اور محمد (ﷺ) کعبہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اب بتاؤ کہ ہمارا دین سچا ہے یا ان کا؟ تو کعب بن اشرف نے کہا کہ تمھارا دین سچا ہے۔ حالانکہ یہودیت کے ناتے سے اچھی طرح جانتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ کا دین سچا ہے مگر مشرکوں کو اعتماد میں لینے کے لیے اس نے یہ سب کچھ کیا۔ ان آیات میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا﴾ کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا حصہ ﴿مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ کتاب کا۔ ایک حصہ اس لیے کہ ساری تورات تو مانتے نہیں صرف وہ چیزیں مانتے ہیں جو ان کے مطلب کی ہیں اور کرتے کیا تھے ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾ ایمان لاتے ہیں وہ جبت پر اور طاغوت پر ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ان لوگوں کے متعلق جو کافر ہیں ﴿هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى﴾ یہ کافر زیادہ ہدایت والے ہیں ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾ ان لوگوں سے جو ایمان لاتے ہیں راستے کے لحاظ سے کہ یہ کافر سچے ہیں اور ایمان والے نہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ وہی لوگ ہیں ﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾

جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ اس لیے کہ معلوم ہونے کے باوجود کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے رسول ہیں اور ان کا پروگرام سچا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو جھوٹا کہا اور جھوٹوں کو سچا بنا دیا۔ ﴿وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ﴾ اور وہ شخص کہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا﴾ پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لیے کوئی مددگار ﴿اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ﴾ کیا ان کے لیے حصہ ہے بادشاہی میں سے ﴿فَاِذًا﴾ پس اس وقت یعنی ان کو ملک کا کوئی حصہ مل جائے ﴿لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا﴾ نہ دیں گے لوگوں کو تل برابر بھی۔ ابھی میں نے نقیر کا معنیٰ سمجھایا ہے کہ کھجور کی گٹھلی کے پیٹ میں جو نقطہ سا ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں۔ اس کا لازمی معنیٰ کرتے ہیں تل برابر۔ یعنی یہ کسی کو تل برابر بھی کوئی شے نہ دیں۔

اہل یورپ کے مسلمانوں پر اعتراضات

یہودیوں کو اس چیز کی بڑی تکلیف تھی کہ نبوت بنو اسماعیل میں کیوں چلی گئی ہے؟ حالانکہ یہ بات بھی ان کے علم میں تھی کہ نبی آخر الزماں عرب میں مبعوث ہوں گے مگر اس کے باوجود انکار بھی کیا اور بے جا اعتراضات بھی کرتے تھے اور کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول ہیں تو پھر ان کے آگے پیچھے نوکر چاکر حفاظت کرنے کے لیے کیوں پھرتے ہیں؟ اور نبی کو اتنی لونڈیوں کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح آج کل کے یورپین نے بھی چند مسائل میں اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں ایک مسئلہ کثرتِ ازواج کا بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کل گیارہ بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور عورت کے ساتھ نکاح نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین رضی اللہ عنہا بھی چند ماہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح میں رہ کر فوت ہوگئی تھیں۔ لہٰذا بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔

اس پر یہود اور آج کل کے یورپین اعتراض کرتے ہیں کہ اتنی عورتیں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ سطحی ذہن والے لوگ اس اعتراض سے پریشان ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ کیونکہ کثرتِ ازواج میں بہت ساری حکمتیں تھیں۔ ان میں سے ایک حکمت یہ تھی کہ عرب میں مختلف خاندان اور قبیلے تھے جو مذہب اسلام کے مخالف تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کے قریب کرنا تھا اور ان کی اسلام دشمنی کو ختم کرنا تھا تاکہ اسلام کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، محض خواہش نفسانی مقصود نہ تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف خاندانوں کی عورتوں سے نکاح کیے اور نکاح کے بعد ان کی دشمنی ختم ہوگئی۔

اور کثرتِ ازواج میں ایک حکمت یہ تھی کہ بہت سارے ایسے مسائل ہیں کہ جن کا تعلق محض عورتوں کے ساتھ ہے اور وہ مسائل ایسے ہیں کہ جن پر نماز، روزہ اور طواف موقوف ہے اور وہ مسائل ایک شرم و حیا والی عورت کھل کر مرد سے نہیں پوچھ سکتی اور مرد بھی کھل کر عورت کو نہیں بتا سکتا اور آدھی اُمت عورتوں کی ہے، دین ان کو بھی سمجھانا ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سارے نکاح کیے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ مسائل اپنی بیویوں کو سمجھائیں اور وہ آگے دین کی خوب نشر و اشاعت کریں اور دین

پھیلے۔ یہ عورتوں کے جتنے مسائل ہیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں کو مسائل سمجھاتے تھے وہ آگے عورتوں میں دین پھیلاتی تھیں۔ تو کثرتِ ازواج کی وجہ محض نفسانی خواہش نہیں تھی بلکہ عورتوں میں دین پھیلانا مقصود تھا۔

پھر یہودیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں ان پر کیوں اعتراض نہیں کرتے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں ان پر اعتراض کرتے ہو۔ حالانکہ تم حضرت داؤد علیہ السلام کو مانتے ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی مانتے ہو مگر یہودی یہ اعتراضات محض حسد کی وجہ سے کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ ﴾ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ۔ مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ﴿ عَلٰی مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ اس چیز پر جو دی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے فضل سے ﴿ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ پس تحقیق دی ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور دانائی ﴿ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ﴾ اور دیا ہم نے ان کو بہت بڑا ملک۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی، حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہی عطا فرمائی، حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکِ عظیم عطا فرمایا، اسی رب تعالیٰ نے حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کل کائنات کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور خاتم النبیین بنایا۔

﴿ فَمِنْهُمْ ﴾ پھر ان میں بعض ﴿ مَّنْ ﴾ وہ ہیں ﴿ اٰمَنَ بِهٖ ﴾ جو اس پر ایمان لائے ﴿ وَمِنْهُمْ ﴾ اور ان میں سے بعض ﴿ مَّنْ ﴾ وہ بھی ہیں ﴿ صَدَّ عَنْهُ ﴾ جنھوں نے اس سے اعراض کیا ﴿ وَكَفٰی بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ﴾ اور کافی ہے جہنم بھڑکتی ہوئی آگ ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿ كَفَرُوْا ﴾ جنھوں نے انکار کیا ﴿ بِاٰیٰتِنَا ﴾ ہماری آیتوں کا ﴿ سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ ﴾ عنقریب ان کو داخل کریں گے ﴿ نَارًا ﴾ آگ میں ﴿ كُلَّمَا ﴾ جب کبھی بھی ﴿ نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ ﴾ جل جائیں گے چمڑے ان کے ﴿ بَدَّلْنٰهُمْ ﴾ ہم بدل دیں گے ﴿ جُلُوْدًا غَیْرَهَا ﴾ کھالیں ان کے علاوہ دوسری ﴿ لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ﴾ تاکہ وہ چکھیں عذاب کا مزہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ كَانَ ﴾ ہے ﴿ عَزِیْزًا ﴾ غالب ﴿ حَكِیْمًا ﴾ حکمت والا ﴿ وَالَّذِیْنَ ﴾ اور وہ لوگ ﴿ اٰمَنُوْا ﴾ جو ایمان لائے ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اُنھوں نے عمل کیے اچھے ﴿ سَنُدْخِلُهُمْ ﴾ عنقریب ہم انہیں داخل کریں گے ﴿ جَنّٰتٍ ﴾ ایسے باغوں میں ﴿ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا ﴾ بہتی ہوں گی ان کے نیچے ﴿ الْاَنْهٰرُ ﴾ نہریں ﴿ خٰلِدِیْنَ ﴾ رہا کریں گے ﴿ فِیْهَآ ﴾ ان باغوں میں ﴿ اَبَدًا ﴾ ہمیشہ ﴿ لَهُمْ فِیْهَآ ﴾ ان کے لیے ان باغوں میں ﴿ اَزْوَاجٌ ﴾ جوڑے ہوں گے

﴿مُطَهَّرَةٌ﴾ پاکیزہ ﴿وَّنُدۡخِلُهُمۡ﴾ اور ہم ان کو داخل کریں گے ﴿ظِلًّا﴾ ایسے سائے میں ﴿ظَلِيۡلًا﴾ جو گھنا ہوگا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَاۡمُرُكُمۡ﴾ حکم دیتا ہے تمھیں ﴿اَنۡ﴾ اس بات کا ﴿تُؤَدُّوا﴾ کہ ادا کرو تم ﴿الۡاَمٰنٰتِ﴾ امانتیں ﴿اِلٰۤى اَهۡلِهَا﴾ ان کے مالکوں کو ﴿وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ﴾ اور جب تم فیصلہ کرو ﴿بَيۡنَ النَّاسِ﴾ لوگوں کے درمیان ﴿اَنۡ تَحۡكُمُوۡا﴾ یہ کہ تم فیصلہ کرو ﴿بِالۡعَدۡلِ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿نِعِمَّا﴾ اچھی ہے وہ چیز ﴿يَعِظُكُمۡ بِهٖ﴾ جس کی تمھیں نصیحت کرتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿سَمِيۡعًا﴾ سننے والا ﴿بَصِيۡرًا﴾ دیکھنے والا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ﴾ اے وہ لوگو! ﴿اٰمَنُوۡۤا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿اَطِيۡعُوا اللّٰهَ﴾ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ﴾ اور ان کی جو تم میں سے حکم والے ہیں ﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ﴾ پس اگر تم جھگڑا کرو ﴿فِىۡ شَىۡءٍ﴾ کسی چیز میں ﴿فَرُدُّوۡهُ﴾ پس لوٹا دو اس کو ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَالرَّسُوۡلِ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ﴾ اگر ہو تم ﴿تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ﴾ ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿ذٰلِكَ خَيۡرٌ﴾ یہی بہتر ہے ﴿وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا﴾ اور بہت اچھا ہے انجام کے اعتبار سے۔

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے خاندان یعنی اولاد در اولاد کو کتابیں اور دانائی عطا فرمائی اور ﴿وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا﴾ "اور ہم نے ان کو بڑا ملک دیا۔" یعنی اقتدار، حکومت اور خلافت بھی دی۔ ان انعامات کے باوجود کچھ تو صحیح راستے پر قائم رہے اور کچھ بگڑ گئے۔

فرمایا ﴿فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ﴾ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائے۔ ہٖ ضمیر لوٹ رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل در نسل میں سے وہ بھی ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اعراض کیا، گریز کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے نیک لوگ بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور وہ بھی تھے جنھوں نے اعراض کیا کہ ایمان نہیں لائے ﴿وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا﴾ اور کافی ہے جہنم بھڑکتی ہوئی آگ۔ ﴿سَعِيۡر﴾ کے معنی ہیں شعلہ مارنے والی۔ دوزخ کے شعلوں سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ اس دنیا کی آگ میں لوہا اور بعض پتھر پگھل جاتے ہیں اور جہنم کی آگ اس سے انہتر گنا تیز ہوگی، اگر وہاں مارنا مقصد ہو تو ایک شعلہ ہی کافی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى﴾ "دوزخ میں نہ مرے گا نہ جیے گا۔" مرے گا تو اس لیے نہیں کہ پھر سزا کون بھگتے گا اور اس حالت کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین اور مسلمات کو جہنم کے عذاب سے بچائے۔ آمین!

اور یاد رکھنا! جہنم کا عذاب دور نہیں ہے بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے قبر میں پہنچنے کے بعد جنت، دوزخ سامنے آجائے گی۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا ﴿بِاٰیٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں کا ﴿سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا﴾ عنقریب ہم ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ﴾ جب کبھی جل جائیں گے چمڑے ان کے ﴿بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا﴾ بدل دیں گے ان کے لیے کھالیں ان کے علاوہ دوسری۔ یعنی فوراً ان کو دوسرے چمڑے پہنا دیے جائیں گے۔ کیوں؟ ﴿لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ کہ وہ چکھیں عذاب کا مزہ۔

دوسری جگہ قرآن میں آتا ہے ﴿یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ﴾ [پارہ:۱۷، الحج:۲۰] "ان کے سروں پر جلتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔" جب سر پر پانی ڈالا جائے گا تو سر سے لے کر پاؤں تک ساری جلد اُتر جائے گی۔ پھر آگ کے شعلے اس کے ساتھ چمٹائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان کا چمڑا ایک منٹ میں کتنی کتنی مرتبہ جلے گا اور دوسرا پہنایا جائے گا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ ﴿وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا﴾ [فاطر:۳۷] "وہ چیخیں ماریں گے، روئیں گے اور زاری کریں گے دوزخ میں۔" ﴿لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ﴾ [پارہ:۱۲، سورۂ ہود:۱۰۶] "دوزخ میں ان کی گدھے کی آوازیں ہوں گی۔" ﴿زَفِیْرٌ﴾ گدھے کی وہ آواز ہے جو شروع میں زور سے نکلتا ہے اور ﴿شَهِیْقٌ﴾ گدھے کی وہ آواز ہے جو آخر میں مدہم اور بہت آہستہ ہوتی ہے اور گدھے کی آواز کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ﴾ [پارہ:۲۱، سورۂ لقمان:۱۹] "تمام آوازوں میں بُری آواز گدھے کی ہے۔"

جہنمی جہنم میں بڑا واویلا کریں گے۔ کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ [پارہ:۱۸، سورۂ مومنون:۱۰۷] "اے ہمارے پروردگار! ہمیں دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم نے کفر و شرک اختیار کیا تو ہم ظالم ہوں گے۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اخْسَئُوْا فِیْهَا﴾۔ اِخْسَاء کے معنی ہیں کتے کو دھتکارنا۔ مطلب یہ ہے کہ دفع ہو جاؤ ﴿وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ اور میرے ساتھ گفتگو نہ کرو۔ کیونکہ میرے پیغمبر تمھارے پاس آئے، میری کتابیں تمھارے پاس پہنچیں اور حق کی آواز تمھارے کانوں تک پہنچائی گئی اس کے باوجود تم نے نہیں مانا۔ لہٰذا اب میرے ساتھ بات بھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مسلمانوں کو اس ذلت اور رسوائی سے محفوظ فرمائے، آمین۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہے غالب، حکمت والا۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی غلبہ نہیں حاصل کر سکتا اور ہر کام اس کا حکمت پر مبنی ہے۔

اچھے اعمال کا صلہ اور قبر کی حقیقت

یہ کافروں کے حشر کا ذکر تھا، آگے مومنوں پر عنایتوں کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُنھوں نے اچھے عمل کیے۔ صرف ایمان سے کچھ نہیں بنتا جب تک عمل ساتھ نہ ہو ﴿سَنُدْخِلُهُمْ﴾ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ باغات میں بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ رہا

کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جو خوش نصیب اور سعادت مند جنت میں داخل ہوگا وہ کبھی جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نیکوں کو جنت نصیب فرمائے، امین۔ اور بروں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے، امین۔

اور یہ جو قبر ہے جنت، دوزخ کا نمونہ ہے۔ بظاہر تو یہ مٹی کا ڈھیر ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ)). "قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔" اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ مومن کے لیے قبر ستر [۷۰] ہاتھ لمبی اور [۷۰] ستر ہاتھ چوڑی ہوجاتی ہے۔ یعنی بڑا ہال کمرہ بن جائے گا اور برے آدمی کے لیے قبر اس قدر تنگ ہوجاتی ہے کہ تَخْتَلِطُ أَضْلَاعُهٗ "اس کی دائیں جانب کی پسلیاں بائیں جانب میں اور بائیں جانب کی دائیں جانب میں گتھم گتھا ہوجائیں گی۔" بظاہر تو ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آتا اور اگر قبر میں جو کچھ ہوتا ہے ہمیں دکھا دیا جائے تو ہماری ساری زندگی بے لذت ہوجائے، اٹھنا بیٹھنا بے لذت ہوجائے، کھانا پینا بے لذت ہوجائے اور آدمی دنیا کا کوئی کام نہ کرسکے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے حق ہے اور ہمارے لیے ایمان بالغیب ہے۔ کچھ بھی نظر نہ آئے ہم نے ماننا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے آنکھیں بند کرکے اس کو قبول کرو۔

فرمایا ﴿لَهُمْ فِيْهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ جنتیوں کے لیے ان باغوں میں جوڑے ہوں گے۔ پاکیزہ عورتوں کے لیے مرد اور مردوں کے لیے عورتیں پاکیزہ اس طرح کہ بخاری شریف کی روایت ہے لَا يَبُوْلُوْنَ فِيْهَا وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَتَمَخَّطُوْنَ "نہ پیشاب کریں گے، نہ پاخانہ، نہ بلغم، نہ تھوکیں گے ناک سے، نہ منہ سے۔"

سوال کیا گیا حضرت! نہ وہاں پیشاب ہوگا، نہ پاخانہ تو کیا جنتی کھائیں پئیں گے کچھ نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک جنتی سو آدمیوں کے برابر کھائے گا۔ حضرت! پھر وہ جائے گا کہاں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو طریقوں سے ہضم ہوگا۔ ایک یہ کہ ان کے بدن سے خوشبودار پسینا نکلے گا کستوری کی طرح، جس سے ان کا کھانا ہضم ہوجائے گا اور دوسرا یہ کہ ڈکار آئیں گے جن کے ذریعہ کھانا ہضم ہوجائے گا۔ ﴿وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا﴾ اور ہم ان کو داخل کریں گے سائے میں، جو گھنا ہوگا۔ ہمیں تو یہاں سائے کی اتنی قدر نہیں ہے کیونکہ ایک تو ہمارا علاقہ بہ نسبت عرب کے ٹھنڈا ہے اور دوسرا یہ کہ یہاں درخت بہت ہیں اور ہمارے ہاں پانی بھی کافی ہے۔ ان کو پانی کی بھی قدر تھی اور درختوں کی بھی قدر تھی کہ سایہ دار درخت ان کو جنت لگتا تھا۔ لہٰذا ان کو سمجھایا کہ وہاں جاؤ گے تو بڑے گھنے سائے والے درخت ہوں گے اور پانی کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

امانت اور جھوٹ

فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں حکم کرتا ہے اس بات کا کہ تم امانتیں ادا کرو ان کے مالکوں کو۔ اگر کسی آدمی کے پاس کسی کی کوئی امانت ہے تو وہ اس کے حوالے کرے۔ برابر ہے کہ وہ امانت مال کی ہو

یا علم کی ہو یا مشورے کی ہو یا بات کی۔ امانت تو سارے ہی سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی شخص کے پاس مال امانت رکھا ہے تو صاحبِ مال جب طلب کرے وہ اس کے حوالے کرے اور اس کی اس حد تک حفاظت کرنی ہے کہ روپے والے بٹوے پر جو دھاگا بندھا ہوا ہے اس کو بھی تبدیل نہ کرے۔ جس طرح مالک نے پہنچائی ہے اسی طرح واپس کرے۔

اور مشورے کی امانت یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی مشورہ لیا گیا ہے تو اس کے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ اس کو بتا دے۔ اگر اس میں ہیرا پھیری کرے گا تو خائن ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْمُسْتَشَارُ أَمِيْنٌ "جس سے مشورہ طلب کیا گیا ہے وہ امین ہے۔" وہ مشورہ دینے میں خیانت نہ کرے۔

اور بات کی امانت اس طرح ہے کہ اگر کسی نے بات کرتے وقت دائیں بائیں دیکھا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ بات تیرے پاس امانت ہے۔ کیونکہ بات کرتے وقت اس کا دائیں بائیں دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس بات کو کوئی اور شخص نہ سنے اور اس کا کسی اور کو علم نہ ہو۔ تو وہ بات اگر تم نے کسی اور کے سامنے بیان کر دی تو خیانت ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ يَشْبَعُ الْمَرْءُ مَعَ كُلِّ خَصْلَةٍ إِلَّا الْكِذْبَ وَالْخِيَانَةَ "مومن آدمی میں ہر برائی کسی نہ کسی درجے میں ہو سکتی ہے مگر جھوٹ اور خیانت نہیں ہو سکتی۔" اگر کسی شخص میں جھوٹ ہے، خیانت ہے تو سمجھ لو کہ ایمان کی دولت سے محروم ہے۔

اس طرح آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت! مومن بزدل بھی ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں! کمزور ایمان ہو تو اس کے ساتھ بزدلی کی صفت بھی جمع ہو سکتی ہے۔ حضرت! کیا مومن بخیل بھی ہوتا ہے؟ ہاں! کامل مومن تو بخیل نہیں ہوتا مگر کمزور ایمان کے ساتھ بخل جمع ہو سکتا ہے۔ پھر سوال کیا گیا حضرت! کیا مومن جھوٹا بھی ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((كَلَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ)) "ہرگز نہیں! اس رب کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایمان اور جھوٹ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔" تو یاد رکھنا! جھوٹ چاہے مرد بولے یا عورت بولے ایمان کے بالکل خلاف ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امانتیں مالکوں کے حوالے کرو۔ اس آیت کریمہ کا شانِ نزول اس طرح آتا ہے کہ آٹھ [۸] ہجری رمضان المبارک کے مہینہ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اس وقت کعبۃ اللہ کی چابیاں عثمان ابن طلحہ حجبی کے پاس تھیں جو بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور ان سے چابیاں چھین لیں اور چھینی اس لیے کہ دسویں پارے میں آتا ہے ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ کہ کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کے متولی صرف متقی پرہیزگار ہیں۔ تو مشرک کس طرح اس کا اہل ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ اس وقت مشرک تھے بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گئے۔

وہ روتے روتے آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور کہنے لگے حضرت! کعبۃ اللہ کی چابیاں جدی پشتی ہمارے پاس چلی آرہی ہیں اور اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے چھین لی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے علی! کیا تو نے اس سے چابیاں چھینی ہیں؟ عرض کیا ہاں حضرت! چھینی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا

﴿الْمُتَّقُوْنَ﴾ اور یہ مشرک ہے اس کا کعبۃ اللہ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میں مسلمان ہوتا ہوں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہیں مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چابیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر ان کو دے دیں اور فرمایا: خُذُهَا خَالِدَةً تَالِدَةً "یہ چابیاں نسل در نسل تمھارے پاس ہی رہیں گی۔" اُنھوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بھائی شیبہ ابن طلحہ کو دے دیں۔

اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے ﴿اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا﴾ یہ کہ ادا کرو امانتیں ان کے اہل کو ﴿وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ﴾ اور جب تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان ﴿اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ یہ کہ فیصلہ کرو انصاف کے ساتھ ﴿اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ بے شک اچھی ہے وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ عدل سے کام لو، امانت ادا کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا۔ تمھاری باتوں کو سنتا بھی ہے اور تمھاری کارروائیوں کو دیکھتا بھی ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

شانِ نزول

اگلی آیت کریمہ کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کا ایک لشکر ایک محاذ پر بھیجنا چاہا، اس لشکر میں حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ بڑے قابل اور بڑے خوبصورت نوجوان تھے مگر طبیعت بڑی جذباتی تھی۔ لشکر بھیجتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس کو تمھارا امیر مقرر فرمایا ہے اس کی اطاعت کرنا تم پر فرض ہے۔

چنانچہ لشکر روانہ ہو گیا راستے میں ایک مقام پر امیر نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا، کام کیا تھا، اس کا ذکر نہیں ہے، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ کوئی حکم دیا مگر لشکر نے قیل وقال سے کام لیا۔ گرمی کی وجہ سے یا تھکے ماندے ہونے کی وجہ سے لشکر نے سستی کا مظاہرہ کیا تو اُنھوں نے حکم دیا کہ سارے اکٹھے ہو جاؤ۔ جب سارا لشکر اکٹھا ہو گیا تو کہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ میری اطاعت کرنا۔ لشکر نے کہا ہاں! حکم دیا تھا۔ کہنے لگے میں امیر ہونے کی حیثیت سے تمھیں حکم دیتا ہوں کہ جنگل سے خشک لکڑیاں جمع کرو۔ لشکریوں نے خشک لکڑیاں جمع کیں، ڈھیر لگا دیا، کہنے لگے اب تم ان کو آگ لگا دو۔ انھوں نے آگ لگا دی۔ جب شعلے بھڑک اُٹھے تو کہنے لگے کہ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ آگ میں چھلانگ لگا دو۔ بعض نے آگ میں چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا اور بعض رک گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ بھئی! آگ میں چھلانگ نہیں لگانی اس لیے کہ آگ سے بچنے کے لیے تو ہم نے کلمہ پڑھا ہے اگر کلمہ پڑھنے کے بعد بھی ہمارے لیے آگ ہے تو ہمیں کلمہ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ چنانچہ کسی نے بھی آگ میں چھلانگ نہ لگائی۔ کچھ دیر کے بعد ان کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بھی ٹھنڈی ہو گئی۔

مہم سے واپسی پر یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم آگ میں چھلانگ لگا دیتے تو یہ خودکشی ہوتی اور تم سارے دوزخ میں جاتے۔ اور فرمایا: لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس کے مقابلے میں ماں باپ، بادشاہ کا حکم ماننا ناجائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے جذبات میں آکر یہ بات کہہ دی تھی، حالانکہ جلیل القدر صحابی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب رومیوں کے ساتھ جنگیں ہو رہی تھیں، یہ بھی ان میں شریک تھے، ایک مقام پر یہ بھی گرفتار ہو گئے۔ دوسرے قیدیوں کے ساتھ جب ان کو ہرقل روم، قیصر جس کا لقب تھا، کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کی نظر جب ان پر پڑی کہ بڑا خوبصورت، صحت مند نوجوان ہے۔ اس نے ان سے گفتگو کی تو وہ بھی بڑی معقول تھی۔ تو ہرقل روم نے کہا برخوردار! تو اس طرح کر کہ تو عیسائی بن جا أُزَوِّجُكَ ابْنَتِيْ "میں تجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دوں گا وَأُشْرِكُكَ فِيْ مُلْكِيْ اور میں تجھے اپنی سلطنت میں شریک کرلوں گا۔" کوئی بڑا عہدہ دے دوں گا، یعنی وزارتِ عظمیٰ تیرے حوالے کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے الفاظ دہرانا تاکہ میں اچھی طرح سمجھ لوں کہ تم نے کیا کہا ہے۔ ہرقل روم نے اپنے الفاظ دہرائے کہ میں تجھے اپنی لڑکی کا رشتہ دینا چاہتا ہوں اور ملک میں بڑا عہدہ بھی دوں گا اگر تم عیسائی بن جاؤ۔ اُنھوں نے کہا کہ تم تو ایک علاقے کے بادشاہ ہو اگر تم ساری دنیا کے بادشاہ ہو جاؤ اور اپنا تاج اُتار کر میرے سر پر رکھ دو اور حکومت میں میرے کوئی اور شریک بھی نہ ہو پھر بھی میں عیسائیت قبول کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بڑے پختہ لوگ تھے۔

پھر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ لوہے کے بڑے بڑے کڑاہ جن میں گڑ بنایا جاتا ہے، ان میں تیل ڈالا ہوا تھا ایک ایک قیدی کو جلتے تیل میں ڈالتے تھے وہ پکوڑے کی طرح تلا جاتا تھا مگر ایمان سے کوئی نہ پھرا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے امتحان سے بچائے ہمارا ایمان بہت کمزور ہے۔ اسی وجہ سے ہم ایسی آزمائشوں میں نہیں آئے۔ پہلے زمانے میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ جن کو ناف تک زمین میں گاڑ کر سر پر آری رکھ کر مطالبہ ہوتا تھا کہ ایمان چھوڑ دو ورنہ ہم تمھیں آری سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیں گے وہ دو ٹکڑے ہو جاتے تھے مگر ایمان نہیں چھوڑتے تھے۔ اور ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جسم سے چمڑے اور گوشت ادھیڑ دیئے جاتے تھے صرف ہڈیاں رہ جاتی تھیں مگر ایمان نہیں چھوڑتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول ﷺ کی ﴿وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ اور ان کی جو تم میں سے حکم والے ہیں۔ لیکن ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ پس اگر جھگڑا کرو تم کسی چیز میں کہ تم کچھ کہتے ہو اور حاکم کچھ کہتا ہے ﴿فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ پس لوٹاؤ تم اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول ﷺ کی طرف۔ کیونکہ مسلمانوں کی آخری عدالت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اگر ہو تم ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر۔ اگر بادشاہ اور رعایا میں کوئی جھگڑا

ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو وہ جو فیصلہ فرمائیں اس کو قبول کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ فرمایا ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ یہی چیز بہتر ہے اور اچھی ہے انجام کے اعتبار سے کہ تم نے آخری عدالت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین!]

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا ﴿اِلَى الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿يَزْعُمُوْنَ﴾ جو خیال کرتے ہیں ﴿اَنَّهُمْ﴾ کہ بے شک وہ ﴿اٰمَنُوْا﴾ ایمان لائے ﴿بِمَآ﴾ اس چیز پر ﴿اُنْزِلَ﴾ جو نازل کی گئی ﴿اِلَيْكَ﴾ تیری طرف ﴿وَمَآ﴾ اور اس چیز پر ﴿اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ جو نازل کی گئی آپ سے پہلے ﴿يُرِيْدُوْنَ﴾ ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ﴾ اس کا ﴿يَّتَحَاكَمُوْٓا﴾ کہ اپنا فیصلہ لے جائیں ﴿اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ سرکش کی طرف ﴿وَقَدْ﴾ اور تحقیق ﴿اُمِرُوْٓا﴾ ان کو حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ﴾ اس کا ﴿يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ انکار کریں اس طاغوت کا ﴿وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ﴾ اور چاہتا ہے شیطان ﴿اَنْ يُّضِلَّهُمْ﴾ یہ کہ ان کو گمراہ کرے ﴿ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ گمراہی دور کی ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان کو کہا گیا ﴿تَعَالَوْا﴾ آؤ ﴿اِلٰى مَآ﴾ اس چیز کی طرف ﴿اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ ﴿رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ تو دیکھا آپ نے منافقوں کو ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْكَ﴾ اعراض کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ﴿صُدُوْدًا﴾ اعراض کرنا ﴿فَكَيْفَ﴾ پس کیسا ہوا ﴿اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ جب پہنچی ان کو مصیبت ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ اس سبب سے جو بھیجا آگے ان کے ہاتھوں نے (اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کے بدلے) ﴿ثُمَّ جَآءُوْكَ﴾ پھر آ گئے وہ تیرے پاس ﴿يَحْلِفُوْنَ﴾ قسمیں کھاتے ہیں ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ کی ﴿اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا﴾ نہیں ارادہ کیا تھا ہم نے مگر اصلاح کرنے کا اور دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿يَعْلَمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ جو ان کے دلوں میں ہے ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿وَعِظْهُمْ﴾ اور ان کو نصیحت کر ﴿وَقُلْ لَّهُمْ﴾ اور کہہ ان کو ﴿فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ ان کے نفسوں کے بارے میں ﴿قَوْلًا بَلِيْغًا﴾ ایسی بات جو ان کے دلوں کی تہہ تک پہنچے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول ﴿اِلَّا لِيُطَاعَ﴾ مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور اگر بے شک وہ لوگ

جنھوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر ﴿جَآءُوْكَ﴾ آتے تمھارے پاس ﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾ پس معافی مانگتے اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے معافی مانگیں ﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ﴾ البتہ پائیں وہ اللہ تعالیٰ کو ﴿تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

ان آیات میں ایک واقعہ کا بیان ہے۔ واقعہ سے قبل مدینہ طیبہ میں آبادی کی صورت حال سمجھ لیں۔ مدینہ طیبہ میں پانچ بڑے خاندان بستے تھے، تین یہود کے اور دو مشرکوں کے۔ یہود کے تین خاندان یہ تھے: بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع اور دو خاندان مشرکوں کے تھے، اوس اور خزرج۔ یہودی تعلیم یافتہ لوگ تھے مدینہ طیبہ میں ان کے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں تھیں، تجارت اور سیاست پر بھی ان کا قبضہ تھا اور ان کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ مدینہ طیبہ کی منڈی پر پچانوے فیصد یہود کا قبضہ تھا۔ ان کے مقابلے میں اوس اور خزرج کی بھی خاصی تعداد تھی مگر یہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھے اور تھے بھی اَن پڑھ۔ ان پر یہود کا یہاں تک اثر تھا کہ اوس اور خزرج کے کسی محلہ میں اگر کوئی بڑا یہودی ہوتا تھا تو یہ لوگ اس کی اجازت کے بغیر اپنے لڑکے، لڑکی کا نکاح نہیں کر سکتے تھے۔ پہلے اس سے پوچھتے تھے کہ ہم اپنے لڑکے، لڑکی کی فلاں جگہ نسبت کرنا چاہتے ہیں کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اوس اور خزرج خانگی معاملات میں بھی خود مختار نہیں تھے۔ اس حد تک یہود کا ان پر اثر تھا۔ اگر کوئی یہودی فاصلے سے بھی گزرتا تو یہ ضرور اُسے سلام کرتے تھے۔

مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی بھی زمینیں تھیں اور اوس اور خزرج کی بھی زمینیں تھیں جو ان کے پاس جدی پشتی چلی آرہی تھیں۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ بشیر نامی ایک منافق تھا، اس کا ایک یہودی کے ساتھ زمین کے سلسلہ میں جھگڑا ہوا۔ یہودی کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ زمین میری ہے اور اس منافق کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ زمین میری ہے۔ اس زمانے میں آج کی طرح رجسٹریاں تھیں نہ انتقال ہوتے تھے، جس کا جس زمین پر قبضہ ہوتا تھا اس کی سمجھی جاتی تھی۔ آج بھی کئی دیہاتوں میں لوگوں کے پاس مکان ہیں مگر ان کے پاس کوئی رجسٹری نہیں ہے فقط قبضہ ہے اور وہ جدی پشتی اس مکان میں رہتے ہیں۔ وہ اس کی ملکیت تصور ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کی بھی زمینیں اور مکانات تھے جس کا قبضہ ہوتا تھا وہی مالک سمجھا جاتا تھا۔ جس قطعۂ زمین پر جھگڑا ہوا حقیقت میں وہ یہودی کی تھی منافق کی نہیں تھی۔

جب ان کے درمیان جھگڑا ہوا تو آس پاس کے لوگوں نے صلح کرانے کی کوشش کی مگر صلح نہ ہو سکی۔ یہودی بڑا سمجھ دار تھا، کہنے لگا اگرچہ میں یہودی ہوں مگر میں تمھارے پیغمبر کے پاس جانے کے لیے تیار ہوں تم بھی چلو وہ جو فیصلہ کریں گے میں ماننے کے لیے تیار ہوں۔ کیونکہ یہودی یہ سمجھتا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حق ہی کا فیصلہ کرنا ہے وہ غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ زمین تو حقیقتاً میری ہے منافق سینہ زوری کر رہا ہے۔ منافق نے کہا تو نے تو ہمارے نبی کا کلمہ ہی نہیں پڑھا لہٰذا وہاں جانے کا کیا فائدہ؟ ہم تمھارے مولوی اور پیر کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔

کعب بن اشرف مدینہ طیبہ میں مذہبی اور سیاسی اعتبار سے یہودیوں کا بڑا آدمی تھا۔ یہودی نے کہا دیکھو! یہ کوئی مذہبی مسئلہ تو ہے نہیں کہ تو نے یہ مسئلہ اُٹھا دیا ہے، یہ تیرا میرا زمین کے متعلق جھگڑا ہے ہم کسی بھی شخص کے پاس لے جاسکتے ہیں اور مجھے تمھارے پیغمبر پر اعتماد ہے وہ جو فیصلہ فرمائیں گے ہم قبول کرلیں گے۔ لیکن منافق انکار کرتا رہا اور اس بارے میں بہت تکرار ہوئی۔ بالآخر برادری کے لوگوں نے اور کچھ محلہ داروں نے مداخلت کی اور منافق اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جائیں۔ چنانچہ بشیر نامی منافق اور اس کی برادری کے لوگ اور کچھ محلے دار اور وہ یہودی اور اس کے ساتھی آنحضرت ﷺ کی عدالت میں پہنچے۔ آنحضرت ﷺ عموماً فیصلے مسجد نبوی میں کرتے تھے کوئی ایک خاص جگہ فیصلوں کے لیے متعین نہ تھی۔ مثلاً: جس طرح آج کل دفاتر ہیں اس طرح کوئی الگ دفتر نہیں تھا۔ اگر کوئی شخص گھر آجاتا تو آپ ﷺ وہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ فرمادیتے یا کسی اور مناسب جگہ تشریف فرما ہوتے تو وہیں فیصلہ فرمادیتے، مگر عموماً فیصلے مسجد نبوی میں ہوتے تھے۔ سادہ زمانہ تھا، تکلفات نہیں تھے، آنحضرت ﷺ کی مجلس میں لوگ کثیر تعداد میں ہوتے تھے اپنے بھی ہوتے تھے اور غیر بھی آکر مسئلے اور فیصلے سنتے تھے۔ یہ لوگ آئے اور کہا کہ ہمارا ایک جھگڑا ہے اس کے فیصلے کے لیے ہم آپ کے پاس آئے ہیں آپ جو فیصلہ فرمائیں گے ہمیں منظور ہوگا۔

آنحضرت ﷺ نے اس منافق سے دریافت فرمایا کہ واقعی تمھارا آپس میں جھگڑا ہے؟ اُس نے کہا کہ ہاں واقعی جھگڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جو فیصلہ کردوں گا مانو گے؟ کہنے لگے: ہاں! ہم مانیں گے۔ جب دونوں فریقوں نے رضامندی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے دونوں کے بیانات سنے اور ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زمین کا مالک یہودی ہے اور حقیقتاً مالک تھا بھی وہی۔ بیانات سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دونوں کے بیان سن لیے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ زمین یہودی کی ہے۔ آپ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کردیا اور منافق کو فرمایا کہ تو قبضہ اس کو دے دے غیر کی ملک پر قبضہ بُری بات ہے۔

چور اور کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنے کی سزا

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی کسی کی ہتھیالی تو قیامت والے دن سات زمینیں اس کی گردن پر رکھی جائیں گی۔ اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کسی نے چوری کی تو جو مال چوری کیا ہے قیامت والے دن وہ مال اس کی گردن پر ہوگا اور وہ میدانِ محشر میں اُٹھائے پھرے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ حدیث سنائی تو ایک مسخرہ سا آدمی کہنے لگا کہ حضرت! ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے اُونٹ چرائے ہیں (فرض کرو پانچ، دس یا بیس) چنانچہ آج بھی لوگ ٹرکوں کے ٹرک بھر کے لے جاتے ہیں تو حضرت! اگر کسی نے پانچ، دس اُونٹ چرائے ہیں تو ان کو اس چھوٹے سے کندھے پر کس طرح اُٹھائے گا؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! جب میں آنحضرت ﷺ کی حدیثیں بیان کروں تو

ان کا مذاق نہ اُڑایا کر۔ پھر فرمایا کیا تو نے یہ حدیث سنی ہے یا نہیں کہ بعض مجرم ایسے بھی ہوں گے کہ ان کو اتنا چوڑا کر دیا جائے گا کہ تیز رفتار گھوڑا ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک تین دن میں نہ پہنچ سکے گا۔ پھر یہ بھی سنا ہے کہ بعض مجرموں کو اتنا چوڑا کر دیا جائے گا کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی۔ یعنی جتنی جگہ پر اُحد پہاڑ ہے اتنی جگہ ان کے بیٹھنے کے لیے ہوگی۔ پھر فرمایا اب بتا کہ اُونٹ اُٹھالے گا یا نہیں؟ اتنی گردن پر تو ہزاروں اُونٹ آجائیں گے۔

یاد رکھنا! ہر چیز آدمی عقل سے نہیں سمجھ سکتا۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ پل صراط أَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ وَأَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ مسلم شریف کی روایت ہے کہ پل صراط تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نیچے دوزخ کی آگ ہوگی۔ بھائی! عقل کو کہاں تک دوڑاؤ گے؟ اور وہ پل صراط مومنوں کے لیے اس طرح ہوگا جس طرح چوڑی سڑک بنی ہوئی ہو۔ کوئی تو بجلی کی طرح تیزی سے گزر جائے گا اور کوئی گھوڑے کی طرح تیزی سے گزر جائے گا، کوئی اُونٹ کی رفتار سے تیزی سے گزر جائے گا، جتنی جتنی کسی کے عمل میں قوت ہوگی اس کے مطابق وہاں سے گزرے گا۔

اسی طرح یہ بات بھی عقل کہاں تک تسلیم کرتی ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر [۶۹] گنا تیز ہوگی اور اس میں سانپ اور بچھو بھی ہوں گے اور زقوم کا درخت بھی اور درخت بھی ہوں گے اور جلیں گے نہیں۔ ساری باتیں عقل پر نہیں پرکھی جاسکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ صرف عقل پر انحصار کرتے ہیں وہ معجزات اور کرامات کے منکر ہیں۔ اور مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو چیز قرآن و حدیث سے ثابت ہو آنکھیں بند کر کے مان لے وہاں عقل کا کوئی کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوئے ہیں اور ولیوں کے ہاتھ پر کرامات، لیکن معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں نبی، ولی کا کوئی ذاتی دخل نہیں ہوتا۔

تو بات ہو رہی تھی کہ چوری کا مال آدمی میدانِ محشر میں کندھے پر اُٹھائے پھرے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے اراک کی مسواک بھی کسی سے ہتھیالی تو وہ جہنم میں جائے گا۔ جس طرح یہاں کیکر کا درخت ہے اسی طرح کا ایک [illegible] اراک [illegible] تا ہے جس کی لوگ مسواک بناتے ہیں، اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ سڑکوں اور نہروں کے کنا[illegible] ے پر جو درخت ہوتے ہیں یہ سرکاری ملکیت ہیں مجاز افسر کی اجازت کے بغیر ان درختوں سے مسواکیں کاٹنا جائز نہیں ہے۔ یہ مسواکیں بیچنے والے ان درختوں سے مسواکیں کاٹ کے لاتے ہیں اور روزوں میں آپ لوگ بھی کرتے ہیں یہ جائز نہیں ہیں۔

اسی طرح کسی شخص کی ذاتی زمین میں درخت ہوں تو مالک کی اجازت کے بغیر اس سے مسواک کاٹنا جائز نہیں ہے۔ غیر کی ملک سے مسواک لینا بھی بڑا سخت گناہ ہے۔ یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن میں بٹھائیں کہ غیر کی ملک میں تصرف ناجائز ہے۔

بات یہاں سے چلی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا کہ یہ زمین تیری ہے اور منافق کو

فرمایا کہ تو قبضہ دے دے۔ منافق کی کم بختی تھی کہ اس نے سوچا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ کا مصداق ہیں کہ وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں یہ یہودی ہے اور میں کلمہ پڑھنے والا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ میری طرف داری کریں گے۔ یہ اس کے ذہن میں غلط فہمی تھی۔ منافق نے یہودی سے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں ان کے سامنے مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ یہودی بڑا سمجھدار تھا، وہ سمجھتا تھا کہ بڑی عدالت سے جب فیصلہ ہو جائے تو ماتحت عدالت کیا کرے گی؟ کہنے لگا ٹھیک ہے چلتے ہیں۔

چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ہم ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ مجھے فیصلے کرنے کی اجازت ہے اور کتابوں میں تصریح ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت تھی کہ اگر تمھارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو تم فیصلہ کر سکتے ہو۔ کیونکہ تمام مقدمات میرے پاس آئیں گے تو اس میں کافی وقت لگتا ہے اور اتنا وقت نہیں ہوتا، کیونکہ اور بھی بہت سارے کام ہوتے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ مجھے فیصلہ کرنے کی اجازت ہے مگر یہ دوقومی بات ہے ایک طرف یہودی ہے اور ایک طرف کلمہ پڑھنے والا ہے ہوسکتا ہے کہ میں فیصلہ کروں اور یہودی بگڑ جائے اور فتنہ فساد برپا ہو اور فتنہ خواہ کیسا ہی ہو شریعت نے اس کی سخت تردید کی ہے اور لوگ نہیں سمجھتے خواہ مرد ہوں یا عورتیں، معمولی سی بات ہوتی ہے وہ آگے کر دیتے ہیں اور فتنہ برپا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے جن سے فتنہ کھڑا ہو۔

فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللهُ مَنْ أَيْقَظَهَا "فتنہ سویا ہوا ہے جو اس کو جگائے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔" تو فتنہ کھڑا کرنا بڑا جرم ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ "اور فتنہ قتل سے بھی سخت ہے۔" لہٰذا مردوں، عورتوں، چھوٹوں، بڑوں کو چاہیے کہ کوئی فتنے کی بات نہ کریں۔ کیونکہ قرآن اور حدیث کی رو سے یہ سنگین جرم ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مقدمہ مجھ سے بالا ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ۔ یہودی نے کہا کہ وہاں سے ہم ہو کر آئے ہیں اور آپ کے پیغمبر نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے پوچھا کہ وہاں گئے تھے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش کیا ہے؟ منافق نے کہا کہ جی ہاں! وہاں گئے تھے اور مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے فرمایا کہ اب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد فیصلہ چاہتا ہے؟ کہنے لگا: ہاں! فرمایا بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے گئے اور تلواروں میں سے جو سب سے تیز تلوار تھی، لائے اور منافق کا

سر اُتار دیا اور فرمایا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اس کا فیصلہ پھر عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار ہی کرے گی۔ تفسیر مدارک اور خازن وغیرہ میں ہے کہ اس دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق پڑ گیا کہ اُنھوں نے اپنے عمل سے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا۔ جب منافق بشیر کا سر اُتر گیا تو دوسرے منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت! ان کے پاس جانے کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہیں تھے۔ حضرت! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو رد کرنے کے لیے تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں گئے۔ وہاں جانے کا مقصد تو یہ تھا کہ کوئی صلح اور اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے گی، عمر رضی اللہ عنہ نے زیادتی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف ﴿يَزْعُمُوْنَ﴾ جو خیال کرتے ہیں ﴿اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا﴾ کہ بے شک وہ ایمان لائے ہیں ﴿بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے تیری طرف قرآن اور حدیث ﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے تیرے سے پہلے تورات، انجیل، زبور وغیرہ کہ ہم تمام کتابوں کو مانتے ہیں ﴿يُرِيْدُوْنَ﴾ ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا﴾ اس بات کا کہ اپنا فیصلہ لے جائیں ﴿اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ سرکش کی طرف یعنی کعب بن اشرف یہودی کی طرف ﴿وَقَدْ اُمِرُوْٓا﴾ اور بہ تحقیق ان کو حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ اس کا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں، سرکشوں اور نافرمانوں کا انکار کریں ﴿وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ﴾ اور چاہتا ہے شیطان ﴿اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ یہ کہ ان کو گمراہ کرے گمراہی دور کی ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان کو کہا گیا ﴿تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور آؤ رسول کی طرف ﴿رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ تو دیکھا آپ نے منافقوں کو ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ اعراض کرتے ہیں آپ سے اعراض کرنا۔ یہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔

﴿فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ پس کیا ہوا جب پہنچی ان کو مصیبت کہ بشیر کا سر قلم ہو گیا ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ اس سبب سے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے۔ یہ ان کے ہاتھوں کے اپنے کرتوت تھے جس کی سزا پائی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ عدالتِ عظمیٰ کے بعد اُنھوں نے ماتحت عدالت کی طرف رجوع کیا ﴿ثُمَّ جَآءُوْكَ﴾ پھر آئے وہ تیرے پاس ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ قسمیں اُٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ﴿اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا﴾ نہیں ارادہ کیا تھا ہم نے مگر دونوں کے درمیان اصلاح کرنے کا اور موافقت پیدا کرنے کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو رد کرنا مقصود نہیں تھا۔ مطلب یہ تھا کہ دونوں آپس میں اتفاق اور صلح کر لیں۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿وَعِظْهُمْ﴾ اور ان کو نصیحت کریں ﴿وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور کہہ ان کو ان کے نفسوں کے بارے میں ﴿قَوْلًا بَلِيْغًا﴾ ایسی بات جو ان کے دلوں کی تہہ تک پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے ان

کو سمجھانا اخلاص کے ساتھ ان کو سمجھادیں۔
آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول ﴿اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مُطاع ہوتا ہے ساری مخلوق اس کے مطیع ہوتی ہے، اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اگر ماتحت عدالت کی بات مانی جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ماتحت عدالت کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نافذ ہوتا۔ یہ بات تو اصول کے خلاف تھی۔ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور اگر بے شک وہ لوگ جب انھوں نے ظلم کیا جانوں پر ﴿جَآءُوْكَ﴾ آتے تمھارے پاس ﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾ پس وہ معافی مانگتے اللہ تعالیٰ سے۔ اس طرح کہ اپنا نفاق چھوڑ کر صحیح معنیٰ میں ایمان لاتے اور کہتے کہ حضرت! ہم نے منافقت ترک کر دی ہے اور دھڑا ختم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے لیے رب تعالیٰ سے معافی مانگیں ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ﴾ البتہ پاتے وہ اللہ تعالیٰ کو ﴿تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ ان کو تو اس طرح کرنا چاہیے تھا اُلٹا معاملے کو بدل کر آئے ہیں اور بہانے بناتے ہیں۔ لہٰذا وہ منافق ہی رہے۔

~~~

﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ پس قسم ہے تیرے رب کی ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے ﴿حَتّٰى﴾ یہاں تک کہ ﴿يُحَكِّمُوْكَ﴾ آپ کو منصف نہ بنائیں ﴿فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ اپنے تنازعات میں ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا﴾ پھر نہ پائیں ﴿فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ اپنے دلوں میں ﴿حَرَجًا﴾ کسی قسم کی تنگی ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز کے متعلق ﴿قَضَيْتَ﴾ جس کا آپ نے فیصلہ کیا ﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ اور تسلیم کریں کھلے دل سے ﴿وَلَوْ اَنَّا﴾ اور اگر بے شک ہم ﴿كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ﴾ لکھ دیتے ان پر ﴿اَنِ اقْتُلُوْۤا﴾ یہ کہ قتل کرو ﴿اَنْفُسَكُمْ﴾ اپنی جانوں کو ﴿اَوِ اخْرُجُوْا﴾ یا نکل جاؤ ﴿مِنْ دِيَارِكُمْ﴾ اپنے گھروں سے ﴿مَّا فَعَلُوْهُ﴾ تو یہ لوگ نہ کرتے اس کارروائی کو ﴿اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ مگر بہت تھوڑے ان میں سے ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ﴾ اور اگر بے شک وہ ﴿فَعَلُوْا﴾ کریں ﴿مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ اس چیز کو جس کی ان کو نصیحت کی جارہی ہے ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ البتہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوگا ﴿وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾ اور ہوگا زیادہ ثابت قدم رکھنے میں ﴿وَّاِذًا﴾ اور اس وقت ﴿لَّاٰتَيْنٰهُمْ﴾ البتہ ہم ان کو دیں گے ﴿مِّنْ لَّدُنَّاۤ﴾ اپنی طرف سے ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿وَّلَهَدَيْنٰهُمْ﴾ اور البتہ ہم ان کو ہدایت دیں گے ﴿صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ صراط مستقیم کی ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ﴾ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی ﴿وَالرَّسُوْلَ﴾ اور رسول کی ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس وہ لوگ ﴿مَعَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے ﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ﴿مِّنَ النَّبِيّٖنَ﴾
~~~

اللہ تعالیٰ کے نبی ﴿وَالصِّدِّيقِينَ﴾ اور صدیق ﴿وَالشُّهَدَاءِ﴾ اور شہید ہونے والے ﴿وَالصَّالِحِينَ﴾ اور نیک ﴿وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾ اور اچھا ہے ان لوگوں کی رفاقت حاصل کرنا ﴿ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے ﴿وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں بشیر نامی منافق اور یہودی کے درمیان زمین کے متعلق جھگڑے کا ذکر ہوا تھا کہ منافق آنحضرت ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا تھا، اس پر منافقوں نے احتجاج کیا کہ ہم مومن ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ نے مومن کو قتل کر دیا ہے حالانکہ وہ ایمان سے محروم تھے۔ اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کا معیار بیان فرمایا ہے، یعنی یہ آیت کریمہ ایمان کا مدار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ پس قسم ہے تیرے رب کی۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ لفظ قسم ہو یا حرفِ قسم ہو اور اس سے پہلے حرفِ لا آجائے تو وہ زائد ہوتا ہے، یعنی اس کا معنیٰ نہیں ہوتا۔ جیسے: سورۃ البلد میں آتا ہے ﴿لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ﴾ تو یہ ﴿لَا﴾ زائدہ ہے اس کا معنیٰ نہیں ہوگا۔ معنیٰ کریں گے: ”میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔“ اور یہاں بھی ﴿لَا﴾ کا معنیٰ نہیں ہوگا اور معنیٰ کریں گے: پس قسم ہے تیرے رب کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم اٹھاتے ہیں۔ کس بات پر؟ اس بات پر: ﴿لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ﴾ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو منصف نہ بنائیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب رب تعالیٰ یہ فرمار ہے ہیں تو اس سے زیادہ جاننے والا کون ہو سکتا ہے؟ اپنی ذات کی قسم اُٹھا کر فرماتے ہیں کہ یہ مومن نہیں بن سکتے جب تک اے نبی کریم (ﷺ)! آپ کو اپنا منصف اور حَکم نہ تسلیم کریں۔

حاکم اور حکم میں فرق

عربی زبان میں ایک ہوتا ہے حاکم اور ایک ہوتا ہے حَکَم۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ حاکم اُسے کہتے ہیں کہ جس کی بات ماننے پر آدمی مجبور ہوتا ہے، چاہے دل سے تسلیم کرے یا نہ کرے۔ جس طرح عدالتوں میں جج فیصلے کرتے ہیں، وہ ماننے پڑتے ہیں، چاہے آدمی دل سے راضی ہو یا نہ ہو۔ اور حَکَم اُسے کہتے ہیں جس کی بات پر آدمی دل سے راضی ہو۔ تو فرمایا ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ﴾ پس تیرے رب کی قسم ہے یعنی مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اپنا حَکم نہ تسلیم کریں۔ یعنی جب تک تیری بات کو دل سے نہ تسلیم کریں کس چیز کے بارے میں؟ ﴿فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ ہر اس چیز میں جو ان کے درمیان جھگڑا ہو، اختلاف پیدا ہو، برابر ہے کہ وہ اختلاف عقیدہ کا ہو یا عمل کا ہو، عبادت میں ہو یا معاملات میں ہو، نکاح، طلاق کا ہو، زمین کا ہو یا مکان کا ہو، کوئی بھی مسئلہ ہو، دینی ہو یا دنیاوی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے اپنی ذات کی قسم

ہے یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک تجھے اپنا حکم تسلیم نہ کریں۔ ﴿ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا﴾ پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی ﴿مِّمَّا قَضَیْتَ﴾ اس چیز کے متعلق جس کا آپ ﷺ نے فیصلہ کیا ہے ﴿وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ اور تسلیم کریں کھلے دل سے۔

ایمان کا معیار

اب ہمیں ٹھنڈے دل سے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیے اور اپنے گھروں میں جا کر غور و فکر کرنا چاہیے کہ قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں جو کچھ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا ہم اس کو بے قیل و قال تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی ہم آنحضرت ﷺ کے ہر فیصلے پر عمل کرتے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے یا کیا ہے ہم اس پر راضی ہیں، چاہے ہمارا نفس چاہے یا نہ چاہے۔ اگر واقعی ہم نے اپنا ظاہر، شکل و صورت، وضع قطع اور لباس آپ ﷺ کے فیصلے پر قربان کیا ہے تو پھر ہم مومن ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو بے شک ایمان کا دعویٰ کرتے پھریں، مومن نہیں ہیں۔ یہ آیت کریمہ معیار ہے۔ اپنے گھروں میں جا کر اچھی طرح ظاہر و باطن کو، قول و فعل کو اور معاملات کو اس پر پرکھو کہ واقعتاً یہ چیزیں ہم میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔

بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))۔ "تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والدین اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" یعنی اس کی محبت ماں باپ سے، اولاد سے، تمام انسانوں سے میرے ساتھ زیادہ ہو۔ محبتِ شرعی یہ ہے کہ ایک طرف ماں باپ کچھ کرتے یا کہتے ہیں یا اولاد کچھ کرتی یا کہتی ہے یا حاکم وقت ہے، وہ کچھ کرتا یا کہتا ہے یا کل کائنات ایک طرف ہے، وہ کچھ کرتے یا کہتے ہیں اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اور آپ ﷺ کا قول و فعل ہے، اگر آپ ﷺ کے قول و فعل کو تمام کائنات پر مقدم رکھتا ہے تو مومن ہے اور اگر ماں باپ کے مقابلے میں، اولاد کے مقابلے میں، حاکم کے مقابلے میں کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے مقابلے میں اگر آنحضرت ﷺ کے قول و فعل کو تسلیم نہیں کرتا، وہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق مومن نہیں ہے۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کو کیوں مستثنیٰ کیا ہے؟ مکمل ایمان تو حاصل نہ ہوا۔ کہنے لگے: حضرت! اب میں آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِذًا "اب بات بن گئی۔" تو مومن کے لیے ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قول و فعل کو تمام کائنات سے مقدم رکھے۔

منکرِ حدیث کافر ہے

اسی طرح بخاری شریف میں حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) "تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ شے پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے

لیے پسند کرتا ہے۔" دیکھو بھائی! اپنے لیے کھوٹی اور ادنیٰ چیز کون پسند کرتا ہے؟ اپنے لیے جھوٹ اور فریب کو کون پسند کرتا ہے؟ غیبت کو کون پسند کرتا ہے؟ اسی طرح اپنے لیے داؤ اور دھوکے کو کون پسند کرتا ہے کہ اس سے کوئی داؤ کھیلے یا دھوکا دے۔ اگر مومن ہے تو یہ چیزیں دوسرے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ ایمان کا دعویٰ کرنا بڑا آسان ہے مگر اس پر پورا اُترنا بڑا مشکل ہے۔ اور یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ منکر حدیث کافر ہے، مومن نہیں ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا ایمان میں دخل نہ ہوتا تو رب تعالیٰ اس طرح نہ فرماتے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ "پس تیرے رب کی قسم ہے کہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے ہر قسم کے تنازعات میں آپ ﷺ کو حکم اور فیصل تسلیم نہ کریں، آپ ﷺ کی بات نہ مانیں۔" تو معلوم ہوا کہ جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں وہ پکے کافر ہیں، بے شک وہ ایمان کا دعویٰ کرتے پھریں۔ کیونکہ حدیث بھی دین کا حصہ ہے۔

نوجوانو، یاد رکھنا! منکرینِ حدیث تمھیں دھوکا دیں گے اور کہیں گے حدیثیں ظنی ہیں۔ یعنی یقینی چیز کو ماننا چاہیے اور قرآن پاک یقینی ہے۔ بے شک یہ بات ٹھیک ہے کہ قرآن پاک یقینی ہے لیکن تمام احادیث کو ظنی کہنا بھی بالکل غلط بات ہے۔ کیونکہ احادیث متواتر بھی ہیں، لفظ کے اعتبار سے متواتر ہیں اور معنی کے اعتبار سے بھی متواتر ہیں، عمل کے لحاظ سے بھی متواتر ہیں، طبقے کے لحاظ سے بھی متواتر ہیں اور متواتر حدیث کا انکار اسی طرح کفر ہے جس طرح قرآن پاک کا انکار کفر ہے اور اکثر و بیشتر وہ احادیث جن کا اعمال کے ساتھ تعلق ہے وہ متواتر ہیں۔ ہاں! اگر حدیث خبر واحد ہے تو وہ ظنی ہے اس کا انکار کفر نہیں ہوگا، مگر گناہ ہے۔

فہم قرآن فہم حدیث پر موقوف ہے

اور یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ حدیث پاک کو تسلیم کیے بغیر قرآن شریف بھی سمجھ نہیں آسکتا۔ مثلاً: قرآن پاک میں آتا ہے ﴿أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ﴾ کہ نماز قائم کرو۔ مگر قرآن پاک میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ قائم کس طرح کرنا ہے اور تعداد رکعات کی بھی تفصیل نہیں ہے کہ فجر کی کتنی رکعتیں ہیں، ظہر کی کتنی رکعتیں ہیں، عصر کی کتنی ہیں اور مغرب اور عشاء کی کتنی رکعتیں ہیں اور جمعہ کی کتنی رکعتیں ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور دو تم زکوٰۃ۔ اس چیز کی تفصیل اور وضاحت قرآن پاک میں نہیں ہے کہ سونا کتنا ہو تو زکوٰۃ لازم ہے اور کتنی لازم ہے۔ اسی طرح رقم کتنی ہو تو زکوٰۃ لازم ہے اور کتنی ہے؟ یا اُونٹ، گائے، بھینس کتنی ہوں تو زکوٰۃ لازم ہے اور کتنی لازم ہے؟ یہ ساری تفصیل احادیث میں ہے۔ اگر احادیث نہیں مانو گے تو ﴿أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ﴾ پر کس طرح عمل کرو گے؟ ﴿اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ پر کس طرح عمل کرو گے؟ یا مثلاً: قرآن پاک میں آتا ہے کہ ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ "کہ جو حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے ہیں میرے گھر کا طواف کریں۔" لیکن یہ تفصیل قرآن پاک میں

نہیں ہے کہ طواف کہاں سے شروع کرنا ہے اور کہاں پر ختم کرنا ہے اور کتنے چکروں کا نام طواف ہے۔

اسی طرح قرآن پاک میں سعی بین الصفا والمروہ کا تو ذکر ہے لیکن اس بات کی تفصیل نہیں ہے کہ سعی کے کتنے چکر ہیں اور کہاں سے شروع ہوگی اور کہاں پر ختم کرنی ہے۔ تو اگر احادیث کا انکار کریں گے تو ان آیات پر کس طرح عمل کریں گے؟ کر ہی نہیں سکتے۔ یہ لوگ گمراہی کا راستہ کھولنے کے لیے حدیث کا انکار کرتے ہیں اور بہت سارے بے دین صحافی ان سے بڑی بڑی رقمیں لے کر بڑی تدبیر سے باطل عقیدے پھیلاتے ہیں۔ کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان درازی کرتا ہے اور ان سے اعتماد اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے، کوئی محدثین رحمہم اللہ پر اعتراض کر کے اعتماد اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے، کوئی ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام رحمہم اللہ پر برستا ہے اور ان سے اعتماد اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ حاشا وکلا! یہ سارے بڑے لوگ تھے اور ان کی وجہ سے ہمیں دین نصیب ہوا ہے، ان پر اعتماد کیے بغیر دین نہیں بچ سکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ﴾ اور اگر بے شک ہم ان پر لکھ دیتے ﴿اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ یہ کہ قتل کروا پنی جانوں کو رب تعالیٰ کی رضا کے لیے یا ہم یہ حکم لکھ دیتے ﴿اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ﴾ یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے ﴿مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ تو یہ لوگ نہ کرتے اس کارروائی کو مگر بہت تھوڑے ان میں سے۔ دیکھو! مثلاً: یہ حکم ہوتا کہ تم اپنے آپ کو قتل کر دو یا یہ حکم ہوتا کہ سامان سے بھرا گھر چھوڑ کر چلے جاؤ اور آج کے بعد اس کے ساتھ تمھارا کوئی تعلق نہیں ہے تو کس نے کرنا تھا؟ الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمھیں سخت احکام نہیں دیے۔

آگے فرمایا ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ اور اگر بے شک وہ کریں اس چیز کو جس کی ان کو نصیحت کی جارہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول اور فعل کو تسلیم کرو۔ اگر یہ ایسا کریں ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ البتہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوگا ﴿وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾ اور زیادہ سخت ہوگا ثابت قدم رکھنے میں۔ اس سے ان کا ایمان محفوظ رہے گا اور یہ ثابت قدم رہیں گے ﴿وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ﴾ اور اس وقت البتہ ہم ان کو دیں گے ﴿مِّنْ لَّدُنَّآ﴾ اپنی طرف سے ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اجر بہت بڑا۔ ایک بات اور ﴿وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ اور البتہ ہم ان کو ہدایت دیں گے صراط مستقیم کی، ایمان اور نیکیوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتا ہے اور سیدھی راہ پر چلاتا ہے، انسان اِدھر اُدھر بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے مگر شرط یہ کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں ان پر عمل کرے۔

آگے فرمایا ﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ﴾ پس وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے ﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے؟ آگے ان کا ذکر ہے ﴿مِّنَ النَّبِيّٖنَ﴾ اللہ تعالیٰ کے نبی۔ سب سے بڑا انعام اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ہے کہ ان کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی۔ لوگوں کی اصلاح کے لیے ان کو منتخب فرمایا۔ ان کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں گزری اور اللہ تعالیٰ کی جو معرفت ان کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نہیں ہے۔ اسی لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک نیکی اور صرف ایک عبادت ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دو اور ساری اُمت کی ساری نیکیاں ترازو کے

دوسرے پلڑے میں رکھ دو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نیکی وزنی اور بھاری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نماز ترازو کے ایک پلڑے میں اور ساری اُمت کی نمازیں دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نماز تمام سے بھاری اور وزنی ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک روزہ ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دو اور ساری اُمت کے سارے روزے دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک روزہ تمام اُمت کے روزوں سے بھاری اور وزنی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے عمل میں جو اخلاص اور للّٰہیت ہے وہ کسی اور کے عمل میں نہیں ہو سکتی۔ پیغمبر تو خیر بہت بلند ذات ہے۔

بخاری اور مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اُمتی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے اور میرا کوئی صحابی ایک مد خرچ کر دے اور نصف مد کے لفظ بھی آتے ہیں، مد پندرہ چھٹانک کا ہوتا ہے، تو نصف مد ساڑھے سات چھٹانک کا ہوا۔ یعنی تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو اور میرا صحابی ایک مد یا نصف مد جو، باجرہ، مکئی یا کوئی جنس خرچ کرے تو تم میرے صحابی کی ساڑھے سات چھٹانک کو نہیں پہنچ سکتے۔ اندازہ کریں کہاں سونا اور کہاں جوار، مکئی اور سونا بھی اُحد پہاڑ کے برابر۔ جن لوگوں نے حج یا عمرہ کیا ہے ان کو معلوم ہے کہ اُحد پہاڑ کتنا بڑا پہاڑ ہے اور جن لوگوں نے حج عمرہ نہیں کیا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے حج عمرہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) اور جا کے دیکھیں کہ اُحد پہاڑ بہت بڑا ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کتنا بڑا مقام ہے۔

روافض کا رد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے کے سارے اور تمام اہل بیت عظام ہمارے ایمان کا مدار ہیں ہم ان میں تقسیم نہیں کرتے ہم سب کو مانتے ہیں۔ زیادتی ان لوگوں کی ہے جو تقسیم کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، امام زین العابدین رضی اللہ عنہم وغیرہ سب کو مانتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں اور وہ ہمارے بزرگوں کو نہیں مانتے۔ پھر ضد کس کی ہوئی؟

بھائی! سیدھی سادی بات ہے کہ ایک فریق سب کو مانتا ہے، صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اور دوسرا فریق حصے کرتا ہے، کسی کو مانتا ہے اور کسی کو نہیں مانتا تو غلط کون ہوا؟ فساد برپا کرنے والا کون ہوا؟ میں آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ کوئی سنی ایسا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ مانتا ہو، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نہ مانتا ہو، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہ مانتا ہو، یا اہل بیت رضی اللہ عنہم کے کسی فرد کو نہ مانتا ہو، ان کی قدر نہ کرتا ہو۔ ہم تو ان سب کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے ہیں، زیادتی تو ان لوگوں کی ہے کہ اوّل بھی کافر، دوم بھی کافر، سوم بھی کافر، ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی کافر، عمر رضی اللہ عنہ بھی کافر، عثمان رضی اللہ عنہ بھی کافر (معاذ اللہ تعالیٰ)۔

یہ لوگ زیادتی کرتے ہیں اور تفرقہ پھیلاتے ہیں، ہمارے سب بزرگ ہیں، ہم سب کی قدر کرتے ہیں۔

تو جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے ان میں پہلے درجے میں انبیائے کرام علیہم السلام، دوسرے درجے میں صدیقین

ہیں۔ اس لیے فرمایا ﴿وَالصِّدِّيْقِيْنَ﴾ اور صدیق ہیں ﴿وَالشُّهَدَآءِ﴾ اور شہید ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والے ہیں ﴿وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ اور نیک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو ان کا ساتھ نصیب ہوگا ﴿وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ اور اچھا ہے ان لوگوں کی رفاقت حاصل کرنا۔ یعنی ان لوگوں کی رفاقت حاصل ہوجائے تو بہت اچھی بات ہے۔

یہ مطلب نہیں ہے جس طرح مرزائی کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوجائے گا۔ یعنی نبی بن جائے گا، صدیق بن جائے گا، شہید بن جائے گا، ولی بن جائے گا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

دیکھو! ترمذی شریف اور مسند احمد میں حدیث آتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "کہ جو تاجر سچا ہے اور امانت دار ہے قیامت والے دن نبیوں کے ساتھ ہوگا۔" تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تاجر نبی بن گیا؟ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوں گے وہاں ایسے تاجر کو آنے جانے کی اجازت ہوگی، کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ باقی جنت میں انبیائے کرام علیہم السلام کو جو مقام حاصل ہوگا وہ کسی اور کو نہیں مل سکتا۔ یہ جو اذان کے بعد دعا ہے اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ اِلٰى اٰخِرِه۔ اس میں وسیلہ کا لفظ آتا ہے۔ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت! وسیلہ کیا ہے؟ مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک کوٹھی ہے ایسی کہ اس سے بہتر کوئی کوٹھی جنت میں نہیں ہے، وہ کوٹھی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو نصیب ہوگی۔ فرمایا وہ بندہ میں ہوں۔

تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ جو اطاعت کرے گا اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوٹھی مل جائے گی۔ ﴿مَعَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی جب چاہے گا ملاقات کرے گا، جب چاہے گا دیدار کرے گا۔ ﴿ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا۔ وہ تمھارے ظاہر کو، باطن کو، نیتوں کو، کردار کو خوب جانتا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ﴾ اے وہ لوگو! ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ لے لو اپنے بچاؤ کا سامان ﴿فَانْفِرُوْا﴾ پس کوچ کرو ﴿ثُبَاتٍ﴾ گروہ در گروہ ﴿اَوِانْفِرُوْا﴾ یا کوچ کرو ﴿جَمِيْعًا﴾ اکٹھے ﴿وَاِنَّ مِنْكُمْ﴾ اور بے شک تم میں سے کچھ ﴿لَمَنْ﴾ وہ ہیں ﴿لَّيُبَطِّئَنَّ﴾ البتہ جو تاخیر کرتے ہیں ﴿فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ﴾ پس اگر پہنچے تمھیں ﴿مُّصِيْبَةٌ﴾ کوئی مصیبت ﴿قَالَ﴾ کہتے ہیں ﴿قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ﴾ تحقیق اللہ نے مجھ پر انعام کیا ہے ﴿اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ﴾ جب کہ نہیں تھا ان کے ساتھ ﴿شَهِيْدًا﴾ حاضر ﴿وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ﴾ اور اگر پہنچتا ہے تمھیں

﴿فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فضل ﴿لَيَقُوۡلَنَّ﴾ البتہ ضرور کہتا ہے ﴿كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ﴾ گویا کہ نہیں ہے ﴿بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ﴾ تمھارے اور اس کے درمیان ﴿مَوَدَّةٌ﴾ دوستی (کہتا ہے) ﴿يّٰلَيۡتَنِىۡ﴾ کاش کہ میں ﴿كُنۡتُ﴾ ہوتا ﴿مَعَهُمۡ﴾ ان کے ساتھ ﴿فَاَفُوۡزَ﴾ تو میں بھی کامیابی حاصل کرتا ﴿فَوۡزًا عَظِيۡمًا﴾ کامیابی بڑی ﴿فَلۡيُقَاتِلۡ﴾ پس چاہیے کہ لڑیں ﴿فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿الَّذِيۡنَ﴾ وہ لوگ ﴿يَشۡرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا﴾ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی کو ﴿بِالۡاٰخِرَةِ﴾ آخرت کے بدلے میں ﴿وَمَنۡ يُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ اور جو لڑے گا اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿فَيُقۡتَلۡ﴾ پس وہ قتل کیا جائے گا ﴿اَوۡ يَغۡلِبۡ﴾ یا غالب آئے گا ﴿فَسَوۡفَ نُؤۡتِيۡهِ﴾ پس عنقریب ہم دیں گے اس کو ﴿اَجۡرًا عَظِيۡمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿وَمَا لَكُمۡ﴾ اور تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿لَا تُقَاتِلُوۡنَ﴾ تم نہیں لڑتے ﴿فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿وَالۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ﴾ اور کمزور ﴿مِنَ الرِّجَالِ﴾ مردوں کی حمایت میں ﴿وَالنِّسَآءِ﴾ اور عورتوں کی حمایت میں ﴿وَالۡوِلۡدَانِ﴾ اور بچوں کی خاطر ﴿الَّذِيۡنَ﴾ جو ﴿يَقُوۡلُوۡنَ﴾ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَاۤ﴾ اے ہمارے پروردگار! ﴿اَخۡرِجۡنَا﴾ نکال ہمیں ﴿مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا﴾ اس بستی سے کہ اس کے رہنے والے ظالم لوگ ہیں ﴿وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا﴾ اور بنا دے ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی ﴿وَّاجۡعَلۡ لَّنَا﴾ اور بنا ہمارے لیے ﴿مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا﴾ اپنی طرف سے مدد کرنے والا ﴿اَلَّذِيۡنَ﴾ وہ لوگ ﴿اٰمَنُوۡا﴾ جو ایمان لائے ﴿يُقَاتِلُوۡنَ﴾ لڑتے ہیں ﴿فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يُقَاتِلُوۡنَ﴾ لڑتے ہیں ﴿فِىۡ سَبِيۡلِ الطَّاغُوۡتِ﴾ طاغوت کی راہ میں ﴿فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِيَآءَ الشَّيۡطٰنِ﴾ پس لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے ﴿اِنَّ﴾ بے شک ﴿كَيۡدَ الشَّيۡطٰنِ﴾ شیطان کی تدبیر ﴿كَانَ ضَعِيۡفًا﴾ ہے کمزور۔

حفاظتِ جان کی تاکید

اس سے قبل چار طبقوں کی معیت کا ذکر ہوا تھا کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اس کو نبیوں کی، صدیقین کی، شہداء کی اور صالحین کی معیت اور ساتھ حاصل ہوگا۔ چوں کہ شہیدوں کا بھی ذکر تھا، لہٰذا آگے جہاد کا بیان ہے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ﴾ لے لو اپنے بچاؤ کا سامان۔ یعنی دشمن کے مقابلے میں اپنی پوزیشن مضبوط کرو اور اپنے بچاؤ اور حفاظت کا ایسا طریقہ اختیار کرو کہ دشمن کی زد میں نہ آؤ۔

یہ آیات اگرچہ جہاد کے متعلق ہیں مگر مومن مرد ہو یا عورت، ان کے لیے شرعاً حکم ہے کہ جہاد کی حالت کے علاوہ بھی

اپنی جان کی حفاظت کرے۔ یہ جان کسی کی ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اور ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور امانت کی حفاظت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خودکشی حرام ہے اور خودکشی کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اپنی جان ضائع کی ہے کسی کا میں نے کوئی نقصان نہیں کیا۔ بھائی! یہ جان تیری نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جب میدانِ جہاد میں اللہ تعالیٰ کے دشمن کے مقابلے میں ہو، لڑائی جاری ہو تو پیٹھ پھیرنا حرام ہے۔ لڑنا ہے اپنا تحفظ کر کے اور عام حالات میں بلاوجہ جان ضائع کرنا حرام ہے۔

چند فقہی مسائل

اس سلسلے میں فقہی طور پر چند مسائل سمجھ لیں۔ سخت سردی کا موسم ہے اور آدمی کو سردی سے بچاؤ کی طاقت بھی حاصل ہے۔ مثلاً: گرم لباس پہننے کی، گرم جگہ میں رہنے کی، مگر سستی کرتا ہے اور سردی سے بچتا نہیں ہے اور اس کو بخار ہو جاتا ہے، نمونیا ہو جاتا ہے یا کوئی تکلیف ہو جاتی ہے تو یہ بیمار بھی ہوگا اور گنہگار بھی ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے رب تعالیٰ کی امانت کی حفاظت نہیں کی۔ اسی طرح سخت گرمی ہے اور یہ گرمی سے بچنے کی طاقت رکھتا ہے مگر کوشش نہیں کرتا، تکلیف ہوگئی ہے، تو گنہگار ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے رب تعالیٰ کی امانت کی حفاظت نہیں کی۔ اسی طرح اگر کوئی مرد یا عورت بوڑھا یا جوان سڑک کراس کرنا چاہتا ہے تو اسے اچھی طرح دیکھ کر گزرنا چاہیے تاکہ وہ بس وغیرہ کے نیچے نہ آجائے اگر بے احتیاطی سے گزرا اور کسی شے کے نیچے آ کر مر گیا تو یہ گنہگار ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مرد یا عورت ضرورت سے زیادہ جان بوجھ کر کھالے کہ جس کو ہضم نہ کرسکیں اور بدہضمی ہو جائے، تکلیف ہو جائے تو یہ گنہگار ہے کہ اس نے رب تعالیٰ کی امانت میں خیانت کی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اتنا تھوڑا کھاتا ہے کہ اُٹھ بیٹھ نہیں سکتا، نماز نہیں پڑھ سکتا، روزہ نہیں رکھ سکتا تو یہ گنہگار ہے۔ اس کو اتنا کھانا چاہیے کہ جس سے جسم کی قوت برقرار رہے اور یہ نماز پڑھ سکے اور روزہ رکھ سکے اور جس طرح جان کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح سامان اور مال کی بھی حفاظت ضروری ہے۔ شریعت نے ہر طرح کی ہدایات دی ہیں۔ عورتیں گھروں میں اپنا سامان رکھتی ہیں۔ مثلاً: زیور ہے، رقم ہے یا اور کوئی قیمتی چیز ہے تو اس کو حفاظت سے سنبھال کر رکھیں اور بچوں کو بھی نہ دکھائیں۔ کیونکہ بچوں کی بھی طبائع مختلف ہوتی ہیں، اگر بے احتیاطی کی وجہ سے نقصان ہو گیا تو نقصان الگ اور گناہ الگ۔ اس لیے کہ اس نے اپنی چیز کی حفاظت نہیں کی اور کھلے طور پر زیور رکھنا، گھڑی رکھنا یا کوئی قیمتی چیز رکھنا کہ جس کو آنے جانے والی عورتیں دیکھیں یا بچے دیکھیں اپنے یا غیر، یہ سخت گناہ ہے اور عورتیں پروا نہیں کرتیں پھر جب چیز ضائع ہو جاتی ہے تو ہر ایک پر شک کرتی ہیں اور الزام لگاتی ہیں کہ فلاں آیا تھا اور فلاں آئی تھی۔ اس طرح شک کرنا اور الزام لگانا بھی گناہ ہے۔ اس کے بعد بعض عورتیں فال نکلوانے کے لیے جاتی ہیں کہ میری فلاں چیز گم ہوگئی ہے، بتاؤ! کہاں ہے؟

فال نکلوانے کا حکم

تو فال کے متعلق بھی مسئلہ سمجھ لو۔ ترمذی شریف اور ابوداؤد شریف دونوں حدیث کی کتابیں ہیں، ان میں حدیث ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مَنْ أَتَى كَاهِنًا "جو مرد یا عورت فال نکالنے والے کے پاس گیا فَصَدَّقَهُ اور اس کی باتوں کی تصدیق کی فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ پس تحقیق اس نے کفر کیا اس چیز کا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔" یعنی وہ مرد بھی اور عورت بھی از روئے شرع کافر ہو گئے اور نکاح ٹوٹ گیا۔ اگر دوبارہ کلمہ پڑھ کر دوبارہ نکاح نہ کیا تو اولاد ولد الزنا ہو گی۔ لہٰذا فالیں نکلوانا حرام ہے اور مسلم شریف میں حدیث آتی ہے اگر کسی نے فال نکلوائی اور اس کی باتوں کی تصدیق کی، نہ فقط دل لگی کے طور پر ایسا کیا کہ دیکھو! کیا کہتا ہے تو ایسا کرنے سے چالیس دن کی نمازوں اور روزوں کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھیں، خصوصاً عورتیں۔

اور جو کام کرنے کا ہے وہ کرو کہ اپنی چیز کی حفاظت کرو۔ جس طرح دوسرے سامان کی حفاظت کرنی ہے اسی طرح جب مسجد میں آؤ تو اپنے جوتوں کی بھی حفاظت کرو، اگر حفاظت نہ کی اور چوری ہو گئی تو جوتی بھی گئی اور گناہ بھی لکھا گیا۔ دیکھو! میرا جوتا کافی پرانا ہے کئی سال ہو گئے ہیں بنوائے ہوئے اس کو، جو لے جائے گا بڑا بے وقوف ہو گا لیکن میں اس کی بھی حفاظت کرتا ہوں محض اس لیے کہ حکم ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے: اِجْعَلْ نَعْلَيْكَ تَحْتَ عَيْنَيْكَ "اپنی جوتیاں آنکھوں کے سامنے رکھنا یعنی ان کی حفاظت کرنا۔" اسی طرح کمبل، چادر، وغیرہ کوئی بھی قیمتی شے ہے، اس کی حفاظت کرو۔ بعضے غافل قسم کے نمازی وضو کرتے وقت گھڑی اُتار کر رکھ دیتے ہیں، عینک اُتار کر رکھ دیتے ہیں پھر جب کوئی اُٹھا کر لے جائے تو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

تو فرمایا ﴿خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ اپنے بچاؤ کا سامان لے لو۔ اپنی جان بچاؤ، مال کی حفاظت کرو، عزت کی حفاظت کرو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس وقت تم گھر میں داخل ہو تو دروازہ بند کر دو۔ کھلا ہو گا تو کتا، بلا اندر آ جائے گا۔ شریعت نے تمام چیزیں تفصیلاً بیان فرمائی ہیں تاکہ تمھیں کسی بھی مرحلے میں تکلیف نہ پہنچے۔

فرمایا ﴿فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا﴾ پس کوچ کرو گروہ در گروہ اکٹھے ثُبَاتٍ، ثُبَتَةٌ کی جمع ہے اور ثبتةٌ کا معنی ہے گروہ۔ یہ تمھاری صواب دید پر موقوف ہے تمھارا کمانڈر جس طرح حکم دے اس طرح کرو۔ اگر وہ کہے کہ تھوڑے تھوڑے جاؤ تو تھوڑے تھوڑے جاؤ جس طرح فوجی دستے جاتے ہیں اور اگر وہ کہے کہ اکٹھے جاؤ تو اکٹھے جاؤ۔ ﴿وَاِنَّ مِنْكُمْ﴾ اور بے شک تم میں سے کچھ ﴿لَمَنْ﴾ البتہ وہ ہیں ﴿لَّيُبَطِّئَنَّ﴾ البتہ جو تاخیر کرتے ہیں، لیٹ ہوتے ہیں، یہ منافقوں کی بات ہے۔ اسی لیے ﴿مِنْكُمْ﴾ فرمایا۔ کیونکہ کلمہ تو وہ بھی پڑھتے تھے، نمازیں بھی پڑھتے تھے، اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے تھے، مگر جب جہاد کا موقع آتا تھا ٹال مٹول کرتے تھے کہ کسی طرح ہماری جان بچ جائے۔

﴿فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ پس اگر پہنچے تمھیں کوئی مصیبت یا تم میں سے کچھ شہید ہو جائیں یا زخمی ہو جائیں یا شکست

ہو جائے ﴿قَالَ﴾ تو منافق کہتا ہے ﴿قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کیا ہے۔ کس طرح؟ ﴿اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا﴾ جب کہ نہیں تھا میں ان کے ساتھ حاضر۔ کیونکہ میں ساتھ ہوتا تو میں بھی مارا جاتا ﴿وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور اگر پہنچتا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فضل یعنی فتح حاصل ہوتی ہے، مال غنیمت ملتا ہے تو پھر ﴿لَيَقُوْلَنَّ﴾ البتہ ضرور کہتا ہے ﴿كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ﴾ گویا کہ نہیں ہے تمھارے اور اس کے درمیان دوستی۔ بے باک اور بے حیا ہو کر کہے گا ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ﴾ کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ ﴿فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ تو میں بھی کامیابی حاصل کرتا، کامیابی بڑی۔

یعنی جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے، مال غنیمت ہاتھ آتا ہے تو پھر کہتا ہے کاش! میں بھی ساتھ ہوتا تو ان چیزوں میں شریک ہوتا۔ تو ایسے لوگ بھی تھے اور ہیں کہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں، مگر ہیں منافق۔ ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ پس چاہیے کہ لڑیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ﴿الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ﴾ وہ لوگ جو بیچتے ہیں ﴿الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ﴾ دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے میں۔ یہاں ﴿يَشْرُوْنَ﴾ کا معنیٰ بیچنا ہے۔ تو جو دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے بیچتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑیں۔

فرضیتِ جہاد کی تفصیل

یادرکھنا! اگر جہاد نہ ہوتا تو مسلمانوں پر بہت سارے زوال آتے، کافروں کی ہمت بڑھ جاتی اور ان کے خیالات اور سے اور ہو جاتے۔ لہٰذا اپنا دفاع نہ کیا جائے تو پھر کچھ بھی نہیں ہے اور جہاد اپنے ملک میں ہو تو فرض ہے۔ مثلاً: ہندوستان یا اور کوئی ہمارے ملک پر حملہ کر دے تو فرضِ عین ہو جائے گا اور جب فرض عین ہو جائے تو پھر کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اولاد کو ماں باپ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح نماز فرض عین ہے، روزہ فرض عین ہے۔ لہٰذا ان چیزوں میں آدمی کسی سے اجازت لینے کا پابند نہیں ہے کہ یہ کام وہ ماں باپ سے پوچھ کر کرے یا عورت اپنے خاوند سے پوچھ کر کرے، بالکل نہیں۔ مسلمان مرد عورت جب عاقل بالغ ہو، اس پر نماز روزہ فرض ہے، از خود کرے۔

اور عام حالات میں اگر ملک سے باہر ہو تو فرض کفایہ ہے۔ جیسے: کشمیر ہے، عراق ہے، یا افغانستان وغیرہ ممالک میں ہو اور فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کر رہی ہے تو یہ دوسری کی طرف سے کفایت ہے، باقی گنہگار نہیں ہوں گے۔ جس طرح تبلیغ فرض کفایہ ہے۔ چوتھے پارے میں آتا ہے ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ "اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو لوگوں کو خیر اور بھلائی کی طرف دعوت دے۔ اور اگر کسی علاقے میں کوئی بھی تبلیغ نہیں کرے گا تو سارے گنہگار ہوں گے۔"

تو جہاد کی بات ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور جو لڑے گا اللہ تعالیٰ کی راہ میں

﴿فَيُقْتَلْ﴾ پس وہ قتل کیا جائے گا یعنی شہید ہوگا اور ﴿اَوْ يَغْلِبْ﴾ یا غالب آئے گا ﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ پس عنقریب ہم دیں گے اس کو اجر بہت بڑا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت میں سو سو منزلہ مکان ہوں گے اور جو شہداء ہیں وہ آخری منزل پر ہوں گے۔ جو لوگ چار پائی پر فوت ہوئے ہیں وہ شہید کے درجے کو دیکھ کر آرزو کریں گے لَوْ أَنَّ أَبْدَانَهُمْ قُرِضَتْ بِالْمَقَارِيْضِ "کاش! کہ ان کے بدنوں کو قینچیوں کے ساتھ کاٹ دیا جاتا۔" اور آج ہمیں بھی یہ مرتبہ اور مقام مل جاتا۔ شہید کا مقام بہت بلند ہے۔

اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً "جس آدمی کی موت اس حالت میں ہوئی کہ نہ تو اس نے جہاد کیا اور نہ جہاد کی نیت کی تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا، مردار موت مرا۔" اور ایک روایت میں ہے عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ "کہ وہ منافقت پر مرے گا۔" اور ساتھ خوش خبری بھی سنائی کہ جس شخص نے پختہ ارادہ کیا کہ اگر میری زندگی میں جہاد شروع ہوا تو میں ضرور جہاد کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ! فرمایا ایسا شخص چاہے طبعی موت بھی مرے بَلَّغَهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَآءِ "اللہ تعالیٰ اس کو شہید کے درجوں تک پہنچائے گا۔" کیونکہ اس نے نیت کر لی ہے اور اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیت کرے کہ جہاد شروع ہوا تو میں ضرور اس میں شرکت کروں گا۔

جہاد کی اقسام اور ترغیبِ جہاد

اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جہاد کا صرف یہی معنیٰ نہیں ہے کہ آدمی تلوار اور بندوق کے ساتھ لڑے بلکہ جہاد کے کئی شعبے ہیں۔ جو شخص مجاہدین کے ساتھ تعاون کرتا ہے، اسلحہ دیتا ہے، خوراک اور پوشاک کا انتظام کرتا ہے، وہ بھی مجاہد ہے اور جہاد میں شریک ہے۔ اور اس طرح عورتیں بھی جہاد میں شریک ہو سکتی ہیں کہ وہ مجاہدوں کے ساتھ مالی معاونت کریں، ان کی امداد کریں۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ)) "کہ تم مشرکوں کے خلاف جہاد کرو اپنی جانوں کے ساتھ، زبانوں کے ساتھ اور مالوں کے ساتھ۔" کلمۂ حق کہنا زبانی جہاد ہے۔ جو عورت گھر میں حق کی بات کرے، تبلیغ کرے، یہ مجاہدہ ہے۔ مجاہدوں کو رقم دے، یہ بھی مجاہدہ ہے۔ تلوار کا جہاد تو ایک طبقہ کرے گا اس کے جتنے معاونین ہوں گے وہ سارے جہاد میں شریک ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب دی ہے۔

فرمایا ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور تمھیں کیا ہو گیا ہے اے ایمان والو! ﴿لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تم نہیں لڑتے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ اور کمزور مردوں کی حمایت میں، عورتوں کی حمایت میں اور بچوں کی حمایت میں کیوں نہیں لڑتے ﴿الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ﴾ جو کہتے ہیں ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا﴾ اے پروردگار! نکال ہمیں ﴿مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا﴾ اس بستی سے کہ اس کے رہنے والے ظالم لوگ ہیں۔ جیسا کہ اس وقت کشمیر میں اسلام کی بیٹیاں پکار رہی ہیں اور

عراق میں، افغانستان میں، اے مسلمانو! ہماری عزت و آبرو ضائع ہو رہی ہے۔ بوڑھے آہ وزاری کر رہے ہیں، بچے واویلا کر رہے ہیں، عورتیں پکار رہی ہیں کہ ہمارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اے مسلمانو! تم کیوں نہیں لڑتے؟۔

ایک وقت تھا کہ تاجروں کا ایک وفد سبیلہ کے مقام پر کشتی سے اُترا۔ سندھ کے ڈاکوؤں نے ایک مسلمان عورت اغوا کر لی۔ اس عورت نے آواز لگائی یَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ! "اے مسلمانو! میں کافروں کے قبضے میں ہوں۔" یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ہوا کے ذریعہ اس کی آواز مرکز میں پہنچ گئی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کوئی بعید بات نہیں ہے اور ایک روایت کے مطابق زمینی راستہ سے اس کی آواز پہنچی۔ اس وقت حجاج بن یوسف کا بھتیجا محمد بن قاسم سترہ سال کا نوجوان تھا اس کو چھ ہزار فوج دے کر بھیجا گیا۔ جب تک اس نے مسلمان عورت کافروں سے رہا نہیں کرائی تب تک اس کو چین نہیں آیا۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ: اِمْرَأَةٌ سُبِيَتْ فِي الْمَشْرِقِ وَجَبَتْ عَلٰى أَهْلِ الْمَغْرِبِ أَنْ يُّخَلِّصُوْهَا "کوئی مسلمان عورت مشرق کے آخری کونے میں کافروں کے قبضہ میں ہو تو مغرب کی طرف رہنے والوں پر فرض ہے کہ وہ اس کو رہا کرائیں۔"

آج ہم سارے مسلمان خصوصاً اسلامی حکومتیں انتہائی بے غیرت ہو چکی ہیں۔ کیونکہ امریکہ بہادر نے چن چن کر ان پر حکمران مسلط کیے ہیں جو اس کے پٹھو ہیں۔ سوائے چند ملکوں کے جو اس کے پنجے میں نہیں آئے۔ تو اس کے منتخب حکمران اسلام کو برداشت نہیں کرتے۔ امریکہ نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے منصوبہ کی تیرہ شقیں بنائی ہیں کہ تیرہ شقوں میں مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے کہ مسلمان مسلمان نہ رہیں اور کسی بھی علاقے میں اسلام پھیلے تو اس کو کچل دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے شر سے عالم اسلام کو محفوظ فرمائے۔

کمزور مرد، عورتیں، مسلمان اور بچے کہتے ہیں اے پروردگار! ﴿وَاجْعَلْ لَّنَا﴾ اور بنادے ہمارے لیے ﴿مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا﴾ اپنی طرف سے کوئی حمایتی ﴿وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ اور بنادے ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مدد کرنے والا۔ مسلمانوں کو احساس کرنا چاہیے کہ وہ مظلوم ہو کر دعائیں کرتے ہیں اور تم اپنی خواہشات میں مست ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ وہ لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ﴾ وہ لڑتے ہیں طاغوت کی راہ میں ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ﴾ پس لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے۔ یاد رکھنا! اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ "کفر ایک ہی ملت ہے۔" چاہے کسی شکل اور رنگ میں ہوں، سب شیطان کے ساتھی ہیں ان سے لڑو۔

فرمایا ﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ بے شک شیطان کی تدبیر ہے کمزور۔ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں کس کی تدبیر چل سکتی ہے؟ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہو جائے۔ [آمین]

﴿اَلَمۡ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا تو نے ﴿اِلَى الَّذِيۡنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿قِيۡلَ لَهُمۡ﴾ جن کو کہا گیا ﴿كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ﴾ روکو اپنے ہاتھوں کو ﴿وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز کو ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور دو تم زکوۃ ﴿فَلَمَّا﴾ پس جو وقت ﴿كُتِبَ﴾ لکھا گیا، فرض کیا گیا ﴿عَلَيۡهِمُ﴾ ان پر ﴿الۡقِتَالُ﴾ لڑنا ﴿اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ﴾ اچانک ان میں سے ایک گروہ ﴿يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ﴾ ڈرنے لگا لوگوں سے ﴿كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ﴾ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے ﴿اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً﴾ یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرنا ﴿وَقَالُوۡا﴾ اور کہا اُنھوں نے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! ﴿لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ﴾ کیوں لکھا تو نے ہم پر لڑنا ﴿لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ﴾ کیوں نہ تو نے مہلت دی ہمیں ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ﴾ قریب تھوڑی مدت تک ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ﴾ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے ﴿وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ﴾ اور آخرت بہت بہتر ہے ﴿لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ اس شخص کے لیے جو ڈرتا ہے ﴿وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ﴾ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿فَتِيۡلًا﴾ دھاگے برابر بھی ﴿اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا﴾ جہاں بھی تم ہو گے ﴿يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ﴾ پالے گی تمھیں موت ﴿وَلَوۡ كُنۡتُمۡ﴾ اور اگرچہ ہو تم ﴿فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ ایسے قلعوں میں جو چونا گچ (مضبوط) ہیں ﴿وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ﴾ اور اگر پہنچے ان کو کوئی بھلائی اور راحت ﴿يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ﴾ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر پہنچے ان کو کوئی تکلیف ﴿يَّقُوۡلُوۡا﴾ کہتے ہیں ﴿هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ﴾ اے نبی! یہ تیری طرف سے ہے ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ﴾ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿فَمَالِ﴾ پس کیا ہو گیا ﴿هٰٓؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ﴾ اس قوم کو ﴿لَا يَكَادُوۡنَ﴾ نہیں قریب ﴿يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا﴾ کہ سمجھیں بات کو۔

آنحضرت ﷺ نے نبوت عطا ہونے کے بعد جب تبلیغ شروع فرمائی تو مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کلمہ پڑھا اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور نابالغ بچوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا۔ ابتدائی دنوں میں مشرکین مکہ دیکھتے رہے یہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ مگر جب اُنھوں نے سمجھ لیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں ہمارے سارے معبودوں کا رد ہے اور اس سے ہمارے عقیدے پر زد پڑتی ہے تو اُنھوں نے مخالفت شروع کر دی کیونکہ عقیدہ عقیدہ ہوتا ہے چاہے کسی کا سچا ہو یا جھوٹا ہو۔

قرآن کریم میں آتا ہے کہ ﴿اِنَّهُمۡ كَانُوۡۤا اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ﴾ [الصافات: ۳۵] ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی فریادرس نہیں ہے،

کوئی دستگیر نہیں، کوئی قانون ساز نہیں، کوئی حاکم نہیں ہے، صرف اللہ تعالیٰ ہے تو تکبر کرتے، اچھلتے کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے، کوئی نہیں ہے، نہ لات ہے، نہ منات ہے، نہ عزیٰ ہے، نہ ہُبل ہے۔ اور قرآن پاک میں یہ بھی آتا ہے، کہنے لگے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ [سورہ ص: ۵] کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا ہے۔ کہتا ہے کہ ایک ہی دستگیر ہے، ایک ہی حاجت روا ہے، ایک ہی فریاد رس ہے ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ [پارہ: ۲۳، سورہ ص] "یہ تو بڑی عجیب بات ہے جو اس نے کہہ دی ہے۔" یہاں تک کہ مشرک کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئے اور کہنے لگے ﴿هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ [سورہ ص: ۴] "یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے۔" العیاذ باللہ اور معاذ اللہ تعالیٰ کہتے تھے ﴿اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ [الحجر: ۶] "تو دیوانہ ہے۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کمزور ساتھی تھے ان پر ظلم کرنا شروع کر دیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا پاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دست درازی سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر عقبہ بن ابی معیط (کافر ملعون جو بدر کے موقع پر مارا گیا تھا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے مبارک سے چادر اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ڈال کر زور سے مروڑی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سانس رک جائے اور یہ قصہ ختم ہو جائے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عقبہ بن ابی معیط کو دھکا مارا اور کہا: أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا أَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ "او ظالمو! اللہ تعالیٰ کے بندے کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔" اس موقع پر حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے جواں سال بیٹے تھے، ان کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح توہین کی ہے اور یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے ہیں تو میدان میں نکل آئے اور مشرکوں کو للکارا۔ چونکہ کافروں کا غلبہ تھا اُنھوں نے حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ مردوں میں پہلے شہید حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں پہلی شہیدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں، ان کو ابوجہل نے نازک مقام پر برچھی مار کر شہید کر دیا تھا۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب یہ مظالم دیکھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ حضرت! ہمیں بھی ان کے ساتھ لڑنے کی اجازت دیں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ مکہ مکرمہ میں جہاد کی اجازت نہ دی گئی۔ تھوڑے سے مسلمان تھے، کعبۃ اللہ کے آس پاس کے محلے سارے کافروں سے بھرے ہوئے تھے، حکمتِ خداوندی یہ تھی کہ مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی طرف ﴿قِيْلَ لَهُمْ﴾ جن کو کہا گیا ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ روکو اپنے ہاتھوں کو یعنی لڑو نہ بلکہ ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز کو ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور دو تم زکوٰۃ۔ یہ کس نماز کا حکم تھا؟ اس کو سمجھ لیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبلِ نور کی چوٹی پر غارِ حرا میں نبوت ملی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر تشریف لائے تو احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی چوٹی پر پانی کا چشمہ ظاہر فرما دیا، حضرت

جبرئیل علیہ السلام نے وضو کیا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح وضو کرنا ہے اور نماز بھی بتائی۔ یہ نماز فرض نہیں تھی کیونکہ نماز فرض ہوئی ہے معراج کی رات۔ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو نمازیں پڑھتے تھے، ایک فجر کی اور ایک عصر کی، بلکہ چاشت کی نماز بھی تھی۔

نماز کا حکم

مطلب یہ ہے کہ نماز کا تصور اور طریقہ پہلی ہی وحی میں بتادیا گیا تھا اور یاد رکھنا! نماز تمام عبادات میں مقدم ہے۔ بہنیں بھی بیٹھی ہیں اور بیٹیاں بھی ان کو یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب بچے کی عمر سات سال کی ہو جائے لڑکا ہو یا لڑکی مُرُوْھُمْ بِالصَّلٰوۃِ ان کو نماز کا حکم دو۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ آگئی ہے کہ سات سال کی عمر سے پہلے بچوں کو نماز یاد ہونی چاہیے۔ کیونکہ نماز آئے گی تو پڑھیں گے۔ تو حکم ہے بڑوں کو کہ چھوٹوں کو نماز کا حکم دیں اگر حکم نہیں دیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اگر باپ حکم نہیں دیتا گنہگار ہے، ماں حکم نہیں دیتی گنہگار ہے، دادا، دادی زندہ ہیں، حکم نہیں دیتے گنہگار ہیں، بڑا بھائی، بڑی بہن ہے، اگر حکم نہیں دیتے گنہگار ہیں۔ گھر میں رہنے والے جتنے بھی بڑے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ جب بچہ بچی سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ "اپنے آپ کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔" لہٰذا اگر بڑے چھوٹوں کو نماز کا حکم نہیں دیں گے تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ آگے فرمایا: وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ "اگر لڑکا لڑکی دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہیں پڑھتے تو ان کو مارو۔" اور کتنا مارنا ہے؟ فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ اتنا مارو کہ بدن سے خون نکل آئے۔

نماز کا مسئلہ کتنا اہم ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی بالغ مرد و عورت سے دیدہ دانستہ ایک نماز رہ جائے تو وہ مرد و عورت کافر ہو گئے ہیں ان کا نکاح ٹوٹ گیا اور ان کی سزا قتل ہے، اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ اور شرعی عذر یہ ہے کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت ختم ہو گیا تو یہ معذور ہے۔ اب قضا کر لے یا بیمار ہے یا سفر میں ہے یا نسیان کا مریض ہے بھول جاتا ہے، یہ شرعی عذر ہیں، ان کے بغیر اگر جان بوجھ کر صرف ایک نماز چھوڑ دے، دو یا پانچ نہیں، تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کافر ہو گیا، نکاح ٹوٹ گیا اور اس کی سزا قتل ہے۔ اس کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کر دو۔

باقی تین امام فرماتے ہیں کہ اگر نماز کا منکر نہیں ہے اور کہتا ہے کہ نماز فرض ہے اور دیدہ دانستہ اس سے نماز رہ گئی ہے تو وہ کافر نہیں ہے مگر گنہگار ہے اور گنہگار کیسا ہے؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے اتنا سنگین جرم کیا ہے کہ اب یہ زندہ رہنے کا مستحق نہیں ہے اس کو قتل کر دو کہ زمین اس کے ناپاک وجود کو گوارا نہیں کرتی۔ لیکن یہ سزا تعزیری ہے۔ جس

طرح سعودیہ میں ہیروئین فروشوں کی سزا قتل ہے۔ یہ تعزیراً قتل کرتے ہیں، کافر سمجھ کر قتل نہیں کرتے، مجرم سمجھ کر قتل کرتے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہم مقلد ہیں اور حنفی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل نہ کرو بلکہ جیل میں ڈال دو اور جب تک کھلے طور پر اعلان نہ کرے کہ میں آئندہ کوئی نماز نہیں چھوڑوں گا اور گزشتہ کوتاہی پر توبہ نہ کرے جیل میں ہی رکھو یہاں تک کہ اس کا جنازہ جیل سے نکلے۔ یہ ساری گفتگو ایک نماز چھوڑنے کی ہو رہی ہے پانچ نمازیں چھوڑنے پر نہیں ہو رہی۔ اس سے تم اندازہ لگاؤ کہ ایک نماز چھوڑنے کا کتنا بڑا گناہ ہے۔ نماز چھوڑنا تو گناہ ہے ہی، بے وقت نماز پڑھنا بھی گناہ ہے۔

تاخیر سے نماز پڑھنے کا حکم

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بڑے چوٹی کے محدث گزرے ہیں انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "کتاب الروح"۔ اس میں اُنھوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بہت بڑے بزرگ تھے، ایک ان کی بیوی تھی، ایک نوجوان لڑکا تھا اور ایک جواں سال لڑکی تھی۔ یعنی مختصر سا گھرانا تھا اور سارے نمازی پرہیزگار تھے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ موت کا ذائقہ ہر نفس نے چکھنا ہے۔ وہ بزرگ فوت ہو گئے اور چند دنوں کے بعد جوان سال لڑکی بھی فوت ہو گئی۔ لوگوں نے جنازہ پڑھا کر بچی کو دفن کر دیا۔ جب واپس ہونے لگے تو دیکھا کہ بچی کی قبر سے آگ کے شعلے نکلنے شروع ہو گئے۔ سب لوگ حیران ہو گئے کہ بڑے نیک آدمی کی بیٹی تھی قصہ کیا ہوا؟

بیٹا گھر گیا اور تلوار پکڑ کر ماں کے سر پر کھڑا ہو گیا کہ مجھے بتا کہ میری بہن میں عیب کیا تھا؟ والدہ یہ سمجھی کہ چند دن پہلے اس کا باپ فوت ہو گیا تھا اور اب جواں سال بہن فوت ہو گئی ہے بے چارے کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا، بدحواس ہو کر اس طرح کر رہا ہے۔ والدہ بڑے حوصلے والی تھی، کہنے لگی بیٹا دیکھو! تیرا والد تھا اور میرا خاوند تھا، یہ تیری بہن تھی اور میری بیٹی تھی مجھے بھی تو صدمہ ہے، برداشت کر۔ لڑکے نے کہا امی! صدمے کی کوئی بات نہیں ہے مجھے یہ بتا کہ میری بہن میں عیب کیا تھا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا سب لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا کہ دفن کرنے کے بعد میری بہن کی قبر سے آگ کے شعلے نکلے ہیں۔ ماں نے کہا بیٹا! اس میں کوئی عیب نہیں تھا سوائے اس کے کہ نماز تاخیر سے پڑھتی تھی۔ علمائے وقت نے بتایا کہ یہی گناہ تھا۔ اس لیے بیٹیو! اپنا نظام الاوقات بناؤ اور نماز وقت پر ادا کرو۔ جب مستحب وقت داخل ہو جائے تو اس سے تاخیر نہ کرو، بڑا گناہ ہے۔

منافق کی نماز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِتَّقُوْا صَلٰوةَ الْمُنَافِقِ اِتَّقُوْا صَلٰوةَ الْمُنَافِقِ اِتَّقُوْا صَلٰوةَ الْمُنَافِقِ۔ "منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو۔" سوال کیا گیا کہ حضرت! منافق کی نماز کون سی ہے؟ فرمایا: منافق کی نماز یہ ہے کہ مثلاً: فجر کی نماز کا وقت اور یہ مزے سے سویا ہوا ہے، جب سورج نکلنے کا وقت قریب ہو گیا تو جلدی سے اٹھا اور مرغی

کی طرح چونچیں ماریں، ٹھونگیں ماریں، فرمایا: تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ " یہ ہے منافق کی نماز، یہ ہے منافق کی نماز، یہ ہے منافق کی نماز۔" اسی طرح مثلاً: عصر کا وقت ہو گیا اور یہ بیٹھا ہے اور شرعی عذر بھی کوئی نہیں ہے، سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو اُٹھ کر ٹکریں مارتا ہے، یہ منافق کی نماز ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ " جس شخص کی عصر کی نماز رہ گئی ہے یوں سمجھو کہ اس کا سارا گھر بھی لوٹا گیا اور گھر کے سارے افراد بھی مر گئے۔" اندازہ کرو کہ گھر کے سارے افراد اکٹھے مریں تو کتنا صدمہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی گھر کا سارا اثاثہ بھی لوٹا جائے یا جل جائے تو کتنا صدمہ ہوگا۔ اس لیے نمازوں کا خاص خیال رکھو۔

نمازوں کی قضاء

اور یہ مسئلہ بھی میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ اگر ایک نماز کسی مرد و عورت کے ذمہ ہے تو کروڑ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی اور نہ روزہ معاف ہوتا ہے جب تک ان کی قضا نہ کرو گے۔ لہٰذا اپنی اپنی نمازوں کا با قاعدہ حساب لگاؤ، کس تاریخ سے ہم بالغ ہوئے ہیں اور اب تک کتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں، ان کو ادا کرو۔

تمام ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اس بات پر متفق ہیں کہ نماز، روزہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے، ان کی قضا دینی پڑے گی اور نماز ایسی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے اور قیامت والے دن سب سے پہلا سوال نماز ہی کا ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلٰوةُ " پہلی وہ چیز جس کا بندے سے حساب ہوگا وہ نماز ہے۔" یعنی پہلا پرچہ ہی نماز کا ہے اگر نماز میں کامیابی ہوئی تو سمجھو کہ باقی چیزوں میں بھی کامیاب ہے اور اگر نماز ہی میں ناکام ہو گیا تو آگے کیا رہے گا۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں نماز کی بڑی تاکید آئی ہے اور فرمایا ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ نماز کو قائم کرو اور قیام کا مطلب ہے کہ نماز کے فرائض، واجبات اور مستحبات کا لحاظ کر کے پڑھو۔ قیام میں تمھاری نگاہ سجدے کی جگہ پر ہو اِدھر اُدھر نہ دیکھو۔ نہایت خشوع و خضوع اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو اور یہ سمجھ کر پڑھو کہ ہوسکتا ہے یہ میری آخری نماز ہو۔ حدیث پاک میں آتا ہے صَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ " یہ سمجھ کر نماز پڑھ کہ میری آخری نماز ہے۔"

﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور دو تم زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کے متعلق میں درس میں بھی بیان کرتا رہتا ہوں اور جمعہ میں بھی۔ زکوٰۃ مرد پر بھی فرض ہے اور عورت پر بھی، اگر صاحبِ نصاب ہوں۔ اور قمری سال کے اعتبار سے ادا کرنی ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے گزشتہ سال پانچ رمضان المبارک کو زکوٰۃ دی تھی تو اس سال پانچ رمضان المبارک کو پھر زکوٰۃ ادا کرو اور زکوٰۃ صاحبِ نصاب پر فرض عین ہے خود ادا کرنی ہے۔ اس سلسلے میں عورت اپنے خاوند سے پوچھنے کی پابند نہیں ہے اور بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو زیور استعمال میں ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ بلکہ اس میں بھی باقاعدہ زکوٰۃ ہے۔

چنانچہ ابوداؤد شریف اور دیگر احادیث کی کتابوں میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے

ہاتھ میں کڑے دیکھے تو فرمایا: کیا تو ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ حضرت! مجھے تو معلوم نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس کو پسند کرتی ہے کہ تجھے دوزخ کی آگ کے کڑے پہنائے جائیں۔

اسی طرح دو عورتیں آئیں، ماں بیٹی تھیں۔ بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کڑے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ قَالَتَا لَا اُنھوں نے کہا نہیں، ہمیں تو مسئلے کا علم ہی نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ تمھیں دوزخ میں ڈالا جائے اور دوزخ کے کڑے پہنائے جائیں؟ وہ بچی کڑوں کی خود مالک تھی اُتار کر پھینک دیے اور کہنے لگی حضرت! یہ میری طرف سے وقف ہیں جو چاہے اُٹھالے، میں دوزخ میں جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ﴾ پس جب لکھا گیا، فرض کیا گیا ان پر لڑنا ﴿اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ﴾ تو اچانک ان میں سے ایک گروہ ﴿يَخْشَوْنَ النَّاسَ﴾ ڈرنے لگا لوگوں سے ﴿كَخَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے ﴿اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرنا۔ یاد رکھنا! طبعی طور پر کسی چیز سے ڈرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ مثلاً: سانپ سے ڈرنا، چیتے سے ڈرنا، دشمن سے خوف کھانا، اس سے ایمان پر کسی قسم کی زد نہیں پڑتی۔

قرآن کریم میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس مصر تشریف لا رہے تھے اور راستے میں طور کے دامن میں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ بھی عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ﴾ اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ﴾ پھر جب دیکھا وہ حرکت کر رہی ہے ﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾ گویا کہ وہ سانپ ہے ﴿وَّلّٰى مُدْبِرًا﴾ تو پیٹھ پھیر کر چل پڑے ﴿وَّلَمْ يُعَقِّبْ﴾ اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیچھے نہ دیکھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آواز دی ﴿يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ﴾ اے موسیٰ! آگے آؤ ﴿وَ لَا تَخَفْ﴾ اور ڈرو مت ﴿اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ﴾ [پارہ:۲۰، سورۃ قصص] بے شک آپ امن پانے والوں میں سے ہیں اور دوسرے مقام پر ہے ﴿سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ [پارہ:۱۶، سورۃ طٰہٰ] آپ اس پر ہاتھ رکھیں ہم اس کو پہلے کی طرح لاٹھی بنا دیں گے۔ تو نبی کے ایمان سے زیادہ قوی ایمان کس کا ہو سکتا ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ سانپ وغیرہ سے خوف زدہ ہونے سے ایمان پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

﴿وَ قَالُوْا رَبَّنَا﴾ اور کہا اُنھوں نے اے ہمارے پروردگار! یہ منافقوں نے کہا، کیونکہ مدینہ طیبہ میں منافق پیدا ہو گئے تھے۔ کیا کہا؟ ﴿لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾ کیوں لکھا تو نے ہم پر لڑنا، جہاد کیوں فرض کیا؟ ﴿لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ کیوں نہ تو نے ہمیں مہلت دی تھوڑی مدت تک۔ ابھی ہم پر لڑائی فرض نہ ہوتی، کیونکہ لڑیں گے تو مارے جائیں گے، دنیا میں رہنے کا کچھ اور موقع ملنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم! آپ کہہ دیں ﴿مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے، کتنی دیر رہو گے؟ پانچ سال، دس سال، بچاس سال، سو سال، آخر مرنا ہے ﴿وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ اور آخرت بہت بہتر ہے اس شخص کے لیے جو ڈرتا ہے۔ تقوے کا معنیٰ ہے نافرمانی سے بچنا ﴿وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا دھاگے کے برابر بھی۔ ﴿فَتِيْلًا﴾ کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی کے اندر جو دھاگا ہوتا ہے۔ یعنی اتنا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

﴿اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا﴾ جہاں بھی تم ہو گے ﴿يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ﴾ پالے گی تمھیں موت۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا ﴿وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ اگر چہ ہو تم ایسے قلعوں میں جو چونا گچ ہیں۔ پہلے زمانے میں جو پختہ مکان بنائے جاتے تھے وہ چونے سے پختہ کیے جاتے تھے۔ یہ سیمنٹ تو ہمارے زمانے کی ایجاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا قلعہ تیار کرے جس کی دیواریں چونے سے بنی ہوئی ہوں بڑا مضبوط ہو کہ ہوا کے اندر جانے کی گنجائش بھی نہ ہو، اس میں چھپ کر بیٹھ جائے موت کا فرشتہ وہاں بھی پہنچ جائے گا۔ فرشتوں کے لیے دیواریں ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لیے ہوا ہے۔

دیکھو! ہم قبر پر کتنی مٹی ڈالتے ہیں ابھی لوگ وہیں کھڑے ہوئے ہیں کہ منکر نکیر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ بعض بچے ماں کے پیٹ میں فوت ہو جاتے ہیں بظاہر کوئی راستہ نہیں مگر فرشتہ وہاں بھی پہنچ کر جان نکال لیتا ہے، جس کا نہ ماں کو علم ہے اور نہ کسی اور کو۔

﴿وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ﴾ اور اگر پہنچے ان کو کوئی بھلائی اور راحت ﴿يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ﴾ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ منافقوں کی بات ہے جو بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں کو اگر کوئی راحت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر پہنچے ان کو کوئی تکلیف ﴿يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ﴾ کہتے ہیں اے نبی! یہ تیری وجہ سے ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)۔

﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ﴾ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ راحت بھی، تکلیف بھی ﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَاۤءِ الۡقَوۡمِ﴾ پس کیا ہو گیا ہے اس قوم کو ﴿لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا﴾ نہیں قریب کہ سمجھیں بات کو کہ اپنا قصور مان لیں کہ ہم منافق ہیں اور ہم نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا اور یہ ان کی شامت ہے۔ الٹا کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہمیں تکلیف پہنچی ہے، ان کی گنگا الٹی چلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نفاق سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ [امین!]

﴿مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ﴾ اے انسان! جو پہنچتی ہے تجھے کوئی راحت اور بھلائی ﴿فَمِنَ اللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿وَمَاۤ اَصَابَكَ﴾ اور جو پہنچتی ہے تجھے ﴿مِنۡ سَيِّئَةٍ﴾ کوئی تکلیف اور مصیبت ﴿فَمِنۡ نَّفۡسِكَ﴾ پس وہ تیرے نفس کی وجہ سے ہے ﴿وَاَرۡسَلۡنٰكَ﴾ اور ہم نے بھیجا ہے تجھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ﴿لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا﴾ تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ﴿مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ﴾ جو شخص اطاعت کرے گا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ﴿فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ پس بہ تحقیق اس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی ﴿وَمَنۡ﴾ اور وہ شخص ﴿تَوَلّٰى﴾ جس نے اطاعت سے روگردانی کی ﴿فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ﴾ پس نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ﴿عَلَيۡهِمۡ﴾ ان پر ﴿حَفِيۡظًا﴾ نگران ﴿وَيَقُوۡلُوۡنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿طَاعَةٌ﴾ ہمارا کام ہے اطاعت کرنا ﴿فَاِذَا بَرَزُوۡا﴾ پھر جب وہ نکلتے ہیں ﴿مِنۡ عِنۡدِكَ﴾ آپ کے پاس سے ﴿بَيَّتَ﴾ رات کو مشورے کرتا ہے ﴿طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ﴾

ایک گروہ ان میں سے ﴿غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ﴾ اس کے خلاف جو آپ ان کو کہتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَكْتُبُ﴾ اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے ﴿مَا يُبَيِّتُوْنَ﴾ جو مشورہ وہ رات کے وقت کرتے ہیں ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کرو ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنانے والا ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ کیا پس یہ لوگ قرآن کریم میں غور وفکر نہیں کرتے؟ ﴿وَلَوْ كَانَ﴾ اور اگر ہوتا یہ قرآن ﴿مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ﴿لَوَجَدُوْا فِيْهِ﴾ البتہ پاتے وہ اس میں ﴿اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ بہت سارا اختلاف۔

ربطِ آیات

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اس بات کا ذکر تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو منافق لوگ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی طرف کرتے۔ حالانکہ یہ بڑی قبیح بات ہے اور بے ادبی ہے۔ لہٰذا اگلی آیت کریمہ میں اس کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ﴾ اے انسان! جو پہنچتی ہے تجھے کوئی راحت اور بھلائی ﴿فَمِنَ اللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿مَا اَصَابَكَ﴾ میں خطاب ہے ہر انسان کو اور مقدر عبارت یوں بنے گی مَا أَصَابَكَ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مِنْ حَسَنَةٍ "جو پہنچتی ہے تجھے اے انسان! کوئی بھلائی۔" ﴿فَمِنَ اللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام اور اس کی مہربانی ہے ﴿وَمَا اَصَابَكَ﴾ اور جو پہنچتی ہے تجھے اے انسان! ﴿مِنْ سَيِّئَةٍ﴾ کوئی تکلیف اور مصیبت ﴿فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ وہ تیرے نفس کی وجہ سے ہے۔ اس میں تیرے کسی گناہ اور عیب کا دخل ہے۔ اور یہ عمومی ضابطہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر معصوم ہیں اور تکلیفیں ان کو بھی آئی ہیں تو وہ گناہوں کی وجہ سے تو نہیں آئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! یہ ارشاد فرمائیں کہ أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً "انسانوں میں سب سے زیادہ تکلیف کس کو پیش آئی ہے؟" فرمایا: اَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ "سب سے زیادہ تکلیفیں پیغمبروں کو پیش آئی ہیں، پھر ان کو جو درجے میں انبیائے کرام علیہم السلام کے قریب ہوتے ہیں۔" مثلاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھر ان کو جو ان کے قریب ہوتے ہیں۔ مثلاً: تابعین کو پھر ان کو جو ان کے قریب ہوتے ہیں۔ مثلاً: تبع تابعین کو يُبْتَلَى الرَّجُلُ قَدْرَ دِيْنِهٖ "امتحان لیا جاتا ہے آدمی کا اس کے دین کے مطابق۔" یعنی جتنا کسی میں دین ہوتا ہے اسی حساب سے اس کا امتحان ہوتا ہے۔ وہ لوگ دین میں بہت مضبوط تھے اس لیے ان کے امتحان بھی سخت تھے اور ہم لوگ کمزور اور ناتواں ہیں ہم ان امتحانوں کے اہل ہی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں امتحانوں سے محفوظ فرمائے۔

تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جو تکلیفیں آئی ہیں وہ کسی گناہ کے نتیجے میں نہیں ہوتیں کیونکہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں صغیرہ سے بھی اور کبیرہ سے بھی۔ پیغمبروں کی تکلیفیں ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہیں اور یہ اصولی مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

پیغمبروں کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے باقی ہر کسی سے کوئی نہ کوئی چھوٹی بڑی غلطی ہو جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات تو قرآن پاک میں موجود ہیں۔ مثلاً: اُحد کے معرکہ میں جو ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں پیش آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جان بچانے کے لیے پیٹھ پھیری اور بھاگ گئے۔ جب کہ میدانِ جنگ میں پیٹھ پھیرنا بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے جب کہ دشمن دُگنا ہو۔ اگر دشمن دُگنا سے زیادہ ہو پھر پیٹھ پھیرنا گناہ نہیں ہے۔ تو اُحد میں پیٹھ پھیرنے والے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ﴿اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ﴾ [آل عمران: ۱۵۳] "وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے جب تم پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور تم مڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔" اسی کو آگے فرمایا ﴿اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا﴾ "پختہ بات ہے کہ ان کو شیطان نے پھسلایا ان کی بعض کمائی کی وجہ سے۔" اور ساتھ ہی فرما دیا کہ ﴿وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُمۡ﴾ "اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔" جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ گناہ معاف کر دیا تو اس کے بعد ان کا کوئی گناہ نہ رہا۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ان کی صفائی بیان نہ فرماتے تو ان کی پوزیشن مخدوش رہتی مگر آج تک لوگ انہیں معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مثلاً: ان بھاگنے والوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے تو یہ لوگ جب ان پر طعن کرتے ہیں تو یہ بھی کہتے ہیں کہ دیکھو جی! وہ اُحد کے میدان سے بھاگ گئے۔ بھئی! ٹھیک ہے، بھاگ گئے تھے، یہ ان کا گناہ تھا، مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا تو اب ان کا یہ گناہ نہیں رہا۔ اس کے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا محض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی ہے۔

تکفیر روافض کی وجوہِ ثلاثہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں بہت بڑی شخصیت گزری ہے، علم کے لحاظ سے، تقویٰ وطہارت کے لحاظ سے، لوگوں کی اصلاح کے لحاظ سے، ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! یہ جو رافضی ہیں ان کے متعلق ہمیں صحیح صحیح بتائیں کہ ہم ان کو کیا سمجھیں؟ تو حضرت نے اس کا تحریری طور پر جواب دیا۔ فرمایا: ہماری ان لوگوں سے کوئی ذاتی رنجش نہیں ہے اور نہ ہی ان سے کوئی ذاتی دشمنی ہے کہ کوئی زمین کا تنازع ہو یا کوئی کاروباری رنجش ہو بلکہ یہ لوگ از روئے شرع تین وجوہ سے کافر ہیں:

❀...... ایک یہ کہ رافضی کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن کریم اصل نہیں ہے۔ اصل قرآن اور تھا موجودہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ لہٰذا جو شخص قرآن پاک کو صحیح نہ مانے اس کا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

❀...... ان کے کفر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ امام مانتے ہیں اور اماموں کو معصوم عن الخطا مانتے ہیں کہ وہ صغیرہ، کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں اور ان پر باقاعدہ وحی نازل ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اماموں کو معصوم ماننا اور ان کے متعلق یہ نظریہ رکھنا کہ ان پر باقاعدہ وحی نازل ہوتی ہے تو پھر نبوت ختم نہ ہوئی بلکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بارہ نبی اور پیدا ہو گئے اور جو ختم نبوت کا منکر ہے وہ کافر ہے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہندوستان میں بہت بڑی شخصیت تھے۔ اُنھوں نے اور ان کی صلبی اور روحانی اولاد یعنی شاگردوں نے جس طرح ہندوستان میں توحید وسنت کو پھیلایا اور شرک وبدعت کا قلع قمع کیا اور رسموں سے لوگوں کو نفرت دلائی یہ انھی کا کارنامہ ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر مراقبہ کیا اور کشف کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت! امامیہ رافضیوں کو کیا سمجھنا چاہیے؟ یعنی وہ رافضی جو بارہ اماموں کے قائل ہیں اُن کے متعلق کیا نظریہ رکھنا چاہیے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جھڑکا اور فرمایا: احمد! (یہ شاہ صاحب کا نام ہے، احمد بن عبدالرحیم) تو نے ان کے لفظ امام پر غور نہیں کیا کہ یہ امام کس کو کہتے ہیں؟ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تنبیہ کے بعد مجھ پر ان کی ساری حقیقت واضح ہوگئی کہ امام اسے کہتے ہیں جو معصوم ہوتا ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بارہ امام معصوم ہیں تو پھر نبوت تو ختم نہ ہوئی۔ لہٰذا یہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور کافر ہیں۔

❀...... اور ان کے کافر ہونے کی تیسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں اور اس سے قرآن کریم کا انکار لازم آتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا﴾ "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جگہ دی ہجرت کرنے والوں کو اور مدد کی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ یہی لوگ سچے مومن ہیں ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ [پارہ: ۱۰، الانفال: ۷۴] ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔" تو اس آیت کریمہ میں مہاجرین کا ذکر بھی آ گیا اور انصار کا بھی اور فرمایا کہ یہ پکے مومن ہیں۔ لہٰذا جو شخص مہاجرین میں سے یا انصار میں سے کسی کو مومن نہ سمجھے تو اس کا قرآن پر ایمان نہیں ہے اور جو قرآن پاک کا منکر ہے وہ کافر ہے۔

تو میں مسئلہ بیان کر رہا تھا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو جو تکلیف آتی ہے وہ کسی گناہ کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ امتحان ہوتا ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور ان کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کسی کو محفوظ رکھے تو وہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، باقی چھوٹی موٹی لغزشیں ہوتی رہتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تجھے جو راحت اور آرام پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور جو دکھ یا تکلیف پہنچتی ہے وہ تیرے کسی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔

آگے فرمایا ﴿وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا﴾ اور ہم نے بھیجا ہے تجھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے بھی پیغمبر دنیا میں تشریف لائے وہ مخصوص قوموں کے لیے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تبلیغ ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ [پارہ: ۱۲، سورۂ ہود] "اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی، اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی۔" اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے

انسانو! ﴿اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [پارہ:۹،سورۃ الاعراف] "بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔" بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کے بھی پیغمبر تھے۔

چنانچہ سورۂ رحمٰن میں انسانوں اور جنوں دونوں کا ذکر ہے ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ "اے انسانو اور جنوں کے گروہ!" اور سورۂ جن، پارہ:۲۹ میں بھی ذکر ہے ﴿قُلْ﴾ "اے پیغمبر! آپ فرمادیں ﴿اُوْحِيَ اِلَيَّ﴾ میری طرف وحی آئی ہے ﴿اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ جنوں کی ایک جماعت نے اس کتاب کو سنا ﴿فَقَالُوْٓا﴾ پس کہنے لگے ﴿اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا راستہ بتلاتا ہے، سوہم اس پر ایمان لے آئے۔" اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانوں اور جنوں سب کے پیغمبر ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اس وقت تک ہے جب حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے۔ اس وقت تک انسانوں اور جنوں میں جو بھی پیدا ہوگا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت قبول کرنے کا پابند ہے اور جنات میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی ہیں، ہندو بھی ہیں اور سکھ بھی، یہودی بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ جس طرح انسانوں میں کئی مذہب ہیں اسی طرح جنات میں بھی کئی مذہب ہیں۔

چنانچہ سورۂ جن میں آتا ہے ﴿وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ﴾ "اور بے شک ہم میں بعضے مسلمان ہیں ﴿وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ﴾ اور بعض گنہگار ہیں اور یہ بھی آتا ہے ﴿وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ﴾ اور بے شک ہم میں بعضے نیک ہیں ﴿وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اور بعض اور طرح کے ﴿كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا﴾ ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔" تو جنات کے بکثرت فرقے ہیں اور جنات ہیں بھی ہر جگہ اور یہاں درس میں تم سے کئی گنا زیادہ بیٹھے ہوں گے، یہ الگ بات ہے کہ ہمیں نظر نہیں آتے۔

مسئلہ: فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ نماز کے اختتام پر جب سلام پھیرتے ہو اس وقت یہ نیت کرو کہ میری دائیں جانب جتنے مرد عورتیں مسلمان ہیں یا جنات ہیں یا فرشتے ہیں سب کو سلام اور اس طرح جب بائیں جانب سلام پھیرو تو ان سب کی نیت کرو۔ اگر اکیلا پڑھ رہا ہے مرد ہے یا عورت، اس نے بھی یہی نیت کرنی ہے کہ میں ان سب کو سلام کہہ رہا ہوں۔

اور بعض جنات شرارتی ہوتے ہیں وہ انسانوں کو تکلیف بھی پہنچاتے ہیں۔ اور یاد رکھنا! مسلمان کو اتنا ضعیف الاعتقاد نہیں ہونا چاہیے کہ تھوڑی سی تکلیف آئے تو کہے مجھے جنات چمٹ گئے ہیں۔ خصوصاً عورتیں بڑی وہمی ہوتی ہیں کہ تھوڑی سی تکلیف لمبی ہوجائے تو کہتی ہیں کہ کسی نے میرے اُوپر جادو کردیا ہے اور گھر میں کوئی عورت آ کے چلی جائے اور اس کے بعد کوئی تکلیف ہوجائے تو فوراً اس سے کڑی ملائیں گی کہ فلاں پھیرا مار گئی ہے جس کی وجہ سے یہ تکلیف آئی ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ کسی کے آنے سے تکلیف آئے۔ یہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔ جنات کے چمٹنے اور جادو سے انکار نہیں ہے مگر سو میں سے ایک آدھ واقعہ جنات کا اور ایک آدھ واقعہ جادو کا ہوتا ہے اتنا نہیں جتنا لوگوں نے ذہن بنالیا ہے اور ہر معاملے کو اس کے ساتھ جوڑنا شروع کردیا ہے۔ حاشا وکلا! یہ شرک کی ایک قسم ہے، ان توہمات سے بچو۔ مسلمان کا عقیدہ بڑا پختہ ہونا چاہیے۔ تکلیف سے کون بچا ہوا ہے؟ تکلیفیں بڑوں کو بھی ہوتی ہیں، بچوں کو بھی ہوتی ہیں، ہماری خوراک کیا ہے اور کیسی ہے؟ کوئی چیز کھری ملتی نہیں پھر صحت بھی

ایسی ہی ہوگی۔ طبعی طور پر تکلیفیں انہی چیزوں کا نتیجہ ہیں۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں اور جنات کے لیے رسول ہیں۔ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ۔ ہمارے ظاہر و باطن کے سب حالات اس کے سامنے ہیں۔ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ﴾ جو شخص اطاعت کرے گا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ﴿فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ پس بہ تحقیق اس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [پارہ: ۲۱، سورۃ الاحزاب] "البتہ تحقیق تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔" کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کیا ہے وہ کرو اور جس سے منع فرمایا ہے اس کے قریب نہ جاؤ۔

اقسامِ سنت

اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کام کیے ہیں وہ اصولی طور پر دو قسم کے ہیں۔ ایک سنت مؤکدہ ہیں اور دوسری سننِ ہدیٰ ہیں، ہدایت کی سنتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کام دینی اعتبار سے کیے ہیں اور کرنے کا حکم دیا ہے ان کا کرنا ہم پر لازم ہے اور جو کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طبعی طور پر کیے ہیں یا فرمائے ہیں ان کاموں میں اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے تو ثواب ہوگا اور اگر نہیں کرے گا تو گرفت نہیں ہوگی۔ مثلاً:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کی روٹی کھائی ہے۔ تو اس وقت ہم میں کتنے آدمی ہیں جو جَو کی روٹی کھاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گدھے پر سوار ہوئے ہیں ہم میں سے گدھے پر سوار ہونے والے کتنے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی اور ہمارے ہاں ایک رات روشنی نہ ہو تو قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موٹے کپڑے پہنے ہیں جو دستی کھڈیوں پر بنے جاتے تھے تو ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جو صرف موٹے کپڑے پہنتے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبعی باتیں تھیں، کھانے پینے کی، اُٹھنے بیٹھنے کی، ان میں اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے گا تو ثواب ملے گا اگر نہیں کرے گا تو کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

اپنے ملک کے لحاظ سے، علاقے کے لحاظ سے جو لباس پہنے اس پر شرعی طور پر کوئی پابندی نہیں ہے بشرطیکہ اس سے جسم چھپ جائے۔ اسی طرح جس رنگ کا لباس پہنے اجازت ہے، سوائے زعفرانی رنگ کے اور اصفر کے رنگ کے اور ورس کے رنگ کے کہ یہ مردوں کے لیے جائز نہیں۔ باقی ہر رنگ کا لباس پہن سکتا ہے بشرطیکہ وہ کسی قوم کا شعار اور علامت نہ ہو۔ کیونکہ پھر وہ اس قوم کے ساتھ تشبیہ ہوگی۔ جیسے: کالا لباس ہے۔ اُصولی طور پر اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر محرم کے مہینے میں رافضی پہنتے ہیں لہٰذا محرم کے مہینے میں نہیں پہننا چاہیے۔ کیونکہ یہ ان کی علامت اور نشانی ہے۔ اور اس کے علاوہ پہن سکتا ہے۔ کیونکہ جو شخص کوئلے کے کارخانے میں کام کرتا ہے، کوئلے اُٹھاتا ہے وہ کالا لباس نہیں پہنے گا تو کیا کرے گا؟ تو بہر حال جس لباس

میں غیر مسلموں سے تشبیہ ہو وہ نہ پہنے۔ اگر ایسی بات نہ ہو تو کوئی پابندی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جس طرح کی ٹوپیاں قراقلی بہت سے لوگوں نے پہنی ہوئی ہیں یہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں۔ ٹھنڈے علاقے کے لوگ یہ پہنتے تھے۔ تو ملکی لباس پہننا جو غیر مسلموں کی علامت نہ ہو، جائز ہے۔

البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس کو پسند فرماتے تھے اور فرمایا کہ سفید لباس پہنو اور اسی میں مردوں کو کفن دو۔ لہٰذا سفید رنگ کا لباس مستحب ہے لیکن دوسرے رنگ کا لباس بھی پہن سکتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں کَانَتْ عَلٰی رَأْسِهٖ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ. اسی طرح سفید پگڑی بھی پہن سکتے ہیں، سبز رنگ کی پگڑی بھی پہن سکتے ہیں، کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض لوگ غلو سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے رنگ کا کپڑا پہنا ہے اور کہاں تک ہوتا تھا؟ بھائی! یہ طبعی چیزیں ہیں، شرعی طور پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ ہاں! اتنی بات ہے کہ شلوار ٹخنوں سے نیچے نہیں ہونی چاہیے۔

تو فرمایا کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ﴿وَمَنْ تَوَلّٰى﴾ اور جس شخص نے اطاعت سے روگردانی کی، منہ موڑا ﴿فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ پس نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے سمجھا دینا۔ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ﴾ اور کہتے ہیں ہمارا کام ہے اطاعت کرنا۔ یہ منافقوں کا ذکر ہے۔ جب وہ آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تو کہتے کہ حضرت! ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور آپ کو راضی کرنے کے لیے حاضر ہیں ﴿فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ﴾ پھر جب وہ نکلتے ہیں آپ کے پاس سے یعنی آپ کی مجلس سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ﴿بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ﴾ رات کو مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے ﴿غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ﴾ اس کے خلاف جو آپ ان کو کہتے ہیں۔ مثلاً:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں طے کیا کہ فلاں مقام پر جہاد کے لیے آدمیوں کو بھیجنا ہے، فلاں کام اس طرح کرنا ہے اور فلاں کام اس طرح کرنا ہے مگر ان منافقوں کی مرضی نہیں ہوتی تو یہ جا کر رات کو مشورہ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو کس طرح ٹالنا ہے؟ کس بہانے سے ہماری جان بچ سکتی ہے؟ اور مجلس میں بڑھ چڑھ کر باتیں کریں گے۔ ﴿وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے جو مشورے وہ رات کے وقت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود تو نہیں لکھتا اس نے فرشتے مقرر فرمائے ہوئے ہیں وہ نامۂ اعمال لکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ ایک فرشتہ دائیں کندھے پر بیٹھا ہے اور ایک بائیں پر بیٹھا ہے۔ رات والے فرشتے صبح کی نماز کے وقت چلے جاتے ہیں اور دن کی ڈیوٹی والے آجاتے ہیں۔ یہ عصر کے وقت چلے جاتے ہیں اور رات کی ڈیوٹی والے آجاتے ہیں۔ مثلاً:

صبح کی نماز جب یہاں شروع ہوئی ہے تو اس محلے کے سارے فرشتوں کی ڈیوٹی بدل گئی۔ اس طرح جب اس مسجد میں عصر کی نماز شروع ہوگی تو اس محلے کے دن والے فرشتے چلے جائیں گے اور رات کو دوسرے آجائیں گے۔ ان فرشتوں کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ "کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان

اس کے پاس تیار رہتا ہے۔" انسان جو بات منہ سے نکالتا ہے وہ لکھ لیتے ہیں اور جو فعل کرتا ہے اس کو بھی لکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے آنکھ یا ہاتھ سے نیکی، بدی کا اشارہ کیا تو وہ بھی لکھ لیتے ہیں۔ قیامت والے دن وہ سارا دفتر سامنے کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [بنی اسرائیل:۱۴] "اپنی کتاب پڑھ لے، کافی ہے تیرا نفس آج کے دن اپنے حساب کے لیے۔"

وہاں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو پڑھنے کی توفیق عطا فرما دیں گے۔ دنیا میں چاہے پڑھ سکتا تھا یا نہیں پڑھ سکتا تھا۔ قیامت والے دن ہر آدمی اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔ جب دو چار صفحے پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ذرا ٹھہر جا، یہ بتا کہ میرے فرشتوں نے تیرے ساتھ زیادتی تو نہیں کی جو اقوال اور افعال لکھے ہیں کیا تیرے ہی ہیں؟ بندہ کہے گا پروردگار! کوئی زیادتی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اور پڑھ۔ وہ دو چار صفحے اور پڑھے گا پھر رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی کہ نیکیاں نہ لکھی ہوں اور گناہ لکھ دیے ہوں؟ بندہ کہے گا نہیں پروردگار! وہی لکھا ہے جو میں نے کیا ہے۔ تو یہ سارے کا سارا ریکارڈ فرشتوں نے محفوظ کر رکھا ہے کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔

لہٰذا یہ منافق جو رات کو مشورے کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے لکھ لیتے ہیں، ریکارڈ سارا محفوظ ہے۔ ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں۔ ان کی باتوں پر توجہ ہی نہ دیں ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کام بنانے والا۔ کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں منافقوں کو منافقت سے اتنا پیار کیوں ہے؟ ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ کیا پس یہ لوگ قرآن پاک میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں؟ میں کہتا ہوں اگر کوئی مرد یا عورت قرآن پاک کا لفظی ترجمہ ہی پڑھ لے تو اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایمان کی حقیقت سمجھ آ جائے گی اور کفر و شرک کی برائی سمجھ آ جائے گی۔ آج ہمارے اندر جتنی کمزوریاں ہیں ان کی وجہ صرف قرآن پاک سے دُوری ہے، قرآن پاک کو سمجھا نہیں ہے۔ قرآن پاک کو سمجھنا صرف مولویوں اور طالب علموں کا کام نہیں ہے قرآن پاک کا پڑھنا، سمجھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے۔

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ﴾ اگر ہوتا یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ﴿لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ البتہ پاتے وہ اس میں بہت سارا اختلاف۔ حالانکہ اس میں ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں ہے۔ سارے کا سارا قرآن پاک مغز ہی مغز ہے، حق ہی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ﴾ اور جب آتا ہے ان کے پاس ﴿اَمْرٌ﴾ کوئی معاملہ ﴿مِّنَ الْاَمْنِ﴾ امن کا ﴿اَوِالْخَوْفِ﴾ یا خوف کا ﴿اَذَاعُوْا بِهٖ﴾ وہ اس کو مشہور کر دیتے ہیں ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور اگر لوٹاتے اس معاملے کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿وَاِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ﴾ اور اُن کی طرف جو ان میں سے صاحبِ امر ہیں، یعنی رائے والے ہیں ﴿لَعَلِمَهُ﴾ البتہ جان لیں اس کو ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ﴿یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ﴾ جو خوب تحقیق کر سکتے ہیں اس کی ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ﴾ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا ﴿عَلَیْكُمْ﴾ تم پر ﴿وَرَحْمَتُهٗ﴾ اور اس کی رحمت ومہربانی ﴿لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ﴾ البتہ پیروی کرتے تم شیطان کی ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ مگر بہت تھوڑے ﴿فَقَاتِلْ﴾ پس لڑو تم ﴿فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿لَا تُكَلَّفُ﴾ نہیں تکلیف دی جائے گی تجھے ﴿اِلَّا نَفْسَكَ﴾ مگر تیری جان تک ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور برانگیختہ کرو ایمان والوں کو جہاد پر ﴿عَسَى اللّٰهُ﴾ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ یَّكُفَّ﴾ یہ کہ روک دے ﴿بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ گرفت ان لوگوں کی جو کافر ہیں ﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا﴾ اور اللہ تعالیٰ سخت ہے گرفت میں ﴿وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلًا﴾ اور بہت سخت ہے سزا دینے میں ﴿مَنْ یَّشْفَعْ﴾ جو شخص سفارش کرے گا ﴿شَفَاعَةً حَسَنَةً﴾ اچھی سفارش ﴿یَّكُنْ لَّهٗ﴾ ہوگا اس کے لیے ﴿نَصِیْبٌ مِّنْهَا﴾ اس سفارش میں حصہ ﴿وَمَنْ یَّشْفَعْ﴾ اور جو سفارش کرے گا ﴿شَفَاعَةً سَیِّئَةً﴾ بری سفارش ﴿یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ اس کے لیے ہوگا حصہ اس میں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز پر ﴿مُّقِیْتًا﴾ قدرت رکھنے والا ﴿وَاِذَا حُیِّیْتُمْ﴾ اور جب تم کو دعا دی جائے ﴿بِتَحِیَّةٍ﴾ سلام کے ساتھ ﴿فَحَیُّوْا﴾ پس تم بھی دعا دو ﴿بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ﴾ اس سے بہتر طریقے سے ﴿اَوْ رُدُّوْهَا﴾ یا اسی کو لوٹا دو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا﴾ ہر چیز کا حساب لینے والا ﴿اَللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے ﴿لَاۤ اِلٰهَ﴾ نہیں کوئی معبود ﴿اِلَّا هُوَ﴾ مگر وہی ﴿لَیَجْمَعَنَّكُمْ﴾ البتہ وہ ضرور جمع کرے گا ﴿اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ جس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا﴾ اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں۔

ربطِ آیات

اس سے پہلی آیات میں بھی منافقین کی تردید تھی اور اس آیت کریمہ میں بھی منافقوں کی تردید ہے۔ مخالفوں کے ایجنٹ آ کر افواہیں پھیلاتے کہ ہم نے آنکھوں سے دیکھا ہے بہت بڑی فوج مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والی ہے اور شہر سے چند میل

دور ہے۔ طبعی بات ہے کہ ایسی خبر جب عوام سنتے ہیں تو پریشان ہوجاتے ہیں، عورتیں پریشان ہوتی ہیں، بچے پریشان ہوتے ہیں، کیونکہ جنگ جنگ ہوتی ہے۔ ایسی خبر جب منافق سنتے تو آناً فاناً شہر میں مشہور کردیتے کہ حملہ ہونے والا ہے اور آنے والے فوجیوں کو دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا کہ سارے ساتھی پریشان ہوجاتے۔ حالانکہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی تھی۔ یہ افراتفری پھیلانے کے لیے ایسی خبریں مشہور کردیتے تھے۔

یا مثلاً: جنگ شروع ہے زوروں پر اور کوئی دشمن کا ایجنٹ آیا اور کہا کہ صلح ہوگئی ہے، امن ہوگیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ امن کی بات سن کر سارے مطمئن ہوجاتے ہیں اور نظریہ یہ ہوتا تھا کہ جب یہ مطمئن ہوجائیں تو دشمن اچانک حملہ کرے گا۔ تو یہ منافق امن کی بات کو بھی جلد پھیلاتے اور خوف کی بات کو بھی جلد پھیلاتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ﴾ اور جب آتا ہے ان کے پاس کوئی معاملہ امن کا یا خوف کا ﴿اَذَاعُوْا بِهٖ﴾ وہ اس کو مشہور کردیتے ہیں ﴿وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور اگر لوٹاتے اس معاملے کو رسول ﷺ کی طرف ﴿وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ﴾ اور ان کی طرف جو ان میں صاحبِ امر ہیں یعنی رائے والے ہیں اور سمجھ دار ہیں ﴿لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ﴾ البتہ جان لیں اس کو وہ لوگ ﴿یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ ان میں سے جو خوب تحقیق کرسکتے ہیں اس کی۔

اس وقت آنحضرت ﷺ خود بنفسِ نفیس مدینہ طیبہ میں موجود تھے۔ تو فرمایا آپ ﷺ کی طرف یا صاحبِ رائے اور سمجھ دار لوگ جو ہیں ان کی طرف خبر کو لوٹاؤ تاکہ وہ تحقیق کریں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ واقعی کوئی خوف خطرہ ہے؟ اور کیا واقعی امن قائم ہوگیا ہے؟ صلح ہوگئی ہے؟ سمجھ دار لوگ تو بات کی تہہ کو پہنچ سکتے ہیں عام لوگوں میں ایسی بات نشر نہ کرو تاکہ پریشانی کا سبب نہ بنے۔

اخبارات خرابیوں کا سبب

اسلام امن اور نظم کا طریقہ سکھاتا ہے اور ہر اس بات سے منع کرتا ہے جو شر اور فساد کا باعث ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کردے اور پھیلاتا پھرے۔" یاد رکھنا! جب تک بات کی پوری تحقیق نہ ہو آگے نہیں کرنی چاہیے۔ آج بہت ساری خرابیوں کا سبب اخبارات بھی ہیں کہ یہ ہر بات کی تشہیر کردیتے ہیں جس سے ملک میں بدامنی پھیلتی ہے اور وہ سنسنی پھیلاتے ہیں کہ ہم نے نئی خبر دی ہے۔ حالانکہ بہت ساری باتیں مبنی بر حقیقت نہیں ہوتیں اور ان سے غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں۔

لہٰذا ہر سنی سنائی بات کو بیان کرنا بھی گناہ اور جھوٹ ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ [بنی اسرائیل: ۳۶] "جس چیز کا تجھے علم نہیں ہے اس کے پیچھے نہ پڑ۔" اس کو بیان نہ کر، ہوسکتا ہے کسی کی دل شکنی ہو، کسی کو تکلیف پہنچے اور اس سے خرابی ہو۔ فرمایا ﴿وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ﴾ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت

﴿لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّيۡطٰنَ﴾ البتہ پیروی کرتے تم شیطان کی ﴿اِلَّا قَلِيۡلًا﴾ مگر بہت تھوڑے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل یہ ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور قرآن پاک نازل فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر احکام نازل فرمائے، جن کو سنت کہتے ہیں اور تمھیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں مسلمانوں کے گھر پیدا فرمایا اور مسلمان بنایا اور وہ بھی صرف نام کا نہیں بلکہ صحیح معنیٰ میں مسلمان بنایا۔ نماز، روزے کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائی، زبان قابو میں، نگاہ پر کنٹرول، کان قابو میں، ظاہر قابو میں، باطن قابو میں، حلال وحرام کی تمیز حاصل ہوئی۔ یہ سب اسلام کے اصول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ جس مرد وعورت کو یہ چیزیں حاصل ہیں، کلمہ اور ایمان نصیب ہیں وہ ایک دفعہ نہیں کروڑ مرتبہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے تو کم ہے۔ کیونکہ قیامت والے دن کافر کو نجات نصیب نہیں ہوگی چاہے وہ سونے سے بھری ہوئی زمین بھی بدلے میں دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ﴾ اور وہ مرے اس حالت میں کہ کافر تھے ﴿فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ﴾ پس ہرگز نہیں قبول کی جائے گی ان میں سے کسی ایک سے ﴿مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا﴾ سونے سے بھری ہوئی زمین ﴿وَّلَوِ افۡتَدٰى بِهٖ﴾ اور اگرچہ وہ اس کو بطور فدیہ کے دے دے۔ اور دوسرے مقام پر آتا ہے کہ ﴿لَوۡ اَنَّ لَهُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لَافۡتَدَوۡا بِهٖ﴾ "اگر روئے زمین کے سب خزانے ان کے پاس ہوں اور اس کے ساتھ اتنے ہی اور ہوں تو وہ انھیں فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے مگر پھر بھی نجات کہاں؟ ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ الۡحِسَابِ﴾ ایسے لوگوں کا حساب برا ہوگا [الرعد:١٨] ﴿وَمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ﴾ اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے۔" وہاں پر یہ کچھ دے کر بھی کوئی کہے کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں مجھے معافی مل جائے تو قبول نہیں کیا جائے گا، نہ معافی ملے گی۔ تو جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کلمہ، ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ رب تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کرے، کم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ پس لڑ و اللہ تعالیٰ کی راہ میں اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ منافق جہاد میں شریک نہیں ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑیں ﴿لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ﴾ آپ کو تکلیف نہیں دی جائے گی مگر آپ کی جان تک۔ تمھیں تمھارے نفس کا مکلف بنایا گیا ہے ﴿وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ اور برانگیختہ کر ایمان والوں کو جہاد پر۔ ایمان والوں کو بھی جہاد کی ترغیب دو اور آمادہ کرو ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّكُفَّ بَاۡسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾ قریب ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ روک دے گرفت ان لوگوں کی جو کافر ہیں۔ یعنی کافروں کی قوت اور اسلحہ سے نہ گھبراؤ، تعداد سے نہ گھبراؤ، اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے۔

نصرتِ خداوندی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دو ہی بڑی حکومتیں تھیں، ایک قیصر کی جو عیسائی تھا، دوسری کسریٰ کی جو ایران کا بادشاہ تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں ان کی فوجیں تھیں۔ صرف یرموک کے مقام پر رومیوں کی سات لاکھ فوج میدان میں تھی اور مقابلے

میں مسلمان صرف پینتیس [۳۵] یا چھتیس [۳۶] ہزار تھے۔ کیا نسبت ہے؟ مگر جب لڑائی ہوئی تو سات لاکھ میں ایک لاکھ تین ہزار قتل ہوئے اور مسلمان صرف تین ہزار شہید ہوئے اور باقیوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

قادسیہ کے میدان میں اَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ چیف کمانڈر تھے، ایک حصے کی کمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ جب لڑائی زوروں پر پہنچی تو انھوں نے چیف کمانڈر سے پوچھا حضرت! ہمارے ساتھی لڑلڑ کر تھک چکے ہیں اور کچھ زخمی ہیں اور ایک طرف دشمنوں کی ساٹھ ہزار فوج ہے، اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ساٹھ آدمیوں کا ساٹھ ہزار سے مقابلہ کرانا چاہتا ہوں۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے تأمل فرمایا اور کہا کہ ساٹھ آدمیوں کا ساٹھ ہزار سے مقابلہ؟ لیکن جب ان کا جذبہ دیکھا تو اجازت دے دی۔ تاریخ میں موجود ہے "غَزٰی سِتُّوْنَ هُمْ سِتُّوْنَ اَلْفًا وَّ مَعَ هٰذَا تَوَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ۔" ساٹھ نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا اور باوجود اس کے ساٹھ ہزار کو شکست ہوئی اور ساٹھ میں سے صرف دس آدمی شہید ہوئے اور باقیوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔" ایمان مضبوط ہو تو سب کچھ ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے ایمان کمزور ہیں۔ یاد رکھنا! مضبوط ایمان کے مقابلہ میں دنیا کا کوئی ہتھیار کام نہیں کر سکتا۔ کافر جتنا چاہیں ہتھیاروں پر گھمنڈ کریں اور اپنی فوج پر فخر کریں۔ کیونکہ جب ایمان مضبوط ہوگا، اعمال درست ہوں گے، اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں گے، رحمت نازل ہوگی اور فرشتے امداد کے لیے نازل ہوں گے۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

"ایمان کی وہ فضاء پیدا کر جو بدر میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر تھی اور ان کی مدد کے لیے فرشتے نازل ہوئے تھے۔ اگر وہ کیفیت ہو تو اب بھی فرشتے اُترنے کے لیے بے تاب ہیں۔"

﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا﴾ اور اللہ تعالیٰ سخت ہے گرفت میں ﴿وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾ اور بہت سخت ہے سزا دینے میں۔ بات چل رہی ہے جہاد کی اور ایسے موقع پر اسلحہ اور دیگر اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ سارے مجاہد مال دار نہیں ہوتے۔ بلکہ ایسے مجاہد بھی ہوتے ہیں جن کے پاس نہ اسلحہ ہوتا ہے اور نہ سفر کا خرچ ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے مجاہدین کی معاونت دوسرے ساتھیوں نے کرنا ہوتی ہے۔ پھر ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو خود تعاون نہیں کر سکتے بلکہ دوسروں کو سفارش کرتے ہیں کہ ان کی مدد کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً﴾ جو شخص سفارش کرے گا اچھی سفارش ﴿يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا﴾ ہوگا اس کے لیے اس سفارش میں سے حصہ یعنی جو شخص جائز کام میں کسی کی سفارش کرے گا اس کو ثواب ملے گا۔ مثلاً: کوئی آدمی بے گناہ پکڑا ہوا ہے کہ اس نے نہ چوری کی ہے، نہ ڈاکا مارا ہے، نہ قتل کیا ہے، مگر ناجائز طور پر اس کو پکڑ لیا ہے تو ایسے مظلوم شخص کی جو مدد کرے گا، اس کو ثواب ملے گا۔ ﴿وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً﴾ اور جو سفارش کرے گا بُری سفارش ﴿يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ ہوگا اس کے لیے حصہ اس میں سے۔ بری سفارش پر گناہ ملے گا۔ مثلاً:

کوئی شخص واقعتاً چور ہے، اس کو رہا کرانے کی جو سفارش کرے گا وہ بھی چور ہوگا۔ ڈاکو کی سفارش کرتا ہے یا قاتل کی سفارش کرتا ہے تو یہ سفارش کرنے والا اتنا ہی مجرم ہے۔ اور جب آدمی پکڑا جاتا ہے تو رشتہ داریاں تلاش کی جاتی ہیں، تعلقات ڈھونڈے جاتے ہیں، بہت کچھ ہوتا ہے، اس لیے مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لو اور جائز، ناجائز کا فرق کرو۔ بے گناہ پکڑا ہوا ہے تو اس کی سفارش کرو، ثواب ملے گا اور اگر مجرم ہے اور واقعتاً مجرم ہے، اس کی رہائی کے لیے سفارش کرو گے تو تم بھی اسی طرح کے مجرم ہو گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو ناحق قتل کرتا ہے جس طرح یہ مجرم ہے اسی طرح جو شخص ناحق قتل پر آمادہ کرتا ہے، اُبھارتا ہے، مشورہ دیتا ہے، وہ بھی اسی طرح کا قاتل اور مجرم ہے۔ مثلاً: کوئی شخص کسی کو کہتا ہے اُقْتُلْ زَیْدًا "تو زید کو قتل کر دے۔" یا پورا جملہ بھی نہیں بولتا، صرف کہتا ہے زَیْدًا زَیْدًا بلا شیری دیتے ہوئے کہتا ہے "قتل کر دے، قتل کر دے۔" تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر اس نے قتل کر دیا تو جتنا مجرم قاتل ہے، ادھورا جملہ بولنے والا بھی اتنا ہی قاتل اور مجرم ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ قتل میں جتنے آدمی بھی شریک ہوں دو، چار، دس یا اس سے زیادہ سب برابر کے مجرم ہوتے ہیں اور جرم ثابت ہونے پر سب کو سزا ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کافی جائیداد کا مالک تھا اور اولاد میں صرف ایک لڑکا تھا جس کی عمر تقریباً پانچ چھ سال ہوگی۔ اس کے رشتہ داروں میں سے بعض کی نیت خراب ہوگئی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر جائیداد کا مالک بنے گا کیونکہ یہ وارث ہے لہٰذا آج ہی اس کو فارغ کر دو تاکہ جائیداد پر ہمارا قبضہ ہو جائے۔ تقریباً سات آدمیوں نے باہم مشورہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ واقعتاً یہ قاتل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب کو قتل کرو۔ بعض حضرات نے کہا حضرت! مقتول ایک تھا اور تھا بھی بچہ اور یہ سات ہیں اور ہیں بھی بڑے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر صنعاء والے سارے اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ صنعاء یمن کے ملک میں ایک شہر کا نام ہے۔ اس لیے بری سفارش سے بچو، غلط سفارش کرنے والا برابر کا مجرم ہوتا ہے۔ ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا۔

السلام علیکم کہنے کی فضیلت اور مصافحہ و معانقہ کا شرعی حکم

آگے اور مسئلہ کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ﴾ اور جب تمھیں دعا دی جائے سلام کے ساتھ تو یعنی جب تم کو کوئی السلام علیکم کہے ﴿فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ﴾ پس تم بھی دعا دو اس سے بہتر طریقہ سے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم جواب میں کہو: وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اگر اس نے کہا ہے: السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ تو تم کہو: وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ۔ یہ چار الفاظ ابوداؤد شریف کی حدیث سے ثابت ہیں۔

﴿اَوْ رُدُّوْهَا﴾ یا اسی کو لوٹا دو۔ یعنی اس نے کہا ہے: السلام علیکم۔ تم جواب میں کہہ دو: وعلیکم السلام۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ: السلام علیکم مکمل جملہ ہے، اس کی دس نیکیاں ہیں اور رحمۃ اللہ بھی مکمل جملہ ہے اس کی بھی دس نیکیاں ہیں، وبرکاتہ بھی مکمل جملہ ہے اس کی بھی دس نیکیاں ہیں، ومغفرتہ بھی مکمل جملہ ہے اس کی بھی دس نیکیاں ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص یہ چاروں جملے کہے گا تو اس کو چالیس نیکیاں مل جائیں گی۔

اور حدیث کے فن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے "الأدب المفرد" اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں وَطَيِّبت صَلوٰتُهٗ "اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ رحمتیں تجھ پر نازل ہوں۔" تو جتنی جس کو توفیق ہو اس سے بہتر جواب دے، زیادہ نیکیاں کما لے یا جتنے الفاظ اس نے کہے ہیں تم بھی اتنے کہہ دو، اگر وقت نہیں ہے اتنے کہنے کا۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ السلام علیکم کہنا سنت ہے اور اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا واجب ہے اور واجب کا درجہ سنت سے بڑا ہوتا ہے اور یہ عملی طور پر فرض ہوتا ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ بعض ایسے مقام ہیں کہ وہاں سلام کہنا مکروہ ہے۔ مثلاً: کوئی شخص بیت الخلاء میں ہے تو اس کو سلام کہنا مکروہ ہے یا کوئی بُرا کام کر رہا ہے۔ مثلاً: ڈاڑھی منڈا رہا ہے یا کسی کی شیو کر رہا ہے، ان دونوں کو سلام کرنا مکروہ ہے یا جو تاش کھیل رہا ہے، ان کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔ غرضیکہ جو شخص غیر شرعی کام میں مشغول ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ سلام کا معنٰی ہے اللہ تجھے سلامتی میں رکھے، تو جو شخص بُرا کام کر رہا ہے وہ تو بد دعا کا مستحق ہے نہ کہ دعا کا۔

وضو کے موقع پر کچھ لوگ وضو کر رہے ہوتے ہیں اور کچھ وضو کی تیاری میں ہوتے ہیں لہٰذا اس موقع پر سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن وعظ و نصیحت کی مجلس ہے یا قرآن و حدیث کا درس ہو رہا ہے تو اس موقع پر سلام کرنے والا گنہگار ہوگا۔ اذان کہنے والے کو جب وہ اذان کہہ رہا ہے تو سلام نہیں کرنا۔ خطبۂ جمعہ ہو رہا ہے تو سلام نہیں کرنا بلکہ خاموشی سے بیٹھ جانا ہے۔ اور جس طرح مرد ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں اور مصافحہ بھی کر سکتی ہیں، معانقہ بھی کر سکتی ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! جب آدمی کچھ عرصہ کے بعد ملے تو کیا گلے مل سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! معانقہ کر سکتا ہے اور مصافحہ کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ باب قائم کیا ہے اَلْمُصَافَحَةُ بِالْيَدَيْنِ "مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہے ایک ہاتھ سے نہیں۔"

عورتیں بھی آپس میں مصافحہ اور معانقہ کر سکتی ہیں، مرد محرم عورتوں کو سلام کر سکتے ہیں غیر محرم کو نہیں کر سکتے مگر یہ کہ کافی بوڑھی ہو تو اس کو نوجوان سلام کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور عورتیں غیر محرم کے ساتھ ہاتھ نہیں ملا سکتیں اور محرم کے ساتھ مثلاً: باپ ہے، بیٹا ہے، دادا ہے، عورتیں بھی ہاتھ ملا سکتی ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہے ہر چیز کا حساب لینے والا۔ ﴿اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، کوئی معبود نہیں ہے، کوئی سجدے کے لائق نہیں ہے، کوئی نذر و نیاز کے لائق نہیں ہے، اس کے سوا کوئی

خالق نہیں ہے، کوئی مالک نہیں ہے، کوئی رازق نہیں ہے، کوئی مشکل کشا نہیں ہے، کوئی حاجت روا نہیں ہے، کوئی فریادرس نہیں ہے، کوئی دست گیر نہیں ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں۔

﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ البتہ وہ ضرور تمھیں جمع کرے گا قیامت کے دن۔ اس دن تم سارے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوگے ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ قیامت کے دن میں کوئی شک نہیں ہے وہ ضرور آئے گا ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں؟ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ اس نے قرآن میں فرمایا ہے کہ قیامت برحق ہے اور ایمانی عقیدوں میں ایک عقیدہ ہے کہ قیامت برحق ہے۔

﴿فَمَا لَكُمْ﴾ پس کیا ہو گیا ہے تمھیں ﴿فِي الْمُنَافِقِينَ﴾ منافقین کے بارے میں ﴿فِئَتَيْنِ﴾ کہ تم دو گروہ ہو گئے ہو ﴿وَاللَّهُ﴾ اور اللہ نے ﴿أَرْكَسَهُمْ﴾ ان کو الٹا پھیر دیا ہے ﴿بِمَا كَسَبُوا﴾ ان کی کمائی کی وجہ سے ﴿أَتُرِيدُونَ﴾ کیا تم ارادہ کرتے ہو ﴿أَنْ تَهْدُوا﴾ یہ کہ ہدایت دو ﴿مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ﴾ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہے ﴿وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ﴾ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾ پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لیے راستہ ﴿وَدُّوا﴾ اور وہ پسند کرتے ہیں اس بات کو ﴿لَوْ تَكْفُرُونَ﴾ کہ تم بھی کافر ہو جاؤ ﴿كَمَا كَفَرُوا﴾ جیسا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں ﴿فَتَكُونُونَ﴾ پس تم ہو جاؤ ﴿سَوَاءً﴾ برابر ﴿فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ﴾ پس نہ بناؤ تم ان میں سے کسی کو ﴿أَوْلِيَاءَ﴾ دوست ﴿حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا﴾ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ کے راستے میں ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں ﴿فَخُذُوهُمْ﴾ پس تم ان کو پکڑو ﴿وَاقْتُلُوهُمْ﴾ اور تم ان کو قتل کرو ﴿حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ جہاں کہیں تم ان کو پاؤ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ﴾ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو ﴿وَلِيًّا﴾ دوست ﴿وَلَا نَصِيرًا﴾ اور نہ مددگار ﴿إِلَّا الَّذِينَ﴾ مگر وہ لوگ ﴿يَصِلُونَ﴾ جو ملتے ہیں ﴿إِلَىٰ قَوْمٍ﴾ ایسی قوم کی طرف ﴿بَيْنَكُمْ﴾ تمھارے درمیان ﴿وَبَيْنَهُمْ﴾ اور ان کے درمیان ﴿مِيثَاقٌ﴾ معاہدہ ہے ﴿أَوْ جَاءُوكُمْ﴾ یا لائیں تمھارے پاس ﴿حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ﴾ کہ تنگ ہو گئے ہیں ان کے سینے ﴿أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ﴾ یہ کہ تمھارے ساتھ لڑیں ﴿أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ﴾ یا آپس میں لڑنے لگیں ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اور اگر اللہ چاہے ﴿لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ﴾ تو ان کو تم پر مسلط کر دے ﴿فَلَقَاتَلُوكُمْ﴾ پس وہ ضرور تمھارے ساتھ لڑیں ﴿فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ﴾ پس اگر وہ کنارہ کشی کریں تم سے ﴿فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ﴾ پس نہ لڑیں وہ تمھارے ساتھ ﴿وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ اور ڈالیں تمھاری طرف صلح کی بات ﴿فَمَا

جَعَلَ اللّٰهُ﴾ پس نہیں بنایا اللہ نے ﴿لَكُمْ﴾ تمھارے لیے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان کے خلاف ﴿سَبِيْلًا﴾ کوئی بھی راستہ۔

شانِ نزول

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، جن کی تعداد بعض نے تیس بتائی ہے اور بعض نے چالیس بتائی ہے اور بعض نے پچاس بتائی ہے۔ آ کر کہا کہ ہم مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں ہمیں اسلام کے متعلق معلومات ہوئی تھیں لیکن ہم نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا فیصلہ کیا ہے کہ براہِ راست اسلام کے متعلق بیان لیں۔

یہ لوگ چند دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان کی حقیقت سمجھائی اور اسلامی احکامات سے آگاہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی بڑی عزت وخدمت کی۔ کیونکہ اسلام کا اصول ہے مہمان کی عزت کرنا اور خدمت کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ)). [بخاری، رقم ۶۱۳۵] ”تم میں سے جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے۔“ اپنی طاقت کے مطابق مہمان کی عزت کرنا ایمان کا حصہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ پختہ ایمان کس کا ہو سکتا ہے؟ اُنھوں نے ان کی بڑی خدمت کی۔ ان لوگوں کے اُٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی سچے مسلمان ہیں۔

چند دن بعد کہنے لگے: حضرت! ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں، اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی طرح ہم بھی اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ آ جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اجازت دیں، ہم چند دنوں تک مثلاً: بیس، پچیس دنوں تک بال بچوں کو لے کر آ جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھی بات ہے لے آؤ۔ جب مہینہ گزر گیا، ڈیڑھ مہینہ گزر گیا، دو مہینے گزر گئے اور وہ نہ آئے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے منتظر تھے کہ وہ آئیں اور ہم ان کی خدمت کریں، مگر کافی وقت گزرنے کے باوجود نہ آئے تو ان کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے مختلف ہو گئی۔

ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ وہ لوگ مخلص نہیں تھے منافق تھے، وقت گزارنے آئے تھے چلے گئے۔ مخلص ہوتے تو وعدہ پورا کرتے۔ کیونکہ وعدہ پورا کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اگر کوئی مجبوری بن گئی تھی تو اطلاع کرتے سارے نہ آتے کچھ آ جاتے۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ کوئی مجبوری بن گئی ہوگی۔ علاقہ بھی ان کا خاصا دور ہے کسی سے کچھ لینا ہوتا ہے کسی کو کچھ دینا ہوتا ہے، گھر کے افراد کو آمادہ کرنا ہوتا ہے، سامان باندھنا ہوتا ہے۔ دونوں اپنے اپنے دلائل دیتے رہے کیونکہ انسان کا مزاج ہے کہ اپنی رائے پر ہر کوئی قرینہ و دلیل پیش کرتا ہے کہ میری بات اس لیے صحیح ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں بحث چل پڑی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ پس تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ منافق تھے اور جاسوسی کرنے کے لیے آئے تھے ﴿وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا﴾ اللہ نے ان

کو اُلٹا پھیر دیا ہے ان کی کمائی کی وجہ سے۔ تم کیوں آپس میں جھگڑتے ہو؟ اپنے دعوؤں پر دلائل پیش کرتے ہو؟ ﴿اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا﴾ کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ ہدایت دو ﴿مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ﴾ جس کو اللہ گمراہ کر دے ﴿وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا﴾ پس ہرگز نہیں پاؤ گے تم ان کے لیے راستہ۔

یہاں ایک بات ضروری سمجھنے والی ہے لہٰذا اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر آتا ہے ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [سورۃ النحل، پارہ:۱۴] "اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔" ان آیات کو جب سطحی ذہن والے پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب اللہ ہی ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہی گمراہ کرتا ہے تو پھر بندے کا کیا گناہ اور قصور ہے؟ اور واقعی سطحی طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے۔ اللہ نے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کے اصول بیان فرمائے ہیں کہ وہ کن لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور کن لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ "بے شک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو اپنے اختیار سے حد سے نکلنے والا ہوتا ہے اور جھوٹا ہو۔" یعنی اللہ نے جو حدیں مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز کرنے والا ہو اور جھوٹا بھی ہو تو ایسے شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ ایسا نہیں ہے کہ جبراً ہر ایک کو گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہدایت حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، ضد پر ہے، اکڑا ہوا ہے تو ایسے شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ "اللہ چنتا ہے، مائل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اس کو جو رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ جو رب کی طرف رجوع نہیں کرتا اس کو اللہ زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔

اسی طرح تیرہویں پارے میں آیا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ "بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ﴿مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ کو ہدایت نہیں ملتی اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف سے اس کو جس نے رب کی طرف رجوع کیا۔"

اور رجوع کرنے والے کون ہیں؟ آگے ان کو بیان فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ جو لوگ ایمان لائے ﴿وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور مطمئن ہیں دل ان کے ﴿بِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ کے ذکر سے۔ یعنی جو لوگ خود ایمان لاتے ہیں، رجوع کرتے ہیں، ان کو اللہ ہدایت دیتا ہے۔ تو گمراہی میں بھی انسان کا دخل ہے اور ہدایت میں بھی انسان کا پورا پورا دخل ہے۔

ایک اور آیت کریمہ دیکھ لو۔ فرمایا ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔" تو اللہ نے ایمان لانے کا اختیار دیا ہے اور کفر اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے آدمی مجبور نہیں ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر یہ بات اس طرح سمجھائی ہے ﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [الصف:۵] "پس جب اُنھوں نے ٹیڑھا پن اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔" خود ٹیڑھے راستے پر چلے اللہ نے بھی ان کو چلا دیا اور فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [سورۃ التوبہ] "اللہ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو۔"

یہ آیت میں نے اس لیے بیان کی ہے تاکہ آپ حضرات کو مسئلہ اچھی طرح سمجھ آ جائے کہ انسان نہ تو ایمان لانے میں مجبور ہے اور نہ کفر اختیار کرنے میں۔ اللہ نے انسان کو اختیار دیا ہے چاہے تو ایمان لائے چاہے تو کفر اختیار کرے ہماری طرف سے کوئی جبر نہیں۔ اور فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت:٦٩] "اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنے کی ہم ان کو ضرور اپنا راستہ دکھا دیں گے۔" اللہ نے انسان کو ارادہ اور مشیت دی ہے یہ اپنی مرضی سے جدھر چلتا جائے گا اللہ ادھر چلا دیں گے۔

تو فرمایا تم ان کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتے ہو جن کو اللہ نے بہکایا ہے کیونکہ وہ خود غلط راستے پر چل پڑے تھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس گروہ کو تنبیہ فرمائی ہے جو منافقوں کی طرف سے دلائل پیش کرتے تھے۔ تو فرمایا وہ منافق ہیں انھوں نے تمھیں دھوکے میں رکھا۔ ﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اور وہ منافق پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ تم بھی کافر ہو جاؤ ﴿كَمَا كَفَرُوْا﴾ جیسا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں۔ وہ تو اپنی طرح تمھیں بھی کافر بنانا چاہتے ہیں اور تم ان کے ایمان کی دلیلیں پیش کرتے ہو۔ ﴿فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً﴾ تم ہو جاؤ برابر کفر میں ﴿فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ پس نہ بناؤ تم ان میں سے کسی کو دوست ﴿حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کے راستے میں۔ اللہ کے راستے میں ہجرت فرع ہے ایمان کی۔ پہلے ایمان لائیں پھر اللہ کے راستے میں ہجرت کریں پھر تمھارے دوست ہیں۔ جب ایسا نہیں ہے تو ان کی طرف سے صفائیاں نہ بیان کرو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں اس بات سے کہ اعراض کریں ہجرت سے ﴿فَخُذُوْهُمْ﴾ تو پکڑو ان کو ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ﴾ اور ان کو قتل کرو ﴿حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ جہاں کہیں تم ان کو پاؤ۔ یہ کافر ہیں جس طرح دوسرے کافر ہیں اور ان کے ساتھ اس طرح لڑو جس طرح دوسروں کے ساتھ لڑتے ہو اور اس بات کی پروا نہ کرو کہ اُنھوں نے چند دن ہمارے ساتھ کھانا کھایا ہے، نمازیں پڑھی ہیں، اکٹھے اُٹھتے بیٹھتے رہے ہیں۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار۔ ہاں! ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ﴾ مگر وہ لوگ ﴿يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ جو ملتے ہیں اس قوم کی طرف کہ تمھارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے، عہد و پیمان ہے۔

عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا بنو خزاعہ۔ وہ کافر ہونے کے باوجود غیر جانب دار تھے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ نہ خود لڑتے تھے اور نہ دوسرے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتے تھے، بالکل غیر جانب دار تھے۔ ان کے سردار ہلال بن عویمر تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ ہم تمھارے خلاف نہیں لڑیں گے اور تم ہمارے خلاف نہیں لڑو گے اور جو ہمارے ساتھ آ کر ملے گا وہ بھی اس معاہدے میں شامل ہو گا۔ تو اللہ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ تمھارے ساتھ جن لوگوں کا معاہدہ ہے ان کے ساتھ جو ملتے ہیں ان کے ساتھ بھی نہیں لڑنا۔ ﴿اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ﴾ یا آئیں تمھارے پاس کہ تنگ ہو گئے ہیں ان کے سینے، ان کے دل اُکتا گئے ہیں ﴿اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ﴾ اس بات سے کہ تمھارے

ساتھ لڑیں ﴿اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ﴾ یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے بھی وہ غیر جانب دار ہیں، لڑنے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ کافر بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں، اچھے بھی ہوتے ہیں برے بھی ہوتے ہیں۔ ایسے بھی ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو کھا جائیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ بھئی! ہر کوئی اپنے اپنے طریقے پر چلتا ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ چاہے ﴿لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ﴾ تو ان کافروں کو تم پر مسلط کردے ﴿فَلَقٰتَلُوْكُمْ﴾ پس وہ ضرور تمھارے ساتھ لڑیں ﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ﴾ اگر وہ کنارہ کشی کریں تم سے ﴿فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ﴾ پس نہ لڑیں وہ تمھارے ساتھ ﴿وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ﴾ اور ڈالیں تمھاری طرف صلح کی بات کہ بھئی! ہماری تمھاری صلح ہے ہم تمھارے ساتھ نہیں لڑتے تو تم بھی ان کے ساتھ نہ لڑو ﴿فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا﴾ پس نہیں بنایا اللہ نے تمھارے لیے ان کے خلاف کوئی راستہ۔ اگر وہ نہ لڑیں اور غیر جانب دار رہیں تو تم بھی ان کے خلاف نہ لڑو۔ یہ رب کا حکم ہے امن قائم کرنے کے لیے۔

﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ﴾ عنقریب تم پاؤ گے کچھ اور لوگوں کو ﴿یُرِیْدُوْنَ﴾ جو ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ﴾ اس کا ﴿یَّاْمَنُوْكُمْ﴾ کہ تم سے بھی امن میں رہیں ﴿وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ﴾ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں ﴿كُلَّمَا﴾ جب کبھی بھی ﴿رُدُّوْٓا اِلَی الْفِتْنَةِ﴾ ان کو لوٹایا گیا فتنے کی طرف ﴿اُرْكِسُوْا فِیْهَا﴾ تو لوٹا دیے جائیں گے اس فتنے کی طرف ﴿فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ﴾ پس اگر وہ تم سے الگ نہ رہیں ﴿وَیُلْقُوْٓا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ﴾ اور تمھاری طرف صلح کی پیش کش نہ کریں ﴿وَیَكُفُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ﴾ اور نہ روکیں اپنے ہاتھوں کو ﴿فَخُذُوْهُمْ﴾ پس تم پکڑو ان کو ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ﴾ اور ان کو قتل کرو ﴿حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ ﴿وَاُولٰٓئِكُمْ﴾ اور وہی لوگ ہیں ﴿جَعَلْنَا لَكُمْ﴾ بنایا ہم نے تمھارے لیے ﴿عَلَیْهِمْ﴾ ان پر ﴿سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا﴾ کھلا غلبہ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ﴾ اور نہیں لائق کسی مومن کے ﴿اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا﴾ یہ کہ قتل کرے کسی مومن کو ﴿اِلَّا خَطَـًٔا﴾ مگر غلطی سے ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا﴾ اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو ﴿خَطَـًٔا﴾ غلطی سے ﴿فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ﴾ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام کو ﴿مُّؤْمِنَةٍ﴾ جو مومن ہو ﴿وَّدِیَةٌ﴾ اور مال کا بدلہ ہے ﴿مُّسَلَّمَةٌ﴾ جو سپرد کیا جائے گا ﴿اِلٰٓی اَهْلِهٖٓ﴾ اس مقتول کے وارثوں کے ﴿اِلَّآ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا﴾ مگر یہ کہ وہ معاف کردیں ﴿فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ﴾ پس اگر ہے وہ ایسی قوم سے ﴿عَدُوٍّ لَّكُمْ﴾ جو تمھاری دشمن ہے ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور وہ خود مومن ہے ﴿فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ﴾ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام کا ﴿مُّؤْمِنَةٍ﴾ جو مومن ہو ﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ﴾ اور اگر ہے وہ ایسی قوم سے ﴿بَیْنَكُمْ﴾ کہ تمھارے درمیان ﴿وَبَیْنَهُمْ﴾ اور ان کے درمیان ﴿مِّیْثَاقٌ﴾ عہد و پیمان ہے ﴿فَدِیَةٌ﴾ پس مال کا بدلہ ہے ﴿مُّسَلَّمَةٌ﴾ سپرد کیا جائے ﴿اِلٰٓی اَهْلِهٖ﴾

اس کے وارثوں کو ﴿وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ اور آزاد کرنا ہے ایک گردن کا جو مومن ہو ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جس نے نہ پایا غلام اور لونڈی ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ﴾ پس روزے ہیں دو مہینے ﴿مُتَتَابِعَيْنِ﴾ لگاتار ﴿تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ ہے توبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيْمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيْمًا﴾ حکمت والا۔

جانوروں اور پرندوں کے حقوق

دین اسلام نام ہے حقوق اللہ کا اور حقوق العباد کا اور اسلام میں حقوق اللہ بھی بیان کیے گئے ہیں اور حقوق العباد پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں پر دونوں قسم کے حقوق کی پابندی لازم اور ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بھی پابندی کریں اور حقوق العباد بھی ادا کریں۔ پھر حقوق العباد میں مسلمانوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور کافروں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔ بلکہ پیغمبر آخر الزمان نے حیوانوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس سے گزر رہے تھے ایک اُونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر بڑبڑانے لگا اور اس نے خاصا شور کیا اور تڑپا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُونٹ کے پاس تشریف لے گئے۔ اُونٹ نے اپنے مالک کی تین شکایتیں کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: لِمَنْ هٰذَا الْبَعِيْرُ؟ "یہ اُونٹ کس کا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا لِرَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ "انصار مدینہ میں سے ایک شخص کا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو فوراً بلاؤ۔ چنانچہ ایک آدمی گیا اور اس کے مالک کو بلا لایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے اُونٹ نے تین شکایتیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ تو اس کو بروقت پانی نہیں پلاتا۔ دوسری یہ کہ تو اس کو چارا پورا نہیں ڈالتا اور تیسری یہ کہ تو اس کو دھوپ میں باندھے رکھتا ہے۔ فرمایا:
اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ "ان حیوانوں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

یاد رکھنا! جو مالک اپنے جانور کو وقت پر پانی نہیں پلاتا اور اس کی ضرورت کے مطابق چارہ نہیں ڈالتا، گرمی سردی کا خیال نہیں کرتا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی گرفت ہوگی۔

اس طرح ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے، راستے میں ایک ایسا مقام آیا کہ جہاں کافی درخت تھے، ایک درخت پر چڑیا کا گھونسلا تھا، اس میں اس کے بڑے خوبصورت بچے تھے جن کے پر اُگے ہوئے تھے مگر ابھی اُڑ نہیں سکتے تھے۔ ایک نوجوان درخت پر چڑھا اور اس کے بچے اُٹھا کر گود میں ڈال لیے اور قافلے کے ساتھ چل پڑا۔ وہ چڑیا آ کر اس کے سر پر اُڑنے لگی۔ کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ میرے بچے اس کی گود میں ہیں۔ وہ پھڑ پھڑاتی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کیا بات ہے؟ نوجوان نے بتایا کہ حضرت! میں اس کے بچے اُٹھا لایا ہوں اس لیے یہ میرے سر پر پھڑ پھڑاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمھارا بچہ کوئی اُٹھا کر لے جائے تو تم پر کیا گزرے گی؟ آخر یہ اس کے بچے ہیں جاؤ! فوراً اس کے بچے اس کے گھونسلے میں رکھ کر آؤ۔

تو اسلام نے انسانوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور حیوانوں کے بھی، مسلمانوں کے بھی اور کافروں کے بھی۔ اور فرمایا کہ غیر مسلم جس طرح کی روش تمھارے ساتھ اختیار کریں تم بھی ان کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ۔ چنانچہ عرب کے دو قبیلے تھے: بنو اسد اور بنو غطفان۔ یہ دونوں قبیلے بڑے ہوشیار اور شرارتی تھے۔ جب مسلمانوں کو ملتے تو ایسے انداز سے گفتگو کرتے کہ مسلمان سمجھتے کہ بڑے مخلص لوگ ہیں۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ بھی ان کی باتوں پر یقین کر لیتے کہ یہ مخلص لوگ ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تو کہتے کہ ہم تمھارے آدمی ہیں وہاں تو ہم ان کو دھوکا دینے کے لیے گئے تھے۔ گویا جب مسلمانوں کے پاس جاتے تو غیر جانب داری کا ثبوت اور یقین دلاتے اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تو کہتے ہم تمھارے ساتھ ہیں تم جو فیصلہ کرو گے ہم اس پر عمل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ﴾ عنقریب پاؤ گے تم کچھ اور لوگوں کو یعنی قبیلہ بنو اسد اور قبیلہ بنو غطفان کو ﴿یُرِیْدُوْنَ﴾ جو ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ﴾ اس بات کا کہ تم سے بھی امن میں رہیں ﴿وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ﴾ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں ﴿کُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ﴾ جب کبھی بھی ان کو لوٹایا گیا فتنے کی طرف۔ یعنی شرارت اور لڑائی کی طرف ﴿اُرْكِسُوْا فِیْهَا﴾ تو لوٹا دیے جائیں گے اس فتنے کی طرف۔ یعنی جب بھی تمھارے خلاف کسی لڑائی کی نوبت آئی تو یہ اس میں دوڑ کر (فوراً) شامل ہو جائیں گے۔ یہ تمھارے پاس صرف جان بچانے کے لیے آتے ہیں، یہ مخلص نہیں ہیں ان سے محتاط رہو۔ ﴿فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ﴾ پس اگر وہ تم سے الگ نہ رہیں ﴿وَیُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ﴾ اور تمھاری طرف صلح کی پیشکش نہ کریں۔

فائدہ : ﴿یُلْقُوْۤا﴾ کا جملہ بھی ﴿لَمْ﴾ کے نیچے داخل ہے۔ یہ بات میں طلبہ اور قاریوں کے لیے کہہ رہا ہوں۔ دونوں جملوں کا مطلب بنے گا: پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور صلح کی بات تمھاری طرف نہ ڈالیں۔

﴿وَیَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ﴾ یہاں پر بھی واؤ کے بعد ﴿لَمْ﴾ ہے۔ معنیٰ ہوگا اور نہ روکیں اپنے ہاتھوں کو ﴿فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ﴾ پس تم پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو ﴿حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ۔ کیونکہ وہ تمھارے پاس آ کر غیر جانب داری کا اظہار کر کے تمھیں غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں ﴿وَاُولٰٓىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ﴾ اور وہی لوگ ہیں بنایا ہم نے تمھارے لیے ﴿عَلَیْهِمْ﴾ ان کے خلاف ﴿سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا﴾ کھلا غلبہ کہ جہاں کہیں تمھیں ملیں ان کو قتل کرو۔

قتلِ خطا کی مختلف صورتیں اور اس کی دیت

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مومن کی شان نہیں کہ وہ مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ قتل عمد کے متعلق کل کی آیت کریمہ میں آئے گا کہ اس کا کیا حکم ہے۔ اس آیت کریمہ میں قتلِ خطا کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا﴾ اور نہیں ہے لائق کسی مومن کے یہ کہ قتل کرے کسی مومن کو مگر غلطی سے۔

قتل خطا کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً: ایک صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے شکار کھیلتے ہوئے ہرن یا خرگوش یا مرغابی پر فائر

کیا وہ جا کر کسی مسلمان کو لگ گیا جس کا اسے کوئی علم نہیں تھا کہ ادھر کوئی آدمی ہے اور وہ مر گیا تو یہ قتل خطا ہے۔ کوئی اچانک کار، بس یا سکوٹر کے نیچے آ گیا تو یہ بھی قتلِ خطا ہے، کیونکہ ڈرائیور کی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہوتی۔ اسی طرح فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بھاری جسم والی والدہ ہے، ساتھ چھوٹا بچہ سویا ہوا ہے، والدہ نے پہلو بدلا اور وہ نیچے آ کر مر گیا تو یہ بھی قتلِ خطا ہے اور اس کی بھی با قاعدہ دیت دینا پڑے گی چاہے حقیقی ماں ہو۔

آگے قتل خطا کا حکم بیان فرمایا ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا﴾ اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو اس کے دو بدلے ہیں۔ کیونکہ قتل میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے اور وارثوں کا حق بھی ہے اس لیے کہ مقتول کسی کا باپ ہوگا، کسی کا بیٹا ہوگا، کسی کا بھائی ہوگا، کسی کا خاوند ہوگا، کسی کی بیوی ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے قتل سے منع فرمایا ہے اور اس سے غلطی سے قتل ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حق کی تلافی اس طرح ہوگی ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام جو مومن ہو۔ ﴿رَقَبَةٍ﴾ کے لفظی معنی ہیں گردن کے۔ یہ غلام اور لونڈی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک لونڈی یا ایک غلام آزاد کرنا ہوگا مگر اس کے لیے شرط ہے کہ مومن ہو۔ اس زمانے میں غلام اور لونڈیاں ہوتے تھے ہمارے زمانے میں نہیں ہیں۔

تو اگر غلام اور لونڈی اپنے پاس ہو تو آزاد کر دے اگر اپنے پاس نہیں ہے تو کسی سے خرید کر آزاد کر دے۔ اور دوسرا حق ہے اس کے وارثوں کا۔ فرمایا ﴿وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ﴾ اور مالی بدلہ ہے جو سپرد کیا جائے گا مقتول کے وارثوں کو۔ اور وہ مالی بدلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور خلفائے راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اُونٹوں کی شکل میں بھی ہوتا تھا اور سونے کے سکے دینار اور چاندی کے سکے درہم کی شکل میں بھی ہوتا تھا۔ اُونٹ سو ہوتے تھے اور دینار ایک ہزار اور درہم دس ہزار دیت تھی۔ یہ مکمل دیت تھی۔

اور اگر کوئی کسی کی آنکھ ضائع کر دیتا تو اس کی دیت پچاس اُونٹ تھی اور اگر ہاتھ کاٹ دیتا تو اس کی دیت پچاس اُونٹ تھی، ٹانگ کاٹ دیتا تو اس کی دیت بھی پچاس اُونٹ تھی اور اگر کوئی کسی کی ڈاڑھی مونڈ دیتا تو اس کی دیت سو اونٹ تھی۔ گویا شریعت میں ڈاڑھی کی قدر ایک نفس (آدمی) کے برابر ہے۔

اُس زمانے میں سو اُونٹ ایک ہزار مالیت کا ہوتا تھا اور درہم کے حساب سے دس ہزار درہم کی مالیت کا ہوتا تھا۔ آج سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل سے دریافت کیا کہ دیت کتنی ہونی چاہیے تو اس وقت جو سونے اور چاندی کی قیمت تھی اس اعتبار سے ایک لاکھ اسی ہزار یا اس کے قریب قریب طے ہوئی تھی اور اب تک پاکستان میں یہی قانون نافذ ہے اور جب سونے چاندی کی قیمت بڑھ جائے گی تو ہو سکتا ہے کہ وہ رقم بھی بڑھ جائے۔ کیونکہ سونے چاندی کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔

شرعی حق مہر اور مہر فاطمی کی وضاحت

مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے ہوتے تھے تو اس وقت سونا پچیس روپے تولہ ہوتا تھا اور اب پانچ ہزار سے بھی زائد کا

ہوگیا ہے۔انگریز کے دور میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت ایک سوبتیس روپے چار آنے تھی۔ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا تھا۔اُس زمانے میں لوگ جب مہر مقرر کرتے تھے تو کہتے مہر فاطمی ہوجائے۔کیونکہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مہر اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مہر پانچ سو درہم تھا، سوائے اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے (یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں)۔ان کا مہر چار ہزار درہم تھا۔تو چونکہ انگریز کے دور میں پانچ سو درہم چاندی کی قیمت ایک سوبتیس روپے اور کچھ آنے تھی تو لوگ مہر فاطمی کہہ کر مقرر کرتے تھے۔پھر آہستہ آہستہ سو کا ہندسہ ختم کردیا اور بتیس روپے چھ آنے رہ گیا۔پھر چھ آنے بھی گئے اور بتیس روپے رہ گیا جسے عام طور پر آج کل شرعی مہر سمجھا جاتا ہے۔اس لیے یاد رکھنا! یہ کوئی شرعی مہر نہیں ہے۔کم از کم مہر دس درہم ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے اور مہر فاطمی پانچ سو درہم ہے اور چاندی سونے کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے تو جس زمانے میں جتنی قیمت ہوگی اتنا مہر ہوگا۔

اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار اس طرح مقرر ہوا کہ یہ اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ میں تھیں، یہ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں، ان کے خاوند وہاں فوت ہوگئے، رضی اللہ عنہ۔ان کی وفات کی خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت پریشان ہوئے کہ ان کے خاوند فوت ہوگئے ہیں اور والدین ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے اور ہیں بھی سخت مزاج لوگ۔یہ سارے خاندانی طور پر سخت مزاج تھے۔کفر میں بھی سخت تھے اور جب مسلمان ہوئے تو اسلام میں بھی بہت سخت تھے۔اس وجہ سے پریشانی ہوئی کہ بہن، بھائی، باپ کافر ہیں اور ہیں بھی سخت مزاج، وہ اس کو گھر میں داخل نہیں ہونے دیں گے اس بے چاری کا کیا بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پیغام بھیجا جو کچھ ساتھیوں کے ہمراہ حبشہ جارہے تھے کہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بات کرنی ہے عدت گزرنے کے بعد۔اگر وہ میرے ساتھ نکاح پر راضی ہوجائے تو عدت گزرنے کے بعد وہیں سے نکاح کرکے لے آنا۔

چنانچہ عدت گزر چکی تھی اُنھوں نے ان سے گفتگو کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کا اظہار کیا۔وہ کہنے لگیں کہ میرے لیے اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہوسکتی ہے؟ اس وقت حبشہ کا بادشاہ تھا اصحمہ رضی اللہ عنہ۔اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہیں ہے، رویت کے اعتبار سے صحابی نہیں ہیں دور کے اعتبار سے صحابی ہیں۔کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، ان کے ساتھ بھی گفتگو کی، انھوں نے اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کہا کہ یہ پیغام آپ نے سن لیا ہے؟ کہنے لگی: ہاں! سن لیا ہے اور میں راضی ہوں تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح پڑھا دیا اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قبول کرلیا، کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے وکیل تھے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی خود مجلس نکاح میں حاضر نہ ہو تو اس کا وکیل اس کی طرف سے قبول کرلے۔یہ جو ٹیلی فون پر نکاح ہوتے ہیں وہ جائز نہیں ہیں۔کیونکہ نکاح کے لیے مجلس کا ایک ہونا شرط ہے۔بچی جس کا نکاح ہورہا ہے اور بچہ جس کے ساتھ ہورہا ہے، وہ دونوں مجلس نکاح میں موجود ہوں اور اگر خود موجود نہ ہوں تو ان کا وکیل موجود ہو اور ان کی طرف سے قبول

کرے۔ مثلاً: لڑکا برطانیہ، امریکہ، سعودیہ کسی ملک میں ہے اور بچی پاکستان میں ہے تو وہ اپنے باپ یا بھائی یا دوست کو فون کرے کہ تو میری طرف سے وکیل ہے لہٰذا میری طرف سے قبول کرلے تو اس طرح نکاح ہو جائے گا۔ اور وکیل اس طرح کہے گا کہ میں نے فلاں لڑکی جو فلاں کی بیٹی ہے فلاں لڑکا جو فلاں کا بیٹا ہے کے لیے قبول کی ہے۔

تو حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے وکیل تھے، اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نکاح قبول کیا۔ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب سے آنحضرت رضی اللہ عنہ کی طرف سے چار ہزار درہم مہر دیا۔ تو اس طرح ان کا مہر چار ہزار درہم تھا اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا پانچ سو درہم تھا۔

تو بات چلی تھی دیت سے کہ آج سے پانچ چھ سال قبل جب سونے کی قیمت پانچ ہزار روپے تھی، دیت مقرر ہوئی تھی ایک لاکھ اَسّی ہزار روپے۔ قیمت بڑھے گی تو دیت بھی بڑھ جائے گی، جو دینی ہے وارثوں کو ﴿اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا﴾ مگر یہ کہ وارث معاف کر دیں۔ کیونکہ وارثوں کو معافی کا حق ہے۔ مثلاً: وہ یہ کہیں کہ ہمارا عزیز تو دنیا سے چلا گیا ہے اور تم نے جان بوجھ کر تو قتل نہیں کیا، غلطی سے ہو گیا لہٰذا ہم اس کی دیت نہیں لینا چاہتے، یہ وارثوں کو حق حاصل ہے۔

﴿فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ پس اگر ہے وہ ایسی قوم سے جو تمھاری دشمن ہے اور وہ خود مومن ہے۔ اس کو آپ مثال کے طور پر اس طرح سمجھیں کہ ہمارے ملک پاکستان کے ساتھ ہندوستان ہے اور وہ دار الحرب ہے، وہاں ہندو اور سکھ رہتے ہیں۔ سکھ برادری میں سے یا ہندوؤں میں سے ایک آدمی مسلمان ہو گیا، باقی ساری برادری کافر ہے، یہ مسلمان بارڈر پر کھڑا تھا اور وہ تم سے قتل ہو گیا تو چونکہ اس کی برادری کافر ہے لہٰذا اس کی دیت نہیں دی جائے گی صرف اللہ تعالیٰ کے حق کا کفارہ دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق بھی تو توڑا ہے۔ وہ (کفارہ) ہے ایک غلام یا ایک لونڈی کا آزاد کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ پس آزاد کرنا ہے ایک غلام کا جو مومن ہو۔

ذمی کافر کے احکام

﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ اور اگر ہے وہ ایسی قوم سے کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہے۔ مراد وہ کافر ہے جو مسلمان کے ملک میں رہتا ہے اس کو ذمی اور معاہد کہتے ہیں کہ اس نے معاہدہ کیا ہوتا ہے کہ میں ملکی قوانین کی پابندی کروں گا اور حکمران طبقہ کے ذمہ ہے اس کے مال اور جان کی حفاظت کرنا۔ وہ کافر جو مسلمانوں کے ملک میں ذمی بن کر رہتے ہیں ان پر مکمل اسلامی قوانین کی پابندی کرنا لازمی ہوتی ہے، سوائے تین چیزوں کے: شراب اور خنزیر کے ان میں وہ آزاد ہیں کہ شراب بنائیں اور پئیں، سؤر پالیں اور کھائیں، نیز ان کے آپس میں نکاح، طلاق، وراثت کے احکام بھی ان کے مذہب کے مطابق ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ((اَلْخَمْرُ لَهُمْ كَالْخَلِّ لَنَا)) "شراب ان کے لیے ایسے ہی ہے جیسے ہمارے

لیے سرکہ ہے۔" وَالْخِنْزِيْرُ لَهُمْ كَالشَّاةِ لَنَا "اور خنزیر ان کے لیے ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لیے بکری ہے۔" ان کے علاوہ باقی سارے اسلامی احکام ان پر لاگو ہوں گے۔ مثلاً: اگر وہ اپنی ماں، بہن، بیٹی کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں تو اسلام ان کو اجازت نہیں دے گا اور وہ ہمارے ملک میں ایسا نہیں کر سکیں گے یا وہ کہیں کہ سود ہمارے ہاں حلال ہے، تو ہم تسلیم نہیں کریں گے۔ اگر وہ کسی کو قتل کریں گے تو ان پر باقاعدہ وہی حد جاری ہوگی جو مسلمانوں پر جاری ہوتی ہے۔

تو فرمایا اگر وہ مقتول ذمی قوم کا ہے اور ہے مسلمان۔ مطلب یہ ہے کہ باقی سارے کافر ہیں اور یہ ان میں سے مسلمان ہو گیا تھا جیسے: بعض قادیانی مسلمان ہوجاتے ہیں یا بعض عیسائی مسلمان ہوجاتے ہیں یا منکرین حدیث میں سے مسلمان ہوجاتے ہیں یا بعض رافضی مسلمان ہوجاتے ہیں تو اگر مقتول ایسی قوم کا فرد ہے کہ تمھارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہے ﴿فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ﴾ بس مال کا بدلہ ہے سپرد کیا جائے اس کے وارثوں کو ﴿وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ اور آزاد کرنا ہے ایک گردن کا جو مومن ہو۔

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جس نے نہ پایا غلام یا لونڈی۔ یعنی اگر کسی کو غلام اور لونڈی نہ ملے جیسے آج کل شرعی طور پر کوئی غلام یا لونڈی نہیں ہے یا اگر اس زمانے میں غلام تو ہوں مگر اس کے پاس نہ ہوں اور نہ خرید کر آزاد کرنے کی طاقت ہو ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ پس روزے ہیں دو مہینے لگاتار۔ دو مہینے لگاتار روزے رکھنے ہیں درمیان میں فاصلہ نہ آئے، تسلسل نہ ٹوٹے۔ اگر تسلسل ٹوٹ گیا تو از سرِ نو شروع کرنا پڑیں گے۔ مثلاً: ایک آدمی نے روزے رکھنے شروع کیے، پچاس رکھ چکا یا پچپن رکھ چکا اور اتفاقاً بیمار ہو گیا اور آگے روزہ نہیں رکھ سکا تو اب جب شروع کرے گا تو از سرِ نو شروع کرے گا اور پورے دو مہینے رکھے گا کیونکہ تسلسل ٹوٹ گیا تھا پچھلے روزوں کا، تو اس کو الگ ثواب ملے گا۔

البتہ عورتوں کا مسئلہ الگ ہے کہ مثلاً: کسی عورت سے قتلِ خطا ہو گیا ہے اور اس نے روزے رکھنے شروع کیے، بیس پچیس روزے رکھے اور ایام ماہواری شروع ہو گئے تو جب یہ دن اس کی عادت کے مطابق ختم ہوں گے، کیونکہ کسی کی عادت پانچ دن کی، کسی کی سات دن کی، کسی کی دس دن کی ہوتی ہے تو پاک ہو کر روزے رکھنا شروع کر دے گی اور جتنے باقی رہ گئے تھے وہ پورے کرے گی۔ ایام ماہواری کی وجہ سے اس کا تسلسل نہیں ٹوٹا، کیونکہ اس کے بس میں نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ حج کے سفر پر روانہ ہوئے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔ جب مقامِ سرف پر پہنچے جو پہلے مکہ مکرمہ سے باہر تھا اور اب شہر میں داخل ہو گیا ہے، یہاں آپ ﷺ ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! روتی کیوں ہو؟ کہنے لگی حضرت! میں نے حج کا احرام باندھا ہوا ہے مگر ایام ماہواری شروع ہو گئے ہیں اب میں حج تو نہیں کر سکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہ رو۔ ((شَيْءٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ)) "یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں پر لکھ دی ہے"، صرف تجھ اکیلی کا مسئلہ تو نہیں ہے۔

دیکھو! نظامِ قدرت ہے جب ماں کے پیٹ میں بچے کا وجود بنتا ہے تو یہ خون اس کی خوراک ہوتا ہے اور جب بچہ ماں کے پیٹ میں نہیں ہوتا تو یہ خون خارج ہوتا رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ تو یہ خون عورت کے بس میں نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے روزوں کا تسلسل نہیں ٹوٹتا اور مردوں کو حیض نہیں آتا لہٰذا اگر ان کا ایک روزہ بھی رہ گیا تو تسلسل ٹوٹ جائے گا اور روزے از سرِ نو شروع کرنے پڑیں گے۔ ﴿تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ ہے توبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، توبہ کا ذریعہ ہے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا۔

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ﴾ اور جو شخص قتل کرے ﴿مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا﴾ مومن کو دیدہ دانستہ ﴿فَجَزَآؤُهٗ﴾ پس بدلہ اس کا ﴿جَهَنَّمُ﴾ دوزخ ہے ﴿خٰلِدًا فِيْهَا﴾ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا ﴿وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا ﴿وَ لَعَنَهٗ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی ﴿وَ اَعَدَّ لَهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے اس کے لیے ﴿عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ عذاب بہت بڑا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا ضَرَبْتُمْ﴾ جب تم سفر کرو ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ پس خوب تحقیق کر لیا کرو ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا﴾ اور نہ کہو تم ﴿لِمَنْ﴾ اس کے بارے میں ﴿اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ﴾ جس نے ڈالا تمھاری طرف سلام ﴿لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ کہ تو مومن نہیں ہے ﴿تَبْتَغُوْنَ﴾ چاہتے ہو تم ﴿عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی کا سامان ﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے پاس ﴿مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ﴾ بہت ساری غنیمتیں ہیں ﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ﴾ اسی طرح تھے تم ﴿مِّنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ پس اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِمَا﴾ اس کارروائی سے ﴿تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿خَبِيْرًا﴾ خبردار ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ﴾ نہیں ہیں برابر بیٹھنے والے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں میں سے ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ جو ضرور والے نہیں ہیں ﴿وَ الْمُجٰهِدُوْنَ﴾ اور وہ جو جہاد کرتے ہیں ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ کے راستے میں ﴿بِاَمْوَالِهِمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ ﴿وَ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ﴾ فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿الْمُجٰهِدِيْنَ﴾ مجاہدوں کو ﴿بِاَمْوَالِهِمْ﴾ جنھوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ ﴿وَ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿عَلَى الْقٰعِدِيْنَ﴾ جو جہاد سے بیٹھے رہتے ہیں ﴿دَرَجَةً﴾ درجے کے اعتبار سے ﴿وَ كُلًّا﴾ اور ہر ایک سے ﴿وَّعَدَ اللّٰهُ﴾ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿الْحُسْنٰى﴾ بھلائی کا ﴿وَ فَضَّلَ اللّٰهُ﴾ اور فضیلت عطا فرمائی

ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿الْمُجٰهِدِيْنَ﴾ جہاد کرنے والوں کو ﴿عَلَى الْقٰعِدِيْنَ﴾ بیٹھے رہنے والوں پر ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ بہت بڑے اجر کی ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ﴾ یہ درجے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَ مَغْفِرَةً﴾ اور بخشش ہے ﴿وَ رَحْمَةً﴾ اور مہربانی ہے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رَّحِيْمًا﴾ رحمت کرنے والا۔

کل کے سبق میں آپ حضرات نے قتلِ خطا کا حکم سنا اور پڑھا کہ مومن مومن کو خطأ قتل کرے تو اس کی سزا ہے ایک غلام کا آزاد کرنا، اللہ تعالیٰ کے حق کی تلافی کے لیے۔ اور دیت یعنی مالی بدلہ ہے مقتول کے وارثوں کے لیے۔ جو قدرے تفصیل سے کل بیان کیا تھا۔ اب اس قتل کی سزا کا ذکر ہے جو مومن کو دیدہ دانستہ قتل کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا﴾ اور جو قتل کرے مومن کو دیدہ دانستہ ﴿فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ﴾ پس بدلہ اس کا دوزخ ہے ﴿خٰلِدًا فِيْهَا﴾ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا ﴿وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا۔ ظاہر ہے جس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہی ہوگا ﴿وَ لَعَنَهٗ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی ﴿وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے اس کے لیے عذاب بہت بڑا۔

تو جو آدمی مومن کو جان بوجھ کر دیدہ دانستہ قتل کرے گا اس کی یہ سزا بیان فرمائی کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اس پر خدا کا غضب اور لعنت ہے اور بڑا عذاب ہے۔ کیونکہ حقوق العباد میں یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ جس طرح حقوق اللہ میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک اکبر الکبائر ہے، بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے۔ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا حضرت! بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا صفات میں یا افعال میں کسی کو شریک ٹھہرانا بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ صفات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کے افعال میں کوئی شریک ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے کسی کام کے متعلق سوال کیا کہ ہوا ہے یا نہیں؟ اس نے جواب میں یہ الفاظ کہے مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ "میرا کام ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور آپ نے چاہا۔" اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ مَاشَاءَ مُحَمَّدٌ ﷺ۔ "جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور محمد ﷺ کو منظور ہوا تو میرا کام ہو جائے گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: أَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ "کیا تو نے مجھے خدا کا شریک بنایا ہے؟" بَلْ قُلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ "بلکہ یوں کہو جو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کو منظور ہوگا، وہی ہوگا۔" کیونکہ مشیت اور ارادہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یاد رکھنا! کچھ لوگ لاعلمی کی وجہ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے میرا کام ہو جائے گا یا اس طرح کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے میں مقدمہ سے بری ہو جاؤں گا۔ یہ شرک

ہے۔ یا اس طرح کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے امتحان میں پاس ہو جاؤں گا۔ یا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مجھے تجارت میں نفع ہوگا، برکت ہوگی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے میں رشتہ لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ یہ سب شرکیہ جملے ہیں۔ کیونکہ تکوینی کام جتنے ہیں ان میں رب تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کیونکہ اس صحابی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت! مجھے آپ نے پیدا کیا ہے، زمین اور آسمانوں کو آپ نے پیدا کیا ہے، مخلوق آپ نے پیدا کی ہے، بلکہ صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور آپ کو منظور ہوا تو میرا کام ہو جائے گا اس کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک فرمایا۔ کیونکہ مشیت وارادہ بھی رب تعالیٰ کی صفت ہے اور اس میں کسی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

ہاں! جو شرعی احکام ہیں ان کے متعلق اگر اس طرح کہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ نماز پڑھو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے والدین کی فرماں برداری کرو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ جھوٹ نہ بولو۔ یہ سب شرعی احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اس لیے یہ شرکیہ جملے نہیں ہیں۔

بدعت کا گناہ

باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بیمار صحت مند ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فلاں کو بیٹا ملے گا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تجارت میں برکت ہوگی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فلاں مصیبت ٹل جائے، یہ کہنا شرک ہے۔ اکثر لوگ جو شرک میں مبتلا ہیں اور بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں یہ لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں ورنہ ان کو رب تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت نہیں ہے۔ ان کو علم ہو جائے کہ شرک کتنا بڑا گناہ اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ شرک ہی ہے تو کبھی قریب نہ جائیں۔ اس طرح بدعت کے متعلق علم ہو جائے کہ کتنا بڑا گناہ ہے تو لوگ اس کے قریب نہ جائیں۔ اگر کوئی شخص مسجد کے محراب میں سو بوتلیں شراب کی پیے تو کتنا گناہ ہے سارے سمجھتے ہیں کہ شراب پینا بڑا گناہ پھر مسجد کے محراب میں بیٹھ کر پینا اور زیادہ گناہ ہے، لیکن ایک بدعت کا ارتکاب کرنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس لیے کہ شراب پینے سے دین کا حلیہ اور نقشہ نہیں بدلتا کیونکہ سارے سمجھتے ہیں کہ گناہ ہے اور بدعت کرنے سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ کیونکہ بدعت دین سمجھ کر کی جاتی ہے۔ لہٰذا ایک بدعت سو کبیرہ گناہوں سے بھی بڑی ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ یعنی بدعت کی اتنی نحوست ہے کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ اتنا بڑا گناہ ہے اور اکثر لوگ لاعلمی کی وجہ سے شرک اور بدعت میں مبتلا ہیں۔

یہاں جو معمر بزرگ بیٹھے ہیں ان کو یاد ہوگا کہ میرے پاس ایک بزرگ آئے تھے، حافظ اللہ داد صاحب مرحوم ضلع گجرات میں قصبہ پٹیالہ کے رہنے والے تھے، وہ میرے پیر بھائی بھی تھے اور کئی دن میرے پاس ٹھہرتے تھے۔ پنجابی کے

بہترین واعظ تھے۔ اُنھوں نے ایک دفعہ اپنے قصبے کا واقعہ سنایا کہ ہمارے قصبے کا ایک چودھری تھا جو کافی جائیداد کا مالک تھا، وہ فوت ہو گیا۔ پسماندگان میں ایک بیوہ اور دو لڑکے تھے، لڑکی کوئی نہیں تھی۔ لڑکوں کا جائیداد کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا کہ مثلاً:

ایک نے کہا کہ میں نے یہ حصہ لینا ہے، دوسرے نے کہا کہ یہ حصہ میں نے لینا ہے۔ جھگڑا کافی طول پکڑ گیا، عزیز رشتہ داروں نے بھی مداخلت کی مگر صلح نہ ہو سکی اور وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ والدہ ناراض ہو کر میکے چلی گئی کہ میں تمھاری والدہ ہوں اور تم میری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہو لہٰذا تم جانو اور تمھارا کام جانے۔ اس پر برادری نے ملامت کی کہ تمھاری والدہ اگرچہ اپنے بھائیوں کے ہاں رہ رہی ہے مگر وہ اپنے گھر اچھی لگتی ہے۔ ان کو شرمندگی ہوئی، والدہ کو لینے کے لیے گئے مگر وہ نہ مانی تو واپس آ گئے۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے مجھے کہا کہ آپ ہمارے قصبے کے امام ہیں، استاد ہیں، آپ کی بات مانی جائے گی لہٰذا آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا، جب گھر میں داخل ہوئے تو والدہ سامنے برآمدے میں بیٹھی تھی، دونوں بھائی آگے بڑھے، ایک نے والدہ کے ایک کندھے پر ہاتھ رکھا دوسرے نے دوسرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور والدہ کو راضی کرنے کے لیے کہا کہ ہمارے ساتھ چل! کیا تو ہماری بے بے (ماں) نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ میں تمھاری کوئی بے بے شیبے نہیں ہوں میں تو اللہ، رسول کی بے بے ہوں۔

دیکھو! اس نے یہ جملہ پیار سے کہا اور ہے کفر۔ محبت میں آ کر رب تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے بے بن کے بیٹھ گئی، کافر ہو گئی اور ساری نیکیاں برباد ہو گئیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس پارے میں تم پڑھ چکے ہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ "کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کریں گے۔" کیونکہ رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس سے ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور حشر میں شرک کی کوئی معافی نہیں ہے اور عوام بے چارے جہالت کا شکار ہیں ورنہ ان کو رب تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت نہیں ہے، ہمد دین سے عداوت ہے۔

البتہ کچھ لوگ شرک اور بدعات کا ارتکاب ضد کی وجہ سے کرتے ہیں ان کا کوئی علاج نہیں ہے اور جس طرح شرک بہت بڑا گناہ ہے اسی طرح شرک کے بعد بدعت بہت بڑا گناہ ہے اور حقوق العباد میں قتلِ ناحق بہت بڑا گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حقوق العباد میں سب سے پہلے قتلِ ناحق کا مقدمہ پیش ہو گا اور یہ مسئلہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ قتل کرنے والا، قتل پر اُبھارنے والا، قتل کا مشورہ دینے والا سب ایک ہی درجہ کے مجرم ہیں۔ اور یہ مسائل سمجھنے والے ہیں اور عمل کرنے والے ہیں۔

اگلی آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت غالب بن فضالہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک لشکر محاذ پر روانہ فرمایا کہ فلاں محاذ پر جاؤ اور جہاد کرو۔ یہ لوگ جہاد سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک مشہور قبیلہ بنو اسلم آباد تھا۔ یہ کافی بڑا قبیلہ تھا ان کے کچھ لوگ پہاڑوں پر آباد تھے اور کچھ لوگ میدانی علاقے میں۔ اس قبیلے کے ایک بزرگ جن کا نام مرداس بن نہیق تھا، مسلمان ہو چکے تھے، باقی گھر کے افراد اور برادری کافر تھی، یہ تنہا مسلمان تھے، ان کے پاس بھیڑ

بکریوں کا ریوڑ تھا، یہ اس فکر میں تھے کہ میں کس طرح ہجرت کروں؟ ان جانوروں کا کیا بنے گا؟ بچوں کا کیا بنے گا؟ آخر انسان ہے، ان چیزوں کے بارے میں سوچتا ہے، ادھر سے جب مجاہد نعرے لگاتے ہوئے آئے تو حضرت مرداس بن نہیک رضی اللہ عنہ بمع ریوڑ کے راستہ میں کھڑے ہوگئے کہ میرے عقیدہ کے ساتھی آئے ہیں، کیونکہ قدرتی طور پر آدمی کو ہم عقیدہ آدمی کے ساتھ محبت ہوتی ہے چاہے عقیدہ جیسا ہی ہو۔

تو یہ بڑے خوش ہوئے، سلام کیا اور کہا کہ میں بھی مسلمان ہوں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ پڑھا، پھر کلمۂ شہادت: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھا اور بڑی عقیدت اور محبت سے ان کے ساتھ پیش آئے۔ مجاہدین کے ذہن میں آیا کہ ہجرت فرض ہے اگر یہ مومن ہوتا تو ہجرت کرتا۔ کیونکہ ابتدائی دور میں ہجرت فرض تھی، جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کو حکم تھا کہ جہاں تم آسانی کے ساتھ دین پر عمل کر سکتے ہو وہاں چلے جاؤ اور اس نے ہجرت نہیں کی لہٰذا یہ مومن نہیں ہے اور اپنی بھیڑ بکریاں بچانے کے لیے ہمیں سلام کہہ رہا ہے۔ یہ بدگمانی پیدا ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ مجاہدین نے اس کو قتل کر دیا اور بھیڑ، بکریاں، مال غنیمت سمجھ کر ساتھ لے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ جب تم سفر کرو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ تو خوب تحقیق کر لیا کرو ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا﴾ اور نہ کہو تم ﴿لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ﴾ اس کے بارے میں جس نے ڈالا تمھاری طرف سلام ﴿لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ کہ تو مومن نہیں ہے۔ جس نے تمھیں سلام کیا، اپنے اسلام کا اظہار کیا، اس کو تم یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے ﴿تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ چاہتے ہو تم دنیا کی زندگی کا سامان۔ یہ بکریاں دیکھ کر تمھاری آنکھیں للچا گئیں ﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں ﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ اسی طرح تھے تم اس سے پہلے کہ جس کو تم کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، وہ تمھیں مسلمان سمجھتا تھا، اسی طرح تم بھی دوسروں کو مسلمان سمجھو اگر وہ تمھیں مسلمان نہ سمجھتا تو تمھارا کیا حشر ہوتا؟

مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں اسے مسلمان ہی سمجھنا چاہیے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے خلاف نہ ہو، اس کے قول اور فعل سے اسلام کے خلاف کوئی چیز سرزد نہ ہو۔ لیکن جو شخص زبانی طور پر تو کہے کہ میں مسلمان ہوں اور اس کا عقیدہ اور عمل اسلام کے خلاف ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ مثلاً: قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور منکرین حدیث بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، رافضی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور باقی فرقے والے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اسی طرح بہائی بھی اور یہ سب غیر اسلامی عقائد بھی رکھتے ہیں۔ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ حدیث کوئی شے نہیں ہے اور رافضی کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن پاک اصلی نہیں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں اور بابی محمد علی باب کو پیغمبر مانتے ہیں اور بہائی بہاء الدین کو پیغمبر مانتے ہیں اور یہ کفریہ عقائد ہیں لہٰذا ان عقائد کے ہوتے ہوئے ان کے مسلمان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بے شک اسلام کے دعوے دار بنے رہیں۔

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ جس شخص کا کفر قطعی طور پر ثابت ہو جائے اس کو جو کافر نہیں کہے گا وہ بھی کافر ہے۔ مثلاً: کسی آدمی کے متعلق علم ہو جائے کہ یہ قادیانی ہے اگر اس کو کافر نہیں کہتا وہ خود کافر ہے۔ یہ مسئلہ نہ بھولنا مگر تحقیق کے بعد۔ محض ظن اور گمان سے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ خوب تحقیق کرو۔

فرمایا ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ پس اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ مسلمان کو مسلمان کہنے میں بھی اور کافر کو کافر کہنے میں بھی جلد بازی سے کام نہ لو۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو خبردار۔

مجاہد اور غیر مجاہد میں فرق

آگے اللہ تعالیٰ نے مجاہد اور غیر مجاہد کا فرق بیان فرمایا ہے۔ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ نہیں ہیں برابر بیٹھ رہنے والے مومنوں سے ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ جو ضرر والے نہیں ہیں۔ ان کو کوئی تکلیف اور عذر نہیں ہے، وہ مومن جو گھروں میں بیٹھے ہیں، جہاد نہیں کرتے اور ان کو کوئی عذر بھی نہیں ہے، اندھے نہیں ہیں، لنگڑے نہیں ہیں، بوڑھے نہیں ہیں، بیمار نہیں ہیں، تندرست ہیں، کوئی عذر بھی نہیں ہے اور جہاد نہیں کرتے، یہ برابر نہیں ہیں ان مجاہدین کے ﴿وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ جو جہاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ۔ یہ اور وہ جو گھر بیٹھنے والے ہیں برابر نہیں ہو سکتے۔ البتہ جو عذر کی وجہ سے نہیں جا سکتا اور اشتیاق ہے اس کو اللہ تعالیٰ پورے مجاہد کا اجر دے گا۔

غزوۂ تبوک جو ہجرت کے نویں سال پیش آیا۔ یہ بڑا عسرت کا غزوہ تھا، گرمی کا موسم تھا، سفر لمبا تھا، مالی طور پر تنگی تھی، فصل پکی ہوئی تھی، رومیوں کے ساتھ لڑائی تھی۔ آنحضرت ﷺ جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاؤں کے چمڑے اُتر گئے تھے، گرم ریت کی وجہ سے ناخن اُتر گئے تھے، ایسا موقع بھی آیا کہ کسی کے پاس پانی نہ تھا، ایک دو آدمی شدت پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ آوازیں دی گئیں هَلْ مَعَكُمْ مِّنْ مَّاءٍ؟ بھائی! کسی کے پاس پانی ہے؟ جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ کسی کے پاس پانی نہ تھا۔ فرمایا دائیں بائیں تلاش کرو، مگر کہیں سے پانی نہ ملا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اُونٹ ذبح کر کے اس کی اُوجھڑی نچوڑ کر ان کے منہ میں ڈالو تا کہ جان بچ جائے۔ کیونکہ اضطراری حالت میں مسئلہ جدا ہے۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہیں مدینہ طیبہ میں، ان کو بھی اتنا ثواب ملا ہے جتنا تمھیں ملا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! ہمارے تو پاؤں کے چمڑے اُدھڑ گئے ہیں، ناخن اُتر گئے ہیں، گرمی کی وجہ سے ہمارے حلیے بگڑ گئے ہیں اور وہ لوگ گھروں میں بیٹھے ہیں اور ان کو ہمارے برابر اجر مل گیا؟ فرمایا: ہاں! حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ "ان کو عذر نے روک دیا ہے۔" وہ معذور ہونے کی وجہ سے نہیں آ سکے ورنہ وہ گھر بیٹھنے پر خوش نہیں ہیں، تندرست ہوتے تو تمھارے ساتھ ہوتے۔

اسی واسطے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اچھے کام کی نیت کرے اللہ تعالیٰ اس کو اس کام کا اَجر عطا فرما دیتے ہیں۔ اور یہ بھی حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص نے جہاد نہ کیا اور اگر جہاد نہیں ہو رہا اور اس نے نیت نہ کی تو مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِّفَاقٍ [رواہ مسلم] "یہ جب بھی مرے گا نفاق پر مرے گا۔" اور ایک روایت میں آتا ہے مَیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً "مردار موت مرے گا۔" اور جو شخص نیت کرے کہ جب جہاد کا موقع آئے گا تو میں ضرور جہاد کروں گا بَلَّغَہُ اللّٰہُ مَنَازِلَ الشُّھَدَاءِ وَ اِنْ مَّاتَ عَلٰی فِرَاشِہٖ [رواہ مسلم] "اس کو اللہ تعالیٰ شہداء کے ساتھ کھڑا کریں گے اگرچہ یہ اپنی چارپائی پر مرے۔" کیونکہ اس کی نیت ایسی تھی۔ کام میں نیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

تو جو مومن معذور نہ ہونے کے باوجود گھروں میں بیٹھے ہیں جہاد نہیں کرتے یہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔ ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ﴾ فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کو جنھوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿عَلَى الْقٰعِدِيْنَ﴾ ان پر جو بیٹھے رہتے ہیں ﴿دَرَجَةً﴾ درجے کے اعتبار سے۔ مجاہد کا درجہ اور ہے اور غیر مجاہد کا درجہ اور ہے ﴿وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ اور ہر ایک سے وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا۔ ہیں تو وہ بھی مومن، ایمان کا صلہ تو ان کو بھی ملے گا، لیکن ﴿وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ﴾ اور فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ بہت بڑے اجر کی ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ﴾ یہ درجے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً﴾ اور بخشش ہے اور مہربانی ہے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحمت کرنے والا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ﴿ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ﴿قَالُوْا﴾ فرشتے کہتے ہیں ﴿فِيْمَ كُنْتُمْ﴾ تم کس حال میں تھے ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ﴾ ہم کمزور تھے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿قَالُوْٓا﴾ فرشتوں نے کہا ﴿اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً﴾ کیا نہیں تھی اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ؟ ﴿فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾ پس تم ہجرت کر جاتے اس زمین میں ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس وہ لوگ ہیں ﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ٹھکانا ان کا جہنم ہے ﴿وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ اور بہت بُرا ہے ٹھکانا ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ﴾ مگر وہ کمزور ﴿مِنَ الرِّجَالِ﴾ مردوں میں سے ﴿وَ النِّسَآءِ﴾ اور عورتوں میں سے ﴿وَ الْوِلْدَانِ﴾ اور بچوں میں سے ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ نہیں طاقت رکھتے ﴿حِيْلَةً﴾ کسی تدبیر کی ﴿وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا﴾ اور وہ نہیں راہ پاتے ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس وہ لوگ ہیں ﴿عَسَى اللّٰهُ﴾ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ﴾ معاف کر دے گا ان کو ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَفُوًّا﴾ معاف کرنے والا

﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور جس نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿يَجِدْ﴾ پائے گا ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿مُرٰغَمًا﴾ بھاگنے کی جگہیں ﴿كَثِيْرًا﴾ بہت سی ﴿وَّسَعَةً﴾ اور وسعت اور گنجائش ﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ﴾ اور وہ شخص جو نکلا ﴿مِنْۢ بَيْتِهٖ﴾ اپنے گھر سے ﴿مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ﴾ ہجرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ﴾ پھر پالے اس کو موت ﴿فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ پس تحقیق واقع ہوگیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رَّحِيْمًا﴾ مہربان۔

مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اس پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کا اظہار کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عبادتیں فرض ہیں اور واجب ہیں ان کو ادا کرے۔ اگر وہاں کے لوگ رکاوٹ بنیں تو جہاد کرے، اگر جہاد کی طاقت اور قوت نہیں ہے تو ایمان اور دین کی حفاظت کے لیے وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلا جائے کہ جہاں اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ اگر کافروں کے علاقے میں رہتا ہے تو جب یہ اپنے عقیدے کا اظہار کرے گا تو دوسروں کو تکلیف ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اعلان فرمایا تو مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ "کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" کہ سارے خداؤں، حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں اور دستگیروں اور فریادرسوں کا انکار کر کے کہتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے یہ تو بڑی عجیب اور نرالی بات ہے ہم نہیں مانتے۔

اور سورۃ الصافات پارہ: ۲۳ میں آتا ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ "بے شک ان کا حال یہ تھا کہ جب ان کو کہا جاتا تھا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کرتے تھے، اُچھلتے تھے۔" تو عقیدے کے اظہار پر مخالفوں کو تکلیف ہونا ظاہر ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جہاں ان کی اکثریت ہوگی وہ پریشان کریں گے اور کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کو اپنے عقیدے پر نہ رہنے دیں۔ تو ایسی صورت حال میں یہی حکم ہے کہ اگر وہ اپنے عقیدے پر نہیں رہ سکتے اور عبادات ادا نہیں کر سکتے تو ان کے ساتھ جہاد کریں اور اگر جہاد کی طاقت اور توفیق نہیں ہے تو پھر وہاں سے ہجرت کرنی پڑے گی۔

اور یہ بھی یاد رکھنا! کہ جہاد مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ ایمان اور عبادت کے برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اگر کسی علاقے میں کافر روڑے نہ اَٹکائیں اور تنگ نہ کریں تو جہاد کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! اگر رکاوٹیں پیدا کریں اور عبادت ادا نہ کرنے دیں تو پھر ان کے خلاف جہاد کرنا ہے اور اگر جہاد کی طاقت نہ ہو تو ہجرت کرنی پڑے گی اور ہجرت کوئی آسان معاملہ نہیں ہے۔ آپ تصور کریں کہ آدمی کا ذاتی مکان ہو اور سامان سے بھرا ہوا ہو اور اپنی زمین ہو، باغات ہوں یا اپنا کاروبار ہو، کارخانے ہوں اور اسی علاقے میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی ہو، ایسی جگہ کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہجرت کرتے وقت کتنا

سامان اُٹھا کر ساتھ لے جاسکتا ہے، صرف ضروری ضروری سامان بھی اُٹھالے تو بڑی بات ہے۔ مگر جب ایمان کی حفاظت مقصود ہو تو یہ سب کچھ کرنا ہوتا ہے کیونکہ ایمان بہت بڑی دولت ہے اور یہ ساری چیزیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

ایمان کی قدر وقیمت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اُمت میں اول نمبر کے فقیہ اور اول نمبر کے مفسر قرآن اور بلند درجے کے صحابی ہیں اور مسلمان ہونے میں ان کا چھٹا نمبر ہے، ان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس آدمی کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو ایمان کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں آتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ "بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اُسے بھی دیتا ہے جس سے پیار کرتا ہے اور اُسے بھی دیتا ہے جس سے پیار نہیں کرتا" وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ "اور دین صرف اُسے دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔" اور ایک روایت میں آتا ہے وَلَا يُعْطِي الْإِيْمَانَ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ "کہ ایمان صرف اُسے عطا فرماتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔" تو ایمان صرف اُسے ملتا ہے جس پر رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور مال کا مل جانا اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل نہیں ہے وہ نیکوں کو بھی ملتا ہے اور بُروں کو بھی ملتا ہے۔

تو ایمان بڑی قیمتی دولت ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کوئی چیز نہیں ہے۔ تو قیمتی شے کی حفاظت کرنا ضروری ہے لہٰذا اگر ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو مسلمان پر لازم ہے کہ مکان، زمین، باغات، کارخانے سب چھوڑ دے اور ہجرت کر کے ایمان کو بچالے اور ایمان کی حفاظت کرے۔ کیونکہ قیمتی شے کی حفاظت کرنی ہے۔ لیکن آقا کے حکم کے مقابلہ میں کوئی شے قیمتی نہیں ہے۔

محمود اور ایاز

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء میں سے گزرے ہیں۔ مثنوی شریف ان کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں اُنھوں نے ایمان، اتباعِ سنت اور اخلاقیات کو حکایات کی صورت میں بیان فرمایا ہے۔ اُنھوں نے مثنوی شریف میں سلطان محمود غزنوی کا واقعہ نقل فرمایا ہے۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان ہندوؤں کے مظالم کی وجہ سے پریشان ہیں اور ہندو مسلمانوں کو بہت پریشان کرتے ہیں تو اُنھوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے ہندوؤں کی طاقت کو پامال کیا، سومنات کا بت توڑا اور بڑے قیمتی ہیرے اور جواہرات ہاتھ آئے۔ ان میں ایک بڑا قیمتی ہیرا بھی ان کو حاصل ہوا۔ ان کے ایک سپاہی کا لڑکا تھا جس کا نام ایاز تھا۔ یہ بچہ بڑا سمجھدار تھا۔ اس کو وہ اپنے پاس بٹھاتے تھے اور وزیروں اور مشیروں کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی کہ بادشاہ سلامت دس گیارہ سال کے بچے کو اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ ہم کچھ کہہ تو نہیں سکتے مگر اس چھوٹے بچے کا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ ہے تو چھوٹا مگر بڑا سمجھدار ہے۔

ایک موقع پر اُنھوں نے اس طرح کیا کہ اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ ایک پتھر اور ایک ہتھوڑا لا کر دربار میں رکھ دے۔ چنانچہ ملازم نے دونوں چیزیں مہیا کر دیں۔ دربار لگا تو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جیب سے وہ قیمتی ہیرا نکالا اور ہیرے

کی یہ خاصیت ہے کہ یہ گھستا نہیں ہے، ٹوٹ سکتا ہے۔ ہیرے کے علاوہ دنیا کی کوئی دھات ایسی نہیں ہے جو نہ گھسے۔ مثلاً: لوہا ہے، پیتل ہے، تانبا ہے، سونا ہے، چاندی ہے، یہ سب دھاتیں گھس جاتی ہیں مگر ہیرے میں رب تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ گھستا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیمتی گھڑیوں کی چولیں ہیرے کی ہوتی ہیں۔ تو بادشاہ نے ایک وزیر کو کہا کہ اس ہیرے کو پتھر پر رکھ کر ہتھوڑے سے توڑ دے۔ اس نے کہا کہ اس کو میں کیسے توڑوں؟ یہ تو بڑا قیمتی ہے۔ اسی طرح اور پانچ، دس کو کہا مگر کسی نے نہ توڑا۔ پھر ایاز کو کہا کہ بیٹا! تو اس ہیرے کو توڑ دے۔ اس نے ہیرا پتھر پر رکھ کر ہتھوڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بیٹے! اتنا بڑا قیمتی ہیرا تو نے توڑ دیا ہے؟ ایاز نے کہا کہ میرے سامنے دو چیزیں تھیں۔ ایک ہیرے کی قیمت اور ایک آقا کے حکم کی قیمت۔ میرے نزدیک آقا کا حکم زیادہ قیمتی تھا اس لیے میں نے ہیرا توڑ دیا۔ اس وقت سب کو سمجھ آئی کہ یہ صرف بچہ نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی سمجھ عطا فرمائی ہے۔

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ مشکل کاموں میں سے ایک ہجرت بھی ہے اور آٹھ [۸] ہجری تک ہجرت فرض تھی اور جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور سارے عرب میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ: لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ "کہ مکہ مکرمہ کے فتح ہو جانے کے بعد اب عرب میں کوئی ہجرت نہیں ہے۔" کیونکہ دارالاسلام سے ہجرت کرنے کا تو کوئی معنیٰ نہیں ہے۔ البتہ دنیا کے دوسرے ممالک میں آج تک ہجرت چلی آ رہی ہے۔ مثلاً:

آج لاکھوں کی تعداد میں افغانی ہمارے پاس موجود ہیں۔ اسی طرح برما کے مظلوم مسلمان کچھ تو بنگلہ دیش چلے گئے ہیں اور کچھ دوسرے ممالک میں۔ کیونکہ وہاں بدھ مت والوں نے ان پر بڑے مظالم ڈھائے ہیں اور مسلمانوں پر ہر جگہ ظلم ہو رہا ہے، فلپائن میں، انڈیا میں، کشمیر میں، فلسطین میں، مگر ان کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ بیچارے پکار پکار کر کہتے ہیں ہماری بھی کوئی خبر گیری کرے۔ خبر گیری دور کی بات ہے ان مظلوموں کے لیے آواز بلند کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے۔

اس وقت مسلمانوں کے چوّن [۵۴] ملک ہیں مگر ان کے سربراہ عیاشیوں میں مصروف ہیں اور دنیا کی ساری بے غیرتی مسلمان سربراہوں کو الاٹ ہو چکی ہے۔ یہ جتنے مسلمان ملکوں کے سربراہ ہیں، الا ماشاء اللہ، کم از کم آواز تو بلند کریں، مگر نہیں، کیونکہ نانا جی امریکہ صاحب ناراض ہوتا ہے اور اگر وہ ناراض ہو گیا تو ان کی عیاشیوں میں فرق پڑ جائے گا۔ اس لیے یہ صرف نانا جی کو راضی کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کے برعکس امریکہ کی دہشت گردی دیکھو کہ اگر اس کے ملک کے دو تین آدمی مارے جاتے ہیں تو وہ ہمارے ملک کے آدمی پکڑوا کر ان کو پھانسی پر لٹکا دیتا ہے اور دنیا میں کہیں بھی کوئی عیسائی ان کو آواز دے تو وہ دوڑ پڑتے ہیں۔

تو خیر! ابتداءً ہجرت فرض تھی اور کچھ لوگوں نے طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کی۔ باوجود اس کے کہ ان کو کافر وہاں عبادات بھی ادا نہیں کرنے دیتے تھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ ظلم یہ کہ وہاں

کھلے بندوں عبادت بھی نہیں کر سکتے اور ہجرت بھی نہیں کی ﴿قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ﴾ فرشتے کہتے ہیں تم کس حال میں تھے؟ ﴿قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ کہا اُنھوں نے ہم کمزور تھے زمین میں اور کمزوری کی وجہ سے عبادتیں نہیں کر سکے ﴿قَالُوْٓا﴾ فرشتوں نے کہا ﴿اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً﴾ کیا نہیں تھی اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ ﴿فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾ پس تم ہجرت کر جاتے اس زمین میں جہاں تم عبادت کر سکتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہجرت فرض تھی اور کچھ لوگوں نے کوتاہی کرتے ہوئے ہجرت نہیں کی تھی ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ پس یہی لوگ ہیں ٹھکانا ان کا دوزخ ہے، لیکن ﴿خَالِدًا﴾ نہیں فرمایا۔ کیونکہ وہ اپنی سزا بھگتنے کے بعد کسی وقت دوزخ سے نکل آئیں گے، کیونکہ تھے تو مومن اور مومن کے لیے خلود فی النار نہیں ہے۔ رب تعالیٰ جتنی سزا چاہیں گے دیں گے اور یہ بھی وہی جانتا ہے کہ کس کو کتنی سزا دینی ہے ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ﴿وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ اور وہ جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات کو، تمام مسلمین اور تمام مسلمات کو بچائے اور محفوظ رکھے۔ [آمین!]

دوزخ کتنا بُرا ٹھکانا ہے؟ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ آواز دو کہ وہ آدمی کھڑا ہو جس نے دنیا میں سب سے زیادہ آرام اور سکون کی زندگی بسر کی ہے أَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا کے الفاظ آتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے قصبے میں سب سے زیادہ آسودہ حال، ایک تحصیل میں ہوتا ہے، ایک ضلع میں ہوتا ہے، ایک صوبے میں ہوتا ہے، ایک ملک میں سب سے زیادہ آسودہ حال اور آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے والا ہوتا ہے۔ فرمایا جو ساری دنیا میں سب سے زیادہ آرام وسکون پانے والا تھا اس کو لایا جائے۔ چنانچہ اس کو لایا جائے گا، حکم ہوگا اس کافر کو آگ میں ڈال دو۔ فَيُغْمَسُ غَمْسَةً "پس اس کو ایک غوطہ دیا جائے گا۔" جہنم کے شعلوں میں سے ایک شعلہ اس کو لپٹے گا۔ اس کے بعد رب تعالیٰ اس سے پوچھیں گے هَلْ رَأَيْتَ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْخَيْرِ؟ "اے بندے! کیا تو نے دنیا میں کوئی چین اور آرام دیکھا ہے؟" وہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے کوئی سکون نہیں پایا اور دیکھا۔ یعنی جہنم کی آگ کا ایک شعلہ دنیا کے سارے آرام بھلا دے گا۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جس نے بالغ ہونے کے بعد سے لے کر مرتے دم تک کو سکون نہیں دیکھا ہوگا اور ہوگا مومن۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کی ضرورت کے مطابق اس کو لباس ملا، نہ خوراک ملی، نہ رہائش کا کوئی خاص انتظام تھا، بیمار ہوا تو علاج کے لیے کچھ پاس نہ تھا، رب تعالیٰ اس کو حکم دیں گے کہ نہر حیات میں چھلانگ لگا کر ایک غوطہ لگا (نہر حیات جنت کے دروازے کے اندر ہے)۔ وہ نہر حیات میں ایک غوطہ لگائے گا رب تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے! بتا تو نے دنیا میں کوئی دُکھ دیکھا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے پروردگار! میں نے دنیا میں کوئی دکھ نہیں دیکھا۔

یعنی جنت کی نہر کا ایک غوطہ دنیا کے سارے دکھ بھلا دے گا اور دوزخ کا ایک غوطہ دنیا کے سارے آرام اور سکون بھلا دے گا۔ جہنم تو اتنی بری ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ۔ "اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں جہنم کے عذاب سے۔" یہ آپ ﷺ نے اُمت کو تعلیم دی ہے ورنہ آپ ﷺ کو تو کوئی خطرہ نہ تھا یہ اُمت کی تعلیم

کی خاطر تھا۔ یہ حکم جو اُوپر بیان ہوا ہے فرضِ عین کے تارک کا ہوا ہے۔

ہجرت کے حکم سے جو لوگ مستثنٰی تھے آگے ان کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ﴾ مگر وہ کمزور مردوں میں سے اور عورتوں میں سے ﴿وَالْوِلْدَانِ﴾ اور بچوں میں سے ﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً﴾ نہیں طاقت رکھتے کسی تدبیر کی ﴿وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا﴾ اور وہ نہیں راہ پاتے کہ کہاں جائیں اور کس طرح جائیں، معذور ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، کوئی گناہ نہیں ہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ﴾ پس وہ لوگ ہیں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو معاف کر دے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ﴿وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور جس شخص نے ہجرت کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ﴿یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا﴾ پائے گا اللہ تعالیٰ کی زمین میں بھاگنے کی جگہ بہت سی ﴿وَّسَعَةً﴾ اور وسعت و گنجائش۔ ان کو پہاڑوں کے غار ملیں گے، پانی بھی ملے گا اور بہت ساری سہولتیں اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے گا اور بڑی گنجائش پائیں گے۔

مکہ مکرمہ میں ضمر بن جندب نامی بزرگ تھے، کافی عمر رسیدہ تھے اور تفسیر ابو سعود وغیرہ میں ہے کہ كَانَ أَعْمٰى نابینا تھے اور تھے بھی بیمار۔ اب ظاہر بات ہے کہ جو آدمی اتنا بوڑھا ہو کہ خود اُٹھ بیٹھ نہ سکے اور ہو بھی نابینا اور اس کے ساتھ ساتھ بیمار بھی ہو یہ معذور ہے۔ مگر اُنھوں نے جب یہ آیتیں سنیں کہ جن لوگوں نے ہجرت نہ کی وہ گنہگار ہیں تو اپنے بیٹوں اور پوتوں کو کہا کہ میری چارپائی اُٹھاؤ اور مجھے مدینہ طیبہ پہنچاؤ اس لیے کہ ہجرت فرض ہے۔ اُنھوں نے کہا بابا! اللہ تعالیٰ نے ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ﴾ سے کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو مستثنٰی قرار دیا ہے لہٰذا تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تم بوڑھے بھی ہو، نابینا بھی اور بیمار بھی۔ کہنے لگے اگر میں خود نہیں جا سکتا تو کیا تم مجھے چارپائی پر بٹھا کر نہیں لے جا سکتے؟ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ انگریزی میلوں کے اعتبار سے تین سو گیارہ میل کی مسافت پر ہے۔ چنانچہ ان کے بیٹوں اور پوتوں نے ان کو چارپائی پر ڈالا اور لے کر چل پڑے، مگر حضرت ضمر بن جندب رضی اللہ عنہ راستہ میں ہی فوت ہو گئے۔

تو ایسے وفادار لوگ بھی تھے۔ ان کے متعلق لوگوں نے کہا: نہ گھر کے رہے اور نہ ہجرت کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور وہ شخص جو گھر سے نکلا ہجرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ﴾ پھر پا لیا اس کو موت نے ﴿فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ پس تحقیق واقع ہو گیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ موت و حیات انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

لہٰذا جو ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلا وہ مہاجرین کی صف میں شامل ہو گیا چاہے دو چار قدم ہی چلا ہو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلا اور محاذ پر پہنچنے سے پہلے فوت ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کی

صف میں شامل فرمائے گا۔ کیونکہ جہاد کی نیت سے نکلا ہے لہٰذا یہ باقاعدہ شہید ہے۔ ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ سب کی بخشش فرمائے اور رحمت کے دروازے کھول دے۔ [آمین!]

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ﴾ اور جب تم سفر کرو ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ﴾ پس نہیں ہے تم پر کوئی گناہ ﴿اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ یہ کہ کم کردو تم نماز سے ﴿اِنْ خِفْتُمْ﴾ اگر تم خوف کرو ﴿اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ یہ کہ تمھیں فتنے میں ڈالیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ﴾ بے شک کافر ﴿كَانُوْا﴾ ہیں ﴿لَكُمْ﴾ تمھارے ﴿عَدُوًّا مُّبِیْنًا﴾ کھلے دشمن ﴿وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ﴾ اور جب آپ ہوں ان میں موجود ﴿فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ تو آپ قائم کریں ان کے لیے نماز ﴿فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ﴾ پس چاہیے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ﴿مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿مَّعَكَ﴾ آپ کے ساتھ ﴿وَلْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ﴾ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے ہتھیار ﴿فَاِذَا سَجَدُوْا﴾ پس جس وقت وہ سجدہ کریں ﴿فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ﴾ پس چاہیے کہ یہ لوگ تمھارے سے پیچھے ہو جائیں ﴿وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ﴾ اور چاہیے کہ آئے گروہ ﴿اُخْرٰى﴾ دوسرا ﴿لَمْ یُصَلُّوْا﴾ جنھوں نے نماز نہیں پڑھی ﴿فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ﴾ پس چاہیے کہ وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ ﴿وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ﴾ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے بچاؤ کا سامان ﴿وَ اَسْلِحَتَهُمْ﴾ اور اپنے ہتھیار ﴿وَدَّ الَّذِیْنَ﴾ پسند کرتے ہیں وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لَوْ﴾ اس بات کو ﴿تَغْفُلُوْنَ﴾ کہ تم غافل ہو جاؤ ﴿عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ﴾ اپنے ہتھیاروں سے ﴿وَ اَمْتِعَتِكُمْ﴾ اور اپنے سامان سے ﴿فَیَمِیْلُوْنَ﴾ پس وہ حملہ کر دیں ﴿عَلَیْكُمْ﴾ تم پر ﴿مَّیْلَةً وَّاحِدَةً﴾ یکبارگی حملہ ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ﴾ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى﴾ اگر ہو تمھیں کوئی تکلیف ﴿مِّنْ مَّطَرٍ﴾ بارش کی وجہ سے ﴿اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى﴾ یا ہو تم بیمار ﴿اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ﴾ یہ کہ تم اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو ﴿وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ اور لے لو اپنے بچاؤ کا سامان ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ﴿اَعَدَّ﴾ تیار کیا ہے ﴿لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ کافروں کے لیے ﴿عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ عذاب رسوا اور ذلیل کرنے والا۔

قصر نماز کا حکم

اس سے پہلے رکوع میں ہجرت کا ذکر تھا اور اس سے پہلے جہاد کا ذکر تھا۔ جہاد میں سفر کی ضرورت بھی پیش آتی ہے اور ہجرت تو نام ہی سفر کا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے سفر کی نماز اور خوف کی نماز کا حکم بیان فرمایا ہے۔

اس مسئلہ میں اگرچہ فقہی طور پر بعض جزئیات میں اختلاف بھی ہے لیکن محقق بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ سفر کرے، برابر ہے کہ وہ سفر پیدل ہو یا گھوڑے پر ہو یا گاڑی پر ہو یا جہاز پر ہو تو وہ نماز میں قصر کرے گا کہ چار رکعت والی نماز دو رکعتیں پڑھے گا اور دو اور تین رکعات والی نماز میں قصر نہیں ہے۔ یعنی ظہر کی چار رکعت کی بجائے دو پڑھے گا، عصر کی چار کی بجائے دو پڑھے گا، عشاء کی چار کی بجائے دو پڑھے گا، فجر کی دو رکعات دو ہی رہیں گی، مغرب کی تین رکعات تین ہی رہیں گی، ان کی قصر نہیں ہے۔ یہ اصول تو ہے فرضوں کے متعلق۔

رہا مسئلہ سنتوں کا تو سنتوں کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ اگر سفر جاری ہے جاری سفر کا مطلب یہ ہے کہ ایک گاڑی سے اُترا اور دوسری پر بیٹھ گیا تو جاری سفر میں سنتیں چھوڑنا بہتر ہیں۔ احناف رحمہم اللہ کا مختار اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ سوائے فجر کی سنتوں کے کہ صبح کی سنتیں سفر حضر میں پڑھنی ہیں، بیماری تندرستی میں پڑھنی ہیں، کسی حال میں بھی نہیں چھوڑنی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر تم میدانِ جنگ میں زخمی ہو کر گر پڑے ہو اور کافروں کے گھوڑے تمھیں کچل رہے ہوں پھر بھی یہ سنتیں نہیں چھوڑنی اور اگر سفر میں ٹھہرے ہو چاہے ایک آدھ دن کے لیے ہی ٹھہرنا ہو تو پڑھنی بہتر ہیں اگرچہ مؤکدہ نہیں ہیں لیکن سنتوں میں قصر نہیں ہے۔ چھوڑنی ہیں تو پوری چھوڑنی ہیں پڑھنی ہیں تو پوری پڑھنی ہیں۔ اور اگر کہیں پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کر لے تو پھر قصر نہیں ہے مکمل نماز پڑھنی پڑے گی۔

اسی طرح سفر کے دوران میں مقیم امام کے پیچھے پڑھے گا تو پوری پڑھے گا۔ اگر امام مسافر ہے تو قصر ہی پڑھے گا اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو دوگانہ ہی پڑھے گا۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا سفر میں قصر رخصت اور اجازت ہے یا ضروری ہے؟

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رخصت اور اجازت ہے اگر کوئی چار بھی پڑھ لے تو گنہگار نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار رکعات پڑھنے والا گنہگار ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے دوران میں چار رکعات پڑھنی ثابت نہیں ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ صحیح نہیں ہے۔

دوگانہ کب شروع ہوگا؟ دوگانہ اس وقت شروع ہوگا جب اپنے شہر یا قصبے سے باہر نکل جائے گا۔ یعنی اپنے شہر یا قصبے کا جو آخری مکان ہے، چاہے کچا ہو یا پکا ہو، جب اس سے آگے نکلے گا دوگانہ شروع کر دے۔ اس شہر یا گاؤں کی زمین کا ختم ہونا کوئی ضروری نہیں ہے زمین تو لوگوں کی دور دور تک ہوتی ہے اور واپس اس جگہ پہنچنے تک دوگانہ ہی پڑھے گا۔ یعنی اپنے شہر یا قصبے کے آخری مکان تک پہنچنے سے پہلے پہلے دوگانہ پڑھے گا، اس کے بعد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور جب تم سفر کرو زمین میں ﴿فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ﴾ پس نہیں ہے تم پر کوئی گناہ ﴿اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ یہ کہ تم کم کرو نماز سے۔ آگے نمازِ خوف کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اگر تم خوف کرو یہ کہ تمھیں فتنے میں ڈالیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ اس زمانے میں کافروں کا غلبہ تھا اور ان کی طرف

سے خطرہ رہتا تھا مگر مسلمان نمازیں پڑھتے تھے اور ان کی نمازیں، نمازیں ہوتی تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نمازیں !

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں ایسے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ کبوتر ان کو لکڑی سمجھ کر ان پر بیٹھ جاتے تھے۔ حالانکہ کبوتر بڑا ہوشیار پرندہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں تیر لگا جو دوسری طرف تک پہنچ گیا۔ ساتھی جب تیر نکالنے لگے تو تکلیف محسوس ہوئی، فرمایا پانی لاؤ، میں وضو کر کے نماز شروع کرتا ہوں جب میں نماز شروع کر دوں تو تم تیر نکال لینا مجھے تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ یعنی نماز میں وہ اس طرح ہوتے تھی جس طرح ان کو نشہ پلا دیا گیا ہے۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک مقام پر مجاہدین سوئے ہوئے تھے اور دو ساتھیوں کی ڈیوٹی تھی کہ اگر دشمن کا خطرہ ہو تو ساتھیوں کو آگاہ کرنا ہے۔ جس طرف سے دشمنوں کا خطرہ تھا قبلہ بھی اسی طرف تھا۔ ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ دونوں کا جاگنا تو ضروری نہیں ہے ساتھیوں کو خطرے سے آگاہ ہی کرنا ہے لہٰذا ایک سو جائے دوسرا جاگے۔ پھر وہ سو جائے اور دوسرا جاگے۔ جو پہرے پر کھڑا تھا اس نے سوچا کہ ویسے کھڑا ہونے سے کیا فائدہ ہے؟ نفل شروع کر دیتا ہوں کیونکہ جس طرف سے خطرہ ہے قبلہ بھی ادھر ہی ہے، منہ بھی اسی طرف ہوگا، خطرہ ہوگا تو ساتھیوں کو آگاہ کر دوں گا اور نماز شروع کر دی۔ دورانِ نماز دشمن کی طرف سے تیر آیا جوان کو لگ گیا اور خون بہنے لگا، وہ خون سوئے ہوئے ساتھی تک پہنچا، ان کو جب گرم گرم چیز لگی جس طرح پانی ہوتا ہے متفکر ہوئے کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ جاگے اور ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ اُٹھو یہ کیا ہو رہا ہے؟ دیکھا تو تیر اس کے پاؤں میں چبھا ہوا ہے اور وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو پھر اس کو محسوس ہوا کہ مجھے تیر لگا ہے، جب تک نماز میں تھے کچھ محسوس نہ ہوا۔ نمازیں تو ان لوگوں کی تھیں۔

تو عین نماز کے وقت بھی دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا تھا اس لیے خوف کی قید اتفاقی ہے، ضروری نہیں ہے۔ امن وامان کی حالت میں بھی سفر میں قصر ہے۔ چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں احادیث موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر حج میں منیٰ میں، عرفات میں دو دو رکعتیں پڑھی ہیں حالانکہ وہاں کوئی خوف خطرہ نہ تھا۔ مالکی حضرات اور کچھ حنبلی اب بھی وہاں ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو پڑھی تھیں۔ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو پڑھی تھیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مسافر تھے اور تم تو مکہ مکرمہ سے اُٹھ کر آئے ہو جو کل تقریباً دس میل بنتا ہے تم تو مسافر نہیں ہو۔

یہ وہاں کے مقامی لوگوں کی بات ہو رہی ہے کہ وہ بھی دو، دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اس لیے ساتھیو! یہ مسئلہ سمجھ لو کہ حج کے موقع پر جب تم مسجد نمرہ میں جاؤ تو امام کی تحقیق کر لو۔ اگر وہ مقامی ہو تو اس کے پیچھے چار رکعتیں پڑھنی ہیں اور اگر مسافر ہو تو اس کے پیچھے دو رکعتیں پڑھنی ہیں۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس دن مکہ مکرمہ رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوگانہ نماز پڑھی تھی کیونکہ اقامت کے لیے پندرہ دن کی نیت ضروری ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ جو شخص مسجد نمرہ میں نمازیں پڑھے گا جو عرفات میں ہے تو وہ دو نمازیں ظہر اور عصر کی ظہر کے وقت میں اکٹھی پڑھے گا اور دوسرے مقام پر چاہے جماعت کے ساتھ پڑھے ظہر اپنے وقت میں پڑھے گا اور عصر اپنے وقت میں پڑھے گا۔ مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ظہر کے وقت میں پڑھنے پر اُمت کا اتفاق اور اجماع ہے اور صحیح احادیث موجود ہیں۔ یہ صرف اس مسجد کی خصوصیت ہے اس کے علاوہ اگر کسی اور جگہ پڑھے چاہے اکیلا پڑھے یا جماعت کے ساتھ ظہر اپنے وقت میں اور عصر اپنے وقت میں۔ ﴿اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴾ بے شک کافر ہیں تمھارے کھلے دشمن۔

اگلی آیات میں خوف کی نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ غزوہ ذات الرقاع جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک تھے، دشمنوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ مسلمان جب اپنی عبادت نماز میں مشغول ہوجاتے ہیں توان کو کسی اور شے کا ہوش نہیں ہوتا لہٰذا جب یہ نماز شروع کریں اور سجدے میں جائیں تو ہم ان پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیں اور وہ تھے بھی قریب کوئی زیادہ فاصلہ بھی نہ تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی اس سازش سے آگاہ فرمایا اور صلوٰۃ خوف کے ادا کرنے کا طریقہ بتلایا۔

صلوٰۃ خوف پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً: سفر ہے اور دو رکعتیں پڑھنی ہیں تو امام مجاہدین کے دو گروہ بنائے گا۔ ایک گروہ دشمن کے مقابلے میں اور ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا۔ وہ قیام، رکوع اور دو سجدے جب کرلیں گے تو امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگا اور یہ گروہ دو سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے گا اور جو دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہے وہ آکر دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوگا اور ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا، التحیات تک امام کے ساتھ شریک رہے گا جب امام سلام کہے گا یہ بغیر سلام کہے اُٹھ کر چلا جائے گا اور دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہوجائے گا۔ پہلا گروہ جو ایک رکعت پڑھ کر گیا تھا اب وہ آئے گا اور اپنی دوسری رکعت پڑھے گا اور التحیات پڑھے گا اور سلام پھیر کر چلا جائے گا اور دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہوجائے گا اور دوسرا گروہ آئے گا جس نے امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی تھی یہ ایک رکعت پڑھے گا اور التحیات پڑھ کر سلام پھیرے گا۔ اس طرح دونوں گروہوں کی نماز مکمل ہوجائے گی۔

اور اگر حضری نماز ہے تو امام کے پیچھے ایک گروہ دو رکعتیں پڑھے گا اور چلا جائے گا اور دوسرا گروہ آکر دو رکعتیں پڑھے گا اور سلام پھیرے بغیر چلا جائے گا، پھر پہلا گروہ اپنی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرے گا اور چلا جائے گا اور دوسرا گروہ آکر دو رکعتیں پڑھے گا۔ اس طرح نماز مکمل ہوگی۔

مسئلہ یہ ہے کہ گروہ آتے جاتے وقت کوئی بات نہیں کریں گے۔ البتہ ان کی اس نقل و حرکت سے صلوٰۃ خوف پر کوئی زد نہیں پڑے گی اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ سارے ایک امام کے پیچھے پڑھنے پر مصر ہوں۔ اس وقت سب کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھیں۔ کیونکہ امام جتنا نیک ہوگا اتنا ثواب بھی زیادہ ہوگا اور جتنی بڑی جماعت ہوگی اتنا ہر ایک کے حصے میں ثواب بھی زیادہ آئے گا۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے: أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهٗ

أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ " صبح کی نماز روشن کر کے پڑھو، یعنی دیر سے پڑھو، کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔" ظاہر بات ہے کہ دیر سے ہوگی تو نمازی زیادہ ہوں گے، ثواب زیادہ ہوگا اور اگر ایک امام کے پیچھے پڑھنے پر بضد نہ ہوں تو ایک امام ایک گروہ کو پڑھائے گا اور دوسرا امام دوسرے گروہ کو پڑھائے گا اور مغرب کی نماز میں پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے گا اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے گا، باقی طریقہ وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین کے دو گروہ بنائے۔ فرمایا ایک میرے پیچھے کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور دوسرا دشمن کے مقابلہ میں اور جب میں پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہوں تو یہ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور جو دشمن کے مقابلہ میں ہیں وہ آ کر میرے پیچھے دوسری رکعت پڑھیں۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ لگاؤ کہ اس حالت میں بھی معاف نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ﴾ اور جب آپ ہوں ان میں موجود ﴿فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ تو آپ قائم کریں ان کے لیے نماز ﴿فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ﴾ پس چاہیے کہ کھڑا ہو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ ﴿وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ﴾ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے ہتھیار کہ پہن کر نماز پڑھیں ﴿فَإِذَا سَجَدُوا﴾ پس جس وقت وہ سجدہ کریں پہلی رکعت کا ﴿فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَآئِكُمْ﴾ پس چاہیے کہ یہ لوگ تمھارے پیچھے سے ہٹ جائیں ﴿وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى﴾ اور چاہیے کہ آئے گروہ دوسرا ﴿لَمْ يُصَلُّوا﴾ جنھوں نے نماز نہیں پڑھی ﴿فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ﴾ پس چاہیے کہ وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ دوسری رکعت۔ اگر دو رکعتوں والی نماز کی امامت ہے۔

﴿وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ﴾ اور چاہیے کہ وہ لے لیں اپنے بچاؤ کا سامان ﴿وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾ اور اپنے ہتھیار لے لیں۔ کیونکہ ﴿وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پسند کرتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْ﴾ اس بات کو ﴿تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ﴾ کہ تم غافل ہو جاؤ ہتھیاروں سے ﴿وَأَمْتِعَتِكُمْ﴾ اور اپنے سامان سے۔ مثلاً: سر پر جو خود لیتے ہیں یا جنگ کے موقع پر زرہ پہنتے ہیں اور بھی جو جہاد کے لیے سامان ہوتا ہے یہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے غافل ہو جاؤ ﴿فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً﴾ پس وہ حملہ کریں تم پر یکبارگی حملہ اور تمھیں ختم کر دیں۔

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر ﴿إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ﴾ اگر ہو تمھیں کوئی تکلیف بارش کی وجہ سے کہ کپڑے گیلے ہو گئے ہیں تو اس وقت آدمی کو وہی ناگوار ہوتے ہیں اور ان کے اُوپر ہتھیار باندھے ہوئے ہوں تو اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے تو اگر بارش کی وجہ سے تکلیف ہے ﴿أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى﴾ یا ہو تم بیمار۔ مثلاً: کوئی جسمانی تکلیف ہے یا زخمی ہو اور ہتھیار اپنے بدن کے ساتھ نہیں باندھ سکتے تو ﴿أَنْ تَضَعُوٓا أَسْلِحَتَكُمْ﴾ یہ کہ تم اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو۔ یعنی حکم تو یہ ہے کہ تم ہتھیاروں سمیت نماز پڑھو لیکن اگر بارش کی وجہ سے اندھ کال (قے آنا محسوس) ہوتی ہے کہ تم اُوپر ہتھیار بھی پہنو یا تم زخمی ہو کہ ہتھیار نہیں باندھ سکتے تو ہتھیار اُتار دو۔ لیکن ﴿وَخُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ اور لے لو تم اپنے بچاؤ کا سامان۔ ہتھیار ایسی جگہ رکھو کہ

خدانخواستہ دشمن حملہ کردے تو تمھیں دوڑ کر نہ جانا پڑے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔ اگر کوئی شخص توفیق اور طاقت کے ہوتے ہوئے اپنا بچاؤ نہیں کرتا اور تکلیف میں مبتلا ہوجاتا ہے تو تکلیف اپنی جگہ اور اس کے ساتھ ساتھ گنہگار بھی ہوگا کہ اس نے اپنے بچاؤ کا سامان کیوں نہیں کیا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ اپنے بچاؤ کا سامان کرو، انتظام کرو۔ یہ وجود اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس میں خیانت نہیں ہونی چاہیے ﴿اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے عذاب ذلیل اور رسوا کرنے والا جو کافروں کو رسوا کردے گا۔

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ پس جب تم ادا کرلو نماز کو ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا ﴿قِيٰمًا﴾ کھڑے ہونے کی حالت میں ﴿وَّقُعُوْدًا﴾ اور بیٹھنے کی حالت میں ﴿وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ اور اپنے پہلوؤں کے بل ﴿فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ﴾ پھر جب تم مطمئن ہوجاؤ ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ تو قائم کرو نماز کو دستور کے مطابق ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ﴾ بے شک نماز ﴿كَانَتْ﴾ ہے ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں پر ﴿كِتٰبًا﴾ لکھی ہوئی ﴿مَّوْقُوْتًا﴾ مقررہ وقت کے اندر ﴿وَلَا تَهِنُوْا﴾ اور نہ سستی کرو ﴿فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ﴾ دشمن قوم کی تلاش کرنے میں ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ﴾ اگر تم زخمی ہوئے ہو ﴿فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ﴾ پس بے شک وہ بھی زخمی ہوتے ہیں ﴿كَمَا تَاْلَمُوْنَ﴾ جس طرح تم زخمی ہوتے ہو ﴿وَتَرْجُوْنَ﴾ اور تم امید رکھتے ہو ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿لَا يَرْجُوْنَ﴾ جس چیز کی وہ اُمید نہیں رکھتے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيْمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيْمًا﴾ حکمت والا۔

کل کے درس میں آپ حضرات نے ایک تو قصر نماز کا مسئلہ پڑھا ہے کہ مسافر نے چار رکعات والی نماز کی دو رکعتیں پڑھنی ہیں۔ اگر فرض ہی دو ہیں تو پھر دو رکعات پڑھنی ہیں اور اگر تین فرض ہیں تو تین رکعات ہی پڑھنی ہیں۔ اگر سفر میں چار رکعتوں والی نماز پوری پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تحقیق اور فتویٰ ہے۔

ایک اور مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کو یاد رکھنا کہ اگر کوئی شخص مسافر امام کے پیچھے نماز پڑھے اور نماز چار رکعات والی ہو تو امام دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے گا اور اس نے دو باقی پڑھنی ہیں تو ان بقیہ دو رکعتوں میں قراءت نہیں کرنی۔ کیونکہ یہ حکماً امام کی اقتداء میں ہے۔ یہ اتنی دیر کھڑا رہے جتنی دیر میں قراءت ہوتی ہے۔ اور دوسرا مسئلہ صلوٰۃ خوف کا پڑھا۔ یہ دونوں قدرے تفصیل کے ساتھ کل بیان ہوچکے ہیں۔

آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ پس جب تم ادا کرلو نماز کو ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا ﴿قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ کھڑے ہونے کی حالت میں اور بیٹھنے کی حالت میں اور

اپنے پہلوؤں کے بل۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت مقبول اور محمود ہے لیکن نمازوں کے بعد اس کا بہت بڑا درجہ ہے۔

تسبیحاتِ فاطمی

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے چکی پیستی تھیں جس کی وجہ سے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے ہیں اور ان سے پانی نکل رہا ہے۔ فرمایا: میں تجھے ایک طریقہ بتاتا ہوں اگر اس پر عمل کرو تو، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ غلام اور لونڈیاں آئی ہیں تم جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاتھ دکھاؤ اور کہو کہ چکی پیسنے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے ہیں لہٰذا مجھے بھی کوئی لونڈی دے دو تا کہ وہ میرے گھر کا کام کرے۔ اتفاق کی بات ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تشریف لے گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنا مطالبہ رکھ کر واپس تشریف لے آئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عمر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں، مگر وہ ماں تھی اور یہ بیٹی تھیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میں ضرور تمھارا پیغام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچاؤں گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیر سے تشریف لائے، عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹی کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ہی رضائی تھی، سردی کا موسم تھا، ہم عشاء کی نماز پڑھ کر اس رضائی میں لیٹے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، ہم نے اٹھنا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہ اٹھو، لیٹے رہو مگر ہم اُٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں لحاف کے اندر کر لیے کیونکہ سردی تھی اور فرمایا کہ بیٹی فاطمہ! مجھے تیرا پیغام ملا ہے کہ تو نے کوئی غلام یا لونڈی مانگی ہے میں تجھے غلام یا لونڈی سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ کہنے لگیں حضرت! بتائیں۔ فرمایا سوتے وقت تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر سویا کرو۔ یہ غلام اور لونڈی سے بہت بہتر ہے۔ ان کو تسبیحاتِ فاطمی کہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتائی تھیں۔

اور یہ اُمت کے لیے بھی ہیں اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے کہ حضرت! ثواب تو سارا مال دار لے گئے۔ کیونکہ نمازیں ہم بھی پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں، روزے ہم بھی رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں، مگر ان کے پاس مال ہے وہ اس کی زکوٰۃ دیتے ہیں، مالی استطاعت کی وجہ سے وہ حج کرتے ہیں، صدقہ خیرات کرتے ہیں، فطرانہ دیتے ہیں اور ہم یہ سارے کام نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے پاس مال نہیں ہے۔ اسی طرح وہ قربانی دیتے ہیں ہم نہیں دے سکتے لہٰذا وہ ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اس کے پڑھنے سے تمھیں بھی وہ درجہ حاصل ہو جائے گا۔ کہنے لگے حضرت! ضرور بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھیں بھی ان کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

پہلے تو بڑے خوش ہوئے کہ ہمیں چند کلمات پڑھنے سے مال داروں کے برابر ثواب مل جائے گا، پھر پریشان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہنے لگے حضرت! جس طرح یہ کلمات ہم پڑھیں گے مال دار بھی تو سن رہے ہیں وہ بھی پڑھیں گے تو پھر ہم ان سے بڑھ تو نہ سکے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ " یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔" اس کو کون روک سکتا ہے؟

اور مسلم شریف میں متعدد احادیث ہیں کہ فرض نماز کے بعد جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ اور دارمی میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو شخص فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے (بشرطیکہ اس کا عقیدہ صحیح ہو، مشرکانہ نہ ہو) اس کے اور جنت کے درمیان موت کے علاوہ کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ لہٰذا فرض نماز کے بعد آیت الکرسی بھی پڑھنی ہے اور تین مرتبہ استغفار بھی پڑھنا ہے ((اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْكَ)). اسی طرح یہ دعا ((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ)). مختلف الفاظ آتے ہیں۔

اپنا معمول یہ ہے کہ جس نماز کے بعد سنتیں نہیں ہوتیں اس کے بعد یہ تسبیحات بھی اور ان کے علاوہ جو رب تعالیٰ توفیق عطا فرماتے ہیں پڑھ لیتا ہوں۔ اور جس نماز کے بعد سنتیں ہوتی ہیں ان فرضوں کے بعد لمبی دعا نہیں پڑھتا، دعا کے بعد پڑھ لیتا ہوں۔ کیونکہ جماعت میں شریک بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنھوں نے سفر پر جانا ہوتا ہے تو ان کو مقید کرنا اچھی بات نہیں ہے اور فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا صحیح احادیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے اور بڑی برکت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت بندے اکٹھے ہو کر جائز شے کی دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹاتا۔

اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ جن وقتوں میں دعائیں قبول ہوتی ہیں ان میں ایک سحری کا وقت ہے، ایک فرض نماز کے بعد کا وقت ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے نماز کے بعد ذکر کا حکم فرمایا ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان اور انعام ہے کہ اس کے ذکر کے لیے کوئی حالت متعین نہیں فرمائی کہ تم بیٹھ کر ذکر کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ بیٹھ کر ذکر کرنے کا حکم فرما دیتے تو انسان انسان ہے کسی وقت آدمی نہیں بھی بیٹھ سکتا۔ اس طرح اگر یہ شرط ہوتی کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا ذکر باوضو کرنا ہے تو انسان کہہ سکتا تھا اے پروردگار! میرا تو معدہ خراب ہے، وضو باقی نہیں رہ سکتا میں کیا کروں؟ لہٰذا ذکر بغیر وضو کے بھی کر سکتا ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ عورتیں جن دنوں میں نمازیں نہیں پڑھ سکتیں ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور درود شریف پڑھ سکتی ہیں۔ البتہ قرآن شریف نہیں پڑھ سکتیں۔

نمازِ اشراق کا ثواب:

ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے ((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ)) جس آدمی نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللهَ پھر بیٹھ گیا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہا حَتّٰى إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہو گیا تو صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اس نے دو رکعتیں پڑھیں اس کو اللہ تعالیٰ حج عمرے کا ثواب عطا فرمائیں گے انعام کے طور پر۔ پھر فرمایا تَامَّةً تَامَّةً مکمل حج عمرے کا ثواب، پورے حج و عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اور یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ اشراق کا وقت طلوعِ آفتاب کے تقریباً پندرہ منٹ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مسجد ہی میں اشراق پڑھے، گھر جا کر بھی پڑھ سکتا ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں اور یاد رکھنا کہ مسائل سننے کا ثواب ذکر کرنے سے بہت زیادہ ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اِدھر درس ہو رہا ہے اور وہ تسبیح پھیر رہے ہوتے ہیں۔ بھئی! ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بڑی چیز ہے مگر قرآن اور حدیث کا سمجھنا بہت بڑا کام ہے۔ یوں سمجھو کہ ایک آدمی سارا دن ذکر کرتا رہے اور دوسرا آدمی پانچ منٹ بیٹھ کر مسائل سمجھ لے اس کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ اس کو حج عمرے کا ثواب ملے گا، یہ بطور انعام کے ہے۔ جس طرح کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص نے مسجد قبا میں دو رکعتیں پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کو عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے سورۂ اخلاص ایک مرتبہ پڑھی اس کو اللہ تعالیٰ دس پاروں کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور سورۂ زلزال پڑھی تو پندرہ پاروں کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور جو سورۂ کافرون پڑھے گا اس کو چوتھائی قرآن پاک کا ثواب عطا فرمائیں گے اور سورۂ نصر کے متعلق آتا ہے کہ جس نے ایک دفعہ پڑھی اس کو اللہ تعالیٰ چوتھائی قرآن پاک کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ یہ سب انعامات ہیں۔ تو فرض نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت، اس کا سمجھنا اور ذکر کرنے کا بڑا ثواب ہے۔

﴿فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ﴾ پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ کہ تمھیں خوف نہ ہو اور سفر بھی نہ ہو ﴿فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ تو قائم کرو نماز کو دستور کے مطابق ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک نماز ہے ایمان والوں پر ﴿كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ لکھی ہوئی مقرر وقت کے اندر۔ وقت بھی نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔ وقت سے پہلے پڑھے گا تو نماز ادا نہیں ہوگی۔ مثلاً: ایک دن صبح صادق ہوتی ہے پانچ بج کر تینتیس منٹ پر، اگر کسی نے پچیس منٹ پر نماز پڑھی تو ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نے تینتیس منٹ سے پہلے اذان دے دی تو اس کے ساتھ جو نماز پڑھی جائے گی وہ خلافِ سنت ہوگی۔ کیونکہ اذان وقت سے پہلے ہوگئی ہے۔

کئی لوگ دین کے سلسلے میں غیر محتاط ہیں۔ کوئی پانچ منٹ پہلے، کوئی دس منٹ پہلے اذان کہہ دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کی جماعت بالکل خلافِ سنت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس جماعت کے لیے تو اذان ہوئی نہیں ہے اور جو اذان دی گئی ہے وہ وقت سے پہلے پڑھی گئی ہے۔ ہاں! ایک تہجد کی اذان ہے جو ایک گھنٹہ پہلے دی جاتی ہے لیکن وہ فجر کی نماز کے لیے تو نہیں ہے۔ پھر آج کل

نقشے ہر جگہ موجود ہیں، گھڑیاں بھی ہر ایک کے پاس ہیں اس لیے مؤذنین کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ مسجدوں کی گھڑیاں بھی خراب نہ ہوں اور اپنی گھڑیاں بھی خراب نہ ہوں اور نقشے کے مطابق اذان دیں۔ لاہور سے ہمارا اصولی طور پر ایک منٹ کا فرق ہے مگر ہم چار منٹ بعد اذان کہلواتے ہیں کہ ممکن ہے کہ گھڑی میں فرق ہو لوگوں نے روزے بھی رکھے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ بعض لوگ نفلی روزے بھی رکھتے ہیں، تاکہ ان کے روزوں میں گڑبڑ نہ ہو اور زیادہ تاخیر بھی نہیں ہونی چاہیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اِتَّقُوْا صَلٰوۃَ الْمُنَافِقِ، اِتَّقُوْا صَلٰوۃَ الْمُنَافِقِ۔ "منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو۔" منافق کی نماز کیا ہے؟ وہ اس طرح سمجھو کہ مثلاً: فجر کی نماز ہے اور یہ مزے سے سویا ہوا ہے، جب سورج نکلنے کے بالکل قریب ہوا تو جلدی جلدی اٹھا، وضو کیا اور ٹھونگیں ماریں۔ فرمایا: فَتِلْكَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ فَتِلْكَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ فَتِلْكَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ "پس یہ ہے منافق کی نماز، پس یہ ہے منافق کی نماز، پس یہ ہے منافق کی نماز۔" اسی طرح عصر کا وقت ہو گیا اور یہ مزے سے اپنے کاروبار میں مشغول ہے، جب سورج غروب ہونے کے بالکل قریب ہو گیا تو جلدی جلدی ٹھونگیں (ٹھوکر پاؤں سے ماری جاتی ہے) مارتا ہے جس طرح مرغا دانے چگتا ہے، یہ منافق کی نماز ہے۔

جمع صلوٰتین کا مسئلہ

بعض لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ بخاری شریف اور نسائی شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر کی حالت میں یا بیماری کی حالت میں یا بارش کی صورت میں دو نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اکٹھی کس طرح پڑھتے تھے؟ وہ اس طرح کہ ظہر کی نماز مؤخر فرمائی اور پڑھی ظہر کے وقت میں اور عصر کی نماز کو مقدم کیا اور پہلے وقت میں پڑھ لی۔ اس طرح نہیں کہ ظہر و عصر دونوں ظہر کے وقت میں پڑھیں یا عصر کے وقت میں پڑھیں، سوائے عرفات کے اس شخص کے لیے جو مسجد نمرہ میں نماز پڑھے، ان شرائط کے ساتھ جو وہاں کی ہیں اور شام اور عشاء کی مزدلفہ میں اکٹھی پڑھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔

بعض بارش کی چار بوندیں پڑنے سے عشاء کی نماز مغرب کے وقت میں پڑھ لیتے ہیں قطعاً ان کی عشاء کی نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ "بے شک نماز ہے مومنوں پر لکھی ہوئی وقت مقررہ کے اندر۔" آنحضرت ﷺ نے مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھی ہیں مگر اس طرح کہ مغرب اپنے آخری وقت میں اور عشاء اپنے پہلے وقت میں۔ ایسا نہیں کہ دونوں ایک وقت میں پڑھ لی ہوں۔ یہ نص قطعی ہے کہ نماز اپنے وقت میں ادا کرو اور جو مستحب وقت ہے اس میں ادا کرو۔

فرمایا ﴿وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ﴾ اور سستی نہ کرو دشمن قوم کی تلاش کرنے میں۔ دشمن کے پیچھے پڑو اس کے ٹھکانے تلاش کرو اور ان کو توڑو اور یہ جنگی اصولوں کے عین مطابق ہے۔ دشمن کے ٹھکانوں کو توڑنا ضروری ہے۔ اے مومنو! ﴿اِنْ

﴿تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ﴾ اگر تم زخمی ہوئے ہو۔ کیونکہ لڑائی میں آدمی زخمی بھی ہوتا ہے ﴿فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ. كَمَا تَاْلَمُوْنَ﴾ پس بے شک وہ بھی زخمی ہوئے ہیں جس طرح تم زخمی ہوئے ہو۔ کیونکہ کافروں کے وجود بھی تو لوہے کے بنے ہوئے نہیں ہیں آخر وہ بھی تمھاری طرح انسان ہیں مگر تمھیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ دولت ایمان سے محروم ہیں اس لیے تمھارے اور ان کے درمیان فرق ہے کہ ﴿وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے اس چیز کی اُمید رکھتے ہو جس چیز کی وہ اُمید نہیں رکھتے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہو، جنت کی امید رکھتے ہو اور وہ کافر ہیں، ان کو نہ ثواب ملے گا، نہ جنت نصیب ہوگی۔ ان کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ "اور وہ نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ اُونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے۔" اُونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا تو ہو سکتا ہے مگر کافر جنت میں نہیں جا سکتا۔

دیکھو! اُونٹ کتنا بڑا اور سوئی کا ناکا (سوراخ) کتنا باریک ہے کہ اس سے دھاگا مشکل سے گزرتا ہے۔ تو فرمایا جس طرح اُونٹ سوئی کے ناکے سے نہیں گزر سکتا۔ اسی طرح کافر جنت میں نہیں جا سکتا۔ جنت کا داخلہ تو دور کی بات ہے آٹھویں پارے میں آتا ہے کہ دوزخی جب جنتیوں کو کھاتے پیتے دیکھیں گے میوے وغیرہ تو کہیں گے کہ ہمیں بھی تھوڑا سا کھانا اور پانی دے دو۔ تو جنتی جواب دیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [الاعراف: ۵۰] "اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق اور پانی کافروں پر حرام کر دیا ہے، ہم نہیں دے سکتے۔" ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا۔

﴿اِنَّآ﴾ بے شک ہم نے ﴿اَنْزَلْنَآ﴾ نازل کی ﴿اِلَيْكَ﴾ آپ کی طرف ﴿الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ کتاب حق کے ساتھ ﴿لِتَحْكُمَ﴾ تاکہ تو فیصلہ کرے ﴿بَيْنَ النَّاسِ﴾ لوگوں کے درمیان ﴿بِمَآ﴾ اس چیز کے مطابق ﴿اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھائی اور دکھائی ﴿وَ لَا تَكُنْ﴾ اور نہ ہو تو ﴿لِّلْخَآئِنِيْنَ﴾ خیانت کرنے والوں کی طرف سے ﴿خَصِيْمًا﴾ جھگڑنے والا ﴿وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ بخشنے والا مہربان ﴿وَ لَا تُجَادِلْ﴾ اور نہ جھگڑا کریں آپ ﴿عَنِ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف سے ﴿يَخْتَانُوْنَ﴾ جو خیانت کرتے ہیں ﴿اَنْفُسَهُمْ﴾ اپنے نفسوں سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُحِبُّ﴾ نہیں محبت کرتا ﴿مَنْ﴾ اس کے ساتھ ﴿كَانَ﴾ جو ہو ﴿خَوَّانًا﴾ خیانت کرنے والا ﴿اَثِيْمًا﴾ گنہگار ﴿يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ﴾ وہ لوگ چھپتے ہیں لوگوں سے ﴿وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ﴾ اور نہیں چھپتے اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ هُوَ مَعَهُمْ﴾ اور وہ ان کے ساتھ ہے ﴿اِذْ يُبَيِّتُوْنَ﴾ جب وہ رات کو مشورہ کرتے ﴿مَا﴾ اس

چیز کا ﴿لَا یَرْضٰی﴾ اس پر رب تعالیٰ راضی نہیں ہے ﴿مِنَ الْقَوْلِ﴾ بات سے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا یَعْمَلُوْنَ﴾ جو عمل وہ کرتے ہیں ﴿مُحِیْطًا﴾ احاطہ کرنے والا ﴿هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ﴾ خبردار تم یہ ہو ﴿جٰدَلْتُمْ﴾ جھگڑا کیا تم نے ﴿عَنْهُمْ﴾ ان کی طرف سے ﴿فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ﴾ پس کون جھگڑا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿عَنْهُمْ﴾ ان کی طرف سے ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا﴾ یا کون ہوگا ان کے لیے وکیل ﴿وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا﴾ اور جو شخص عمل کرے برا ﴿اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ﴾ یا ظلم کرے اپنی جان پر ﴿ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ﴾ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے ﴿یَجِدِ اللّٰهَ﴾ پائے گا اللہ تعالیٰ کو ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رَّحِیْمًا﴾ مہربان ﴿وَ مَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا﴾ اور جو شخص کمائے گا گناہ ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ﴾ کمائے گا وہ اس کو اپنی جان پر ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِیْمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِیْمًا﴾ حکمت والا ﴿وَ مَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً﴾ اور جو شخص کرے خطا ﴿اَوْ اِثْمًا﴾ یا گناہ ﴿ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓــًٔا﴾ یا پھر وہ تہمت لگا دے بری الذمہ آدمی پر ﴿فَقَدِ احْتَمَلَ﴾ پس تحقیق اُٹھایا اس نے ﴿بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا﴾ بہتان اور صریح گناہ۔

چالاک منافق کا واقعہ

ان آیات میں ایک واقعہ کے ذریعہ منافقین کی کارگزاریوں کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں یک خاندان تھا طعمہ بن ابیرق۔ یہ خاندان بڑا ہوشیار، چالاک، چور اور بددیانت تھا، لڑائی جھگڑے کو بڑا پسند کرتا تھا۔ اس ماندان نے بظاہر کلمہ پڑھ لیا مگر اکثریت منافق تھی۔ مسجد میں حاضر ہوتے، نمازیں پڑھتے اور بڑھ چڑھ کر وہ سارے کام کرتے وسلمان کرتے تھے۔ اس خاندان کا بشیر نامی نوجوان جو بڑا ہوشیار، چالاک اور عادی چور تھا اور چوری اس انداز سے کرتا تھا کہ کسی کو معلوم نہیں ہونے دیتا تھا۔ ایک معمر صحابی تھے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ، ان کے منہ کے دانت بھی گر چکے تھے اور اتنے کمزور تھے کہ آسانی کے ساتھ چل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کے گھر والوں نے خیال کیا کہ ہم تو کھجوریں چبا لیتے ہیں کیونکہ ہمارے دانت ہیں اور باباجی کھجوریں نہیں چبا سکتے، ان کے لیے میدہ خرید لیں۔ شام کے علاقہ سے آٹا میدہ وغیرہ چیزیں آتی تھیں۔ اُنھوں نے ایک بوری میدے کی خرید لی۔ اس میدے کی روٹیاں روئی کی طرح نرم پکتی تھیں۔ ان کے گھر کی پچھلی طرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، یہ ساری قیمتی چیزیں اس میں رکھتے تھے۔

اُنھوں نے میدے کی بوری، قیمتی تلوار، خود یعنی سر کی لوہے کی ٹوپی جو میدانِ جنگ میں پہنتے تھے اور زرہ، اور بھی جتنی قیمتی چیزیں تھیں وہ اس کمرے میں رکھ دیں۔ مکان کچے ہوتے تھے، بشیر نامی منافق کو معلوم ہو گیا کہ ان کے پچھلے کمرے میں

قیمتی سامان ہے۔اس کے گھر کئی دنوں سے فاقہ تھا کیونکہ بڑا ہڈ حرام تھا کام نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ جس کو فارغ رہ کر کھانے کی عادت پڑ جائے وہ کب کام کرتا ہے؟ اور یہ بہت بری عادت ہے اللہ تعالیٰ کرے یہ کسی مسلمان خصوصاً نوجوانوں میں نہ آئے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الشَّابَّ الْفَارِغَ الصَّحِيْحَ. "بے شک اللہ تعالیٰ اس جوان پر سخت ناراض ہوتا ہے جو تندرست ہے اور فارغ رہتا ہے۔" تو نکما ہونا بھی گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں ہڈ حرام اور کھانے کا دھنی۔ تو یہ بشیر نامی منافق بھی ہڈ حرام تھا۔ اس نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے گھر کی پچھلی جانب نقب لگائی اور میدے کی بوری، تلوار، خود اور زرہ اُٹھا کر لے گیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ آٹے کی بوری میں تھوڑا سا سوراخ تھا، مدارک وغیرہ تفسیروں میں ہے کہ وہ جس جس راستے سے گیا تھوڑا تھوڑا آٹا گرتا گیا۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے جب صبح کو جا کر دیکھا تو نہ آٹا، نہ تلوار، نہ خود، نہ زرہ، نقب لگی ہوئی ہے۔ آٹے کے نشانات کو دیکھتے ہوئے بشیر منافق کے گھر تک جا پہنچے اور وہ چوری میں پہلے ہی بدنام تھا۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی نرینہ اولاد فوت ہو چکی تھی اور لڑکیاں اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں۔ آس پاس والوں کو علم ہوا کہ بابا جی کی چوری ہوگئی ہے، شور برپا ہو گیا۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا جو صحت مند نوجوان تھے، ان کو بتایا کہ میری چوری ہوگئی ہے اور اس کا نشان بشیر کے گھر تک جاتا ہے۔ میں بوڑھا آدمی ہوں، چل پھر نہیں سکتا اور میرے منہ میں دانت بھی نہیں، جب بات کرتا ہوں تو کوئی بات سمجھ آتی ہے اور کوئی نہیں آتی۔ لہٰذا میں بات اچھی طرح سمجھا نہیں سکتا تو میری طرف سے جا کر آنحضرت ﷺ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر کہ میرے چچا رفاعہ رضی اللہ عنہ بوڑھے ہیں، آ نہیں سکتے اور ان کے منہ میں دانت بھی نہیں ہیں، اس لیے وہ بات بھی اچھی طرح سمجھا نہیں سکتے، ان کی چوری ہوگئی ہے اور اُنھوں نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ کو اطلاع دوں کہ میرے چچا کی فلاں فلاں چوری ہوگئی ہے اور شک ہے، بلکہ یقین کے درجے میں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا چور بشیر نامی منافق ہے۔

ادھر منافقوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی عدالت میں پیش ہو گیا ہے۔ تو سارے منافق امیر نامی منافق کے گھر اکٹھے ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ گھر کی بات تو ہم سارے جانتے ہیں کہ یہ چور ہے مگر اب عزت کا سوال ہے۔ اگر آپ ﷺ کی مجلس میں اس کا چور ہونا ثابت ہو گیا تو اس پر چوری کی مہر لگ جائے گی لہٰذا اس طرح کرو کوئی مضبوط کارروائی کرو کہ یہ اس الزام سے بچ جائے۔ اور وہ اس طرح کہ تمام کے تمام آنحضرت ﷺ کے پاس جاؤ اور اس کی صفائی پیش کرو اور خوب دباؤ ڈال کر بات کرو۔

چنانچہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ حضرت! یہ دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے اور اس شریف اور پاک باز آدمی کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بھی بلوا لیا۔ منافق بڑے باتونی تھے، گفتگو اس انداز سے کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو بھی مغالطہ میں ڈال دیتے تھے۔ کہنے لگے کہ حضرت! اس کو کہو کہ موقع کے گواہ پیش

کرے اور یہ ان کو معلوم تھا کہ موقع کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے جب مقدمہ پیش کیا اور اس کے چور ہونے کے شواہد بیان کیے تو سارے بول پڑے۔ کہنے لگے حضرت! اس سے پوچھو کہ اس کے پاس گواہ ہیں؟ جنھوں نے اس کو یہ سامان اُٹھا کر لے جاتے دیکھا ہو ورنہ یہ ایک نیک اور اچھے خاندان کے ایک نیک نوجوان پر جو بڑا پاک صاف ہے بغیر کسی ثبوت کے چوری کا الزام لگا کر اس کو بدنام کر رہا ہے اور یہ بڑی زیادتی ہے۔

ترمذی شریف صحاحِ ستہ کی کتاب ہے، اس میں اور مستدرک حاکم جو حدیث کی کتاب ہے، اس میں بھی روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے غصے ہوئے اور ان کو ڈانٹا کہ تو نے بغیر کسی ثبوت کے ایک صالح خاندان کے ایک صالح نوجوان پر الزام لگا دیا ہے۔ وہ بے چارے بڑے پریشان ہوئے کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے؟ وہ روتے روتے اپنے چچا کے پاس گئے اور کہا کہ چچا! معاملہ تو اُلٹ ہو گیا ہے، وہاں تو الٹا مجھے جھڑکیں پڑ گئی ہیں کہ تو نے بغیر کسی ثبوت کے ایک صالح نوجوان پر چوری کا الزام لگا دیا ہے۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹا! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، حق حق ہے اور باطل باطل ہے، سچ سچ ہے اور جھوٹ جھوٹ ہے، میں سچا ہوں کہ چوری میری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائیں گے۔ ہم نے مقدمہ صحیح پیش کیا ہے۔ تھوڑا سا وقت گزرا تو یہ دو رکوع نازل ہوئے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرمائی کہ آپ کو مزید غور کرنا چاہیے تھا ان شیطانوں کی باتوں میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے مسلمان کو جھڑک دیا، ڈانٹ پلادی، وہ تو واقعتاً چور ہے اور منافق جھوٹے ہیں جن کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وکالت کی ہے۔

بشیر منافق کو جب علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے خلاف فیصلہ دے دیا ہے اور اب میں چور ثابت ہو گیا ہوں اور اس جرم میں میرا ہاتھ کاٹا جائے گا تو وہ مرتد ہو گیا۔ پہلے منافقانہ طور پر کلمہ پڑھتا تو تھا اب کھلے طور پر کافر ہو گیا اور یہاں سے بھاگ کر مکہ مکرمہ چلا گیا۔ ابھی تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا کہ مکہ مکرمہ میں سلافہ نامی عورت کے ساتھ اس کے تعلقات تھے، اس کے ہاں جا ٹھہرا۔ اس کو بھی معلوم تھا کہ یہ چور ہے کہنے لگی میرے پاس تو کوئی شے ہے نہیں کچھ لائے گا تو خود بھی کھائے گا اور مجھے بھی کھلائے گا۔ مکہ مکرمہ میں ایک گھر چوری کرنے لگا، دیوار کو نقب لگائی، وہ دیوار اس کے اُوپر گری اور اس کے نیچے دب کر مر گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ﴾ بے شک ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی حق کے ساتھ ﴿لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ﴾ تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقت سمجھائی اور دکھائی ہے ﴿وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا﴾ اور نہ ہوں خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے ﴿وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیے ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ﴿وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِيۡنَ يَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ﴾ اور آپ نہ جھگڑا کریں ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرنے والے ہیں اپنی جانوں سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِيۡمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا اس کے ساتھ جو ہو خیانت کرنے والا گنہگار ﴿يَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ﴾ وہ لوگ چھپتے ہیں لوگوں سے ﴿وَلَا يَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ﴾ اور نہیں چھپتے اللہ تعالیٰ سے ﴿وَهُوَ مَعَهُمۡ﴾

اور وہ اب ان کے ساتھ ہے ﴿اِذۡ یُبَیِّتُوۡنَ مَا لَا یَرۡضٰی مِنَ الۡقَوۡلِ﴾ جب وہ رات کو مشورہ کرتے اس چیز کا جس پر اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے۔ کہ چور کو پاک صاف ثابت کرنے کے لیے اس کا ساتھ دینا اور جھوٹے کو سچا ثابت کرنا۔

اور اس کے لیے اُنھوں نے امیر نامی منافق کے گھر جمع ہو کر مشورہ کیا کہ واقعتاً ہمارا نوجوان ہے تو مجرم، مگر مسئلہ ہے برادری کی ناک کا۔ لہٰذا ہم نے ہر حال میں اس کا دفاع کرنا ہے اور مشورہ کرنے کے بعد یہ سارے بڑے بڑے قدآور شخص عمدہ عمدہ لباس پہن کر آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے اور بڑھ چڑھ کر بشیر منافق چور کی وکالت کی اور صفائی بیان کی کہ یہ تو بڑا نیک صالح نوجوان ہے۔ سارا خاندان اس کی صفائی کے لیے حاضر ہے۔ جب اتنے لوگ اکٹھے ہو کر صفائی کے لیے آجائیں اور ظاہری ثبوت بھی کوئی نہ ہو تو آدمی کو مغالطہ لگ سکتا ہے۔

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ قرآن پاک میں دو عقیدے مذکور ہیں: ایک عقیدہ ہے ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی﴾ "کہ رحمٰن عرش پر مستوی ہے۔" کس طرح بیٹھا ہے؟ کَمَا یَلِیۡقُ بِشَانِہٖ جس طرح کا بیٹھنا اس کی شان کے لائق ہے۔ ہماری طرح نہیں کہ مثلاً: اس وقت میں مصلے پر بیٹھا ہوں آپ حضرات قالینوں پر بیٹھے ہو، کوئی کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے، کوئی پلنگ پر، کوئی فرش پر۔ تو ہم ایک دوسرے کے بیٹھنے کو سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا بیٹھنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بس یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ جو اس کی شان کے لائق ہے۔

اور دوسرا عقیدہ ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ﴾ [الحدید: ۴] "تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے۔" ایسا نہیں ہے کہ عرش پر ہے اور ساتھ نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے، جو اس کی شان کے لائق ہے اور ہے اتنا قریب کہ فرمایا ﴿وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ﴾ [ق: ۱۶] "اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔" یہ جو شہ رگ ہے یہ دل سے دماغ تک جاتی ہے، اس کو رگِ جان کہتے ہیں۔ یہ ختم ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس رگ سے بھی زیادہ قریب اور نزدیک ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ان کے رات کے مشورے پر راضی نہیں تھا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کرتے ہیں اس کا احاطہ کرنے والا۔ علم کے اعتبار سے، قدرت کے اعتبار سے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو تنبیہ فرمائی ﴿هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ﴾ خبردار! تم یہ ہو کہ جھگڑا کیا تم نے ان کی طرف سے ﴿فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿فَمَنۡ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ﴾ پس کون جھگڑا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت والے دن۔ دنیا میں تو تم جتھہ بن کر آگئے ہو کہ برادری کی عزت کا سوال ہے اور چوروں کا دفاع کر رہے ہو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سے کون جھگڑا کرے گا؟ ﴿اَمۡ مَّنۡ يَّكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا﴾ کون ہو گا ان کے لیے وکیل ﴿وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا﴾ اور جو شخص عمل کرے گا برا ﴿اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ﴾ یا ظلم کرے اپنی جان پر ﴿ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ﴾ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے ﴿يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴾ پائے گا اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان۔

معافی کے لیے یہ شرط ہے کہ صاحبِ حق کو اس کا حق پہنچا دے یا اس سے معاف کرالے۔ کیونکہ چوری میں اس نے دو حق ضائع کیے ہیں۔ ایک بندے کا حق اور ایک اللہ تعالیٰ کا حق کہ اس کے قانون کو توڑا ہے۔ لہٰذا بندے کا حق ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ محض توبہ توبہ کرنے سے معافی نہیں ہوگی کہ زبانی طور پر استغفار کرتا رہے، چاہے کروڑ مرتبہ ہی کیوں نہ توبہ کرے۔ ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ اور جو شخص کمائے گناہ پس پختہ بات ہے کہ وہ کمائے گا اس کو اپنی جان پر ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا۔

اس منافق نے ایک اور چال بازی بھی کی تھی، اس کا ذکر ہے۔ وہ کہاوت مشہور ہے نا کہ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ چور کو ڈر اور خطرہ تو ہوتا ہی ہے۔ اس چور نے اس طرح کیا کہ میدے کی بوری گھر لے جانے کے بعد دوسرے دروازے سے نکال کر لبید نامی شخص کے گھر بطور امانت رکھ دی اور کہا کہ مجھے جب ضرورت پڑے گی لے لوں گا۔ یہ لبید یہودی تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ لبید کا گھر ذرا دور تھا، چور کا خیال تھا کہ اس کا گھر دوسرے محلہ میں ہے اور وہ یہاں سے دور ہے وہاں تک بات نہیں پہنچے گی۔ پھر جب معاملہ رفع دفع ہو جائے گا تو جا کر لے آؤں گا اور کھالوں گا۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، تو لبید بھی آیا اور اس نے کہا حضرت! اس شخص نے بوری میرے گھر بطور امانت رکھی ہے۔ اس پر سارے منافق بول پڑے اور کہنے لگے حضرت! پھر چور یہی ہے جس کے پاس مال ہے ہمارا نام ویسے ہی لے رہا ہے۔ سب نے اس کو چور بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا﴾ اور جو شخص کرے خطا یا گناہ ﴿ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا﴾ پھر وہ تہمت لگا دے بری الذمہ آدمی پر ﴿فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ پس تحقیق اُٹھایا اس نے بہتان اور صریح گناہ۔ اس لیے کہ چوری خود کی اور بہتان دوسرے پر لگا دیا۔ منافق اس طرح کرتے تھے۔

حاضر ناظر کون ؟

اب بات سمجھو۔ اگر آنحضرت ﷺ حاضر ناظر ہوتے اور عالم الغیب ہوتے تو یہ واقعہ اس طرح نہ ہوتا بلکہ آپ ﷺ ابتداء ہی میں فرما دیتے کہ بے ایمانو! میرے سامنے تم نے چوری کی ہے، میں دیکھ رہا تھا اور میرے علم میں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو یہ آیتیں نازل کر کے واقعہ کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ عطا فرمائے۔ [آمین]

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿وَرَحْمَتُهٗ﴾ اور اس کی رحمت اور مہربانی ﴿لَهَمَّتْ﴾ تو البتہ ارادہ کر چکا تھا ﴿طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ﴾ ایک گروہ ان میں سے ﴿اَنْ يُّضِلُّوْكَ﴾ یہ کہ آپ کو بہکا دیں ﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ﴾ اور وہ نہیں بہکا سکتے ﴿اِلَّآ﴾ مگر ﴿اَنْفُسَهُمْ﴾ اپنی جانوں کو ﴿وَمَا يَضُرُّوْنَكَ﴾ اور

وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے آپ کو ﴿مِنْ شَیْءٍ﴾ کچھ بھی ﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اور نازل کی اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ کتاب اور سنت اور حدیث ﴿وَ عَلَّمَكَ﴾ اور تعلیم دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ﴿مَا﴾ ان چیزوں کی ﴿لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ جو آپ نہیں جانتے تھے ﴿وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا فضل ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿عَظِيْمًا﴾ بہت بڑا ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ﴾ نہیں کوئی بہتری بہت سی ﴿مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ﴾ ان کی سرگوشیوں میں ﴿اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ﴾ مگر وہ شخص جو حکم کرے صدقہ خیرات کا ﴿اَوْ مَعْرُوْفٍ﴾ یا کسی بھلائی کا ﴿اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ﴾ یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا ﴿وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جو شخص یہ کام کرے گا ﴿ابْتِغَآءَ﴾ چاہتے ہوئے ﴿مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا ﴿فَسَوْفَ﴾ پس عنقریب ﴿نُؤْتِيْهِ﴾ ہم اس کو دیں گے ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿وَ مَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ﴾ جس نے مخالفت کی رسول ﷺ کی ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ﴾ بعد اس کے کہ خوب واضح ہوگئی اس کے سامنے ﴿الْهُدٰى﴾ ہدایت ﴿وَ يَتَّبِعْ﴾ اور اس نے پیروی کی ﴿غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی ﴿نُوَلِّهٖ﴾ ہم اس کو چلادیں گے ﴿مَا تَوَلّٰى﴾ جس طرف کو وہ چلنا چاہتا ہے ﴿وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ﴾ اور ہم اس کو داخل کریں گے دوزخ میں ﴿وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلے رکوع میں یہ واقعہ بیان ہوا تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک خاندان تھا طعمہ بن ابیرق۔ اس خاندان کے اکثر لوگ منافق تھے، مگر نمازیں اور جمعہ باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے تھے، بلکہ پہلی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے، وعظ ونصیحت اور درس کی مجلسوں میں بھی حاضر رہتے تھے۔ رفاعہ رضی اللہ عنہ کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ تھے اور عمدہ لباس پہنتے تھے۔ ان منافقین کے ایک مرد نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی چوری کرلی۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ صحابی تھے جن کے منہ کے دانت بھی گر چکے تھے اور چلنے پھرنے سے بھی قاصر تھے۔ بشیر نامی منافق نے ان کے مکان کے پچھلی طرف سے نقب لگا کر آٹے کی بوری، خود، زرہ اور تلوار اُٹھالی اور ہوشیاری یہ کی کہ سامان اپنے گھر رکھنے کی بجائے لبید نامی آدمی کے گھر رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ بیٹے! میں تو چل پھر نہیں سکتا اور منہ میں دانت نہ ہونے کی وجہ سے بات اچھی طرح سمجھا نہیں سکتا لہٰذا تو جا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں میرا مقدمہ پیش کر۔ چنانچہ یہ گئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا۔ کہنے لگے: حضرت! میرے تایا حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کافی معمر ہیں، خود آتے، مگر معذور ہیں۔ اُنھوں نے مجھے بھیجا ہے، ان کی چوری

ہوئی ہے اور چور جس جس راستہ سے بوری لے کر گیا ہے، آٹا گرتا گیا ہے اور یہ نشانات بشیر نامی آدمی کے گھر تک جاتے ہیں اور ہمارا خیال یہ ہے کہ وہی ہمارا چور ہے۔

مجلس میں جو منافق بیٹھے تھے اُنھوں نے سنا اور واپس جا کر رات کو میٹنگ کی کہ ہماری برادری کی بہت بدنامی ہے، لہٰذا سب مل کر دفاع کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر کہو کہ ہمارا آدمی چور نہیں ہے اور اس نکتے پر بات کرو کہ مدعی موقع کے گواہ پیش کرے اور موقع کا گواہ تو ہے کوئی نہیں لہٰذا ہم پر قسم آئے گی، عزت کی خاطر اُٹھالیں گے اور اس طرح یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ صبح کو فریقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کون کون سی چیز گئی ہے؟ اُنھوں نے بیان کر دیں۔ فرمایا تیرا الزام کس پر ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ بشیر طعمی پر ہے۔ سارے منافق بول پڑے اور کہنے لگے: توبہ توبہ یہ تو بڑا نیک، پاک باز اور عبادت گزار آدمی ہے، تیرے پاس اگر کوئی گواہ ہے تو پیش کر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ مسئلہ یہ ہے اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ "مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اور اگر اس کے پاس گواہ نہیں ہیں تو مدعیٰ علیہ کو قسم دینی پڑے گی۔" اور اُنھوں نے بھی یہی سوچا تھا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قاعدے کے مطابق حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تیرے پاس گواہ موجود ہیں کہ یہ چور ہے؟ اُنھوں نے کہا حضرت! رات کا وقت تھا، اس وقت تو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا؟ منافق کہنے لگے حضرت! اس کو کہو کہ پھر ایک نیک آدمی پر چوری کا الزام کیوں لگایا ہے؟ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا کہ بغیر ثبوت کے ایک آدمی پر چوری کا الزام لگانا بڑی نامناسب بات ہے۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلا رکوع بھی نازل فرمایا اور یہ رکوع بھی نازل فرمایا۔

پہلے رکوع میں فرمایا کہ یہ منافق خائن لوگ ہیں ان کی طرف داری نہ کرو اور اس رکوع میں فرمایا ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل نہ ہوتا اور مہربانی نہ ہوتی ﴿لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ﴾ تو البتہ ایک گروہ ان میں سے ارادہ کر چکا تھا یہ کہ آپ کو حقیقت سے بہکا دیں کہ غلط فہمی میں رکھیں۔ کیوں کہ اُنھوں نے عزم کر رکھا تھا کہ اپنے آدمی کو بچانا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ بچ گئے۔ ﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ اور وہ نہیں بہکا سکتے مگر اپنی جانوں کو، ان کی اس شرارت کا وبال ان کی جانوں پر پڑتا ﴿وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمھیں ان کی خیانت کی اطلاع دی کہ یہ لوگ خائن، بددیانت اور چور ہیں اور چوروں کے حمایتی ہیں، ان کا ساتھ نہ دینا۔ ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ اور نازل کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور سنت۔

یہ کتاب قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں میں سے افضل ترین کتاب ہے۔ اس کا پڑھنا ثواب، اس کا سمجھنا ثواب، اس کو ہاتھ لگانا ثواب، اس کو دیکھنا ثواب، اس پر عمل کرنا ذریعۂ نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے جیسے گنہگاروں کو یہ کتاب عطا فرمائی ہے۔ کاش! کہ ہم اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ تورات، انجیل، زبور آسمانی کتابیں اور صحیفے

ہیں، یہ اپنے اپنے زمانے میں بالکل برحق تھیں، مگر اس وقت دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ اپنی اصل شکل میں ان میں سے کوئی بھی نہیں مل سکتی۔ آسمانی کتابوں میں صرف قرآن مجید ہے جو اپنی اصل شکل میں موجود ہے اور یہ بات صرف ہم نہیں کہتے بلکہ پادری صاحبان کو بھی اقرار ہے کہ اصلی کتاب ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس بات سے بھی قاصر ہیں کہ ان کی کتاب کی اصلی زبان کیا تھی؟ یعنی انجیل کس زبان میں نازل ہوئی تھی؟ یہ شرف صرف ہمیں حاصل ہے کہ ہماری کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ جس شکل میں لوحِ محفوظ میں موجود تھی، جبرئیل علیہ السلام کی زبان پر تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر تھی، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھی اور تابعین رحمہم اللہ کو پہنچائی اور پڑھائی۔ اُنھوں نے تبع تابعین کو اور آج تک موجود ہے۔

حجیتِ حدیث

اور حکمت سے مراد سنت اور حدیث ہے اور قرآن کریم کی طرح حدیث بھی نازل ہوئی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور مفہوم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ الفاظ لوحِ محفوظ میں تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پاک زبان سے تلاوت فرمائے اور حدیث کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے الفاظ میں بیان فرمادیتے تھے۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچادیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان میں بیان کردیتے تھے۔ یعنی اپنے الفاظ میں تفسیر فرمادیتے تھے۔ تو سنت اور حدیث بھی ہمارے دین کا حصہ ہے۔

اور یقین جانو کہ اگر ہم حدیث کو نہیں مانتے تو ہمیں قرآن بھی سمجھ نہیں آسکتا۔ چنانچہ کئی مرتبہ عرض کرچکا ہوں کہ قرآن پاک میں ﴿ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ﴾ کا لفظ آتا ہے کہ نماز قائم کرو، مگر قرآن پاک میں نہ تو نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح قائم کرنی ہے اور نہ رکعات کا ذکر ہے کہ صبح کی نماز میں کتنی رکعات ہیں، ظہر کی کتنی ہیں، عصر کی کتنی ہیں، مغرب کی کتنی ہیں، عشاء کی کتنی ہیں؟ یہ تمام چیزیں حدیث پاک میں ہیں۔ لہٰذا اگر ہم حدیث کو نہیں مانتے تو ﴿ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ﴾ کے حکم پر عمل نہیں کرسکتے۔

اسی طرح ﴿ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ﴾ کا حکم قرآن پاک میں ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ مگر سونے کی زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے؟ چاندی کا کیا نصاب ہے؟ اُونٹوں کا کیا نصاب ہے؟ گائے، بھینس کتنی ہوں؟ تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور بکریوں کا کیا نصاب ہے؟ اور یہ کہ سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی شے کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے، یہ سب چیزیں حدیث پاک میں ہیں۔

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن حج ہے۔ قرآن پاک میں صرف اتنا آتا ہے ﴿ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴾ اور حاجیوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پرانے گھر کا طواف کریں۔ مگر یہ تفصیل کہ کتنے چکر لگائیں اور کہاں سے شروع کریں اور

کہاں ختم کریں؟ یہ حدیث پاک میں ہے۔ اس لیے جس طرح قرآن پاک ہمارا دین ہے، حدیث بھی ہمارا دین ہے۔ منکرین حدیث نے محض اپنی خواہش کے مطابق قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور حدیث کا انھوں نے بالکل انکار کر دیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے حدیث کا انکار اختلاف سے بچنے کے لیے کیا ہے۔ کیونکہ حدیث ماننے سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے رفع یدین کرو، کوئی کہتا ہے نہ کرو، کوئی کہتا ہے آمین بلند آواز سے کہو اور کوئی کہتا ہے آہستہ کہو، کوئی کہتا ہے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھو، کوئی کہتا ہے نہ پڑھو۔ سارے اختلاف حدیث کے ماننے کی وجہ سے ہیں لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ حدیث نہ مانو۔

بے شک یہ اختلافات موجود ہیں مگر فروعات میں ہیں۔ اصول میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً: اس میں اختلاف ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرنا ہے یا نہیں؟ تو ایک طبقہ کہتا ہے کرنا مستحب ہے اور دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ نہ کرنا مستحب ہے اور مستحب کا معنیٰ ہے کہ کرو گے تو ثواب ملے گا، نہ کرو گے تو گناہ کوئی نہیں ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی طبقہ اصل کا تو منکر نہیں ہے کہ نمازیں پانچ نہیں ہیں یا تعدادِ رکعات میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ فجر کے کتنے فرض ہیں اور ظہر کے کتنے فرض ہیں یا عصر کے کتنے فرض ہیں یا مغرب کے کتنے فرض ہیں اور عشاء کے کتنے فرض ہیں؟ اس میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور منکرینِ حدیث کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نمازیں دو ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے تین ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے پانچ ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے چھ نمازیں ہیں۔ اور رکعات کے متعلق بھی ان میں اختلاف ہے اور سجدوں میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ایک رکعت میں ایک سجدہ ہے اور کوئی کہتا ہے کہ دو سجدے ہیں۔ تو حدیث کے انکار سے تو اصل میں اختلاف کر بیٹھے۔ عربی زبان کا محاورہ ہے: فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيزَابِ "کہ بارش سے بچنے کے لیے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔" بھائی! تم تو پرنالے کے نیچے کھڑے ہو گئے ہو۔ ہمارا اختلاف تو فروعات میں ہے، اصولوں میں تو نہیں ہے اور تمھارا تو اصولوں میں اختلاف ہے کہ رفع یدین کا مسئلہ فروعی ہے، اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔

البتہ بعض کم سمجھ لوگ اس پر زور لگاتے ہیں کہ جس نے رفع یدین نہیں کیا اس کی نماز نہیں ہوتی اور لوگوں کو وہم اور شک میں ڈالتے ہیں کہ تمھاری نمازیں نہیں ہوتیں۔ یہ دین میں غلو ہے۔ سعودیہ میں تو کوئی جھگڑا نہیں ہوتا کہ وہاں کرنے والے بھی ہیں اور رفع یدین نہ کرنے والے بھی ہیں۔ اس لیے کہ سارے سمجھتے ہیں کہ اختلافی مسئلہ ہے۔ مگر اصل میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لہٰذا ساتھیو! یاد رکھنا! کہ حدیث بھی دین کی بنیاد ہے اور حدیث کے بغیر قرآن کریم نہیں سمجھ آ سکتا اور جس طرح قرآن کریم سمجھنے کے لیے حدیث درکار ہے اسی طرح قرآن اور حدیث کو سمجھنے والے بھی درکار ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہائے کرام اور محدثین اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ، ان حضرات کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ ان دوں کی خدمات ہیں کہ انھوں نے قرآن وسنت کو ہم تک پہنچایا ہے۔ یہ ان کی بڑی خدمت ہے۔ آج اگر ہماری کوئی چیز راستہ میں گر پڑے۔ مثلاً:

بتوا گر جائے اور کوئی شخص وہ ہم تک پہنچادے تو ہم اس کا کتنا شکریہ ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں تیری مہربانی، جزاك الله، اللہ تعالیٰ تجھے جزا عطا فرمائے کہ تو نے میری چیز مجھے پہنچادی ہے اور ان لوگوں نے تو دین کے سارے مسئلے اصل شکل میں ہم تک پہنچائے ہیں اور ان کی محنت اور کوشش ہے کہ دین اصل شکل میں موجود ہے اور موجود رہے گا۔ تو ان کے بغیر بھی دین سمجھ نہیں آ سکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ اور تعلیم دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں کی جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل فرمایا ﴿وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت بڑا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات میں برگزیدہ بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا اور قیامت والے دن تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے۔

خیرات کی فضیلت

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سارے منافقین نے مل کر پروگرام بنایا کہ چور بشیر کو سچا ثابت کرو اور اس کے لیے انھوں نے مشورہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ﴾ نہیں کوئی بہتری بہت سی ان کی سرگوشیوں میں یعنی ان کے بہت سے پوشیدہ مشوروں میں کچھ بہتری نہیں ہے۔ ہاں! ﴿اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ﴾ مگر وہ شخص جو حکم کرے خیرات کا یا کسی بھلائی کا۔ مثلاً: کسی آدمی سے کسی نے سوال کیا اور یہ خود دے نہیں سکتا، کسی مال دار کے کان میں کہتا ہے کہ بھائی! یہ شخص واقعی محتاج ہے اور مستحق ہے اور مجھے توفیق نہیں ہے تو اس کی مدد کر تو اس طرح خیرات کے متعلق کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور معروف یہ ہے کہ آہستہ سے کسی کے کان میں نیکی کی بات ڈالنا کہ بھائی جان! یہ کام اس طرح کرو، اس میں بھلائی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو آہستہ بات کہو تو سمجھ جاتے ہیں اور اگر لوگوں کے سامنے کہو تو نہیں مانتے۔ ﴿اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ﴾ یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا مشورہ دے کہ بھائی! معاملے کو نہ بگاڑو، نہ فساد کرو، آپس میں نا اتفاقی اور اختلاف اچھی بات نہیں ہے، بلکہ بہت بری چیز ہے۔ تو ایسا مشورہ بھی صحیح ہے۔ ﴿وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ اور جو شخص یہ کام کرے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے ﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ پس عنقریب ہم اس کو دیں گے اجر بہت بڑا۔ اور برے کاموں کے لیے مشورہ کرنا اور چور کو سچا ثابت کرنے کے لیے مشورہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ٹالنے کے لیے مشورہ کرنا حرام اور گناہ ہے۔

پہلے تفصیل کے ساتھ یہ بات گزر چکی ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مسئلے میں کوئی اخفا نہ رہا تو وہ منافق چور کھلے طور پر کافر ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایسے اسلام کی ضرورت نہیں ہے کہ جس میں لوگوں کی بے عزتی ہو اور مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور وہاں سلافہ نامی عورت جو اسی قسم کی تھی، اس کے پاس جا کے ٹھہرا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو کھانے کے

لیے کچھ نہیں ہے لہٰذا تو اپنے ہاتھ کی صفائی دکھا اور مال لے کر آ کہ مل کر کھائیں اور عادتیں تو نہیں جاتیں اور اگر اچھے کام کی عادت ہو جائے تو اچھا ہے، اس سے عبادت بھی آسان ہو جاتی ہے۔ بہر حال اس نے ایک جگہ جا کر نقب زنی کی، وہ دیوار گری اور یہ اس کے نیچے دب کے مر گیا اور ایمان والوں سے جدا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾ اور جس شخص نے مخالفت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، بعد اس کے کہ خوب واضح ہو گئی اس کے سامنے ہدایت ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور پیروی کی اس نے مومنوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ ہم اس کو چلا دیں گے جس طرف کو وہ چلنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو حق کو قبول کرے یا کفر اختیار کرے۔

فرمایا ﴿الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ "حق تیرے رب کی طرف سے ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔" ایمان اختیار کرنے میں بھی انسان با اختیار ہے اور کفر اختیار کرنے میں بھی انسان کی مرضی کا دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ ایمان پر کسی کو مجبور کیا ہے، نہ کفر پر۔ اپنی مرضی سے جو نیکی پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو ادھر چلا دیں گے۔ اگر بُرے راستہ پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ ادھر چلا دیں گے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ چار اماموں میں سے ایک ہیں اور بڑے بلند پائے کے امام ہیں۔ اُنھوں نے اس مسئلے پر دلیل تلاش کرنے کے لیے کہ اجماعِ امت حجت ہے، قرآن پڑھنا شروع کیا۔ ایک دفعہ سرسری طور پر پڑھا، دوسری دفعہ سارے قرآن کریم کو پڑھا، تیسری دفعہ یہ آیت کریمہ سامنے آئی ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾ "اور جس نے مخالفت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ہدایت اس کے سامنے خوب واضح ہو گئی ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اس نے پیروی کی مومنوں کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ کی ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ ہم اس کو چلا دیں گے جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے ﴿وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ﴾ اور ہم اس کو داخل کریں گے دوزخ میں ﴿وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔"

تو فرماتے ہیں کہ جملہ ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور وہ چلتا ہے مومنوں کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ اجماع بھی اسی طرح قطعی حجت اور دلیل ہے جس طرح قرآن کریم اور حدیث متواتر قطعی دلیل اور حجت ہیں۔ لہٰذا مومنوں کے اجماع کا منکر قرآن کا منکر ہے۔ مومنوں سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ ہیں۔ اس دور کے مسلمانوں نے جن جن مسائل پر اتفاق کیا ہے وہ حجت ہیں۔ لہٰذا ان کا راستہ چھوڑ کر اگر کوئی دوسرے راستہ پر رہے گا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ﴾ داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں۔ کیونکہ نجات کا راستہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا اور ایمان والے اس پر چلے ﴿وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ اور وہ دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر مسلمان مرد وعورت کو اس سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ آمین!

﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا یَغْفِرُ﴾ نہیں بخشے گا ﴿اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ﴾ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے ﴿وَ یَغْفِرُ﴾ اور بخش دے گا ان گناہوں کو ﴿مَا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ جو شرک سے نیچے نیچے ہوں گے ﴿لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کو چاہے گا ﴿وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ اور جس نے شرک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿فَقَدْ﴾ پس تحقیق ﴿ضَلَّ﴾ بہک گیا، گمراہ ہوا ﴿ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا﴾ گمراہی دور کی ﴿اِنْ یَّدْعُوْنَ﴾ اور نہیں وہ پکارتے ﴿مِنْ دُوْنِهٖۤ﴾ اللہ تعالیٰ کے ورے ﴿اِلَّاۤ اِنٰثًا﴾ مگر زنانہ قسم کی چیزوں کو ﴿وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ﴾ اور نہیں وہ پکارتے ﴿اِلَّا شَیْطٰنًا﴾ مگر شیطان کو ﴿مَّرِیْدًا﴾ جو سرکش ہے ﴿لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی ہے ﴿وَ قَالَ﴾ اور کہا شیطان نے ﴿لَاَتَّخِذَنَّ﴾ البتہ میں ضرور بناؤں گا ﴿مِنْ عِبَادِكَ﴾ تیرے بندوں میں سے ﴿نَصِیْبًا﴾ حصہ ﴿مَّفْرُوْضًا﴾ مقرر کیا ہوا ﴿وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ﴾ اور البتہ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا ﴿وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ﴾ اور البتہ میں ضرور ان کو آرزوئیں دلاؤں گا ﴿وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ﴾ اور البتہ میں ضرور ان کو حکم دوں گا ﴿فَلَیُبَتِّكُنَّ﴾ پس البتہ وہ ضرور کاٹیں گے ﴿اٰذَانَ الْاَنْعَامِ﴾ جانوروں کے کانوں کو ﴿وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ﴾ اور البتہ ضرور ان کو حکم دوں گا ﴿فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ پس البتہ ضرور وہ تبدیلی کریں گے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں ﴿وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا﴾ اور جس نے بنایا شیطان کو دوست ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا﴾ پس تحقیق اس نے نقصان اُٹھایا کھلا نقصان ﴿یَعِدُهُمْ﴾ شیطان ان کے ساتھ وعدہ کرتا ہے ﴿وَ یُمَنِّیْهِمْ﴾ اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے ﴿وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ﴾ اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان کے ساتھ ﴿اِلَّا غُرُوْرًا﴾ مگر دھوکے کا ﴿اُولٰٓىِٕكَ﴾ یہی لوگ ہیں ﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَ لَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا﴾ اور نہیں پائیں گے وہ اس دوزخ سے چھٹکارے کی کوئی جگہ۔

شرک کی تردید:

رب تعالیٰ کے قانون میں سب سے بڑی نیکی بلکہ رأس الطاعات یعنی تمام نیکیوں کی جڑ توحید ہے اور سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ توحید سے بڑی نیکی کوئی نہیں اور شرک سے بڑا گناہ کوئی نہیں ہے۔ اسی لیے مشرک کی سزا کیفیت کے لحاظ سے بھی بڑی ہے اور کمیت کے لحاظ سے بھی بڑی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ یہ بات بڑی یقینی اور اٹل ہے جو ہر قسم کے شبے سے پاک ہے کہ مشرک کی بخشش نہیں ہے اور جس شخص نے شرک نہ کیا چاہے وہ کتنا ہی بڑا گنہگار رہے بخشا جائے گا۔

مسلم وغیرہ حدیث کی کتابوں میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو خطاب کیا اور فرمایا: یَا ابْنَ اٰدَمَ! "اے آدم کے بیٹے! لَوْ لَقِیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ ذَنْبًا لَقِیْتُكَ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً اگر تو مجھے ملے اس حال میں کہ تیرے اتنے گناہ ہوں کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک ساری زمین تیرے گناہوں سے بھری ہوئی ہو، میں تجھے ملوں گا اتنی ہی بخشش کے ساتھ۔" مگر شرط یہ ہے کہ مَالَمْ تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا "تو میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرائے۔"

اور معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمت کے لیے تین تحفے عطا کیے گئے:

① ...... نمازوں کا تحفہ، جو پہلے پچاس تھیں پھر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بار بار التجا اور درخواست کی تو پانچ رہ گئیں۔

② ...... دوسرا تحفہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر تک۔

③ ...... اور تیسرا تحفہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیری اُمت کے ان لوگوں کو بخش دوں گا جو میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور یہ تینوں تحفے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جبرئیل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر عطا فرمائے۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ؟ "حضرت! یہ بتائیں کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ۔ یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا فرمایا ہے۔" اللہ تعالیٰ تمام مومنین ومومنات کو شرک سے بچائے۔

شرک کی اقسام اور نظر کا لگ جانا برحق ہے

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ شرک کی بڑی قسمیں ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ: اَلشِّرْكُ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ نَمْلٍ "شرک کی بعض قسمیں چیونٹی کی چال سے بھی باریک ہوتی ہیں۔" اور یہ شرک عموماً عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً: کسی عورت کو تکلیف ہوگئی تو کہے گی کہ فلاں عورت ہمارے گھر سے ہو کر گئی ہے جس کی وجہ سے میں بیمار ہوگئی ہوں، فلاں آئی تھی اس لیے مجھے کھانسی ہوگئی ہے، فلاں عورت آئی تھی اس لیے میرا بچہ مر گیا ہے، فلاں آئی تھی تو یہ ہوگیا، فلاں کا سایہ پڑ گیا تو یہ ہوگیا۔ یہ سب شرک کی قسمیں ہیں اور اس عقیدہ سے نماز، روزے سب برباد ہو جاتے ہیں، کسی کے آنے جانے سے کچھ نہیں ہوتا۔

بیٹیو! مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو، بیماری، تندرستی، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نظر کا لگ جانا بھی حق ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں مگر ہر بیماری کی کڑی اس سے ملانا کہ فلاں آئی تھی تو یہ ہوگیا، یہ غلط اور شرک ہے۔ طبعی طور پر بیماریاں بھی ہوتی ہیں جو بڑوں کو بھی ہوتی ہیں، بچوں کو بھی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ شفا دیتے ہیں، خواہ مخواہ ہر بات پر کہنا کہ فلاں کی نظر لگ گئی اور عورت پھر کر گئی ہے، توبہ توبہ اللہ تعالیٰ شرک سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ مشرک کی بخشش نہیں فرمائیں گے ﴿وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ اور بخش دے گا ان گناہوں کو جو شرک سے نیچے نیچے ہوں گے جس کو چاہے گا۔ کیونکہ وہ مجبور نہیں ہے۔ اسی پارے میں اس سے دو رکوع پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ مومن کو قتل کرنا بڑا سنگین جرم ہے۔ اگر کوئی شخص حلال سمجھ کر مومن کو قتل کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اسی طرح کسی بھی گناہ کو جو حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہے اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ اور گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنے والا کافر نہیں ہے، اس کی کسی نہ کسی وقت بخشش ہو جائے گی۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: اللہ تعالیٰ مقتول کے وارثوں کو فرمائیں کہ تم اس کو معاف کر دو، اس کے بدلے میں میں تمھیں معاف کر دیتا ہوں اور جنت میں بلند مقام عطا کرتا ہوں تو وارث راضی ہو جائیں گے اور معاف کر دیں گے تو قتل جیسے سنگین جرم کی بھی معافی ہے، مگر شرک کی معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا﴾ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا پس تحقیق وہ بہک گیا، گمراہ ہو گیا، گمراہی دور کی۔ اگر کوئی شخص اصل راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چل پڑا ہو اور تھوڑا سا چلنے کے بعد احساس ہو گیا تو اس کا واپس لوٹنا آسان ہے اور جو شخص بھٹک کر بہت دور نکل گیا تو اس کا واپس آنا بہت مشکل ہے اور ایسے شخص کے لیے بخشش اور مغفرت کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی اور یہ بھی یاد رکھنا! کہ ایسی خواہش کے پیچھے لگنا اور اس کو پورا کرنا جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی یہ بھی شرک ہے۔

چنانچہ انیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَرَءَیْتَ﴾ "کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے ﴿مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے ﴿اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا﴾ [الفرقان: ۴۳] کیا آپ اس پر نگہبان ہو سکتے ہیں؟" کھانے پینے کی خواہشات ہیں، جتنی خواہشات ہیں ان کو شرعی قاعدے کے مطابق پورا کرنے کا تو حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ [طور: ۱۹] "کھاؤ اور پیو۔" ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ﴾ [النور: ۳۲] "جن عورتوں کے نکاح نہیں ہوئے ان کا نکاح کرا دو۔" ان کے متعلق اپنی مرضی کرنا اور شریعت کی مرضی کے خلاف چلنا، یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ اس کے متعلق علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں: ؎

دہریت کیا ہے بندۂ حرص و ہوا ہونا
قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریہ تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

زبان سے کلمہ پڑھتا ہے اور کرتا اپنی مرضی ہے تو کلمہ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ لہٰذا یاد رکھنا! کسی بھی کام میں جو شریعت کے خلاف ہو، اپنی مرضی کرنا شرک ہے۔ آٹھواں پارہ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ "اگر تم شیطانوں کی اطاعت کرو گے تو بے شک تم بھی مشرک ہو۔" شیطانی کاموں کو شیطان کے کہنے پر کرنا یہ بھی شرک کی ایک

قسم ہے۔

فرمایا ﴿اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا﴾ اور وہ نہیں پکارتے اللہ تعالیٰ کے ورے مگر زنانہ قسم کی چیزوں کو۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عرب کے مشرک لات، منات اور عزیٰ کی پرستش کرتے تھے جو سب عورتوں کے نام ہیں۔ لات، اللہ کی مؤنث ہے اور عزیٰ، عزیز کی مؤنث ہے اور منات، منان کی مؤنث ہے۔ تو اُنھوں نے اپنے معبودوں کے زنانہ نام رکھے ہوئے تھے۔ رب تعالیٰ کو چھوڑ کر زنانہ قسم کی چیزوں کو پکارتے ہیں۔

اور کئی دفعہ میں بیان کر چکا ہوں کہ لات اصل میں ایک ملنگ کا نام تھا جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلاتا تھا۔ جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر پر عرس کرنا شروع کر دیا، پھر اس کا بت بنا کر مکہ مکرمہ میں نصب کر دیا اور اس سے مدد مانگنا شروع کر دی۔ کہتے تھے یَالَاتُ أَغِثْنِيْ "اے لات میری مدد کر۔" اور عزیٰ کی ایک پری تھی جو کہ مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلے پر کبھی ظاہر ہوتی اور کبھی چھپ جاتی تھی۔ وہاں پر موٹے موٹے ملنگوں نے ڈیرے لگا لیے، وہاں پانی بھی تھا اور کچھ درخت بھی لگے ہوئے تھے، لوگوں نے وہاں مکان بنا لیے۔

۸ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عزیٰ کو جا کر ختم کر دو، کیونکہ مجھے اس کی پوجا سے بہت تکلیف ہے۔ وہ گئے اور ملنگوں کو بھگا دیا، درخت کاٹ دیئے اور مکان گرا دیئے اور واپس آ کر رپورٹ پیش کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ کیونکہ عزیٰ کو تو چھوڑ دیا ہے۔ کہنے لگے حضرت! وہاں تو کوئی شے نہیں تھی۔ فرمایا دوبارہ جا اور عزیٰ کو ختم کر دے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دوبارہ گئے تو دیکھا اِمْرَأَةٌ نَاشِرَةٌ رَأْسَهَا "ایک عورت ہے اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔" سر میں مٹی ڈال رہی ہے اور زور زور سے چیخیں مار مار کر رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے کُفْرَانَكَ یَا عُزّٰی "عزیٰ تیرا بیڑا غرق ہو گیا ہے۔" حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ فرمایا: تِلْكَ الْعُزّٰی لَنْ تُعْبَدَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْیَوْمِ "یہ عزیٰ تھی جو ختم ہو گئی اور آج کے بعد اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔" اور منات بھی ایک آدمی کا نام تھا۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی قوی ذات کو چھوڑ کر کمزوروں سے مانگتے ہو، جس طرح عورت کمزور ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کو صنفِ نازک کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ بنے گا کہ نہیں پکارتے تم اس اللہ تعالیٰ کے سوا مگر زنانہ قسم کی چیزوں کو یعنی کمزور کو پکارتے ہو جو کچھ نہیں کر سکتے۔

مشرکین کی بے بسی

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ﴾ "اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ اسے غور سے سنو ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾ وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے ﴿وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ اگرچہ اس کے لیے سارے اکٹھے ہو جائیں ﴿وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا﴾ اور اگر ان

سے مکھی کوئی چیز چھین کر لے جائے ﴿لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ﴾ تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ﴾ طالب بھی کمزور، مطلوب بھی کمزور۔" عابد بھی کمزور، معبود بھی کمزور۔ تو یہ زنانہ یعنی کمزور قسم کی چیزوں سے مرادیں مانگتے ہیں ﴿وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا﴾ اور نہیں پکارتے وہ مگر شیطان کو جو سرکش ہے، مردود ہے۔ براہِ راست شیطان کو کوئی نہیں پکارتا، مگر شیطان کی بات مان کر غیر اللہ کو پکارنا شیطان ہی کو پکارنا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو کہا تھا ﴿یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ﴾ "اے میرے باپ! شیطان کی پیروی نہ کر۔" یعنی جو کچھ آپ کر رہے ہیں شیطان یہی چاہتا ہے، لہٰذا اس کی چاہت کے مطابق کرنا اس کی عبادت ہے۔

رہا شیطان کا سرکش ہونا تو اس کو یوں سمجھو کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ﴾ "اے ابلیس! تجھے کس چیز نے منع کیا ﴿اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ﴾ اس کے آگے سجدہ کرنے سے جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ شیطان کی سرکشی دیکھو، کہنے لگا ﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ﴾ میں اس سے بہتر ہوں ﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔" میں اس کو کیوں سجدہ کروں؟ اور چودھواں پارہ سورۃ الحجر میں ہے، کہنے لگا ﴿لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ "میں وہ نہیں ہوں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے گارے سے بنایا ہے۔" پھر اللہ تعالیٰ کو طعنے دینے لگا کہ ﴿هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ﴾ [بنی اسرائیل: ۶۲] "یہ ہے وہ جس کو تو نے میرے اُوپر فضیلت بخشی ہے۔" اس سے زیادہ سرکشی اور کیا ہو سکتی ہے؟ ایسے سرکش کے تم تابعدار ہو اور رب تعالیٰ کی بات تم نہیں مانتے۔

﴿لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ اس مردود شیطان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ﴿وَ قَالَ﴾ اور شیطان نے کہا ﴿لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ﴾ البتہ ضرور بناؤں گا میں تیرے بندوں میں سے ﴿نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ حصہ مقرر کیا ہوا۔ سارے تیرے بندے نہیں رہنے دوں گا میں اپنے بندے بھی بناؤں گا۔ کیا کروں گا ﴿وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ﴾ اور میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا ﴿وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ﴾ اور البتہ ضرور میں ان کو آرزوئیں دلاؤں گا۔ گناہ پر آمادہ کر کے کہوں گا کوئی بات نہیں اللہ بڑا مہربان ہے، رحیم ہے ﴿وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ﴾ اور البتہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا ﴿فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ﴾ پس وہ ضرور کاٹیں گے جانوروں کے کانوں کو۔

مشرک اس طرح کرتے تھے کہ جانور کا کان تھوڑا سا کاٹ کر نشان لگا دیتے اور کہتے کہ یہ لات کے لیے وقف ہے اور یہ عزیٰ کے لیے وقف ہے۔ جس طرح تم گوجرانوالا جاؤ تو تمھیں بازاروں میں آوارہ گائیں پھرتی نظر آئیں گی اور گلے میں ان کے کپڑا بندھا ہوگا، ان کا کوئی مالک نہیں ہے۔ یہ مشرک قسم کے لوگوں نے اپنے پیروں کے نام پر وقف کی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو چھیڑتا کوئی نہیں بلکہ یہ گائے اگر کسی سودے میں منہ مارے تو بڑے آرام سے کہتے ہیں بابا جی! پیچھے ہو جاؤ۔ اس کو مارتے نہیں ہیں کہ کہیں بے بے جی کو مارنے سے نقصان نہ ہو جائے۔ ہندو تو واقعتاً گائے کو ماتا کہتے تھے اور اب مسلمانوں نے بھی اس کو ماں بنایا ہوا ہے۔

ساتویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تردید فرمائی ہے: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا

حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝﴾ "اللہ تعالیٰ نے نہ تو بحیرہ کچھ چیز بنائی ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام، بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں اور ان کے اکثر عقل نہیں رکھتے۔"

لہٰذا یاد رکھنا! یہ جو بکرے چھترے کا قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، یہ شرک ہے۔ بڑا جانور تو درکنار ایک مکھی کی وجہ سے ایک آدمی جنت میں گیا اور ایک آدمی جہنم میں گیا ہے۔

ایک مکھی کی وجہ سے ایک آدمی جنت میں اور ایک جہنم میں

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ اور ایک ہیں طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ، وہ تبع تابعین میں سے ہیں، جنھوں نے اندلس فتح کیا تھا۔ یہ طارق بن شہاب ہیں۔ ترجمان السنۃ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف ایک مکھی کی وجہ سے ایک شخص جنت میں داخل ہوا اور دوسرا دوزخ میں۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کیسے؟ فرمایا کسی قوم کا ایک بت تھا ان کا دستور تھا کہ کوئی شخص اس پر چڑھاوا چڑھائے بغیر ادھر سے گزر نہیں سکتا تھا۔ اتفاق سے دو شخص ادھر سے گزرے۔ ان لوگوں نے اپنے دستور کے مطابق ان میں سے ایک شخص سے کہا: نیاز چڑھاؤ۔ وہ بولا اس کے لیے میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ وہ بولے کچھ نہ کچھ تو ضرور چڑھادے خواہ ایک مکھی ہی سہی۔ اس نے ایک مکھی چڑھادی، اس وجہ سے وہ دوزخ میں گیا۔ اُنھوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اب دوسرے سے کہا تو بھی کچھ چڑھاوا چڑھا۔ اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کے نام پر نیاز نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر اُنھوں نے اس کی گردن اُڑادی۔ اس لیے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

گیارھویں کی تردید

یہ حدیث یاد رکھنا، بھولنا نہیں، قبروں پر جو چھترے بکرے بزرگوں کی نیاز کے طور پر چڑھائے جاتے ہیں، وہ سب اسی مد میں ہیں۔ یہ شرک ہے۔ گیارھویں کی تفصیل بھی سن لو۔ اگر کوئی شخص گیارھویں اس نظریے سے دیتا ہے کہ اس سے میرے مال ڈنگر میں برکت ہوگی، کاروبار میں برکت ہوگی اور اگر نہیں دوں گا تو نقصان ہوگا، تو حرام ہے اور دینے والا پکا مشرک ہے اور اگر اس ارادے سے دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں ان کو ثواب پہنچے اور دیتا اللہ تعالیٰ کے نام پر ہے تو پھر کفر تو نہیں، شرک تو نہیں مگر بدعت ہے۔ کیونکہ ایصالِ ثواب کے لیے دن کا مقرر کرنا بدعت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایصالِ ثواب کرنا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے کیوں نہیں کرتا؟ کہ وہ محسنِ اُمت ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے کیوں نہیں کرتا؟ اور ہزاروں لاکھوں ولی ہیں ان کے لیے کیوں نہیں کرتا؟ پھر صرف گیارھویں تاریخ کو کیوں کرتا ہے؟ آگے پیچھے کیوں نہیں کرتا؟

اب میری کتابوں کے بعد ان لوگوں نے یہ ہیرا پھیری شروع کردی ہے کہ کچھ بارھویں کو کر لیتے ہیں، کچھ تیرھویں کو

کر لیتے ہیں اور کچھ چودھویں تاریخ کو کرتے ہیں، کبھی پندرھویں کو کر لیتے ہیں اور میرے خیال میں یہ سلسلہ اُنھوں نے اس لیے کیا ہے کہ سب کچھ گیارھویں کو تو پیٹ میں نہیں ڈال سکتے اور نہ اس دن کا کھایا ہوا سارا مہینہ کام آ سکتا ہے لہٰذا اُنھوں نے پیٹ کے لیے اب یہ طریقہ نکالا ہے کہ کہیں گیارھویں ہو جائے اور کہیں بارھویں ہو جائے، کہیں تیرھویں ہو جائے، کہیں چودھویں ہو جائے اور اس سے بھی بچ جائیں گے کہ ہم نے تعین چھوڑ دیا ہے۔

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ﴾ اور شیطان نے کہا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا ﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ بس البتہ وہ ضرور تبدیلی کریں گے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں۔ تفسیر کبیر وغیرہ میں آتا ہے کہ ڈاڑھی کا منڈوانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بدلنے کی مد میں ہے۔ کیونکہ مردوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ڈاڑھی بنائی ہے، مٹھی سے کم کریں یا بالکل منڈوائیں، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

اسی طرح اگر عورتیں اپنے سر کے بال کٹوائیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔ اسی طرح بعض عورتیں بھویں صاف کرتی ہیں، وہ بھی اسی مد میں ہے۔ ہاں! چھوٹی بچیوں کا مسئلہ الگ ہے وہ اس کی زد میں نہیں آتیں۔ تو شارع کی اجازت کے بغیر اپنے بدن کے کسی حصے میں تصرف کرنا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا ہے۔ یہ شیطانی کارروائی ہے۔ اسی طرح سر پر لٹ رکھنا، یہ بھی حرام ہے، بودی رکھنا بھی حرام ہے۔ یا تو اُسترہ پھرائیں، ٹنڈ کرائیں یا پٹے رکھیں۔ اس کے سوا شریعت میں کوئی صورت نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور جس نے بنایا شیطان کو دوست اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا﴾ پس تحقیق اس نے نقصان اُٹھایا کھلا نقصان اُٹھانا ﴿يَعِدُهُمْ﴾ شیطان ان کے ساتھ وعدہ کرتا ہے ﴿وَيُمَنِّيْهِمْ﴾ اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان کے ساتھ مگر دھوکے کا ﴿اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ یہی لوگ ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا﴾ اور نہیں پائیں گے وہ دوزخ سے چھٹکارے کی کوئی جگہ۔ اللہ تعالیٰ دوزخ سے بچائے اور محفوظ فرمائے۔ [آمین]

﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا﴾ اور اُنھوں نے عمل کیے ﴿الصّٰلِحٰتِ﴾ اچھے ﴿سَنُدْخِلُهُمْ﴾ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے ﴿جَنّٰتٍ﴾ جنت کے ایسے باغوں میں ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ﴾ رہا کریں گے ان باغوں میں ﴿اَبَدًا﴾ ہمیشہ ہمیشہ ﴿وَعْدَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ﴿حَقًّا﴾ سچا ہے ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ﴾ اور کون زیادہ سچا ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ﴿قِيْلًا﴾ بات کرنے میں ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ﴾ نہیں ہیں معاملات تمھاری خواہشات کے مطابق ﴿وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اور نہ اہل کتاب کی خواہشات کے مطابق ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا﴾ جو شخص بُرا عمل کرے گا

﴿یُجْزَ بِهٖ﴾ اس کو بدلہ دیا جائے گا ﴿وَ لَا یَجِدْ لَهٗ﴾ اور نہیں پائے گا وہ اپنے لیے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَلِیًّا﴾ کوئی حمایت کرنے والا ﴿وَّ لَا نَصِیْرًا﴾ اور نہ کوئی مدد کرنے والا ﴿وَ مَنْ یَّعْمَلْ﴾ اور جو شخص عمل کرے گا ﴿مِنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ نیک اعمال میں سے ﴿مِنْ ذَكَرٍ﴾ وہ مرد ہو ﴿اَوْ اُنْثٰى﴾ یا وہ عورت ہو ﴿وَ هُوَ مُؤْمِنٌ﴾ بشرطیکہ وہ مومن ہو ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس یہی لوگ ﴿یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ داخل ہوں گے جنت میں ﴿وَ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر ﴿نَقِیْرًا﴾ تل برابر بھی ﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ﴾ اور کون شخص زیادہ اچھا ہے ﴿دِیْنًا مِّمَّنْ﴾ دین کے اعتبار سے اس شخص سے ﴿اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿وَ هُوَ مُحْسِنٌ﴾ اور وہ نیکی کے کام کرنے والا ہے ﴿وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا﴾ اور اس نے پیروی کی ابراہیم علیہ السلام کی اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی جو ایک طرف ہو کر رہنے والے تھے ﴿وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا﴾ اور بنالیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست ﴿وَ لِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ ہے آسمانوں میں ﴿وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ ہے زمین میں ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا﴾ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا۔

کل کے سبق میں شیطان کے پیروکاروں کا اور ان کے انجام کا ذکر تھا جو جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر نامزد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خلقت کو بدلتے ہیں، شیطان کے وعدوں پر یقین کر کے دھوکے میں آنے والے ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور دوزخ سے ان کو کبھی چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا۔ اب ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں ذکر ہے، ان کی خوبیوں کا بیان ہے اور ان کے نتیجے کا ذکر ہے۔ کیونکہ کسی شے کی حقیقت تقابل کی صورت میں صحیح سمجھ آتی ہے۔ مثلاً: رات کی حقیقت دن سے سمجھ آتی ہے، سیاہی سفیدی سے سمجھ آتی ہے، حق سمجھ نہیں آسکتا جب تک مقابلے میں باطل نہ ہو۔ مومنوں کی خوبیاں اور ان کا نتیجہ سمجھ نہیں آسکتا جب تک مقابلے میں کافروں کی بدکاری اور اس کے نتیجے کا ذکر نہ ہو۔ اس لیے کافروں کی بدکاری اور اس کے نتیجے کا ذکر کرنے کے بعد اب مومنوں کی خوبیوں اور ان کے نتیجے کا ذکر ہے۔

ایمان کے ساتھ اچھے اعمال بھی ضروری ہیں

فرمایا ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ سب سے بڑی عبادت بلکہ تمام عبادتوں کی جڑ ایمان ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ.

"ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھائی اور برائی کی تقدیر پر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔"

صرف ایمان نہیں بلکہ ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اُنھوں نے عمل کیے اچھے۔ کیونکہ اصل مقصد تو اعمال ہیں، ایمان تو بنیاد ہے۔ اعمال پھل ہیں، پتے ہیں۔ اعمال کے بغیر کچھ نہیں۔ جس طرح درخت کی پہچان پتوں سے ہوتی ہے اور پھل سے ہوتی ہے۔ موسم خزاں میں جب پتے جھڑ جاتے ہیں تو بعض اوقات ان کی شناخت بھی نہیں ہو سکتی کہ یہ کون سا درخت ہے؟ اور یہ کون سا درخت ہے؟ پھر جب موسم بہار آتا ہے اور درختوں پر پتے لگتے ہیں تو پھر لوگ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ فلاں درخت ہے اور وہ فلاں درخت ہے۔ اس کے بعد جب پھل لگتا ہے تو اصل مقصد پورا ہوتا ہے۔ کیونکہ اصل مقصد تو پھل ہے، خالی تنے کا کیا کرنا ہے؟ اس لیے ایمان جڑ اور بنیاد ہے لیکن جب تک اس کے ساتھ پتے اور پھل نہیں لگے، مقصد پورا نہیں ہوگا۔ لہٰذا ایمان کے ساتھ اچھے اعمال بھی ضروری ہیں۔

وہ اعمال زبانی بھی ہیں، بدنی بھی ہیں، مالی بھی ہیں۔ یعنی بعض کا تعلق زبان کے ساتھ ہے، بعض کا تعلق بدن کے ساتھ ہے، بعض کا تعلق مال کے ساتھ ہے اور ہر نماز میں ہم اقرار کرتے ہیں اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوٰتُ وَ الطَّيِّبَاتُ "تمام زبانی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، بدنی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور مالی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔" بدن، مال، زبان سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کرنا چاہیے۔

تو جو ایمان لائے اور عمل اچھے کرتے ہیں ﴿سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ﴾ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے ایسے باغوں میں ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جب قبر میں پہنچے گا تو جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے، نہ جنت دور ہے، نہ دوزخ دور ہے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ رہا کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ اور اس ہمیشہ کی زندگی کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ اللہ کا وعدہ سچا ہے ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں۔ ﴿قِيْلًا﴾ مصدر ہے قَالَ يَقُوْلُ کا۔ اس کا مصدر قَوْل بھی آتا ہے، قِيْل بھی آتا ہے اور مقالہ بھی آتا ہے۔ رب تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ ایمان بھی ہو اور عمل صالح بھی ہوں۔

زبانی دعووں سے جنت نہیں ملتی

یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ﴿لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ [البقرۃ:۱۱۱] یہودی کہتے تھے کہ جنت صرف ہماری ہے اور عیسائی کہتے تھے جنت صرف ہماری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے مومنو! ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ نہیں ہے معاملہ تمھاری خواہشات کے مطابق اور نہ اہل کتاب کی خواہشات کے مطابق۔ آخرت کا دار و مدار نہ تمھاری خواہشات پر ہے کہ تم کہو کہ ہم جنتی ہیں اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر ہے کہ وہ کہیں کہ ہم جنتی ہیں۔ زبانی دعووں اور خواہشات سے جنت نہیں ملتی۔ رب تعالیٰ کا دستور ہے ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ جو شخص برا عمل کرے گا اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ یہ

آیت کریمہ جب نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے پریشان ہوئے کہ اس طرح تو کوئی بھی نہیں بچے گا۔ کیونکہ ہر آدمی سے کوئی نہ کوئی غلطی تو ہو ہی جاتی ہے لہٰذا اگر ہر برائی پر سزا ملے تو بندے کی خیر نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو أَعْلَمُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ ہیں، اس اُمت میں سب سے بڑے عالم ہیں، اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا حضرت! ہم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں جس سے کوئی صغیرہ کبیرہ گناہ نہ ہوا ہو؟ کیونکہ صغیرہ کبیرہ سے معصوم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ جس نے کوئی بھی بُرا کام کیا قولاً یا فعلاً، اس کو بدلہ دیا جائے گا تو حضرت! پھر ہماری تو خیر نہیں ہے۔ انھوں نے ﴿يُّجْزَ بِهٖ﴾ کا مفہوم یہ سمجھا کہ قبر میں عذاب ہوگا، دوزخ میں جانا پڑے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کا فرمان حق ہے مگر بدلے اور جزا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوزخ میں جائے بلکہ بہت سارے گناہوں کا کفارہ دنیا میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً: کسی آدمی سے برائی سرزد ہوگئی، اس کے بعد اس کو کوئی تکلیف ہوگئی، سر درد ہو گیا، پیٹ میں درد ہو گیا، گھٹنوں میں درد ہو گیا، یہ اس برائی کا کفارہ ہو گیا، بدلہ مل گیا۔ بہت سارے گناہ ایسے ہیں جو تکلیفوں کے ذریعہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھنا! یہ مصیبتیں، تکلیفیں، بیماریاں ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو کانٹا چبھا تو یہ بھی گناہ کا کفارہ ہے۔ اگر کسی کو چیونٹی نے کاٹا تو یہ بھی گناہ کا کفارہ ہے۔ حالانکہ اس کے کاٹنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے، مگر وہ بھی مومن کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اسی طرح جیب سے رقم گر جائے تو انسان کو صدمہ ہوتا ہے، اس صدمے کے بدلے بھی اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ انسان کو سر سے لے کر پاؤں تک جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ بعض بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں کہ جب ان کی تکلیف رفع ہو جاتی تھی تو وہ روتے تھے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گیا ہے کہ اس نے تکلیف دور کر دی ہے جو کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ تھی۔

﴿وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور نہیں پائے گا وہ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَلِيًّا﴾ کوئی حمایت کرنے والا ﴿وَّلَا نَصِيْرًا﴾ اور نہ کوئی مددگار۔ کوئی زبانی کلامی کہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں، اس کو حمایت کہتے ہیں اور جو عملی طور پر میدان میں آکر مدد کرے اس کو نصیر کہتے ہیں۔ تو جو مجرم ہوگا اس کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی عملی طور پر اس کو دوزخ سے بچا سکے گا ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ [پارہ: ۳۰، سورۂ بروج] "تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔" جب کسی کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے لَيُمْلِيْ الظَّالِمَ "اللہ تعالیٰ ظالم کی رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے حَتّٰى إِذَا أَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ یہاں تک کہ جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ہے۔"

فرمایا ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جو شخص عمل کرے گا اچھے ﴿مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی مکلّف مخلوق ہیں اور آدھی اُمت ہیں۔ ایمان جس طرح مردوں کے لیے ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے۔ نیکی جس طرح مردوں کے لیے ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہوں۔ کیونکہ ایمان کے

بغیر کسی نیکی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح ہونی چاہیے، عقیدہ صحیح ہو تو تھوڑا سا عمل بھی وزنی ہو جائے گا اور اگر عقیدہ صحیح نہیں ہے بے شک ساری رات کوئی جاگتا رہے، عبادت میں مشغول رہے، بے کار اور بے فائدہ ہے۔ عقیدے کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، نہ ذات میں، نہ صفات میں، کوئی دکھ، تکلیف آئے تو سمجھے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میرے گناہوں کا کفارہ ہے یا یہ سمجھے کہ میرے کسی گناہ کا وبال ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ فلاں عورت آئی تھی اور مجھے تکلیف ہو گئی ہے، فلاں آدمی آیا تھا اس لیے مجھے تکلیف ہو گئی ہے۔ یہ شرکیہ باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ شرک سے محفوظ رکھے۔

نقیر اور فتیل کی وضاحت

تو مرد اور عورت اچھے عمل کریں گے۔ مرد ہو یا عورت ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور ہو مومن ﴿فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ﴾ پس یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے ﴿وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا﴾ اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر تل برابر بھی۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر ایک نقطہ ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں اور کھجور کی گٹھلی میں جو دراڑ (شگاف) ہوتی ہے، اس کے اندر ایک دھاگا ہوتا ہے، اس کو فتیل کہتے ہیں۔ عربی حضرات جب کسی چیز کی قلت کو بیان کرتے تھے تو کبھی نقیر کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے اور کبھی فتیل کے ساتھ۔ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاں کے پاس کوڑی بھی نہیں ہے۔ تو معنیٰ کرتے ہیں تل برابر یعنی عمل کے مطابق سزا دی جائے گی، کسی پر تل برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا۔ کہنے لگیں حضرت! اجر و ثواب تو سارا مرد لے گئے، ہمارے لیے کیا بچا ہے؟ کیونکہ نیکی کے جتنے اہم کام ہیں وہ تو سارے مرد کرتے ہیں۔ مثلاً: امام مرد بنتے ہیں، اذان مرد نے دینی ہے، جس کے ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں الگ ہیں اور آواز بلند کرنے کی نوے نیکیاں ہیں اور تکبیر کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں الگ ہیں اور آواز بلند کرنے کی ساٹھ نیکیاں ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے: مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ "جو شخص اذان دے، تکبیر وہی کہے۔" یہ اس کا حق ہے۔ جب تک اذان دینے والا کسی کو اجازت نہ دے دوسرا شخص تکبیر نہیں کہہ سکتا۔ اور جہاد بھی مردوں نے کرنا ہے، اس کا بھی بڑا درجہ ہے۔ قاضی اور جج بھی مرد بنتے ہیں اور جو قاضی اور جج حق کے فیصلے کرے اس کا بھی بڑا درجہ ہے۔ تو امام، مجاہد، قاضی، جج مرد بن گئے، عورتوں کے لیے کیا بچا ہے؟ جھاڑو پھیرنا، کپڑے دھونا، بچوں کا پیشاب صاف کرنا، ناک صاف کرنی رہ گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں نے تو سارا اجر مفت میں حاصل کر لیا ہے بغیر کچھ کرنے کے۔ وہ اس طرح کہ جس عورت کا خاوند امام ہے، جتنا اجر اس کو ملے گا اس کی بیوی کو بھی اتنا اجر ملے گا اور جس کا خاوند مؤذن ہے، جتنا اجر اس کو ملے گا اس کی بیوی کو بھی اتنا اجر ملے گا، جتنا اجر مجاہد کو ملے گا، اس کی بیوی کو بھی اتنا اجر ملے گا۔ کیونکہ عورت اپنے خاوند کی معاون ہے، اس

کے گھر کا خیال رکھتی ہے، اس کے بچوں کی حفاظت کرتی ہے، روٹی پکا کر دیتی ہے، کپڑے دھو کر دیتی ہے، تو اپنے خاوند کے کاموں میں عورت کا دخل ہے۔ خدمت کی وجہ سے رب تعالیٰ اس کو برابر کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتے۔ لہٰذا عورتوں کو چاہیے کہ گھر کے کام ثواب سمجھ کر کریں اور ثواب کے علاوہ اس میں بدن کی صحت بھی ہے، بدن جتنا حرکت کرے گا مضبوط ہوگا، ہاتھ پاؤں حرکت کریں گے قوی ہوں گے، ان میں قوتِ مدافعت پیدا ہوگی اور بیماری سے بچیں گے۔ پہلے زمانے کی عورتیں آج کل کی نوجوان بچیوں سے زیادہ طاقت ور تھیں۔ آج کل تو سارا کام مشینیں کر رہی ہیں۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا﴾ اور کون شخص زیادہ اچھا ہے دین کے اعتبار سے ﴿مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ کبھی قیام میں ہے، کبھی رکوع میں ہے، کبھی سجدے میں ہے اور رب تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کرتا ہے اور ان پر عمل کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے، اس سے بہتر دین کس کا ہو سکتا ہے؟ ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ اور وہ نیکی کے کام کرنے والا ہے۔ اسلام لانے کے بعد ایک آدھ مرتبہ ہی سر نہیں جھکاتا بلکہ دن رات نیکی میں لگا رہتا ہے، زبان سے نیکی، فعل سے نیکی، اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اس کو اچھے راستوں پر خرچ کرتا ہے ﴿وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ اور اس نے پیروی کی ابراہیم علیہ السلام کی جو ایک طرف ہو کر رہنے والے تھے، موحد تھے، مشرک نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دین ہے، یہ ملتِ حنیفی ہے، شرک اس میں نہیں ہے، بدعت اس میں نہیں ہے، رسم و رواج اس میں نہیں ہے، بالکل سیدھا راستہ ہے۔

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ اور بنا لیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست۔ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، تیسرا درجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑی شخصیت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے جتنے پیارے ہیں ان کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہوتے اور نہ ان کا اللہ تعالیٰ کی ملک میں کوئی حصہ ہے۔ سن لو ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ آسمان اور زمین اسی نے پیدا فرمائے اور ان میں تصرف بھی اسی کا ہے، کسی دوسرے کا نہ آسمانوں میں تصرف ہے، نہ زمین میں تصرف ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا۔ علم کے اعتبار سے اور قدرت کے اعتبار سے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ قادرِ مطلق بھی وہی ہے، مختارِ کل بھی وہی ہے، علیم بذات الصدور بھی وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو پیارے بندے ہیں وہ مخلوق ہیں، خالق نہیں ہیں اور نہ خالق کے اوصاف ان میں ہیں۔

﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ﴾ اور لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں ﴿فِي النِّسَآءِ﴾ عورتوں کے حقوق کے متعلق ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں فتویٰ دیتا ہے ﴿فِيْهِنَّ﴾ عورتوں کے متعلق ﴿وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ اور وہ جو تلاوت کی جاتی ہے تم پر ﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ کتاب میں ﴿فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ﴾ یتیم عورتوں کے بارے میں

﴿الّٰتِیْ﴾ وہ عورتیں ﴿لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ﴾ کہ نہیں دیتے تم ان عورتوں کو ﴿مَا كُتِبَ لَهُنَّ﴾ جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے ﴿وَ تَرْغَبُوْنَ﴾ اور تم شوق رکھتے ہو ﴿اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ کہ تم ان سے نکاح کرو ﴿وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ﴾ اور اسی طرح تمھیں حکم دیتا ہے کمزور بچوں کے بارے میں ﴿وَ اَنْ تَقُوْمُوْا﴾ اور یہ کہ تم قائم رہو ﴿لِلْیَتٰمٰى﴾ یتیموں کے حق میں ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ﴾ اور جو کچھ بھی تم بھلائی کرو گے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِهٖ عَلِیْمًا﴾ اس کو جاننے والا ﴿وَ اِنِ امْرَاَةٌ﴾ اور اگر کوئی عورت ﴿خَافَتْ﴾ خوف کھائے ﴿مِنْۢ بَعْلِهَا﴾ اپنے خاوند سے ﴿نُشُوْزًا﴾ بد دماغی کا ﴿اَوْ اِعْرَاضًا﴾ یا اعراض کرنے کا ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ﴾ پس کوئی حرج نہیں ہے ان دونوں پر ﴿اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا﴾ یہ کہ صلح کرلیں آپس میں صلح کرنا ﴿وَ الصُّلْحُ خَیْرٌ﴾ اور صلح ہی بہتر ہے ﴿وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ﴾ اور حاضر کیا گیا جانوں کو ﴿الشُّحَّ﴾ بخل پر ﴿وَ اِنْ تُحْسِنُوْا﴾ اور اگر تم نیکی کرو گے ﴿وَ تَتَّقُوْا﴾ اور ڈرتے رہو گے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ جو عمل تم کرتے ہو ﴿خَبِیْرًا﴾ ان سے خبردار ﴿وَ لَنْ تَسْتَطِیْعُوْۤا﴾ اور ہرگز تم طاقت نہیں رکھ سکو گے ﴿اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ کہ تم عدل کر سکو ﴿بَیْنَ النِّسَآءِ﴾ عورتوں کے درمیان ﴿وَ لَوْ حَرَصْتُمْ﴾ اگرچہ تم حرص کرو ﴿فَلَا تَمِیْلُوْا﴾ پس نہ جھکو تم ﴿كُلَّ الْمَیْلِ﴾ پوری طرح جھکنا ﴿فَتَذَرُوْهَا﴾ تاکہ چھوڑو تم اس عورت کو ﴿كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ جیسے لٹکی ہوئی ﴿وَ اِنْ تُصْلِحُوْا﴾ اور اگر تم اصلاح کرو گے ﴿وَ تَتَّقُوْا﴾ اور ڈرتے رہو گے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رَّحِیْمًا﴾ مہربان ﴿وَ اِنْ یَّتَفَرَّقَا﴾ اور اگر خاوند بیوی جدا جدا ہو جائیں ﴿یُغْنِ اللّٰهُ﴾ غنی کرے گا اللہ تعالیٰ ﴿كُلًّا﴾ ہر ایک کو ﴿مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ اپنی وسعت سے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿وَاسِعًا﴾ وسعت رکھنے والا ﴿حَكِیْمًا﴾ حکمت والا۔

انسانی حقوق کی رٹ

دنیا انسانی حقوق کی رَٹ لگاتی ہے صرف اپنے مفاد تک، جہاں اپنا مفاد ختم ہو جائے وہاں گونگے ہو جاتے ہیں۔ امریکہ کا کہیں ایک آدمی قتل ہو جائے تو طوفان کھڑا ہو جاتا ہے اور کشمیر، فلسطین، فلپائن، عراق، اری ٹیریا اور دوسری جگہوں پر ہزاروں مسلمان قتل ہو جائیں تو وہ ان کا نام تک نہیں لیتا۔ یہ انسانی حقوق کا علمبردار ہے۔ اُنھوں نے انسانی حقوق کی رَٹ صرف اپنے مفاد کے لیے لگائی ہوئی ہے۔ رتہ دھوہڑ کوٹ لدھا میں ایک عیسائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے دروازے پر اور

دوسری دیواروں پر آنحضرت ﷺ کے متعلق توہین آمیز الفاظ لکھے۔ان کے خلاف مقدمہ درج ہوا اور اخبارات میں بھی آتا رہا، ماسٹر عنایت اللہ وغیرہ ابھی تک زیر عتاب ہیں۔تو ان عیسائیوں کے لیے امریکی سفیر گوجرانوالا آیا۔اندازہ لگاؤ کہ ان کا معمولی سا آدمی پکڑا جائے تو سفیر پہنچتے ہیں اور مسلمان ہزاروں کی تعداد میں ذبح ہو جائیں ان کو کوئی پروا نہیں ہے۔یاد رکھنا! حقوق العباد کے متعلق جو ہدایات اسلام نے دی ہیں وہ عین عدل وانصاف کے مطابق ہیں اور دنیا کے کسی قانون میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔لیکن افسوس ہے کہ عملی طور پر ان کا نفاذ بہت کم ملکوں میں ہے۔اس لیے نہ تو اقلیت کے حقوق کسی کو سمجھ آتے ہیں نہ یتیموں کے، نہ عورتوں کے، نہ پڑوسیوں کے، نہ اپنوں کے، نہ بیگانوں کے۔اسلام نے جو حقوق بیان فرمائے ہیں اگر وہ نافذ ہو جائیں اور لوگ ان پر عمل کریں تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔غیر مسلموں نے انسانی حقوق کی رٹ صرف اپنے مفاد کے لیے لگائی ہوئی ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ چلنا چاہیے۔بھئی! چھ فٹ کا آدمی ہے اور چار فٹ کی عورت ہے، شانہ بہ شانہ کس طرح چلیں گے؟ دیوانوں کی بڑ ہے۔اصل یہ ہے کہ اسلام نے جو حقوق بیان فرمائے ہیں ان پر عمل کرو تو ساری پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حقوق بیان فرمائے ہیں۔

عورتوں کے حقوق

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ اور لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے حقوق کے متعلق۔فتویٰ کا معنیٰ حکم اور فیصلہ ہے اور ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ استفعال کا باب ہے، اس کی خاصیت ہے طلب ماخذ۔یعنی ماخذ کو طلب کرنا۔تو معنی ہوگا آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے بارے میں، عورتوں کے حقوق کے بارے میں ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا ﴿اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں فتویٰ اور حکم سناتے ہیں۔میں تو رب تعالیٰ کا مبلغ ہوں ﴿وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ﴾ اور وہ جو تلاوت کی جاتی ہے تم پر کتاب میں ﴿فِيْ يَتٰمَى النِّسَاءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ﴾ یتیم عورتوں کے بارے میں وہ یتیم عورتیں کہ نہیں دیتے تم ان کو ﴿مَا كُتِبَ لَهُنَّ﴾ جو ان کے متعلق فرض کیا گیا ہے، جو ان کے حقوق لکھے گئے ہیں ﴿وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ اور یہ کہ تم شوق رکھتے ہو کہ تم ان سے نکاح کرو۔

ہوتا اس طرح تھا کہ مثلاً: کسی شخص کا چچا یا تایا فوت ہو جاتا اور اس کی لڑکی ہوتی خوبصورت اور یہ اس کا سرپرست ہوتا۔کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اصلی سرپرست تو باپ ہے۔اگر باپ نہ ہو تو دادا اور اگر دادا نہ ہو تو چچا تایا، اگر چچا تایا نہ ہو تو ان کے بیٹے اور یہ عصبات کہلاتے ہیں اور ماں کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں ان کا درجہ بہت بعد میں ہے۔تو یہ سرپرست ہوتا اور بچی خوبصورت ہوتی تو اس کو اور کسی جگہ نکاح نہیں کرنے دیتا تھا بلکہ خود اس کے ساتھ نکاح کر لیتا اور اس کو جتنا حق مہر ملنا ہوتا تھا نہیں دیتا تھا کہ ہم خود ہی تو ہیں، ہمیں کس نے پوچھنا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس طرح نہ کرو بلکہ انصاف سے کام لو، ان کا جو حق بنتا ہے وہ ان کو دو۔

اور بخاری شریف میں اس کی تشریح موجود ہے کہ اگر تم نے ان کے ساتھ نکاح کرنا ہے تو ان کو ان کا مہر دو جتنا دوسرے لوگ دیتے ہیں اور ان کے حقوق میں کمی نہ کرو اور بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ چچے تائے کی لڑکی خوب صورت تو نہیں ہوتی تھی مگر مال دار اور صاحب جائیداد ہوتی۔ اس صورت میں خود بھی اس کے ساتھ نکاح نہیں کرتے تھے اور دوسری جگہ بھی نکاح نہیں کرنے دیتے تھے کہ مال جائیداد، زمین، مال مویشی، روپیہ ساتھ لے جائے گی۔ اس طرح وہ بے چاری بوڑھی ہو کر مر جاتی اور یہ اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرو بلکہ ان کے حقوق ادا کرو۔

مرد اور عورت کے حصے پر ملحدین کا اعتراض

بعض ملحد قسم کے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بیٹے کا ڈبل اور بیٹی کا حصہ سنگل۔ جب کہ بیٹی بھی اسی باپ کی ہے جس کا بیٹا ہے، ماں بھی دونوں کی ایک ہے تو یہ کیا انصاف ہوا کہ بیٹے کو دوہرا اور بیٹی کو اکہرا حصہ ملے۔ جیسا کہ تم نے چوتھے پارہ میں پڑھا ہے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ مرد کے لیے ہے دو عورتوں کے حصے کے برابر اور سطحی قسم کے لوگ جن کو دین کی گہرائی حاصل نہیں ہے وہ واقعتاً شبہے میں پڑ جاتے ہیں کہ بات تو صاف ہے۔ مگر وہ نادان ہیں اور اللہ تعالیٰ حکیم اور خبیر ہے اس نے لڑکی کا سارا خرچہ خاوند کے ذمہ لگایا ہے۔ نکاح ہو جانے کے بعد اس کا نان و نفقہ، سکنٰی، دکھ، تکلیف سب خاوند کے ذمہ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ والدین کمزور ہوں اور خاوند مال دار ہو تو مزے کرے گی بخلاف لڑکے کے کہ اس کا خرچہ نہ تو سسرال پر ڈالا ہے اور نہ بیوی کے ذمہ لگایا ہے بلکہ وہ سارا خرچہ خود برداشت کرتا ہے۔ ان کا اعتراض اس وقت بجا تھا کہ جب بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ نہ لگایا جاتا اور اس نے باپ کی جائیداد ہی پر زندگی بسر کرنی ہوتی۔

لہٰذا شریعت نے جو حکم دیا ہے اس میں کوئی ناانصافی نہیں ہے۔ پھر عورت کی اپنی جائیداد بھی ہو سکتی ہے، اس کا اپنا وجود ہے، وہ اپنے مال کے حقوق خود ادا کرے گی، قربانی دے گی، زکوٰۃ نکالے گی، فطرانہ خود ادا کرے گی اور اگر مال دار، صاحب استطاعت ہے تو حج بھی کرے گی بشرطیکہ اس کے ساتھ محرم ہو اور اگر محرم نہیں ہے جو ساتھ جائے تو چاہے جتنی مال دار کیوں نہ ہو اس پر حج فرض نہیں ہے کیونکہ شرط نہیں پائی گئی۔ یقین جانو! عورت کو جتنے حقوق اسلام نے دیے ہیں اتنے اور کسی قانون اور ازم نے نہیں دیے، صرف زبان سے رَٹ لگاتے ہیں جو فضول رَٹ ہے۔

مرد، عورت کا اختلاط

ہاں! یہ بات اسلام ضرور کرتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو۔ افغانستان میں مرد عورتیں اکٹھے ایک یونیورسٹی میں پڑھتے تھے، طالبان نے عورتوں کی تعلیم الگ کر دی ہے اور مردوں کی الگ کر دی ہے۔ اس پر اہل یورپ نے بڑا شور مچایا کہ دیکھو! عورتوں کی تعلیم پر پابندی لگا دی ہے۔ بھئی! عورتوں کی تعلیم الگ کرنے سے تعلیم پر کیسے پابندی لگ گئی ہے؟ کیا تعلیم صرف اختلاط کا نام ہے؟ اسی طرح دفتروں میں عورتیں مردوں کے ساتھ بیٹھتی تھیں اُنھوں نے عورتوں کو مخلوط دفاتر سے الگ کر دیا

اور اعلان کیا کہ عورتیں تعلیم حاصل کرسکتی ہیں، ڈاکٹر بن سکتی ہیں، معلم بن سکتی ہیں، مگر مردوں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتیں۔ شریعت نے جو احکام دیے ہیں ان کے مطابق چلیں مگر یورپ ان کو بلاوجہ بدنام کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے توفیق دی تو طالبان حکومت کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب رہیں گے۔ اگرچہ ان کو مالی پریشانیاں بہت ہیں کہ سڑکیں ٹوٹی ہوئی ہیں، کارخانے بند پڑے ہیں، اگر ان کی یہ مالی پریشانیاں ختم ہوجائیں تو ان کی حکومت بہت کامیاب رہے گی اور کامیابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ باقی ملکوں کے حقہ نوش اور سگریٹ نوش لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر قانون سازی کرتے ہیں کہ ان کی زمینیں بچ جائیں، کارخانے بچ جائیں، عیاں راچہ بیاں؟ یہ حقیقت سب پر واضح ہے۔

اور طالبان کو قانون بنانے کی ضرورت نہیں ہے، ہدایہ فقہ حنفی کی مستند کتاب ہے جو پانچویں صدی میں لکھی گئی ہے اور صدیوں سے علماء اس کو پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں اس میں شریعت کے تمام احکام مذکور ہیں۔ جو مسئلہ در پیش آئے ہدایہ اُٹھاؤ، مسئلہ دیکھو اور اس پر عمل کرو۔ ان کو قانون بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہاں! اگر کوئی نیا مسئلہ در پیش ہو کہ فلاں حکومت کے ساتھ لڑنا ہے یا صلح کرنی ہے، یہ سڑک بنانی ہے اور کس طرح کی بنانی ہے، ان کے متعلق سوچ سکتے ہیں اور خود فیصلہ کرسکتے ہیں اور ہمارے حکمران تو قانون بناتے اور توڑتے رہتے ہیں۔ ایک پارٹی آئی اُنھوں نے اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر قانون بنایا، جب دوسرے آئے اُنھوں نے اپنے خلاف دیکھا توڑ دیا۔ مثلاً: اب قانون بنایا ہے کہ ۱۹۹۰ء سے پہلے کے جو بد دیانت لوگ ہیں ان کو پکڑا جائے اور ۱۹۹۰ء کے بعد والوں کو نہ پکڑا جائے۔ کیوں کہ اس کی زد میں وہ خود آتے ہیں۔

یتیم بچوں کے حقوق

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ﴾ اور اسی طرح تمھیں حکم دیتا ہے کمزور بچوں کے بارے میں جو یتیم ہیں، کمزور ہیں ﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ یہ کہ تم قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ۔ جس طرح تم اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہو اور نگرانی کرتے ہو۔ اسی طرح یتیموں کی نگرانی اور تربیت کرو، وہ چچے کے ہیں یا تائے کے ہیں، خالہ کے ہیں یا پھوپھی کے ہیں، اپنے بچوں کی طرح انصاف اور دیانت کے ساتھ ان کی نگرانی کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یتیم در در کی ٹھوکریں کھاتے پھریں اور مانگتے پھریں۔ میں پوچھتا ہوں کہ بچوں کو یہ حقوق اسلام کے علاوہ کسی اور قانون نے دیے ہیں؟ یہ اسلام ہی ہے جس نے عورتوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور بچوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ اور جو کچھ بھی تم کرو گے بھلائی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا﴾ پس بے شک ہے اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا۔ تمھارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے اور علیم بذات الصدور ہے۔ لہٰذا یہ ذہن نشین رکھو کہ ہمارا معاملہ اس ذات پاک کے ساتھ ہے جس کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور وہ قادر مطلق ہے، سب کچھ کرسکتا ہے ﴿وَاِنِ

﴿امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا﴾ اگر کوئی عورت خوف کھائے اپنے خاوند سے بد دماغی کا کہ بلا وجہ اس کو مارتا ہے۔ اگر کسی غلطی کی وجہ سے مارتا ہے تو وہ مسئلہ جدا ہے اور عموماً عورتوں کی عادت ہے کہ نہ اپنی غلطی بتاتی ہیں اور نہ مانتی ہیں۔ البتہ یہ ضرور کہیں گی کہ مجھے مار پڑی ہے مگر یہ نہیں بتائیں گی کہ کیوں پڑی ہے؟ اور کس وجہ سے پڑی ہے؟ خاوند کسی وجہ سے ہی مارتا ہے بشرطیکہ پاگل نہ ہو۔

اور اگر بلا وجہ مارتا ہے اور بد دماغی سے کام لیتا ہے ﴿اَوْ اِعْرَاضًا﴾ یا خوف ہو اعراض کرنے کا کہ بیوی کی طرف توجہ نہیں دیتا ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ﴾ تو کوئی حرج نہیں ہے ان دونوں پر ﴿اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا﴾ یہ کہ صلح کرلیں آپس میں صلح کرنا۔ کہ عورت اپنا کوئی حق چھوڑ دے کہ جدائی کی نوبت نہ آئے۔ حکماء فرماتے ہیں بہ نسبت مردوں کے عورتوں میں ضد زیادہ ہوتی ہے۔ عورت اگر ضد پر اُتر آئے کہ میں فلاں چیز ضرور لوں گی تو ظاہر بات ہے کہ اس سے خرابی پیدا ہوگی اس لیے فرمایا کہ صلح کرلیں۔ کچھ حق چھوڑ دیں اور کچھ چھڑالیں اور بد مزگی پیدا نہ کریں ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ اور صلح ہی بہتر ہے۔

﴿وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ اور حاضر کیا گیا جانوں کو بخل پر۔ نفس بخل میں پیدا کیے گئے ہیں۔ عورت کہے گی میں نے اپنا حق نہیں چھوڑنا، مرد کہے گا میں نے اپنا حق نہیں چھوڑنا اور دونوں اپنی اپنی بات پر اَڑے رہے تو بد مزگی پیدا ہوگی اور یہ کوئی بھیڑ بکری کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ آج اس منڈی میں اور کل اس منڈی میں، یہ تو شریف انسانیت کا مسئلہ ہے۔ اس لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ [النساء: ۳۵] "اور اگر تمھیں معلوم ہو کہ میاں بیوی میں اَن بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔" کہ اگر آپس میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو درمیان میں ثالث ڈال کر مسئلے کو نمٹا دو اور جس کے اندر غلطی ہو ثالث اس کو بتائیں کہ تیرے اندر یہ غلطی ہے اور وہ غلطی تسلیم کرے۔

لیکن آج کل اپنی غلطی کو کوئی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ پاگل بھی اپنے آپ کو پاگل ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ حالانکہ غلطی کو تسلیم کرنا بہت اچھی بات ہے کہ اس سے اصلاح کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ﴿وَاِنْ تُحْسِنُوْا﴾ اور اگر تم نیکی کرو گے ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور رب تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ تو بے شک ہے اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو ان سے خبردار۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں کیونکہ چار تک رکھنے کی اجازت ہے مگر انصاف کی شرط کے ساتھ، جیسا کہ تم چوتھے پارہ میں پڑھ چکے ہو ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ "یہ کہ تم انصاف کرو اگر کوئی انصاف نہیں کرسکتا تو دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری مقرر فرمائی ہوئی تھی، چوبیس گھنٹے ایک بیوی کے پاس اور چوبیس گھنٹے دوسری بیوی کے پاس اور چوبیس گھنٹے تیسری بیوی کے پاس رہتے تھے اور ہر چیز میں برابری رکھتے تھے۔ لباس میں، خوراک میں اور دعا کرتے کہ اے پروردگار! جو میرے اختیار میں ہے

ان چیزوں میں تو میں برابری کرتا ہوں اور جو چیز میرے اختیار میں نہیں ہے اس چیز میں مجھے ملامت نہ کرنا۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طبعی طور پر جو محبت تھی اس میں دوسری کوئی بیوی شریک نہیں تھی، فرمایا وہ میرے بس میں نہیں ہے۔ کیونکہ قلبی چیز انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ﴾ اور ہرگز تم طاقت نہیں رکھ سکو گے یہ کہ تم عدل کرو عورتوں کے درمیان۔ کہ جتنی محبت ایک کے ساتھ ہے دوسری کے ساتھ بھی اتنی ہو یہ تمھارے بس کی بات نہیں ہے ﴿وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ﴾ اور اگرچہ تم حرص کرو ﴿فَلَا تَمِیۡلُوۡا کُلَّ الۡمَیۡلِ﴾ پس نہ جھکو تم پوری طرح جھکنا ﴿فَتَذَرُوۡهَا کَالۡمُعَلَّقَةِ﴾ کہ چھوڑ دو تم دوسری عورت کو لٹکی ہوئی کی طرح۔ نہ زمین پر نہ آسمان میں، اس کا بھی حق ادا کرو گے کہ صلح کے ساتھ رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا﴾ اگر صلح کے ساتھ رہو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والا مہربان۔ جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں معاف کر دے گا۔ لیکن اگر نباہ کی کوئی صورت نہیں ہے ﴿وَاِنۡ یَّتَفَرَّقَا﴾ اور خاوند بیوی جدا ہو جائیں کہ طلاق کی نوبت آ گئی ﴿یُغۡنِ اللّٰهُ کُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ﴾ غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے۔ عورت کو اپنی جگہ خاوند مل جائے گا اور اس کو بیوی مل جائے گی۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب آخری حدوں سے تجاوز کر جائیں تو پھر طلاق بھی جائز ہے۔ مگر مباح چیزوں میں سے بری چیز ہے۔ حتی الوسع طلاق نہیں دینی چاہیے اور اگر اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو ٹھیک ہے ﴿وَکَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَکِیۡمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ وسعت رکھنے والا، حکمت والا۔ جو احکام اس نے دیے ہیں وہ خالص حکمت اور دانائی پر مبنی ہیں۔

﴿وَلِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مَا﴾ جو کچھ ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا﴾ اور جو کچھ ﴿فِی الۡاَرۡضِ﴾ زمین میں ہے ﴿وَلَقَدۡ﴾ اور البتہ بہ تحقیق ﴿وَصَّیۡنَا﴾ ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے ﴿الَّذِیۡنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿مِنۡ قَبۡلِکُمۡ﴾ تم سے پہلے ﴿وَاِیَّاکُمۡ﴾ اور تمھیں بھی ہم تاکیدی حکم دیتے ہیں ﴿اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ یہ کہ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاِنۡ تَکۡفُرُوۡا﴾ اور اگر تم کفر اختیار کرو گے ﴿فَاِنَّ لِلّٰهِ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَکَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَنِیًّا﴾ بے پروا ﴿حَمِیۡدًا﴾ قابل تعریف ﴿وَلِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیۡلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز ﴿اِنۡ یَّشَاۡ﴾ اگر وہ چاہے ﴿یُذۡهِبۡکُمۡ﴾ تو تمھیں فنا کر دے ﴿اَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿وَیَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ﴾ اور لائے دوسروں کو ﴿وَکَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ

﴿عَلٰى ذٰلِكَ قَدِیْرًا﴾ اس پر قدرت رکھنے والا ﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا﴾ جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے بدلے کا ﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿ثَوَابُ الدُّنْیَا﴾ دنیا کا بدلہ ﴿وَالْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت کا بدلہ بھی ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿سَمِیْعًا﴾ سننے والا ﴿بَصِیْرًا﴾ دیکھنے والا۔

لفظ اللہ کی تحقیق

لفظ اللہ، اللہ جل جلالہ کا ذاتی نام ہے۔ ذاتی کو آپ اس طرح سمجھیں ایک آدمی پیدا ہوا تو اس کا نام رکھا گیا عبداللہ جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اس کا ذاتی نام ہوا، اس کے بعد وہ قرآن کا حافظ ہو گیا تو اس کو حافظ کہیں گے اور قاری بن گیا تو قاری کہیں گے، عالم بن گیا تو مولوی کہیں گے اور کتابت سیکھ لی تو کاتب کہیں گے۔ یہ سب اس کے صفاتی نام ہیں اور عبداللہ ذاتی نام ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ ہے، باقی الرحمٰن، رحیم، کریم، ودود، متین وغیرہ یہ صفاتی نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مشہور ہیں، حدیث پاک میں آتا ہے جو شخص ان ناموں کو یاد کرے گا اور ان کا معنیٰ و مفہوم بھی سمجھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ہر نام بابرکت ہے اور ہر نام میں تاثیر ہے۔

اور اللہ جل جلالہ کا ذاتی نام اللہ ہے جس کو عربی میں عَلَم کہتے ہیں۔ عَلَم اُسے کہتے ہیں جو دوسرے پر نہ بولا جائے، جس کا ہے اسی کی ذات کے لیے خاص ہے اور لفظ اللہ کی تعریف کرتے ہیں: وہ عَلَم ہے ذات واجب الوجود کا۔ اور واجب الوجود کا معنیٰ ہے کہ اس کا وجود اپنا ہے کسی کا دیا ہوا نہیں ہے۔ جس کی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے، نہ وہ بیمار ہوتا ہے، نہ اس پر کوئی حادثہ طاری ہو سکتا ہے، نہ وہ مرے گا، وہ قدوس ہے یعنی تمام عیبوں سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سات آسمان ہیں، اُوپر عرش ہے، کرسی ہے، آسمانوں میں فرشتے ہیں، چاند سورج ستارے ہیں، اس کے علاوہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی مالک ہے، وہی متصرف ہے، اسی کے حکم سے سارا نظام چلتا ہے اور زمینوں کا بھی پیدا کرنے والا وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے، مالک بھی وہی ہے اور اپنے ملک میں جو احکام چاہے نافذ کرے، مردوں کے لیے، عورتوں کے لیے، یتیموں کے بارے میں، پڑوسیوں کے بارے میں، اس لیے کہ مالک بھی وہی ہے اور متصرف بھی وہی ہے۔

وصیت ضروری ہے

فرمایا ﴿وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تاکیدی حکم دیا ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے۔ وصیت کا معنیٰ ہیں تاکیدی حکم۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس آدمی نے وصیت کرنی ہے اس پر دو راتیں بھی نہیں گزرنی چاہئیں مگر وہ اس کے پاس لکھی ہوئی ہو۔ کسی سے کچھ لینا ہے، کسی کا کچھ دینا ہے، زندگی میں کچھ نمازیں رہ گئی ہیں تو

ان کے متعلق لکھے کہ اتنی نمازیں میری رہ گئی ہیں، ان کا ہدیہ دے دینا۔ اگر روزے رہ گئے ہیں ان کے متعلق لکھے کہ میرے روزے رہ گئے ہیں، ان کا ہدیہ دے دینا۔ اسی طرح اگر کسی کے ذمہ حج ہے کہ فرض ہوجانے کے بعد بلاوجہ تاخیر کرتا گیا کہ فوت ہوگیا اور حج نہ ادا کرسکا تو مرنے سے پہلے وصیت نامہ لکھے کہ میرے ذمہ حج ہے جو میں اپنی زندگی میں نہیں کرسکا وہ تم نے میری طرف سے کرنا ہے۔ اور اگر بغیر وصیت کے مرگیا تو فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں اگر وارث اس کی طرف سے کرلیں یا بغیر وصیت کے وارثوں نے نماز، روزے کا ہدیہ دے دیا، تو اُمید ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب الادا ہے تو اس کے پاس تحریر ہونی چاہیے کہ میں نے اتنی زکوٰۃ دینی ہے جو کہ واجب الادا ہے اور اگر نہیں لکھا گیا تو ان چیزوں کے ادا نہ کرنے کا گناہ الگ ہوگا اور وصیت نہ لکھنے کا گناہ الگ ہوگا۔

لہٰذا جن چیزوں کی تاکید کرنی ہے دو راتیں بھی نہیں گزرنی چاہئیں مگر وہ اس کے پاس صاف ستھرا لکھا ہوا ہونا چاہیے اور گھر کے دیانت دار افراد کے علم میں ہونا چاہیے کہ فلاں چیز لینی ہے اور فلاں چیز دینی ہے اور فلاں کام اس طرح کرنا ہے اور فلاں کام اس طرح کرنا ہے۔

تو فرمایا ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تاکیدی حکم دیا ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے۔ مثلاً: تورات موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور اس کے ماننے والے یہودی ہیں، زبور داؤد علیہ السلام کو دی گئی اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی، اس کے ماننے والے عیسائی ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی یہ تاکیدی حکم دیا ﴿وَاِيَّاكُمْ﴾ اور اے مومنو! تمھیں بھی یہ تاکیدی حکم دیتے ہیں ﴿اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ یہ کہ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا معنیٰ ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کرو اور اس نے جو احکام نازل فرمائے ہیں انہیں لازم پکڑو، ان پر عمل کرو اور پابندی کے ساتھ ادا کرو اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان کے قریب نہ جاؤ۔ کیونکہ اگر تم نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اس کی گرفت میں آؤ گے، اس کی پکڑ سے بچو۔ پھر یہ بات بھی سمجھادی کہ یہ حکم صرف تمھارے لیے ہی نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے جو گزرے ہیں ان کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا۔ لہٰذا بندے کو مجلس میں بھی اور تنہائی میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور ہر وقت یہ خیال رہے کہ میرا خالق مجھے دیکھ رہا ہے اور میں نے حساب دینا ہے۔

اور فرمایا یہ بھی سن لو ﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا﴾ اور تم کفر اختیار کرو گے ﴿فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بے پروا قابل تعریف۔ اگر تم کفر کرو گے تو اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا وہ تمھاری نیکیوں کا محتاج نہیں ہے، نقصان تمھارا ہی ہوگا۔

حدیث قدسی

حدیثِ قدسی میں اس طرح آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: اگر سارے کے سارے بندے پرہیزگار بن

جائیں کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد میں لگے رہیں تو رب تعالیٰ کی خدائی میں ایک رتی کا بھی اضافہ نہ ہوگا اور معاذ اللہ! اگر سارے کے سارے بندے کافر اور نافرمان ہو جائیں تو خداوند عزیز کی خدائی میں ایک رتی کی بھی کمی نہیں ہوسکتی۔ یہ تمھارے اعمال تمھارے فائدے کے لیے ہیں۔ اگر کرو گے تو تمھیں فائدہ ہوگا اور اگر نہیں کرو گے تو تمھارا نقصان ہے اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہماری عبادت سے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں اضافہ ہو جائے گا، ہرگز نہیں! اور اسی طرح اگر نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کمی ہو جائے گی، ہرگز نہیں! وہ حمید ہے، تم اس کی تعریف نہیں کرو گے وہ پھر بھی حمید ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ "اور مخلوق میں سے کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے تعریف کے ساتھ، لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔" زمین کا ایک ایک ذرہ، پانی کا ایک ایک قطرہ، درخت کا ہر ایک پتا اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے، جو اس کی شان کے لائق ہے۔ تو فرمایا اگر تم اس کی تعریف نہیں کرو گے تو اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ تمھاری تعریف کا محتاج ہے۔

﴿وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہی مالک ہے، وہی خالق ہے، وہی متصرف ہے ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا﴾ اور اللہ کافی ہے کارساز، کام بنانے اور سنوارنے والا بھی وہی ہے اور بگاڑنے والا بھی وہی ہے۔ اس کے کارخانۂ کائنات میں نہ کوئی کام بنا سکتا ہے، نہ بگاڑ سکتا ہے۔ نافع بھی وہی ہے اور فائدہ دینے والا بھی وہی ہے۔ یہ قرآن پاک کا بنیادی سبق ہے ﴿وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ [یونس، پارہ:۱۱] "اور اگر اللہ تعالیٰ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے ﴿وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ [یونس، پارہ:۱۱] اور اگر اللہ تعالیٰ تمھارے بارے میں خیر کا ارادہ فرمائے تو اس کی خیر کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔"

فرمایا ﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ﴾ اگر وہ چاہے تو تمھیں فنا کر دے ﴿اَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ﴾ اور لائے دوسروں کو تمھاری جگہ۔ دوسروں کو لا کھڑا کرے اس کے لیے کیا مشکل ہے؟ وہ ایک منٹ میں سب کچھ کرسکتا ہے۔

آج سے تقریباً چار سال پہلے جاپان میں سترہ سیکنڈ کا زلزلہ آیا تھا۔ اس زلزلے سے عمارتوں، سڑکوں اور صنعتوں کا اتنا نقصان ہوا کہ اس کے افسران نے کہا تھا کہ یہ جو سترہ سیکنڈ کے زلزلہ سے نقصان ہوا حکومت جاپان اس کو دس سال میں پورا نہیں کرسکتی۔ جب کہ صنعت کے اعتبار سے جاپان دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے اور صنعت کی وجہ سے سب کی گردن پر سوار ہے۔

اور اب افغانستان میں زلزلہ آیا ہے جس سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ مر گئے ہیں۔ کاش! کہ ان کو سمجھ آجائے اور اپنی غلطیوں کو تسلیم کر کے ازالہ کرلیں۔ دوسری طرف طالبان ہیں، ان میں بھی غلطیاں ہوں گی آخر وہ بھی انسان ہیں، معصوم تو نہیں ہیں، کیونکہ پیغمبروں کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں ہے اور غلطی کا ہو جانا انسانی لوازمات میں سے ہے لیکن انھوں نے اعلان کیا ہے کہ ہم خدائی قانون نافذ کریں گے اور اس پر وہ عمل بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا طالبان کی جو مخالفت کرے گا وہ رب تعالیٰ کی مخالفت کرے گا اور ان کا خالی دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کہ وہ خلافت راشدہ کا نظام چاہتے ہیں اور اس پر عمل بھی کر رہے ہیں۔

اور زلزلہ ان علاقوں میں آیا ہے جہاں طالبان کے مخالف آباد ہیں اگر چہ وہ بھی ہمارے مسلمان بھائی ہیں ہم ان کو کافر تو نہیں کہتے مگر وہ باغی ہیں۔ احمد شاہ مسعود بڑا قابل کمانڈر ہے اس نے روس کے خلاف جنگ لڑی ہے، لیکن اقتدار کا نشہ بہت بری چیز ہے جس کی خاطر وہ غلط راہ پر چل پڑا ہے اور ایک یہ وہم اس کے ذہن پر سوار ہو گیا ہے کہ یہ پشتو بولنے والے ہم پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ کیونکہ طالبان پشتو بولنے والے ہیں اور احمد شاہ مسعود وغیرہ فارسی بولنے والے ہیں۔ زبانوں سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہیں تو سارے مسلمان۔ دیکھو! ہمارے ملک پاکستان میں تیس زبانیں بولی جاتی ہیں حالانکہ چھوٹا سا ملک ہے۔ اسی طرح افغانستان میں فارسی بھی ہے، پشتو بھی ہے، ترکی بھی ہے۔ مسلمان کو مسلمان ہونا چاہیے۔ نہ رنگوں سے فرق پڑتا ہے، نہ زبانوں سے، یہ فضول تعصب ہے اور اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ سب مسلمان ایک ہیں، چاہے کالے ہیں، گورے ہیں اور جو بھی زبان بولتے ہیں۔

﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھنے والا۔ ایک لحہ میں وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا﴾ جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے بدلے کا ﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے پاس ہے دنیا کا بدلہ اور آخرت کا بدلہ بھی۔ دیکھو! جن لوگوں نے چاند پر پہنچنے کی کوشش کی ہے وہاں پہنچ گئے ہیں اور اب زہرہ پر جانے کی کوشش کر رہے ہیں، ممکن ہے وہاں بھی پہنچ جائیں۔ اُنھوں نے خلا میں آبادی کا منصوبہ بنایا ہے کہ زمین پر آبادی زیادہ ہو گئی ہے لہٰذا وہاں جا کر لوگوں کو آباد کرتے ہیں۔ یہ چیزیں ممکنات میں سے ہیں، ایسا ہو سکتا ہے غیر ممکن نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمھارے وہاں آباد ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ تمھارا صفایا کر دیں۔ کیونکہ تمھاری نافرمانیاں اس حد تک پہنچ چکی ہیں۔ آخر کب تک مہلت دے گا؟ اللہ تعالیٰ جب ظالم کو پکڑتے ہیں تو اس کی پکڑ کا کوئی حساب نہیں ہوتا، اس کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔ وقت قریب آ گیا ہے ظالموں کی گرفت ہونے والی ہے۔

امریکہ کی انانیت کا اندازہ کرو کہ دوسروں کے گھروں کی تلاشی لیتا ہے اور اپنے گھر کی تلاشی دینے کے لیے تیار نہیں ہے کہ مثلاً: اس کو کہو نا کہ اپنا ایٹمی پلانٹ ہمیں دکھا۔ کبھی نہیں دکھائے گا اور ساری دنیا اس کو کہے کہ اپنے فوجی ٹھکانے ہمیں دکھا، کبھی نہیں دکھائے گا اور عراق کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ تلاشی دے۔ بھائی! تو کیا لگتا ہے تلاشی کا؟ طاقت کا گھمنڈ ہے اور اسرائیل کو تحفظ دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی تباہی کا سبب ہے۔ انھوں نے بہت کچھ تیار کیا ہے۔ یہ صرف اسرائیل کی پشت پناہی کے لیے سب کچھ ہو رہا ہے۔ دیکھو! کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا اور کیا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ لیکن ظلم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

﴿وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا۔ تم جو کلمات منہ سے نکالتے ہو آہستہ یا بلند آواز سے سب کو وہ سنتا ہے اور تمھارے ظاہر اور باطن کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ تمھارا معاملہ پروردگار کے ساتھ ہے اس لیے جو کام بھی کرو اس بات کو پیش نظر رکھ کر کرو کہ ہمارا رب سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے اور ایک دن اس کے سامنے پیش بھی ہونا ہے اور اس نے حساب بھی لینا ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿كُوْنُوْا﴾ ہو جاؤ تم ﴿قَوّٰمِیْنَ﴾ سختی کے ساتھ قائم رہنے والے ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف پر ﴿شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ گواہی دینے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾ اور اگر چہ وہ گواہی تمھارے نفسوں کے خلاف ہو ﴿اَوِ الْوَالِدَیْنِ﴾ یا ماں باپ کے خلاف ﴿وَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو ﴿اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا﴾ اگر ہے وہ شخص مال دار ﴿اَوْ فَقِیْرًا﴾ یا محتاج ﴿فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا﴾ پس اللہ تعالیٰ ان دونوں کے زیادہ قریب اور خیر خواہ ہے ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى﴾ پس نہ پیروی کرو تم خواہش کی ﴿اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ اس بات سے کہ تم عدل نہ کرو ﴿وَ اِنْ تَلْوٗۤا﴾ اور اگر تم زبان کو دباؤ گے ﴿اَوْ تُعْرِضُوْا﴾ یا اعراض کرو گے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو! جنھوں نے زبان سے ایمان کا دعویٰ کیا ہے ﴿اٰمِنُوْا﴾ حقیقتاً ایمان لاؤ ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَ رَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول پر ﴿وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ﴾ اور اس کتاب پر ﴿نَزَّلَ﴾ جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ اپنے رسول پر ﴿وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ﴾ اور ہر اس کتاب پر ایمان لاؤ ﴿اَنْزَلَ﴾ جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ﴾ اور جو شخص انکار کرے گا اللہ تعالیٰ کے احکام کا ﴿وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ﴾ اور اس کے فرشتوں کا ﴿وَ كُتُبِهٖ﴾ اور اس کی کتابوں کا ﴿وَ رُسُلِهٖ﴾ اور اس کے رسولوں کا ﴿وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن کا ﴿فَقَدْ ضَلَّ﴾ پس تحقیق وہ گمراہ ہوا ﴿ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا﴾ گمراہی میں دور جا پڑا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ پھر کفر اختیار کیا ﴿ثُمَّ اٰمَنُوْا﴾ پھر ایمان لائے ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ پھر کفر اختیار کیا ﴿ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ پھر بڑھتے گئے کفر میں ﴿لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِیَغْفِرَ لَهُمْ﴾ کہ ان کو بخشے ﴿وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا﴾ اور نہ ان کی راہنمائی کرے راستے کی۔

گواہی کا ضابطہ

اس سے پہلے نکاح، طلاق اور وراثت جیسے اہم مسائل کا ذکر تھا اور ان مسائل میں گواہی کی ضرورت پیش آتی ہے اس لیے اب اللہ تعالیٰ گواہی کے متعلق ضابطہ بیان فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ﴾ ہو جاؤ تم سختی کے ساتھ قائم رہنے والے انصاف کے ساتھ ﴿شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ گواہی دینے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔

گواہی دیتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھو کہ گواہی دینے کا حکم اللہ تعالیٰ کا ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گواہی دینی ہے اور گواہی پر قائم رہنا ہے، پھسلنا نہیں ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینی ہے۔ گواہی بنیادی چیز ہے، مگر فی زمانہ تو یہ حال ہے کہ دوسرے فریق کو معلوم ہو جائے کہ اس کے خلاف دینی ہے تو وہ گواہ کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ خدا پناہ! بہت مشکل دور ہے۔ بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ جس آدمی کی گواہی پر معاملہ موقوف ہے اس پر واجب ہے گواہی دینا، اگر وہ گواہی نہیں دے گا تو گنہگار ہوگا۔ مثلاً: جب معاملہ ہوا اس وقت معاملہ کرنے والوں کے علاوہ صرف دو آدمی موجود تھے اور ان میں اختلاف ہو گیا اور یہ گواہی نہیں دیتے تو کسی ایک آدمی کا حق مرتا ہے اور گواہی دینے سے اس کو حق ملتا ہے، اگر یہ گواہی نہیں دیں گے تو گنہگار ہوں گے اور اگر موقع پر کافی لوگ موجود ہوں تو پھر ہر آدمی پر گواہی دینا واجب نہیں ہے۔

نفس گواہی پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ گواہ آنے جانے کا کرایہ لے سکتا ہے۔ اور اگر گواہ غریب آدمی ہے، دہاڑی والا ہے، یا کسی محکمہ میں کچا ملازم ہے کہ چھٹی کرے تو دہاڑی کاٹی جاتی ہے تو اس کو دہاڑی لینا بھی جائز ہے مگر اتنی کہ جتنی دہاڑی وہ لیتا ہے اور اگر مال دار ہے یا کسی محکمہ یا ادارہ میں پکا ملازم ہے کہ چھٹی کرنے پر دہاڑی نہیں کاٹی جاتی تو اس کو دہاڑی لینا جائز نہیں ہے اور گواہ کی خوراک اور سفری ضروریات بھی لے جانے والے کے ذمہ ہوں گی۔

تو گواہی پر انصاف کے ساتھ قائم رہو ﴿وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ اور اگرچہ وہ گواہی تمھارے نفسوں کے خلاف ہو۔ اپنے نفس کے خلاف گواہی کا مطلب ہے کہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لے کہ میرے سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس زمانے میں تو کوئی شاذ و نادر ہی ہے جو اپنی غلطی کو تسلیم کرے اور دوسرے کا حق مان لے۔ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا جو اپنی غلطی کو تسلیم کرتے تھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے چوری کی، لوگوں نے اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَاأَخَالَهُ سَرِقَه "میرے خیال میں تو اس نے چوری نہیں کی۔" کیونکہ وضع قطع، شکل وصورت کے اعتبار سے بڑا نیک آدمی معلوم ہوتا تھا، چور نہیں لگتا۔ لیکن اس آدمی نے کہا حضرت! میں نے چوری کی ہے۔ آج کا زمانہ ہوتا تو وہ اس کو غنیمت سمجھتا کہ خود جج میری تائید کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے تحقیق فرمائی کہ یہ پاگل تو نہیں ہے، کیونکہ پاگل بھی کسی وقت دانائی کی بات کر جاتے ہیں، اگرچہ ان کا پاگل پن چھپا نہیں رہتا، کوئی کام یا بات ایسی ضرور کرے گا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ پاگل ہے۔

استاذ محترم مولانا غلام محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ جہانیاں منڈی مسجد کے خطیب اور مدرس تھے۔ ہم ان کے پاس پڑھتے تھے۔ ۱۹۳۰ء کے قریب کا واقعہ ہے کہ ان کی برادری کا ایک آدمی پاگل ہو گیا جس کو انھوں نے لاہور پاگل خانے میں داخل کر دیا۔ اس وقت ہندوستان میں صرف دو پاگل خانے تھے۔ ایک بریلی میں اور ایک اچھرہ لاہور میں۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی خبر لینے کے لیے گئے اور کچھ تحفے تحائف بھی اس کے لیے لے گئے۔ وہ جب اپنے آدمی کے پاس پہنچے، ملے اور بیٹھے تو ایک اور آدمی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور علمی گفتگو شروع کر دی۔ کبھی منطق کی، کبھی فلسفے کی، کبھی ریاضی کی، کبھی تفسیر کی، کبھی حدیث

ں باتیں کرتا۔ مولانا بھی بڑے فاضل آدمی تھے اور ہر فن میں ماہر تھے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا کہ میں ذرا ٹھہر کے آتا ہوں، طبعی تقاضے کے لیے گیا یا پانی پینے کے لیے گیا۔ مولانا نے دریافت کیا کہ یہ کون آدمی ہے؟ کہنے لگے پاگل ہے۔ مولانا نے کہا یہ کس طرح پاگل ہے؟ اس نے تو میرے ساتھ کافی دیر علمی گفتگو کی ہے اس میں تو کوئی پاگلوں والی بات نہیں ہے۔ حیران ہو گئے کہ یہ کیسا پاگل ہے؟

تھوڑی دیر بعد وہ پھر آ گیا اور مختلف مسائل پر گفتگو شروع کر دی۔ وہ جوں جوں باتیں کرتا، مولانا توں توں حیران ہوتے کہ اس کو پاگل کہنے والے تو خود پاگل ہیں۔ مولانا نے ٹائم دیکھا تو فرمایا کہ میں جاتا ہوں اگر تاخیر کی تو گاڑی سے رہ جاؤں گا۔ کیونکہ اس زمانے میں آمدورفت کے وسائل بہت کم ہوتے تھے، ریل گاڑیاں ہوتی تھیں جو رہ گیا سو رہ گیا۔ پھر اگلی گاڑی کا انتظار کرنا ہوتا تھا۔ اس لیے مولانا نے کہا کہ میں اب جاتا ہوں۔ اس نے کہا اچھا تم جا رہے ہو؟ مولانا نے کہا کہ ہاں میں جا رہا ہوں۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے ہاتھ پر تھوک دیا۔ مولانا نے کہا کہ واقعی پاگل ہے۔ تو پاگل چھپے نہیں رہتے۔

تو بات ہو رہی تھی چور کے متعلق کہ آپ ﷺ نے فرمایا یہ پاگل تو نہیں ہے؟ کہنے لگے نہیں حضرت! سمجھ دار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو! یہ نشہ میں تو نہیں ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں، نشہ میں بھی نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ تو آج کے زمانہ میں کون اقرار کرتا ہے؟ جانتے ہوئے کہ میرا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

﴿أَوِ الْوَالِدَيْنِ﴾ یا گواہی والدین کے خلاف ہو۔ والدین بڑی دولت ہیں اگر کوئی سمجھے تو۔ مگر گواہی اگرچہ والدین کے خلاف بھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم مقدم سمجھتے ہوئے ان کے خلاف بھی گواہی دے ﴿وَالْأَقْرَبِيْنَ﴾ اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف حق کی گواہی ہے تو ان کے خلاف بھی دے ﴿إِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِهِمَا﴾ اگر ہے وہ شخص مال دار یا محتاج۔ پس اللہ تعالیٰ ان دونوں کے زیادہ قریب اور خیر خواہ ہے۔ تم نے نہ مال دار ہونے کی رعایت کرنی ہے، نہ فقیر ہونے کا لحاظ کرنا ہے۔ یہ نہ خیال کرو کہ یہ مال دار ہے اور اچھے کام کرتا ہے اس کے حق میں گواہی دے دوں، اچھے کام کرتا رہے گا۔ یا وہ فقیر ہے اس کا حق تو نہیں بنتا مگر اس کے حق میں گواہی دے دوں، محتاج ہے اس کا کچھ بن جائے گا۔ فرمایا نہیں! تم حق کی گواہی دو، نہ غنی کی رعایت کرو اور نہ فقیر کا لحاظ کرو۔

فرمایا ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى أَنْ تَعْدِلُوْا﴾ پس تم نہ پیروی کرو خواہش کی کہ تم عدل کرنا چھوڑ دو ﴿وَإِنْ تَلْوٗٓا أَوْ تُعْرِضُوْا﴾ اور اگر تم زبان کو دباؤ گے، اعراض کرو گے۔ مطلب یہ ہے کہ شہادت کو توڑنے موڑنے کے لیے اپنی زبان کو اس طرح مت حرکت دو کہ اس کے معانی تبدیل ہو جائیں اور شہادت ہی غلط ہو جائے۔ اور زبان کو دبانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ بعض ملتے جلتے الفاظ ہوتے ہیں، زبان دبا کر ایک ہی جگہ دوسرا ادا کر دیا جائے، ایسا نہ کرو۔ مثال کے طور پر یہودی جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تو کہتے اَلسَّامُ عَلَيْكَ۔ اب توجہ کرنے والا ہی سمجھے گا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ اصل لفظ تو ہے السلام عليك۔ آپ پر سلامتی ہو۔ وہ لام کھا جاتے اور کہتے السام عليك۔ اس کا معنیٰ ہے تیرے اُوپر موت واقع ہو۔ تو تھوڑے

سے فرق کے ساتھ کتنا فرق پڑ گیا۔ تو اس طرح تم زبان دبا کر ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ کہو گے تو سخت گناہ ہے۔

ہم وڈالہ سندھواں پڑھتے تھے، ہمارا ایک ساتھی بڑا مسخرہ تھا۔ اس نے کوئی شرارت کی جس کی شکایت مہتمم صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ اس کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ تو نے یہ شرارت کی ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم ہے مجھے تو علم بھی نہیں ہے اور جان بچالی۔ مگر جن ساتھیوں کو علم تھا کہ اس نے یہ کام کیا ہے اُنھوں نے اس کو گھیر لیا کہ تو نے قسم کس حساب سے اٹھائی ہے؟ کہنے لگا کہ تم نے سنا نہیں ہے کہ میں نے کیا کہا ہے؟ میں نے تو کہا ہے آلاں کی قسم ہے۔ ایک سبزی ہے کدو کی جنس سے اس کو آلاں کہتے ہیں اور تربوز کی بیل کو بھی آلاں کہتے ہیں۔ دیکھو! اس نے زبان دبا کر اللہ کی جگہ آلاں کہہ دیا۔ تو چالباز قسم کے لوگ ایسی حرکتیں کر کے دھوکا دیتے ہیں کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ ادا کر دیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم گواہی میں زبان کو نہ دباؤ، نہ پھیرو۔

اور اعراض کا مطلب ہے کہ جس بات پر گواہی موقوف ہے وہ اہم جزو تم بیان ہی نہ کرو اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے فضول بحث کرتے رہو۔ یہ بھی سخت گناہ ہے۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہے جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو! جنھوں نے زبان سے ایمان کا دعویٰ کیا ہے کہ ہم موحد ہیں ﴿اٰمِنُوْا﴾ حقیقتاً ایمان لے آؤ، صحیح معنیٰ میں مومن بن جاؤ۔ کیونکہ خالی ایمان کے دعوے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ایمان کس پر لاؤ؟ ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پر۔

ایمانیات میں سب سے بنیادی چیز ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو واجب الوجود ہے۔ نہ اس کی ابتدا ہے، نہ انتہا ہے، نہ اس کو کسی کا خوف ہے، نہ وہ بیمار ہوتا ہے، نہ اس کو موت کا ڈر ہے، خود نظر نہیں آتا، اس کی قدرت کے مناظر نظر آتے ہیں اور انھی کے ذریعہ اس کی پہچان ہوتی ہے کہ زمین کو دیکھو، آسمان کو دیکھو، چاند سورج ستاروں کو دیکھو، انسانوں کی شکل وصورت کو دیکھو، حیوانات کو دیکھو۔ وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ "ہر چیز میں اس کے لیے دلیل ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔"

﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاؤ ﴿وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر تھوڑی تھوڑی کر کے نازل فرمائی ہے، یعنی قرآن پاک۔ ﴿وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے، تورات، زبور، انجیل اور جن کتابوں کا تمھیں نام نہیں آتا ان پر اجمالی طور پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں کو ہم مانتے ہیں اور تمام رسولوں کو ہم مانتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ﴾ اور جو شخص انکار کرے اللہ تعالیٰ کے احکام کا ﴿وَمَلٰٓئِكَتِهٖ﴾ اور اس کے فرشتوں کا۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتے نوری مخلوق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے اور وہ نور بھی اسی طرح مخلوق ہے جس طرح آگ مخلوق ہے، مٹی مخلوق ہے، ہوا مخلوق ہے، پانی مخلوق ہے۔ وہ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ ان میں مرد عورتوں والی

خواہشات ہیں، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کی خوراک ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔

﴿وَ كُتُبِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی جتنی کتابیں ہیں ان کا انکار کرے گا ﴿وَ رُسُلِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کا انکار کرے گا۔ بے شمار پیغمبر تشریف لائے، ہمیں قطعی اور یقینی طور پر ان کی تعداد معلوم نہیں ہے۔ قرآن پاک میں صرف پچیس [۲۵] پیغمبروں کے ناموں کا ذکر ہے۔ لہٰذا اجمالی طور پر اتنا کہنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر میرا ایمان ہے ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن کا انکار کیا ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ پس وہ گمراہ ہوا گمراہی میں دُور جا پڑا۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اپنے وقت میں موسیٰ علیہ السلام پر ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ پھر اُنھوں نے بچھڑے کی پوجا کر کے کفر اختیار کیا ﴿ثُمَّ اٰمَنُوْا﴾ پھر بعد کے دور میں ایمان لائے ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ پھر عیسیٰ علیہ السلام کو تسلیم نہ کر کے کفر کیا، بلکہ ﴿وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ [پارہ:۶، سورۃ النساء:۱۵۶] البتہ تحقیق اُنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر بڑا بہتان باندھا کہ ہم اس کو نبی کیا مانیں، حلال زادہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

انسان میں ضد آ جائے تو وہ حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن کے تھے، حضرت مریم علیہا السلام ان کو اُٹھا کے لا رہی تھیں، لوگوں نے دیکھا تو کہا ﴿يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ "اے ہارون کی بہن! یہ بچہ اُٹھائے پھرتی ہے نہ تیرا باپ بُرا آدمی ہے، نہ تیری ماں بدکار ہے یہ بچہ کہاں سے اُٹھا کے لائی ہے؟ ﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ﴾ تو حضرت مریم علیہا السلام نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ ﴿قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ کہنے لگے: ہم اس سے کس طرح بات کریں؟ وہ گود میں ہے، بچہ ہے۔" تو اپنا گناہ چھپانے کے لیے اس کو آگے کرتی ہے، تو خود بتا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریر شروع کر دی ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾ [سورۃ مریم] "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔" آگے مفصل تقریر ہے ایک رکوع کی۔ لیکن جن لوگوں کے دلوں پر تالے لگے ہوئے تھے انھوں نے پھر بھی تسلیم نہ کیا۔ حالانکہ وہ سوچ سکتے تھے کہ ایک دن کا بچہ ہے اور کیسی عمدہ تقریر کر رہا ہے ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے۔ مگر دل پر تالا لگ جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مزید کفر میں بڑھتے گئے۔ پہلے پارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مرتے وقت یہودی وصیت کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں کی یہ علامتیں ہیں، جب وہ تشریف لائیں تو ان پر ایمان لانا اور ہمارا ان کو سلام کہنا اور جب دشمنوں کے مقابلہ میں لڑتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اور برکت سے دعا کرتے اور کہتے اے پروردگار! نبی آخر الزماں کی برکت اور وسیلے سے ہمیں فتح عطا فرما۔ پھر جب وہ تشریف لائے تو انکار کر گئے اور کفر کو اور زیادہ کر لیا۔ ﴿لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان کو بخشے جو یہ کارروائیاں کرتے ہیں ﴿وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا﴾ اور نہ اللہ تعالیٰ ان کو راستے کی رہنمائی کرے گا۔ جو اپنی ضد پر اس قدر پختہ ہوں، خدا کو کیا ضرورت ہے ان کو ہدایت دینے کی؟

وہ کوئی ان کا محتاج تھوڑا ہی ہے، بلکہ یہ اس کے محتاج ہیں۔

﴿بَشِّرِ﴾ آپ خوش خبری سنا دیں ﴿الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ منافقوں کو ﴿بِاَنَّ﴾ اس چیز کی کہ بے شک ﴿لَهُمْ﴾ ان کے لیے ہے ﴿عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ عذاب دردناک ﴿الَّذِيْنَ﴾ منافق وہ ہیں ﴿يَتَّخِذُوْنَ﴾ جو بناتے ہیں ﴿الْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں کو ﴿اَوْلِيَآءَ﴾ دوست ﴿مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں کے سوا ﴿اَيَبْتَغُوْنَ﴾ کیا تلاش کرتے ہیں ﴿عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ ان کافروں کے پاس عزت ﴿فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ پس بے شک عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے سب کی سب ﴿وَقَدْ﴾ اور بہ تحقیق ﴿نَزَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تم پر ﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ کتاب میں یہ حکم ﴿اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ﴾ یہ کہ جب سنو تم ﴿اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں ﴿يُكْفَرُ بِهَا﴾ کہ ان کا انکار کیا جا رہا ہے ﴿وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا﴾ اور ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا جا رہا ہے ﴿فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ﴾ پس نہ بیٹھو تم ان کے ساتھ ﴿حَتّٰى يَخُوْضُوْا﴾ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں ﴿فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ﴾ اس ٹھٹھے کے علاوہ کسی اور بات میں ﴿اِنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿اِذًا﴾ اگر ان کے ساتھ بیٹھے رہے تو اس وقت ﴿مِّثْلُهُمْ﴾ ان جیسے گنہگار ہو گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اکٹھا کرنے والا ہے منافقوں کو ﴿وَالْكٰفِرِيْنَ﴾ اور کافروں کو ﴿فِيْ جَهَنَّمَ﴾ جہنم میں ﴿جَمِيْعًا﴾ سب کو ﴿الَّذِيْنَ﴾ منافق وہ ہیں ﴿يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ﴾ جو انتظار کرتے ہیں تمھارے بارے میں ﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ﴾ پس اگر ہو تمھیں نصیب فتح ﴿مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿قَالُوْٓا﴾ کہتے ہیں ﴿اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾ کیا ہم تمھارے ساتھ نہیں تھے؟ ﴿وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ﴾ اور اگر ہو کافروں کا حصہ ﴿قَالُوْٓا﴾ کہتے ہیں ﴿اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ﴾ کیا ہم غالب نہیں آ گئے تھے تم پر ﴿وَنَمْنَعْكُمْ﴾ اور کیا ہم نے نہیں حفاظت کی تمھاری ﴿مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں سے ﴿فَاللّٰهُ﴾ پس اللہ تعالیٰ ﴿يَحْكُمُ﴾ فیصلہ کرے گا ﴿بَيْنَكُمْ﴾ تمھارے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ﴾ اور ہرگز نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے ﴿لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں کے لیے ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں پر ﴿سَبِيْلًا﴾ کوئی بھی اقتدار کا راستہ۔

پہلے کھلے کافروں کا ذکر تھا، اب منافقوں کا ذکر ہے، مومن اسے کہتے ہیں کہ زبان سے اقرار کرے اور دل میں یقین اور تصدیق موجود ہو اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کر کے اس کا عملاً ثبوت دے۔ کافر وہ ہے کہ نہ دل کی تصدیق ہے، نہ زبان سے

اقرار ہے۔منافق اسے کہتے ہیں جوزبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے،مگر دل میں یقین وتصدیق موجود نہیں ہے، یہ گروہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔کھلے کافر سے بچنا آسان ہے،منافق سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔جس طرح کھلے دشمن سے آدمی بچنے کا انتظام کرتا ہےاور کر بھی سکتا ہےاور جو دوست نما دشمن ہواس سے بچنا مشکل ہوتا ہے، یہ منافق بھی دوست نما دشمن ہوتے ہیں،ظاہری طور پر کلمہ پڑھتے ہیں اور اندراُن کے کفر ہوتا ہے۔

اُنہی کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اے نبی کریم! آپ خوش خبری سنا دیں منافقوں کو۔ کس بات کی خوش خبری؟ ﴿بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اس چیز کی کہ بے شک ان کے لیے ہے دردناک عذاب۔ یہ منافقوں کے ساتھ مذاق اور طنز ہے۔ کیوں کہ خوش خبری تو اچھی چیز کی ہوتی ہے،عذاب کی کیا خوش خبری ہے؟ پھر عذاب بھی دردناک۔منافق کون ہیں؟ ﴿الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ﴾ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست ﴿مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں کے سوا۔ مومنوں کے ساتھ کوئی رابطہ اور تعلق نہیں اور کافروں کے ساتھ یاری اور دوستی ہے اور انھی پر ان کا اعتماد ہے،وہ جو کہتے ہیں کرتے ہیں ﴿اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ کیا تلاش کرتے ہیں ان کافروں کے پاس عزت کہ ان سے دوستی رکھیں گے تو ہمیں عزت ملے گی؟ ﴿فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ پس بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔تمھیں کافروں سے کیا عزت ملے گی؟ کافر تو مسلمان کا خیرخواہ نہیں ہے۔

جو زیادہ عمر کے بزرگ ہیں ان کو یاد ہوگا کہ پاکستان بننے کے بعد امریکہ نے پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کیا تھا۔ دفاعی معاہدے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر دشمن نے تم پر حملہ کیا تو ہم تمھارا ساتھ دیں گے اور اگر ہم پر حملہ ہوا تو تم ہمارا ساتھ دو گے۔ ان دنوں اخبارات نے بھی بڑے زور وشور سے اس پر سرخیاں لگائیں اور مضمون نگاروں نے مضمون لکھے مگر میں نے جمعہ کے خطبہ میں یہ بات کہی تھی کہ کافروں پر اعتماد کرنا بالکل غلط ہے اور دفاعی معاہدہ کر کے یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمارا ساتھ دیں گے، یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے اور تجربہ اس پر شاہد ہے۔ہاں! اگر کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہو،اُٹھالو۔

اور یہ بھی تمھیں یاد ہوگا کہ مجمع میں سے ایک نوجوان اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ تم مولویوں والا ذہن رکھتے ہو۔ یہ حکومتوں کے آپس میں معاہدے ہیں مولویوں کے نہیں ہیں۔ میں نے کہا تھا برخوردار! اللہ کرے تیرا یہ کہنا اور ارادہ پورا ہو جائے مگر ایمان کی اور قرآن اور حدیث کی رو سے اور تاریخ اسلام کی رو سے ہمارا تجربہ یہ ہے کہ کافر نے مومن کا کبھی ساتھ نہیں دیا۔لیکن نوجوان بڑا جذباتی تھا،اُٹھ کر چلا گیا اور جمعہ بھی نہ پڑھا اور کہا کہ میں تمھارے ساتھ نمٹ لوں گا۔اللہ تعالیٰ رحمت کرے حاجی محمد اقبال صاحب پر کئی دنوں تک بطور محافظ کے یہاں سے میرے گھر تک میرے ساتھ جاتے اور جب میں نے آنا ہوتا تھا تو مجھے ساتھ لے کر آتے تھے۔اس خیال کے پیش نظر کہ نوجوان ہے،دھمکی دے کر گیا ہے کوئی غلط قدم نہ اُٹھا بیٹھے۔

کچھ عرصے کے بعد ۱۹۶۵ء کی جنگ لگ گئی۔ باوجود حلیف ہونے کے امریکہ نے ہماری کوئی مدد نہ کی،قطعاً کوئی مدد نہ کی۔اس کو مدد کا کہتے رہے مگر اس نے کوئی نہ سنی۔ پھر اس کے بعد ۱۹۷۱ء کی جنگ امریکہ نے ہم پر مسلط کی۔ بھائی! کافروں پر

کیا اعتماد ہوسکتا ہے؟ ان کے ساتھ دوستی کا کیا معنیٰ ہے؟ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ منافق وہ ہیں جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ اس لیے کہ مومنوں کے پاس راکٹ نہیں ہیں، دولت نہیں ہے، کیونکہ جتنے بھی باطل فرقے ہیں اُنھوں نے اپنے نظریات قرآن وحدیث کے خلاف بیان کیے ہیں اور ہر کوئی اپنے انداز میں بیان کرے گا اور ان کا مفہوم بگاڑ دے گا۔

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ﴾ اور بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے کتاب میں حکم ﴿اَنْ﴾ یہ کہ ﴿اِذَا سَمِعْتُمْ﴾ جب سنو تم ﴿اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے ﴿وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا﴾ اور مذاق کیا جاتا ہے، مخالفت کی جارہی ہے ﴿فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ﴾ پس تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ جس مجلس میں قرآن وحدیث کے خلاف بات ہورہی ہو اس مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے والا گنہگار ہے۔ اسی طرح باطل فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنے والا بھی گنہگار ہے۔ البتہ وہ شخص جاسکتا ہے جس کا عقیدہ پختہ ہو اور اس غرض سے جائے کہ سنوں کہ یہ کہتے کیا ہیں؟ تاکہ ان کا جواب دیا جاسکے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ باطل کی تردید فرض کفایہ ہے۔ اگر کسی نے کسی شہر میں یا قصبے میں دین کے خلاف بات کی ہے اور اس شہر یا قصبے میں کسی ایک نے بھی اس کی تردید نہ کی تو سارے گنہگار ہوں گے اور اگر کسی ایک شخص نے بھی باطل کی تردید کر دی تو سارے گناہ سے بچ گئے۔ یہ مسئلہ یاد رکھنا، بھولنا نہیں ہے کہ کسی شہر، محلے یا قصبے میں کسی نے اسلام کے خلاف بات کی اور کسی طرف سے اس کا جواب نہ آیا تو سارے مسلمان عاقل بالغ گنہگار ہوں گے اور اگر کسی ایک نے بھی معقول جواب دے دیا تو سارے گناہ سے بچ گئے۔

تو جہاں قرآن وحدیث کے خلاف بات ہورہی ہو اس مجلس میں بیٹھنا منع ہے ﴿حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ﴾ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں اس ٹھٹھے (استہزا) کے علاوہ کسی اور بات میں۔ قرآن وحدیث کے خلاف بات کرنے سے باز آجائیں اور کوئی سیاسی وغیرہ باتیں کرنے لگ جائیں تو بات جدا ہے۔ کیونکہ جب وہ قرآن وحدیث، فقہ اسلامی، اجماع امت کی مخالفت کررہے ہوں گے اور تم ان میں بیٹھے ہو گے ﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ بے شک تم اس وقت ان جیسے گنہگار ہو گے۔ کیونکہ تم اپنے اختیار سے اس مجلس میں بیٹھے ہو جس میں قرآن وحدیث کا انکار اور مذاق اُڑایا جارہا ہے لہٰذا تم بھی گنہگار ہو۔

اسی طرح جس مجلس میں جھوٹ بولا جارہا ہو، گالی گلوچ ہورہی ہو، غیبت ہورہی ہو یا خلاف شرع کام ہورہا ہو، مسلمان پر فرض ہے کہ اس مجلس سے اُٹھ کر چلا جائے، وہاں نہ بیٹھے۔ اگر تمھیں اللہ تعالیٰ نے ہاتھ سے روکنے کی طاقت عطا فرمائی ہے تمھارے پاس کوئی منصب ہے تو روکو۔ کیونکہ ہاتھ سے تو حکمران ہی روک سکتے ہیں عام آدمی تو ہاتھ سے نہیں روک سکتا۔ اگر طاقت ہے تو ہاتھ سے روکے اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ مگر آج کا ماحول ایسا ہے کہ زبان سے روکنا اور بتانا کہ یہ برائی ہے، بڑا مشکل ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے مسئلہ لکھا ہے اور بجا لکھا ہے کہ جس مقام پر حق بیان کرنے کے بدلے شر اور فتنے کا شدید خطرہ ہو وہاں پر خاموشی بہتر ہے۔ آج تو ہماری مجالس ہی بُری ہیں، الا ماشاء اللہ۔

یہ تو اُمت کو حکم ہے کہ ایسی مجلس میں نہیں بیٹھنا جہاں دین کے خلاف بات ہو رہی ہو یا خلافِ شرع کام ہو رہا ہو اور آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہ بھی سن لو اور اس کو بھی اچھی طرح یاد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ﴾ اے نبی کریم! جب آپ دیکھیں ایسے لوگوں کو ﴿یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا﴾ جو ہماری آیتوں کے بارے میں بکواس کر رہے ہیں، ان کے خلاف کچھ کہہ رہے ہیں، اسلام کے خلاف کچھ کہہ رہے ہیں ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ تو آپ ان سے اعراض کریں وہاں سے اُٹھ کر چلے جائیں ﴿حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ﴾ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مشغول ہو جائیں ﴿وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ﴾ اور اگر شیطان تمھیں بھلا دے بات کی طرف توجہ نہ ہو ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ پس نہ بیٹھ یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ۔

حاضر ناظر کون ہے؟

اب ٹھنڈے دل سے اس بات پر بھی غور کرو اور سوچو کہ جاہل قسم کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ نظریہ اپنا کر ہم آنحضرت ﷺ کی تعظیم کر رہے ہیں۔ دیکھو! کتنی بڑی جہالت ہے کہ قرآن کریم تو آپ ﷺ کو حکم دے کہ آپ خلافِ شرع مجلسوں میں بیٹھ نہیں سکتے اور یہ کہیں کہ نہیں آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں۔ دنیا خلافِ شرع مجلسوں سے بھری ہوئی ہے، دینی اور مذہبی مجالس تو بہت کم ہیں۔ تو بری مجلسوں میں آپ ﷺ کو حاضر و ناظر جاننا یہ آپ ﷺ کی توہین ہے یا تعظیم ہے؟ آپ ﷺ تو ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے جہاں تصویریں ہوتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک کپڑا ملا جس پر جاندار چیزوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، اُنھوں نے وہ کپڑا ایک الماری کے آگے لٹکا دیا جس میں دو چار برتن پڑے تھے۔ کیونکہ الماری کا دروازہ نہیں تھا اور طبعی طور پر عورتوں کو گھر کے ساتھ، برتنوں کے ساتھ، زیوروں کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ نے یہ بات ان کی فطرت میں رکھی ہے۔ آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے اور دروازے میں قدم مبارک رکھا، تصویروں پر نگاہ پڑی تو پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ ناراض ہو گئے ہیں، دوڑیں اور کہنے لگیں حضرت! اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو معافی چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سامنے جو تصویریں لگی ہوئی ہیں جہاں یہ ہوں وہاں نہ تو رحمت کا فرشتہ داخل ہوتا ہے، نہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر۔ اُنھوں نے وہ کپڑا آنحضرت ﷺ کے سامنے پھاڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے۔

بھئی! آپ ﷺ تصویروں کی وجہ سے اپنے گھر اور حجرے میں تو داخل نہ ہوں اور ہمارے گھر جو بت خانے بنے ہوئے ہیں وہاں آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔ لہٰذا یاد رکھنا! آپ ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا یہ آپ ﷺ کی انتہائی توہین ہے۔ عوام بے چارے غلط فہمی کا شکار ہیں توہین کو تعظیم سمجھتے ہیں۔

ساتھیو! یہ بات میں متعدد مرتبہ بتا چکا ہوں کہ الحمدللہ! میں نے آج تک سینما نہیں دیکھا اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ کیونکہ ہمارا یہ ذہن بنایا گیا تھا کہ تھیٹر نہیں دیکھنا، سینما نہیں دیکھنا۔ والد محترم کی ڈاڑھی سنت کے مطابق تھی، پکے نمازی اور بڑے مہمان نواز تھے، بالکل اَن پڑھ۔ وہ ہمیں کہتے تھے بیٹے! تھیٹر نہیں دیکھنا، سینما نہیں دیکھنا۔ ان کا یہ دیا ہوا سبق مجھے آج تک یاد ہے، بھلایا نہیں ہے۔ تو بھائی! میرے جیسا آدمی تو وہاں نہ جائے کہ توہین ہے اور آنحضرت ﷺ کو وہاں حاضر و ناظر تسلیم کیا جائے تو یہ آپ ﷺ کی توہین ہے یا تعظیم ہے؟ یہ گندے عقیدے ہیں، ان سے بچنا۔

پھر بعض لوگ ڈھچر ڈاہ دیندے نیں (ضد کرتے ہیں) کہ پھر اللہ تعالیٰ کیوں ہر جگہ حاضر و ناظر ہے؟ بھئی! بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکلف نہیں ہے، اس پر کوئی قانون لاگو نہیں ہے اور اس کا ہر جگہ موجود ہونا یہ اس کی صفت ہے اور مخلوق کو ہر جگہ حاضر و ناظر جانو گے تو اس کی توہین ہوگی۔ آنحضرت ﷺ مکلف ہیں، آپ ﷺ کو حکم ہے ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ یاد آنے کے بعد آپ ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھیں۔ ان آیات کو اچھی طرح سمجھو اور یاد کرو تاکہ موقع پر پیش کر سکو۔ اور جس طرح آنحضرت ﷺ حاضر و ناظر نہیں ہیں اسی طرح آپ ﷺ علیم کل بھی نہیں ہیں۔

جادو کرنا کفر ہے

الحمدللہ! میں نے بہت سارے علوم حاصل کیے ہیں مگر جادو کا علم حاصل نہیں کیا۔ کیونکہ جادو کا سیکھنا کفر ہے۔ یہودی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کرتے تھے کہ وہ جادو کرتے تھے۔ پہلے پارے میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ "سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا اور لیکن شیطان ہی کفر کرتے ہیں کہ لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں۔" تو بھئی! میرے جیسے گنہگار آدمی کو تو جادو نہ آئے کہ اس سے خرابی آتی ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے متعلق یہ عقیدہ بنایا جائے کہ وہ سارے علم جانتے ہیں یہ کون سا کمال ثابت کیا ہے؟ اُلٹا ان کی توہین کی ہے۔ کیونکہ سارے علوم میں جادو کا علم بھی ہے جس کا حاصل کرنا کفر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ اور ہم نے پیغمبر ﷺ کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ اس کے شایانِ شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو شعر و شاعری کا فن نہیں سکھایا اور وہ آپ ﷺ کی شان کے مناسب بھی نہیں ہے۔ یہ باتیں عقائد کی ہیں اور قرآن پاک کے مسئلے ہیں، ڈھکوسلے نہیں ہیں، ان کو اچھی طرح سمجھ لو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جمع کرنے والا ہے سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ﴿الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ﴾ منافق وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں تمھارے بارے میں۔ کس چیز کا انتظار کرتے ہیں؟ فرمایا ﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ پس اگر تمھیں فتح نصیب ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لڑائی میں ﴿قَالُوْٓا﴾ کہتے ہیں ﴿اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾ کیا ہم تمھارے ساتھ نہیں تھے؟ ہمیں بھی حصہ دو ﴿وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ﴾ اور اگر ہو کافروں کا حصہ کہ لڑائی میں ان

کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے ﴿قَالُوْٓا﴾ ان کے پاس پہنچ کر کہتے ہیں ﴿اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ﴾ کیا ہم غالب نہیں آ گئے تھے تم پر؟ ﴿وَ نَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور کیا ہم نے تمھاری حفاظت نہیں کی ایمان والوں سے کہ وہ تمھارا صفایا کرنا چاہتے تھے ہم نے درمیان میں آ کر ایسے حالات پیدا کیے کہ تم بچ گئے، ہم نے تمھارا دفاع کیا ہے۔ لہٰذا تمھیں جو مال ملا ہے اس سے ہمیں حصہ دو ﴿فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا تمھارے درمیان قیامت والے دن ﴿وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ اور ہرگز نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا﴾ مومنوں پر کوئی بھی اقتدار کا راستہ۔

مومن مومن ہیں، ان کے لیے کافروں کے ساتھ نہ تو دوستی کا راستہ ہے، نہ عزت کا راستہ ہے۔ ہاں! دنیاوی معاملات میں کافروں کے ساتھ برتاؤ کر سکتے ہیں اس سے اسلام منع نہیں کرتا۔ برتاؤ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بے دین ہو جاؤ۔ جس طرح ترکی کے حکمران بے دین ہیں کہ کبھی اذان پر پابندی، کبھی پردے پر پابندی اور دینی مدرسے پہلے ہی بند کر دیے ہیں کہ دین کوئی نہ پڑھے۔ جو کچھ ان سے امریکہ کراتا ہے، کرتے چلے جا رہے ہیں اور یہ اس ملک میں ہو رہا ہے جہاں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔ ترکی کے عوام برے نہیں ہیں، صرف حکمران طبقہ بے ایمان ہے اور اب تو ہر جگہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کے شر سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ (آمین)

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾ بے شک منافق ﴿یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ دغا بازی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ اور وہ ان کو ان کی دغا بازی کا بدلہ دے گا ﴿وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف ﴿قَامُوْا﴾ کھڑے ہوتے ہیں ﴿كُسَالٰى﴾ سست ﴿یُرَآءُوْنَ النَّاسَ﴾ دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کو ﴿وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ﴾ اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ مگر بہت تھوڑا ﴿مُّذَبْذَبِیْنَ﴾ وہ لٹک رہے ہیں ﴿بَیْنَ ذٰلِكَ﴾ کفر اور اسلام کے درمیان ﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ صحیح معنیٰ میں نہ اُن کی طرف ہیں ﴿وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ اور نہ اِن کی طرف ہیں ﴿وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ بہکا دے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا﴾ پس آپ ہرگز نہیں پاؤ گے اس کے لیے کوئی راستہ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا﴾ نہ بناؤ تم ﴿الْكٰفِرِیْنَ﴾ کافروں کو ﴿اَوْلِیَآءَ﴾ دوست ﴿مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ مومنوں کو چھوڑ کر ﴿اَتُرِیْدُوْنَ﴾ کیا تم ارادہ کرتے ہو ﴿اَنْ﴾ اس بات کا ﴿تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾ کہ بناؤ تم اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف ﴿سُلْطٰنًا﴾ دلیل ﴿مُّبِیْنًا﴾ کھلی ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ جو منافق ہیں ﴿فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ﴾ نچلے طبقے میں ہوں گے ﴿مِنَ النَّارِ﴾ دوزخ کے ﴿وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ﴾ اور ہرگز نہیں پائے گا تو ان کے لیے ﴿نَصِیْرًا﴾ کوئی

مددگار ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی ﴿وَاَصْلَحُوْا﴾ اور اصلاح کر لی ﴿وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور اُنھوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو ﴿وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ﴾ اور خالص بنایا اُنھوں نے اپنے دین کو ﴿لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس وہ لوگ ﴿مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں کے ساتھ ہیں ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ﴾ اور عنقریب دے گا اللہ تعالیٰ ﴿الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں کو ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اجر بہت بڑا ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ﴾ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمھیں سزا دے کر ﴿اِنْ شَكَرْتُمْ﴾ اگر تم شکر ادا کرتے رہے ﴿وَاٰمَنْتُمْ﴾ اور ایمان پر قائم رہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿شَاكِرًا﴾ قدردان ﴿عَلِيْمًا﴾ جاننے والا۔

نماز میں سستی منافقت کی علامت ہے

منافقین اور ان کے کردار کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ ان آیات میں بھی ان کے ایک کردار کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ بے شک منافق دغا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ مراد یہ ہے کہ دھوکے کا معاملہ کرتے ہیں۔ حقیقتاً تو اللہ تعالیٰ کو دھوکا کوئی نہیں دے سکتا، اس لیے کہ دھوکا اس کو دیا جاتا ہے جس کو علم نہ ہو، حقیقت معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ لیکن ان کی طرف سے معاملہ ایسا ہے جیسے دھوکے باز کا ہوتا ہے۔ نمازیں پڑھتے ہیں، نیکی کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں، اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں، مگر مومن نہیں ہیں اور یہ کب تک کرلیں گے ﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ وہ ان کو ان کی دغابازی کا بدلہ دے گا۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے، ثواب بھی سامنے، عقاب بھی سامنے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی کچھ علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

فرمایا ﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کے لیے ﴿قَامُوْا كُسَالٰى﴾۔ ﴿كُسَالٰى﴾ جمع ہے کسلان کی، جس کا معنیٰ ہے سستی کرنا۔ کھڑے ہوتے ہیں سستی کرتے ہوئے اس طرح کہ جو کام نہیں کرنا وہ کرنا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ دل میں نماز کا ذوق تو ہے نہیں بادلِ نخواستہ لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھنا پڑتی ہے۔ دعا کرو کہ ہمارے اندر نماز کی سستی نہ آئے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامت بیان فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِتَّقُوْا صَلٰوةَ الْمُنَافِقِ اِتَّقُوْا صَلٰوةَ الْمُنَافِقِ اِتَّقُوْا صَلٰوةَ الْمُنَافِقِ. "منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو۔"

منافق کی نماز کیا ہے؟ وہ اس طرح کہ مثلاً: فجر کی نماز ہے اور اس نے معمول بنایا ہوا ہے کہ جب سورج طلوع ہونے کے قریب ہوتا ہے تو اُٹھتا ہے اور جلدی جلدی وضو کرتا ہے اور جلدی جلدی نماز پڑھتا ہے، جس طرح مرغا چونچیں مارتا ہے۔ یہ منافق کی نماز ہے۔ اسی طرح مثلاً: عصر کی نماز ہے، اس کے مستحب وقت میں نماز نہیں پڑھتا بلکہ اپنے کام میں مشغول رہتا ہے اور جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو وضو کرتا ہے اور ٹکریں مارتا ہے۔ یہ منافق کی نماز ہے۔ عصر کی نماز کے متعلق

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ "جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهٗ وَمَالُهٗ پس گویا کہ اس کے گھر کے سارے افراد بھی مارے گئے اور گھر کا سارا سامان بھی لوٹ لیا گیا۔" اندازہ لگاؤ کہ جس شخص کے گھر کے سارے افراد مارے جائیں اور گھر کا سارا سامان لوٹ لیا جائے تو اس کو کتنا دکھ ہوگا اور اس کی کیا حالت ہوگی؟ عصر کی نماز ضائع ہونے سے مومن کا اتنا نقصان ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی سمجھے۔ اور منافق کی یہ علامت کہ وہ نماز میں سستی کرتا ہے حدیث پاک میں بھی موجود ہے۔

منافقت کی دیگر علامات

دوسری صفت: ﴿يُرَآءُوْنَ النَّاسَ﴾ دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کو۔ دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں، لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ اگر کوئی دیکھنے والا نہیں ہے تو پھر نماز کا نام ونشان ہی نہیں ہے، نیکی کا نام ونشان ہی نہیں ہے۔

تیسری علامت: ﴿وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر بہت تھوڑا اور مومن کی یہ صفت ہے کہ ﴿يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ [آل عمران: ۱۹۱] "وہ یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔" مومن کا دل اور زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ تر ہے۔

منافقوں کی چوتھی صفت: ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ وہ متردد ہیں کفر اور اسلام کے درمیان ﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ نہ صحیح معنیٰ میں مومنوں کے ساتھ ہیں، کیونکہ دل ان کے ساتھ نہیں ﴿وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ اور نہ مکمل کافروں کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ زبانی طور پر مومنوں کے ساتھ ہیں۔ کھل کر واضح طور پر نہ ان کے ساتھ ہیں، نہ ان کے ساتھ ہیں، درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامتیں بیان فرمائی ہیں اور ہمیں بھی سوچنا چاہیے کہ ان میں سے کوئی ہمارے اندر تو نہیں پائی جاتی۔ اگر پائی جاتی ہے تو اس کا تدارک کرنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ بہکا دے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا﴾ تو اے مخاطب! تو ہرگز نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی راستہ۔ اللہ تعالیٰ کس کو بہکاتے ہیں؟ فرمایا ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [سورۃ الصف: ۵، پارہ: ۲۸] "کہ جب وہ غلط راستہ پر چل پڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو اُدھر ہی چلا دیتا ہے۔" جبراً اللہ تعالیٰ کسی کو غلط راستہ پر نہیں چلاتے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ﴾ "ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا اور ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔"

مطلب یہ ہے کہ جدھر کوئی جانا چاہے گا ہم اس کو ادھر ہی چلا دیں گے اور سورۃ الکہف میں آتا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔" رب تعالیٰ نے کسی کو مجبور نہیں کیا اور جب کوئی اپنی مرضی سے غلط راستہ پر چل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبراً ہدایت بھی نہیں دیتا۔ ہدایت، ایمان، اسلام بہت قیمتی چیزیں ہیں، مفت

میں نہیں ملتیں ان کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔

کافر اور مومن کی دوستی

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ﴾ نہ بناؤ تم کافروں کو دوست ﴿مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ مومنوں کو چھوڑ کر۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کافروں سے دوستی نہ کرو۔ مگر اس وقت مسلمان کہلوانے والے تقریباً پچپن ملک ہیں جو سب کے سب امریکہ کی گود میں ہیں اور جو وہ کہتا ہے کرتے ہیں۔ سوائے دو تین کے کہ جن کا رب تعالیٰ کے اس ارشاد پر پورا یقین ہے۔ باقی سب کی اس کے ساتھ دوستی ہے ذاتی مفادات کے لیے۔ ایمان کمزور ہیں اس لیے ایسا کر رہے ہیں۔ اگر ایمان مضبوط ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر اعتماد ہوتا ہے، نہ ڈر ہوتا ہے۔

دیکھو! افغانستان میں آج سے چار دن پہلے چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے تو یورپی ملکوں نے اس پر واویلا کیا، شور مچایا کہ افغانستان میں ظلم ہو رہا ہے۔ طالبان حکومت نے کہا: بے شک شور کرتے رہو، چیختے چلاتے رہو، ہمیں تمھاری کوئی پروا نہیں ہے، تمھارے طعنوں سے رب تعالیٰ کا حکم مقدم ہے۔ رب تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا﴾ "چور مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔" ہم اپنے رب کو راضی رکھیں گے تم بگڑتے ہو تو بگڑ جاؤ۔ ایمان کے بغیر آدمی یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

﴿اَتُرِیْدُوْنَ﴾ کیا تم ارادہ کرتے ہو ﴿اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا﴾ اس بات کا کہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف دلیل کھلی۔ تم کافروں کے ساتھ دوستی کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی کھلی دلیل ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں منع کر دیا ہے ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ﴾ کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ بے شک وہ لوگ جو منافق ہیں دوزخ کے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ دوزخ کے اُوپر نیچے سات طبقے ہیں۔ سب سے اُوپر والا طبقہ گنہگار مسلمانوں کے لیے ہے جن کا عقیدہ تو صحیح ہوگا مگر عملی کوتاہیوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور کچھ مدت کے بعد دوزخ سے نکل کر سارے جنت میں چلے جائیں گے۔ صحیح العقیدہ کوئی بھی مسلمان دوزخ میں نہیں رہے گا۔ اس سے نیچے والے طبقے میں عیسائی ہوں گے اور اس سے نیچے والے طبقے میں یہودی ہوں گے اور اس سے نیچے والے طبقے میں مجوسی ہوں گے اور اس سے نیچے والے طبقے میں مشرک ہوں گے اور جو سب سے نیچے والا طبقہ ہے اس میں منافق ہوں گے۔

جہنم کا سانس

دوزخ کے طبقوں کا آپس میں کتنا تفاوت ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے لگاؤ کہ جہنم کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ اے پروردگار! اس کی تپش اور ٹھنڈک نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طبقے کو اجازت دی کہ

تو دو سانس لے لے۔اس نے دو سانس لیے ایک ٹھنڈا اور ایک گرم۔ یہ جو تمھیں گرمی لگتی ہے یہ جہنم کا ایک سانس ہے اور جو سردی لگتی ہے یہ بھی جہنم کے زمہریر طبقے کا ایک سانس ہے اور بسا اوقات گرمی سردی اتنی پڑتی ہے کہ آدمی مرجاتے ہیں۔

پچھلے دنوں اخبار میں آیا تھا کہ ایک آدمی کا سردی کی وجہ سے خون جم گیا اور وہ مرگیا اور گرمی کی شدت سے بھی آدمی مرجاتے ہیں۔اس سے اندازہ لگاؤ کہ اس کی ذاتی تپش کتنی ہوگی۔اس کو اس طرح سمجھو کہ آدمی جب سانس لیتا ہے تو اس کے ذریعے معدے کی حرارت کو باہر نکالتا ہے۔سانس کتنا گرم ہوتا ہے،اس سے معدے کی حرارت کا اندازہ لگالو۔

تو جہنم کے نچلے طبقے میں سب سے زیادہ سزا ہوگی اور منافقین اس میں ہوں گے ﴿وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾ اور اے مخاطب! ہرگز نہیں پائے گا تو ان کے لیے کوئی مددگار۔ آج دنیا میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کے دعوے بھی کرتے ہیں اور بسا اوقات مدد کرتے بھی ہیں مگر قیامت والے دن ان کی کوئی مدد نہیں کرسکے گا۔ ہاں! ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کرلی۔ جو منافق نفاق سے باز آگئے ﴿وَاَصْلَحُوْا﴾ اور توبہ کے بعد اپنی اصلاح کرلی۔غزوۂ تبوک میں تقریباً چودہ پندرہ منافق رات کو اکٹھے ہوئے اور بڑی واہی تباہی قسم کی باتیں کیں۔ آنحضرت ﷺ کے خلاف،قرآن کریم کے خلاف، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف۔ان کے ذہن میں یہ تھا کہ ہماری باتوں کو کوئی سن تو رہا نہیں ہے جو منہ میں آیا بکتے رہے۔مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرما کر اپنے پیغمبر کو آگاہ فرمادیا کہ انھوں نے رات کو اللہ تعالیٰ کا مذاق اُڑایا ہے اور اس کی آیات کا بھی اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے بھی مذاق کیا ہے۔

ان منافقوں میں سے ابن حمیر کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور اُنھوں نے منافقت سے توبہ کرلی اور سچے دل سے ایمان قبول کیا۔اس طرح کی ایک دو مثالیں اور بھی ملتی ہیں کہ چند منافقوں نے نفاق سے توبہ کی،باقی اکثر منافقوں کو توبہ کی توفیق نہیں ملی۔جس طرح بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ((اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ)) "بے شک اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کردیا ہے۔" بدعت کی ایسی نحوست ہے کہ جس کی وجہ سے توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

﴿وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور اُنھوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو ﴿وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ﴾ اور خالص بنایا اُنھوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے۔توبہ کرکے خالص دین پر چلے ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ پس وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔ان کا شمار ایمان والوں کے ساتھ ہوگا۔

ساتھیو! توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔گزشتہ گناہوں سے توبہ کرو اور آئندہ اپنی اصلاح کرو۔البتہ جن چیزوں کی قضا ضروری ہے ان کی قضا لوٹاؤ۔مثلاً: نماز ہے،روزہ ہے،زکوٰۃ ہے،کسی آدمی کا حق کھایا ہے،کسی کو گالیاں دی ہیں،کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کی ہے،اس سے معافی مانگنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ سے بھی مانگنی ہے۔کیونکہ اس میں دو حق ہیں۔ایک بندے کا حق ہے،وہ معاف کرے گا تو معاف ہوگا۔یہ نہ سمجھنا کہ لوگوں کا مال کھا کر توبہ توبہ کہہ دیا تو وہ معاف ہوگیا۔حاشا وکلا! ہرگز اس طرح نہیں

ہوگا۔ غلط فہمی میں نہ رہنا۔ جس کا حق دینا ہے اس کا حق لوٹاؤ اور معافی مانگو۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے قانون کو توڑا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہے۔

﴿ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور عنقریب دے گا اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اجر بہت بڑا۔ اس کے خزانوں میں بہت کچھ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جو اَجر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے رکھا ہوا ہے آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ﴾ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمھیں سزا دے کر اے بندو! تمھیں سزا دینے سے اللہ تعالیٰ کو کیا مل جائے گا؟ اور اگر سزا نہ دی تو اس کا کیا بگڑ جائے گا؟ ﴿اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾ اگر تم شکر ادا کرتے رہو اور ایمان پر قائم رہو۔

وہ سزا تب دے گا کہ تم اس پر ایمان نہ لاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرو اور ظاہر بات ہے کہ نافرمان کو کوئی بھی معاف نہیں کرتا۔ ہم تم بھی نافرمان کو معاف نہیں کرتے اور رب تعالیٰ تو قہار ہے اور ساری قوتوں کا مالک ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ تمھیں سزا دینے پر راضی نہیں ہے اسی لیے فرمایا ﴿وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ [الزمر: ۷] "اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے اپنے بندوں کے لیے کفر پر۔" کفر پر سخت ناراض ہے اور ظاہر بات ہے اگر تم کفر کرو گے تو سزا بھی دے گا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ قدر دان، جاننے والا۔ اگر تم ایک نیکی کرو تو دس گنا بدلہ دیتا ہے اور اگر نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں ہو تو سات سو گنا بدلہ دیتا ہے۔ کتنا قدر دان ہے اور جانتا بھی ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ وہ تمھارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے، تمھاری نیتوں سے واقف ہے، وہ تمھارے اعمال و اقوال کو بخوبی جانتا ہے۔ یہ بات ہر وقت تمھارے پیش نظر رہے کہ معاملہ پروردگار کے ساتھ ہے جو علیم بذات الصدور ہے اور اپنے وقت پر اس کو حساب دینا ہے۔

پارہ ⑥

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ

﴿لَا يُحِبُّ اللهُ﴾ نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ ﴿الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ظاہر کرنا بُری بات کو ﴿اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ مگر وہ شخص جس پر ظلم کیا گیا ہے ﴿وَ كَانَ اللهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿سَمِيْعًا﴾ سننے والا ﴿عَلِيْمًا﴾ جاننے والا ﴿اِنْ تُبْدُوْا﴾ اگر تم ظاہر کرو گے ﴿خَيْرًا﴾ نیکی کو ﴿اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ یا چھپاؤ گے اس نیکی کو ﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ﴾ یا درگزر کرو گے برائی سے ﴿فَاِنَّ اللهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿عَفُوًّا﴾ معاف کرنے والا ﴿قَدِيْرًا﴾ قدرت والا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَكْفُرُوْنَ بِاللهِ﴾ جو انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ اور اس کے رسولوں کا ﴿وَيُرِيْدُوْنَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ﴾ اس بات کا ﴿يُّفَرِّقُوْا﴾ کہ تفریق کریں ﴿بَيْنَ اللهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے درمیان ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ اور اس کے رسولوں کے حکموں کے درمیان ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ﴾ ہم ایمان لائیں گے بعض پر ﴿وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ اور بعض کا ہم انکار کرتے ہیں ﴿وَّيُرِيْدُوْنَ﴾ اور ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ﴾ اس کا ﴿يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ کہ بنالیں اس کے درمیان ایک راستہ ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ وہ لوگ ﴿هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ وہ کافر ہیں ﴿حَقًّا﴾ یقیناً ﴿وَ اَعْتَدْنَا﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے ﴿لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں کے لیے ﴿عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ عذاب رسوا کرنے والا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللهِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ اور اس کے رسولوں پر ﴿وَلَمْ يُفَرِّقُوْا﴾ اور نہیں تفریق کی ﴿بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے کسی ایک کے درمیان ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ وہی لوگ ہیں ﴿سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ﴾ عنقریب دے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿اُجُوْرَهُمْ﴾ ان کے اجر ﴿وَ كَانَ اللهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رَّحِيْمًا﴾ مہربان۔

اس سے پہلے منافقوں کی علامتوں کا ذکر تھا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کرتے ہیں اور نیکی ریا کاری کے طور پر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں، فضول باتوں اور کہانیوں میں وقت گزارتے ہیں، کافروں اور مومنوں کے درمیان لٹکے ہوئے ہیں اور منافقوں کی سزا بھی بیان فرمائی ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ "کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔" اور چوں کہ برائی کا اظہار کافروں اور منافقوں کا کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا يُحِبُّ اللهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ بُری بات کے ظاہر کرنے کو۔ غیبت بُری بات ہے، جھوٹ بُری بات ہے، کسی کو گالیاں دینا اور اس کو ایسی بات کہنا جس میں اس کی تذلیل اور تحقیر ہو، بُری بات ہے لیکن آج کل لوگ اس کو عیب کی بجائے ہنر سمجھتے ہیں کہ میں نے فلاں کو یہ کہا اور یہ کہا اور اس طرح ذلیل کیا۔ حالانکہ ان باتوں کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

غیبت اور گالیوں کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ)) "کہ مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہوں۔" تو برائی ظاہر کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ﴿اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ مگر وہ شخص کہ جس پر ظلم کیا گیا ہے کہ یہ شخص ظالم کی بات کو حاکم وقت کے سامنے یا مفتی، قاضی کے سامنے یا کسی اثر ورسوخ والے آدمی کے سامنے پیش کرے جو اس کا ازالہ کرسکتا ہے تو اس کو برائی ظاہر کرنے کی اجازت ہے کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور اس طرح اس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور ان الفاظ کے ساتھ اس نے مجھے گالی دی ہے۔ کیونکہ وہ محض دل کی بھڑاس نہیں نکال رہا بلکہ اس کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے اس کی دادرسی چاہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون ہے؟ تو ابتدا کرنے والا ظالم ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دو آدمی آپس میں جھگڑا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں۔ فرمایا جو ابتداء کرنے والا ہے وہ بڑا ظالم ہے۔ یعنی ابتدا کرنے والے کو شریعت ظالم کہتی ہے۔ دیکھو! بہت سارے ایسے مقامات ہوتے ہیں کہ ایک آدمی کو مار پڑتی ہے۔ وہ ساتھیوں کو کہتا ہے مجھے مار پڑی ہے، مدد چاہتا ہے، مگر یہ نہیں بتائے گا کہ مار پڑی کیوں ہے؟ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ بتایا جائے کہ مار کس وجہ سے پڑی ہے؟ اسی طرح یہ تو بتائے گا کہ فلاں نے مجھے گالی دی ہے مگر یہ نہیں بتائے گا کہ کیوں دی ہے؟ ہر آدمی اپنے فائدے کی بات کرتا ہے اور اپنے خلاف کوئی بات کرنے سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ تو شریعت کہتی ہے ابتدا کرنے والا ظالم ہے۔ جو شرارت کی بنیاد رکھے گا ظالم ہے۔ ہاں! مَالَمْ یَتَعَدَّی الْمَظْلُوْمُ "جب تک مظلوم تجاوز نہ کرے۔" اگر مظلوم تجاوز کرے گا تو یہ تب ظالم بن جائے گا۔ مثلاً: ظالم نے چار مکے مارے اور مظلوم نے بھی جواب میں چار مکے مار دیے تو کوئی گناہ نہیں ہے، پانچواں مارے گا تو گنہگار ہو جائے گا۔

﴿وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا۔ تمھاری اچھی بری ہر بات کو سنتا ہے اور تمھاری نیتوں، ارادوں اور ہیرا پھیری کو خوب جانتا ہے، اس سے کوئی چیز محفوظ نہیں ہے۔ ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا﴾ اگر تم ظاہر کرو گے نیکی کو ﴿اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ یا چھپاؤ گے نیکی کو ﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ﴾ یا درگزر کرو گے برائی سے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا﴾ پس بے شک ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، قدرت والا۔ نیکی کا کام یا بات کوئی ظاہر کر کے کرتا ہے مگر ریاکاری کے لیے نہیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اگر مخفی طور پر کرتا ہے کہ میری نیکی کا لوگوں کو علم نہ ہو تو بھی رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نیکی

ایک زمانہ ایسا تھا کہ لوگ سالہا سال نیکی کرتے تھے اور رب تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا۔ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

جن کا نام علی ابن حسین ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ان کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک ہزار رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے، دوسری نیکیاں الگ تھیں۔ان کی ایک نیکی کا ذکر ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک بوڑھی عورت اپنے گھر میں اکیلی رہتی تھی، گھر میں اور کوئی فرد نہیں تھا۔امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ یہ بوڑھی عورت ہے اور اس کے گھر میں کوئی اور فرد بھی نہیں ہے، اس کو پانی کون لا کر دیتا ہوگا؟ لکڑیاں کون لا کر دیتا ہوگا؟ کیونکہ اس زمانے میں زیادہ اہمیت انھی دو چیزوں کی ہوتی تھی۔تو اُنھوں نے ایک مشک بنوائی، سحری کے وقت آتے اور اس کے پانی کے سارے برتن بھر جاتے اور لکڑیاں بھی پہنچا جاتے۔وہ پوچھتی کہ تم کون ہو؟ تو فرماتے مائی! تم اپنا کام کرو، تمھیں اس سے کیا غرض ہے؟ بس میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔جب یہ فوت ہوئے تو غسل دینے والوں نے ان کے کندھوں پر مشک اُٹھانے کے نشان دیکھے، بڑے حیران ہوئے کہ انھوں نے تو مشک کبھی اٹھائی نہیں ہے ان کے کندھوں پر داغ کس طرح پڑ گئے؟ دو تین دن گزرنے کے بعد وہ مائی بولی کہ اب میرے گھر پانی نہیں پہنچتا، معلوم نہیں پہنچانے والا کہیں چلا گیا ہے؟ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اس بڑھیا کے گھر مشک کے ذریعہ پانی پہنچاتے تھے۔وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نیکی کرتے تھے اور ریاکاری سے بچتے تھے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر

آگے یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکموں کا اور اس کے رسولوں کا۔دنیا میں ایسے کافر جو سرے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہوں بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔جیسے دہریہ قسم کے لوگ آج بھی موجود ہیں اور پہلے بھی موجود تھے۔یہود و نصاریٰ اور مشرکین یہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر نہیں ہیں۔جب ان سے پوچھا جاتا مَنْ خَلَقَكُمْ تمھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔"زمینوں اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟" کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، چاند، سورج کس کے تابع ہیں؟ ان کو کون چلا رہا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔بارش کون برساتا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔زمین سے اَناج وغیرہ کون اُگاتا ہے؟ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔تو یہاں اللہ تعالیٰ کے انکار کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کے حکموں کا انکار کرتے ہیں، تسلیم نہیں کرتے، اس کے پیغمبروں کو نہیں مانتے، اس کی کتابوں پر عمل نہیں کرتے۔﴿وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا﴾ اور ارادہ کرتے ہیں اس بات کا کہ تفریق کریں ﴿بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے درمیان اور اس کے رسولوں کے حکموں کے درمیان۔اور تفریق اس طرح کرتے ہیں ﴿وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ اور کہتے ہیں ہم ایمان لائیں گے بعض پر اور بعض کا ہم انکار کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے وہ حکم جو ان کی مرضی کے مطابق ہوتے ان کو مان لیتے اور جو ان کی مرضی کے خلاف ہوتے ان کا انکار کر دیتے۔اور رسولوں کے درمیان تفریق اس طرح کرتے، مثلاً:

یہودیوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننا تو درکنار ہم تو اس کو حلال زادہ ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں، جس کا ذکر آگے

رکوع میں آرہا ہے اور عیسائی ضد پر آئے، اُنھوں نے کہا اگر تم ہمارے نبی کو نہیں مانتے تو ہم تمھارے نبی موسیٰ [علیہ السلام] کو نہیں مانتے۔اور یہودی اور عیسائی دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔تو اس طرح تفریق کی کہ ایک نبی کو مانا اور دوسرے کو نہ مانا۔ ﴿وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا﴾ اور ارادہ کرتے ہیں کہ بنالیں اس کے درمیان ایک راستہ۔اس کو وہ اپنے لیے بہتری کا راستہ سمجھتے تھے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے کسی کا انکار تو درکنار پیغمبروں سے جو بات صحیح ثابت ہے اس کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔جیسا کہ باطل فرقے ہیں، یہ ہر چیز کا انکار نہیں کرتے۔

مثلاً: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک گروہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔کہتے تھے ہم نماز پڑھیں گے، حج بھی کریں گے، روزے بھی رکھیں گے، مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔کیونکہ قرآن پاک سے ہمیں اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کہ ہم سے زکوٰۃ لینے کا حکم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔وہ دنیا سے چلے گئے ہیں لہٰذا اب ہم کسی اور کو زکوٰۃ نہیں دیں گے۔جس طرح شیعہ کا مذہب ہے کہ جب تک ہمارا امام نہیں آئے گا اس وقت تک نہ ہم پر زکوٰۃ ہے، نہ عشر ہے اور بینک میں حلفیہ بیان جمع کرا دیتے ہیں کہ ہم جعفریہ اور امامیہ ہیں لہٰذا ہماری رقم سے زکوٰۃ نہ کاٹی جائے اور پھر عجیب بات ہے کہ سنیوں کی جمع شدہ زکوٰۃ جب تقسیم ہوتی ہے تو لینے کے لیے پہنچ جاتے ہیں اور جب دینے کی باری آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارا امام آئے گا تو دیں گے۔نہ امام نے آنا ہے اور نہ اُنھوں نے کچھ کرنا ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف اسی طرح جہاد کیا جس طرح کافروں کے ساتھ جہاد ہوتا ہے۔حالانکہ اُنھوں نے سارے دین کا انکار نہیں کیا تھا۔

تو کفر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دین کی تمام چیزوں کا انکار کر دے۔نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکموں میں سے کسی ایک کا انکار کرے گا یا تاویل کرے گا تو کافر ہو جائے گا اور جو ایسا کرتے ہیں ﴿أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا﴾ وہ لوگ کافر ہیں یقیناً ﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا جو ان کو ذلیل اور رسوا کر دے گا ﴿وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اس کے حکموں پر ﴿وَرُسُلِهِ﴾ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں سارے برحق ہیں ﴿وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ اور نہیں تفریق کرتے ان میں سے کسی ایک کے درمیان۔اور تفریق کا معنیٰ ابھی بیان ہوا ہے کہ ﴿نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ بعض کو ہم مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔یہ تفریق ہے ماننے اور انکار کرنے کی۔باقی رہی بات درجات کی کہ کس پیغمبر کا درجہ زیادہ ہے اور کس کا نسبتاً کم ہے، یہ اپنی جگہ ثابت ہے۔تیسرے پارے کی پہلی آیت کریمہ ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ "یہ پیغمبر ہیں، ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے بعض کو بعض پر۔"

سب سے بلند درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔تو درجوں کا تفاوت ہے۔اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں آتا ہے ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُورًا﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے فضیلت بخشی بعض نبیوں کو بعض پر اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور دی۔" تو فضیلت اور درجوں میں تو تفریق ہے اور یہاں

تفریق نہ کرنے کا مطلب ہے ایمان لانے اور نہ لانے میں ﴿اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ یہی لوگ ہیں عنقریب ان کو دے گا اللہ تعالیٰ ان کے اجر ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان۔

﴿یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ سوال کرتے ہیں آپ سے کتاب والے ﴿اَنْ﴾ اس بات کا کہ ﴿تُنَزِّلَ﴾ آپ اُتاریں ﴿عَلَیْهِمْ﴾ ان پر ﴿كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ کتاب آسمان کی طرف سے ﴿فَقَدْ سَاَلُوْا﴾ پس تحقیق ان کے بڑوں نے سوال کیا ﴿مُوْسٰٓى﴾ موسیٰ علیہ السلام سے ﴿اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ اس سے بھی بڑی چیز کا ﴿فَقَالُوْٓا﴾ پس اُنھوں نے کہا ﴿اَرِنَا اللّٰهَ﴾ دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ آنکھوں سے ﴿جَهْرَةً﴾ سامنے ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ پس پکڑا ان کو بجلی نے ﴿بِظُلْمِهِمْ﴾ ان کے ظلم کی وجہ سے ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ﴾ پھر بنالیا اُنھوں نے بچھڑے کو معبود بعد اس کے کہ پہنچ چکیں ان کے پاس واضح دلیلیں ﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ﴾ پس ہم نے اس سے بھی درگزر کیا ﴿وَ اٰتَیْنَا مُوْسٰى﴾ اور دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا﴾ کھلا غلبہ ﴿وَ رَفَعْنَا﴾ اور ہم نے بلند کیا ﴿فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ﴾ ان پر طور کو ﴿بِمِیْثَاقِهِمْ﴾ ان کے وعدے کی وجہ سے ﴿وَ قُلْنَا لَهُمُ﴾ اور ہم نے کہا ان سے ﴿ادْخُلُوا الْبَابَ﴾ داخل ہو جاؤ دروازے سے ﴿سُجَّدًا﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَّ قُلْنَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے کہا ان سے ﴿لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ﴾ تجاوز نہ کرنا ہفتے والے دن ﴿وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ﴾ اور لیا ہم نے ان سے ﴿مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا﴾ بڑا مضبوط وعدہ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ بوجہ ان کے توڑنے کے ﴿مِّیْثَاقَهُمْ﴾ اپنے پختہ وعدے کو ﴿وَ كُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ اور بوجہ ان کے کفر کرنے کے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ﴿وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ﴾ اور بوجہ ان کے قتل کرنے کے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ﴿بِغَیْرِ حَقٍّ﴾ ناحق ﴿وَّ قَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ﴿قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ان کے دلوں پر ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ ان کے کفر کی وجہ سے ﴿فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ پس نہیں ایمان لاتے مگر بہت تھوڑے ﴿وَّ بِكُفْرِهِمْ﴾ اور ان کے انکار کی وجہ سے ﴿وَ قَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ﴿عَلٰى مَرْیَمَ﴾ حضرت مریم علیہا السلام پر ﴿بُهْتَانًا عَظِیْمًا﴾ بہت بڑا بہتان باندھا اُنھوں نے۔

یہود کی شرارتیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی شرارتوں، ناانصافیوں اور بہتان تراشیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کچھ باتوں کا ذکر تو آج

کی آیات میں ہے اور کچھ کا ذکر اگلے حصے میں آئے گا، ان شاء اللہ۔ لغوی طور پر تو ہر کتاب کو کتاب کہا جا سکتا ہے مگر یہاں وہ کتاب مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور اہل کا معنیٰ "والا" ہے۔ تو اہل کتاب کا معنیٰ کتاب والا۔ جیسے اہل بیت کا معنیٰ ہے گھر والا۔ اہلُ المالِ کا معنیٰ ہے مال والا۔ لیکن قرآن، اسلام اور شریعت کی زبان میں اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو آسمانی کتابوں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مثلاً: یہودی تورات کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے بڑے کافی عرصہ تک اس پر عمل بھی کرتے رہے ہیں اور عیسائی انجیل کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو تورات اور انجیل کو ماننے والے اہل کتاب ہیں۔ اسی طرح جو زبور کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی اہل کتاب ہیں۔ ان آیات میں یہود کا ذکر ہے۔

یہود کا قرآن آہستہ آہستہ نازل ہونے پر اعتراض

فرمایا ﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ اے نبی کریم ﷺ! سوال کرتے ہیں آپ سے کتاب والے۔ مدینہ طیبہ میں یہود کی اکثریت تھی، پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ لوگ تھے اور مدینہ طیبہ کی منڈی پر بھی ان کا قبضہ تھا۔ اس کے علاوہ ان کی زمینیں اور باغات تھے اور بڑے مضبوط قلعے بنائے ہوئے تھے۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بھی انھی کی تھیں، سیاست اور کاروبار ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے مقابلہ میں اوس اور خزرج کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ جس طرح پاکستان بننے سے پہلے تجارت پر ہندوؤں کا قبضہ تھا، اِکا دُکا دکان مسلمان کی بھی ہوتی تھی۔ یہودیوں کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے از خود دعویٰ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے۔ کہنے لگے اگر تم نبی ہو تو پھر یہ تھوڑی تھوڑی آیات تم پر کیوں نازل ہوتی ہیں؟ ایک ہی دفعہ کتاب لاؤ جس طرح موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ یہ سوال ان کا غلط تھا۔ کیونکہ احکامات اکٹھے نازل ہوں یا تھوڑے تھوڑے اصل تو ان کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے اور موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور سے تورات دس تختیوں میں اکٹھی لے کر آئے تھے ان کے بڑوں نے تو اس کو بھی ماننے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے اور کچھ الٹی سیدھی باتیں بھی کی تھیں، جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

تو فرمایا ﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب ﴿اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اس بات کا کہ آپ اُتاریں ان پر کتاب آسمان کی طرف سے۔ اب دیکھو! سوال کیسا ہے کہ تو اتار۔ بھائی! اُتارنا تو رب تعالیٰ کا کام ہے، پیغمبر علیہ السلام کا کام تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا﴾ "ہم نے قرآن نازل کیا ہے۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آپ ﷺ ان کی باتوں سے پریشان نہ ہوں ﴿فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ پس تحقیق ان کے بڑوں نے سوال کیا موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی چیز کا۔ کتاب کا آسمان سے اُتارنا بھی بڑی چیز ہے مگر ان کے بڑوں نے تو اس سے بڑا سوال کیا ﴿فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ پس اُنھوں نے کہا دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے آنکھوں سے۔

ہوا اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام جب تورات لے کر ان کے پاس آئے تو کہنے لگے کہ اس میں تو بڑے بڑے مشکل احکامات

ہیں ان پر ہم عمل نہیں کر سکتے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا تم خود وہاں بیٹھ کر لکھتے رہے ہو۔ لہٰذا یہ کتاب واپس لے جاؤ اور کوئی نرم سی کتاب لاؤ یا اس میں ترمیم کراؤ۔ ان حالات میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے پروردگار! اس بے وقوف قوم کا کیا علاج کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہِ طور پر لاؤ، میں کلام کروں گا جسے یہ خود اپنے کانوں سے سنیں گے اور واپس جا کر قوم کو گواہی دیں گے کہ ہم نے خود سنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا اس پر عمل کرو۔ اس کا ذکر سورۂ اعراف میں آتا ہے ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا﴾ "اور منتخب کیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے وعدے کے وقت پر لانے کے لیے۔"

تو موسیٰ علیہ السلام ستر آدمی ساتھ لے گئے اور ان کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے پروردگار! یہ لوگ میرے ساتھ آئے ہیں اور تو نیتوں سے خوب واقف ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ توراۃ کے احکام بہت سخت ہیں، ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے، ہمیں کوئی آسان سی کتاب عطا فرما۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میں حکیم بھی، علیم بھی، خبیر بھی ہوں، میں نے جو احکام دیے ہیں ان میں کوئی بھی ایسا حکم نہیں ہے جو تمھاری طاقت سے باہر ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ "نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔" چوں کہ اُنھوں نے آزاد زندگی بسر کی ہے اور یہ عبادتیں اُنھوں نے پہلے نہیں کیں اس لیے ان کو دشوار نظر آ رہی ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس نے آزاد زندگی بسر کی ہو اس پر جب پابندی لگے گی تو اُسے تکلیف ہوگی۔ جب یہ ان احکام پر عمل کریں گے کچھ دنوں کے بعد آسان ہو جائیں گے۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ تم نمازیں پڑھتے ہو آج صبح تم اُٹھے ہو، وضو کیا ہے، نیند چھوڑی ہے، نماز پڑھی ہے، درس سن رہے ہو، عورتیں بھی درس سن رہی ہیں، تمھیں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی، کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، کوئی ایسا کام تو نہیں کیا جو تمھارے بس میں نہیں اور ایسے بدبخت بھی ہیں جو ابھی تک سو رہے ہیں۔ بول و براز کی ضرورت پیش آئے گی تو اُٹھیں گے یا دفتروں میں جانے کے وقت اُٹھیں گے، ناشتہ کریں گے اور کام پر چلے جائیں گے۔ ان کو نماز کے لیے اُٹھنا پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری نظر آتا ہے کیونکہ اُنھوں نے اس کی عادت ہی نہیں بنائی۔

یہود کی شقاوتِ قلبی کی انتہاء

تو فرمایا اس پر عمل کرو اگر تم سے کوئی غلطی ہوگئی تو میں معاف کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ان ستر نمائندوں نے کانوں سے سنا اور موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ واقعی ہمیں آواز تو آ رہی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ جن بول رہا ہے یا کوئی فرشتہ بول رہا ہے، یا رب تعالیٰ بول رہا ہے۔ رب تعالیٰ نظر آئے تو تب یقین آئے گا ﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ پس کہا اُنھوں نے دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ آنکھوں سے۔ یعنی سامنے کھلے طور پر ہمیں نظر آئے یہ پردے کی اوٹ میں بولتا ہے ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟

دیدارِ حق کا بیان

معراج کے واقعہ کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ معراج کی رات آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے یا نہیں؟ ایک گروہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ دوسرا گروہ جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، کہتا ہے کہ آنکھوں سے نہیں دیکھا صرف کلام سنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس جہاں میں اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھا ہے تو صرف آنحضرت ﷺ نے دیکھا ہے اور کسی نے نہیں دیکھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے طور پر صرف اپنے لیے سوال کیا تھا ﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ "اے پروردگار! مجھے دکھا تاکہ میں دیکھوں تیری طرف ﴿قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا مجھے ﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ﴾ اور لیکن دیکھو (زبیر) پہاڑ کی طرف ﴿فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ﴾ پس اگر ٹھہرا رہا وہ اپنی جگہ پر ﴿فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ﴾ تو پھر تو مجھے دیکھ سکے گا ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ پس جس وقت تجلی دکھائی اس کے پروردگار نے پہاڑ پر ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ ﴿وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ [سورۃ الاعراف] اور گر پڑے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر۔"

حدیث پاک میں آتا ہے کہ یہ چھوٹی انگلی ہے جس کو چیچی کہتے ہیں، اس کے پوٹے کے برابر اللہ تعالیٰ نے نور ڈالا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے ﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ﴾ "پس جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ﴾ [سورۃ الاعراف] کہا پاک ہے تیری ذات میں توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے، میں نے بے جا سوال کیا ہے، مجھے معاف کر دے۔" اس جہان میں تو موسیٰ علیہ السلام کو دیدار نہ ہوا تم کس باغ کی مولی ہو؟ کہ کہتے ہو ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے نظر آئے۔

ہاں! اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے۔ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، حدیث سے بھی ثابت ہے اور اجماعِ اُمت سے بھی ثابت ہے کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور مومنوں کے لیے اس سے بڑی خوشی کی اور کوئی چیز نہ ہوگی۔ پھر کسی کو دن میں دو دفعہ، کسی کو دن میں ایک دفعہ دیدار نصیب ہوگا اور کسی کو ہفتے کے بعد۔ جس قدر ایمان، اعمال اور اخلاق ہیں ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

جب اُنھوں نے کہا کہ آواز تو آ رہی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ جن کی ہے، فرشتے کی ہے یا رب تعالیٰ کی؟ لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے آنکھوں سے دکھا تو اس گستاخی پر ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ﴾ پس پکڑا ان کو بجلی نے ان کے ظلم کی وجہ سے۔ ان پر بجلی پڑی۔ پہلے پارے میں بھی ہے اور نویں پارے میں بھی ہے کہ ستر کے ستر سارے ہی مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! ان کو تو میں اپنی تائید کے لیے لایا تھا، جب میں واپس جاؤں گا اور ان میں سے کوئی بھی میرے ساتھ نہیں ہوگا تو قوم کو کیا جواب دوں گا؟ ﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ [پارہ:۹، سورۃ الاعراف] "کیا تو ہلاک کر دے گا ہمیں اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے؟ ان کو معاف کر دے اے پروردگار! ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ﴾ ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔" پہلے پارے میں ہے ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ "پھر ہم نے تم کو زندہ کیا تمھارے مرنے

کے بعد۔"

توجب ان پر اکٹھی کتاب نازل ہوئی تھی اس کو انھوں نے تسلیم کرلیا تھا؟ کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کتاب اُتاریں ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ پھر اُنھوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود۔ موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لیے کوہِ طور پر تشریف لے گئے، تیس راتوں کا وعدہ تھا، روزانہ ایک ایک تختی ملتی، پھر اللہ تعالیٰ نے دس راتیں مزید بڑھا دیں ﴿فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً﴾ [سورۃ الاعراف، پارہ:۹] "پس پوری ہوگئی مدت اس کے پروردگار کی چالیس راتیں۔" ان چالیس دنوں میں موسیٰ علیہ السلام کی برادری کے ایک آدمی نے جس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا اور قبیلہ بنوسامرہ میں سے تھا، قوم کو گمراہ کردیا۔

ہوا اس طرح کہ بحر قلزم میں فرعونی لشکر کے غرق ہونے کے موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام جس گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے وہ گھوڑا جس جگہ پاؤں رکھ کر اُٹھاتا وہاں سبزہ اُگ جاتا۔ اس سامری نے وہاں سے تھوڑی سی مٹی اُٹھالی تھی اور اپنے پاس رکھ لی۔ جب بنی اسرائیل نے وہ سونا، چاندی جو قبطیوں سے مانگ کر لائے تھے پھینکا تو سامری نے اس سونے، چاندی کا بچھڑا بنایا اور اس کے منہ میں وہ مٹی ڈالی تو بچھڑا ٹاں ٹاں کرنے لگ گیا۔ جس طرح بچھڑے کرتے ہیں۔ سامری نے کہا کہ یہ جو بچھڑے کے اندر بول رہا ہے، یہ رب ہے، اس کی پوجا کرو۔ یہودیوں کے بڑوں نے اس کی پوجا شروع کردی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے تو پہلے تو ہارون علیہ السلام کی خبر لی، ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچا کہ یہ قوم کیا کر رہی ہے؟ تم کہاں تھے؟ روکا کیوں نہیں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میری ماں جائے! میرا کوئی قصور نہیں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا مزاج جلالی تھا اور ہارون علیہ السلام کا مزاج جمالی تھا۔ مزاج اپنا اپنا ہوتا ہے۔ جیسے: حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کا مزاج اور تھا ہابیل کا مزاج اور تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کا مزاج اور تھا اور باقی تین بیٹوں کا مزاج اور تھا۔ باپ ایک ہی ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو یہاں تک روکا اور سمجھایا کہ ﴿كَادُوا يَقْتُلُونَنِي﴾ [سورۃ الاعراف، پارہ:۹] "قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کرڈالتے۔"

تو ان کے بڑوں نے بچھڑے کو اللہ بنالیا ﴿مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ بعد اس کے کہ پہنچ چکیں ان کے پاس واضح دلیلیں۔ بہت سارے معجزات دیکھ چکے تھے۔ دریا کا پھٹنا دیکھا، من اور سلویٰ کا اُترنا وغیرہ دیکھا ﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذَٰلِكَ﴾ پس ہم نے اس سے بھی درگزر کیا ﴿وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُبِينًا﴾ اور دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ۔ یہودیوں کی اور شرارت کہ یہودی جس وقت وادیٔ تیہ میں پہنچے جس کو آج کل کے جغرافیے میں وادیٔ سینائی کہتے ہیں۔ یہ چھتیس میل لمبا اور چوبیس میل چوڑا بڑا میدان ہے اور سطح سمندر سے تقریباً چار ہزار فٹ بلند ہے۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں پوری وادی پر یہودیوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ رونے دھونے سے مصر کو واپس مل گیا تھا مگر وہ حصہ جو فوجی اہمیت کا حامل ہے ابھی تک نہیں ملا، یہودیوں کے پاس ہے۔ تو بنی اسرائیل جب وادی سینائی میں پہنچے تو کہنے لگے کہ ہمارے لیے کوئی قانون اور ضابطۂ حیات ہونا چاہیے۔ کیونکہ کوئی قوم بغیر قانون کے زندگی بسر نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ پر تورات عطا فرمائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پڑھ کر سنائی، تو

کہنے لگے: اس پر تو ہم عمل نہیں کر سکتے اس کے احکام تو بہت مشکل ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ﴾ اور ہم نے بلند کیا ان پر طور کو۔ اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور کو ان کے سروں پر لٹکا دیا جس طرح یہ چھت ہمارے سروں پر ہے ﴿بِمِيْثَاقِهِمْ﴾ ان کے وعدے کی وجہ سے۔ دین میں جبر نہیں ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ [البقرہ:۲۵۶] "دین میں جبر نہیں ہے۔" ان کی سروں پر کوہِ طور لٹکا کر تسلیم کرنے پر اس لیے مجبور کیا گیا کہ اُنھوں نے عہد شکنی کی تھی۔ پہلے خود مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے لیے کوئی قانون لائیں جس پر ہم عمل کریں، جب کتاب آ گئی تو کہنے لگے: اس کے احکام بڑے مشکل ہیں، ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے۔ تو اس عہد شکنی کی وجہ سے طور پہاڑ ان کے سروں پر لٹکایا گیا ورنہ ابتداءً تم کسی کافر کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ تبلیغ کر سکتے ہو، ترغیب دے سکتے ہو، تلوار کے زور پر اس کو مسلمان نہیں بنا سکتے۔ لیکن اگر کوئی شخص مسلمان ہو جانے کے بعد العیاذ باللہ! مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے۔ کیونکہ اس نے رب تعالیٰ کے ساتھ عہد کر کے توڑ دیا ہے۔ لہٰذا یہ سزا عہد شکنی کی وجہ سے ہے، جبر نہیں ہے۔

ان کی بدعہدی کا ایک اور واقعہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبی بنایا اور وادیٔ تیہ میں پابندی کے چالیس سال بھی مکمل ہو گئے۔ نئی پود جوان ہو چکی تھی۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تم اس شہر بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ، سجدہ کرتے ہوئے۔ پہلے زمانے میں شہروں کے دروازے ہوتے تھے، جس طرح ہمارے گوجرانوالا میں سیالکوٹی دروازہ ہے، ایمن آبادی دروازہ ہے، لاہوری دروازہ ہے، وغیرہ۔ اسی طرح لاہور میں دہلی دروازہ تھا، ملتانی دروازہ تھا۔ حکم ہوا کہ تم اس دروازہ سے شہر میں داخل ہو جاؤ سجدہ کرتے ہوئے اور زبان سے کہو ﴿حِطَّةٌ﴾ اے اللہ! ہمارے گناہ معاف فرما دے۔ مگر یہودیوں نے دونوں حکموں کی نافرمانی کی۔ سجدہ کی بجائے چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے بچوں کی طرح داخل ہوئے اور ﴿حِطَّةٌ﴾ کی بجائے حِنْطَةٌ یعنی ہمیں گندم چاہیے کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ یعنی فعل کی بھی اور قول کی بھی نافرمانی کی۔ یہ ان کی نسل میں سے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے سوالوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

فرمایا ﴿وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ اور ہم نے کہا ان سے داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ﴾ اور ہم نے کہا ان سے تجاوز نہ کرنا ہفتے والے دن۔ ان کے لیے ہفتے کا دن عبادت کے لیے مقرر تھا۔ کوئی اور کام جائز نہیں تھا، چوبیس گھنٹے عبادت ہی میں گزارنے ہوتے تھے۔ ان کی تاریخ رات کے بارہ بج کر ایک منٹ پر بدلتی ہے۔ مثلاً: آج جمعہ کا دن ہے، سورج غروب ہونے کے بعد رات کو بارہ بج کر ایک منٹ پر تاریخ بدل جائے گی اور اگلی رات بارہ بجے تک یہی تاریخ رہے گی اور اسلامی تاریخ سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی بدل جاتی ہے۔

یہود کی عہد شکنی اور قتلِ انبیاء علیہم السلام ؟

تو ان کے لیے حکم تھا کہ ہفتے والے دن تم نے عبادت کرنی ہے۔ باقی کاموں سے عموماً اور مچھلیوں کے شکار کو خصوصی طور پر

منع کیا گیا۔ نویں پارے میں اس کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے یہ حکم توڑ دیا، سوائے چند لوگوں کے۔ تو یہ ان لوگوں کی نسل سے ہیں، حالانکہ ﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ اور لیا ہم نے ان سے بڑا مضبوط وعدہ۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے نافرمانی کی۔ یہ وعدہ شکن لوگ ہیں۔ ان کو اپنے بڑوں کے حالات کا علم نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کتاب اکٹھی لاکر دے۔ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ بوجہ ان کے توڑنے کے اپنے پختہ عہد کو ﴿وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور بوجہ ان کے کفر کرنے کے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ﴿وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ اور بوجہ ان کے قتل کرنے کے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا، حضرت زکریا علیہ السلام کو انھوں نے قتل کیا۔ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ ایک علاقے میں تینتالیس [۴۳] قومیں رہتی تھیں، ان کی طرف تینتالیس [۴۳] پیغمبروں کو مبعوث کیا گیا۔ انھوں نے ان سب کو ایک دن میں شہید کر دیا اور ایک سوستر [۱۷۰] ان کے حواریوں اور صحابیوں کو شہید کر دیا جو پیغمبروں کی حمایت کے لیے آئے تھے۔ اس کا ذکر تیسرے پارے میں ہے۔

﴿وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ غلف اغلف کی جمع ہے، اغلف، غلاف کو کہتے ہیں۔ جس طرح لوگ قرآن پر غلاف چڑھاتے ہیں، مٹی دھول (گرد وغبار) سے بچاؤ کے لیے۔ تو وہ کہتے تھے کہ ہمارے دل تو غلافوں میں ہیں تمھاری باتوں کو ہم ان تک پہنچنے ہی نہیں دیتے۔ فرمایا غلاف میں نہیں ہیں ﴿طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ پس نہیں ایمان لاتے مگر بہت تھوڑے۔ ﴿وَّبِكُفْرِهِمْ﴾ اور ان کے کفر کی وجہ سے ﴿وَقَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ﴿عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ حضرت مریم علیہا السلام پر انھوں نے بہت بڑا بہتان باندھا۔

یہودیوں کو جب کہا جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی تسلیم کرو تو کہتے کہ ہم تو اس کو حلال زادہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، نبی کس طرح تسلیم کریں؟ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگاتے تھے کہ وہ بدکارہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرنے والے یہ لوگ ہیں۔ لہٰذا ان کی باتوں سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمھیں کہتے ہیں کہ کتاب اکٹھی لاکر دو، جب اکٹھی لاکر دی گئی تھی۔ اس وقت ان کے بڑوں نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟ آگے مزید ان کی کارروائیوں کا ذکر آئے گا۔

﴿وَّبِكُفْرِهِمْ﴾ اور (ہم نے ان پر لعنت کی) ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ﴿وَقَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ﴿عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ کہ انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھا ﴿وَقَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے (ان پر لعنت کی) ﴿اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ بے شک ہم نے قتل کیا مسیح علیہ السلام کو جو عیسیٰ بن مریم تھے ﴿رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ﴾ اور انھوں

نے نہیں قتل کیا اس کو ﴿وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ اور نہ اُنھوں نے اس کو سولی پر چڑھایا ہے ﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ اور لیکن یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا ہے ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ﴾ اور بے شک وہ لوگ ﴿اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ جنھوں نے اختلاف کیا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾ البتہ وہ شک میں ہیں ان کے متعلق ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ﴾ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کوئی علم ﴿اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ سوائے گمان کی پیروی کے ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ اور نہیں قتل کیا اُنھوں نے مسیح علیہ السلام کو یقیناً ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُٹھالیا اس کو اپنی طرف ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَزِيْزًا﴾ غالب ﴿حَكِيْمًا﴾ حکمت والا ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اور نہیں ہے اہل کتاب میں سے کوئی بھی ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ﴾ البتہ ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ علیہ السلام پر ﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ ان کی وفات سے پہلے ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور قیامت والے دن ﴿يَكُوْنُ﴾ ہوں گے ﴿عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ۔

بہتانِ عظیم

یہودیوں کی شرارتوں اور کج رویوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ دنیا کی ذہین اور ضدی قوموں میں ایک قوم یہودی ہے۔ یعنی ذہین بھی بڑے ہیں اور ضدی بھی بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ اور ہم نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کی وجہ سے اور اس قول کی وجہ سے کہ اُنھوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ اگلی سورت میں الفاظ آ رہے ہیں کہ یہودیوں پر عہد شکنی اور دیگر کاروائیوں کی بناء پر ہم نے لعنت کی۔ ان آیات کا تعلق بھی اسی مضمون کے ساتھ ہے، ان وجوہ سے ان پر لعنت کی گئی۔

حضرت مریم علیہا السلام کے والد بھی فوت ہو چکے تھے اور والدہ بھی فوت ہو چکی تھی اور ان کا ایک بھائی جس کا نام ہارون تھا، وہ بھی فوت ہو چکا تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی تربیت اور پرورش حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حنہ بنت فاقوذہ نے کی، جو حضرت مریم علیہا السلام کی حقیقی خالہ تھیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے بڑی عجیب زندگی گزاری ہے۔ جب جوان ہوئیں، غسل کرنا تھا، سادہ مکان تھا، اس کی مشرق کی جانب دو دیواروں کے ساتھ کپڑا لٹکا کر پردہ بنایا اور غسل کیا۔ کپڑے پہنے تو اچانک دیکھا کہ ایک صحت مند نوجوان ان کے پاس کھڑا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام گھبرا گئیں۔ اُنھوں نے سمجھا کہ اس کی نیت اچھی نہیں ہے، میں جوان عورت ہوں اور ہوں بھی تنہائی میں، اس وقت اس کا آنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے نام پر مستقل ایک سورت ہے، اس میں اس کا ذکر ہے۔

انھوں نے فریاد کی ﴿اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ "میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں اگر تم پرہیز گار متقی ہو۔" تو جہاں سے آئے ہو وہیں چلے جاؤ ﴿قَالَ﴾ "اس نے کہا بی بی! مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ

رَبِّكِ﴾ میں تو تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں جبرئیل ﴿لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ اور اس لیے آیا ہوں تاکہ میں دوں تجھے ایک لڑکا پاکیزہ۔" جب لڑکے کی خوش خبری سنی تو ﴿قَالَتْ﴾ " کہنے لگی ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا ﴿وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ اور نہیں چھوا مجھے کسی انسان نے اور نہیں ہوں میں بدکار۔" ناجائز طریقے سے کوئی مرد میرے پاس آیا ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔ کیونکہ عادتاً بچے دو طریقے سے ہی حاصل ہوتے ہیں، حلال طریقے سے یا حرام کے طور پر۔ اور یہ دونوں باتیں میرے اندر نہیں ہیں۔

﴿قَالَ﴾ "فرشتے نے کہا ﴿كَذٰلِكِ﴾ اسی طرح ہوگا ﴿قَالَ رَبُّكِ﴾ فرمایا ہے تیرے رب نے ﴿هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ یہ مجھ پر آسان ہے۔" اور دوسری جگہ ہے ﴿كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ [آل عمران:۴۷] "اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔" ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی ہی ہے جیسے مثال ہے آدم علیہ السلام کی ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا مٹی سے ﴿ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [آل عمران:۵۹] "پھر کہا اس کو ہو جا، پس وہ ہو گئے۔" حضرت آدم علیہ السلام کا نہ باپ، نہ ماں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تو ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری، اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بن گیا اور جب لڑکے کی پیدائش کا وقت ہوا تو پریشان ہوئیں کہ میں لوگوں کو کس طرح مطمئن کروں گی کہ یہ لڑکا کس طرح ہو گیا؟ وہ کس طرح تسلیم کریں گے؟ عمران بن ماثان جو مسجد اقصیٰ کے خطیب تھے اور اس وقت کے ولی کامل تھے میں ان کی بیٹی ہوں، زکریا علیہ السلام کے گھر میری تربیت ہوئی ہے، سارا خاندان ہی نیک ہے، میں یہ کہوں کہ لڑکا اس طرح پیدا ہوا ہے تو لوگ مطمئن ہو جائیں گے؟ کس طرح مطمئن کروں گی؟

جب دردِ زہ شروع ہوا وہاں سے دور ایک ٹیلا تھا، وہاں کھجور کے کچھ درخت تھے، کھجور کا ایک درخت بالکل خشک تھا اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور کہا ﴿يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ [سورۂ مریم:۲۳] "کاش کہ میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بھولی بسری ہوتی۔" اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آ گیا اور کہا ﴿اَلَّا تَحْزَنِيْ﴾ "بی بی پریشان نہ ہو اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرمائے گا۔" جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو چکی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ﴿وَ هُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ [مریم:۲۵] "اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ ﴿تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ تم پر تازہ بہ تازہ کھجوریں گریں گی۔"

حرکت میں برکت ہے

دیکھو! کتنی بڑی عجیب بات ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد تو عورت ہلنے جلنے کے قابل نہیں ہوتی جو ٹہنی تک نہیں ہلا سکتی اس کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کھجور کا تنا ہلاؤ۔ تنا پہلوان بھی نہیں ہلا سکتا مگر اس میں ہمارے لیے سبق ہے کہ حرکت میں برکت ہے ﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ﴾ "پھر وہ اس بچے کو اُٹھا کر قوم کے پاس لے آئیں ﴿قَالُوْا﴾ جس جس نے دیکھا کہا ﴿يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا﴾ اے مریم! البتہ تحقیق لائی ہے تو اوپری چیز ﴿يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾

ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا، نہ تیری ماں بدکار، یہ بچہ کہاں سے آ گیا؟ ﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ﴾ پس حضرت مریم علیہا السلام نے اشارہ کیا بچے کی طرف کہ اس سے پوچھو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ ہم اس بچے سے کیسے بات کریں جو گود میں ہے۔" جس کو تو نے گود میں اٹھایا ہوا ہے۔ مخلوق اکٹھی تھی، مرد کیا عورتیں کیا بوڑھے اور کیا بچے، عجیب سماں تھا اور یہ گنہگار ہو رہی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تقریر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا پہلا دن تھا، بعض نے دوسرا دن لکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریر شروع کر دی ﴿قَالَ﴾ "فرمایا ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللهِ﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ یہ پہلی کاری ضرب ہے عیسائیوں پر جو ان کو رب مانتے ہیں۔ فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، رب نہیں ہوں ﴿اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ﴾ رب تعالیٰ نے مجھے کتاب دینے کا وعدہ کیا ہے ﴿وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾ اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے ﴿وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ اور مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی میں ہوں ﴿وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ [سورۂ مریم، پارہ:۱۶] اور اس نے مجھے تاکید فرمائی ہے نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک کہ میں زندہ رہوں۔" لمبی چوڑی تقریر فرمائی اور ایک دن کے بچے نے ایسی تقریر کی کہ کوئی شخص بوڑھاپے میں بھی ایسی تقریر نہیں کر سکتا لیکن یہودیوں نے تسلیم نہ کیا اور کہا کہ یہ بچہ حلال نہیں ہو سکتا۔ اتنے ضدی تھے کہ ساری نشانیاں دیکھنے کے باوجود خبیث باز نہ آئے۔ نبوت تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی مل گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اس وقت بنی اسرائیل نے اپنا دین مسخ کر لیا تھا۔

جس طرح آج کل اہل بدعت نے دین کا نقشہ اور حلیہ بگاڑ دیا ہے اور کہتے اپنے آپ کو حنفی ہیں۔ حالانکہ اماموں میں سے شرک اور بدعت کی تردید جتنی امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اتنی کسی اور نے نہیں کی اور فقہ حنفی میں جتنی شرک اور بدعت کی تردید ہے اتنی اور کسی فقہ میں نہیں ہے۔ مگر وہ بھی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اور ہمیں وہابی کہتے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ ان کے سامنے اگر کوئی حق بیان کرے تو اس کو بھڑوں کی طرح چمٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دین بگاڑنے والا ہے۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی اصلاح کرنی شروع فرمائی کہ لوگو! تم نے جو دین کا نقشہ بنایا ہوا ہے، یہ خدائی دین نہیں ہے یہ تمھارا خانہ ساز ہے۔ یہ بدعات ہیں، رسم و رواج ہیں تو ان کے مولوی اور عوام سارے ہی ان کے مخالف ہو گئے اور ان کے مولوی اور پیر مخالفت میں پیش پیش تھے۔

یہودیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مطالبہ کرنا

ملک شام میں رومیوں کی حکومت تھی۔ ایک صوبہ یہودیوں کا تھا، اس کا گورنر تھا ہیروڈ جو مرکز کی طرف سے مقرر تھا،

یہودیوں کا ایک وفد گورنر کے پاس گیا اور کہا کہ یہ شخص یعنی عیسیٰ علیہ السلام ہمارے دین میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے آیا ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کو سولی پر لٹکایا جائے اگر حکومت ہمارا مطالبہ پورا نہیں کرے گی تو ہم خود قدم اُٹھائیں گے۔ گورنر خاصا پریشان ہوا اور مرکز کو خط لکھا کہ میرے صوبے میں اس طرح کا ایک شخص ہے وہ اپنے آپ کو نبی بتاتا ہے، وعظ اور تقریریں کرتا ہے مگر سارا صوبہ اس کے خلاف ہے سوائے چند آدمیوں کے اور لوگ مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں اس کو سولی پر لٹکانے کا، میرے متعلق جو ہدایات ہیں بتائی جائیں تاکہ میں ان پر عمل کروں۔

حکومت نے کہا ایسا نہ کرنا، ایسا ہوتا رہتا ہے لوگ درخواستیں دیتے رہتے ہیں کسی کو قتل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد یہودی عوام مولویوں اور پیروں نے جلوس نکالنے شروع کر دیے اور گورنر ہاؤس کا گھیراؤ شروع کر دیا، نعرے بازی ہو رہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ہمارے سامنے سولی پر لٹکاؤ۔ گورنر نے پریشان ہو کر دوبارہ مرکز کو خط لکھا کہ لوگوں نے میری نیند حرام کر دی ہے، نہ دن کو آرام ہے، نہ رات کو، یا تو مجھے اس کی قتل کی اجازت دو یا میرا استعفیٰ قبول کرو۔

مرکز نے جواب دیا کہ اگر ایک آدمی کے قتل کرنے سے صوبے میں امن قائم ہوتا ہے تو اس کو سولی پر لٹکا دو۔ گورنر ہیرودڈ کو اجازت مل گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی۔ گورنر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے آرڈر جاری کر دیے اور پولیس گرفتار کرنے کے لیے روانہ ہوگئی۔ غیر ملکی پولیس تھی رومیوں کی، جس طرح ہم پر ایک وقت انگریز مسلط تھا، گورے سپاہی ہوتے تھے، ہم جو رعیت تھے ہماری زبان، شکلیں اور بود و باش اور تھی، گوروں کی اور تھی۔ اسی طرح وہاں بھی بادشاہ کی طرف سے پولیس متعین تھی ان کی بولی رومی تھی اور یہودیوں کی عبرانی زبان تھی۔

پولیس نے ایک آدھ مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ پولیس نے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے شمعون قرینی کو گرفتار کر لیا۔ یہ ایک منافق آدمی تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتا تو ان کا بن جاتا اور یہودیوں کے پاس جاتا تو ان کا بن جاتا اور اس کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملتی جلتی تھی، اس مغالطے میں اُنھوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔ اس نے کافی شور مچایا، چیخا چلایا کہ میں شمعون قرینی ہوں، عیسیٰ نہیں ہوں مگر اُنھوں نے اس کی ایک نہ سنی اور کہا کہ لوگ ایسے موقع پر ایسا کرتے ہیں اور لے جا کر اس کو سولی پر چڑھا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر زندہ اُٹھا لیا اور یہ بات دو تاریخی کتابوں میں موجود ہے اور وہ دونوں کتابیں انگریزوں کی مرتب کردہ ہیں۔ ایک کا نام "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" (Encyclopedia Britannica) اور دوسری کا نام ہے "انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس" (Ethics Religion and of Encyclopedia) ان دونوں کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ جس شخص کو سولی پر لٹکایا گیا تھا وہ شمعون قرینی تھا۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیا اور وہ

دوسرے آسمان پر موجود ہیں اور قیامت کے قریب اس وقت نازل ہوں گے جب امام مہدی علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھانے کی تیاری میں ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق شہر میں جامع مسجد اُموی کے شرقی منارہ پر اُتریں گے۔ وہ منارہ آج بھی منارۃ المسیح کے نام سے مشہور ہے۔ وہ سفید رنگ کا منارہ ہے اور صبح کے وقت نازل ہوں گے۔

جن روایتوں میں عصر کے وقت کا ذکر ہے وہ کمزور ہیں۔ صحیح روایتوں میں ہے کہ صبح کے وقت نازل ہوں گے۔ پہلی نماز امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھیں گے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمائیں گے کہ مجھے جس مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے اب ہم اس کو پورا کریں گے۔ چنانچہ دجال لعین کو لُد کے مقام پر قتل کریں گے۔ تل ابیب سے جو اسرائیل کا دارالخلافہ ہے چھتیس میل دور ایک چھوٹی سی بستی ہے، اس کا نام لُد ہے۔

دجال لعین چالیس دنوں میں زمین پھر چکا ہوگا۔ پہلا دن ایک سال کا ہوگا، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ہفتے کے برابر لمبا ہوگا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور بیت المقدس کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی جہاں وہ نہ پھرا ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان پر لعنت بھیجی ان کے کفر کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ اُنھوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھا ﴿وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی کہ بے شک ہم نے قتل کیا مسیح کو جو عیسیٰ بن مریم تھے ﴿رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ﴾ حالانکہ اُنھوں نے نہیں قتل کیا اس کو ﴿وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ اور نہ انھوں نے اس کو سولی پر چڑھایا ﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ اور لیکن معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا ہے کہ ان کا ہم شکل آدمی شمعون قرینی قابو آ گیا اور اس کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ اور بے شک وہ لوگ جنھوں نے اختلاف کیا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾ البتہ وہ شک میں ہیں ان کے متعلق ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ﴾ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کوئی علم ﴿اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ سوائے گمان کی پیروی کے ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ اور نہیں قتل کیا اُنھوں نے مسیح کو یقیناً ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اُٹھا لیا اپنی طرف۔

غور کرو اب اتنی تاکید کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں تو اس کے مردود ہونے میں کیا شک ہے؟ یہ قرآن پاک تمھارے سامنے ہے، دیکھ رہے ہو، اس کے بعد کسی چیز کی گنجائش ہے؟ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا۔ اس کے اُٹھانے میں کوئی اشکال نہیں ہے ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اور نہیں ہے اہل کتاب میں سے کوئی بھی ﴿اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ﴾ مگر ایمان لائے گا عیسیٰ علیہ السلام پر ﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ ان کی وفات سے پہلے۔ جب آسمان سے نازل ہوں گے اور جہاد کریں گے، جو لڑائی سے بچ جائیں گے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس حیثیت سے تشریف لائیں گے؟ حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ

آپ علیہ السلام اُمتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ اور قیامت والے دن ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں پر گواہ۔ حیاتِ مسیح پر میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "توضیح المرام" توفیق ہو تو اس کو ضرور دیکھو۔ اس میں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمانوں پر اُٹھائے جانے اور قربِ قیامت نازل ہونے اور نزول کے بعد دجال کو قتل کرنے اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والتسلیم کے مطابق حکومت کرنے اور زمین کو عدل وانصاف سے چلانے کا ثبوت قرآن پاک، صحیح احادیث، فقہاء اور متکلمین کے اقوال سے اور بزرگانِ دین کے اقوال سے دیا ہے اور مرزائیوں کی تردید ان کی کتابوں سے کی ہے۔

لیکن گکھڑ کے لوگوں کو کتاب پڑھنے کا شوق بالکل نہیں ہے اور کتاب لینے کے حق میں بڑے بخیل ہیں۔ کتاب پر پیسے خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بس یہ سمجھتے ہیں کہ درس سن لیا، بس یہی کافی ہے۔ حالانکہ جتنا اطمینان کتاب سے حاصل ہوسکتا ہے وہ درس سے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس پر کافی محنت صرف کی ہوتی ہے اور پورے زور کے ساتھ دلائل جمع کیے ہوتے ہیں اور مالها وما علیہا پر تفصیلی بحث ہوتی ہے۔

﴿فَبِظُلْمٍ﴾ پس بہ سبب ظلم کرنے کے ﴿مِّنَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف سے ﴿هَادُوْا﴾ جو یہودی تھے ﴿حَرَّمْنَا﴾ حرام کردیں ہم نے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿طَيِّبٰتٍ﴾ پاکیزہ چیزیں ﴿اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے ﴿وَبِصَدِّهِمْ﴾ اور بہ وجہ ان کے روکنے کے ﴿عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿كَثِيْرًا﴾ بہت زیادہ ﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا﴾ اور بہ سبب ان کے سود لینے کے ﴿وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ﴾ حالانکہ تحقیق ان کو منع کیا گیا تھا سود خوری سے ﴿وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ﴾ اور بہ وجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مالوں کو ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ باطل طریقے سے ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے ان میں سے ﴿عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ عذاب دردناک ﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ﴾ لیکن جو پختہ ہیں ﴿فِي الْعِلْمِ﴾ علم میں ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ جو ایمان لانے والے ہیں ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان لاتے ہیں ﴿بِمَآ﴾ اس چیز پر ﴿اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف سے ﴿وَمَآ﴾ اور اس چیز پر ﴿اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ جو نازل کی گئی آپ سے پہلے ﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ﴾ اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کو ﴿وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے ہیں زکوٰۃ ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اور ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿سَنُؤْتِيْهِمْ﴾ عنقریب ہم ان کو دیں گے ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اجر بہت بڑا۔

کل کے درس میں تم نے تفصیلاً سنا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے متعلق نامناسب باتیں کیں جو کسی شریف آدمی کے متعلق بھی نہیں کہی جاسکتیں چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے شان والے پیغمبر اور اس کی پاک دامن ماں کے بارے میں کہی جائیں۔ مگر دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہے کسی کی زبان تو نہیں پکڑی جاسکتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی، کم وبیش ایک مہینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان رہے اور منافقوں نے اس قدر زور سے پروپیگنڈا کیا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ جیسے: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور شاعر ہیں، کہنے لگے نو عمر عورت ہے ایسی بات ہوگئی ہو تو تعجب نہیں ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں، مہاجرین میں سے ہیں اور بدری صحابی ہیں مگر غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سالی بھی لگتی تھیں، وہ بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صفائی میں سورۂ نور کے اندر دو رکوع نازل فرمائے اور فرمایا ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ "پروردگار! تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔"

تو دنیا میں باتیں کرنے سے تو کوئی بھی باز نہیں آتا۔ اب ظاہر بات ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو اتہام لگایا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا گزری ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مہینہ تک کیا کیفیت تھی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر بھی تہمت لگائی گئی، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق شہید کیا گیا، لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا مقابلہ کرتے رہے اور پیغمبروں پر کیا کیا ظلم کرتے رہے، اس کا ذکر ہے۔

لفظ یہودی کی وجہ تسمیہ

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ بہ سبب ان لوگوں کے ظلم کرنے کے جو یہودی تھے۔ یہودیوں کو یہودی اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کا نام یہودا تھا۔ وہ مومن تھا، صحابی تھا، ولی کامل تھا۔ پھر پیغمبر کا بیٹا تھا اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو یہودی کہتے ہیں یا اس وجہ سے یہودی کہا جاتا ہے کہ ان کے بڑوں نے غلطی کی تھی پھر توبہ کی اور کہا ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ﴾ "اے پروردگار! ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے ہمیں معاف کر دے۔" تو اس ﴿هُدْنَآ﴾ کے لفظ کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے کہ یہ حق کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ ان میں نیک بھی تھے مگر اکثریت بروں کی تھی۔

پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کا مطلب

تو فرمایا بہ سبب ان لوگوں کے ظلم کے جو یہودی تھے ﴿حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ﴾ حرام کر دیں ہم نے ان پر ﴿طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے۔ ان کے ظلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام فرما دیں۔ اس کا ذکر دوسرے مقام پر ہے ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا﴾ "اور ان لوگوں پر جو یہودی تھے ہم نے حرام کر دیا ﴿كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ سب

ناخن والے جانور جن کے پاؤں پھٹے ہوئے نہیں ہوتے۔ جیسے: اُونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ کہ ان کے پاؤں جڑے ہوئے ہوتے ہیں ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ﴾ اور گائیوں میں سے اور بھینس بھی اس میں داخل ہے اور بکریوں میں سے اور بھیڑیں بھی اس میں شامل ہیں ﴿حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ﴾ ان کی چربی ہم نے ان پر حرام کردی۔" گائے، بیل کا گوشت تو کھا سکتے تھے مگر ان کی چربی نہیں کھا سکتے، بکری بکرا چھترے کا گوشت تو کھا سکتے ہو مگر چربی نہیں کھا سکتے ﴿اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ﴾ "سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی ہو ﴿اَوِ الْحَوَايَآ﴾ یا انتڑیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو ﴿اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ یا وہ جو ہڈی کے ساتھ لگی ہوئی ہو وہ کھا سکتے ہیں، باقی نہیں۔" مثلاً: چکی ہے یا گردوں کے ساتھ جو لگی ہوئی ہے نہیں کھا سکتے تھے، یہ چیزیں کیوں حرام فرمائیں؟ ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾ [الانعام: ۱۴۶، پارہ: ۸] "یہ ہم نے ان کو سزا دی ان کی سرکشی کی وجہ سے۔"

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ عمومی حالات میں لوگ اکٹھے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہیں مگر جب حکومت کو خدشہ ہو کہ لوگ اکٹھے ہو کر حکومت کے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں یا بدامنی پھیلانا چاہتے ہیں تو حکومت دفعہ ایک سو چوالیس نافذ کر دیتی ہے کہ مثلاً: پانچ آدمی اکٹھے نہیں چل سکتے یا بیٹھ نہیں سکتے۔ لوگوں کی شرارت سے بچنے اور امن برقرار رکھنے کے لیے مذکورہ دفعہ لگائی جاتی ہے اور یہ پابندی عارضی طور پر ہوتی ہے۔ اسی طرح یہودیوں پر جو یہ چیزیں حرام کی گئی تھیں عارضی طور پر تھیں، ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام فرمائیں۔ ﴿وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا﴾ اور بہ وجہ ان کے روکنے کے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہت زیادہ۔ ہر آدمی اپنے عقائد پر خوش ہے، چاہے وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔

دورِ حاضر میں دین سے روکنے کے جدید طریقے

قرآن پاک میں آتا ہے ﴿كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ [الروم: ۳۲] "ہر گروہ ان چیزوں پر خوش ہے جو ان کے پاس ہیں۔" اور کوشش کرتا ہے کہ سارے لوگ میرے جیسے ہو جائیں اور میرے ساتھ مل جائیں۔ مثلاً: چور چاہتا ہے اور لوگ بھی چور بن جائیں اور میرے ساتھ مل جائیں، ڈاکو اپنا گینگ بنائیں گے تاکہ ان کی قوت بڑھ جائے۔ ہر قسم کے لوگ اپنے نظریات کو پھیلاتے ہیں، باطل نظریات سے صرف وہ بچ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بچائے اور وہ خود بچنے کی کوشش کرے۔ اس وقت مغربی قوتوں نے مسلمانوں کے عقائد و نظریات اور اعمال پر یلغار کی ہوئی ہے، ڈش کے ذریعے، ٹی وی کے ذریعہ، رسائل کے ذریعے، اسکولوں کے ذریعے، مشنریوں کے ذریعے، ایسا کہ ہر ہر لفظ میں ہر ہر بول میں مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ اُنھوں نے تو اپنا کام کرنا ہے ہمارے اندر بھی غیرت ہونی چاہیے کہ ہم دین کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں نہ کہ ان سے متأثر ہو کر دین کے کام چھوڑ بیٹھیں اور ان جیسی وضع قطع اپنا لیں۔

﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا﴾ اور بہ سبب ان کے سود لینے کے ﴿وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ﴾ حالانکہ ان کو بہ تحقیق منع کیا گیا تھا سود خوری سے اور سود صرف ان کے لیے حرام نہیں تھا بلکہ ہمارے لیے بھی حرام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبٰو

وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ)) "سود کھانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور کھلانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یعنی لینے والے پر، دینے والے پر اور سود لکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور سود کے گواہ بننے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔" (یہ بخاری شریف کی صحیح روایت ہے)۔ اور جس طرح سود حرام ہے اس طرح رشوت بھی حرام ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے رشوت لینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور رشوت دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور دلال پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یعنی جو اُن کو جوڑتا ہے ﴿وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ اور بہ وجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مالوں کو باطل طریقے سے، ڈاکے بھی ڈالتے تھے، فراڈ بھی کرتے تھے۔ عجیب عجیب طریقے تھے لوگوں کے مال کھانے کے۔ جس طرح آج کل بھی لوگ موجود ہیں، مردوں میں بھی ہیں، عورتوں میں بھی ہیں کہ مال آئے جس طرح بھی آئے اور اس چیز کی تمیز نہیں ہے کہ حلال ہے یا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تردید کرنے والے بھی موجود ہیں، مرد بھی، عورتیں بھی جو حرام خوری کی تردید کرتے ہیں۔

مومن کے بارے میں خیر کا گمان کرو

ہاں! حدیث پاک میں آتا ہے: ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا "مومنوں کے بارے میں خیر کا گمان کرو۔" اگر کسی شخص کے حالات تمھیں معلوم نہیں ہیں اور وہ تمھیں تحفہ یا ہدیہ دیتا ہے تو بدگمانی نہ کرو، بلکہ سمجھو کہ مومن ہے۔ اچھی چیزیں دے گا، حلال چیزیں دے گا کہ مومن ہے اور بندہ اس کا مکلف نہیں ہے کہ تحقیق شروع کردے کہ کہاں سے کما کر لائے ہو؟ یہ چیز تمھیں کہاں سے ملی ہے؟ اس کو کس طرح حاصل کیا ہے؟ ہاں! اگر تمھیں یقین ہو کہ واقعی اس کی کمائی حرام کی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس سے ہدیہ نہ لو اور اگر کسی وجہ سے لے لو تو خود استعمال نہ کرو بلکہ کسی غریب، مسکین، ضرورت مند کو دے دو۔

﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے کافروں کے لیے ﴿مِنْهُمْ﴾ ان یہودیوں میں سے ﴿عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ دردناک عذاب۔ ان گناہوں اور شرارتوں کی وجہ سے اور بداعمالیوں کا ان کو بدلہ ملے گا۔ بظاہر ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے یہودی ظالم اور بُرے تھے۔ کیونکہ الفاظ ہیں ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ بہ وجہ ان لوگوں کے ظلم کرنے کے جو یہودی ہیں، لیکن ایسی بات نہیں ہے۔

ایمان لانے والے یہود کی تعریف

فرمایا ﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ﴾ لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ جو ایمان لانے والے ہیں ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف۔ آپ ﷺ کی طرف قرآن نازل کیا گیا ہے، سنت نازل کی گئی ہے ﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نازل کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں بھی یہودیوں میں سے چند آدمی ایسے تھے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے

تھے۔ جیسے: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت اسید رضی اللہ عنہ، حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ اور عام یہودی جانتے ہوئے بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ غلط فہمی کا مسئلہ جدا ہے مگر یہودیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں تھی۔ قرآن میں ہے ﴿یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ﴾ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔" یعنی جس طرح اپنی اولاد کے پہچاننے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان علامتوں اور نشانیوں سے جو پہلی کتابوں میں مذکور تھیں جانتے اور پہچانتے تھے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ تفسیروں میں منقول ہے کہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں تو شبہ ہو سکتا ہے کہ ہماری بیویوں نے خیانت کی ہو اور ہمیں نہ بتایا ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں آنے سے پہلے یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور طفیل سے دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار! اس پیغمبر کے صدقے اور طفیل سے جس نے آنا ہے ہمیں دشمن کے مقابلہ میں فتح نصیب فرما۔ جیسا کہ تم پہلے پارے میں پڑھ چکے ہو ﴿وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾ "اور تھے وہ اس سے پہلے فتح کے لیے توسل حاصل کرتے ان لوگوں کے خلاف جو کافر ہیں ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا﴾ پس جب آئی ان کے پاس وہ ذات جس کو انھوں نے پہچان لیا ﴿كَفَرُوۡا بِهٖ﴾ اس کا انکار کر گئے۔" تو اس کا تو دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

اور ماننے والوں کی ظاہری علامت یہ ہے ﴿وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ﴾ اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کو ﴿وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے ہیں زکوٰۃ، مالی عبادتیں بھی کرتے ہیں اور بدنی عبادتیں بھی کرتے ہیں ﴿وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ﴾ اور صحیح معنیٰ میں رب تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ﴿وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ تو یہودیوں میں ایسے لوگ تھے اور ہیں جو پختہ علم والے ہیں، ایمان لاتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا﴾ وہ لوگ ہیں عنقریب ہم ان کو دیں گے بہت بڑا اجر۔ تو یہودی سارے برابر نہیں تھے اور اب بھی سارے برابر نہیں ہیں۔ اکثریت تو بُروں کی ہے اور کچھ حق ماننے والے بھی ہیں۔

﴿اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ﴾ بے شک ہم نے وحی بھیجی ﴿اِلَيۡكَ﴾ آپ کی طرف ﴿كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ﴾ جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے ﴿اِلٰى نُوۡحٍ﴾ نوح علیہ السلام کی طرف ﴿وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ﴾ اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے ﴿وَاَوۡحَيۡنَآ﴾ اور ہم نے وحی بھیجی ﴿اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام کی طرف ﴿وَاِسۡمٰعِيۡلَ﴾ اور اسماعیل علیہ السلام کی طرف ﴿وَاِسۡحٰقَ﴾ اور اسحاق علیہ السلام کی طرف ﴿وَيَعۡقُوۡبَ﴾ اور یعقوب علیہ السلام کی طرف ﴿وَالۡاَسۡبَاطِ﴾ اور ان کی اولاد در اولاد کی طرف ﴿وَعِيۡسٰى﴾ اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿وَاَيُّوۡبَ﴾ اور ایوب علیہ السلام کی طرف ﴿وَيُوۡنُسَ﴾ اور

یونس علیہ السلام کی طرف ﴿وَ هٰرُوْنَ﴾ اور ہارون علیہ السلام کی طرف ﴿وَ سُلَیْمٰنَ﴾ اور سلیمان علیہ السلام کی طرف ﴿وَ اٰتَیْنَا﴾ اور دی ہم نے ﴿دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ داؤد علیہ السلام کو زبور کتاب ﴿وَ رُسُلًا﴾ اور کئی رسول بھیجے ہم نے ﴿قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ﴾ تحقیق جن کے کچھ حالات ہم نے بیان کیے آپ پر ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَ رُسُلًا﴾ اور کئی رسول ہیں ﴿لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ﴾ جن کے حالات ہم نے نہیں بیان کیے آپ پر ﴿وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى﴾ اور کلام کیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ﴿تَكْلِیْمًا﴾ کلام کرنا ﴿رُسُلًا﴾ یہ پیغمبر تھے ﴿مُّبَشِّرِیْنَ﴾ خوش خبری سنانے والے ﴿وَ مُنْذِرِیْنَ﴾ اور ڈرانے والے اس لیے بھیجے ﴿لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ﴾ تا کہ نہ ہو لوگوں کے لیے ﴿عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿حُجَّةٌۢ﴾ کوئی بہانہ اور عذر ﴿بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ رسولوں کے آنے کے بعد ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَزِیْزًا﴾ غالب ﴿حَكِیْمًا﴾ حکمت والا ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے ﴿بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ﴾ اس چیز کی جو اس نے نازل کی آپ کی طرف ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ نازل کیا اس چیز کو اپنے علم کے ساتھ ﴿وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَشْهَدُوْنَ﴾ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے رکوع کی ابتدا میں یہودیوں کے سوال کا ذکر ہوا تھا کہ ﴿یَسْــَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ "اے نبی کریم! اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اگر تم پیغمبر ہو تو آسمان سے اکٹھی کتاب کیوں نہیں لاتے؟" یہ کیا ہوا کہ کبھی ایک آیت سنا دی، کبھی دو آیتیں سنا دیں، کبھی رکوع سنا دیا اور کہہ دیتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔ اکٹھی کتاب لاؤ ورنہ ہم تمھیں نبی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا، فرمایا ﴿اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ﴾ بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف ﴿كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے تو بتاؤ کہ نوح علیہ السلام پر کون سی اکٹھی کتاب نازل ہوئی تھی؟ حالانکہ اصولی طور پر تم ان کو نبی مانتے ہو اور ان کے بعد بے شمار پیغمبر تشریف لائے ہیں، ان پر کون سی کتابیں نازل ہوئی ہیں؟ یہ بتانا تمھارا فرض ہے۔ کیونکہ یہ معیار تمھارا ہے کہ اکٹھی کتاب نازل ہو تو پیغمبر مانیں گے ورنہ نہیں۔ جب کہ تم ان کو پیغمبر بھی مانتے ہو اور سب پر کتابیں بھی اکٹھی نازل نہیں ہوئیں۔

مزید تفصیل ﴿وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ﴾ اور وحی بھیجی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف اور اسماعیل علیہ السلام کی طرف اور اسحاق علیہ السلام کی طرف اور یعقوب علیہ السلام کی طرف۔ ان کی طرف کون سی اکٹھی کتابیں نازل ہوئیں، جب

کہ تم ان سب کو نبی مانتے ہو اور تھے بھی یقیناً نبی۔ ﴿وَالْاَسْبَاطِ﴾ اَسْبَاط جمع ہے سِبْط کی اور سِبْط کے معنیٰ ہیں اولاد۔ معنیٰ بنے گا ان کی اولاد در اولاد کی طرف وحی بھیجی۔ کیونکہ ان کی اولاد میں بہت پیغمبر آئے ہیں مگر سب کے پاس کتابیں نہیں تھیں۔

﴿وَعِيْسٰى﴾ اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا فرمائی ﴿وَاَيُّوْبَ﴾ اور ایوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی مگر ان کی طرف کوئی کتاب نازل نہ ہوئی ﴿وَيُوْنُسَ﴾ اور یونس علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، کتاب نہیں ملی ﴿وَهٰرُوْنَ﴾ اور ہارون علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، مگر کتاب نہیں ملی۔ وہ تورات کو ماننے اور منوانے کے پابند تھے ﴿وَسُلَيْمٰنَ﴾ اور سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی مگر ان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ ان سب کو تم پیغمبر مانتے ہو، اب تمھارا معیار کہاں گیا کہ اکٹھی کتاب نازل ہو تو پیغمبر مانیں گے اور اگر اکٹھی کتاب نازل نہ ہو تو پیغمبر نہیں مانیں گے۔ ان سب کو پیغمبر بھی مانتے ہو، سب پر کتابیں بھی نازل نہیں ہوئیں۔ ﴿وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ اور دی ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور کتاب۔ کسی کو کتاب ملی، کسی کو نہیں ملی، جن کو کتاب ملی وہ بھی نبی ہیں اور جن کو کتاب نہیں ملی وہ بھی نبی ہیں۔ کیونکہ چار آسمانی کتابیں مشہور ہیں۔ قرآن کریم، تورات، انجیل اور زبور۔ ان میں تو کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ ان کے علاوہ صحفِ موسیٰ اور صحفِ ابراہیم کا ذکر بھی قرآن میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ قطعی اور یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار چار کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ مگر محدثین کرام رحمہم اللہ اس کی سختی کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک راوی وہ ہے جو جھوٹوں کا پیر ہے۔

علم غیب خاصۂ خداوندی ہے

﴿وَرُسُلًا﴾ اور ان کے علاوہ کئی رسول تھے ﴿قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ﴾ تحقیق جن کے کچھ حالات ہم نے بیان کیے آپ پر اس سے پہلے ﴿وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾ اور کئی رسول ہیں جن کے حالات نہیں بیان کیے ہم نے آپ پر۔ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام غیوب عطا فرما دیے ہیں اور لوگوں کو یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ یہاں جو نفی ہے وہ ذاتی کی ہے۔ مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ﴿لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ ترجمہ کرتے ہیں کہ میں ذاتی طور پر نہیں جانتا اور کہتے ہیں کہ ہم عطائی علم غیب کے قائل ہیں اور چوں کہ خداوند کریم کی صفت عطائی نہیں ہے بلکہ ذاتی ہے، اس لیے عطائی طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے علم غیب کی صفت ثابت کرنا شرک نہیں ہے۔

یہ ان کا نظریہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو کوئی چیز بھی ذاتی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے۔ تو ذاتی، عطائی کی تفریق کہاں سے آ گئی؟ ذاتی علم تو ایک ذرے کا بھی کسی کو نہیں ہے جو ملا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے، عطا ہوا ہے اور جہاں نفی ہوگی عطائی ہی کی ہوگی۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے اور کتنے ہی رسول ہم نے بھیجے جن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیے ہیں اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تو نہیں بتائے، اس کے سوا کون بتائے گا اور عطا کس طرف سے آئے

گی؟ اور اس کے خلاف قرآن پاک میں کوئی آیت بھی نہیں ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کے حالات آپ ﷺ کو بتادیے ہیں۔

سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ "اور ہم نے نبی کریم ﷺ کو شعروشاعری کی تعلیم نہیں دی اور یہ ان کے لائق بھی نہیں ہے۔" جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی تعلیم ہی نہیں دی تو اور کہاں سے یہ تعلیم ہوتی یا ہو سکتی ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بالکل بے نقاب کر دیا کہ یہ شعر کی تعلیم آپ ﷺ کی بلند شان کے لائق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ شاعر لوگ کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں ﴿وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ [الشعراء:۲۲۶] "اور بے شک کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں۔" اور یہاں تو بڑے شاعر یہ کہہ گئے ہیں کہ: ؎

گفتار کا غازی بن تو گیا
کردار کا غازی بن نہ سکا

اور پیغمبر کی ذات وہ ہے کہ جو دل میں ہے وہی زبان پر ہے اور جو زبان پر ہے وہ عمل میں ہے۔ یہاں دورنگی نہیں ہے۔ عارف گنجوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ گزرے ہیں، ان کے بیٹے نے شعروشاعری کے میدان میں قدم رکھا، جب ان کو معلوم ہوا تو اس کو بلا کر پاس بٹھایا اور کہا بیٹے! "در شعر مپیچ و در فن اوست چوں اکذب اوست احسن اوست۔" بیٹا شعروشاعری کے میدان میں قدم نہ رکھ، کیونکہ جتنا جھوٹا اور خلاف واقعہ ہوگا اتنا ہی زیادہ اچھا اور لذیذ ہوگا۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے کہ:

طوافِ کعبہ مشتاقِ زیارت کا بہانہ ہے
کوئی ڈھب چاہیے آخر رقیبوں کے منانے کا

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، کہا ہے کہ "یہ جو حج اور عمرہ کرنے کے لیے جاتے ہیں ان کا اصل مقصد تو آنحضرت ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضری ہے لیکن رب تعالیٰ رقیب ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اس کو ٹھگنے اور داؤ لگانے کے لیے دو چار چکر طواف کے بھی لگا لیتے ہیں تاکہ وہ بھی ناراض نہ ہو، بگڑ نہ جائے۔" اندازہ لگاؤ! کتنا غلو ہے۔ بے شک آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری بھی بڑی سعادت ہے مگر طواف کرنا اصل عبادت ہے اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کا حق مقدم ہے۔ پہلے وہ ادا کرو پھر آپ ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دو۔

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ اور کلام کیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنا۔ موسیٰ علیہ السلام جب بھی کوہِ طور پر تشریف لے جاتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتے اور صحیح قول کے مطابق معراج کی رات آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے۔ سورۃ النجم میں ہے ﴿فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى﴾ "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی نازل کی۔" ایک دن موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے تو کہنے لگے ﴿رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾ "اے پروردگار! تو مجھے اپنا دیدار کرا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں" ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا ﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ

اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ﴾ لیکن سامنے اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اس پر میں اپنے نور کی تجلی ڈالوں گا اگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا تو پھر ممکن ہے تو بھی مجھے دیکھ سکے۔"

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کی جو چھوٹی انگلی ہے جس کو چیچی کہتے ہیں اس کے ایک پورے کے برابر اپنا نور زبیر پہاڑ پر ڈالا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا ﴿وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ "اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔" جب افاقہ ہوا تو کہنے لگے: اے پروردگار! میں توبہ کرتا ہوں میں نے بے جا سوال کیا تھا۔ دنیا میں موسیٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکا۔ یہ عقیدہ رکھو کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ﴾ "کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے ﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔"

تو قرآن پاک سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت ثابت ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ "کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ چودھویں کا چاند ہو، دُھند اور بادل بھی نہ ہو تمھیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ دوپہر کے وقت سورج سر پر کھڑا ہو، دھند اور بادل بھی نہ ہو تو تمھیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ حضرت! نظر آتا ہے۔ فرمایا: كَذٰلِكَ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ "اسی طرح تم اپنے رب کو دیکھو گے۔"

پیغمبروں کی آمد کا مقصد

پیغمبر اللہ تعالیٰ نے کیوں بھیجے؟ اس کے متعلق فرمایا ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ یہ پیغمبر تھے خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے والوں کو جنت کی خوش خبری سنا دیں اور انکار کرنے والوں کو ڈرائیں کہ دنیا میں بھی تم پر عذاب آئے گا، مرنے کے بعد قبر میں بھی اور قیامت والے دن بھی اور پھر دوزخ میں بھی اور یہ پیغمبر اس لیے بھی بھیجے کہ ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ تاکہ نہ ہو لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بہانہ اور عذر رسولوں کے آنے کے بعد۔

اگر پیغمبر تشریف نہ لاتے تو لوگ کہہ سکتے تھے اے پروردگار! ہمیں تو معلوم نہیں تھا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی چیز حرام ہے؟ کون سی چیز جائز ہے اور کون سی چیز ناجائز ہے۔ کیا ہم نے کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا؟ بہانہ بنا سکتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر مبعوث فرما کر یہ بہانہ ختم کر دیا۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کانوں میں انگلیاں دے لیں اور پیغمبر کی بات ہی نہ سنیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن سناتے تھے تو کافر کہتے تھے ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ [سورۂ حٰم سجدہ، پارہ: ۲۴] "نہ سنو اس قرآن کو اور جب پڑھنے لگیں تو شور مچا دیا کرو تاکہ تم غالب رہو۔" اور دوسرے مقام پر ہے ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ [سورۃ الانعام، پارہ: ۷] "یہ لوگ دوسروں کو قرآن سے روکتے

ہیں اور خود دور بھاگتے ہیں۔" تو جو سننا بھی گوارا نہ کرے اس کا کیا علاج ہے؟

حضرت نوح علیہ السلام تبلیغ کرتے تھے ﴿جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ﴾ "لوگوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں لیں ﴿وَ اسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ﴾ [سورۂ نوح، پارہ:۲۹] اور کپڑے اوڑھ لیے اپنے اُوپر۔" اپنے اوپر رضائیاں ڈال لیں تا کہ اس کی آواز ہم تک نہ پہنچے۔ تو اس کا کیا علاج ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کے لیے پیغمبر بھیجے تا کہ کل کو کوئی بہانہ اور عذر نہ کر سکے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ اب بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اہل کتاب نے کہا تھا کہ تو اگر نبی ہے تو قرآن اکٹھا کیوں نہیں لاتا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تم ہارون، یونس، ایوب، اسماعیل، اسحاق علیہم السلام کو نبی مانتے ہو، ان پر کون سی کتابیں نازل کی گئی ہیں؟ نبوت کے لیے وحی شرط ہے وہ ان کی طرف آ رہی ہے اور پہلے نبیوں کی طرف بھی وحی آتی رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کتاب بھی عطا فرمائی۔

تفسیر ابن جریر وغیرہ میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ ساری باتیں سننے کے بعد کہنے لگے لَا نَشْهَدُ لَكَ بِالنُّبُوَّةِ" جو مرضی کہو ہم تیری نبوت کی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تم اقرار نہیں کرتے اور گواہی نہیں دیتے، نہ دو ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے ﴿بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ﴾ اس چیز کی جو اس نے نازل کی آپ کی طرف ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ نازل کیا اس کو اپنے علم کے ساتھ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ﴾ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں جو معصوم ہیں۔ مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا کہ یہ کتاب اس نے نازل فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَ صَدُّوْا﴾ اور انھوں نے روکا ﴿عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿قَدْ ضَلُّوْا﴾ تحقیق وہ گمراہ ہو گئے ﴿ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ گمراہی بہت دور کی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَ ظَلَمُوْا﴾ اور انھوں نے ظلم اور شرک کیا ﴿لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِيَغْفِرَ لَهُمْ﴾ کہ ان کو بخشے ﴿وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ﴾ اور نہ یہ کہ ان کو چلائے ﴿طَرِيْقًا﴾ سیدھے راستے پر ﴿اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ﴾ سوائے جہنم کے راستے کے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ﴾ رہنے والے ہوں گے جہنم میں ﴿اَبَدًا﴾ ہمیشہ ﴿وَ كَانَ ذٰلِكَ﴾ اور ہے یہ چیز ﴿عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿يَسِيْرًا﴾ آسان ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿قَدْ جَآءَكُمُ﴾ تحقیق آ گیا ہے تمھارے پاس ﴿الرَّسُوْلُ﴾ رسول ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق لے کر ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمھارے رب کی طرف سے ﴿فَاٰمِنُوْا﴾ پس ایمان لاؤ ﴿خَيْرًا لَّكُمْ﴾ یہی تمھارے لیے

بہتر ہے ﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا﴾ اور اگر تم انکار کرو گے ﴿فَاِنَّ لِلّٰهِ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيْمًا﴾ جاننے والا ﴿حَكِيْمًا﴾ حکمت والا۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے رکوعوں میں اہل کتاب خصوصاً یہود کی خرابیوں کا ذکر تھا کہ وہ باوجود اہل کتاب ہونے کے اور موسیٰ علیہ السلام کو نبی تسلیم کرنے کے اپنے اصلی دین سے دور ہو چکے تھے اور رسم و رواج کو من حیث القوم دین سمجھ بیٹھے تھے اور یہ کہ وہ انتہائی ضدی تھے۔ تو کافی تفصیل کے ساتھ یہود کے متعلق بیان ہوا، اب عام کافروں کے متعلق ہو رہا ہے۔

کفر کا لفظی معنیٰ

فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا۔ کفر کا لفظی معنیٰ ہے چھپانا۔ قرآن کریم میں جاٹوں کو کفار کہا گیا۔ فرمایا ﴿اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ﴾ کیونکہ وہ دانے کو زمین میں چھپاتے ہیں اور رب اس کو اُگاتا ہے اور یہ جو کافر ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور حکموں کو چھپاتے ہیں اور کفر کا لازمی معنیٰ کیا جاتا ہے انکار کہ یہ رب تعالیٰ کے حکموں کا انکار کرتے ہیں ﴿وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور اُنھوں نے روکا اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر لوگوں کو حق کی دعوت دیتے تھے اور جو مخالف تھے وہ لوگوں کو ہر طریقے سے روکتے تھے، قولاً بھی، فعلاً بھی اور جو طریقہ بھی روکنے کا استعمال کر سکتے تھے، کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو مال داروں میں صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور وہ بھی درمیانہ قسم کے مال دار تھے۔ باقی جتنے بھی تھے وہ غریب تھے۔ جیسے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ، خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ، یہ غلام تھے، لوگوں کی مزدوریاں کرتے تھے۔ کسی وقت کھانا نصیب ہوتا اور کسی وقت نصیب نہیں ہوتا تھا۔ لوگ ان کو فقیر سمجھتے تھے، مگر کافروں نے ان مسکینوں پر بھی ظلم کے پہاڑ گرائے۔ ان کو مارتے پیٹتے، ان کے ٹخنوں میں رسیاں باندھ کر گھسیٹتے تھے۔ مکہ مکرمہ کا علاقہ پتھریلا ہے۔ اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سڑکیں بنی ہوئی ہیں، اس زمانے میں اس کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ تو اس پتھریلی زمین پر ان کو گھسیٹتے کہ ایمان چھوڑ دو، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چھوڑ دو۔ تو ایسے لوگ جنھوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکا ﴿قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ تحقیق وہ گمراہ ہو گئے گمراہی دور کی۔ اگر گمراہی نزدیک کی ہو تو اس کے راہِ راست پر آنے کی امید ہوتی ہے اور جو صحیح راستے سے دور نکل جائے تو اس کا راہِ راست پر آنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔

آیت میں ظلم کا معنیٰ و مفہوم

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا اور انھوں نے ظلم کیا، شرک کیا۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ظَلَمُوْا﴾ کا معنیٰ ہے اُنھوں نے شرک کیا۔ کیونکہ شرک بھی ظلم ہے۔ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿یٰبُنَیَّ﴾ "اے میرے بیٹے! ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ [سورۂ لقمان: پارہ:۲۱] بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

ظلم کا لغوی معنیٰ تو ہے وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّهٖ "کسی شے کو اس کے محل میں نہ رکھنا۔" یعنی جس کا جو حق بنتا ہے اس کو نہ دینا کسی اور کو دے دینا۔ عبادت و پکار، نذر و نیاز، سجدہ و طواف وغیرہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، یہ حق کسی اور کو دیا جائے گا تو ظلم ہوگا۔ رب تعالیٰ کے حق پر ڈاکا ہے۔ تو ایسے لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا اور شرک کیا ﴿لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان کو بخشے۔ کیونکہ اس کا قانون ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ مشرک کے لیے معافی نہیں، یہ اس کا اٹل فیصلہ ہے۔

اور بعض ظلم سے عام ظلم مراد لیتے ہیں۔ مثلاً: کسی کے ساتھ زبانی طور پر زیادتی کی ہے، فعلاً زیادتی کی ہے، کسی کو ناجائز مارا ہے یا کسی کا حق کھا گیا ہے تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا جب تک صاحبِ حق نہ معاف کرے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، کر تو سکتا ہے مگر اس کا ضابطہ ہے کہ حق والا معاف کرے گا تو معافی ہوگی۔ اس لیے حقوق العباد کا مسئلہ بہت سخت ہے اس کا خیال رکھنا۔

﴿وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا﴾ اور نہ یہ کہ چلائے ان کو سیدھے راستے پر۔ کفر و شرک کرنے والے کو، ظلم کرنے والے کو، سیدھے راستہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ راہِ راست کے لیے بڑا صاف دل چاہیے ﴿اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ﴾ سوائے جہنم کے راستے کے ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جہنم میں۔ بُرے لوگوں کے لیے بُرے راستہ پر چلنا آسان ہوتا ہے اور نیکی کے راستہ پر چلنا بھاری لگتا ہے۔ ان کو نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، مسجد میں داخل ہونا ایسے معلوم ہوگا جیسے پہاڑ اُٹھانا ہے۔ لیکن چوری ڈکیتی کے لیے ساری رات جاگنا چاہے سردی کا موسم ہو، لوگوں کے گھر میں نقب زنی کرنا اور لوٹنا آسان ہے۔

مزاج کا بگاڑ اور اچھے بُرے کی تمیز

انسان کا جب مزاج بدل جاتا ہے تو اچھے بُرے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ آدمی کی آنکھیں درست ہوں تو ہر چیز اپنے اپنے محل میں درست نظر آتی ہے اور اگر بھینگا ہو تو اس کو ایک کی دو نظر آتی ہیں۔ کیونکہ زاویہ بگڑا ہوا ہوتا ہے اور صفراوی مزاج والے آدمی کو بخار ہو جائے تو اس کو میٹھی چیز کڑوی لگتی ہے۔ چینی، شہد تک کڑوا لگتا ہے کیونکہ مزاج بگڑ گیا ہے۔ اس طرح مزاج بگڑ جائے تو اس کو حق کی بات کڑوی لگتی ہے اور سچی بات سے اس کو کوفت ہوتی ہے اور جہنم کا راستہ اس کو آسان لگتا ہے۔ ﴿وَ كَانَ

﴿ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اور ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ پر آسان کہ مشرک کو جہنم میں ڈالے اور ہمیشہ جہنم ہی میں رکھے۔

آگے اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو خطاب فرماتے ہیں چاہے یہودی ہوں، عیسائی ہوں، مشرک ہوں، گورے ہوں، کالے ہوں، مشرق میں رہنے والے ہوں یا مغرب میں۔ فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! دنیا کے جس خطے میں بھی رہتے ہو ﴿قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ﴾ تحقیق آ گیا تمھارے پاس رسول حق کے ساتھ۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام رسولوں کے سردار ہیں، امام ہیں، تمام مخلوق سے افضل ہیں، حق لے کر تمھارے پاس آ گئے ہیں۔ یہ قرآن پاک اول سے آخر تک حق ہی حق ہے، جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے وہ حق ہے اور جو معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں حق ہیں ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمھارے رب کی طرف سے آیا ہے، خود نہیں آیا، لہٰذا تم یہ کرو ﴿فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ﴾ بس تم ایمان لاؤ یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ شان والے پیغمبر ہیں، خاتم النبیین ہیں، ان پر ایمان لاؤ یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔

﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا﴾ اور اگر تم انکار کرو گے ایمان لانے سے تو اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا تمھارا ہی نقصان ہوگا کہ ﴿فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ آسمانوں میں سورج ہے، چاند ہے، ستارے ہیں، فرشتے ہیں، بے شمار مخلوق ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آسمانوں میں چار انگشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت میں مشغول نہ ہو۔ کعبۃ اللہ کے عین محاذات میں ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کا نام ہے بیت المعمور۔ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں، جس طرح انسان کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور جس فرشتے نے ایک دفعہ طواف کر لیا ہے اس کو دوبارہ قیامت تک موقع نہیں ملتا اور زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے۔ انسان ہیں، حیوانات ہیں، چرند ہیں، پرند ہیں، پہاڑ ہیں، دریا ہیں، درخت ہیں، حشرات الارض ہیں، زمین کی سطح پر بھی بہت کچھ ہے اور اس کی تہہ میں بھی بہت کچھ ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور وہی مالک ہے، وہی ان میں تصرف کرنے والا ہے۔

اور یاد رکھنا! ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا۔ تمھارا کوئی قول، فعل اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اگر وہ مجرم کو فوری طور پر سزا نہیں دیتا تو یہ اس کی حکمت ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پکڑ اور گرفت سے سب کو محفوظ فرمائے۔ [آمین!]

﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اے کتاب والو! ﴿لَا تَغْلُوْا﴾ نہ غلو کرو ﴿فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ اپنے دین کے بارے میں ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا﴾ اور نہ کہو تم ﴿عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ پر ﴿اِلَّا الْحَقَّ﴾ مگر حق ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ عیسیٰ بن مریم ﴿رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے ﴿وَكَلِمَتُهٗ﴾ اور اللہ کا کلمہ تھا ﴿اَلْقٰهَآ﴾ جس کو

ڈالا اللہ تعالیٰ نے ﴿اِلٰی مَرْیَمَ﴾ مریم کی طرف ﴿وَرُوْحٌ مِّنْهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب قسم کی روح تھی ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ پس ایمان لاؤ تم اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ اور اس کے رسولوں پر ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ﴾ اور نہ کہو تم تین ﴿اِنْتَهُوْا﴾ باز آ جاؤ ﴿خَیْرًا لَّكُمْ﴾ یہ تمھارے لیے بہتر ہے ﴿اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے ﴿سُبْحٰنَهٗٓ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ اس بات سے کہ اس کے لیے کوئی اولاد ہو ﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز ﴿لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ﴾ ہرگز عار نہیں سمجھتے مسیح علیہ السلام ﴿اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ﴾ کہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ﴿وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ اور نہ مقرب فرشتے عار سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے سے ﴿وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ﴾ اور جو شخص عار سمجھے گا ﴿عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ﴿وَیَسْتَكْبِرْ﴾ اور تکبر کرے گا ﴿فَسَیَحْشُرُهُمْ﴾ پس عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرے گا ﴿اِلَیْهِ﴾ اپنی طرف ﴿جَمِیْعًا﴾ سب کو۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا غلو

قرآن پاک کے نزول کے وقت اہل کتاب کے دو گروہ تھے۔ ایک یہود کا، دوسرا نصاریٰ کا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دونوں نے غلو سے کام لیا۔ یہودیوں نے دشمنی میں غلو کیا، ان کی والدہ پر بہتان باندھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کی گندی زبانوں سے یہ الفاظ بھی نکلے کہ عیسیٰ علیہ السلام حلالی ہی نہیں ہے پیغمبر کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور نصاریٰ نے محبت میں غلو کیا اور اللہ تعالیٰ کا بیٹا، خدائی میں شریک اور الٰہ تک بنا دیا۔ غلو کسی بھی رنگ میں ہو مضر ہے، چاہے دشمنی کے رنگ میں، چاہے محبت کے رنگ میں۔

حافظ اللہ داد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم میرے پیر بھائی تھے اور پنجابی کے بہت اچھے واعظ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ میرے پاس کئی کئی دن ٹھہرتے تھے۔ ایک دفعہ اُنھوں نے واقعہ سنایا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی حافظ صاحب! آپ بزرگ اور نیک آدمی ہیں میرے خاوند کو سمجھاؤ کہ وہ میرے ساتھ پیار محبت نہیں کرتا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں میں نے کہا کہ وہ تجھے خرچہ نہیں دیتا؟ کہنے لگی دیتا ہے؟ کیا تجھے مارتا پیٹتا ہے؟ کہنے لگی نہیں مارتا۔ کیا تجھے رشتہ داروں کے ہاں ساتھ نہیں لے جاتا؟ کہنے لگی ساتھ بھی لے جاتا ہے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں میں نے کہا کہ تجھے خرچہ بھی دیتا ہے، مارتا بھی نہیں، رشتہ داروں کے ہاں بھی لے جاتا ہے، پھر بھی تو کہتی ہے کہ میرے ساتھ پیار محبت نہیں کرتا؟ کہنے لگی اس نے مجھے کبھی بے بے جی نہیں کہا۔ حافظ صاحب نے کہا کہ اگر وہ تجھے بے بے جی کہے تو پھر اس کی بیوی رہے گی؟ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ہے محبت کا شرک۔

افراط و تفریط جائز نہیں ہے، چاہے دشمنی کی شکل میں ہو چاہے محبت کی شکل میں ہو۔ دونوں نقصان دہ ہیں۔ یہود نے

عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی میں غلو کیا اور نصاریٰ نے محبت میں اور دونوں کفر اور شرک کا شکار ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اے کتاب والو! یہاں عیسائی مراد ہیں ﴿لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ﴾ نہ غلو کرو اپنے دین کے بارے میں ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ اور نہ کہو تم اللہ تعالیٰ پر مگر حق۔ غلط باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرو ﴿اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ تعالیٰ کے رسول تھے ﴿وَ كَلِمَتُهٗ﴾ اور اللہ کا کلمہ تھے ﴿اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ﴾ جس کو ڈالا اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کی طرف جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے اور ان کا وجود حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ میں بن گیا ﴿وَ رُوْحٌ مِّنْهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب قسم کی روح تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت عام انسانوں کی طرح نہیں ہوئی۔ عام طور پر تو اس طرح ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی جب شکل وصورت بن جاتی ہے تو تین چار ماہ کے بعد روح ڈالی جاتی ہے۔ اس ضابطہ سے ہٹ کر اس طرح ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری اور کہا ﴿كُنْ﴾ رب تعالیٰ کے حکم سے ہو جا، بس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود ماں کے پیٹ میں بن گیا اور ساتھ ہی روح ڈال دی گئی۔

عیسائیوں کے تین گروہ

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ پس ایمان لاؤ تم اللہ تعالیٰ پر ﴿وَ رُسُلِهٖ﴾ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ﴾ اور نہ کہو تم تین۔ یعنی تثلیث کے قائل نہ بنو۔ اُصولی طور پر عیسائیوں کے تین گروہ ہیں۔ ایک نسطوریہ ہے، ان کا نظریہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں ﴿قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ میں ان کا ذکر ہے۔

دوسرا گروہ یعقوبیہ کا ہے۔ ان کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں حلول کیا ہوا ہے۔ ان سے جو معجزے ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے اندر داخل ہے۔ یعنی رب تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی ہیں، وہی اللہ وہی عیسیٰ۔ اس پارے میں آئے گا ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ﴾ "البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنھوں نے کہا اللہ وہی مسیح بن مریم ہے۔ دیکھو! پہلے رب تعالیٰ نے ان کو کافر کہا بعد میں ان کا عقیدہ بیان فرمایا۔"

تیسرا گروہ ملکائیہ کا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ نظامِ کائنات تین ارکان سے چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک، عیسیٰ دو، اور جبرئیل تین۔ یہ تین مل کر نظامِ کائنات چلاتے ہیں۔ اس گروہ میں ایک اور گروہ ہے وہ جبرئیل علیہ السلام کی جگہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو شامل کرتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک تین ارکان یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک، عیسیٰ علیہ السلام دو، اور حضرت مریم علیہا السلام تین۔

عقیدۂ تثلیث کی حقیقت

تو یہ ملکائیہ تثلیث کے قائل ہیں اور عموماً عیسائی یہی نظریہ رکھتے ہیں اور یہ بالکل عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے شروع ہوتا ہے۔ تو اس وقت ۱۹۹۸ء ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو ۱۹۹۸ء سال ہو گئے

ہیں اور اس سے بیس سال پہلے حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت مان لو۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کی ولادت سے پہلے نظامِ کائنات چلتا تھا یا نہیں چلتا تھا؟ اگر چلتا تھا اور یقیناً چلتا تھا تو کس طرح چلتا تھا؟ اور ان کی پیدائش کے بعد کون سی کمی آ گئی کہ ان کو رکن بنانا پڑا؟ ان کی پیدائش سے پہلے یہ نظام قائم تھا اور اکیلے رب تعالیٰ چلا رہے تھے۔ جس پروردگار نے زمین بنائی، آسمان بنائے، پہاڑ پیدا فرمائے، دریا پیدا فرمائے، حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی پیدا فرمایا، ان کے پیدا کرنے کے بعد اس خدا میں کون سی کمی آ گئی ہے کہ وہ ان کا محتاج ہو گیا ہے؟ وہ پہلے بھی کامل تھا بعد میں بھی کامل ہے۔ نہ وہ پہلے کسی کا محتاج تھا، نہ بعد میں کسی کا محتاج ہے۔

لہٰذا یہ تثلیث کا نظریہ بالکل عقل کے خلاف ہے۔ جب کہ ننانوے فیصد عیسائی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ تین خدا نہ کہو ﴿اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ﴾ باز آ جاؤ یہی تمھارے لیے بہتر ہے ﴿اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے۔ اس کا کوئی شریک اور حصہ دار نہیں ہے۔ نہ عیسیٰ، نہ ان کی والدہ، نہ جبرئیل، نہ کوئی اور، نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔

﴿سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ اس کی ذات پاک ہے اس بات سے کہ اس کے لیے کوئی اولاد ہو۔ اس میں ان کا رد ہو گیا جو عیسیٰ اور عزیر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے، وہ اولاد سے پاک ہے ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ سب کچھ اس نے پیدا فرمایا ہے اور اس کے حکم سے سارا نظام چل رہا ہے، کسی اور کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز۔ اس کو نظامِ کائنات چلانے کے لیے کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک لہ ہے۔ مشہور محاورہ ہے "مدعی سست اور گواہ چست" یہی حال ان کا ہے۔

یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام رب ہیں اور رب کے بیٹے ہیں ان کو رب تعالیٰ کا بندہ نہ کہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ ہونے کا انکار نہیں کرتے، نہ اس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں بلکہ رب تعالیٰ کا بندہ ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ ان کو بندہ نہ کہو وہ رب ہیں، رب تعالیٰ کے بیٹے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ﴾ ہرگز عار نہیں سمجھتے عیسیٰ علیہ السلام۔ اِسْتِنْکَاف کا معنیٰ ہے کسی کام کے کرنے سے ناک چڑھانا، عار سمجھنا۔ تو عیسیٰ علیہ السلام اس کو عار نہیں سمجھتے ﴿اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ﴾ کہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے بندے۔ وہ رب تعالیٰ کا بندہ ہونے سے نہیں شرماتے اور ان نادانوں کا حال دیکھو! یہ کہتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کا بندہ نہ کہو ﴿وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ نہ مقرب فرشتے عار سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے سے۔ وہ فرشتے جو رب تعالیٰ کے قریب ہیں، عرش کو اٹھانے والے ہیں وہ بھی بندہ ہونے کو عار نہیں سمجھتے بلکہ اپنی عبدیت کو بلند مقام سمجھتے ہیں۔

عبدیت بہت بلند مقام ہے

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا ذکر فرمایا تو عبد کے ساتھ فرمایا ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ﴾ "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔" جب رب تعالیٰ کے پاس پہنچے تو فرمایا ﴿فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی﴾ "پس رب تعالیٰ نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔" وہاں پہنچ کر بھی عبد ہی رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو یہ تحفہ لے کر آئے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اس تحفے میں بھی عبدیت موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑی ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اگر عبد کے لفظ میں تھوڑی سی بھی توہین ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد نہ فرماتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو حکم نہ دیتے کہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا اقرار کرو۔ کیوں کہ التحیات کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی اور التحیات میں ہے۔ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ "اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔"

یہ کم عقل لوگوں کی کم عقلی ہے کہ وہ بندہ ہونے کو عیب سمجھتے ہیں اور ان کو اصل غلطی یہاں سے لگی کہ وہ ہمیں تمھیں اور اپنے آپ کو بندہ سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بندے ہیں اور گناہوں سے بھرے ہوئے ہیں لہٰذا نبی کو بندہ نہیں کہنا چاہیے۔ اے خدا کے بندو! ہم پر تو صرف عبدیت کا غلاف چڑھا ہوا ہے، اندر تو ساری توڑی (بھوسا) ہے، ان کو اپنے جیسا بندہ سمجھ لیا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)۔ وہ تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے بندے تھے لہٰذا وہ اپنے بندہ ہونے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔

اور فرمایا ﴿وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ اور جو شخص عار سمجھے گا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ﴿وَیَسْتَكْبِرْ﴾ اور تکبر کرے گا بندہ ہونے سے ﴿فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا﴾ پس عنقریب ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اکٹھا کرے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے۔

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ﴾ مریم علیہا السلام پس بہر حال وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اُنھوں نے اچھے عمل کیے ﴿فَیُوَفِّیْهِمْ﴾ پس پورا پورا دے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿اُجُوْرَهُمْ﴾ ان کے اجر ﴿وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور زیادہ دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ﴾ اور بہر حال وہ لوگ ﴿اسْتَنْكَفُوْا﴾ جنھوں نے ناک چڑھایا یعنی عار سمجھا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ﴿وَاسْتَكْبَرُوْا﴾ اور تکبر کیا ﴿فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ پس ان کو اللہ تعالیٰ سزا دے گا سزا دردناک ﴿وَّلَا یَجِدُوْنَ﴾ اور نہ پائیں گے وہ ﴿لَهُمْ﴾ اپنے لیے ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ﴿وَلِیًّا﴾ کوئی حمایت کرنے والا ﴿وَّلَا نَصِیْرًا﴾ اور نہ کوئی مددگار ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿قَدْ جَآءَكُمْ﴾ تحقیق آ گئی ہے تمھارے پاس ﴿بُرْهَانٌ﴾ واضح دلیل ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمھارے رب کی

طرف سے ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ﴾ اور اُتارا ہم نے تمھاری طرف ﴿نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ واضح نور ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ﴾ پس بہر حال وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ﴾ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ﴿وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ﴾ اور اُنھوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ تعالیٰ کے دین کو ﴿فَسَیُدْخِلُهُمْ﴾ پس بتاکید داخل کرے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ﴾ رحمت میں اپنی طرف سے ﴿وَ فَضْلٍ﴾ اور اپنی مہربانی میں ﴿وَّ یَهْدِیْهِمْ﴾ اور ان کو چلائے گا ﴿اِلَیْهِ﴾ اپنی طرف ﴿صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا﴾ سیدھے راستے پر۔

ایمان عمل کے بغیر خالی تنے کی طرح ہے

اس سے پچھلی آیت کریمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی طرف جمع کرے گا۔اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس کا بیان ہے ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اُنھوں نے اچھے۔ایمان کے ساتھ نیک کام بھی کیے۔بے شک ایمان بڑی چیز ہے مگر عمل کے بغیر اس طرح سمجھو جس طرح بغیر شاخوں اور پھل کے درخت کا تنا ہو۔حالانکہ درخت سے مقصود شاخیں، پتے اور پھل ہوتا ہے کہ شاخوں اور پتوں کے سائے میں بیٹھیں گے اور پھل کھائیں گے اور اگر شاخیں، پتے اور پھل ہی نہ ہو تو خالی تنے سے کیا حاصل ہوگا؟ تو جو لوگ ایمان لائے اور ساتھ اچھے عمل بھی کیے ﴿فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ پس پورے پورے دے گا ان کو ان کے اجر بلکہ ﴿وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور زیادہ دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔

زیادہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ضابطہ بیان فرمایا ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [سورۃ الانعام، پارہ:۸] "جو شخص ایمان کی حالت میں اخلاص کے ساتھ اتباعِ سنت میں ایک نیکی لائے گا تو اس کو دس گنا اجر ملے گا۔" نیکی تو ایک کی اس کے ساتھ نو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے دے گا۔دیکھو! آدمی کہتا ہے السلام علیکم! اس کو دس نیکیاں مل گئیں۔اسی طرح سلام کے جواب میں کہا وعلیکم السلام! دس نیکیاں مل گئیں۔ایک دفعہ کہا سبحان اللہ! دس نیکیاں مل گئیں، الحمد للہ! کہا دس نیکیاں مل گئیں، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ! کہا دس نیکیاں مل گئیں، اللہ اکبر! کہا دس نیکیاں مل گئیں۔نیکی ایک کی، ثواب دس کا مل گیا اور یہ کم از کم ہے، زیادہ جتنا چاہے اللہ تعالیٰ دے۔

پھر یہ ضابطہ عام نیکیوں کے بارے میں ہے۔جو نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں آتی ہے اس کے متعلق ضابطہ تیسرے پارے میں بیان فرمایا ہے کہ جو شخص فی سبیل اللہ کی مد میں نیکی کرے گا اس کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو ہے ﴿وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ "اور اللہ تعالیٰ بڑھائے گا جس کے لیے چاہے گا۔" یعنی سات سو سے بھی زیادہ دے گا۔

فی سبیل اللہ کی مدیں تو بہت ہیں، ان میں ایک مد علم دین کا حاصل کرنا ہے۔آپ لوگ گھر سے اس ارادے کے ساتھ

آئے ہیں کہ نماز کے بعد قرآن کریم کا درس سننا ہے، اس ارادے سے تمھارا گھر سے نکلنا فی سبیل اللہ کی مد میں اور ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ہیں۔ آتے ہوئے بھی اور جاتے ہوئے بھی اور اس پر اللہ تعالیٰ چاہے تو زیادہ کردے جتنا چاہے۔ دوسری مد ہے تبلیغ دین۔ اگر کوئی تعلیم یافتہ گھر سے اس نیت کے ساتھ چلے کہ میں لوگوں کو دین سمجھاؤں گا تو اس کو ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ملیں گی یا کوئی اَن پڑھ گھر سے چلا ہے دین سیکھنے کی نیت سے، کیونکہ تبلیغ کرنا تو صرف ان کا کام ہے جو دین کو سمجھتے ہیں تو جو دین سیکھنے کی نیت سے گھر سے چلا اس کو بھی ہر قدم کے بدلے سات سات سو نیکیاں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کافروں کے ساتھ جہاد کرنا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے اور حج کے سفر پر بھی فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوتا ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا یہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ کیونکہ جمعہ میں مسائل بیان ہوتے ہیں اور جو شخص حلال روزی کمانے کے لیے گھر سے نکلتا ہے اس پر بھی فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا﴾ اور بہر حال وہ لوگ جنھوں نے ناک چڑھایا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے، اس کو اپنے لیے عار سمجھا ﴿وَ اسْتَكْبَرُوْا﴾ اور تکبر کیا ﴿فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ پس ان کو اللہ تعالیٰ سزا دے گا دردناک۔ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جہنم کی آگ اس سے انہتر [۶۹] گنا تیز ہے اور حال یہ ہے کہ اس آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے، تانبا پگھل جاتا ہے اور جتنی بھی دھاتیں ہیں پگھل جاتی ہیں، پتھر جل جاتے ہیں۔ اس سے اُس آگ کا اندازہ خود لگالو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر مومن، ہر مومنہ، ہر مسلم، ہر مسلمہ کو اس آگ سے بچائے۔ امین!

لفظ ولی اور نصیر میں فرق

﴿وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا﴾ کوئی حمایت کرنے والا اور نہ کوئی مددگار۔ ولی اسے کہتے ہیں جو زبانی زبانی تائید اور حمایت کرے کہ میں تیرا مؤید ہوں، تیرے ساتھ ہوں اور نصیر اسے کہتے ہیں جو عملی طور پر مدد کرے۔ تو دوزخیوں کا نہ تو کوئی زبانی طور پر حمایت کرنے والا ہو گا کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے، زیادتی ہو رہی ہے، ان سے عذاب ختم ہونا چاہیے اور نہ عملی طور پر کسی کو طاقت ہو گی کہ ان کو عذاب سے نکال سکے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اے انسانو! عربیو! عجمیو! کالے ہو یا گورے، دنیا کے جس خطے میں رہنے والے ہو، تحقیق آگئی ہے تمھارے پاس واضح دلیل تمھارے رب کی طرف سے۔ وہ ہے حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی جو تمام پیغمبروں کے سردار اور امام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ اب تمھارے پاس کوئی بہانہ نہیں ہے کہ تم کہو کہ ہم بے خبر تھے، ہمیں کوئی بتانے والا نہیں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی حجت اور برہان محمد رسول ﷺ کی شکل میں تمھارے پاس بھیجا ہے ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ اور اُتارا ہم نے تمھاری طرف واضح نور قرآن مجید ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ﴾ پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ﴿وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ﴾ اور اُنھوں نے مضبوطی سے پکڑا

اللہ تعالیٰ کے دین کو، اس پر چلے ﴿فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ﴾ پس بتاکید داخل کرے گا ان کو اللہ تعالیٰ رحمت میں اپنی طرف سے ﴿وَفَضْلٍ﴾ اور اپنے فضل اور مہربانی سے رحمت کے مقام تک پہنچائے گا جو جنت ہے ﴿وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ اور ان کو چلائے گا اپنی طرف سیدھے راستہ پر۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنیٰ میں ایمان رکھتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی پیروی کرتے ہیں، دین اسلام پر چلتے ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو صراطِ مستقیم پر چلائے گا۔ یعنی صراطِ مستقیم پر قائم رکھے گا اور اپنی رحمت کی جگہ یعنی جنت میں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور مہربانی سب پر فرمائے۔ آمین!

﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ یہ لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللَّهُ يُفْتِيكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں فتویٰ دیتا ہے ﴿فِي الْكَلَالَةِ﴾ اوتر کے بارے میں ﴿إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ﴾ اگر کوئی شخص وفات پا جائے ﴿لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ کہ اس کی اولاد نہیں ہے ﴿وَلَهُ أُخْتٌ﴾ اور اس کی ایک بہن ہے ﴿فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ تو اس کی بہن کو آدھا ملے گا، اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے ﴿وَهُوَ يَرِثُهَا﴾ اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا ﴿إِنْ لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ﴾ اگر اس بہن کی اولاد نہیں ہے ﴿فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ﴾ پس اگر ہیں وہ دو بہنیں ﴿فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ﴾ پس ان کے لیے دو تہائیاں ہیں ﴿مِمَّا تَرَكَ﴾ اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے ﴿وَإِن كَانُوا إِخْوَةً﴾ اور اگر ہوں وہ بھائی ﴿رِّجَالًا وَنِسَاءً﴾ مرد اور عورتیں ﴿فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ پس مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا ﴿يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے بیان کرتا ہے ﴿أَن تَضِلُّوا﴾ کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ ﴿وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

وراثت کا ایک اہم مسئلہ

اس سورت کی ابتدا میں وراثت کے مسائل بیان ہوئے تھے اور اختتام پر بھی وراثت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ تو وراثت ایک شرعی مسئلہ ہے جو قرآن پاک میں بیان ہوا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرنے والے نے روپیہ پیسہ مال چھوڑا ہے تو سب سے پہلے اس میں سے کفن دفن کا انتظام ہوگا۔ کیونکہ یہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ اگر بغیر اجرت کے غسل دینے والا کوئی نہیں ہے تو غسل دینے والے کو اجرت دینا اور اس کو اجرت لینا جائز ہے اور یہ سب کچھ مرنے والے کے مال سے کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے ذمہ جو قرض ہے وہ ادا کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس نے بیوی کا حق مہر اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا تو وہ اس کے ذمہ قرض ہے اس کے مال میں سے ادا کیا جائے گا۔ تیسرے نمبر پر اگر اس نے کوئی جائز وصیت کی ہے تو اس کو پورا کیا جائے گا۔ جائز کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والا اپنے کل مال

کے تیسرے حصے میں وصیت کرسکتا ہے۔ اس سے زیادہ میں وصیت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ دو حصے شرعی وارثوں کا حق ہے اور ایسے کام کی وصیت کرے جو شرعاً جائز ہو۔ اگر ناجائز کام کی وصیت کرے گا تو باطل ہوگی، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد کچھ حافظ اور قاری اکٹھے کرنا اور میرے لیے قرآن شریف پڑھوانا اور اتنی رقم ان کو دے دینا۔ اس کی یہ وصیت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جو قرآن شریف اُجرت پر پڑھا جائے اس کا مرنے والے کو ثواب نہیں پہنچتا۔ یہ تمام فقہائے کرام رحمہم اللہ کا متفقہ فیصلہ ہے۔ اس کے بعد اس کی وراثت تقسیم کی جائے گی۔

عورتوں پر ایک سنگین ظلم

لوگ وراثت کے مسائل میں بہت کوتاہی کرتے ہیں، بیٹیوں کا حق نہیں دیتے، بہنوں کا حق نہیں دیتے، پھوپھیوں کا حق نہیں دیتے اور بڑے عجیب قسم کے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ لڑکیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی تعلیم پر روپیہ خرچ کیا ہے، شادی پر بڑی رقم خرچ کی جاتی ہے۔ بھائی! سوال یہ ہے کہ لڑکی کی تعلیم مفت میں ہوگئی ہے اور لڑکے کی شادی پر رقم خرچ نہیں کی جاتی۔ کبھی یہ بہانہ کرتے ہیں کہ بچیاں عیدیں اور شبِ قدر لے جاتی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے مگر لڑکے بھی تو تمھاری جیب کاٹتے ہیں، وہ کب معاف کرتے ہیں۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ لڑکیوں نے اپنا حق معاف کردیا ہے۔ بھئی! معاف کس طرح کیا ہے؟ اس کے نام مکان کی رجسٹری، نہ زمین کی رجسٹری، نہ انتقال، نہ ان کا قبضہ، معافی کس چیز کی ہوئی ہے؟ پہلے قانونی طور پر ان کے نام رجسٹری کراؤ، انتقال کراؤ، ان کو قبضہ دو، سال دو سال وہ استعمال کریں، زمین کی پیداوار کھائیں، ان کو ان کے منافع معلوم ہوں پھر معاف کریں تو ٹھیک ہے۔ خالی معاف کا کوئی معنیٰ نہیں ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انگریز کے دور سے جس طرح زمین منتقل ہوتی چلی آرہی ہے اسی طرح ہم تو ان پر قابض ہیں اگر لڑکیوں کا حصہ نہیں دیا تو بڑوں نے نہیں دیا اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ انگریز کے دور میں وراثت شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم نہیں ہوتی تھی، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر انگریز کے دور میں لڑکیوں کو حق نہیں دیا گیا تو کیا ان کا حق ختم ہوگیا ہے؟ ضائع ہوگیا ہے؟ زمینیں تمھارے پاس موجود ہیں اور ان میں ان کا حق بھی موجود ہے وہ ان کے حوالے کرو۔ اگر بڑوں نے اپنی قبریں خراب کی ہیں تو تم اپنی قبریں خراب نہ کرو۔ لڑکیوں کی اولاد در اولاد جو موجود ہے ان کے حوالے کرو۔ بہرحال وراثت کے مسئلہ میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔

تقسیم وراثت کی مختلف صورتیں

اسی سورت میں پہلے یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو، بہن بھائی ہوں، ماں کی طرف سے یعنی صرف ماں شریک بہن بھائی ہیں تو ان کو کل مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ وہ اس تیسرے حصے کو آپس میں برابر تقسیم

کریں گے۔ یعنی جتنا حصہ لڑکوں کو ملے گا اتنا ہی لڑکیوں کو ملے گا۔ ایسا نہیں کہ مرد کو ڈبل اور عورت کو اکہرا۔

لیکن اس مسئلے کی دوشقیں باقی تھیں۔ ایک یہ کہ مرنے والے کے حقیقی بہن بھائی ہوں، ماں بھی ایک باپ بھی ایک۔ دوم یہ کہ باپ شریک بہنیں بھائی ہوں۔ یعنی سب کا باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں تو ان کو کس طرح حصہ ملے گا؟ اس کو بیان فرماتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا اگر کوئی اوترا فوت ہو جائے جس کو عربی میں کلالہ کہتے ہیں، جس کے نہ اصول ہوں، نہ فروع، باپ بھی نہیں، بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں بھی نہیں ہیں، مگر اس کی بہنیں ہیں ماں باپ کی طرف سے یا فقط باپ کی طرف سے تو ان کو حصہ کس طرح ملے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔ فرمایا ﴿ یَسْتَفْتُوْنَكَ ﴾ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں فتویٰ دیتا ہے اوترے کے بارے میں ﴿ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ ﴾ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے، ہلاک ہو جائے ﴿ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ اور اس کی اولاد نہیں ہے، نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ پوتا، نہ پوتی ﴿ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ ﴾ اور اس کی ایک بہن ہے، حقیقی ہے یا صرف باپ شریک ہے ﴿ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ﴾ تو اس کی بہن کو آدھا ملے گا اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے اور اس جائیداد میں زمین، مکان، باغات، کارخانے، روپیہ، پیسہ، گھر کا سارا اثاثہ شامل ہے ﴿ وَهُوَ يَرِثُهَآ ﴾ اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا۔ اگر کوئی عورت اوتری ہے کہ اس کی اولاد در اولاد کوئی بھی نہیں ہے، صرف بھائی اس کا وارث ہے تو اس کی ساری جائیداد اس بھائی کو مل جائے گی ﴿ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ﴾ اگر اس بہن کی اولاد نہیں ہے ﴿ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ ﴾ پس اگر ہیں وہ دو بہنیں برابر ہے کہ مرنے والے کی حقیقی بہنیں ہوں یا باپ شریک ہوں ﴿ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ ﴾ پس ان کے لیے دو تہائیاں ہیں ﴿ مِمَّا تَرَكَ ﴾ اس میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا ہے۔ اگر بہنیں دو سے زیادہ ہوں پھر بھی ان کو دو تہائیاں ملیں گی اور یہ سب آپس میں تقسیم کر لیں۔

﴿ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً ﴾ اور اگر ہوں وہ بھائی مرد اور عورتیں بہت سارے حقیقی ہیں یا صرف باپ شریک ہیں ﴿ فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ پس مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا۔ یعنی بھائیوں کو ڈبل حصہ ملے گا اور بہنوں کو سنگل حصہ ملے گا اور جو بہن بھائی ماں شریک ہیں ان کا تیسرا حصہ ہے اور وہ تیسرے حصہ میں سب برابر شریک ہیں۔

اب دیکھو! یہاں آدمی کی عقل بے بس نظر آتی ہے کہ ماں شریک ہوں تو سب کو برابر حصہ ملتا ہے اور اگر حقیقی بہن بھائی ہوں یا باپ شریک ہوں تو بھائیوں کو ڈبل اور بہنوں کو سنگل۔ لیکن یہ احکام اللہ نے قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں تاکہ کوئی گڑبڑ نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں کسی کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہے۔

حق وراثت نہ دینے والوں کو وعید

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض لوگ ساٹھ ساٹھ سال تک بڑی عبادت کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے

رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زکوتیں دیتے اور بہت کچھ کرتے ہیں اور جب مرنے کا وقت آتا ہے تو سیدھے جہنم میں جاتے ہیں۔ اس لیے کہ شرعی وارثوں کا حق نہیں دیتے، ان کی حق تلفی کر جاتے ہیں جس کی وجہ سے ساٹھ ساٹھ سال کی عبادت و ریاضت برباد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان مسائل کو اچھی طرح سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ رب تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں اور قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں۔

﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے بیان فرمائے ہیں ﴿اَنْ تَضِلُّوْا﴾ تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ اسی نے یہ حصے مقرر فرمائے ہیں اور ہر ایک کا حق بیان فرمایا ہے، ان کو سمجھو اور عمل کرو، اس میں کوتاہی نہ کرو، ورنہ تمھاری نمازیں اور روزے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ میں نے تمھیں بخاری شریف کی حدیث سنائی ہے کہ ساٹھ ساٹھ سال عبادت کرتے ہیں اور مرتے وقت شرعی وارثوں کو محروم کر دیتے ہیں، ان کی حق تلفی کرتے ہیں اور سیدھے دوزخ میں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آج بتاریخ ۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ بہ مطابق ۲۰ر نومبر ۲۰۰۳ء
سورۃ النساء مکمل ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ

محمد نواز بلوچ
مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ کے رسول ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇦ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ ، وَاِذَا سَمِعُوۡا

(٦) (٧)

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ پنجم)

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے ۔خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تا کہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے،شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آرہے ہیں۔میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں ۔چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم ۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم ۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم ۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا ۔اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبویؐ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

یک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام نامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تا کہ آئندہ ایڈیشن یں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

آیاتہا ۱۲۰ ⑤ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۲) رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اَوْفُوْا﴾ پورا کرو ﴿بِالْعُقُوْدِ﴾ عہد و پیمان کو ﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ﴾ حلال کیے گئے تمہارے لیے ﴿بَهِیْمَةُ﴾ چوپائے ﴿الْاَنْعَامِ﴾ جو انعام کی قسم سے ہیں ﴿اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ﴾ مگر وہ جو تلاوت کیے جائیں گے تم پر ﴿غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ﴾ اس حال میں کہ حلال نہ سمجھنے والے ہو شکار کو ﴿وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ جب کہ تم احرام کی حالت میں ہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یَحْكُمُ﴾ فیصلہ کرتا ہے ﴿مَا یُرِیْدُ﴾ جو ارادہ کرے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تُحِلُّوْا﴾ نہ بے حرمتی کرو تم ﴿شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی علامتوں کی ﴿وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ نہ عزت والے مہینوں کی ﴿وَلَا الْهَدْیَ﴾ اور نہ قربانی والے جانوروں کی ﴿وَلَا الْقَلَآىِٕدَ﴾ اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے ڈالے ہوئے ہیں ﴿وَلَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ﴾ اور نہ ان لوگوں کی جو ارادہ کرتے ہیں بیت الحرام کا ﴿یَبْتَغُوْنَ﴾ چاہتے ہیں ﴿فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی طرف سے فضل ﴿وَرِضْوَانًا﴾ اور اس کی رضا ﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ﴾ اور جب تم احرام سے نکل آؤ ﴿فَاصْطَادُوْا﴾ پس تم شکار کر سکتے ہو ﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ﴾ اور نہ ابھارے تمھیں ﴿شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ بغض کسی قوم کا ﴿اَنْ صَدُّوْكُمْ﴾ اس لیے کہ انھوں نے تمھیں روکا تھا ﴿عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مسجد حرام سے اس پر نہ ابھارے ﴿اَنْ تَعْتَدُوْا﴾ یہ کہ تم زیادتی کرو ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ اور ایک دوسرے کا ساتھ دو، امداد کرو، نیکی اور تقوے کے کاموں پر ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا﴾ اور ایک دوسرے کی امداد نہ کرو ﴿عَلَى الْاِثْمِ﴾ گناہ پر ﴿وَالْعُدْوَانِ﴾ اور زیادتی کی چیزوں پر ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ سخت سزا دینے والا ہے۔

سورۃ کی وجہ تسمیہ ؟

اس سورۃ کا نام ہے سورۃ المائدۃ اور مائدہ کا معنی ہے دستر خوان جس پر کھانا رکھا گیا ہو۔ اور اس سورۃ کا نام مائدہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کے آخر میں مائدہ کا ذکر ہے۔ اس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ ﴿هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ "کیا تمہارا رب طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے دستر خوان اتارے ﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ایک طرف تو کہتے ہو ﴿رَبُّكَ﴾ اور دوسری طرف

کہتے ہو کہ کیا اس کو دستر خوان اتارنے کی قدرت ہے۔ دستر خوان کی کیا حیثیت ہے کیا آسمانوں اور زمینوں کو بنانے والا یہ نہیں کر سکتا؟ اس میں مائدہ کا ذکر ہے اس لیے ساری سورۃ کا نام مائدہ رکھا یعنی وہ سورۃ جس میں مائدہ کا ذکر ہے۔ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ایک سو گیارہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا ایک سو بارھواں نمبر ہے۔ اس کے سولہ رکوع ہیں اور ایک سو بیس آیات ہیں۔

ایفائے عہد کی تاکید و تفصیل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ عقود جمع ہے عقد کی اور عقد کا معنی گرہ اور وعدہ ہے۔ وعدے پورے کرو۔ پہلا وعدہ تم نے عالم ارواح میں کیا تھا جب رب تعالیٰ نے فرمایا تھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ﴿قَالُوْا بَلٰی﴾ [الاعراف: ۱۷۲] سب نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔" تو سب سے پہلے تو اس وعدہ کو پورا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا رب کسی کو نہ بناؤ۔

دوسرا وعدہ : جب آدمی کلمہ پڑھتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا عہد کرتا ہے۔ تیسرا وعدہ: جب ایمان مفصل اور ایمان مجمل پڑھتا ہے تو کہتا ہے قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِهٖ میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو قبول کیا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو وعدے کیے ہیں ان کو بھی پورا کرو اور بندوں کے ساتھ جو وعدے کیے ہیں ان کو بھی پورا کرو وعدے کی خلاف ورزی منافقت ہے۔

بہیمۃ الانعام کی تفصیل

آگے فرمایا ﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ﴾ حلال کیے گئے تمہارے لیے چوپائے جو انعام کی مد سے ہیں۔ بہیمہ کی جمع بہائم آتی ہے۔ بہیمہ کا لفظی معنی ہے چار ٹانگوں والا جانور۔ بہیمہ کے بعد اگر انعام کا لفظ نہ ہوتا تو اس میں کتا، بلی، گدھا سب شامل تھے لیکن انعام کا لفظ ذکر کر کے یہ بتا دیا کہ وہ چوپائے حلال ہیں جو انعام کی مد سے ہیں اور اس سے اگلی سورۃ کا نام ہی انعام ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ انعام کی مد سے آٹھ قسم کے جانور ہیں۔ بھیڑوں میں سے دو نر اور مادہ اور بکریوں میں سے دو نر اور مادہ، اونٹوں میں سے دو نر اور مادہ، گایوں میں سے دو نر اور مادہ، بھینس اور بھینسا گایوں کی جنس سے ہیں یہ حلال ہیں۔

بہیمۃ الانعام سے مستثنیٰ جانوروں کا مجمل ذکر

﴿اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ﴾ مگر وہ جو تلاوت کیے جائیں گے تم پر ان کا ذکر آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ﴾ سے ان کو بیان کیا ہے۔ کہ فلاں فلاں تم پر حرام ہے اور باقی سب حلال ہیں۔

حالتِ احرام میں شکار کرنے کی ممانعت

﴿غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ اس حال میں کہ حلال نہ سمجھنے والے ہو شکار کو جب کہ تم احرام کی حالت میں ہو۔
جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہر وہ کام حرام ہو جاتا ہے جس کا نماز کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ مثلاً: تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے باتیں کرنی جائز تھیں، سلام اور سلام کا جواب دینا، اِدھر اُدھر دیکھنا جائز تھا۔ مگر تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد یہ تمام چیزیں حرام ہو گئیں۔ اور یاد رکھنا! زبان سے اللہ اکبر! کہنا فرض ہے اور ہاتھوں کا کانوں تک لے جانا مستحب ہے۔ تو جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نماز سے غیر متعلقہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں اسی طرح حج اور عمرے کا احرام باندھ لینے کے بعد بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً: اب لبیں نہیں کٹوا سکتا، سر نہیں منڈوا سکتا، ناخن نہیں کاٹ سکتا، سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا اسی طرح احرام کی حالت میں شکار نہیں کھیل سکتا جس کا ذکر ہے کہ احرام کی حالت میں تم شکار کو حلال سمجھنے والے نہ ہو۔ البتہ محرم کو گھریلو جانور ذبح کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً: مرغی، بطخ، بکرا، چھترا، اونٹ، گائے، بیل کو ذبح کر سکتا ہے مگر وہ جانور جو شکار کی مد میں آتے ہیں بے شک محرم ان کو اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے پھر بھی وہ جانور حلال نہیں ہوں گے کیونکہ محرم حالت احرام میں شکار کی چیزوں کو ذبح کرنے کا اہل نہیں ہے۔

شعائر کا احترام اور مفہوم

فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ﴾ نہ بے حرمتی کرو تم اللہ تعالیٰ کی علامتوں کی، اللہ تعالیٰ کے شعائر کی۔ شعائر جمع ہے شعیرہ کی۔ شعیرہ کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ویسے تو شعائر اللہ میں بہت سی چیزیں آتی ہیں مگر چار بڑی ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا وجود۔ (۲) کعبۃ اللہ۔ (۳) قرآنِ کریم اور (۴) نماز۔

تو پیغمبر کا احترام کرو۔ نماز کا احترام کرو۔ یعنی نماز قائم کرو۔ کعبۃ اللہ کا احترام کرو قرآن کریم کا احترام کرو۔ ان کے علاوہ صفا، مروہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ ان کا بھی احترام کرو بے حرمتی نہ کرو۔

اشہر حرم کا بیان

﴿وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ نہ عزت والے مہینوں کی بے حرمتی کرو۔ حرمت والے مہینے چار تھے۔

① ذوالقعدہ۔ ② ذوالحجہ۔ ③ محرم اور ④ رجب۔

زمانہ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا اور ان مہینوں میں لڑنا جھگڑنا ممنوع تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان کے احترام کا حکم تھا۔ سورۃ توبہ میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم ان مہینوں میں جنگ میں پہل نہ کرو۔

لیکن اگر دشمن تم پر حملہ آور ہو تو دفاع کر سکتے ہو۔

ہدی اور اضحیہ میں فرق/تعریف

﴿وَلَا الْهَدْيَ﴾ اور نہ قربانی والے جانوروں کی بے حرمتی کرو۔ ہَدی اس جانور کو کہتے ہیں جس کو قربانی کے لیے حرم میں لے جاتے ہیں۔ اور حرم کے سوا دوسری جگہوں پر جس جانور کی قربانی دی جاتی ہے اس کو اَضْحِیَۃٌ ہمزے کے فتح کے ساتھ اور اُضْحِیَۃٌ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بھی کہتے ہیں۔ تو جو ہدی کا جانور ہے اس کا بھی احترام کرو، اسے نہ چھیڑو۔

قلائد کا مفہوم

﴿وَلَا الْقَلَآئِدَ﴾ اور نہ ان جانوروں کی بے حرمتی کرو جن کے گلے میں پٹے ڈالے ہوئے ہیں قَلَآئِدُ جمع ہے قَلَادَۃٌ کی قَلَادَۃٌ کہتے ہیں پٹے کو۔ حاجی جو بڑے جانور ہدی کے طور پر لے جاتے تھے مثلاً: اونٹ، گائے، بیل وغیرہ تو ان کے گلے میں پٹا ڈالتے تھے تا کہ نشانی ہو کہ یہ جانور ہدی کا ہے کہ حاجی قضاء حاجت کے لیے گیا ہو، وضو کے لیے گیا ہو، پانی پینے کے لیے گیا ہو تو ان کو کوئی نہ نقصان پہنچائے نہ چھیڑے، یہ قربانی کا جانور ہے۔

حجاج اور معتمرین کا احترام

﴿وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ اور نہ ان لوگوں کی بے حرمتی کرو جو ارادہ کرنے والے ہیں بیت الحرام کا۔ یعنی جو لوگ حج یا عمرہ کے ارادہ سے سفر کر رہے ہیں ان سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ یا لڑائی نہیں ہونی چاہیے وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف جا رہے ہیں۔

غیر محرم کے لیے شکار کی اجازت

﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ چاہتے ہیں اپنے رب کی طرف سے فضل کہ وہاں سودا بیچنا ہے خریدنا ہے کیونکہ لوگ حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے ہیں اور حج بھی ہوتا ہے۔ ﴿وَرِضْوَانًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرتے ہیں۔ مسلمان کا اصل مقصد تو حج کرنا ہے ضمنی طور پر کوئی تجارت بھی کر لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حج کے لیے جاتے تھے ، کعبۃ اللہ کا احترام کرتے تھے۔ اور وہ اپنے خیال کے مطابق رب تعالیٰ کو راضی کرتے تھے گو اس خیال سے رب راضی ہو یا نہ ہو لیکن تمھیں ان کو چھیڑنے کا حق نہیں ہے۔

﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ اور جب تم احرام سے نکل آؤ پس شکار کر سکتے ہو۔ احرام کی حالت میں ممنوع ہو گیا تھا اب شکار کرنا تمھارے لیے جائز ہے۔ ۶ ہجری میں آنحضرت ﷺ پندرہ سو صحابہ کرام کے ہمراہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے آج کل اس کا نام شمیسہ ہے تو مکہ والوں نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ

دی اور کہا کہ تم آئندہ سال آکر عمرہ کرنا اس سال ہم عمرہ نہیں کرنے دیں گے کیونکہ ہماری توہین ہے۔ لوگ کہیں گے کہ قریش نے اپنے دشمنوں کو مکہ میں آنے دیا ہے۔ معاہدہ کے تحت اگلے سال ۷ ہجری میں آپ ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لے گئے۔ مسلمانوں کے دلوں میں پچھلے سال کا غصہ تھا کہ انھوں نے ہمیں روکا تھا اللہ تعالیٰ نے اس غصے کے اظہار سے پہلے ہی منع فرمادیا۔

سخت دشمن کے مقابلہ میں بھی عدل کو مت چھوڑو

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ﴾ اور نہ ابھارے تمھیں ﴿شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ بغض کسی قوم کا ﴿اَنْ صَدُّوْکُمْ﴾ اس لیے کہ انھوں نے تمھیں روکا تھا ﴿عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مسجد حرام سے، اس بات پر نہ آمادہ کرے ﴿اَنْ تَعْتَدُوْا﴾ یہ کہ تم زیادتی کرو ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ اور ایک دوسرے کا ساتھ دو، مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر۔ نیکی سے مراد وہ کام ہیں جو کرنے کے ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سچ بولنا، پورا تولنا اور تقویٰ سے مراد وہ کام ہیں جن سے بچنا ہے اور ان کو کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ان میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دو کہ وہ نہ کرنے دو۔

﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اور ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ پر اور زیادتی کی چیزوں پر اِثم کا معنی ہے رب تعالیٰ کے حکموں کو توڑنا تو رب تعالیٰ کے حکموں کو توڑنے پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور عُدوَان بندوں کے حق ضائع کرنا اور بندوں پر زیادتی کرنا اور بندوں کے حقوق ضائع کرنے میں بھی ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ہر حالت میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بندہ اگر اس نکتہ کو سمجھ لے تو زندگی سنور سکتی ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ اگر تم نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی سزا اور گرفت سے نہیں بچ سکو گے۔

﴿حُرِّمَتْ﴾ حرام کیا گیا ﴿عَلَیْکُمُ﴾ تم پر ﴿الْمَیْتَةُ﴾ مردار ﴿وَالدَّمُ﴾ اور خون ﴿وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ﴾ اور خنزیر کا گوشت ﴿وَمَآ﴾ اور وہ چیز ﴿اُهِلَّ﴾ جو نام زد کی گئی ہو ﴿لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ غیر اللہ کے نام پر ﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ﴾ اور وہ جو گلا گھٹنے سے مر گیا ﴿وَالْمَوْقُوْذَةُ﴾ اور وہ جس کو چوٹ لگائی گئی ﴿وَالْمُتَرَدِّیَةُ﴾ اور جو اونچی جگہ سے گر گیا ﴿وَالنَّطِیْحَةُ﴾ اور جس کو دوسرے نے سینگ مار دیا ﴿وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ﴾ اور جس کو درندوں نے کھالیا ﴿اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ﴾ مگر وہ جس کو تم نے ذبح کر لیا ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ﴾ اور جو ذبح کیا گیا بتوں کے نام پر ﴿وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ اور یہ کہ تم نیزوں کے ذریعہ تقسیم کرو ﴿ذٰلِکُمْ فِسْقٌ﴾ یہ نافرمانی ہے ﴿اَلْیَوْمَ﴾ آج کے دن

﴿یَئِسَ الَّذِیْنَ﴾ ناامید ہوگئے وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿مِنْ دِیْنِكُمْ﴾ تمہارے دین سے ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ﴾ پس تم نہ ڈروان سے ﴿وَاخْشَوْنِ﴾ اور مجھ سے ڈرو ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ﴾ آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے ﴿دِیْنَكُمْ﴾ تمہارا دین ﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ﴾ اور مکمل کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت ﴿وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ اور میں نے پسند کیا ہے تمہارے لیے اسلام کو دین ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ پس جو شخص مجبور کیا گیا ﴿فِیْ مَخْمَصَةٍ﴾ بھوک میں ﴿غَیْرَ مُتَجَانِفٍ﴾ اس حال میں کہ وہ مائل ہونے والا نہیں ہے ﴿لِّاِثْمٍ﴾ گناہ کی طرف ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

حلال وحرام جانوروں کی تفصیل

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے پہلا حکم ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ﴾ حرام کیا گیا تم پر مردار۔ جو جانور ذبح کیے بغیر مرجائے وہ حرام ہے اگرچہ فی نفسہ وہ حلال ہے۔ مثلاً: مرغی ہے، بکرا، چھترا، اونٹ وغیرہ فی نفسہ تو حلال ہیں لیکن اگر ان کو ذبح نہ کیا جائے تو ان کا کھانا حرام ہے۔ البتہ شریعت نے اتنی اجازت دی ہے کہ مردار کا چمڑا اُتار کر خشک کرا کے یعنی رنگنے کے بعد اس کو بیچ بھی سکتے ہو اور اپنے استعمال میں بھی لا سکتے ہو۔

میتہ کا حکم

چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جگہ سے گزر رہے تھے لوگ ایک موٹی تازی بکری کو دور پھینکنے کے لیے کھینچ کر لے جا رہے تھے تاکہ بدبو نہ پھیلے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا)) تم نے اس کا چمڑا کیوں نہیں اتار لیا۔ انھوں نے کہا حضرت! مردار ہوگئی ہے۔ فرمایا تمہیں چمڑا اتارنے کی اجازت ہے۔ تو مردار وہ ہے جو ذبح کیے بغیر مرجائے۔ البتہ دو جانور ایسے ہیں جن کو ذبح کیے بغیر کھانا جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اُحِلَّتْ لَنَا الْمَیْتَتَانِ)) دو چیزیں ہمارے لیے بغیر ذبح کے حلال کی گئی ہیں ((اَلْحُوْتُ وَالْجَرَادُ)) مچھلی اور مکڑی۔ یہی وجہ ہے کہ مچھلی کافر بھی شکار کرے تو اس سے لینے کی اجازت ہے اور مچھلی کے علاوہ دوسرا شکار کافر سے لینے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ذبح کا اہل نہیں ہے۔

دمِ مسفوح کی حرمت

﴿وَالدَّمُ﴾ اور خون بھی حرام کیا گیا ہے اور خون سے مراد وہ خون ہے جو ذبح کرتے وقت نکلتا ہے۔ چنانچہ آٹھویں پارے میں آئے گا ﴿دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ بہتا ہوا خون اس کو نہ اندرونی طور پر استعمال کر سکتے ہیں نہ بیرونی طور پر یعنی نہ تو اس کو

کھا سکتے ہیں نہ بدن پر لگا سکتے ہیں کیونکہ قطعی حرام ہے کسی طرح بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لحم خنزیر ذکر کرنے کی وجہ

﴿وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ اور خنزیر کا گوشت بھی حرام کیا گیا ہے۔ خنزیر کی ہر چیز حرام ہے گوشت کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ کھایا گوشت ہی جاتا ہے چمڑا، بال یا ہڈیوں کو تو کوئی نہیں کھاتا۔ ﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ اور وہ چیز جو نامزد کی گئی ہو غیر اللہ کے نام پر۔ ''اہلال'' کا معنی ہے آواز بلند کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر پکارا گیا ہو وہ حرام ہے۔ مثلاً: یوں کہے کہ یہ جانور یا چیز فلاں بت، قبر یا بزرگ کی نیاز ہے تو وہ چیز حرام ہو گئی۔ اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیں کیوں کہ غلط کار لوگ دھوکا دیتے ہیں اور الجھن پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بزرگوں کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاتا ہے تو قربانی کا بکرا، عقیقے کا بکرا، زید کا بکرا، یہ نسبتیں بھی تو غیر اللہ کی طرف ہیں کیا یہ سارے حرام ہیں؟ تو یاد رکھنا! ایک ہے شرعی نسبت کہ وہ اس کا مالک ہے اور تم کہو کہ یہ بکرا زید کا ہے یہ گائے بکر کی ہے اور قربانی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے عقیقہ شرعی حکم ہے۔ قربانی کے بکرے کا معنی ہے خدا تعالیٰ کے راستہ میں قربانی کے لیے ہے۔ عقیقے کے بکرے کا مطلب ہے کہ عقیقے کے لیے ذبح کرنا شرعی حکم ہے۔ یہ شرعی نسبتیں ہیں یہ صحیح ہیں۔ اور تقرب کے لیے غیر اللہ کے نامزد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی جانور یا دودھ یا اور کوئی چیز کسی بت قبر یا بزرگ کے نام پر متعین کی جائے اس نیت اور ارادے سے کہ میرے کاروبار میں برکت ہو گی فصل میں برکت ہو گی اگر نہیں دوں گا تو نقصان ہو گا یہ حرام ہے اور وہ شے بھی حرام ہے۔ اگر جانور ہے تو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے بھی حلال نہ ہو گا۔

غیر اللہ کی نذر و نیاز

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزیہ میں لکھتے ہیں کہ جو چیز کسی بزرگ کے نام پر متعین کر دی جائے کہ یہ بکرا فلاں کا ہے یہ چھترا فلاں کا ہے تو وہ تکبیر پڑھنے سے بھی حلال نہیں ہو گا یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی کتے کو تکبیر پڑھ کر ذبح کرے یا خنزیر کو تکبیر پڑھ کر ذبح کرے تو وہ حلال نہیں ہو گا۔ ایسے ہی جو چیز غیر اللہ کے لیے نامزد کی جائے گی وہ حلال نہیں ہو گی اور فرماتے ہیں کہ اس میں جانور کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

''ماکولات، مشروبات، ملبوسات ہمیں حکم دارند'' کھانے، پینے اور پہننے کی چیزیں یہی حکم رکھتی ہیں۔ دیکھو! یہ لوگ آج کل گیارھویں دیتے ہیں اس میں تفصیل ہے اگر تو اس ارادے سے دیتا ہے کہ میرے جانوروں میں برکت ہو گی گھر میں برکت ہو گی کاروبار میں برکت ہو گی اگر نہیں دوں گا تو پیر صاحب ناراض ہو جائیں گے اور مجھے نقصان پہنچے گا تو پھر یہ دینے والا کافر ہے اور وہ چیز قطعی حرام ہے۔ اور اگر دیتا تو اللہ تعالیٰ کے نام پر ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ایصالِ ثواب کرتا ہے تو بدعت ہے کیونکہ اور بھی بہت بزرگ ہیں ان کو ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتا، ماں باپ کو ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتا ان کی نمازیں رہ گئیں، روزے رہ گئے ان کا کفارہ کیوں نہیں ادا کرتا؟

رہے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تو وہ اتنے نیک تھے کہ اگر ان کی نیکیوں کو تقسیم کیا جائے تو کئی ضلعے بخشے جائیں لہٰذا ان کی نسبت ایصالِ ثواب کے لیے ہمارے ماں باپ زیادہ مستحق ہیں۔ آخر ان کی تخصیص اور تعیین کی وجہ کیا ہے؟ پھر گیارھویں کی تاریخ کی تخصیص کیوں ہے؟ ایصالِ ثواب آگے پیچھے کیوں نہیں ہوسکتا؟ لہٰذا مسئلہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ﴾ اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مرگیا ہو یعنی جس کا گلا رسی یا زنجیر یا کسی اور شے سے گھونٹا گیا اور مرگیا وہ بھی حرام ہے۔ ﴿وَالْمَوْقُوْذَةُ﴾ اور جس کو چوٹ لگائی گئی ہو، پتھر لگا یا لاٹھی ماری اور وہ مرگیا وہ بھی حرام ہے۔

﴿وَالْمُتَرَدِّيَةُ﴾ اور جو اونچی جگہ سے گرگیا، پہاڑ سے نیچے گر کر مرگیا یا کنویں میں گر کر مرگیا یا کسی بھی جگہ سے گر کر مرگیا تو وہ بھی حرام ہے۔ ﴿وَالنَّطِيْحَةُ﴾ اور جس کو دوسرے نے سینگ گھونپ دیا اور وہ مرگیا تو وہ بھی حرام ہے۔

﴿وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ﴾ اور وہ جس کو درندوں نے کھالیا مثلاً: شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ وغیرہ اس کو کھینچ کر لے گئے اس کو چیر پھاڑ دیا۔ اگر کھایا تو ان کا بچا ہوا بھی حرام ہے۔ ﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ مگر وہ جس کو تم نے ذبح کرلیا کسی درندے نے زخمی کردیا ہو مگر مرنے سے پہلے تم نے اُسے باقاعدہ ذبح کرلیا تو وہ حلال ہے۔

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ اور وہ جو ذبح کیا گیا بتوں کے نام پر۔ پہلے تھا کہ جو چیز بزرگوں کے نام پر ذبح کی جائے وہ حرام ہے اور اب فرمایا کہ جو چیز بتوں کے نام پر ذبح کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ ﴿وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ اور یہ کہ تم تیروں کے ذریعہ تقسیم کرتے ہو یہ بھی حرام ہے۔ أَزْلَامٌ، زَلَمٌ کی جمع ہے اور زَلَمٌ کا معنی ہے "تیر"۔ کعبۃ اللہ میں ایک تھیلا رکھا ہوا تھا اس میں دس تیر ہوتے تھے اور وہ تھیلا کعبۃ اللہ کے متولی کے کنٹرول میں ہوتا تھا۔ ان میں سے چھ پر لکھا ہوا تھا لَا جس کا معنیٰ ہے نہیں اور تین پر لکھا ہوا تھا نَعَمْ، نَعَمْ کا معنی ہے ہاں اور ایک خالی ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے جب کوئی کام کرنا ہوتا تھا رشتے کا، تجارت کا یا لمبے سفر پر جانے کا تو ان تیروں کے ذریعہ فال نکالتے تھے یعنی ان سے پوچھتے تھے کہ میں یہ کام کروں یا نہ کروں۔ میرا فلاں کام ہوگا یا نہیں؟ سفر پر جاؤں یا نہ جاؤں؟ طریقہ یہ تھا کہ تیر نکالتے اگر نَعَمْ والا نکلتا تو کہتے بس میرا کام ہوگیا اور اگر لَا والا نکلتا تو کہتے کہ میرا کام نہیں ہوگا اس کام کو چھوڑ دیتے تھے اگر خالی تیر نکلتا تو دوبارہ سہ بارہ تیر نکالنے کی اجازت ہوتی تھی۔ بھائی تیروں کے نکالنے کے ساتھ تیرے کام کا کیا تعلق ہے؟ ایسی وہم پرستی سے خدا کی پناہ۔ اسی وہم پرستی میں مسلمان بھی ہیں کیا مرد اور کیا عورتیں۔ وہم کوٹ کوٹ کر ان میں بھرا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عورت گھر میں آئی اور بچہ بیمار ہوگیا تو کہیں گے کہ فلاں عورت آئی تھی اس لیے بیمار ہوگیا ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہیں جن کے عقیدے اور نظریات ہندوؤں سے بدتر ہیں۔ بھائی! بیماریاں، تندرستیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ بندوں کا اس میں کیا عمل دخل ہے؟

اور تیروں کے ذریعے تقسیم کا ایک اور طریقہ بھی رائج تھا وہ اس طرح کہ دس آدمی مل کر ایک اونٹ خریدتے پھر تیر نکالتے اگر زید کے نام کا تیر نکل آتا تو اونٹ سارا زید کا ہوجاتا باقی سارے فارغ جس طرح آج کل لاٹریاں یا بانڈ ہیں۔

اور ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ دس آدمی مل کر ایک اونٹ خریدتے اور اس کا گوشت برابر دس حصوں میں تقسیم کرتے تھے جن میں سے سات پر نمبر لگے ہوتے تھے اور تین خالی ہوتے تھے ایک ایک حصہ دار ایک ایک تیر نکالتا اس تیر پر جتنے نمبر لکھے ہوتے وہ اتنے حصے لے لیتا مثلاً: دو لکھے ہوئے ہیں، تین لکھے ہوئے ہیں، سات لکھے ہوئے ہیں سارے حصے ختم ہوجاتے باقی حصہ دار جو ہوتے وہ رہ جاتے۔ تو فرمایا ﴿ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾ یہ نافرمانی ہے۔

آیت کریمہ کا نزول

﴿اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ آج کے دن ناامید ہو گئے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿مِنْ دِيْنِكُمْ﴾ تمہارے دین سے۔ پہلے تو ان کو امید تھی کہ ہم اس کو دبالیں گے ختم کر دیں گے لیکن اب عرب کی اکثریت مسلمان ہو چکی ہے اور جو باقی رہ گئے ہیں ان میں اسلام سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے لہٰذا اب وہ بالکل ناامید ہو گئے ہیں کہ اسلام کے پودے کو پنپنے نہ دیں۔ یہاں ﴿اَلْيَوْمَ﴾ سے مراد ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ کا دن ہے۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ عرفات کے میدان میں نازل ہوئی ہے۔

تکمیل دین

فرمایا ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾ پس تم نہ ڈرو ان سے اور مجھ سے ڈرو ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین۔ عرفات کا میدان تھا، عرفہ اور جمعہ کا دن تھا اور عصر کا وقت تھا ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قرآنِ کریم جس کا آغاز جبلِ نور کی چوٹی پر غارِ حرا میں ہوا تھا۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہو گیا ہے اور یہ اس کا آخری حصہ ہے۔ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ آج کے دن میں نے مکمل کر دیا ہے ﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ اور مکمل کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ اور میں نے پسند کیا ہے تمہارے لیے اسلام کو دین۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو سنا دیا کہ اس کے بعد اب قرآنِ کریم کا کوئی حصہ نازل نہیں ہوگا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً بیاسی [۸۲] دن دنیا میں رہے ہیں اور وحی تو آتی رہی ہے مگر قرآن کریم کا ایک حرف بھی نازل نہیں ہوا۔

مضطر کے لیے حرام چیزیں کھانے کا ذکر

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ﴾ پس جو شخص مجبور کیا گیا بھوک میں ﴿غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ﴾ اس حال میں کہ وہ مائل ہونے والا نہیں ہے گناہ کی طرف۔ اس کو اجازت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے بقدرِ ضرورت کھا پی سکتا ہے۔ مثلاً: اوپر مردار کا ذکر ہوا ہے خنزیر کا ذکر ہوا ہے کوئی ایسا وقت آ گیا کہ آدمی نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے اور جان خطرے میں ہے کہ اگر کچھ نہیں کھاتا پیتا تو مرتا ہے تو اس کو ایسے موقع پر اتنا حرام کھانے کی اجازت ہے کہ جس سے جان بچ جائے اور دوسرے پارے میں

﴿غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ کے لفظ ہیں کہ نہ لذت تلاش کرنے والا ہو اور نہ ضرورت سے زیادہ کھائے یعنی ایسی مجبوری کی حالت میں مردار بھی کھاسکتا ہے، خنزیر بھی کھاسکتا ہے، شراب بھی پی سکتا ہے مگر صرف اتنی پینے کی اجازت ہے کہ جس سے جان بچ جائے اور اگر اس موقع پر خنزیر اور مردار نہ کھایا اور مر گیا تو گنہگار کی موت مرے گا۔

اسی طرح اگر اتنی شدید پیاس ہے کہ جان جاتی ہے اور اس کے پاس صرف شراب پڑی ہے اگر نہ پی اور مر گیا تو گنہگار کی موت مرا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے اس نے اس اجازت سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ چھوٹی موٹی لغزش کو معاف کر دے گا۔

﴿یَسْــَٔلُوْنَكَ﴾ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں ﴿مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ﴾ کیا کچھ ان کے لیے حلال کیا گیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ﴾ حلال کی گئیں تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ﴾ اور وہ جو تم نے تعلیم دی ہے ﴿مِّنَ الْجَوَارِحِ﴾ زخمی کرنے والے جانوروں کو ﴿مُكَلِّبِیْنَ﴾ کہ چھوڑتے ہو شکار پر ﴿تُعَلِّمُوْنَهُنَّ﴾ سکھاتے ہو تم ان کو ﴿مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ﴾ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں تعلیم دی ہے ﴿فَكُلُوْا﴾ پس کھاؤ ﴿مِمَّآ﴾ ان جانوروں کو ﴿اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ﴾ (جو شکار کے بعد) انہوں نے تمہارے لیے روکے ہیں ﴿وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ﴾ اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا نام اس پر ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿اَلْیَوْمَ﴾ آج کے دن ﴿اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ﴾ حلال کی گئیں تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں ﴿وَطَعَامُ الَّذِیْنَ﴾ اور خوراک ان لوگوں کی ﴿اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جن کو کتاب دی گئی ﴿حِلٌّ لَّكُمْ﴾ تمہارے لیے حلال ہے ﴿وَطَعَامُكُمْ﴾ اور یہ تمہارا کھانا ﴿حِلٌّ لَّهُمْ﴾ ان کے لیے حلال ہے ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ﴾ اور پاک دامن عورتیں ﴿مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ ایمان والیوں میں سے ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ﴾ اور پاکدامن عورتیں ﴿مِنَ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے ﴿اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ﴾ جب دو تم ان کو ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ مہر ان کے ﴿مُحْصِنِیْنَ﴾ قید میں رکھنے والے ہو ﴿غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ﴾ نہ مستی نکالنے والے ہو ﴿وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ﴾ اور نہ خفیہ یاری لگانے والے ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ﴾ اور جس نے انکار کیا ایمان کا ﴿فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ پس تحقیق ضائع ہو گیا عمل اس کا ﴿وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

حلال وحرام پرندوں کی تفصیل

سورت کی ابتداء میں یہ بیان ہوا کہ احرام کی حالت میں تمہارے لئے شکار کرنا جائز نہیں ہے احرام سے نکلنے کے بعد شکار کرنے کی اجازت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی بعض شکاری تھے کسی نے کتے رکھے ہوئے تھے، کسی نے باز، بعض نے شاہین اور بعض نے شکرے (انہیں شکار کے لیے سدھاتے تھے، تیار کرتے تھے) تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم لوگ شکار کھیلتے ہیں اس کے متعلق حضرت! ہمیں بتائیں کہ یہ درست ہے یا نہیں؟ اور کس کس چیز کا شکار کرنا جائز ہے؟ اور کس کا شکار کرنا جائز نہیں ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول بیان فرمائے جو کہ تفاسیر اور احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

فرمایا کُلُّ ذِیْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّیْرِ ہر وہ پرندہ جو پنجے سے شکار کرتا ہے وہ حرام ہے۔ یاد رکھنا! ایک ہے پنجے سے پکڑ کر کھانا جیسے طوطا ہے لالی، شارک ہے اور بسا اوقات مرغی بھی پنجے سے پکڑ کر کھالیتی ہے یہ حلال ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو پنجے کے ذریعے شکار کرتے ہیں وہ حرام ہیں جیسے چیل، باز، شکرہ وغیرہ ہیں۔ اور درندوں میں جو کچلیوں یعنی دانتوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں وہ حرام ہیں جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ، گیدڑ وغیرہ ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے چند بنیادی چیزیں بیان فرمائی ہیں ان کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔

فرمایا ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ﴾ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں ﴿مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ﴾ کیا کچھ ان کے لیے حلال کیا گیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ﴾ حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ﴾ اور وہ جو تم نے تعلیم دی ہے زخمی کرنے والے جانوروں کو جَوَارِح، جَارِحَةٌ کی جمع ہے اور جَارِحَةٌ، جَرَحَ سے ہے جس کے معنی ہیں ''زخمی کرنا'' اور جَارِحَةٌ ایسے جانور کو کہتے ہیں جو دوسرے کو زخمی کرے اور جو جانور شکار کرتے ہیں وہ بھی زخمی کرتے ہیں کیوں کہ منہ سے پکڑتے ہیں اور جو پرندے شکار کرتے ہیں وہ بھی زخمی کرتے ہیں کیونکہ وہ نوکیلے پنجوں سے پکڑتے ہیں۔

کلب معلم کا شکار

﴿مُكَلِّبِیْنَ﴾ چھوڑتے ہو شکار پر مُکَلِّبٌ کا معنی ہے کہ تم اس کو اپنے ارادہ سے شکار پر چھوڑتے ہو۔ ﴿تُعَلِّمُوْنَهُنَّ﴾ سکھاتے ہو تم ان کو ﴿مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ﴾ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں تعلیم دی ہے۔ تعلیم یافتہ سکھایا ہوا کتا وہ ہوتا ہے کہ جب تم اسے شکار کے لیے چھوڑو وہ شکار کے قریب پہنچ جائے تم اسے بلاؤ تو وہ واپس آجائے۔ تین دفعہ اس طرح امتحان لینا چاہیے اگر وہ تمہارے بلانے سے واپس آجاتا ہے تو ایسا کتا مُعَلَّم ہے۔ یعنی سدھایا ہوا ہے۔ پھر اس کی شرط میں سے یہ بھی ہے کہ شکار کر کے کھانے نہ لگ جائے بلکہ مالک کے پاس لائے اگر شکاری جانور نے شکار کا کچھ حصہ خود کھالیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شکار اس نے اپنے لیے کیا ہے لہٰذا یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ﴾ پس کھاؤ ان جانوروں کو (جو شکار کے بعد) انہوں نے تمہارے

لیے روکے ہیں ﴿وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا نام اس پر یعنی کتے اور شکاری جانور کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو۔
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکاری جانور کے ذریعہ شکار کرنے کے لیے پانچ شرطیں ہیں۔ اگر وہ پانچ شرطیں پائی گئیں تو اس کا کیا ہوا شکار حلال ہے ورنہ نہیں

شکاری جانور کے لیے پانچ شرائط

① ...... جس جانور کو ہم نے شکار پر چھوڑا ہے وہ شکار کو زخمی کرے کیونکہ قرآن پاک میں ہے ﴿مِّنَ الْجَوَارِحِ﴾ زخمی کرنے والے جانوروں کو۔

② ...... وہ سکھایا ہوا ہو اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اگر تم اسے بلاؤ تو واپس آجائے

③ ...... جاہل کتا ساتھ نہ ہو مطلب یہ ہے کہ تم نے سکھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑا اس کے ساتھ دوسرا عام کتا مل گیا اور دونوں نے مل کر شکار کیا اور جانور تکبیر پڑھ کر ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے یہ حرام ہے اور اگر صرف سدھائے ہوئے کتے نے شکار کیا اور تکبیر پڑھ کر ذبح کرنے سے پہلے مر گیا پھر بھی حلال ہے۔

چنانچہ مشہور زمانہ سخی حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ پڑھے لکھے تعلیم یافتہ سمجھدار نوجوان تھے پہلے عیسائی مذہب رکھتے تھے ۹ ھ یا ۱۰ ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت! ہم اپنے علاقے میں کتوں کے ساتھ شکار کھیلتے ہیں جن کو ہم نے سدھایا سکھایا ہوا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم جب اپنے کتے کو شکار پر چھوڑتے ہیں تو اس کے ساتھ ایسا کتا بھی شامل ہو جاتا ہے جو سدھایا سکھایا ہوا نہیں ہوتا اور دونوں کتے مل کر شکار کو پکڑتے ہیں کیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَا کھانا جائز نہیں ہے۔ إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ پختہ بات ہے کہ تو نے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی ہے دوسرا کتا جو ساتھ شریک ہو گیا ہے اس کو تو بسم اللہ پڑھ کر نہیں چھوڑا گیا۔ یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔ اس روایت سے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے وہ یہ کہ گائے، اونٹ کی قربانی جس میں سات آدمیوں تک شریک ہو سکتے ہیں اگرچہ اکیلے آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے، دو بھی مل کر کر سکتے ہیں تین بھی، چار بھی، پانچ بھی، چھ بھی، آخری حد سات ہے۔ اس کو اگر ایک آدمی بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے تو صحیح ہے وہ سب کی طرف سے وکیل ہے۔ لیکن اگر حصہ دار وہمی ہوں اور کہیں کہ ذبح کرتے وقت ہم نے بھی چھری پر ہاتھ رکھنا ہے کہ اگر ہمارا ہاتھ چھری پر نہ آیا تو اجر میں کمی ہو جائے گی تو اس صورت میں ساتوں کے ساتوں کو بسم اللہ پڑھنی پڑھے گی۔ اگر ان میں سے ایک نے بھی بسم اللہ نہ پڑھی تو جانور حرام ہو جائے گا۔

④ ...... وہ کتا شکار لا کر تمھیں دے خود نہ کھائے اگر اس نے خود کھانا شروع کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے یہ شکار اپنے لیے کیا ہے تمہارے لیے نہیں کیا۔

⑤......بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے۔

ان پانچ شرطوں کے پائے جانے کے بعد اگر جانور تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے مر بھی جائے تو حلال ہے ہاں اتنا کرو کہ کتے نے جہاں منہ مارا ہے اس جگہ سے کاٹ کر پھینک دو کیونکہ کتے کا جھوٹا پلید ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِيْ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ)). (رواہ مسلم، ج۱، ص۱۳۷)

جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے پانی بہا کر سات مرتبہ دھوئے۔ لہٰذا جس جگہ کتے کا منہ لگا ہے اس جگہ کو کاٹ کر پھینک دو باقی جانور جائز ہے۔

تیر اور بندوق کے شکار کا مسئلہ

تیر کے شکار کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ تم نے شکار پر تیر مارا ہے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر اور تیر کی نوک جانور کو لگی ہے اور وہ مر گیا ذبح کرنے سے پہلے تو وہ جائز اور حلال ہے اور اگر تیر عرضاً لگا ہے تو اب ذبح کرنے کے بغیر نہیں کھا سکتے۔ رہا مسئلہ بندوق کا تو یہ نئی ایجاد ہے اس زمانے میں بندوقیں نہیں ہوتی تھیں۔ غلیلوں اور کمانوں کے ساتھ شکار کھیلتے تھے بندوق کا چھرا گول ہوتا ہے تیر کی طرح نوک دار نہیں ہوتا لہٰذا بندوق کا فائر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر بھی کیا جائے تو ذبح کیے بغیر جانور حلال نہیں ہے۔

مودودی صاحب کا اعتراض اور اس کا جواب

اور مودودی صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ چھرّا قیمتی ہوتا ہے اور یہ ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ ماری ہوئی چیز بھی ذبح کرنے کے بغیر حلال ہے یہ ان کی منطق باطل ہے کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''اگر تیر نوک کی طرف سے نہ لگے تو جانور مردار ہے۔'' اور جس مسئلے پر صحیح حدیث موجود ہو اور چاروں ائمہ کرام متفق ہوں تو کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور اس مسئلے پر چاروں فقہی مذہب احناف، شوافع، مالکیہ، اور حنابلہ متفق ہیں کہ بندوق کا مارا ہوا بغیر ذبح کرنے کے حلال نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف مودودی صاحب کا اپنی رائے پیش کرنا کوئی دین کی خدمت نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ جن جانوروں کو تم سدھا سکھا کر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر چھوڑ دو اور وہ شکار کو تمہارے لیے روکیں تو وہ تمہارے لیے حلال ہے اس کو کھاؤ۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ایسا نہ ہو کہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر نہیں چھوڑا اور شکار بغیر ذبح کرنے کے مر گیا اور اس کو کھا لو یہ صحیح نہیں ہے۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ آج کے دن حلال کی گئیں تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں۔

اہل کتاب اور دہریے کے ذبیحہ کا حکم

اور ان کے علاوہ ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ اور خوراک ان لوگوں کی جن کو کتاب دی گئی تمہارے لیے

حلال ہے۔اس سے مراد ذبیحہ ہے کیونکہ عام کھانا تو تمام غیر مسلموں کا جائز ہے یعنی ان لوگوں کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے جن کو کتاب دی گئی اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں مگر اس کے لیے شرط ہے کہ اس قسم کے یہود و نصاریٰ ہوں جو نزول قرآن کے وقت تھے کہ اللہ تعالیٰ، پیغمبروں، آسمانی کتابوں، قیامت کے قائل ہوں، دہریے قسم کے یہود و نصاریٰ نہ ہوں جس طرح آج بہت سے ایسے فرقے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں مگر وہ شریعت کی زبان میں مسلمان نہیں ہیں جیسے رافضی، قادیانی، ذکری، بابی، بہائی، منکرین حدیث ہیں۔اور بھی کئی فرقے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں مگر ہیں وہ کافر۔

اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو عیسائی اور یہودی کہلاتے ہیں مگر ہیں وہ دہریے۔تو ایسے دہریئے قسم کے یہودیوں اور عیسائیوں کا ذبیحہ جائز نہیں ہے اسی طرح آگے آ رہا ہے کہ اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے مگر ایسی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے جو دہریہ قسم کی ہوں۔بیوی کا نیک ہونا اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔لہٰذا نیک بیوی پسند کرنی چاہیے اور بہت سے عوامل ہیں جن کو سامنے رکھنا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فہم

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب بیروت، لبنان، شام کا علاقہ فتح ہوا اور ان علاقوں میں حسن بہت ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں بدمعاشیاں بہت ہیں۔اور عرب کے لوگ محنت مشقت کرنے والے سانولے پکے رنگ کے تھے۔نئی نسل نے جب گوری عورتیں دیکھیں ان کے ساتھ نکاح کرنے شروع کر دیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر پابندی لگا دی لوگوں نے اعتراض کیا کہ رب تعالیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کر سکتے ہو۔اور آپ منع کرتے ہیں۔

بچے کی پرورش اور ماں کا کردار

فرمایا: ''رب تعالیٰ کی اجازت کو میں بھی جانتا ہوں مگر کچھ اور عوامل ہیں جن کی وجہ سے منع کر رہا ہوں وہ یہ کہ جو عرب عورتیں ہیں دین کو سمجھتی ہیں ان کا کیا بنے گا وہ کہاں جائیں گی اور تم اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کرو گے اس سے تمہاری اولاد پر اثر پڑے گا اس لیے میں تمھیں منع کرتا ہوں''۔خلیفہ راشد کو شرعی طور پر خاصے اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ ایسا کر سکتا ہے۔دیکھو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی گُر کی بات فرمائی ہے کہ ماں کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے بچے کو کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا تو جب ماں ایسی ہوگی تو پھر بچہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہوگا۔قائدِ اعظم مرحوم نے ۱۹۱۸ء میں ایک پارسی کی بیٹی رتن بائی سے شادی کی رتن بائی تو ان کے اثر و رسوخ سے مسلمان ہوگئی اس سے بیٹی ہوئی جس کا نام مریم تھا وہ پارسی ہوگئی باپ نے اس کو گھر سے نکال دیا اس نے عقیدہ نہ چھوڑا ابھی تک وہ بمبئی (موجودہ ممبئی) میں ہے۔

ولی خان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان کو لوگوں نے روکا کہ میم (گوری عورت) کے ساتھ نکاح نہ کر لیکن اس نے کسی کی

بات نہ مانی اور نکاح کرلیا اس میم سے جو لڑکی پیدا ہوئی اس نے ایک سکھ کے ساتھ شادی کی اس کو نہ ولی خان روک سکا، نہ غفار خان اور نہ ڈاکٹر خان۔ لڑکی نے کہا کہ میں آزاد ہوں جہاں چاہوں نکاح کروں تو ماں کی نیکی یا بدی اولاد پر بہ نسبت باپ کے جلدی اثر کرتی ہے کیونکہ باپ بے چارہ تو ملازمت پر جائے گا یا کارخانے جائے گا یا مزدوری کے لیے جائے گا بچے جو کچھ ماں سے حاصل کر سکتے ہیں باپ سے نہیں یہی وجہ ہے کہ جن گھروں میں نیک عورتیں ہیں ان کے اثرات سامنے ہیں۔

عورت سے شادی کی چار وجوہات

حدیث پاک میں آتا ہے تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ عورت کے ساتھ شادی کی جاتی ہے چار وجہ سے:

① حسن کی وجہ سے۔ ② حسب نسب کی وجہ سے۔ ③ مال کی وجہ سے۔ ④ دینداری کی وجہ سے۔

فرمایا تم دین دار عورت کو ترجیح دو۔ اس کا اولاد پر اثر ہوگا اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

سیرت پر نظر چاہیے صورت سے زیادہ

بات ساری سیرت سے بنتی ہے۔ تو فرمایا ﴿وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ اور خوراک ان لوگوں کی جن کو کتاب دی گئی۔ ﴿حِلٌّ لَّكُمْ﴾ تمہارے لیے حلال ہے ﴿وَ طَعَامُكُمْ﴾ اور یہ تمہارا کھانا ﴿حِلٌّ لَّهُمْ﴾ ان کے لیے حلال ہے ﴿وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور پاک دامن عورتیں ایمان والیوں میں سے حلال ہیں۔

اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کا حکم اور مقاصد

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو دی گئی کتاب ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے تورات، انجیل جن کو دی گئیں وہ عورتیں بھی حلال ہیں۔

﴿اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ جب دو تم ان کو مہران کے ﴿مُحْصِنِيْنَ﴾ قید میں رکھنے والے ہو ﴿غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ نہ مستی نکالنے والے ہو ﴿وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ اور نہ خفیہ یاری لگانے والے اَخْدَانٌ، خِدْنٌ کی جمع ہے اور خِدْنٌ کا معنی ہے یاری لگانا۔ عورتوں کی عصمت کی حفاظت کے نگہبان صرف مرد ہیں عورتوں کی نگہبانی صرف مرد کر سکتے ہیں تعلیم کا کوئی اثر نہیں ہے پرانی ہو یا نئی (دینی ہو یا عصری) لہٰذا عورتوں کی عصمت کا خیال رکھو۔ ان کی نگہداشت بہت ضروری ہے آزاد قسم کی بچیاں ماں باپ کے ہاتھ سے نکل جاتی ہیں۔

معاشرے کی خرابی کا ذمہ دار کون؟

آج لوگ کہتے ہیں کہ بچیاں بات نہیں مانتیں، فلاں جگہ سے روکتے ہیں رکتی نہیں۔ قوم کے لیے مصیبت بن گئی ہے۔ اب وہ معاشرہ تو رہا نہیں کہ معاشرہ میں خیر غالب ہونے کی وجہ سے اکثر لوگوں کی خود بہ خود اصلاح ہو جاتی تھی۔ لہٰذا خود اصلاح

کرنی ہے۔اور معاشرے کی بربادی کی ایک بڑی وجہ حکومت بھی ہے۔ جو غلط کاموں کی سرپرستی کرتی ہے۔

کافی پرانی بات ہے کہ پاکستان بنے ابھی تیرہ، چودہ سال ہوئے تھے ایک بڑا موٹا ڈی سی ہوتا تھا اس نے ایک سکول میں معززین شہر کو جمع کیا مولویوں کو بھی بلایا مجھے بھی دعوت ملی میں بھی گیا۔اس نے تقریر کی اور معاشرے کی خرابی کی ذمہ داری ساری مولویوں پر ڈال دی کہ یہ لوگوں کی اصلاح نہیں کرتے۔ میں نے اُٹھ کر کہا کہ ڈی سی صاحب آپ ہمارے ضلع کے بڑے افسر ہیں اور اس وقت ہمارے مہمان ہیں ہم آپ کی قدر کرتے ہیں۔مگر سوال یہ ہے کہ یہ سینما گھر مولویوں نے بنوائے ہیں یا حکومت نے، یہ مینا بازار اور جمعہ بازار مولوی لگواتے ہیں یا تم؟ یہ مخلوط تعلیم مولویوں نے شروع کی ہے یا تم نے؟ یہ کلب مولویوں نے کھلوائے ہیں یا تم نے؟

مجھے ایک ساتھی نے کہا کہ ڈی سی ہے۔ میں نے کہا جب اس نے بات کی ہے تو مجھے بھی کرنے دو۔ سارا نزلہ مولوی پر گرتا ہے مولوی کے پاس زبان کے سوا اور ہے کیا؟ طاقت تمہارے پاس، حکومت تمہارے پاس، ڈنڈا تمہارے پاس، اختیارات تمہارے پاس، یہ سارے بدمعاشی کے اڈے تم نے قائم کیے ہیں۔اخبارات میں غلط قسم کی خبریں چھپتی ہیں جن کو پڑھ کر نوجوان طبقہ ڈاکو بنتا ہے وہ اخبارات تمہارے کنٹرول میں ہیں آج اکثریت ڈاکوؤں کی کالجیٹ ہے۔حکومت ان کو ملازمتیں نہیں دیتی ان کی مدد نہیں کرتی وہ یہی کام کرتے ہیں، جاہل اور اَن پڑھ ڈاکو بہت کم ہیں۔تم مولویوں کو کوستے ہو اس میں مولویوں کا کیا گناہ ہے؟

ایمان بچانے کی تاکید

فرمایا ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ﴾ اور جس نے انکار کیا ایمان کا ﴿فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ پس تحقیق ضائع ہو گیا عمل اس کا یعنی اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی تو اجازت ہے مگر ایمان نہ ضائع کر دینا یہاں کچھ لوگ بڑے دین دار اور نیک ہوتے تھے۔نمازیں بھی پڑھتے تھے روزے بھی رکھتے تھے میموں کے ساتھ شادیاں کیں۔نہ نماز رہی، نہ روزہ۔

بھائی! دنیا میں کتنی دیر رہنا ہے موت تو سر پر کھڑی ہے۔اس حادثاتی دور میں زندگی پر کچھ بھی یقین نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا خواہشات کی وجہ سے ایمان نہ ضائع کرو جس نے ایمان ضائع کر دیا۔ ﴿وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آخرت کے نقصان سے محفوظ فرمائے۔ [اٰمین]

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا قُمْتُمْ﴾ جس وقت کھڑے ہو تم ﴿اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ نماز کی طرف ﴿فَاغْسِلُوْا﴾ پس دھولو ﴿وُجُوْهَكُمْ﴾ اپنے چہروں کو ﴿وَاَيْدِيَكُمْ﴾ اور اپنے ہاتھوں کو ﴿اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ کہنیوں تک ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ اور مسح کرو اپنے سروں کا ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ اور اپنے پاؤں دھولو ﴿اِلَى

﴿الْكَعْبَيْنِ﴾ ٹخنوں سمیت ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا﴾ اور اگر ہو تم جنابت کی حالت میں ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ تو اچھی طرح طہارت حاصل کرو ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى﴾ اور اگر ہو تم بیمار ﴿اَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ یا سفر پر ہو ﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ﴾ یا آئے تم میں سے کوئی ﴿مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ قضائے حاجت سے ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ یا تم نے ہمبستری کی ہو عورتوں سے ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ پس نہ پاؤ تم پانی ﴿فَتَيَمَّمُوْا﴾ پس تم تیمم کرو ﴿صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ پاک مٹی سے ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ﴾ پس مسح کرو تم اپنے چہروں کا ﴿وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ اور اپنے ہاتھوں کا اس مٹی سے ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ﴾ نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ ﴿لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ﴾ تاکہ کرے تم پر ﴿مِّنْ حَرَجٍ﴾ کوئی تنگی ﴿وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ﴾ اور لیکن ارادہ کرتا ہے ﴿لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمھیں پاک کردے ﴿وَ لِيُتِمَّ﴾ اور تاکہ پوری کردے ﴿نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ﴾ اپنی نعمت تم پر ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت ﴿عَلَيْكُمْ﴾ جو تم پر ہوئی ﴿وَ مِيْثَاقَهُ﴾ اور اس کا وعدہ ﴿الَّذِيْ﴾ وہ ﴿وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ﴾ جو اس نے تم سے لیا ﴿اِذْ قُلْتُمْ﴾ جب تم نے کہا ﴿سَمِعْنَا﴾ ہم نے سن لیا ﴿وَ اَطَعْنَا﴾ اور ہم نے اطاعت کی ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيْمٌ﴾ جانتا ہے ﴿بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ دلوں کے راز۔

ربط آیات

طہارت کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ طہارت باطنی ہے روح کا پاک ہونا اور روح پاک ہوتی ہے ایمان سے، توحید سے، صدق دل سے کلمہ طیبہ پڑھا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ باطنی طہارت حاصل ہوگئی۔ ایمان، توحید کے بغیر باطنی طہارت حاصل نہیں ہوتی۔ مشرک اگر سات سمندروں میں بھی غسل کرے پاک نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ "پختہ بات ہے کہ مشرک پلید ہے۔" [التوبہ:۲۸]

اور باطنی طہارت کے بغیر اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے چاہے کوئی نماز پڑھے روزہ رکھے، صدقہ خیرات کرے جتنا اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کرے اکارت ہے۔ اس سے پہلے اس کا ذکر تھا ﴿وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ "اور جو انکار کرے گا ایمان کا پس تحقیق اس کا عمل ضائع ہوگیا۔"

ظاہری طہارت کا بیان

اور اب ظاہری طہارت کا ذکر ہے۔ ظاہری طہارت حاصل ہوتی ہے غسل سے، وضو سے، تیمم سے اور کچھ اعمال ایسے ہیں جو ظاہری طہارت پر موقوف ہیں لہٰذا ظاہری طہارت کو بیان فرماتے ہیں۔

وضو کے فرائض اور حکم

ارشادِ ربانی ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ جس وقت کھڑے ہو تم نماز کی طرف یعنی نماز پڑھنے کا ارادہ کرو ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ پس دھولو اپنے چہروں کو۔ وضو کے فرضوں میں سے ایک فرض ہے چہرے کا دھونا اور چہرے کی حد ہے پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک اتنے حصے پر پانی کا بہانا فرض ہے۔ آنکھ کا باہر کا کونا دھونا بھی ضروری ہے، خشک نہ رہے اور اندر کا کونا دھونا بھی ضروری ہے۔ بعض لوگ آنکھیں بند کر کے چہرے پر چھینٹے مارتے ہیں ایسی صورت میں ممکن ہے کہ اندر کا کونا تر نہ ہو اگر ایسا ہوا تو وضو نہیں ہوگا۔

﴿وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک۔ کہنی کی ہڈی کا دھونا فرض ہے۔ اگر خشک رہ گئی تو وضو نہیں ہوگا۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھیں کہ اگر ہاتھ پر رنگ روغن یا کوئی ایسی چیز لگی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے پانی جلد تک نہیں پہنچتا تو اس کا دور کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر پانی جلد تک نہ پہنچا تو وضو نہیں ہوگا۔ اسی طرح عورتیں ناخن پالش لگاتی ہیں اس سے ناخنوں پر لیپ ہو جاتا ہے اور پانی نیچے نہیں جاتا۔ لہٰذا نہ وضو ہوا اور نہ غسل ہوا۔ نماز پڑھنے کے باوجود نہ ہوئی اور بغیر وضو کے سجدہ ہوا۔

وضو سے متعلق چند مسائل

اگرچہ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا اس میں اختلاف ہے مگر فقہائے کرام رحمہم اللہ کی ایک بہت بڑی تعداد کا نظریہ یہ ہے کہ بغیر وضو کے سجدہ کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ تو یہ کوئی چھوٹا مسئلہ نہیں ہے بہت بڑا مسئلہ ہے۔ بلکہ پہاڑ سے بھی بڑا مسئلہ ہے اور نکاح نہ بھی ٹوٹے اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ نماز نہیں ہوتی پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ بوڑھی بوڑھی عورتیں تعویذ لینے کے لیے آتی ہیں جو میری ماں کی عمر کی ہوتی ہیں اُنھوں نے بھی ناخن پالش لگائی ہوتی ہے۔ پوچھتا ہوں تو کہتی ہیں کہ پوتی نے لگادی ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ بھائی! بچیوں کا لگانا تو سمجھ میں آتا ہے نانی دادی کا لگانا سمجھ میں نہیں آتا۔ اصل بات یہ ہے کہ دین کی اہمیت ہی نہیں ہے، نماز کی اہمیت نہیں ہے وضو، غسل کی اہمیت نہیں ہے۔ اگر فکر ہو کہ میں نے نماز پڑھنی ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنی ہے تو ان چیزوں کا احساس بھی ہو۔

آج کل ایک خاص قسم کی مہندی آئی ہے اس کا مکمل تجربہ تو نہیں کیا لیکن شبہ ہے کہ اس کا بھی لیپ ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ بھی نہیں لگانی چاہیے۔ باقی عام مہندی عورتوں کے لیے سنت ہے۔ اس سے ناخن پر لیپ نہیں ہوتا صرف ناخن کی رنگت بدلتی ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ لمبے ناخنوں کے نیچے میل کچیل جمع ہو جاتی ہے وضو اور غسل کے وقت وہ جگہ نیچے سے خشک رہ جاتی ہے جبکہ وضو اور غسل میں اس کا گیلا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا ناخن لمبے نہیں ہونے چاہئیں۔

اس لیے فقہائے کرام ﷭ نے حدیث پاک کی روشنی میں کہا ہے کہ ہفتے میں ایک دفعہ ناخنوں کا کاٹنا مستحب ہے ہاتھوں کے بھی اور پاؤں کے بھی۔ اگر کسی نے انگوٹھی پہنی ہوئی ہے تو وضو کے وقت اس کو اتار دیں تا کہ اس کے نیچے کی جگہ خشک نہ رہے ہاں اگر اتنی کھلی ہے کہ اس کے نیچے پانی پھر جائے تو نہ اتاریں۔ بعض گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے چین کے نیچے پانی نہیں جاتا ان کو اتار کر وضو کریں یا چین کے نیچے پانی پہنچائیں اور بہائیں صرف مسح نہیں کرنا بلکہ اس جگہ پانی چلانا ہے۔ ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیں اور گھروں میں بیان کریں۔ اپنی عورتوں کو، بیٹیوں کو، بہوؤں کو، بہنوں کو سمجھاؤ۔ عورتیں دین سے بہت غافل ہیں ان کو احساس دلاؤ۔

اور تیسرا فرض ہے ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ اور مسح کرو اپنے سروں کا۔ چوتھائی حصے کا مسح کرنا فرض ہے اور سارے سر کا مسح کرنا مستحب ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس طرح مسح کرتے تھے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پیچھے لے جاتے پھر پیچھے سے واپس آگے لے آتے اور دوپٹہ، ٹوپی اور رومال اتار کر مسح کرنا ہے۔ کیونکہ مسح سر کا کرنا ہے نہ کہ ٹوپی رومال کا۔

وضو میں بے احتیاطی پر وعید

اور چوتھا فرض ہے ﴿وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ اور اپنے پاؤں دھولو ٹخنوں سمیت ﴿وَ اَرْجُلَكُمْ﴾ کا عطف ہے ﴿وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ﴾ پر یعنی جس طرح چہرے اور ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا اس نے وضو کیا مگر اس کی ایڑی تھوڑی سی خشک رہ گئی فَنَادٰی بِاَعْلٰی صَوْتِهٖ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ آپ ﷺ نے اس کو بلند آواز سے فرمایا ”یہ ایڑیاں جو خشک رہ گئی ہیں دوزخ میں لے جائیں گی“، یہ ایڑیاں جو خشک رہ گئی ہیں دوزخ میں لے جائیں گی، یہ ایڑیاں جو خشک رہ گئی ہیں دوزخ میں لے جائیں گی۔ تین مرتبہ فرمایا، روایت بخاری شریف کی ہے۔ تو یہ چار فرض ہیں وضو میں باقی کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، پہلے ہاتھوں کو گٹوں (پہنچوں) تک دھونا، مسواک کرنا، قبلہ رو ہو کر وضو کرنا اس کے علاوہ اور کئی چیزیں ہیں بعض ان میں سنت ہیں اور بعض مستحب ہیں۔

غسل جنابت کے فرائض اور احتیاطاً حضرت علی ﷛ کا سر منڈوانا

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا﴾ اور اگر ہو تم جنابت کی حالت میں ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ تو اچھی طرح طہارت حاصل کرو۔ غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے اور اسی طرح پورے جسم پر پانی بہانا بھی فرض۔ یہ تین فرض ہیں غسل کے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ ”بے شک ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہے۔“ حضرت علی ﷛ نے پٹے رکھے ہوئے تھے ایک دن تشریف لائے تو سر منڈوایا ہوا تھا۔ ساتھیوں نے پوچھا حضرت! آپ نے سر منڈوالیا ہے؟ فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے اِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ ”بے شک ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہے۔“ اور میرے بال گھنے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ضروری غسل میں پانی نیچے نہ پہنچے اس خوف سے میں نے سر منڈوالیا ہے۔ تو جنابت کی صورت میں

کمالِ طہارت کرنی ہے کوئی جگہ خشک نہ رہے۔

تیمم کی اجازت اور صحت کے شرائط

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى﴾ اور اگر ہو تم بیمار۔ لیکن بیماری سے کیسی بیماری مراد ہے۔ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ بیماری کی نوعیت ایسی ہو کہ پانی کے استعمال سے جان کا خطرہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا خطرہ۔ لیکن اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ یا تو آدمی خود فیصلہ کرے۔ کیونکہ خود اپنا نفس بھی مفتی ہے۔ اس کو فقہائے کرام رحمہم اللہ رائے مبتلی بہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز میں مبتلا ہے اس کی رائے کا بھی اعتبار ہے۔ ایک آدمی بیمار ہے اور وہ خود سمجھتا ہے کہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا یا پانی نہیں استعمال کرسکتا تو اس کو کسی مفتی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنی بات ذہن میں رکھ کر فیصلہ کرے کہ کل جب میں رب تعالیٰ کی عدالت میں کھڑا ہوں گا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کریں گے کہ فلاں روزہ تونے کیوں نہیں رکھا تھا؟ یا فلاں وقت تونے وضو کی جگہ تیمم کیوں کیا تھا؟ یا تونے بیٹھ کر نماز کیوں پڑھی تھی؟ اگر یہ عذر میں نے بیان کیا تو سرخرو ہو جاؤں گا کہ پروردگار! تو جانتا ہے کہ میں کھڑا نہیں ہوسکتا تھا یا میں روزہ نہیں رکھ سکتا تھا یا وضو کرتا تو مر جانے کا خطرہ تھا یا بیماری کے بڑھ جانے کا خطرہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ میرے عذر کو قبول فرمالیں گے تو ایسی صورت میں اپنی رائے کا بھی اعتبار ہے۔

عورتوں میں یہ بیماری بہت زیادہ ہے کہ سارے کام کریں گی کہ سودا سلف بھی دکان سے لے آئیں گی مگر نماز بیٹھ کر پڑھیں گی۔ ہمارے گھر میں بھی دور دراز سے عورتیں مسائل دریافت کرنے کے لیے اور دم درود کے لیے آتی ہیں اور نماز بیٹھ کے پڑھنے لگ جاتی ہیں۔ پوچھا جاتا ہے کہاں سے آئی ہے؟ فلاں قصبہ سے آئی ہوں، کچھ سامان بازار سے خریدنا تھا اور آپ سے بھی کام تھا۔ اے اللہ کی بندی! سارا بازار تو پھر کر آئی ہے اور نماز بیٹھ کر پڑھتی ہے۔ یاد رکھنا! قیام نماز میں فرض ہے اور فرض کے چھوڑنے سے نماز نہیں ہوتی۔ ہاں! اس وقت ہو جائے گی جب کھڑے ہو کر پڑھنے کی ہمت نہ ہو۔ تو ایسا مریض کہ خود اس کی طبیعت فیصلہ کرے کہ میں غسل نہیں کرسکتا وضو نہیں کرسکتا تو اس کو تیمم کی اجازت ہے۔ یا حکیم اور ڈاکٹر پانی کے استعمال سے منع کریں لیکن حکیم، ڈاکٹر کے لیے تین شرطیں ہیں۔ اگر یہ شرطیں نہ پائی گئیں تو حکیم ڈاکٹر کی بات حجت نہیں ہوگی۔

① ...... وہ حکیم یا ڈاکٹر مسلمان ہو اس لیے کہ دینی مسائل میں غیر مسلم کی بات حجت نہیں ہے۔ وضو، غسل، نماز، روزہ دین ہیں ان کے متعلق کافر کہے کہ چھوڑ دو ہرگز نہیں چھوڑنا۔

② ...... حکیم یا ڈاکٹر نماز، روزے کا پابند ہو، فاسق، فاجر نہ ہو کیونکہ جو خود نہیں پڑھتا اس کی بات حجت نہیں ہوسکتی۔

③ ...... حکیم، ڈاکٹر مستند ہوں اور اپنے فن میں ماہر ہوں۔ محض شیشیاں اکٹھی کر کے بیٹھنے والے نہ ہوں۔ تو جس ڈاکٹر اور حکیم میں یہ شرطیں پائی جائیں اس کی بات حجت ہے۔

﴿اَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ یا سفر پر ہو۔ اور دورانِ سفر میں پانی میسر نہ ہو۔ میسر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پانی تم سے ایک میل

دُور ہو تو تمھیں وضو اور غسل کی جگہ تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ﴾ یا آئے تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے۔ یعنی چھوٹا، بڑا پیشاب کیا ہے۔

﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ یا تم نے ہم بستری کی ہو عورتوں سے ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ پس نہ پاؤ تم پانی۔

طریقہ تیمم

﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ پس تم تیمم کرو پاک مٹی سے۔ تیمم کا لفظی معنٰی ہے ارادہ کرنا۔ لہٰذا تیمم کے لیے نیت کرنا ضروری ہے۔ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر جھاڑ لے۔ تا کہ گرد و غبار نہ لگے۔ کیونکہ مقصد گرد و غبار لگانا نہیں ہے۔ دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے اچھی طرح جہاں جہاں تک چہرہ پانی سے دھونا ہے وہاں، وہاں تک ہاتھ پھیرے۔ دوبارہ پھر ہاتھ زمین پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اچھی طرح پھیرے۔ گھڑی انگوٹھی وغیرہ اتار دے۔ کیونکہ اگر ان کے اوپر ہاتھ پھیرے گا تو تیمم نہیں ہوگا۔ انگلیوں کے درمیان ناخنوں کے اوپر غرضیکہ کوئی جگہ ایسی نہ رہے کہ جہاں ہاتھ نہ پھرے۔ بس یہی تیمم وضو کا ہے اور یہی غسل کا ہے۔ یعنی تیمم کے تین رکن ہیں۔

تیمم کے تین رکن

① ...... نیت کرنا۔ ② ...... منہ پر ہاتھ پھیرنا اور ③ ...... کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا۔

تیمم کن چیزوں سے جائز اور کن سے ناجائز

تیمم میں سر کا مسح ہے نہ پاؤں کا مسح ہے۔ تیمم مٹی اور مٹی کی جنس کی جو چیزیں ہیں مثلاً: ریت، اینٹ (پکی ہو یا کچی) سے کر سکتے ہیں پتھر کپڑا اور کاغذ سے نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر ان پر گرد و غبار پڑا ہو تو اس سے کر سکتے ہیں۔ البتہ مسجد کی دیوار اور فرش سے تیمم کرنا فقہائے کرام رحمہم اللہ نے مکروہ فرمایا ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ آدمی جس پانی سے وضو کرتا ہے اس میں گناہ جھڑتے ہیں۔ حدیث مسلم اور ترمذی شریف کی ہے کہ پانی کے ساتھ گناہ جھڑتے ہیں اور تیمم وضو کا خلیفہ ہے تو جہاں تیمم کرو گے وہاں گناہ جھڑیں گے تو مسجد کی دیوار اور فرش سے تیمم نہیں کرنا چاہیے کہ وہاں گناہ نہ جھڑیں۔ مٹی کے متعلق بھی ایک مسئلہ سمجھ لیں کہ زمین پر اگر کسی نے پیشاب کیا ہے تو خشک ہونے کے ساتھ زمین پاک ہو جاتی ہے مگر اس جگہ سے تیمم نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ ﴿صَعِيْدًا﴾ کے ساتھ ﴿طَيِّبًا﴾ کی قید ہے کہ پاک صاف ہو تو پیشاب کے خشک ہونے سے پاک تو ہو گئی مگر صاف نہیں ہے۔

فرمایا ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ﴾ پس مسح کرو تم اپنے چہروں کا ﴿وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ اور اپنے ہاتھوں کا اس مٹی سے (جس کی میں نے وضاحت کر دی ہے) ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ﴾ نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ ﴿لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ تا کہ کرے تم پر کوئی

تنگی ﴿ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ﴾ اور لیکن وہ ارادہ کرتا ہے تاکہ تمہیں پاک کردے ﴿ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ﴾ اور تاکہ پوری کر دے اپنی نعمت تم پر۔ اس امت پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے وسیلے سے نرمی فرمائی۔ پہلی امتوں میں تیمم کی اجازت نہیں تھی۔ اس امت کو تیمم کی اجازت دے دی ان لوگوں کے لیے مالِ غنیمت حلال نہیں تھا۔ اس امت کے لیے مالِ غنیمت بھی حلال فرمادیا۔

﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تاکہ تم شکرادا کرو رب تعالیٰ کا ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت جو تم پر ہوئی کہ اس نے تمھیں ایمان اور دین کی دولت عطا فرمائی کہ اس سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ نرم شریعت عطا فرمائی۔ پہلے لوگوں کے لیے غسل جنابت سات مرتبہ ہوتا تھا یعنی اگر کوئی شخص جنبی ہوجاتا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ سات مرتبہ غسل کرے اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ کپڑے پر اگر پیشاب، شراب یا کوئی اور گندگی لگ جاتی تو گندگی والی جگہ سے کاٹنا پڑتا تھا۔ ورنہ پاک ہی نہیں ہوتا تھا۔ تو دیکھو! گرم کپڑے کتنے قیمتی ہوتے ہیں اگر انہیں جگہ جگہ سے کاٹ دیا جائے تو پیچھے کیا رہ گیا اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ بھی انعام فرمایا کہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے۔

انعامِ خداوندی اور میثاق کا ذکر

﴿ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ ﴾ اور اس کا وہ وعدہ جو اس نے تم سے لیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا کیوں کہ جب آدمی کلمہ پڑھتا ہے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے کہ اے پروردگار! میں تیرے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانتا اور ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ کے سوا کسی کو رسول نہیں مانتا۔ اے پروردگار! میں تیرے احکامات کی اس طرح اطاعت کروں گا جس طرح تیرا رسول فرمائے گا۔ تو فرمایا اس وعدے کو یاد کرو اور اس پر عمل کرو۔

﴿ اِذْ قُلْتُمْ ﴾ جب تم نے کہا ﴿ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ﴾ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ جانتا ہے دلوں کے راز۔ ظاہر، باطن سب اس کے سامنے ہے اگر عہد شکنی کرو گے تو اس کی سزا سے نہیں بچ سکو گے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿ كُوْنُوْا ﴾ ہوجاؤ ﴿ قَوّٰمِيْنَ ﴾ پابندی کے ساتھ قائم رہنے والے ﴿ لِلّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿ شُهَدَآءَ ﴾ گواہی دینے والے ﴿ بِالْقِسْطِ ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ ﴾ اور نہ برانگیختہ کرے تمہیں ﴿ شَنَاٰنُ قَوْمٍ ﴾ کسی قوم کا بغض ﴿ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴾ اس بات پر کہ تم عدل نہ کرو ﴿ اِعْدِلُوْا ﴾ عدل کرو ﴿ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ وہ زیادہ قریب ہے تقویٰ کے ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ خَبِيْرٌ ﴾ خبر رکھنے والا ہے ﴿ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو

﴿وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ﴾ ان کی بخشش ہوگی ﴿وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾ اور اجر ہوگا بڑا ﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ﴾ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿اُولٰٓئِکَ﴾ وہ لوگ ﴿اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾ شعلہ مارنے والی آگ کے ساتھی ہیں ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ﴾ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ﴿عَلَیْکُمْ﴾ جو تم پر ہوئی ﴿اِذْھَمَّ قَوْمٌ﴾ جب قصد کیا ایک قوم نے ﴿اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ﴾ اس بات کا کہ وہ بڑھائیں تمھاری طرف ﴿اَیْدِیَھُمْ﴾ اپنے ہاتھ ﴿فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ﴾ پس روک دیا اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَعَلَی اللّٰہِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ﴿فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ پس چاہیے کہ بھروسہ کریں ایمان والے۔

گواہی میں انصاف کا حکم

دنیا میں جو کام مشکل ہیں ان میں سے ایک حق کی گواہی دینا بھی ہے حق کی گواہی ہر زمانے ہی میں مشکل رہی ہے خصوصاً اس زمانے میں کہ جان کا خطرہ، عزت کا خطرہ ہمیشہ کی دشمنی مول لینی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے زوردار الفاظ کے ساتھ قرآن پاک میں گواہی کا حکم دیا ہے۔

فرمایا ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ مومنوں کو خطاب ہے ﴿کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ﴾ ہو جاؤ پابندی کے ساتھ قائم رہنے والے ﴿لِلّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھو۔ ﴿شُھَدَآءَ﴾ گواہی دینے والے۔ ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ۔ جب گواہی دو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو اور انصاف کے مطابق دو اور اس پر قائم بھی رہو کہ جو تمھاری آنکھوں نے دیکھا ہے اور تمھارے کانوں نے سنا ہے اس کو بیان کر دو اور جو چیزیں گواہی میں اہم ہیں ان میں سے کوئی رہ نہ جائے جس شخص کے حق میں گواہی دے رہے ہو نہ تو اس کے فائدے کو سامنے رکھو اور نہ جس کے خلاف دے رہے ہو اس کے نقصان کی پروا کرو۔ تمھارے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہیے۔ بڑے گناہوں میں سے جھوٹی گواہی بھی ہے۔

چند کبائر گناہوں کا بیان

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ بڑے گناہ بیان فرما رہے تھے۔ سوال کیا گیا حضرت! بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ فرمایا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّھُوَ خَلَقَکَ یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ پھر فرمایا: عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ الْمُسْلِمَیْنِ مسلمان والدین کی مخالفت کرنا۔ ان کو قولاً فعلاً تکلیف پہنچانا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا۔ پہلے آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور بار، بار فرمایا وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ بڑے گناہوں میں سے

جھوٹی گواہی کا دینا بھی ہے۔

دشمن کے متعلق بھی عدل کا حکم

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ اور ہرگز نہ برانگیختہ کرے تمھیں کسی قوم کا بغض ﴿عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ اس بات پر کہ تم عدل نہ کرو ﴿اِعْدِلُوْا﴾ عدل کرو تم ﴿هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ وہ زیادہ قریب ہے تقویٰ کے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو۔ یعنی معاملہ تمہارا اس ذات کے ساتھ ہے جس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم کریں گے ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور جو تسلیم نہیں کریں گے ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مومنین سے مغفرت کا وعدہ

فرمایا ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے۔ کیا وعدہ ہے؟ فرمایا ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کی بخشش ہوگی ﴿وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾ اور اجر ہوگا بڑا۔ یاد رکھنا! جنت کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

کفار کا انجام

﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم نہیں کیا۔ ﴿وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ﴾ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ چاہے زبان سے جھٹلایا یا عمل سے جھٹلایا۔ ﴿اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾ وہ لوگ شعلہ مارنے والی آگ کے ساتھی ہیں۔ دنیا کی آگ میں لوہے تک تمام دھاتیں پگھل جاتی ہیں اور دوزخ کی آگ اس سے انہتر/ ۶۹ گنا تیز ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دوزخ کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ اے پروردگار! اس کی حرارت اور تیزی نے مجھے کھالیا ہے یعنی ایک طبقے اور دوسرے طبقے میں اتنا فرق ہے کہ اس نے شکوہ کیا کہ دوسرا مجھ پر غالب آگیا ہے۔ اسی طرح زمہریر ایک طبقہ ہے جس میں ٹھنڈک ہے اس نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ اس کی ٹھنڈک مجھ پر غالب آگئی ہے۔ رب تعالیٰ نے دونوں کو حکم دیا کہ ایک ایک سانس لے لو۔ یہ دنیا میں جو سخت گرمی ہوتی ہے اس سانس کا نتیجہ ہے اور جو سخت سردی ہوتی ہے اس سانس کا نتیجہ ہے۔ جب کہ ایسے سرد علاقے ہیں کہ وہاں آدمی کا خون منجمد ہو جاتا ہے اور گاڑیوں میں پٹرول جم جاتا ہے چل نہیں سکتیں۔ اور گرمی تم خود جانتے ہو کتنی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ اور ٹھنڈک سے پناہ میں رکھے۔

نِعَمِ خداوندی کا بیان

فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو

تم پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ بدنی اعتبار سے، مالی اعتبار سے، اولاد کے اعتبار سے، عزت کے اعتبار سے، صحت کے اعتبار سے، ایمان و عمل کے اعتبار سے، ظاہری طور پر، باطنی طور پر، روحانی طور پر، جسمانی طور پر جو رب تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے۔

﴿اِذْهَمَّ قَوْمٌ﴾ جب قصد کیا ایک قوم نے ﴿اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ﴾ اس بات کا کہ وہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ۔ مکہ مکرمہ میں ایک مقام تھا "خیف" بنو کنانہ کا وہاں ایک بہت بڑا دار تھا جہاں جمع ہو کر یہ مشورہ کرتے تھے۔ ایک دن اس میں اکٹھے ہوئے اور مشورہ کیا کہ مسلمان روز بہ روز بڑھتے جا رہے ہیں ان کے متعلق کچھ سوچو۔ تمام قبیلوں کے سردار جمع تھے بعض نے مشورہ دیا کہ رشتہ داریوں کو بالائے طاق رکھ کر (کیونکہ بعض تمہارے رشتہ دار ہیں اور بعض ہمارے رشتہ دار ہیں) پورے عزم کے ساتھ ان کا صفایا کر دیا جائے۔ یہی اس کا حل ہے۔ جو جذباتی تھے انہوں نے اس کی تائید کی کہ ٹھیک ہے۔ ہمارا بھائی ہو، باپ ہو، بیٹا ہو، بہن ہو اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ کچھ دوسرے حضرات نے کہا کہ اس میں تمہاری بدنامی ہوگی اور حرم میں قتل کرنا بھی سنگین جرم ہے۔ لہٰذا فی الحال اس کام کو چھوڑو۔ انہوں نے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ﴿فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ﴾ پس روک دیا اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے۔ پھر مشورہ یہ طے پایا کہ اَنْ لَّا تُنَاكِحُوْهُمْ وَلَا تُبَايِعُوْهُمْ نہ ان کے ساتھ نکاح کرو نہ خرید و فروخت۔ یعنی بائیکاٹ کرو نہ ان سے کوئی رشتہ داری کرے نہ ان سے کوئی چیز خریدے نہ ان کے آگے کوئی چیز بیچے۔ چنانچہ مسلمانوں کے بچے، بچیاں جب دکان پر کوئی چیز لینے جاتے تو کہتے، چلے جاؤ۔ اگر کوئی چیز بیچنی ہوتی تو لیتا کوئی نہیں تھا۔ یہ حالات بھی مسلمانوں پر گزرے۔

۸ ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہنے لگے حضرت! میں جھنڈا کہاں گاڑوں گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خیف بنو کنانہ میں اس جگہ گاڑو جہاں کافروں نے ہمارے خلاف بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا تھا تاکہ رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہو اور معلوم ہو کہ ﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ یہ دن ہم لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں"۔ رب تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔

تقویٰ کا حکم

اس نعمت کا ذکر کر کے فرمایا ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت، مجلس میں، تنہائی میں، رات کو، دن کو، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف تمہارے ذہنوں میں رہے۔ ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر بس چاہیے کہ بھروسا کریں ایمان والے۔ اور اسی پر اعتماد کریں۔

﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ﴾ اور البتہ تحقیق لیا اللہ تعالیٰ نے ﴿مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ﴾ اور مقرر کیے ہم نے ان میں سے ﴿اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا﴾ بارہ لیڈر ﴿وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ﴾ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ﴿لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ البتہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے ﴿وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے رہے تم زکوٰۃ ﴿وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ﴾ اور ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر ﴿وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ﴾ اور ان کی تم تعظیم کرتے رہے ﴿وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ﴾ اور قرض دیتے رہے تم اللہ تعالیٰ کو ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ قرض اچھا ﴿لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ﴾ البتہ ضرور مٹادوں گا میں تم سے ﴿سَيِّاٰتِكُمْ﴾ تمہاری خطائیں ﴿وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ﴾ اور البتہ ضرور میں داخل کروں گا تمہیں ﴿جَنّٰتٍ﴾ ان باغوں میں ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿فَمَنْ كَفَرَ﴾ پس جس نے انکار کیا ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اس وعدے کے بعد ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿فَقَدْ ضَلَّ﴾ پس تحقیق وہ گمراہ ہوگیا ﴿سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ سیدھے راستہ سے ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ پس بوجہ ان کے توڑ دینے کے ﴿مِّيْثَاقَهُمْ﴾ اپنے وعدے کو ﴿لَعَنّٰهُمْ﴾ ہم نے ان پر لعنت کی ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ اور کردیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ﴾ تحریف کرتے ہیں کلمات میں ﴿عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ ان کی جگہوں سے پھیر کر ﴿وَنَسُوْا حَظًّا﴾ اور بھلا دیا انھوں نے حصہ ﴿مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ اس میں سے جو ان کو یاددہانی کے لیے دیا گیا تھا ﴿وَلَا تَزَالُ﴾ اور ہمیشہ رہیں گے آپ ﴿تَطَّلِعُ﴾ مطلع ہوتے ﴿عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ﴾ مگر بہت تھوڑے ان میں سے ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاف کردیں ان کو ﴿وَاصْفَحْ﴾ اور درگزر کریں ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔

ربط آیات

گزشتہ آیات میں ایمان والوں کو ایفائے عہد کی تلقین کی گئی۔ اب بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا تھا اس کا ذکر ہے۔

اسرائیل کا معنیٰ اور وجہ تسمیہ

اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے اسراء کے معنی عبد اور ایل کا معنی اللہ ہے اس طرح اسرائیل کا معنی ''عبداللہ'' ہوا۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ تو بنی اسرائیل سے حضرت

یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔

میثاق اور وعدہ میں فرق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ﴾ اور البتہ تحقیق لیا اللہ تعالیٰ نے ﴿مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے۔ایک مطلق وعدہ ہوتا ہے اور ایک میثاق ہوتا ہے۔ میثاق کا معنی ہے پختہ وعدہ (وہ وعدہ آگے آ رہا ہے)۔

﴿وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ﴾ اور مقرر کیے ہم نے ان میں سے ﴿اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا﴾ بارہ لیڈر۔حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کے مستقل بارہ خاندان بن گئے۔ ہر خاندان کا نظم ونسق چلانے کے لیے ایک لیڈر اور سربراہ تھا۔چھوٹی موٹی باتیں وہ خود طے کر دیتا تھا اگر کوئی بڑی بات ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیتا تھا کہ یہ ان کا معاملہ ہے اس کا فیصلہ موسیٰ علیہ السلام فرما دیتے۔ یہودی ذہین بھی ہیں اور ضدی بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو میثاق لیا تھا اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہونے کا مطلب

﴿وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ﴾ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ساتھ ہونے کا ایک معنی یہ ہے کہ میری رضا اور خوشنودی تمہارے شامل حال ہے۔اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر تمہارے ساتھ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔جس طرح قرآن پاک میں آتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [پارہ : ۱۶، طٰہٰ : ۵] "اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے۔" اسی طرح قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید: ۴، پارہ: ۲۷] "تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔" اور اتنا قریب ہے کہ فرمایا ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ [سورۃ ق:۱۶]۔ "ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" ''ورید'' اس رگ کو کہتے ہیں جو دل سے دماغ تک جاتی ہے۔اس کو رگِ جاں بھی کہتے ہیں کہ وہ کٹ جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔مگر جو اس کی شان کے لائق ہے اس طرح قریب ہے۔تو رب تعالیٰ کے متعلق صرف یہ اعتقاد نہیں رکھنا کہ وہ عرش پر قائم ہے بلکہ جس طرح وہ عرش پر قائم ہے اسی طرح ہر جگہ موجود ہے مگر خود نظر نہیں آتا۔اس کی قدرت کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔تو فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

اعمالِ حسنہ کا بیان

﴿لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ البتہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے۔نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کا حکم تمام امتوں کو تھا۔یعنی نماز ہر امت پر فرض رہی ہے کسی پر کم کسی پر زیادہ۔اور جن لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے نااہل فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ [مریم:۵۹]۔ "پھر ان کے بعد نالائق ان کے جانشین ہوئے۔" ﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ "جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے امت سے نماز سے بے پروائی کا زیادہ خطرہ

ہے“۔بعض لوگ اس امید پر نماز سے بے پروائی برتتے ہیں کہ توبہ کرلیں گے۔اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔میں یہ مسئلہ متعدد مرتبہ بیان کر چکا ہوں کہ تمام فقہاء اور محدثین ﷭ اس بات پر متفق ہیں کہ مرد یا عورت بالغ ہو جائے اور ان کے ذمہ ایک نماز یا ایک روزہ بھی ہو تو کروڑ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معافی نہیں ہوگی جب تک اس کو قضا نہیں کرے گا۔تو اب اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا کہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے۔

﴿وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے رہے تم زکوٰۃ۔جس طرح نماز بدنی عبادت میں سب سے اعلیٰ ہے اسی طرح زکوٰۃ مالی عبادت میں سب سے اعلیٰ ہے۔﴿وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ﴾ اور ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر۔لیکن یہ ایسے ظالم تھے کہ ایمان لانے کی بجائے پیغمبروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔قرآن پاک میں تصریح ہے۔﴿يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ﴾ [البقرہ:۶۱] ”اُنھوں نے نبیوں کو قتل کیا۔“ ایک علاقے میں مختلف قومیں آباد تھیں جن کی طرف بھیجے گئے تینتالیس پیغمبروں کو ان ظالموں نے ایک ہی دن میں شہید کر دیا۔

﴿وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ﴾ اور ان (پیغمبروں) کی تم تعظیم کرتے رہے۔انھوں نے بجائے تعظیم اور توقیر کرنے کے ان کو قتل کیا۔حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا۔حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا۔حضرت شعیا علیہ السلام کو شہید کیا اور بے شمار پیغمبر شہید کیے۔

اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مطلب

﴿وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور قرض دیتے رہے تم اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا۔اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حکم پر غریبوں، مسکینوں، ضرورت مندوں پر خرچ کرو تو تم نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اس کو قرض سے تشبیہ دے کر یہ بات سمجھائی ہے کہ جس طرح قرض کی رقم واپس ملنی ہوتی ہے اسی طرح یہ پیسہ بھی تمھیں واپس ملے گا۔بلکہ ایک کے بدلے دس گنا ملے گا، سات سو گنا ملے گا۔﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [البقرہ:۲۶۱] ”اور اللہ تعالیٰ بڑھائے گا جس کے لیے چاہے گا۔“ تو اس میں تشبیہ دی گئی ہے واپسی کے اعتبار سے۔یہ مطلب نہیں ہے کہ قرض وہ لیتا ہے جو غریب اور فقیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ غریب ہو گیا ہے۔

جس طرح یہودیوں نے کہا تھا ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾ [ال عمران:۱۸۱] ”بے شک اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں“ کہ وہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔حالانکہ تشبیہ کسی خاص چیز کے اندر ہوتی ہے۔جس طرح ہم کہتے ہیں، زید شیر ہے۔اس کا مطلب ہے زید بہادر ہے۔تو بہادری میں تشبیہ ہے۔یہ معنیٰ تو نہیں ہے کہ شیر کی طرح اس کی چار ٹانگیں ہیں۔دُم ہے، اسی طرح کے کان ہیں، گردن پر بال ہیں اور منہ سے بو آتی ہے۔بلکہ صرف بہادری میں تشبیہ ہے۔یا جس طرح بے وقوف آدمی کو کوئی کہے کہ گدھا ہے۔تو گدھے کے ساتھ مشابہت حماقت میں ہوگی نہ کہ گدھے کی طرح کی چار ٹانگیں ہوں، دُم ہو، چوڑی پیٹھ ہو۔تو معاہدہ تو یہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو گے۔لیکن ان شیطانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہو گیا ہے کہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔

اعمالِ حسنہ اور سیئہ کا بدلہ

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کہا کہ اگر تم نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے، پیغمبروں پر ایمان لاتے، ان کی عزت اور توقیر کرتے، اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیتے کہ صدقہ خیرات کرتے رہتے تو ﴿لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ البتہ ضرور مٹادوں گا میں تم سے تمہاری خطائیں۔ اور کیا کروں گا ﴿وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ اور البتہ ضرور میں داخل کروں گا تمھیں ان باغوں میں بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ﴾ پس جس نے انکار کیا اس وعدے کے بعد تم میں سے۔ یعنی نہ نمازوں کی پابندی کی، نہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی پابندی کی، نہ پیغمبروں پر ایمان لائے الٹا ان کو شہید کیا ان کی عزت نہ کی بلکہ توہین کی، اللہ تعالیٰ کے حکم پر خرچ کرنے کی بجائے کہا کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہوگیا ہے کہ ہم سے مانگتا ہے۔ غرضیکہ کسی ایک چیز کی بھی قدر نہ کی۔

﴿فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ پس تحقیق وہ گمراہ ہوگیا سیدھے راستہ سے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے عہد کو توڑ دیا۔ عہد کے توڑنے کی وجہ سے ان کو جو سزا دی گئی آگے اس کا ذکر ہے۔

میثاق شکنی پر سزا

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ پس بوجہ ان کے توڑ دینے اپنے وعدے کو ﴿لَعَنّٰهُمْ﴾ ہم نے ان پر لعنت کی۔ وہ لعنت اس طرح ہوئی کہ ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾ [پارہ : ۶/رکوع ۱۳]۔ "اور بنادیے ان میں سے بندر اور خنزیر۔" نوجوانوں کو بندر کی شکل میں تبدیل کردیا اور بوڑھوں کو خنزیر کی شکل میں۔ تفسیروں میں مذکور ہے کہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور روتے تھے۔ مگر اب رونا اور افسوس کرنا کس کام کا : ؎

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

وہ تین دن کے بعد ختم ہوگئے ان سے آگے نسل نہیں چلی۔

حضور ﷺ کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل کا حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا

فرمایا ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ اور کردیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت۔ اللہ کرے کسی کا دل سخت نہ ہو۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((اِنَّ اَبْعَدَ الْقُلُوْبِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى الْقَلْبُ الْقَاسِيْ)) "سخت دل اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔" جتنا دل سخت ہوگا اتنا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگا۔ اور جتنا نرم ہوگا اتنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوگا اس سخت دل کا نتیجہ تھا کہ آخری پیغمبر کو نشانیوں اور علامتوں سے پہچاننے کے باوجود ایمان نہ لائے۔

قرآن پاک میں آتا ہے ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ ”وہ آخری پیغمبر کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔“ اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ یہ لوگ آپ کے وسیلے سے دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار! ہمیں آخری پیغمبر کے وسیلے سے فتح عطا فرما۔“ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ﴾ ”پس جب وہ تشریف لے آئے“ ﴿كَفَرُوْا بِهٖ﴾ ”انکار کر گئے۔ یہ ان کی سخت دلی کا نتیجہ تھا۔

احکامِ خداوندی میں یہود کا تحریف کرنا

﴿یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ تحریف کرتے ہیں کلمات میں ان کی جگہوں سے پھیر کر۔ لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی تحریف بھی کرتے تھے۔ نہ مطلب کو اپنی جگہ رہنے دیتے نہ لفظوں کو۔

﴿وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ اور بھلا دیا انھوں نے حصہ اس میں سے جو ان کو یاد دہانی کے لیے دیا گیا تھا۔ وقتاً فوقتاً پیغمبر آتے رہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے کتابیں اور صحیفے نازل ہوتے رہے جو ان کو احکام خداوندی یاد کراتے تھے مگر انھوں نے کسی چیز کی قدر اور پروانہ کی۔ اور خیانتیں کرنے لگے۔

فرمایا ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ﴾ اور ہمیشہ رہیں گے آپ مطلع ہوتے ﴿عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر۔ یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر اطلاع پاتے رہیں گے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کے علاقے میں ایک اونچے طبقے کے شادی شدہ یہودی نے نیچے طبقے کی ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ بدکاری کی۔ کمزور طبقے کے یہودیوں نے شور مچایا، احتجاج کیا کہ ان کو سزا ملنی چاہیے کیوں کہ وہ مسئلے کو دبانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم کمزور لوگ ایسا کریں تو قانون حرکت میں آجاتا ہے۔ ان بڑوں کے لیے کیوں نہیں۔ پبلک تو پبلک ہوتی ہے۔ احتجاج سے مجبور ہو کر انہوں نے مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں اور ان کی شریعت ہماری شریعت سے نرم ہے۔ لہٰذا ان سے فیصلہ کروالو تاکہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں۔ ان کے بڑوں نے بھیجتے وقت یہ بھی کہا کہ اگر وہ رجم کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا اور اگر کوئی نرم سا حکم دیں تو قبول کر لینا۔ اس کا ذکر قرآن میں بھی آتا ہے کہ احکام خداوندی کو چھپا لیتے ہیں۔ فدک کے علاقہ میں یہودیوں کا سب سے بڑا عالم رہتا تھا جس کا نام تھا ابن صوریا۔ وہ بھی موجود تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ تم تورات سے زنا کا حکم بیان کرو کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کے متعلق تمہیں کیا حکم دیا ہے۔ اس نے تورات کو پڑھنا شروع کیا۔ اول اور آخر کا حصہ پڑھا اور درمیان سے کھا گیا۔ مثلاً: اس طرح سمجھو کہ یوں پڑھا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝﴾ حضرت عبداللہ بن سلام علیہ السلام بھی موجود تھے جو پہلے یہودی تھے، پھر مسلمان ہو گئے۔ اور وہ تورات کے عالم تھے کہنے لگے: كَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ۔ حضرت! اللہ تعالیٰ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ صحیح نہیں پڑھ رہا درمیان سے کھا گیا ہے۔ پھر اُنھوں نے پورا حکم پڑھ کر سنایا تو وہ بڑا شرمندہ ہوا اور لوگوں میں

ذلیل ہو گیا اور خیانت بھی ظاہر ہو گئی۔ تو فرمایا کہ آپ ﷺ ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ فرمایا سارے اہلِ کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔

﴿اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡهُمۡ﴾ مگر بہت تھوڑے ان میں سے۔ جو منصف مزاج تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ ﴿فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ﴾ پس آپ ﷺ معاف کر دیں ان کو ﴿وَاصۡفَحۡ﴾ اور درگزر کریں ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔ نیکی کرو احسان کرو اور ان کی خیانتوں کو ظاہر کرو اور اس کے علاوہ کوئی کارروائی نہ کرو۔

﴿وَمِنَ الَّذِیۡنَ﴾ اور ان لوگوں میں سے ﴿قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی﴾ جنھوں نے کہا بے شک ہم نصاریٰ ہیں ﴿اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَهُمۡ﴾ ہم نے لیا ان سے پختہ عہد ﴿فَنَسُوۡا حَظًّا﴾ پس انہوں نے بھلا دیا حصہ ﴿مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ﴾ اس چیز سے جس چیز کی ان کو یاد دہانی کرائی گئی تھی ﴿فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَهُمُ﴾ پس ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان ﴿الۡعَدَاوَةَ﴾ عداوت ﴿وَالۡبَغۡضَآءَ﴾ اور کینہ اور بغض ﴿اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿وَسَوۡفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو خبر دے گا ﴿بِمَا كَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ﴾ اس کارروائی کی جو وہ کرتے تھے ﴿یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ﴾ اے اہلِ کتاب ﴿قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا﴾ تحقیق آچکا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول ﴿یُبَیِّنُ لَكُمۡ﴾ بیان کرتا ہے تمہارے لیے ﴿كَثِیۡرًا﴾ بہت سی چیزیں ﴿مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ﴾ وہ چیزیں جو تم چھپاتے تھے ﴿مِنَ الۡكِتٰبِ﴾ کتاب میں سے ﴿وَیَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِیۡرٍ﴾ اور درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے ﴿قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ﴾ تحقیق آچکا ہے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ﴾ نور اور کتاب روشن کرنے والی ﴿یَّهۡدِیۡ بِهِ اللّٰهُ﴾ ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ﴿مَنِ اتَّبَعَ﴾ اس کو جس نے پیروی کی ﴿رِضۡوَانَهٗ﴾ اس کی رضا کی ﴿سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ سلامتی کے راستوں کی ﴿وَیُخۡرِجُهُمۡ﴾ اور ان کو نکالتا ہے ﴿مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف ﴿بِاِذۡنِهٖ﴾ اپنے حکم سے ﴿وَیَهۡدِیۡهِمۡ﴾ اور ان کو چلاتا ہے ﴿اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴾ صراطِ مستقیم پر۔

ربطِ آیات:

اس سے پہلی آیات میں اہلِ کتاب میں سے یہود کے ساتھ معاہدے کا ذکر تھا کہ اگر تم نماز قائم کرو گے، زکوٰۃ دو گے، پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی عزت اور توقیر کرو گے اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو گے تو میں تمہارے گناہ مٹا دوں گا اور ایسے

باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔مگر اُنھوں نے معاہدے کی پابندی نہ کی اور ملعون ہوئے۔اب اہلِ کتاب میں سے نصاریٰ کا ذکر ہے۔

نصاریٰ کی وجہ تسمیہ

فرمایا ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ﴾ اور ان لوگوں میں سے ﴿قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى﴾ جنھوں نے کہا بے شک ہم نصاریٰ ہیں۔ ''نصاریٰ'' کونصاریٰ کیوں کہا جاتا ہے اس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جس محلہ میں ہوئی تھی اس کا نام تھا ناصرہ تو اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔جس طرح آج کل بھی جگہوں کی طرف نسبت ہوتی ہے جیسے چکڑالوی،قادیانی وغیرہ۔

دوسری اور قوی وجہ یہ ہے کہ ایک موقع پر حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ [آل عمران:۵۲] ''اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے میری مدد کون کرے گا؟'' ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾۔ ان کے جو مخلص ساتھی تھے اُنھوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نبی کی مدد کریں گے۔'' تو چونکہ اُنھوں نے نصرت کا وعدہ کیا تھا اس لیے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔

میثاق کی تفصیل اور عقیدہ تثلیث کا رد/مسیح ابن اللہ کا رد

تو فرمایا جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ﴿اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ﴾ ہم نے لیا ان سے پختہ وعدہ۔اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے۔اس کی شان ہے ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ ''نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔'' اور بھی کئی وعدے تھے مگر انھوں نے سارے توڑ دیئے۔خدائی میں شریک بنایا اور کہا کہ ''اقانیمِ ثلاثہ'' نظامِ کائنات چلا رہے ہیں۔''اقانیم'' جمع ہے ''اقنوم'' کی اور ''اقنوم'' کہتے ہیں رکن،حصہ اور جز کو۔یعنی خدائی کے تین ارکان ہیں۔

①...... اللہ تعالیٰ کی ذات۔

②...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام

③...... رکن بعض کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت مریم علیہا السلام۔

ان تین ارکان کے ذریعے خدائی کا نظام چلتا ہے۔مگر ان کی یہ عجیب منطق ہے جو ہمیں سمجھ نہیں آتی کیونکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں اور ان کی پیدائش کو آج ۱۹۸۹ء سال ہو گئے ہیں۔اور ان کی والدہ ماجدہ ان سے سترہ اٹھارہ سال بڑی تھیں۔اب سوال یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پیدا نہیں ہوئی تھیں اس وقت یہ خدائی نظام چلتا تھا یا بند تھا؟ کہ سورج طلوع ہوتا تھا،غروب ہوتا تھا،چاند چڑھتا تھا،اترتا تھا،اور یقیناً چل رہا تھا تو ان کی ولادت سے کون سی کمی آگئی

کہ اب ان کے بغیر نہیں چل سکتا اور یہ خدائی رکن بن گئے۔کیا آسمان بنائے، چاند، سورج، ستارے پیدا فرمائے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔اب اس ذات میں کون سی کمی آگئی ہے کہ وہ ان کا محتاج ہوگیا ہے۔

پھر جب ان کو کہا جاتا ہے کہ توحید کا کیا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک لہٗ ہے؟ تو کہتے ہیں کہ "اَلتَّوْحِیْدُ فِی التَّثْلِیْثِ وَ التَّثْلِیْثُ فِی التَّوْحِیْدِ" ایک تین میں اور تین ایک میں۔بڑی عجیب بات ہے کہ ایک کو تین ماننے کے بعد بھی کہتے ہیں کہ یہ توحید کے خلاف نہیں۔اگر ان کو کہو کہ چار ایک ہوتے ہیں اور ایک کو چار کہتے ہیں یا کہو کہ پانچ ایک ہوتا ہے اور ایک پانچ ہوتا ہے تو کہتے ہیں، نہیں! اس طرح نہیں ہوسکتا۔مگر ایک تین اور تین ایک ہوجاتا ہے۔بڑی عجیب منطق اور گورکھ دھندا ہے۔بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا۔

نقضِ میثاق پر سزا

﴿فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ پس انھوں نے بھلا دیا حصہ اس چیز سے جس چیز کی ان کو یاد دہانی کرائی گئی تھی۔بجائے ایک کے تین کے قائل ہوگئے اور ان میں سے ایک گروہ نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ [التوبہ: ۳۰] "اور کہا نصاریٰ نے مسیح ابن اللہ ہے۔" اور ایک گروہ کا ذکر اگلی آیات میں آرہا ہے۔انھوں نے کہا "رب تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں داخل ہوگیا ہے" ان سے جو معجزات ظاہر ہوتے ہیں وہ رب تعالیٰ کرتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمھارا نظریہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دیا گیا ہے تو یہ بتاؤ رب تعالیٰ بچ گیا یا وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سولی پر لٹک کر ختم ہوگیا۔اگر رب تعالیٰ اندر سے نکل گیا تو گڈ مڈ تو نہ ہوا اگر گڈ مڈ ہے تو رب تعالیٰ بھی ساتھ ہی گیا۔اندازہ لگاؤ یہ دنیا کی بڑی عقل مند قوم کہلاتی ہے جو مذہبی اعتبار سے اتنی بے وقوف ہے کہ جس کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔یاد رکھنا! اللہ بلند و برتر اپنی ذات و صفات میں وحدہٗ لا شریک لہٗ ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔وہ بے پرواہ ہے۔اپنی خدائی میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔نہ کسی انسان کا، نہ فرشتے کا، نہ جن کا، نہ کسی پیغمبر کا، نہ کسی ولی کا اس کی شان ہے۔﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ "نہ اس نے کسی کو جنا نہ اس کی کوئی بیٹی، نہ بیٹا اور نہ اس کو کسی نے جنا، نہ اس کا باپ نہ ماں اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔" یہ سبق ان کو بنیادی طور پر دیا گیا تھا، مگر انہوں نے بھلا دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر ہم نے یہ کیا ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ﴾ پس ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان عداوت ﴿وَ الْبَغْضَآءَ﴾ اور کینہ ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن تک۔پھر عیسائیوں کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں اور ہوتی رہیں گی۔صرف سپین میں ان کی آپس میں سات سو جنگیں ہوئیں۔

فرمایا ﴿وَ سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو خبر دے گا ﴿بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ اس کارروائی کی جو وہ

کرتے تھے۔ ان سے حساب لیا جائے گا کہ کس دلیل سے تم نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اور کس دلیل سے ان کو خدا کا بیٹا بنایا اور کس دلیل سے تم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت کی اور زکریا علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو قتل کیا۔ ان تمام چیزوں کا اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا۔

اگلی آیت کریمہ کا مطلب اور مفہوم پوری توجہ کے ساتھ سنیں اور سمجھیں کیوں کہ کچھ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں اور دوسروں کو بھی اس غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اگر تم بات کو اچھی طرح سمجھ گئے تو خود بھی مغالطہ نہیں کھاؤ گے اور کسی کے مغالطہ میں بھی نہیں آؤ گے۔ اس آیت کریمہ کے دو حصے ہیں ایک حصہ ہے ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ سے لے کر ﴿وَيَعْفُوْاعَنْ كَثِيْرٍ﴾ تک اور دوسرا حصہ ہے ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ سے لے کر ﴿نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ تک۔ پہلے حصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور دوسرے حصہ میں قرآن کریم کا ذکر ہے۔

اہلِ کتاب اور رسول سے مراد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اے کتاب والو! اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو معنی بنے گا ''اے یہود و نصاریٰ''۔

رسول کی صفت

﴿قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا﴾ تحقیق آچکا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول۔ اس رسول سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ آخری پیغمبر تمہارے پاس پہنچ چکا ہے۔ ﴿يُبَيِّنُ لَكُمْ﴾ بیان کرتا ہے تمہارے لیے ﴿كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ﴾ بہت سی چیزیں جو تم چھپاتے تھے ﴿مِنَ الْكِتٰبِ﴾ کتاب میں سے۔ تورات اور انجیل میں سے جن چیزوں کی وجہ سے ان کی کمائی پر زد پڑتی تھی وہ نہیں بتاتے تھے۔ صرف وہ چیزیں بتاتے تھے جن کی وجہ سے لوگوں سے کچھ وصول ہو جاتا تھا۔ تو فرمایا، ہم نے رسول بھیجا ہے یہ ان چیزوں کو ظاہر کرتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے کتاب سے۔

آیت کریمہ کے دو حصے

﴿وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ اور درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے۔ یعنی وہ چیزیں جو پہلے تمہارے عقیدہ اور دین کی تھیں اور اب نہیں ہیں ان سے درگزر کرتا ہے ان کو بیان نہیں کرتا اور جو چیزیں اب بھی عقیدے اور دین میں ضروری ہیں اور تم نے ان پر پردہ ڈالا ہوا ہے ان کو بیان کرتا ہے۔ آیت کریمہ کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور اگلے حصے میں کتاب اللہ یعنی قرآن پاک کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ تحقیق آچکا ہے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ نور

(یعنی روشنی) اور کتاب روشن کرنے والی۔ جو حقیقت کو بیان کرتی ہے اور روشن کرتی ہے۔ ﴿يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾ ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ﴿مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ﴾ اس کو جس نے پیروی کی اس کی رضا کی، ہدایت دیتا ہے ﴿سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ سلامتی کے راستوں کی۔

تو آیت کریمہ کے اس حصہ میں قرآن پاک کا ذکر ہے۔ بعض لوگ کم فہمی کی وجہ سے مغالطے میں پڑے ہوئے ہیں اور لوگوں کو بھی مغالطہ میں ڈالتے ہیں کہتے ہیں کہ لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں بشر نہیں ہیں۔ آپ کو بشر کہنا بے ادبی اور توہین ہے۔ اس لیے اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے۔ بشر تھے آدم علیہ السلام کی اولاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پہلا نبی بنایا اور آدم علیہ السلام کے انسان ہونے اور آدمی ہونے کا تو دنیا میں کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم میں آتا ہے: ﴿قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ﴾ "اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔" ﴿قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ﴾ [الحجر: ۳۲-۳۳، پارہ: ۱۴] "ابلیس نے کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ سجدہ کروں انسان کو جس کو پیدا کیا تو نے بجنے والے متغیر سڑے ہوئے گارے سے۔" اور سورہ اعراف میں ہے ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ "فرمایا اللہ تعالیٰ نے تو نے سجدہ نہ کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔" ﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ "تو شیطان نے کہا میں بہتر ہوں اس سے پیدا کیا تو نے مجھ کو آگ سے اور پیدا کیا تو نے اس کو مٹی سے۔" ان آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ نور سے نہیں پیدا کیے گئے اور تمام پیغمبر بمع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ انسان ہیں، آدمی ہیں اور آدمی کو آدمی بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ تو سارے پیغمبر انسان تھے، بشر تھے، آدمی تھے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق تھے۔ البتہ درجے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ عطا فرمائے۔

سب سے بلند درجہ اور مقام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پھر درجہ بدرجہ سب کا مقام ہے۔ اور ہیں سارے انسان اور بشر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے پر قرآن شاہد ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بشر کہا ہے۔

چنانچہ پندرھواں پارہ سورۃ بنی اسرائیل میں آتا ہے۔ کافروں نے مطالبہ کیا ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا﴾ "اور کہا کافروں نے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے چشمہ۔ ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ﴾ یا ہو آپ کے لیے باغ کھجوروں اور انگوروں کا۔ ﴿فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا﴾ پس چلائیں آپ نہروں کو ان کے درمیان چلانا۔ ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ﴾ یا گرا دیں آسمان ﴿كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا﴾ جیسا کہ آپ گمان کرتے ہیں ہم پر ﴿كِسَفًا﴾ کوئی ٹکڑا ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ یا لائیں آپ اللہ تعالیٰ اور

فرشتوں کو سامنے۔﴿ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ ﴾ یا ہو آپ کے لیے گھر ﴿ مِّنْ زُخْرُفٍ ﴾ سنہری ﴿ اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ ﴾ یا چڑھ جائیں آپ آسمان پر ﴿ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ ﴾ اور ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ کے اوپر چڑھنے سے ﴿ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا ﴾ حتیٰ کہ آپ اُتاریں ہمارے اوپر ایک کتاب ﴿ نَّقْرَؤُهٗ ﴾ جس کو ہم پڑھیں۔" یہ ان کے مطالبات تھے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ﴾ "اے نبی کریم (ﷺ)! آپ ان کو کہہ دیں میرے رب کی ذات پاک ہے ہر عیب سے، کمزوری سے، وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ نہیں ہوں میں مگر بشر، رسول ہوں" خدا نہیں ہوں، لہٰذا میں تمہارے مطالبات پورے کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ کیوں کہ یہ تو خدائی اختیارات ہیں۔ میں نے خدا ہونے کا کب دعویٰ کیا ہے۔

مسئلہ نور و بشر کی حقیقت

دیکھو! کتنے صاف الفاظ میں قرآن پاک میں آپ ﷺ کی بشریت کا ذکر ہے اور سورۃ کہف کی آخری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ "بے شک میں بشر ہوں تمہارے جیسا" اور کئی مقامات پر آپ ﷺ کی بشریت کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ بشر ہیں اور بخاری اور مسلم شریف میں حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں۔ اور ابوداؤد وغیرہ حدیث کی کتابوں میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بہت تیز لکھنے والوں میں سے تھے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکلتا تھا فوراً لکھ لیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ بَشَرٌ یَتَكَلَّمُ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَاءِ "آنحضرت ﷺ بشر ہیں آپ ﷺ کبھی غصے اور خوشی میں بات کرتے ہیں لہٰذا ہر بات نہ لکھا کرو صرف مسائل لکھا کرو۔" انہوں نے یہ بات آنحضرت ﷺ کو بتائی آپ ﷺ نے فرمایا: اُكْتُبْ "لکھا کرو۔" میری زبان سے جو کچھ نکلے گا اور جس وقت نکلے گا حق ہی نکلے گا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کو بشر ہی کہہ رہے ہیں۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی باہر کی زندگی مسجد کی، جہاد کی تو ہمارے سامنے ہے یہ بتاؤ کہ جب آپ ﷺ گھر تشریف لے جاتے ہیں اس وقت کیا کرتے ہیں؟ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ((كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ)) (ترمذی) "آپ ﷺ بشر تھے" کپڑے صاف کر لیتے تھے۔ اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ گھر کے سارے کام کر لیتے تھے۔ تو قرآن وحدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ بشر تھے، انسان تھے۔ اور تمام فقہ کی کتابوں میں تحریر ہے کہ آپ ﷺ بشر تھے، انسان تھے۔

فقہ کی کتابوں میں بڑی اہم کتاب ہے فتاویٰ عالمگیری، اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ سو جید علمائے کرام کی کمیٹی

نائی تھی انھوں نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کیا تھا۔ وہ تقویٰ، طہارت اور علم میں اتنے بلند تھے کہ اس وقت دنیا میں ان کی ایک بھی نظیر موجود نہیں ہے۔ اس میں یہ مسئلہ بھی موجود ہے کہ اگر کسی شخص سے یہ سوال کیا جائے کہ یہ بتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سی جنس سے تھے؟ عربی تھے، عجمی تھے، انسان تھے، فرشتہ تھے اور اس نے جواب میں کہا لَآ اَدْرِیْ میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان تھے یا فرشتہ تھے یا جن تھے، عربی تھے یا عجمی تھے تو ایسا شخص کافر ہے کیوں کہ اس بات کا معلوم ہونا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تھے اور عربی تھے فرضِ عین ہے۔ یہ کیوں کہتا ہے کہ ''میں نہیں جانتا۔''

لہٰذا یہ قطعی مسئلہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان تھے بشر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا جو منکر ہے وہ کافر ہے۔ اور جو لوگ مغالطہ دیتے ہیں وہ اس لفظ نور سے مغالطہ دیتے ہیں جو آیت کریمہ ﴿قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ ''تحقیق آچکا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب روشن کرنے والی۔'' وہ کہتے ہیں کہ نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نور سے مراد بھی قرآنِ کریم ہے اور قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نور اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یعنی نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ چنانچہ سورۃ نساء کے آخر میں ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ ''اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین یعنی قرآن کریم نازل فرمایا ہے۔''

اور سورہ اعراف میں آتا ہے: ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ [آیت:۱۵۷] ''اور انہوں نے اس نور یعنی قرآن کریم کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا۔''

اور سورت شوریٰ میں ہے ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ﴾ ''اور آپ نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے؟ اور ایمان (کی تفصیل) کیا ہے؟ ﴿وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا﴾ اور لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنایا ہے ﴿نَّهْدِيْ بِهٖ﴾ اس کے ذریعہ ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جنہیں ہم چاہتے ہیں۔''

اور سورت تغابن میں ہے ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا﴾ ''پس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا۔'' ان تمام مقامات میں ''نور'' قرآن کریم کو کہا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر تو آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس دوسرے حصے میں کتاب کا ذکر ہے۔

﴿قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ تحقیق آچکا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب روشن کرنے والی۔ اور عطف تفسیری ہے یعنی کتاب مبین نور کی تفسیر ہے۔ نور اور کتاب مبین ایک شے ہے۔ اور اس پر قرینہ بھی موجود ہے کہ فرمایا ﴿يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾ ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کہ ہٖ کی ضمیر واحد ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہدایت دینے والی ایک چیز کا ذکر ہے۔ اور وہ ہے قرآن کریم جو نور بھی ہے اور روشن کرنے والی کتاب بھی۔

پھر بعض لوگ ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ یاد رکھنا! وہ روایت جعلی ہے اس میں ایک راوی ہے عبدالرحمٰن بن قیس زعفرانی یہ رافضی خبیث تھا۔ جعلی روایتیں بناتا تھا۔ متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا اس پر میں نے خاصی بحث کی ہے اپنی کتاب ''تنقید متین'' میں اور مسند احمد اور مستدرک حاکم سے بہت سی روایات نقل کی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باقاعدہ سایہ تھا لہٰذا کسی کے دھوکے میں نہ آنا آپ کی ذات کو نور ماننا بالکل قرآن پاک کا انکار ہے۔

ہاں! صفت آپ کی نور ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نورِ ہدایت ہیں۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ مگر اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرنا قرآن پاک کا انکار کرنا ہے۔ حدیث پاک کا انکار کرنا ہے جو خالص کفر ہے اور ابھی آپ نے حوالہ سنا ہے کہ انکار تو درکنار اگر یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے، فرشتے تھے یا جن تھے، عربی تھے یا عجمی تھے تو وہ کافر ہے۔

فرمایا ﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾ ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ﴿مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ﴾ اس کو جس نے پیروی کی اس کی رضا کی ﴿سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ سلامتی کے راستوں کی۔

قرآن کے ذریعے ہدایت کا ملنا

﴿وَيُخْرِجُهُمْ﴾ اور ان کو نکالتا ہے ﴿مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ اپنے حکم سے ﴿وَيَهْدِيْهِمْ﴾ اور ان کو چلاتا ہے

﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے پر۔ اللہ تعالیٰ سب کو سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[آمین یا الٰہ العالمین]

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ ﴿قَالُوْۤا﴾ جنھوں نے کہا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ وہی مسیح ابن مریم ہے ﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے پس کون مالک ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿شَيْـًٔا﴾ کسی چیز کا ﴿اِنْ اَرَادَ﴾ اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ یہ کہ وہ ہلاک کرے مسیح ابن مریم کو ﴿وَاُمَّهٗ﴾ اور ان کی والدہ کو ﴿وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اور جو زمین میں ہیں سب کے سب کو ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا ملک ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ﴾ اور کہا یہودیوں نے ﴿وَالنَّصٰرٰى﴾ اور عیسائیوں نے ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ اور اس کے محبوب ہیں ﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے پس تمھیں کیوں سزا دیتا ہے ﴿بِذُنُوْبِكُمْ﴾ تمہارے گناہوں کی وجہ سے

﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ﴾ بلکہ تم بشر ہو ﴿مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ اس مخلوق میں سے جو رب تعالیٰ نے پیدا فرمائی ﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ بخشے گا جس کو چاہے گا ﴿وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور سزا دے گا جس کو چاہے گا ﴿وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَ مَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ﴿وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ اور اسی کی طرف ہے لوٹ کر جانا ﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اے اہلِ کتاب! ﴿قَدْ جَآءَكُمْ﴾ تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس ﴿رَسُوْلُنَا﴾ ہمارا رسول ﴿یُبَیِّنُ لَكُمْ﴾ بیان کرتا ہے تمہارے سامنے ﴿عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ رسولوں کے وقفے کے بعد ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا﴾ تاکہ تم نہ کہو ﴿مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ﴾ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوش خبری سنانے والا ﴿وَّ لَا نَذِیْرٍ﴾ اور نہ رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ﴾ تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس ﴿بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ﴾ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا کہ عیسائیوں کے مشہور تین فرقے تھے:

①...... ایک کا دعویٰ تھا (اور ہے) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ ان کا ذکر سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۰ میں موجود ہے ﴿وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور کہا نصاریٰ نے مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

②...... دوسرا فرقہ تثلیث کا قائل تھا جس کے متعلق آپ نے اسی پارے میں پڑھا ہے۔

عیسائیوں کے تیسرے گروہ کا نظریہ اور رَدّ

③...... تیسرے فرقے کا نام یعقوبیہ تھا۔ ان کا نظریہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام آپس میں گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو الگ مانتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کو الگ مانتے تھے کہ یہ الگ شخصیتیں ہیں مگر عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی اتنی عبادت کی کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں داخل ہو گئے اور عیسیٰ علیہ السلام سے جتنے معجزے ظاہر ہوئے تھے دراصل وہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا تھا جو عیسیٰ علیہ السلام میں داخل تھا۔

اور اس کی مثال اس طرح دیتے تھے کہ دیکھو آگ جنس ہے اور لوہا الگ جنس ہے مگر جب لوہے کو آگ میں رکھتے ہیں تو آگ کی تاثیر اس میں آجاتی ہے اور وہ آگ کی طرح جلاتا ہے ان آیات میں اس فرقہ کا ذکر ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا پھر ان کا عقیدہ بیان فرمایا۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ ﴿قَالُوْۤا﴾ جنھوں نے کہا ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ، وہی مسیح ابن مریم ہے۔ اور یہ نظریہ بھی رکھتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دیا گیا (معاذ اللہ تعالیٰ) بھائی! جس میں

خدائی طاقت ہو، خدا اس میں حلول کیے ہوئے ہو وہ سولی پر کس طرح لٹک سکتا ہے؟ کیا جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا گیا خدا اندر ہی رہا یا نکل گیا تھا؟ کیا گورکھ دھندا ہے۔

اور چاروں اناجیل یعنی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب سولی پر لٹکایا گیا تو فرماتے تھے: إِيلِيْ إِيلِيْ لِمَا سَبَقْتَنِي "اے میرے رب، اے میرے رب مجھے یہاں کیوں پھنسا دیا ہے۔" پھر کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے مُنجی ہیں۔ بھائی وہ خود تو سولی پر لٹک گئے تمہارے لیے منجی کس طرح بن گئے؟ وہ اپنے آپ کو نجات نہ دے سکے تمہارے نجات دہندہ کس طرح بن گئے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ او بے ایمانو! گناہ تم کرو اور کفارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیوں؟ مثلاً تم گناہ کرو دو ہزار سال بعد اور وہ کفارے کے لیے پہلے ہی سولی پر چڑھ جائیں۔ یہ کون سی منطق ہے؟

کثرتِ عبادت سے اللہ کی حفاظت میں آنا

تو خیر! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں اللہ وہی مسیح بیٹا مریم کا ہے۔ رب، رب ہے اور عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ بے شک انہوں نے بہت عبادت کی ہے مگر وہ کثرت عبادت سے نہ رب بن گئے ہیں اور نہ رب ان میں داخل ہو گیا ہے۔ البتہ جو شخص کثرت سے عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام میں فرق

چنانچہ بخاری شریف میں روایت آتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''جو شخص کثرت سے میری عبادت کرتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ میرے کانوں سے سنتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں، میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں میں اس کی زبان بن جاتا ہوں''۔ محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کے کانوں کی حفاظت کرتا ہوں اس کے کانوں کا نگران ہو جاتا ہوں، اس کے ہاتھوں کا نگران ہو جاتا ہوں، اس کے پاؤں کا نگران ہو جاتا ہوں، اس کی زبان کی حفاظت کرتا ہوں یعنی وہ سنے گا جس پر رب راضی ہوگا، وہ کرے گا جس پر رب راضی ہوگا، بات وہ کرے گا جس پر رب راضی ہوگا، ہاتھ سے وہ چیز پکڑے گا جس پر رب راضی ہوگا، پاؤں ادھر جائیں گے جدھر جانے پر رب راضی ہوگا۔ اس حدیث کا وہ مطلب نہیں ہے جو بعض کم فہم لوگوں نے سمجھا ہے کہ کثرت عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ ولی کے اندر حلول کر جاتا ہے، یہی نظریہ عیسائیوں کے ایک فرقے کا تھا جن کو رب تعالیٰ نے کافر کہا ہے۔

تخلیق میں خود مختار

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے پس کون مالک ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾

اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کا ﴿اِنْ اَرَادَ﴾ اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ﴾ یہ کہ وہ ہلاک کرے مسیح ابن مریم علیہما السلام کو ﴿وَاُمَّهٗ﴾ اور ان کی والدہ کو۔ تو یہ بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ بھی ساتھ ہی ختم ہو جائے گا؟ کیوں کہ تمہارا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں گڈمڈ ہے۔ رب تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے۔ ساری دنیا کو فنا کر سکتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام یَأْتِیْ عَلَیْهِ الْفَنَآءُ "ان پر موت آئے گی" کیا ان کے ساتھ رب بھی فوت ہو جائے گا؟ سوچو تو سہی کیا کہہ رہے ہو؟ اور ان کی والدہ وفات پا چکی ہیں۔ اب نظامِ کائنات کس طرح چل رہا ہے؟

﴿وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ اور جو زمین میں ہیں سب کے سب کو ہلاک کرے۔ کون سامنے آ سکتا ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمینوں کا ملک ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، وہی رازق ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کی حقیقت

﴿یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ﴾ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔ حوا علیہا السلام کو ماں کے بغیر پیدا فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔ اور عام کائنات کو ماں باپ کے ذریعہ پیدا کرتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ آگے ان کے غلو اور زیادتی کا بیان ہے۔

یہود و نصاریٰ کے قول کی تردید

﴿وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی﴾ اور کہا یہودیوں اور عیسائیوں نے ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کے بیٹے کس طرح بن گئے وہ تو "﴿لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ﴾" ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔ اور اس کے محبوب کس طرح بن گئے؟ حالانکہ تم نے اس کے عظیم پیغمبر موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کا الزام لگایا اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم باندھا اور کیا کیا خرافات اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگائیں۔ عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا۔

﴿وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ [توبہ: ۳۰] کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ کا عقیدہ ابھی آپ نے پڑھا کہ "مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو قتل کیا" اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ یَسُبُّنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ " آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ اس کو گالیاں دینے کا حق نہیں تھا۔" گالیاں کس طرح دیتا ہے؟ فرمایا یَدْعُوْا لِیْ وَلَدًا "میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔" جس طرح ہمارے لیے یہ گالی ہے کہ کسی کا ثابت النسب بیٹا ہو اس کو کہا جائے کہ یہ تیرا بیٹا نہیں ہے اور کہنے والے کو از روئے قرآن اَسّی [۸۰] کوڑے بھی لگیں گے اور اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوگی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہو تو پس تمھیں کیوں سزا دیتا ہے ﴿بِذُنُوْبِكُمْ﴾ تمہارے گناہوں کی وجہ سے۔ تمھیں رب تعالیٰ نے بندر، خنزیر کیوں بنایا؟ تم پر طاعون کیوں نازل ہوا؟ اور طرح طرح کے عذاب کیوں نازل ہوئے؟ لہٰذا تم غلط کہتے ہو کہ تم خدا کے بیٹے ہو اور محبوب ہو۔ ﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ﴾ بلکہ تم بشر ہو ﴿مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ اس مخلوق میں سے جو رب تعالیٰ نے پیدا فرمائی ﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ بخشے گا جس کو چاہے گا ﴿وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور سزا دے گا جس کو چاہے گا۔ جو رب تعالیٰ پر ایمان لائے گا اس کے پیغمبروں کو مانے گا اس کے احکام کو تسلیم کرے گا اس کو بخشے گا اور جو رب تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرے گا اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا، اس کے پیغمبروں کو قتل کرے گا اور اس کے حکموں کی نافرمانی کرے گا اس کو سزا دے گا۔

﴿وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا ﴿وَ مَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ زمین، آسمان کے درمیان جو فضا ہے اس میں بے شمار مخلوق رہتی ہے سب کا مالک رب تعالیٰ ہی ہے۔ یاد رکھنا! ﴿وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ اور اسی کی طرف ہے لوٹ کر جانا۔ اے اہلِ کتاب! تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس۔

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اے اہلِ کتاب! (یہودیو اور عیسائیو!) ﴿قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا﴾ تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول۔ تمام پیغمبروں کا سردار، امام، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

زمانہ فترت کی تشریح

﴿یُبَیِّنُ لَكُمْ﴾ بیان کرتا ہے تمہارے سامنے ﴿عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ رسولوں کے وقفے کے بعد۔ فترت کہتے ہیں اس زمانے کو جو ایک رسول کے جانے اور دوسرے نبی کے آنے کے درمیان ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد پانچ سو اکہتر [۵۷۱] سال گزر چکے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ تو یہ جو درمیان کا زمانہ ہے یہ فترت کا زمانہ ہے۔ تو فرمایا ہمارا پیغمبر رسولوں کے وقفے کے بعد تمہارے پاس آ گیا ہم نے اپنا پیغمبر کیوں بھیجا ہے؟

اتمامِ حجت

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا﴾ تاکہ تم نہ کہو ﴿مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ﴾ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور نہ ڈرانے والا۔ اے اہلِ کتاب! یاد رکھو ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ﴾ تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا۔ لہٰذا اتمامِ حجت ہو چکا ہے۔ اور اہلِ کتاب جانتے تھے خصوصاً یہودی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ [البقرۃ:۱۴۶] "یہ اس پیغمبر کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے ہیں۔"

تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ

چنانچہ جب آپس میں باتیں کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ وہی پیغمبر ہے جس نے آنا تھا مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ روایات اور سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے یہودی تھے کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کھجوریں اتار رہے تھے اور ان کی پھوپھی نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ عین دوپہر کا وقت تھا ان کو ذوالحلیفہ کے میدان میں سفید کپڑوں والے آتے ہوئے نظر آئے تو پھوپھی کو کہنے لگے وہ آگئے ہیں جن کا آپ ذکر کیا کرتی تھیں۔ کیونکہ یہ خود بھی اور ان کی پھوپھی بھی تورات کی بڑی عالمہ تھیں۔ اور وہ ان کو بتایا کرتی تھی کہ ایک پیغمبر نے مکہ مکرمہ میں مبعوث ہونا ہے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنا ہے۔ جب وہ تشریف لائیں گے تو دوپہر کا وقت ہوگا اور ان کے اور ان کے ساتھیوں کے کپڑے سفید ہوں گے۔ تو جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بتایا تو کہنے لگیں۔ بھتیجے وہی تشریف لا رہے ہیں مگر بلند آواز سے نہ کہو کہیں کوئی سن نہ لے تو ضد کا تو کوئی علاج نہیں ہے یہ سارا واقعہ سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں موجود ہے۔

اسلام سے خائف باطل قوتیں

﴿وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اسلام کو پھیلائے گا ﴿وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف: ۸] "اور اللہ تعالیٰ ضرور مکمل کرے گا اپنے نور کو اگرچہ کافر مشرک اس کو ناپسند کریں۔" کافر تو ہمیشہ اسلام سے خائف رہے ہیں اور کوشش کرتے رہے ہیں کہ یہ نہ پھیلے بلکہ اس کو ختم کر دیا جائے اور اس وقت بھی جتنی باطل قوتیں ہیں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی یہ سب اسلام سے خائف ہیں۔ خصوصاً جہاد سے تو ان کی جان جاتی ہے۔ یہ جو مٹھی بھر نوجوان اپنی ہتھیلیوں پر جانیں رکھ کر نکلے ہوئے ہیں ان کو تم معمولی نہ سمجھو یہ ان کے لیے موت کا پیغام ہیں......!!۔

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى﴾ اور جب فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لِقَوْمِهٖ﴾ اپنی قوم کو ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ﴿عَلَیْكُمْ﴾ جو تم پر ہوئیں ﴿اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ﴾ جب بنائے اس نے تمہارے اندر پیغمبر ﴿وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ اور بنایا اس نے تمھیں بادشاہ ﴿وَّ اٰتٰىكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں دیں ﴿مَّا﴾ وہ نعمتیں ﴿لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا﴾ جو نہ دیں کسی ایک کو ﴿مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جہان والوں میں سے ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ﴾ داخل ہو جاؤ پاکیزہ زمین میں ﴿الَّتِیْ﴾ وہ زمین ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے ﴿وَ لَا تَرْتَدُّوْا﴾ اور نہ پھرو تم ﴿عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ﴾ اپنی پیٹھ دکھا کر ﴿فَتَنْقَلِبُوْا

خٰسِرِیْنَ﴾ پس لوٹو گے تم نقصان اٹھاتے ہوئے ﴿قَالُوْا یٰمُوْسٰی﴾ کہنے لگے اے موسیٰ! ﴿اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا﴾ بے شک ارض مقدسہ میں ایک قوم ہے ﴿جَبَّارِیْنَ﴾ بڑی زبردست ﴿وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا﴾ اور ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے اس پاکیزہ زمین میں ﴿حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ یہاں تک کہ وہ خود بخود وہاں سے نکل جائیں ﴿فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ پس اگر وہ نکل گئے اس سے ﴿فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ﴾ تو ہم اس میں داخل ہوں گے۔

بنی اسرائیل کا تعارف

دنیا کی مشہور قوموں میں سے ایک قوم بنی اسرائیل بھی تھی۔ یہ بڑی ذہین قوم تھی ان میں نیک بھی تھے، بد بھی تھے، اس قوم میں بڑے بڑے پیغمبر ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پڑپوتے کے بیٹے تھے۔ موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب اور ہارون علیہما السلام کو بھی نبی بنایا یہ موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں تین سال بڑے تھے۔ مگر درجے اور مرتبے میں چھوٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عطا فرمائی۔ یہ بڑی جامع مانع کتاب تھی۔ تمام آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد اس کا بلند مقام ہے۔ ان آیات میں اس قوم کا اور ان کے پیغمبر کا ذکر ہے۔

انعامات کا تذکرہ

فرمایا ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی﴾ اور جب فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ﴿لِقَوْمِهٖ﴾ اپنی قوم کو ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ اے میری قوم یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ﴿عَلَیْكُمْ﴾ جو تم پر ہوئیں۔ نعمتوں کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کرو ان کی قدر کرو۔ آگے ان نعمتوں کا ذکر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت

﴿اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ﴾ جب بنائے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر پیغمبر۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار پیغمبر بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ہیں۔ حالانکہ ایک پیغمبر کسی قوم میں آجائے تو اس قوم کا سر آسمان کے ساتھ جا لگتا ہے چہ جائیکہ چار ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے ہوں۔ مگر قرآن پاک کے بیان کے مطابق ان ظالموں نے ان کی قدر نہ کی بلکہ ﴿وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ﴾ [آل عمران: ۲۱] "اور انھوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا، نافرمانی کی اور اس طرح اس نعمت کی ناقدری کی۔"

ملوکیت کا تمغہ

اور انعام یہ فرمایا ﴿وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ اور بنایا اس نے تمھیں بادشاہ۔ بعض کو نبی بھی بنایا اور بادشاہ بھی، جیسے حضرت

یوسف علیہ السلام آخری دور میں مصر کے بادشاہ بھی تھے اور نبی بھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نبی بھی تھے اور خلیفہ فی الارض بھی تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پیغمبری کے ساتھ ساتھ عظیم سلطنت بھی عطا فرمائی کہ ان کی حکومت انسانوں کے علاوہ جنات، حیوانوں اور پرندوں پر بھی تھی۔ اور بعض ایسے تھے کہ جو صرف بادشاہ تھے پیغمبر نہیں تھے اور بہت سے انعامات فرمائے۔

دیگر مخصوص انعامات

فرمایا ﴿وَاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں دیں وہ نعمتیں جو نہ دیں کسی ایک کو جہان والوں میں سے۔ ان میں سے بعض نعمتوں کا ذکر پہلے پارے میں اور نویں پارے میں ہے اور دیگر مقامات پر بھی ذکر آتا ہے کہ جب یہ لوگ وادی تیہ میں پہنچے جس کو آج کل وادی سینا کہا جاتا ہے جس کی لمبائی چھتیس میل اور چوڑائی چوبیس میل ہے اور سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ مصر کے پاس ہے مگر وہ حصہ جس میں تیل کے کنوئیں ہیں یا فوجی اہمیت کا حامل ہے وہ ابھی تک یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ تو اس وادی سینا میں یہ لوگ جب موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ ارضِ مقدس میں عمالقہ قوم آباد ہے ان کے خلاف جہاد کرو جس کا ذکر کل کے سبق میں آئے گا۔ تو انھوں نے عذر اور بہانے کیے اور جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کے لیے اس میدان سے نکلنا ان پر حرام کر دیا اور ان کے لیے کھانے پینے اور سائے کا انتظام فرمایا۔ اس طرح کہ کھانے کے لیے مَن اور سلویٰ نازل فرمایا۔ ایک پلیٹ میں کھیر ہوتی اور ایک پلیٹ میں بٹیر ہوتے۔ اور جب سورج چڑھتا تو ساتھ ہی رب تعالیٰ بادلوں کا سایہ فرما دیتے۔ ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ اور سایہ کیا ہم نے تم پر بادلوں سے اور یہ کوئی معمولی انتظام نہیں تھا ان کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ مرد تھے، عورتیں تھیں، بچے اور بوڑھے تھے۔ لیکن ان لوگوں نے ناقدری کی کہنے لگے ﴿لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ "ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے۔"

ایک عجیب واقعہ

پھر ان کے لیے پانی کی ضرورت تھی کیوں کہ کوئی جان دار چیز بلکہ نباتات اور درخت بھی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری فرما دیئے۔ اور اس سے پہلے جب یہ لوگ ہجرت کر کے جا رہے تھے اور راستے میں دریائے قلزم آ گیا جو کافی گہرا تھا اللہ تعالیٰ نے پانی روک کر انہیں دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ ﴿فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ [الشعراء : ۶۳] "پس ہو گیا ہر ایک حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح کہ جس طرح دیواریں کھڑی ہیں اس طرح پانی کھڑا ہو گیا درمیان میں سڑکیں بن گئیں۔"

ارضِ مقدسہ کی حدود

پھر ان کو ارضِ مقدس بھی عطا کر دی جس کا دوسرا نام شام تھا اس وقت جو شام ہے یہ اور لبنان، اردن کا سارا علاقہ

ارضِ مقدس میں شامل تھا اور اس وقت جو علاقہ یہودیوں کے پاس ہے یہ بھی اور ایشیائے کوچک کا کچھ حصہ جو اس وقت ترکوں کے پاس ہے یہ وسیع تر علاقہ ارضِ مقدس کہلاتا تھا۔ شام اور کنعان بھی ارضِ مقدس میں ہے اس لیے کہ بے شمار پیغمبر وہاں تشریف لائے اور ان کی قبریں بھی وہیں ہیں۔ یہ بڑا زرخیز اور ٹھنڈا علاقہ ہے۔ ہر طرح کے پھل وہاں ہوتے ہیں۔ صاف ستھرا پانی ہے۔ ہم نے دمشق کی نہر میں دیکھا کہ پانی کی دونالیاں آرہی ہیں۔ ایک میں صاف شفاف پانی ہے اس کا پانی لوگ استعمال کرتے ہیں اور تھوڑے سے فاصلے پر دوسری نالی ہے جس میں استعمال شدہ پانی جا رہا ہے اور ہر جگہ پانی کی فراوانی ہے۔ گھروں میں بھی اور مسجدوں میں بھی اور وہاں کے لوگ بھی بڑے منیب الطبع تھے۔ ہم ایک بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک آدمی جس کی چھوٹی سی کریانہ کی دکان تھی دوڑتا ہوا آیا اور میری ڈاڑھی کو اس نے چومنا شروع کر دیا اور مسلسل چومتا رہا میں نے کہا بھائی! کیا بات ہے۔ میرا تیرا کوئی تعارف نہیں ہے۔ میں تجھے جانتا نہیں ہوں۔ میری ڈاڑھی کو کیوں چوم رہا ہے؟ کہنے لگا ڈاڑھی نظر آئی ہے محبت سے چوم رہا ہوں میں نے کہا تجھے بھی رکھنے کا حق ہے رکھ لے، کیوں نہیں رکھتا؟ اس نے بڑی گالی دے کر کہا کہ ہم تو ڈاڑھی رکھنا چاہتے ہیں مگر جب رکھتے ہیں تو یہ جو ہمارے بڑے ہیں ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اس لیے ہم نہیں رکھتے یعنی معاشرہ رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

تو خیر! شام، لبنان، اردن، فلسطین یہ سارا ایک ملک تھا مگر برطانیہ، فرانس اور ان کے گرو (لیڈر) امریکہ نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اب شام الگ ملک ہے، اردن الگ ملک ہے، لبنان الگ ملک ہے، اسرائیل کا علاقہ الگ ہے، پھر ان شیطانوں نے ان کا ایسا ذہن بنا دیا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف ایسی نفرت بھر دی ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ تو بیٹھ سکتے ہیں، مگر آپس میں مل بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان خطوں کے حکمران دشمنوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔

قومِ عمالقہ سے جہاد کا حکم

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو رب تعالیٰ کے انعامات یاد دلانے کے بعد فرمایا ﴿يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ اے میری قوم! داخل ہو جاؤ پاکیزہ زمین میں وہ زمین جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے۔ اس علاقہ میں عمالقہ قوم آباد تھی جو عملیق کی نسل سے تھی یہ بڑی طاقتور اور جنگجو قوم تھی۔ فرمایا ان کے ساتھ جہاد کرو۔

﴿وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ﴾ اور نہ پھرو تم اپنی پیٹھ دکھا کر ﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ پس لوٹو گے تم نقصان اٹھاتے ہوئے ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى﴾ کہنے لگے (قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا) اے موسیٰ! ﴿اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ﴾ بے شک ارض مقدسہ میں ایک قوم ہے بڑی زبردست (لڑاکا)۔ ﴿وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا﴾ اور ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے اس پاکیزہ زمین میں ﴿حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ یہاں تک کہ وہ خود بخود وہاں سے نکل جائیں ﴿فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ پس اگر وہ نکل گئے اس سے ﴿فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ﴾ تو ہم اس میں داخل ہوں گے۔

ان کی موجودگی میں ہم داخل ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کی حماقت کا اندازہ لگاؤ کہ اتنا بھی نہ سوچا کہ عمالقہ کا دماغ خراب ہے کہ وہ بغیر لڑائی کے اپنا علاقہ چھوڑ دیں اور مفت میں تمہارے حوالے کر دیں۔ (اللہ رب العزت اپنی اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے)۔ آمین

﴿قَالَ رَجُلٰنِ﴾ کہا دو شخصوں نے ﴿مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ﴾ ان لوگوں میں سے جو خوف کھانے والے تھے اللہ تعالیٰ سے ﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا تھا (کہا ان دونوں نے) ﴿ادْخُلُوْا﴾ داخل ہو جاؤ ﴿عَلَيْهِمُ الْبَابَ﴾ اپنے دشمن پر دروازے سے ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ﴾ پس جب تم اس دروازے سے داخل ہو جاؤ گے ﴿فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ﴾ پس بے شک تم غالب ہونے والے ہو گے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ﴿فَتَوَكَّلُوْٓا﴾ پس تم بھروسہ کرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر ہو تم ایمان والے ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى﴾ کہا انھوں نے اے موسیٰ! ﴿اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ﴾ بے شک ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے ارضِ مقدسہ میں ﴿اَبَدًا﴾ کبھی بھی ﴿مَّا دَامُوْا فِيْهَا﴾ جب تک وہ لوگ اس میں ہوں گے ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ﴾ پس جا تو ﴿وَرَبُّكَ﴾ اور تیرا رب ﴿فَقَاتِلَآ﴾ پس دونوں جا کر لڑو ﴿اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ بے شک ہم یہاں بیٹھے رہیں گے ﴿قَالَ رَبِّ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اے میرے رب! ﴿اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ﴾ بے شک میں نہیں مالک ﴿اِلَّا نَفْسِىْ﴾ مگر اپنی جان کا ﴿وَاَخِىْ﴾ اور اپنے بھائی کا ﴿فَافْرُقْ بَيْنَنَا﴾ پس تو تفریق کر دے ہمارے درمیان ﴿وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور فاسق قوم کے درمیان ﴿قَالَ فَاِنَّهَا﴾ فرمایا پروردگار نے پس تحقیق وہ ارضِ مقدسہ ﴿مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ﴾ حرام کر دی گئی ان پر ﴿اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ چالیس سال ﴿يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ حیران پھرتے رہیں گے زمین میں ﴿فَلَا تَاْسَ﴾ پس تو نہ افسوس کر ﴿عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ نافرمانی کرنے والی قوم پر۔

عمالقہ کی جاسوسی کا منظم منصوبہ

بنی اسرائیل پہلے فرعون کے غلام تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے نجات عطا فرمائی۔ فرعون بمع لشکر کے بحر قلزم میں غرق ہوا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم دریا عبور کر گئی وادی سینا میں پہنچ کر کچھ دن آرام کیا پھر ان کو حکم ہوا کہ شام کے علاقہ میں عمالقہ قوم آباد ہے ان کے ساتھ جہاد کرو، علاقہ پر قبضہ کرو اور میرا دین پھیلاؤ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے اور ہر بیٹے کے نام پر الگ الگ خاندان تھا کوئی یہودی، کوئی روبیلی، کوئی بنیامینی اور کوئی یوسفی کہلاتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر ہر خاندان میں سے ایک ایک آدمی منتخب فرمایا اور ان بارہ آدمیوں کو جاسوسی کے لیے شام کے علاقہ میں بھیجا۔ فرمایا کوئی تاجر کی

حیثیت سے، کوئی سیاح بن کر اور کوئی محض مسافر کی حیثیت سے ملک شام میں داخل ہو جاؤ اور جائزہ لو کہ وہ کس طرح کے لوگ ہیں ان کی چھاؤنیاں کتنی ہیں، اسلحہ کی کیا پوزیشن ہے۔ اور ان کے لڑنے کا کیا طریقہ ہے اور واپس آ کر ہم دو بھائیوں کو ہی رپورٹ پیش کرنی ہے۔ ہمارے سوا کسی کو کچھ نہیں بتانا۔ کیونکہ اگر تم عام لوگوں کو آ کر بتاؤ گے کہ وہ بڑے جابر لوگ ہیں اور ان کے پاس بڑا اسلحہ ہے تو ان کی ہمتیں پست ہو جائیں گی۔

چنانچہ وہ بارہ آدمی گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں کتنی مدت رہے مہینہ رہے، دو مہینے رہے اس وقت ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ جائزہ لینے کے بعد جب واپس آئے تو سوائے دو آدمیوں کے ایک یوشع بن نون جو پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم اور بعد میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور دوسرے کالب بن یوقنا، یہ بھی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے بعد نبی بنائے گئے۔ باقی دس نے سب آدمیوں کے سامنے حالات بیان کیے کہ وہ بڑی ڈیل ڈول والی قوم ہے ان کے بڑے بڑے محفوظ قلعے ہیں اور بڑے جنگجو لوگ ہیں۔ بنی اسرائیل غلام قوم تھی آزادی سے واقف نہ تھے۔ ایسی قوم بزدل ہوتی ہے اور موت سے ڈرتی ہے اور یاد رکھنا! بنی اسرائیل من حیث القوم جتنا موت سے ڈرتے تھے اتنا اور کوئی قوم موت سے نہیں ڈرتی۔

چنانچہ قرآن پاک میں ہے "اے یہودیو! اگر تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تم ہی اور لوگوں کے سوا اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو"۔ فرمایا ﴿وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ [الجمعہ : ۷] "اور ہرگز یہ اس کی آرزو نہیں کریں گے بہ سبب ان اعمال کے جو یہ کر چکے ہیں۔" تو خیر! دو آدمیوں کے سوا باقیوں نے عام لوگوں کو سارے حالات بتا دیے، اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿قَالَ رَجُلٰنِ﴾ کہا دو شخصوں نے۔ یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا علیہما السلام نے ﴿مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ﴾ ان لوگوں میں سے جو خوف کھانے والے تھے اللہ تعالیٰ سے۔ کہ وعدہ خلافی گناہ ہے اور وہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ساتھ وعدہ کر کے گئے تھے کہ وہاں کے حالات تمہارے سوا کسی کو نہیں بتائیں گے۔

﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا تھا۔ کہ اپنے اپنے وقت پر دونوں کو نبی بنایا نبوت بہت بڑا انعام ہے۔ اور ان کا وعدے پر پورا اترنا بھی اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ ان دو آدمیوں نے قوم کو ترغیب دینے کے لیے کہا ﴿ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ﴾ داخل ہو جاؤ اپنے دشمن پر دروازے سے۔ اس زمانے میں شہر کے چاروں طرف دیوار ہوتی تھی جس کو سور البلد کہتے تھے اور شہر میں آنے جانے کے لیے دروازے ہوتے تھے جس طرح گوجرانوالا میں کھیالی دروازہ، لاہوری دروازہ، سیالکوٹی دروازہ ہے اسی طرح لاہور میں دلی دروازہ، موچی دروازہ، ملتان میں بھی دروازے تھے اگرچہ اب وہ تقریباً ختم ہو گئے ہیں۔ تو اس طرح پرانے زمانے میں دروازے ہوتے تھے تو ان دو آدمیوں نے ترغیب دی کہ عمالقہ قوم کے مقابلے کے لیے دروازے سے داخل ہو جاؤ۔

سورالبلداوراس میں داخلے کی ترغیب

﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ ﴾ پس جب تم اس دروازے سے داخل ہوجاؤ گے۔تو بیت المقدس فتح ہوجائے گا۔ ﴿ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ﴾ پس بے شک تم غالب ہونے والے ہوگے۔ کیونکہ جب دارالخلافہ فتح ہوگیا تو پھر فتح ہی فتح ہے۔ ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا ﴾ اوراللہ تعالیٰ کی ذات ہی پرتم بھروسا کرو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اگر ہوتم ایمان والے ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى ﴾ بنی اسرائیل نے کہااے موسیٰ! ﴿ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا ﴾ بے شک ہم ہرگزنہیں داخل ہوں گے ارضِ مقدسہ میں کبھی بھی ﴿ مَّا دَامُوْا فِيْهَا ﴾ جب تک وہ لوگ اس میں ہوں گے۔اس سے پہلے درس میں آپ نے پڑھا کہ ''فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ'' پس اگر وہ خودبخود وہاں سے چلے جائیں تو پھر ہم داخل ہوں گے۔مگر جب تک وہ وہاں ہیں ہم نہیں جائیں گے ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کتنا صاف جواب دیا۔

قوم کا جواب

﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ ﴾ پس جاتو اور تیرارب ﴿ فَقَاتِلَآ ﴾ پس دونوں جاکرلڑو ﴿ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ بے شک ہم یہاں بیٹھے رہیں گے وادی تیہ میں۔ یہ حال تھا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا بخلاف اس کے امام الانبیاء کے اصحاب کا حال احادیث میں مذکور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کومعلوم ہوا کہ کافر مدینہ طیبہ پرحملہ کرنا چاہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاصے پریشان ہوئے اور پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ انصارِ مدینہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات طے کی تھی کہ اگر شہر میں آکرکوئی حملہ آور ہواتو ہم دفاع کریں گےاوراگرلڑائی کے لئے باہر جانا پڑاتو ہم مجبورنہیں ہوں گےتو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان ہوئے کہ مہاجرین تو تھوڑے سے ہیں۔ کیونکہ کچھ ابھی تک مکہ مکرمہ سے نہیں آئے تھے اور کچھ حبشہ میں موجود تھے۔اور انصار کو باہر جانے پر مجبورنہیں کر سکتے تھے کیونکہ پہلے طے ہو چکا تھا۔

قوم موسیٰ (علیہ السلام) اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جوابی منظر

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی میں ((زادھا اللہ شرفا و کرامۃً)) میٹنگ بلائی۔فرمایا تمام ساتھی مسجد میں اکٹھے ہوجاؤ۔ جب سارے ساتھی اکٹھے ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''ہم جب مکہ مکرمہ میں تھے کافروں نے ہم پر بڑے ظلم ڈھائے،میرے ساتھ یہ زیادتی ہوئی،فلاں پر یہ ظلم ہوا،فلاں پر یہ ظلم ہوااور یہاں آنے کے بعد کرز بن جابرفہری نے حملہ کرکے بیت المال کے اونٹ چھین لیےاوراب معلوم ہواہے کہ وہ ہم پرحملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں ہمیں کیا کرنا چاہیے''؟

حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سنتے ہی فوراً کھڑے ہوگئے اورنہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جانثاری فرمایا۔اس کے بعدحضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اورنہایت خوب صورتی کے ساتھ اظہار جاں نثاری فرمایا۔ان کے بعدحضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا''یارسول اللہ! ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں کہ آپ سے یہ کہیں کہ آپ جائیں اورآپ کا

رب جائے اور جا کے لڑو، حضرت! ہم آپ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے دشمن کے ساتھ لڑیں گے''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے خوش ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔

سردارِ انصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کو سمجھ گئے اور فوراً عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شاید آپ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اگر برک الغماد جانے کا حکم دیں گے تو ضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا، ہماری طرف سے آپ مطمئن رہیں''۔

اور واقعی ایسا ہی ہوا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قربانی کی جہان میں مثال نہیں ملتی۔ احد کے معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تنہا کھڑے تھے۔ عتبہ بن ابی وقاص اس وقت کافر تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارا سامنے کے جو دانت ہیں ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں دانت مبارک شہید ہو گیا۔ خون کے فوارے چھوٹ گئے۔ عبداللہ بن قمیہ کافر نے تلوار ماری خود کٹا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا دیکھ رہی تھیں انھوں نے جب دیکھا کہ ابن قمیہ دوبارہ وار کرنا چاہتا ہے آگے بڑھیں اور اس کا وار اپنے کندھے پر برداشت کیا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو میرا دفاع کرے گا اس کو جنت ملے گی''۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ''انصارِ مدینہ کے سات بچے جن کی عمریں پندرہ، سولہ اور سترہ سال تھیں۔ میدان میں آئے اور اپنی جانیں قربان کر کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچائی۔ تو خیر! موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے ارضِ مقدس میں کبھی بھی جب تک عمالقہ قوم وہاں موجود ہے۔ آپ جائیں اور آپ کا رب جائے دونوں جا کے لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

قوم کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی مایوسی

﴿قَالَ رَبِّ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اے میرے رب! ﴿اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ﴾ بے شک میں نہیں مالک مگر اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا۔ میں اور میرا بھائی ہم دونوں تیار ہیں آپ جو حکم فرمائیں۔ یہ دونوں پیغمبر تھے اور دوسرے دو بزرگوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ان کو ابھی نبوت نہیں ملی تھی۔ فرمایا اب میرا نباہ قوم کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

قوم پر عتاب

﴿فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴾ پس تو تفریق کر دے ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان ﴿قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ﴾ فرمایا پروردگار نے پس تحقیق وہ ارضِ مقدسہ حرام کر دی گئی ان پر ﴿اَرْبَعِیْنَ سَنَةً﴾ چالیس سال۔ یہ بوڑھے مریں

گے نئی نسل پیدا ہوگی اور آزاد آب و ہوا میں پرورش پائیں گے ان میں لڑنے کی جرأت ہوگی موجودہ لوگوں میں لڑنے کی جرأت نہیں ہے۔

لہٰذا سزا کے طور پر ﴿يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ حیران پھرتے رہیں گے زمین میں۔ یعنی وادیٔ سینا میں۔ ﴿فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ﴾ پس تو نہ افسوس کرنا فرمانی کرنے والی قوم پر۔ آپ نے فریضہ ادا کر دیا ہے آپ اپنا کام کریں، یہ اپنا کریں۔

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ﴾ اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھ تو ان کے سامنے ﴿نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ﴾ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی خبر ﴿بِالْحَقِّ﴾ جو بالکل سچی ہے ﴿اِذْ قَرَّبَا﴾ جب دونوں نے قربانی دی ﴿قُرْبَانًا﴾ قربانی کرنا ﴿فَتُقُبِّلَ﴾ پس قبول کرلی گئی ﴿مِنْ اَحَدِهِمَا﴾ ان میں سے ایک کی ﴿وَلَمْ يُتَقَبَّلْ﴾ اور نہ قبول کی گئی ﴿مِنَ الْاٰخَرِ﴾ دوسرے سے ﴿قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ﴾ اس نے کہا البتہ ضرور میں تجھے قتل کروں گا ﴿قَالَ﴾ کہا پہلے نے ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ﴾ پختہ بات ہے قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ پرہیز گاروں سے ﴿لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ﴾ البتہ اگر بڑھایا تم نے میری طرف اپنا ہاتھ ﴿لِتَقْتُلَنِيْ﴾ تاکہ تو مجھے قتل کرے ﴿مَا اَنَا بِبَاسِطٍ﴾ میں نہیں بڑھاؤں گا ﴿يَدِيَ اِلَيْكَ﴾ اپنا ہاتھ تیری طرف ﴿لِاَقْتُلَكَ﴾ تاکہ میں تجھے قتل کر دوں ﴿اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ﴿رَبَّ الْعٰلَمِينَ﴾ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿اِنِّيْ اُرِيْدُ﴾ بے شک میں چاہتا ہوں ﴿اَنْ تَبُوْٓاَ﴾ یہ کہ لوٹے تو ﴿بِاِثْمِيْ﴾ میرا گناہ لے کر ﴿وَاِثْمِكَ﴾ اور اپنا گناہ لے کر ﴿فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ﴾ پس ہوجائے تو دوزخ والوں میں سے ﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِينَ﴾ اور یہ بدلہ ہے ظالموں کا ﴿فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ﴾ پس آمادہ کیا اس کو اس کے نفس نے ﴿قَتْلَ اَخِيْهِ﴾ اپنے بھائی کے قتل کرنے پر ﴿فَقَتَلَهٗ﴾ پس اس نے اس کو قتل کر دیا ﴿فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ پس ہوگیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ﴾ پس بھیجا اللہ تعالیٰ نے ﴿غُرَابًا﴾ ایک کوا ﴿يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ﴾ پس وہ کریدتا تھا زمین کو ﴿لِيُرِيَهٗ﴾ تاکہ اس کو دکھائے ﴿كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ﴾ کیسے چھپائے وہ اپنے بھائی کی لاش کو ﴿قَالَ﴾ کہا اس نے ﴿يٰوَيْلَتٰٓى﴾ ہائے افسوس مجھ پر ﴿اَعَجَزْتُ﴾ کیا میں عاجز ہوگیا ﴿اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ﴾ اس سے کہ میں ہوجاتا اس کوے کی طرح ﴿فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ﴾ پس میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا لیتا ﴿فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ﴾ پس ہوگیا وہ پچھتانے والوں میں سے۔

خالی نسبت کام نہیں آتی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے قرآن پاک میں بہت سارے واقعات اور قصے بیان فرمائے ہیں۔ ہر قصے میں عبرت اور نصیحت ہے۔ ان آیات میں جو واقعہ بیان ہوا اس میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ بڑے سے بڑے نیک آدمی کے ساتھ بھی نسبت ہو اور اپنے اندر کچھ نہ ہو تو خالی نسبت کچھ کام نہیں آتی۔ دیکھو آدم علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ اور پیغمبر کی بڑی شان ہے۔ ان کے صلبی بیٹے نے ان کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس وقت کی شریعت کی نافرمانی کی، دوزخی ہو گیا۔ پیغمبر کے ساتھ نسبت کام نہ آئی۔ ہاں! نسبت کے ساتھ ساتھ ایمان اور عمل صالح بھی ہو تو سونے پر سہاگا ہے، نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہے۔

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت حوا علیہا السلام کے ہاں ایک وقت میں لڑکا لڑکی جڑواں پیدا ہوتے تھے یعنی جب بھی پیدا ہوتے لڑکا لڑکی اکٹھے پیدا ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے نسل کی افزائش کے لیے قانون بنایا تھا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت تھی اور اس وقت ضرورت بھی تھی کہ پہلی پیدائش کی لڑکی کا نکاح دوسری پیدائش کے لڑکے کے ساتھ اور دوسری پیدائش کی لڑکی کا نکاح پہلی پیدائش کے لڑکے کے ساتھ جائز تھا۔ اور جو جڑواں پیدا ہوئے ان کا آپس میں نکاح ناجائز تھا۔ اب یہ حکم منسوخ ہے۔

ہابیل کا واقعہ قتل

آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہابیل تھا اور دوسرے بیٹے کا نام قابیل تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام تھا اِقْلِیْمَہ یہ خوب صورت تھی اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام تھا یَلُوْوا یہ خوب صورت نہیں تھی۔ رب تعالیٰ کی قدرت ہے ماں باپ ایک ہیں ایک کی شکل اور ہے، دوسرے کی شکل اور ہے، اس کی قدرت میں کسی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

دونوں جوڑے جوان ہوئے حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تمہاری شادی کا انتظام کرنا ہے۔ اور شادی اس طرح ہوگی کہ قابیل کی بہن کا ہابیل کے ساتھ نکاح ہوگا اور ہابیل کی بہن کا قابیل کے ساتھ نکاح ہوگا۔ قابیل ضد کر گیا کہنے لگا میں تو اس کے ساتھ نکاح کروں گا جو میرے ساتھ پیدا ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام حیران ہو گئے کہ میں باپ ہوں، وقت کا پیغمبر ہوں اور اسے شرعی حکم بتاتا ہے اور یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے اسے خود بھی سمجھایا اور حضرت حوا علیہا السلام نے بھی سمجھایا مگر جو آدمی ضد پر اتر آئے اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ آخر کار آدم علیہ السلام نے یہ تدبیر پیش کی کہ دونوں بھائی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربانی پیش کرو اس طرح کہ قربانی کو میدان میں رکھ دو آسمان سے آگ آئے گی وہ جس کی قربانی کو جلا دے وہ کامیاب اور جس کی قربانی کو نہ جلائے وہ ناکام۔ یعنی اقلیمہ کے ساتھ نکاح اس کا ہوگا جس کی قربانی کو آگ جلا دے گی۔ چنانچہ ہابیل رحمہ اللہ نے موٹا تازہ دنبہ قربان کر کے میدان میں رکھ دیا اور قابیل نے وہ سٹے جو گندم باجرا وغیرہ کاٹتے وقت پیچھے گر جاتے ہیں اور مالک دوسرے لوگوں کو اٹھانے کی اجازت دے دیتے ہیں اور بعضے مالک خود بھی اٹھا لیتے ہیں وہ گرے پڑے خوشے اس نے اکٹھے کیے اور قربانی کے لیے لا کر میدان میں رکھ دیئے۔

شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام اور دیگر حضرات منتظر تھے کہ دیکھو کس کی قربانی قبول ہوتی ہے۔ آگ آئی اس نے دنبے کو جلا دیا اور سٹے خوشے اسی طرح پڑے رہے۔ حالانکہ خوشوں کو آگ جلدی لگتی ہے۔ اتنی واضح علامت دیکھنے کے باوجود قابیل نہ مانا الٹا ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کو کہنے لگا میں تجھے ضرور قتل کروں گا کہ تیری قربانی قبول ہوئی ہے میری کیوں نہیں ہوئی؟ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ﴾ اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! پڑھ تو ان کے سامنے ﴿نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ﴾ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی خبر جو بالکل سچی ہے ﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾ جب دونوں نے قربانی دی قربانی کرنا ﴿فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا﴾ پس قبول کر لی گئی ان میں سے ایک کی ﴿وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ﴾ اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے ﴿قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ﴾ اس نے کہا البتہ ضرور میں تجھے قتل کروں گا۔ ہابیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بھائی اس میں میرا کیا قصور ہے؟ آگ تیرے سامنے آئی ہے اس نے تیری قربانی کو چھیڑا تک نہیں ہے۔ اور میری قربانی کو جلا دیا اس میں میرا کیا قصور ہے؟

﴿قَالَ﴾ کہا پہلے نے ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ پختہ بات ہے قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے ﴿لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ﴾ البتہ اگر بڑھایا تم نے میری طرف اپنا ہاتھ ﴿لِتَقْتُلَنِيْ﴾ تاکہ تو مجھے قتل کرے ﴿مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ﴾ میں نہیں بڑھاؤں گا اپنا ہاتھ تیری طرف ﴿لِاَقْتُلَكَ﴾ تاکہ میں تجھے قتل کر دوں ﴿اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿اِنِّيْۤ اُرِيْدُ﴾ بے شک میں چاہتا ہوں ﴿اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ﴾ یہ کہ لوٹے تو میرا گناہ لے کر اور اپنا گناہ لے کر ﴿فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ﴾ پس ہو جائے تو دوزخ والوں میں سے ﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور یہ بدلہ ہے ظالموں کا۔ شرافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ نشانی دیکھنے کے بعد قابیل مان جاتا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مگر وہ بپھر گیا پھر جب ہابیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا تھا نرم ہو جاتا اور ہاتھ نہ اٹھاتا۔ مگر اس پر کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا نہ والدین کے سمجھانے کا نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قربانی کی قبولیت کا۔

﴿فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ﴾ پس آمادہ کیا اس کو اس کے نفس نے ﴿قَتْلَ اَخِيْهِ﴾ اپنے بھائی کے قتل کرنے پر ﴿فَقَتَلَهٗ﴾ پس اس نے اس کو قتل کر دیا ﴿فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ پس ہو گیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ دنیا میں نقصان اٹھایا کہ اپنے بھائی کو قتل کر دیا بھائی بازو ہوتا ہے۔ اور آخرت میں تو نقصان ہی نقصان ہے۔ کیونکہ شرک کے بعد بڑے گناہوں میں سے قتل ناحق ہے۔ پھر مومن اور مطیع بھائی کا قتل گناہ میں اور اضافہ کرتا ہے۔ چونکہ اس سے پہلے کسی انسان کی موت واقع نہیں ہوئی تھی اس لیے قابیل کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ بھائی کی بے جان لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے اس کی راہنمائی فرمائی۔

زیرِ زمین دفن کا آغاز

﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا﴾ پس بھیجا اللہ تعالیٰ نے ایک کوا ﴿يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ﴾ پس وہ کرید تا تھا زمین کو۔ دو کوے لڑے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر اس نے قابیل کے سامنے زمین کو پنجوں کے ساتھ کریدا اور مردہ کو اس میں رکھا پھر اس پر مٹی ڈال کر اس کو چھپا دیا۔ ایسا کیوں کیا۔

﴿لِيُرِيَهٗ﴾ تاکہ اس (قابیل) کو دکھائے ﴿كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ﴾ کیسے چھپائے وہ اپنے بھائی کی لاش کو ﴿قَالَ﴾ کہا اس (قابیل) نے ﴿يٰوَيْلَتٰۤى﴾ ہائے افسوس مجھ پر ﴿اَعَجَزْتُ﴾ کیا میں عاجز ہو گیا ﴿اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ﴾ اس سے کہ میں ہو جاتا اس کوے کی طرح کہ اس کوے جتنی سمجھ مجھ میں ہوتی۔

قابیل مسلمان تھا یا کافر

﴿فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ﴾ پس میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا لیتا۔ بھائی! جس نے ماں باپ کا حکم نہ مانا پھر وہ کوے ہی سے سبق حاصل کرے گا اور کیا کرے گا؟ اب سوال یہ ہے کہ قابیل مسلمان تھا یا کافر تو اس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کا نظریہ، یہ ہے کہ وہ کافر تھا۔ اس لیے کہ اس نے رب تعالیٰ کا حکم نہ مانا، پیغمبر کا حکم نہ مانا، باپ کا حکم نہ مانا، وقت کی شریعت کو تسلیم نہ کیا، وہ مسلمان کیسے رہا۔ دوسرے گروہ کا نظریہ ہے کہ اس نے یہ سب کچھ جذبات میں آ کر کیا۔ گنہگار تھا کافر نہیں تھا۔ جتنی دیر رب تعالیٰ کو منظور ہوگا دوزخ میں رہے گا پھر دوزخ سے نکال لے گا۔ مگر پہلے گروہ کی بات زیادہ معقول اور مضبوط معلوم ہوتی ہے کہ باپ پیغمبر ہے، باپ کا نافرمان، پیغمبر کا نافرمان، وقت کی شریعت کا نافرمان، مسلمان کیسے رہا؟

نسبت کب کام آئے گی؟

﴿فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ﴾ پس ہو گیا وہ پچھتانے والوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ ہمارے سامنے بیان فرما کر یہ بات سمجھائی ہے کہ خالی نسبت کچھ کام نہیں آئے گی نسبت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بھی کچھ ہو، تب نسبت کا فائدہ ہوگا۔

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ﴾ اسی وجہ سے ﴿كَتَبْنَا﴾ ہم نے لکھ دیا ﴿عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ بنی اسرائیل پر ﴿اَنَّهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ جس نے قتل کیا کسی نفس کو بغیر کسی جان کے قتل کرنے کے ﴿اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ﴾ یا بغیر زمین میں فساد کرنے کے ﴿فَكَاَنَّمَا﴾ پس گویا کہ ﴿قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ اس نے قتل کر دیا سب لوگوں کو ﴿وَمَنْ اَحْيَاهَا﴾ اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو ﴿فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ پس گویا کہ اس نے زندہ رکھا سب لوگوں کو ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق آئے ان کے پاس ﴿رُسُلُنَا﴾ ہمارے پیغمبر ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾

واضح دلیلیں لے کر ﴿ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ﴾ پھر بے شک بہت سے ان میں سے ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿لَمُسْرِفُوْنَ﴾ البتہ اسراف کرنے والے تھے ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ﴾ پختہ بات ہے سزا ان لوگوں کی ﴿يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑتے ہیں ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ اور کوشش کرتے ہیں زمین میں ﴿فَسَادًا﴾ فساد کی ﴿اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا﴾ یہ کہ ان کو قتل کیا جائے ﴿اَوْ يُصَلَّبُوْٓا﴾ یا انہیں سولی پر لٹکایا جائے ﴿اَوْ تُقَطَّعَ﴾ یا کاٹ دیے جائیں ﴿اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ﴾ ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ﴿مِّنْ خِلَافٍ﴾ اُلٹے ﴿اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ یا ان کو دور کر دیا جائے زمین سے ﴿ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا﴾ یہ ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں ﴿وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں ﴿عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ عذاب ہوگا بڑا ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ﴾ اس سے پہلے کہ تم ان پر قدرت پاؤ ﴿فَاعْلَمُوْٓا﴾ پس تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بخشنے والا مہربان ہے۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر فرما کر یہ بات سمجھائی کہ نافرمان بیٹے کی نسبت کچھ کام نہ آئی اور وہ دوزخ میں گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ﴾ اسی وجہ سے۔ کہ خالی نسبت کام نہیں آتی ﴿كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ہم نے لکھ دیا بنی اسرائیل پر ﴿اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جس نے قتل کیا کسی نفس کو بغیر کسی جان کے قتل کرنے کے۔ کہ اس نے کسی کو بلا وجہ قتل کر دیا۔ ﴿اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ﴾ یا بغیر زمین میں فساد کرنے کے۔ کہ اس نے زنا نہیں کیا، چوری نہیں کی، ڈاکا نہیں ڈالا یا ایسا کوئی برا کام نہیں کیا کہ جس سے زمین میں فساد برپا ہو۔ ایسے شخص کو قتل کر دے۔

ایک انسان کا قتل تمام انسانیت کا قتل ہے

﴿فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ پس گویا کہ اس نے قتل کر دیا سب لوگوں کو۔ کیونکہ اس سے قتل کی ریت اور عادت پڑ جائے گی کہ فلاں نے قتل کیا ہے میں بھی قتل کروں۔

آج کل قتل عام کی وجہ

آج کل قتل عام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قتل کی شرعی سزا نافذ نہیں ہے۔ اس لیے لوگ قتل پر جری (بے باک ہو گئے) ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ ہمیں کوئی پکڑنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ فلاں صاحب ہمارے پشت پناہ ہیں اور اگر پکڑے بھی گئے تو

رشوت اور سفارش کے ذریعہ رہا ہو جائیں گے۔ اور اگر شرعی سزا نافذ ہو اور قاتل کا قصاص میں سرِعام سر قلم کر دیا جائے دو چار پر عمل ہوگا تو قتل کا نام بھی کوئی نہیں لے گا۔ لیکن یہاں چونکہ رہائی کی امیدیں بڑی ہیں اس لیے گناہ ہو رہے ہیں۔

فرمایا ﴿وَمَنْ اَحْيَاهَا﴾ اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو ﴿فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ پس گویا کہ اس نے زندہ رکھا سب لوگوں کو۔ کہ اس نے صبر سے کام لیا کسی کو قتل نہ کیا تو لوگ اس سے سبق حاصل کریں گے کہ وہ بھی کسی کو قتل نہیں کریں گے۔

پھر فرمایا ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور البتہ تحقیق آئے ان کے پاس ہمارے پیغمبر واضح دلیلیں لے کر۔ بنی اسرائیل کے پاس ہمارے پیغمبر واضح دلیلیں لے کر آئے۔ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً چار ہزار پیغمبر تشریف لائے ہیں یہ کوئی تھوڑی تعداد نہیں ہے بڑی تعداد ہے۔

﴿ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ﴾ پھر بے شک بہت سے ان میں سے ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿فِى الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿لَمُسْرِفُوْنَ﴾ البتہ اسراف کرنے والے تھے۔ باوجود اس کے کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد ان پر حقیقت واضح ہوگئی۔ جائز ناجائز سے ان کو آگاہ کر دیا مگر انھوں نے زیادتیاں کیں، شرارتیں کیں۔ آگے اللہ تعالیٰ ڈاکوؤں کی سزا بیان فرماتے ہیں۔

ڈاکوؤں کی سزا

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ پختہ بات ہے سزا ان لوگوں کی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ چوری نہ کرو، ڈاکہ نہ ڈالو، قتل نہ کرو، یہ اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی۔ ان کی سزا یہ ہے۔

شانِ نزول

پہلے ان آیات کا شانِ نزول سمجھ لیں۔ دو قبیلے تھے ایک کا نام تھا عُکل اور دوسرے کا نام عُرَیْنَۃ تھا۔ ان دونوں قبیلوں کے آٹھ آدمی مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایا ٹھیک ہے کلمہ پڑھو اور مسلمان ہو جاؤ۔ ان کی بڑی خاطر تواضع ہوتی رہی۔ چونکہ دیہاتی لوگ تھے، شہری غذا اور آب و ہوا موافق نہ آئی بیمار ہو گئے۔ کہنے لگے حضرت! ہم دودھ پینے والے لوگ تھے یہاں ہمیں سبزیاں کھانی پڑتی ہیں۔ ہمارے پیٹ خراب ہو گئے ہیں ہم تکلیف میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں جگہ ہمارے بیت المال کے اونٹ ہیں وہاں چلے جاؤ جگہ بھی کشادہ ہے وہاں رہو اور دودھ خوب پیو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ آدمی بھیجا کہ ان کو وہاں پہنچاؤ اور بیت المال کے ذمہ داران سے کہو کہ یہ سرکاری مہمان ہیں ان کی خدمت کرو، دودھ پلاؤ۔

چنانچہ وہاں انھوں نے خوب دودھ پیا اور موٹے تازے ہو گئے تو منصوبہ بنایا کہ دو ملازم ہیں ایک سودا سلف لینے شہر جاتا رہتا ہے دوسرا پیچھے اکیلا ہوتا ہے اس کو قتل کر کے اونٹ لے کر بھاگ جائیں۔ بیت المال مدینہ طیبہ سے کافی فاصلے پر تھا۔

موقع کی تلاش میں رہے۔ چنانچہ ایک ساتھی سودا سلف لینے کے لیے مدینہ طیبہ گیا۔ دوسرے ساتھی کو اکیلا پاکر انھوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ وہ اس طرح کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے کے بعد اس کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیر کر وہ ضائع کر دیں وہ پانی مانگتا تھا پانی بھی نہیں دیتے تھے اس طرح اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی اور یہ اونٹ لے کر چل پڑے۔ جب یہ خبر مدینہ طیبہ (زادھا اللہ شرفًا و کرامۃً) پہنچی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی تیزی کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور انہیں گرفتار کر کے لے آئے۔ اچھا زمانہ تھا بُرے بُرے بھی بُرائی کو تسلیم کرتے تھے آج تو لوگ بُرائی کر کے مانتے بھی نہیں ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے سارا واقعہ صحیح صحیح سنا دیا کہ ہم نے اس کو اس طرح قتل کیا کہ اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرتے رہے اور مانگنے پر پانی بھی نہیں دیا اور اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ پھر ہم اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کھلے میدان میں سولی گاڑو اور ان کو رسیوں سے باندھ کر میخوں کے ساتھ ان کے بدن کو خوب کس دو اور تین دن مسلسل ان کے بدن میں نیزے مارتے رہو تاکہ یہ تڑپ تڑپ کر مریں اور یک دم جان نہ نکلے۔ چنانچہ ان کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ منظر عام لوگوں نے دیکھا۔ یقین جانو! اگر آج بھی شرعی سزا نافذ کی جائے اور دو چار آدمیوں پر جاری کر دی جائے تو ڈاکے، قتل کا تصور بھی نہ رہے۔ یہ ہے ان آیات کا شانِ نزول اور ان میں ڈاکوؤں کی سزا بیان کی گئی ہے، ڈاکے کی چونکہ مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہر نوعیت کی الگ سزا بیان فرمائی ہے۔

سزا سے متعلق تفصیلی حکم

① ...... یہ کہ ڈاکہ ڈالا مگر مال نہیں لے جاسکے بندے قتل کیے ہیں تو اس صورت میں سزا ہوگی ﴿اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا﴾ یہ کہ ان کو قتل کیا جائے۔

② ...... یہ کہ آدمی بھی قتل کیا اور مال بھی لے گئے تو سزا ہوگی ﴿اَوْ یُصَلَّبُوْٓا﴾ یا انہیں سولی پر لٹکایا جائے۔ چونکہ اس واردات میں ڈبل جرم ہوا ہے لہٰذا پہلے انہیں زندہ سولی پر لٹکایا جائے پھر نیزے مار مار کر ان کو قتل کر دیا جائے۔

③ ...... یہ کہ ڈاکو مال حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں مگر کوئی جان ضائع نہیں ہوئی تو اس کی سزا ہے ﴿اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ یا کاٹ دیئے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں الٹے۔

﴿مِّنْ خِلَافٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دایاں ہاتھ کاٹا ہے تو بایاں پاؤں کٹے گا۔ اور اگر بایاں ہاتھ کاٹا ہے تو پاؤں دایاں کٹے گا۔

④ ...... یہ کہ ڈاکہ تو ڈالا مگر ڈاکو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے نہ مال ہاتھ آیا اور نہ کوئی جان ضائع ہوئی۔ تو اس صورت میں سزا ہے ﴿اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ یا ان کو دور کر دیا جائے زمین سے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک زمین سے دور کر دینے کا مطلب ہے کہ مجرم کو علاقہ بدر کر دیا جائے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ زمین سے دور کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جیل میں بند کر دو کیونکہ جس کو اپنے علاقے اور ملک میں شرم نہیں آئی یہ جہاں جائے گا وہاں بھی ڈاکے ڈالے گا۔ لہٰذا اس کو جیل میں بند کر دو کہ وہیں اس کی زندگی ختم ہو جائے۔

﴿ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا﴾ یہ ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں ﴿وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں عذاب ہوگا بڑا۔

شرعی حدود کا فائدہ

دیکھنا لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی سزائیں بڑی سخت ہیں۔ بھائی! ٹھیک ہے سزائیں سخت ہیں۔ جرم بھی تو سخت ہیں۔ امن بھی انہی سزاؤں سے قائم ہوتا ہے۔ شرعی سزاؤں کے مخالف لوگ جو امن امن کا راگ الاپتے ہیں وہ بتائیں کہ امن کہاں ہے؟ کس کا گھر محفوظ ہے؟ کس کا مال محفوظ ہے؟ کسی کی جان محفوظ ہے؟ کسی کی عزت محفوظ ہے، محض دعویٰ کرنے کا کیا فائدہ؟

تائب کے لیے شرعی قانون

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ﴾ اس سے پہلے کہ تم ان پر قدرت پاؤ۔ یعنی انھوں نے ڈاکا ڈالا مگر گرفتار ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لی تو رب تعالیٰ کا حق معاف ہو جائے گا اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ بندے کا حق معاف نہیں ہوگا جو کچھ چھینا ہے وہ واپس کرنا پڑے گا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ اول تو مال ملتا ہی نہیں اور اگر مل بھی جائے تو طاقتوروں کو مل جاتا ہے، کمزوروں کو نہیں ملتا، درمیان ہی میں خورد برد ہو جاتا ہے۔ اگر شرعی قانون نافذ ہو تو جتنا مال گیا ہے اتنا ہی واپس آئے گا۔ کچھ بھی ضائع نہیں ہوگا۔

فرمایا ﴿فَاعْلَمُوْٓا﴾ پس تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ رب تعالیٰ کا حق معاف ہو جائے گا اور بندے کا حق بہر صورت دینا پڑے گا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ اور تلاش کرو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ﴿وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ﴾ اور جہاد کرو اس کے راستے میں ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْ اَنَّ لَهُمْ﴾ اگر بیشک ان کے لیے ہو ﴿مَّا فِي الْاَرْضِ﴾ جو کچھ زمین میں ہے ﴿جَمِيْعًا﴾ سارا ﴿وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ اور اس جیسا اور بھی ہو اس کے ساتھ ﴿لِيَفْتَدُوْا بِهٖ﴾ تاکہ وہ فدیہ دیں اس کا ﴿مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن کے عذاب سے ﴿مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ﴾ نہیں قبول کیا جائے گا ان سے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک

﴿یُرِیْدُوْنَ﴾ ارادہ کریں گے ﴿اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ﴾ اس کا کہ نکلیں وہ آگ سے ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا﴾ اور نہیں ہوں گے وہ دوزخ سے نکلنے والے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہوگا دائمی ﴿وَالسَّارِقُ﴾ چور مرد ﴿وَالسَّارِقَةُ﴾ اور چور عورت ﴿فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا﴾ پس کاٹو تم ان دونوں کے ہاتھ ﴿جَزَآءًۢ﴾ سزا ہے ﴿بِمَا كَسَبَا﴾ اس کی جو انھوں نے حرکت کی ﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ عبرت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿فَمَنْ تَابَ﴾ پس جس نے توبہ کرلی ﴿مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ﴾ اپنے ظلم کرنے کے بعد ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کرلی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یَتُوْبُ عَلَیْهِ﴾ اس کی توبہ قبول کرے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

تقویٰ کا مفہوم

اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ رب تعالیٰ سے ڈرنے کا کیا معنی ہے وہ تو بڑی رحیم وکریم ذات ہے رؤف ورحمن ذات ہے۔ تو مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی مخالفت، اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے ڈرو کیوں کہ جب تم نافرمانی کرو گے تو اس کی پکڑ اور عذاب آئے گا۔ لہٰذا اس کی مخالفت اور نافرمانی سے بچو۔

وسیلہ کا حکم

﴿وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ﴾ اور تلاش کرو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو نماز کے ساتھ، روزے کے ساتھ، جہاد کے ساتھ، قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ، صدقہ، خیرات کے ساتھ۔ غرضیکہ جو بھی نیکی کے کام ہیں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو چونکہ نیک لوگوں کے ساتھ محبت بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ اس لیے یہاں یہ بحث بھی چلتی ہے کہ آیا کسی بزرگ کے وسیلے اور واسطے سے دعا کرنی جائز ہے یا نہیں؟

وسیلہ کے جواز کی صورت

مثلاً: کوئی شخص یوں کہے کہ اے پروردگار! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے میرا یہ کام کردے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طفیل سے میرا یہ کام کردے یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حرمت سے میرا کام کردے۔ یا یوں کہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے میرا کام کردے یا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جاہ سے میرا کام کردے۔ یا یوں کہے اے پروردگار! حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے صدقے سے میرا کام کردے لفظ وسیلہ کی تخصیص نہیں ہے وسیلہ، واسطہ، طفیل، جاہ،

صدقہ،حرمت سب کاایک ہی معنی ہے تواس مسئلہ میں تفصیل ہے کہ آیا جس بزرگ کاواسطہ دے کرسوال کررہا ہے۔

اس کے متعلق اس کا کیانظریہ ہے اگران کوحاضروناظر، عالم الغیب، مختارکل سمجھ کران کاواسطہ دے رہا ہے کہ وہ بزرگ میراکام اللہ تعالیٰ سے کرادیں گے چاہے اللہ تعالیٰ راضی ہو یا نہ ہو۔تو یہ خالص کفراورشرک ہے اور مشرکین مکہ والاعقیدہ ہے۔ اس کی اسلام میں قطعاًاجازت نہیں ہے۔اوراگرنبی، ولی، شہید کوحاضروناظر، عالم الغیب، مختارِکل، متصرف فی الامورنہیں سمجھتااور نہ یہ نظریہ رکھتا ہے کہ ہرحال میں وہ میراکام کروادیں گے بلکہ اس نظریہ کے تحت واسطہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبرپرمیراایمان ہے اوران کے ساتھ میری محبت ہے اوراولیاءاللہ کے ساتھ میری محبت ہے اوران کے ساتھ محبت ایمان اورعمل صالح ہے۔

لہٰذااس عمل صالح کی وجہ سے سوال کرتا ہوں تو یہ جائز ہے۔کیونکہ یہ توسل بالعمل الصالح ہے۔اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔اوراگراس تفصیل کوسامنے نہیں رکھتا مطلقاًلفظ وسیلے واسطے کابولتا ہے توپھرمکروہ ہے۔کیونکہ ایسالفظ بولنا کہ جس کادوسرامعنی بھی بن سکتاہومکروہ ہے جب تک مراد کی تعیین نہ کی جائے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے:﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔ رَاعِنَا﴾ نہ کہو ﴿انْظُرْنَا﴾ کہو۔کیونکہ یہودی اس سے غلط مطلب لیتے ہیں۔

جہادکامفہوم

﴿وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ﴾ اورجہادکرواس کے راستے میں۔جہادمیں ہرقسم کاجہادہے یعنی مالی، جانی، قلمی، زبانی حدیث پاک میں آتا ہے:((جَاهِدُوْا بِالْمُشْرِكِیْنَ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ)) مشرکوں کے ساتھ جہادکروزبانوں سے، جانوں سے اورمالوں سے۔حق بات کرنازبان کاجہادہے اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے ((اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)) بہترین جہادظالم جابربادشاہ کے سامنے حق بات کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنا، مالی جہاد ہے اپنی جان کولے کراللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلنابدنی جہادہے۔فرمایا﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

عذاب الٰہی سے کوئی مفرنہیں

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جوکافرہیں ﴿لَوْ اَنَّ لَهُمْ﴾ اگربے شک ان کے لیے ہو ﴿مَّا فِی الْاَرْضِ﴾ جوکچھ زمین میں ہے ﴿جَمِیْعًا﴾ سارا ﴿وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ اوراس جیسااوربھی ہواس کے ساتھ ﴿لِیَفْتَدُوْا بِهٖ﴾ تاکہ وہ فدیہ دیں اس کا ﴿مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن کے عذاب سے ﴿مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ﴾ نہیں قبول کیاجائے گاان سے۔اورتیسرے پارے کے آخری رکوع میں ہے ﴿مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا﴾ سونے سے بھری ہوئی زمین۔یہاں اجمال ہے کہ جوکچھ زمین میں ہے وہ ساراسوناہی سوناہویعنی مشرق سے لے کرمغرب تک شمال سے لے کرجنوب تک اورزمین کے فرش سے لے کرآسمان کی چھت تک سوناہی سوناہواوراس کے ساتھ اتنااورہو۔اوریہ سارامال قیامت کے دن عذاب کے بدلے میں دیناچاہیں کہ یہ دے

کرعذاب سے بچ جائیں تو قبول نہیں کیا جائے گا۔پہلی بات تو یہ ہے کہ وہاں سونا ہوگا کس کے پاس مرنے کے بعد تو کسی کے پاس ایک ماشہ بھی ہو تو اتار لیتے ہیں اور اگر فرض کرو ہو بھی قبول نہیں کیا جائے گا عذاب سے چھٹکارا نہیں ہوگا۔

دیکھو! سودا بڑا مہنگا بھی ہے اور سستا بھی ہے۔آخرت کے اعتبار سے تو بڑا مہنگا ہے اور دنیا کے اعتبار سے بڑا سستا ہے کہ انسان زبان سے کلمہ پڑھے دل سے تصدیق کرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور احکام شرع پر طاقت کے مطابق عمل کرے آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا اور آخرت کے اعتبار سے بڑا مہنگا ہے کہ زبان سے کلمہ نہ پڑھے دل سے تصدیق نہ کرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے احکامات الٰہیہ کو توڑے اور اسی حال میں مر جائے تو پھر عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے۔چاہے زمین کے برابر اور اس کے مثل اور بھی سونا بدلے میں دے دے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک ﴿يُرِيدُونَ﴾ ارادہ کریں گے ﴿أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ﴾ اس کا کہ نکلیں وہ آگ سے ﴿وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا﴾ اور نہیں ہوں گے وہ دوزخ سے نکلنے والے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ﴾ اور ان کے لئے عذاب ہوگا دائمی۔اس سے پہلے ڈاکوؤں کی سزا بیان ہوئی تھی۔اب چوروں کی سزا کا بیان ہے۔

چور کی سزا

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ﴾ اور چور مرد اور چور عورت ﴿فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ پس کاٹو تم ان دونوں کے ہاتھ۔

چوری کی مقدار

اس مسئلہ میں فقہاءِ کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ کتنی مالیت پر ہاتھ کاٹا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا اس وقت ڈھال کی قیمت تین درہم یا پانچ درہم ہوتی تھی۔بعض روایات میں دس درہم کا ذکر بھی آتا ہے۔

ائمہ کرام کے اقوال

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ دس درہم کی مالیت کی چوری ہو تو چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا ایک درہم ساڑھے تین ماشے چاندی کا ہوتا ہے۔دوبارہ چوری کرے گا تو بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اگر تیسری مرتبہ چوری کرے گا تو ملزم کو جیل میں ڈال دیا جائے گا۔تاوقتیکہ یہ یقین ہو جائے کہ اس نے اس فعل سے توبہ کر لی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی مرتبہ چوری کی ہے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا دوسری مرتبہ چوری کی ہے تو بایاں پاؤں کاٹا جائے گا تیسری مرتبہ کی ہے تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر چوتھی مرتبہ کرے گا تو اس کا دایاں پاؤں کاٹا

جائے گا یقین جانو دو چار چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں تو ملک سے چوری کا نام و نشان ختم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ بے شک سزا سخت ہے اور بے دین انگریزی ذہن رکھنے والے مغربی طرز کے لوگ شرعی سزاؤں کو جابرانہ وحشیانہ اور ظالمانہ کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ چور اور ڈاکو نے کون سا نیک کام کیا ہے؟ بے شک سزائیں سخت ہیں مگر ان کے لیے جو چوری ڈکیتی کریں گے۔ دوسروں کے لیے تو یہ سزائیں نہیں ہیں۔ سزا جرم کے مطابق ہوتی ہے۔

شرعی حد میں سفارش کا واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قبیلہ بنو مخزوم قریش کی ایک شاخ ہے۔ ابو جہل جس کا نام عمرو بن ہشام تھا اسی قبیلہ سے تھا۔ تو بنو مخزوم بڑے پریشان ہوئے کہ ابھی تو اس کی شادی بھی نہیں ہوئی ہاتھ کاٹا گیا تو اس کو کون قبول کرے گا انہوں نے سفارشی تلاش کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کرے کہ ہاتھ کاٹنے کی بجائے کوئی اور سزا دے دی جائے۔ اور تو کسی نے حامی نہ بھری حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی محبت تھی اور انہی دنوں میں ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شام کے علاقہ موتہ میں شہید ہوئے تھے اور ان کے ساتھ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا پیار تھا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارشی بنا کر بھیجا گیا۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے خدمت کے ساتھ ساتھ باتوں باتوں میں کہنے لگے حضرت! سنا ہے کوئی چوری ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! ہوئی ہے۔ حضرت! کس نے کی ہے؟ فرمایا قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے کی ہے۔ حضرت اب کیا بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کہنے لگے حضرت! اگر اس کو کوڑے مارے جائیں یا قید کر دیا جائے تو کیسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ((أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللهِ)) اے اسامہ! تو اللہ تعالیٰ کی حدود ٹالنے میں سفارش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ یہ ہے مساوات کہ قانون سب کے لیے برابر ہو یہ نہیں کہ بڑے کے لیے اور قانون اور چھوٹے کے لیے اور قانون۔ اور اس کا نام مساوات نہیں ہے کہ مکان سب کے ایک جیسے ہوں مال سب کے پاس برابر ہو، صحت سب کی ایک جیسی ہو، بیوی سب کی ایک جیسی ہو، اولاد سب کی ایک جیسی ہو، یا جس طرح روٹی کپڑا مکان کی برابری کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

فرمایا یہ جو سزا ہے ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ سزا ہے اس کی جو انھوں نے حرکت کی ﴿نَكَالًا مِّنَ اللهِ﴾ عبرت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔ کہ اس کے احکامات حکمت کے عین مطابق ہیں۔ ﴿فَمَنْ تَابَ﴾ پس جس نے توبہ کر لی ﴿مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ﴾ اپنے ظلم کرنے کے بعد ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کر لی ﴿فَاِنَّ اللهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ توبہ سے رب تعالیٰ کا حق معاف ہو جائے گا بندے کا حق معاف نہیں ہوگا۔ بندے کا حق ادا کرنے سے یا معاف کرانے سے معاف ہوتا ہے۔ محض زبانی توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کہ

لوگوں کے حق دبائے رکھے اور زبان سے کہے میری توبہ، میری توبہ یہ محض دھوکہ ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ اس نے مہربانی فرمائی ہے۔

﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ کیا تو اے مخاطب نہیں جانتا ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَهٗ﴾ اس کے لیے ہے ﴿مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں کا ملک ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ سزا دیتا ہے جس کو چاہے ﴿وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ اور بخشتا ہے جس کو چاہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ﴿لَا یَحْزُنْكَ﴾ نہ غم میں ڈالیں آپ کو ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ﴿یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ﴾ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف ﴿مِنَ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿قَالُوْۤا اٰمَنَّا﴾ جنھوں نے کہا ہم ایمان لائے ﴿بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ اپنے مونہوں سے صرف ﴿وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور نہیں ایمان لائے دل ان کے ﴿وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا﴾ اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ سنتے ہیں وہ جھوٹ کو ﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ﴾ سنتے ہیں وہ دوسری قوم کے لیے ﴿لَمْ یَاْتُوْكَ﴾ وہ قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہیں آئی ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ﴾ بدل دیتے ہیں کلموں کو ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ﴾ اپنی جگہ پر بیٹھنے کے بعد ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا﴾ اگر تمھیں دی گئی یہ چیز ﴿فَخُذُوْهُ﴾ پس اس کو لے لینا ﴿وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ﴾ اور اگر تمہیں وہ چیز نہ دی جائے ﴿فَاحْذَرُوْا﴾ تو بچنا اس سے ﴿وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ﴾ اور وہ شخص کہ ارادہ کرے اللہ تعالیٰ ﴿فِتْنَتَهٗ﴾ اس کو فتنے میں ڈالنے کا ﴿فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ﴾ پس ہرگز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے مالک نہیں ہیں ﴿مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کے ﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ﴾ وہ، وہ لوگ ہیں ﴿لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا ﴿اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾ یہ کہ ان کے دلوں کو پاک کرے ﴿لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ﴾ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے ﴿وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں ﴿عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ عذاب ہے بڑا۔

حدِ زنا میں خیانت کا واقعہ

اس سے پہلی آیات میں چوری اور ڈکیتی کی سزا کا بیان تھا آئندہ آیات میں ضمنی طور پر زنا کی سزا کا ذکر ہے۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ خیبر کے علاقہ میں یہود کے ایک اونچے خاندان کے شادی شدہ شخص نے شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا۔ جرم سامنے آنے پر اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ خیبر کے علاقہ میں سو فیصد آبادی یہودیوں کی تھی اور بڑا زرخیز

علاقہ تھا ہر قسم کا اناج، پھل، سبزیاں پیدا ہوتی تھیں۔ اور جتنی قسم کی کھجور خیبر کے علاقہ میں ہوتی تھی اور کسی علاقہ میں نہیں ہوتی تھی۔ چھوٹے طبقے کے لوگوں نے احتجاج کیا کہ اگر ہم میں سے کسی سے خیانت ہوجائے تو فوراً سزا دیتے ہو۔ ان کو کیوں نہیں دی جاتی اس لیے کہ یہ اونچے طبقے کے ہیں۔ عوامی آواز اگر اٹھ جائے تو اثر رکھتی ہے۔ جب احتجاج زیادہ ہوا تو دونوں خاندانوں کو فکر ہوئی کہ عوامی آواز کو دبانا بہت مشکل ہے لہٰذا غور و فکر کرو کہ اس کا کیا ہونا چاہیے۔

چنانچہ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ عوامی ردعمل کو روکنے کے لیے کچھ کرنا پڑے گا۔ لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فیصلہ کرالیتے ہیں کیونکہ ان کی شریعت ہماری شریعت سے نرم ہے اور یہ بات تم جانتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں اور وہی پیغمبر ہیں جنھوں نے سب سے آخر میں مبعوث ہونا تھا اور جن کی ہم بشارتیں بیان کرتے تھے اور اپنے علماء سے سنتے تھے باقی اس بات کا عوام کے سامنے ذکر نہ کرنا۔ تو چونکہ ان کی شریعت نرم ہے اور ہماری شریعت میں احکام بڑے سخت ہیں لہٰذا ان سے فیصلہ کرالیتے ہیں۔ اس طرح احتجاج ختم ہوجائے گا۔ ان کی شریعت میں احکام سخت تھے۔ مثلاً: پانی نہ ہونے کی صورت میں ان کو تیمم کی اجازت نہیں تھی بیمار ہو پھر تیمم کی اجازت نہیں تھی ہمیں اجازت ہے۔ ان کو مسجد کے علاوہ کسی جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہمیں اجازت ہے کہ جب نماز کا وقت ہوجائے ہر پاک جگہ پر نماز ادا کرسکتے ہیں۔ ان کو مالِ غنیمت کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہمیں اجازت ہے ان پر زکوٰۃ، مال کا چوتھائی حصہ فرض تھی اور ہمارے اوپر چالیسواں حصہ ہے۔ ان کے کپڑوں پر نجاست لگ جاتی، خون لگ جاتا، زخم کی پیپ لگ جاتی تو اس جگہ سے کپڑا قینچی سے کاٹنا پڑتا تھا۔ چاہے کپڑا کتنا قیمتی کیوں نہ ہوتا۔ مثلاً: کمبل پر گندگی لگ جائے تو اس کو کاٹنا کتنا دشوار ہے مگر ان کو حکم تھا۔ تو کہنے لگے ہماری شریعت بڑی سخت ہے ان کی شریعت نرم ہے۔ لہٰذا ان سے فیصلہ کرالیتے ہیں لیکن ساتھ یہ بھی مشورہ میں طے ہوا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی کوئی سخت حکم دیں تو قبول نہ کرنا۔ ہاں! اگر کوئی نرم سا فیصلہ فرمادیں کہ مثلاً: چند کوڑوں کا حکم دیں یا جرمانہ کردیں یا کچھ دنوں کی قید کا حکم دیں تو تسلیم کرلینا۔ چنانچہ یہودیوں کا یہ وفد جس مین مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں، ان کے علماء بھی تھے۔ علماء میں عبداللہ بن صوریا جوان کا سب سے بڑا عالم تھا اور اور ایک آنکھ سے کانا تھا، وہ بھی شامل تھا۔ یہ فدک کا رہائشی تھا جو خیبر سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔

تورات کے احکام اور شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)

مدینہ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے۔ مدینہ منورہ میں جو منافق تھے ان کے ساتھ ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ چنانچہ ان کے گھروں میں ٹھہرے کیونکہ منافق پہلے یہودی تھے۔ ان کو انھوں نے بتایا کہ اس مقصد کے لیے آئے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں عام لوگوں کو بھی اطلاع ہوگئی۔ صبح کو جب انھوں نے اپنا مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو بڑا عظیم مجمع تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی پہلے یہودی تھے بلکہ یہودیوں کے بڑے عالم تھے۔ وہ بھی تشریف لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم فیصلہ کرانے کے لیے میرے پاس آئے ہو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات ہے اس کے مطابق فیصلہ کیوں نہیں کیا؟

کہنے لگے تورات تو ہے مگر اس میں اس مسئلے کا کوئی واضح حکم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تورات لاؤ، تورات لائی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جہاں اس جرم کا ذکر ہے وہاں سے پڑھو۔

عبداللہ بن صوریا کی خیانت

عبداللہ بن صوریا نے پڑھنی شروع کی مگر اس میں خیانت کی۔ یعنی درمیان کی وہ آیات جن میں زنا کا حکم تھا کھا گیا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ حضرت یہ خیانت کر رہا ہے رجم کی آیتیں چھوڑ گیا ہے کیونکہ تورات میں بھی شادی شدہ زانی مرد، عورت کی سزا رجم ہی تھی۔ چنانچہ ان دونوں کو مدینہ طیبہ میں رجم کیا گیا۔

پہلے یہ بات سمجھائی کہ آسمانوں اور زمینوں پر اللہ تعالیٰ کی شاہی ہے وہ اپنے ملک میں جس طرح کا قانون نافذ کرے، کرسکتا ہے۔ تم کون ہو اعتراض کرنے والے کہ یہ سنگین سزائیں ہیں۔

خلاصۂ تفسیر

فرمایا ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ کیا تو اے مخاطب نہیں جانتا ﴿اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہے آسمانوں کا ملک اور زمین کا۔ اپنے ملک میں جیسا چاہے قانون نافذ کرسکتا ہے۔ آج دنیا کے حکمران کہتے ہیں کہ اگر ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرو گے تو اس کی یہ سزا ہوگی وہ سزا ہوگی اگر یہ اپنے قانون کی خلاف ورزی پر سزا دے سکتے ہیں تو رب کائنات اپنے احکام کی خلاف ورزی پر کیوں سزا نہیں دے سکتا؟

﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ سزا دیتا ہے جس کو چاہے ﴿وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور بخشتا ہے جس کو چاہے۔ جو اس کے حکموں کی خلاف ورزی کرے گا اس کو سزا دے گا اور جو تعمیل کرے گا اس کو بخشے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ آگے اس واقعہ کا ذکر ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ اے رسول (ﷺ) ﴿لَا يَحْزُنْكَ﴾ نہ غم میں ڈالیں آپ ﷺ کو ﴿الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ وہ لوگ جو کفر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ ان منافقوں کا ذکر ہے جن کے پاس یہودی آکر ٹھہرے تھے۔

﴿مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ ان لوگوں میں سے جنھوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ہیں ﴿بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ صرف اپنے مونہوں سے۔ یعنی ان کا یہ صرف زبانی دعویٰ تھا کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ ﴿وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور نہیں ایمان لائے دل ان کے۔ ان منافقوں کی وجہ سے تم غمگین نہ ہو۔

﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں۔ ان سے بھی پریشان نہ ہوں چاہے وہ مقامی یہودی ہیں یا جو خیبر سے آئے ہیں۔ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ سنتے ہیں وہ جھوٹ کو۔ یعنی وہ جھوٹ سننے کے عادی ہیں۔ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴾ سنتے ہیں وہ دوسری قوم کے لیے ﴿لَمْ يَاْتُوْكَ﴾ وہ قوم آپ ﷺ کے پاس نہیں آئی۔ وہ لوگ خیبر میں ہیں جنھوں نے

ان کو بھیجا ہے۔

﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ﴾ بدل دیتے ہیں کلموں کو اپنی جگہ پر بیٹھنے کے بعد۔یعنی رب تعالیٰ کے حکموں کو بدلتے ہیں حالانکہ وہ اپنی جگہ بالکل واضح صاف اور قائم ہیں۔﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا﴾ اگر تمھیں دی گئی یہ چیز۔یہ حکم دیں کہ ان کو قید کردو یا کوڑوں یا جرمانے کی سزا دے دیں۔تو ﴿فَخُذُوْهُ﴾ پس اس کو لے لینا ﴿وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ﴾ اور اگر تمھیں وہ چیز نہ دی جائے۔یعنی اس طرح کا نرم حکم نہ ملے۔

﴿فَاحْذَرُوْا﴾ تو بچنا اس سے، نہ ماننا، اس کو تسلیم نہ کرنا۔آنے والے وفد کو یہ سبق پڑھا کر بھیجا گیا تھا کہ رجم کا حکم دیں تو تسلیم نہ کرنا کیونکہ یہ تو ہماری کتاب توراۃ میں بھی موجود ہے۔رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ﴾ اور وہ شخص کہ ارادہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو فتنے میں ڈالنے کا۔اور رب تعالیٰ فتنے میں اُسی کو ڈالتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔تو اگر اللہ تعالیٰ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے۔

﴿فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا﴾ پس ہرگز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مالک نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کے۔جو آدمی اپنی مرضی سے کفر میں ڈوبا ہوا ہو تو رب تعالیٰ اس کو جبراً تو ہدایت نہیں دیتا بلکہ اسے فتنے میں مبتلا رکھتا ہے۔﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ﴾ وہ، وہ لوگ ہیں ﴿لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا یہ کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔کیونکہ وہ خود پاک ہونا نہیں چاہتے۔رب تعالیٰ کا اصول یہ ہے ﴿وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔جبراً کسی کو ہدایت نہیں دیتا۔﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [الصف:۵، پارہ:۲۸] پس جب ان لوگوں نے کج روی کی اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے یعنی جب کوئی غلط راستے پر چلتا ہے تو رب تعالیٰ اس کو ادھر ہی چلا دیتا ہے۔

عبداللہ بن صوریا کا انجام

﴿لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ﴾ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔وہ اس طرح کہ اتنے بڑے مجمع میں جس میں یہودی بھی تھے عیسائی بھی تھے۔مسلمان بھی تھے اور کافر بھی تھے ان کا سب سے بڑا عالم عبداللہ بن صوریا رسوا ہو گیا۔جب اس نے تورات پڑھنی شروع کی اور درمیان سے آیتیں چھوڑ گیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ رجم کے حکم والی آیتیں کھا گیا ہے اور انھوں نے وہ آیتیں پڑھ کر سنا دیں اور یہودیوں سے پوچھا کہ بتاؤ بھائی! یہ آیتیں توراۃ میں ہیں یا نہیں؟ سب نے کہا ہاں ہیں۔پھر ابن صوریا سے پوچھا کہ یہ آیتیں ہیں یا نہیں؟ کہنے لگا ہیں۔تو سب کے سامنے شرمندہ ہوا۔اس سے بڑھ کر ذلت اور رسوائی کیا ہو گی۔

﴿وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں عذاب ہے بڑا۔کیونکہ رب تعالیٰ کے حکموں کو ماننے کے

لیے تیار نہیں ہیں۔ جو ان کے پاس توراۃ میں موجود ہیں۔ آگے مزید تفصیل آئے گی ان شاء اللہ العزیز۔

﴿سَمّٰعُوْنَ﴾ وہ بہت سننے والے ہیں ﴿لِلْكَذِبِ﴾ جھوٹ کو ﴿اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ اور کھاتے ہیں حرام ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ﴾ پس اگر وہ آپ کے پاس آئیں ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ یا ان سے اعراض کریں ﴿وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ اور اگر ان سے اعراض کریں گے ﴿فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا﴾ تو ہرگز وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کچھ بھی ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ﴾ اور اگر آپ فیصلہ کریں ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے مطابق ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ﴾ اور کیسے یہ لوگ آپ کو ثالث تسلیم کرتے ہیں ﴿وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ﴾ اور حالانکہ ان کے پاس توراۃ ہے ﴿فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے ﴿ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ﴾ پھر وہ روگردانی کرتے ہیں ﴿مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿وَمَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں وہ لوگ توراۃ پر ایمان لانے والے۔

گناہ کا اقرار بھی ایک خوبی ہے

اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ خیبر کے علاقے میں ایک اونچے خاندان کے شادی شدہ مرد نے دوسرے اونچے درجے کے خاندان کی شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا بڑوں نے ان کے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی مگر عوامی احتجاج کے سامنے مجبور ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فیصلہ کرا لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی شریعت نرم ہے۔ اور یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر وہ سخت حکم دیں تو تسلیم نہ کرنا اور نرم سا حکم دیں تو تسلیم کر لینا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر انھوں نے مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ملزمان سے دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔ اچھا زمانہ تھا لوگ برائی کر کے اقرار بھی کرتے تھے آج کے زمانے میں جرم کا اقرار کرنے والا کون ہے۔ میں کہتا ہوں بڑے سے بڑا مسلمان بھی جرم کا اقرار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ خصوصاً وہ جرم جس کی وجہ سے اس پر زد پڑتی ہو بلکہ دس وکیل کرتا ہے۔ اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے اور ہزار دلیلیں پیش کرتا ہے کہ میرے اوپر جھوٹا الزام ہے لیکن اس زمانے میں لوگ جرم کا اقرار کرتے تھے۔

بچی کے قتل کا واقعہ

چنانچہ ایک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ مدینہ طیبہ میں ایک انصاری اپنی بیوی اور آٹھ سالہ بچی کے ہمراہ اپنے باغ میں

کام کر رہے تھے کہ سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے اس نے اپنی بیوی کو کہا کہ تم ماں بیٹی جاؤ اور کھانے کا انتظام کرو۔ تاکہ میرے آنے سے پہلے کھانا تیار ہو۔ ماں بیٹی جب گھر پہنچیں تو دیکھا کہ پانی نہیں ہے قریب کنواں تھا جس سے عام لوگ پانی بھرتے تھے اس نے بیٹی کو برتن دیا کہ کنویں پر جا تجھے بھی کوئی پانی بھر دے گا۔ پانی لاؤ تا کہ روٹی کا انتظام کریں۔ سوئے اتفاق کہ اس وقت کنویں پر ایک یہودی کے سوا کوئی آدمی نہیں تھا بچی کے گلے میں ایک قیمتی موتیوں کا ہار تھا۔ یہودی کی نیت بری ہوگئی۔ اس نے ہار چھیننے کی کوشش کی بچی نے مزاحمت کی۔ مگر وہ نوجوان تھا یہ بچی تھی کیا تقابل تھا؟ اس نے ہار چھین لیا بچی نے کہا کہ میں تجھے جانتی ہوں اور تیرے نام سے واقف ہوں میں اپنے ابو کو بتاؤں گی کہ فلاں یہودی نے میرا ہار چھینا ہے۔ تو یہودی نے اپنا جرم چھپانے کے لیے بچی کو پکڑا ایک پتھر پر سر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر مارا اور یہ سمجھ کر کہ مرگئی ہے وہاں سے بھاگ گیا۔

ادھر ماں کو فکر ہوئی کہ کافی دیر ہوگئی ہے بچی ابھی تک پانی لے کر نہیں آئی۔ اس نے پڑوسن کو بلایا کہ بچی کو پانی لینے کے لیے بھیجا تھا واپس نہیں آئی میں اس کی خبر لینے کے لیے جاتی ہوں میرے گھر کا خیال رکھنا۔ جب وہاں پہنچی تو دیکھا کہ بچی تڑپ رہی ہے۔ شور مچانے پر لوگ اکٹھے ہوگئے۔ بچی سے پوچھتے، فلاں نے مارا ہے؟ فلاں نے مارا ہے؟ وہ سر ہلا دیتی جب اس یہودی کا نام آیا تو اس نے سر ہلا کر کہا ہاں! اس نے مارا ہے۔

بچی تو تڑپ تڑپ کر فوت ہوگئی اس یہودی کو بلا کر پوچھا کہ اس بچی کو تو نے مارا ہے تو اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا کہ ہاں یہ غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔ اگر انکار کر جاتا تو کون سے وہاں گواہ موجود تھے کیونکہ اچھا زمانہ تھا لوگ جرم کا اقرار کر لیتے تھے۔ چنانچہ اس کو اسی طرح سر کچل کر مار دیا گیا۔

سنگساری کا فیصلہ

تو خیر! بات یہ ہو رہی تھی کہ خیبر والے یہودی جوڑے نے اپنے جرم کا اقرار کیا کہ ہم سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے مطابق ان کو سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ اور ان کو مدینہ طیبہ میں سنگسار کیا گیا۔ باقی تفصیل پچھلے سبق میں گزر چکی ہے۔ آگے بھی انہی لوگوں کا ذکر ہے۔

"سحت" کی تفسیر

فرمایا ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ وہ بہت سننے والے ہیں جھوٹ کو۔ یعنی یہ لوگ جھوٹ سننے کے عادی ہیں جھوٹی باتوں سے ان کو تسلی اور اطمینان رہتا ہے اور راضی رہتے ہیں۔ ﴿اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ اور کھاتے ہیں حرام۔ ایک ہوتی ہے رشوت اور ایک ہے سحت۔ رشوت عام کاموں میں چلتی ہے کہ کوئی کام اڑا ہوا ہے نہیں ہو رہا رشوت دے کر نکلوا لیا اور قاضی اور جج کو غلط فیصلہ کرانے کے لیے جو پیسے دیے جاتے ہیں اسے عربی میں سحت کہتے ہیں۔ مثلاً: کوئی جج ہے، قاضی ہے، وہ مجرم سے براہِ راست پیسے لینا

ہے یا کسی ایجنٹ کے ذریعہ لیتا ہے تو یہ رقم سحت ہے، حرام ہے اور یہودیوں کے بڑے اس چیز کے عادی تھے۔ بس مجرم نے تھوڑا سا اشارہ کر دیا کہ ہم آپ کی خدمت کر دیں گے بس فیصلہ اس کے حق میں ہو جاتا تھا رشوت کی طرح سحت بھی حرام ہے۔

رشوت خور کی کمائی ؟

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاھُمَا فِی النَّارِ)) "رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں" اور ایک حدیث میں ہے: ((اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ وَالرَّائِشِ بَیْنَھُمَا)). اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اور ان کے درمیان دلالی کرنے والے پر۔ مسئلہ یاد رکھنا! جو لوگ رشوت دے کر ملازمتیں حاصل کرتے یا رشوت دے کر دوسرے ممالک میں جاتے ہیں ان کی تمام کمائی حرام کی ہے۔ حج کرے گا حرام، زکوٰۃ دے گا حرام۔ کیونکہ سب حرام ہے۔ ہاں! ایک صورت میں رشوت دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے وہ یہ کہ اگر اپنا حق رشوت کے بغیر نہیں ملتا تو رشوت دے کر اپنا حق لے لے۔ مثلاً: ایک آدمی کے مکان یا زمین پر کسی ظالم نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ اور رشوت کے بغیر اپنا مکان یا زمین وغیرہ حاصل نہیں کر سکتا تو اپنا حق حاصل کرنے کے لیے بامر مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے۔ دوسرے کا حق مارنے کے لیے رشوت دینا حرام ہے۔

فرمایا ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ﴾ پس اگر وہ آپ کے پاس آئیں ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ یا آپ (ﷺ) ان سے اعراض کریں کہ فیصلہ نہ کریں تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ آپ کا کلمہ تو نہیں پڑھتے لیکن اگلے رکوع میں آئے گا کہ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا اب حکم یہ ہے کہ غیر مسلم بھی آئے گا تو اس کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔

﴿وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ اور اگر ان سے اعراض کریں گے ﴿فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا﴾ تو ہرگز وہ آپ ﷺ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کچھ بھی۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ﴾ اور اگر آپ فیصلہ کریں ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان انصاف کے مطابق کہ اس جرم کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجم ہے کہ مجرم کو میدان میں کھڑا کریں اور سارے لوگ پتھر ماریں کہ وہ مر جائے۔ اب ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ تو رجم کو انصاف فرمائیں اور ہمارے لیڈر کہیں کہ یہ سزائیں جابرانہ ظالمانہ اور وحشیانہ ہیں اور مسئلہ یاد رکھنا! اسلامی سزاؤں کو جابرانہ ظالمانہ اور وحشیانہ کہنے والے قطعاً مسلمان نہیں ہیں ان کو جو مسلمان سمجھے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ قطعی کفر کو کفر نہ کہنا بھی کفر ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔ آنحضرت ﷺ نے انصاف کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق دونوں کو مدینہ طیبہ میں رجم کیا گیا اور ان کی میتیں واپس بھیجی گئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ﴾ اور کیسے یہ لوگ آپ کو ثالث تسلیم کرتے ہیں ﴿وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ﴾ اور

حالانکہ ان کے پاس تورات ہے۔ اس میں زنا کے متعلق اللہ کا حکم موجود ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے مگر یہ لوگ مغالطے کا شکار تھے کہ آخری پیغمبر کی شریعت میں بہت سارے احکامات نرم ہیں اس جرم کا بھی کوئی نرم سا حکم ہوگا اگر ان کو معلوم ہوتا کہ اسلام میں بھی اس جرم کی یہی سزا ہے تو آپ کے پاس کبھی نہ آتے۔ تو فرمایا ﴿فِيهَا حُكْمُ اللهِ﴾ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔

﴿ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ پھر وہ روگردانی کرتے ہیں اس کے بعد۔ یعنی اقرار تو کرتے ہیں تورات کے ماننے کا مگر اس کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر مانتے تو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی وہیں اپنی کتاب توراۃ کے مطابق فیصلہ کرا لیتے۔ ﴿وَمَا أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں وہ لوگ توراۃ پر ایمان لانے والے۔ یہ سہولتیں تلاش کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی نرم سا حکم مل جائے۔

﴿إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ بے شک ہم نے نازل کی توراۃ ﴿فِيهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ﴾ جس میں ہدایت تھی اور روشنی ﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ﴾ فیصلہ کرتے تھے اس کے مطابق نبی ﴿الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا﴾ جو فرماں بردار تھے ﴿لِلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو یہودی تھے ﴿وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ اور پیر بھی اس کے مطابق فیصلہ کرتے رہے ﴿وَالْأَحْبَارُ﴾ اور عالم بھی ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا﴾ اس لیے کہ ان کو نگران بنایا گیا تھا ﴿مِنْ كِتٰبِ اللهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ﴿وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ﴾ اور وہ اس پر گواہ تھے ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ﴾ پس نہ ڈرو تم لوگوں سے ﴿وَ اخْشَوْنِ﴾ اور مجھ سے ڈرو ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا﴾ اور نہ خریدو ﴿بِاٰيٰتِيْ﴾ میری آیتوں کے بدلے ﴿ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ قیمت تھوڑی ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ﴾ اور جو فیصلہ نہ کرے ﴿بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ﴾ اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ پس وہی لوگ کافر ہیں۔

پچھلے سبق میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہودی زنا کا مقدمہ لے کر آپؐ کے پاس آئے کہ کوئی نرم سا فیصلہ فرما دیں۔ حالانکہ اس جرم کی سزا اسلام میں بھی وہی تھی جو تورات میں تھی اس لیے فرمایا کہ ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ﴾ یہ آپ کو ثالث کیسے تسلیم کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے۔ اس رکوع میں توراۃ کی جامعیت اور مقام کو بیان کیا گیا ہے کہ تورات کوئی معمولی کتاب نہیں ہے اپنے زمانے میں بڑی اہم اور جامع کتاب تھی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں۔ ان میں پہلا درجہ قرآن کریم کا ہے۔ جو اسی شکل میں موجود ہے جس شکل میں لوح محفوظ میں موجود تھا اس کے زبر زیر میں بھی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ امت مسلمہ نے جانوں کے نذرانے پیش کیے مگر قرآنِ کریم میں تحریف نہیں ہونے دی چونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود رب تعالیٰ نے لیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹، پارہ: ۱۴] ”بے شک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگران ومحافظ

ہیں۔" اس کے لفظوں کی حفاظت ہوئی ہے، رسم الخط کی حفاظت ہوئی ہے، ترجمے کی حفاظت ہوئی ہے، مفہوم اور تفسیر کی حفاظت ہوئی ہے۔ قرآنِ کریم کے علاوہ کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو اپنی اصلی شکل میں موجود ہو۔

توراۃ کا مقام و مرتبہ

قرآنِ کریم کے بعد آسمانی کتابوں میں توراۃ کا درجہ بہت بلند ہے۔ ہزاروں سال اس کے مطابق فیصلے ہوتے رہے رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ بے شک ہم نے نازل کی توراۃ ﴿فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ جس میں ہدایت تھی اور روشنی۔ رب تعالیٰ کے احکام و ہدایت پر مشتمل تھی۔ اور اس میں روشنی کی باتیں تھیں۔

﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ﴾ فیصلہ کرتے تھے اس کے مطابق نبی ﴿الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا﴾ جو فرماں بردار تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت

یہ ﴿اَسْلَمُوْا﴾ اس لیے فرمایا کہ اس زمانے میں بھی کئی جھوٹے پیغمبر کھڑے ہو گئے تھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں کئی آدمیوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اور مسیلمہ کذاب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجے کہ تم ہمارے ساتھ صلح کر لو اس طرح کہ شہری حلقے کے پیغمبر تم اور دیہاتی حلقے کے ہم رہیں یعنی نبوت کو شہری اور دیہاتی حلقے میں تقسیم کر لیں۔ مسیلمہ کذاب یمامہ میں قتل ہوا اور اسود عنسی بھی قتل ہوا ان کے بعد طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا مگر جنگ میں شکست کھا کر بھاگ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمان ہوا۔

سجاح نامی ایک عورت نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور جنگ میں شکست کھا کر روپوش ہوگئی بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان ہوئی۔ اب تک جھوٹے نبی چلے آ رہے ہیں مرزا غلام احمد قادیانی کو انگریزوں نے جہاد منسوخ کرنے کے لیے نبی بنایا تھا چنانچہ اس نے جہاد کی منسوخی کا اعلان کیا اور "ضمیمہ تحفہ گولڑویہ" میں کہا: ؎

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین میں حرام ہے اب جنگ اور قتال

تاکہ انگریز کے خلاف کوئی جہاد کے لیے کھڑا نہ ہو اور اس کے بعد کئی لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن تورات کے مطابق جن پیغمبروں نے فیصلے کیے وہ سچے پیغمبر تھے۔

﴿لِلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو یہودی تھے۔ کیونکہ تورات یہودیوں کے لیے نازل ہوئی تھی عیسیٰ علیہ السلام تک ہزاروں پیغمبر تشریف لائے ہیں اور تمام نے تورات کے مطابق ہی فیصلے کیے ہیں۔ ﴿وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ اور پیر کامل مشائخ رب والے

بھی تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے ﴿وَالْاَحْبَارُ﴾ اور علماء بھی تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔ پیغمبر، پیر کامل، علماء چار ہزار سال تک تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے کیونکہ قرآنِ کریم تورات کے چار ہزار سال بعد نازل ہوا ہے۔ یہ تمام تورات کے مطابق کیوں فیصلے کرتے رہے۔

فرمایا ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اس لیے کہ ان کو نگران بنایا گیا تھا اللہ تعالیٰ کی کتاب پر کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت کرنی ہے اور واقعی انھوں نے اپنے دور میں تورات کی حفاظت کی لیکن اس وقت قرآن کریم کے سوا کوئی آسمانی کتاب تورات انجیل، زبور اپنی اصلی شکل میں نہیں مل سکتی۔

عیسائیوں کی پانچ اناجیل

اس وقت پانچ انجیلیں موجود ہیں: ① انجیل متی ② انجیل مرقس ③ انجیل یوحنا ④ انجیل لوقا اور ⑤ انجیل برنباس۔

عیسائی پہلی چار انجیلوں کو مانتے ہیں اور برنباس کو نہیں مانتے حالانکہ ان چاروں کو مرتب کرنے والے تابعی ہیں اور انجیل برنباس کو مرتب کرنے والا صحابی ہے۔ برنباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحابی ہے۔

صحابی اسے کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں پیغمبر کو دیکھا ہو چاہے ظاہری آنکھوں سے یا باطنی آنکھوں سے اور تابعی اسے کہتے ہیں جس نے صحابی کو دیکھا ہو ایمان کی حالت میں۔ لیکن بڑی عجیب اور الٹی منطق ہے کہ صحابی کی مرتب کی ہوئی انجیل کو عیسائی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے انجیل برنباس میں دو جگہوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک محمد آیا ہے۔ اس کا اردو نسخہ میرے پاس موجود ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "میرے بعد لوگ میرے بارے میں بہت غلو کریں گے مجھے رب بنائیں گے رب کا بیٹا بنائیں گے یہاں تک کہ محمد رسول اللہ میری صفائی بیان کریں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ رب تھے نہ رب تعالیٰ کے بیٹے تھے۔" اگر عیسائی انجیل برنباس کو مان لیں تو یہ الفاظ بھی تسلیم کرنا پڑیں گے اور اگر یہ الفاظ تسلیم کر لیں تو عیسائیت ختم ہوتی ہے۔

اس لیے وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب ہماری نہیں ہے۔ اس وقت امریکہ یہ چاہتا ہے کہ پاکستان میں میری رائے چلے اور ایران چاہتا ہے کہ میری رائے چلے۔ اگر ہمارے حکمرانوں نے عقل سے کام نہ لیا تو ملک میں بڑی تباہی ہوگی۔ الحمدللہ! ملک میں صحیح العقیدہ مسلمان موجود ہیں جو ایمان اسلام کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے تیار ہیں اسی لیے ان کی من مانیاں پوری نہیں ہو رہیں۔

﴿وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ﴾ اور وہ اس پر گواہ تھے کہ تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ﴾ پس (اے یہودیو!) تم اپنی پبلک سے نہ ڈرو کہ اگر کتاب اللہ پر عمل کیا تو لوگ کیا کہیں گے۔ ﴿وَاخْشَوْنِ﴾ اور مجھ سے ڈرو ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ اور نہ خریدو یعنی نہ لو میری آیتوں کے بدلے قیمت تھوڑی۔

ثمن قلیل کی تشریح

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادہ رقم مل جائے تو لے لو ترمذی شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اگر اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم کی چھوٹی سے چھوٹی آیت ہے "ق"۔ دنیا کے سارے خزانے اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ اسی طرح آسمانی کتابوں کی صحیح آیتوں کے مقابلہ میں دنیا و مافیہا کے خزانوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اور جو فیصلہ نہ کرے اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ جیسا کہ آپ پچھلے سبق میں پڑھ چکے ہیں کہ یہودیوں کے جج اور قاضی رقم لے کر غلط فیصلے کرتے تھے اور آج کل ہماری عدالتوں کا بھی یہی حال ہے، الا ماشاء اللہ۔ فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ پس وہی لوگ کافر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ فیصلہ کرنے والے تین قسم کے ہیں ایک جنت میں جائے گا اور دو دوزخ میں جائیں گے۔ فرمایا جو حق کو جانتا ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ جنت میں جائے گا اور فرمایا جو حق کو نہیں جانتا اور فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف کرتا ہے دوزخ میں جائے گا اور جو حق کو جانتے ہوئے بھی فیصلہ اس کے خلاف کرتا ہے وہ بھی دوزخ میں جائے گا تو جو رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ اور ان کو جو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ کفر کو کفر نہ کہنا بھی کفر ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ﴾ اور ہم نے لکھا تھا بنی اسرائیل پر ﴿فِيْهَآ﴾ توراۃ میں ﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ کہ بے شک جان جان کے بدلے ﴿وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ اور آنکھ، آنکھ کے بدلے ﴿وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ﴾ اور ناک، ناک کے بدلے ﴿وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ﴾ اور کان، کان کے بدلے ﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ اور دانت، دانت کے بدلے ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ اور زخموں کا بدلہ ہے ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ﴾ پس جس شخص نے صدقہ کیا اس کا ﴿فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ پس وہ اس کا کفارہ ہوگا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ﴾ اور جس نے فیصلہ نہ کیا ﴿بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ پس وہ لوگ ظالم ہیں۔

تورات کے احکام

تورات کے متعلق بیان چلا آرہا ہے کہ وہ بڑی اہم کتاب تھی اور بڑی جامع کتاب تھی اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر مشائخ

اور علماء ہزار ہا سال تک اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں۔ اب اس کے احکام بیان فرماتے ہیں اور ہماری شریعت کے بھی یہی احکام ہیں۔

انصاف کا شرعی طریقہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ﴾ اور ہم نے لکھا تھا بنی اسرائیل پر تورات میں۔ یعنی ہم نے ان پر یہ احکام فرض فرمائے تھے کہ ﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ کہ بے شک جان کے بدلے جان ہے۔ یعنی اگر کوئی کسی کو قتل کرے گا تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کیا جائے گا البتہ ہماری شریعت میں اتنی اجازت ہے کہ اگر وارث قصاص نہ لیں بلکہ دیت یعنی مال بدلہ میں لیں تو لے سکتے ہیں اور اگر بالکل معاف کر دیں نہ قصاص لیں نہ دیت لیں تو اس کی بھی اجازت ہے۔ لیکن وارثوں کے سوا کسی کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ مگر ہمارے سروں پر آج تک انگریز کا قانون مسلط چلا آ رہا ہے کہ صدرِ مملکت اگر رحم کی اپیل سن کر معاف کرنا چاہیں تو سزائے موت کو ختم کر سکتے ہیں مگر شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ بے شک صدر کا عہدہ بڑا ہے مگر یہ اس کا حق نہیں ہے یہ صرف وارثوں کا حق ہے چاہے امیر ہوں یا غریب ہوں۔

﴿وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ اور آنکھ بدلے آنکھ کے ہے۔ اگر کوئی کسی کی آنکھ ضائع کر دے گا تو قصاص میں اس کی آنکھ نکال دی جائے گی۔ ﴿وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ﴾ اور ناک، ناک کے بدلے ہے اگر کسی نے کسی کی ناک کاٹ دی تو قصاص میں اس کی ناک کاٹ دی جائے گی۔

﴿وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ﴾ اور کان، کان کے بدلے۔ اگر کسی نے کسی کا کان کاٹ دیا تو بدلے میں اس کا کان کاٹا جائے گا۔ ﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ اور دانت، دانت کے بدلے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی کا دانت توڑے گا تو قصاص میں اس کا دانت توڑ دیا جائے گا۔ یقین جانو! اگر یہ احکام نافذ ہو جائیں تو جرائم کا نام ونشان نہ رہے۔

آگے فرمایا ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ اور زخموں کا بدلہ ہے۔ جس قسم کا زخم کسی کو لگایا گیا ہے اسی قسم کا زخم بدلے میں لگایا جائے گا اگر یہ احکام ملک میں نافذ ہو جائیں تو کسی کو جنایت کی جرأت نہیں ہوگی۔ اور شریعت میں انصاف انتہائی سستا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے وہاں قاضی اور جج مقرر ہوگا جو قتل کے فیصلے کرنے کا بھی مجاز ہوگا اور جہاں ڈیڑھ ہزار کی آبادی ہوگی وہاں جمعہ ہوگا لہٰذا تحصیل اور ضلع کی کچہریوں میں پھرنے اور چکر لگانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ پھر وکیل اور عرضی نویس کی بھی ضرورت نہیں ہے اور نہ درخواست پر عدالتی ٹکٹ لگانے کی ضرورت ہے۔ بس سادے کاغذ پر خود درخواست لکھ کر جج کے سامنے پیش ہو جائے اور اگر درخواست نہیں لکھ سکتا تو جج اور قاضی کے سامنے زبانی بیان دے کہ میرے ساتھ یہ زیادتی ہوئی ہے اس کا ازالہ کیا جائے۔

مثلاً: اگر کوئی قتل ہو گیا ہے تو اس کا وارث باپ ہے یا بیٹا ہے یا بھائی ہے یا جو بھی ہے وہ جج اور قاضی کے پاس جا کر

دعویٰ دائر کرے گا اور گواہ پیش کرے گا۔ اگر قاتل قابو آ گیا تو قصاص کا حکم ہوگا اور قاتل اور مقتول کی میتیں اکٹھی اٹھائی جائیں گی اور آج صورت حال یہ ہے کہ کورٹ فیس کی ٹکٹوں کے بغیر درخواست نہیں دے سکتا اور وکیل کے بغیر جج صاحب کے سامنے پیش نہیں ہوسکتا کھال تو آدمی کی یہیں اتر گئی۔ مقدمہ کیا لڑے گا۔ پھر پیشی پر پیشی ہے۔ سماعت ہی شروع نہیں ہوتی۔ دس، دس سال تک پیشیاں بھگتتا رہتا ہے انصاف ملنا تو دور کی بات ہے۔ مقتول کے وارث اور قاتل ساری زندگی دشمنی پالتے رہتے ہیں جب سزا ہی نہیں ہوگی جرائم کس طرح ختم ہوسکتے ہیں۔ انصاف صرف اسلام نے دیا ہے کہ ایک آدمی کی اگر کسی نے انگلی کاٹ دی ہے تو اس کے بدلے میں دس اونٹ دینے پڑیں گے پھر اس جرم کی کوئی ہمت نہ کرے گا۔

طالبان کی مثالی حکومت

اس وقت اگر اسلام کے مطابق فیصلے ہو رہے ہیں تو وہ صرف طالبان حکومت میں ہو رہے ہیں۔ سعودیہ میں بھی بعض اسلامی قوانین نافذ ہیں مگر مکمل اسلامی قانون وہاں بھی نافذ نہیں ہے۔ اور حق کہنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

امام مسجد نبوی (حذیفی) کا خطبہ جمعہ

مسجد نبوی کے امام اور خطیب عبدالرحمٰن حذیفی صاحب نے جمعہ کے خطبہ میں کہا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: ((أَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ)) "یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔" اور ہماری حکومت نے ان کو بلا کر یہاں بٹھایا ہوا ہے۔ لہٰذا میں حکومت کے اس اقدام کی سختی کے ساتھ تردید کرتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ ان کو یہاں سے نکالو اور انھوں نے ایرانی شیعوں کی بھی مذمت کی اور ان کی تردید اس لیے کی کہ ایران کا سابق صدر رفسنجانی متبرک مقامات کی زیارت کے لیے جانا چاہتا تھا حکومت نے حذیفی صاحب کی ڈیوٹی لگا دی کہ تم ان کے ساتھ جاؤ۔ جہاں جہاں جانا چاہیں تم ان کے ساتھ رہو۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حذیفی صاحب نے کہا کہ آؤ روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کے لیے چلیں۔ روضہ اقدس پر گیا حضور ﷺ پر سلام پیش کر کے واپس پھرنے لگا تو حذیفی صاحب نے کہا کہ شیخین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی سلام پیش کرو۔ تو رفسنجانی نے کہا اَللّٰهُ يَلْعَنُهُمَا ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (نعوذ باللہ)۔ اس کی اس خباثت کی وجہ سے امام حذیفی صاحب بگڑ گئے اور ان کی خوب تردید کی اور رگڑا لگایا یہ ساری تفصیل اخبار ضربِ مومن میں شائع ہوئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آپ ضربِ مومن پڑھتے نہیں ہیں۔ (اصل کیسٹ بھی دستیاب ہے)۔

قصاص سے متعلق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

یہ مسئلہ آپ نے سمجھ لیا کہ کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت کاٹا جائے گا۔ بعض کم فہم لوگوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا ہے کہ امام صاحب بعض چیزوں میں قصاص کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ دیت کے

قائل ہیں۔تو بات اچھی طرح سمجھ لیں اور ذہن نشین کر لیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل تو قصاص ہی ہے مگر وہ اعضاء کہ جن میں قصاص ممکن نہیں ہے وہاں دیت ہوگی۔بات کو ذرا ٹھنڈے دل سے سمجھنا بات تو شرم کی ہے مگر دین ہے سمجھانے کے لیے کرنا پڑتی ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت کسی مرد کا عضو تناسل خصیے سمیت کاٹ دے تو دیت آئے گی قصاص نہیں ہوگا کیونکہ اس کے بدلے میں عورت کی کون سی جگہ کاٹی جائے گی۔اسی طرح اگر کوئی عورت مرد کی ڈاڑھی مونڈ دے تو عورت کی ڈاڑھی نہیں ہے قصاص کس طرح لیا جائے گا لہٰذا اس میں دیت واجب ہوگی۔

اور یاد رکھنا! ڈاڑھی کی دیت پورے سو اونٹ ہیں۔اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی عورت کا سر مونڈ دیا اور مونڈنے والا گنجا ہو تو قصاص کس طرح لیا جائے گا؟ لہٰذا دیت ہوگی یا کوئی کسی عورت کے پستان کاٹ دیتا ہے تو مرد کی کون سی جگہ کاٹی جائے گی تو یہاں بھی دیت ہوگی امید ہے بات سمجھ آ گئی ہوگی۔کہ بعض ایسی چیزیں ہیں کہ وہاں قصاص ہو نہیں سکتا۔

لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ عین اسلام کی روح کے مطابق فرمایا ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ پس جس شخص نے صدقہ کیا اس کا پس وہ اس کا کفارہ ہوگا۔مثلاً: اگر کسی نے کسی کی ناک کاٹ دی اور وہ کہے کہ میں تجھے معاف کرتا ہوں تو یہ معاف کرنا اس کے سابق گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور جس نے فیصلہ نہ کیا اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے پس یہی لوگ ظالم ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو ظالم فرما رہے ہیں۔جو رب تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ شرعی قوانین ظالمانہ، وحشیانہ اور جابرانہ ہیں۔یہاں گنگا الٹی چلتی ہے۔اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔قرآنِ کریم کو سمجھو یہ بڑی ہدایت والی کتاب ہے۔

﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے بھیجا ان کے قدموں پر ﴿بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کو ﴿مُصَدِّقًا﴾ تصدیق کرنے والا تھا ﴿لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ اس چیز کی جو اس کے سامنے تھی ﴿مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ تورات ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ﴾ اور ہم نے دی ان کو انجیل ﴿فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ اس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی ﴿وَّمُصَدِّقًا﴾ اور انجیل بھی تصدیق کرنے والی تھی ﴿لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ اس چیز کی جو اس کے سامنے تھی ﴿مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ تورات ﴿وَهُدًى﴾ اور ہدایت تھی ﴿وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لیے ﴿وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ﴾ اور چاہیے کہ فیصلہ کریں انجیل والے ﴿بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ﴾ اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اس میں ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اور جس نے فیصلہ نہ کیا اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ پس وہی لوگ فاسق ہیں ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ اور ہم نے نازل کی آپ کی

طرف کتاب ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے ہیں ﴿وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ﴾ اور یہ نگران ہے ان کتابوں کی ﴿فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اس کے مطابق جو رب تعالیٰ نے نازل فرمائی ﴿وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور آپ پیروی نہ کریں ان کی خواہشات کی ﴿عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ اعراض کرتے ہوئے اس کی جو آ چکا ہے آپ کے پاس حق ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً﴾ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے بنائی شریعت ﴿وَّ مِنْهَاجًا﴾ اور ایک راستہ ﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿لَجَعَلَكُمْ﴾ تو بناتا تمھیں ﴿اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ایک امت ﴿وَّ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ﴾ اور لیکن وہ تمھیں آزماتا ہے ﴿فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ﴾ ان قوتوں میں جو رب تعالیٰ نے تمھیں دی ہیں ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ﴾ پس سبقت کرو نیکیوں میں ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تم سب نے لوٹنا ہے ﴿فَیُنَبِّئُكُمْ﴾ پس وہ تمھیں بتائے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے رہے۔

اس سے پہلے بیان ہوا تھا کہ تورات بڑی جامع اور اہم کتاب تھی اور اس کے مطابق ہزاروں سال تک پیغمبر، مشائخ اور علماء فیصلے کرتے رہے۔ ﴿وَ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے بھیجا ان کے قدموں پر ﴿بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ﴾ عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کو ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ جو تصدیق کرنے والا تھا اس چیز کی جو اس کے سامنے تھی تورات۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

انجیل تورات کا تتمہ ہے

﴿وَ اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ﴾ اور ہم نے دی ان کو انجیل ﴿فِیْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ﴾ اس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی ﴿وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ اور انجیل بھی تصدیق کرنے والی تھی اس چیز کی جو اس سے پہلے تھی یعنی تورات۔ تورات اور انجیل کو اس طرح سمجھو جس طرح اخبار اور ضمیمہ ہوتا ہے۔ اخبار میں تو تفصیلی خبریں ہوتی ہیں اور ضمیمہ میں ایک آدھ خبر ہوتی ہے۔ تو انجیل دراصل تورات کا تتمہ تھی۔

﴿وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور وہ انجیل ہدایت تھی اور نصیحت تھی پرہیز گاروں کے لیے ﴿وَ لْیَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ﴾ اور چاہیے کہ فیصلہ کریں انجیل والے اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اس میں۔ یعنی انجیل میں جو احکام نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور اگر انجیل کے مطابق فیصلہ کریں گے تو آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا پڑے گا باوجود اس کے کہ انجیل میں تحریف ہو چکی ہے۔ اور اصل انجیل نایاب ہے پھر بھی یہ آیت انجیل یوحنا میں موجود ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کوخوش خبری سناتے ہوئے فرمایا''میں جانا چاہتا ہوں تا کہ دنیا کا سردار آئے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں ہے''۔یعنی میں جارہا ہوں کیونکہ دنیا کا سردار آنے والا ہے اور جوخوبیاں اور کمال ان کو حاصل ہیں وہ مجھے حاصل نہیں ہیں۔یہ حوالہ میں نے اپنی کتاب"عیسائیت کا پس منظر"میں درج کیا اور لکھا کہ انجیل کے ماننے والوں پر ضروری ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

اس پر ایک واقعہ پیش آیا۔وہ اس طرح کہ سردیوں کا موسم تھا کسی نے دستک دی میں نے بچے کو کہا کہ معلوم کرو کون ہے؟ بچے نے آکر بتایا کہ پینٹ کوٹ والے دو آدمی کھڑے ہیں۔میں چونکہ مصروف تھا،بچے کو کہا کہ ان کو بیٹھک میں بٹھاؤ اور اہلیہ کو کہا کہ چائے تیار کرو۔چائے تیار ہوگئی تو میں نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تمہارا کیا تعارف ہے؟کہاں سے تشریف لائے ہو؟اور کیسے آئے ہو؟ایک نے اپنا تعارف کرایا کہ میرا نام پطرس گل ہے۔اور انارکلی لاہور کے گرجا گھر کا انچارج ہوں۔ دوسرا بھی پادری تھا مگر میں اس کا نام بھول گیا ہوں کہنے لگے کہ ہم نے تمہاری کتاب''عیسائیت کا پس منظر''پڑھی ہے اس میں آپ نے انجیل یوحنا کا حوالہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جانا چاہتا ہوں کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔اس حوالے کا مصداق تم نے اپنے پیغمبر کو قرار دیا ہے۔حالانکہ تمہارا پیغمبر اس کا مصداق نہیں بنتا میں نے کہا کہ یہ حوالہ ہمارے پیغمبر پر کیوں صادق نہیں آتا؟ کہنے لگے۔اس سے مراد شیطان ہے۔میں نے کہا پادری صاحب بڑی عجیب بات ہے جو تم نے کہی ہے اچھا یہ بتاؤ کہ شیطان کس نعمت کا نام ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو اس کی خوش خبری دے رہے ہیں؟اور کیا تم شیطان کو دنیا کا سردار مانتے ہو؟اور کیا عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے شیطان نہیں تھا کہ وہ اب اس کے آنے کی خوشخبری سنا رہے ہیں؟۔ آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے کا سبب کون بنا تھا؟ پھر انجیل متی میں ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام شیطان کی جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں ہیں، لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو شیطان کو جوتیاں مارنے والے ہیں پھر وہ چلے گئے۔اندازہ لگاؤ!لوگ ایسی تاویلیں بھی کرتے ہیں۔خاموش کوئی نہیں رہتا۔

تو خیر!اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انجیل والوں کو چاہیے کہ وہ انجیل کے مطابق فیصلہ کریں۔اور دنیا کے سردار کی نبوت کو تسلیم کریں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صرف بنی اسرائیل کے لیے پیغمبر تھے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لیے پیغمبر بن کے آئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اور جس نے فیصلہ نہ کیا اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے،فرمایا﴿فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ پس وہی لوگ فاسق ہیں ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ اور ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب حق کے ساتھ ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے ہیں۔توراۃ،انجیل،زبور جو اصل ہیں قرآن پاک ان کی تصدیق کرتا ہے۔

﴿وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ اور قرآنِ پاک پہلی کتابوں کا نگران اور محافظ ہے۔قرآنِ کریم نے ان کے مضامین کی حفاظت فرمائی ہے اگر قرآنِ کریم ہمارے پاس نہ ہوتا تو ہمیں نہ توحید سمجھ آسکتی تھی، نہ پیغمبروں کا منصب سمجھ آسکتا تھا۔

محرف تورات میں توہین آمیز مضامین

آج کی توراۃ میں تو لکھا ہوا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ڈیرے پر شراب پی اور ننگے ہو گئے، معاذ اللہ تعالیٰ۔اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سفر پر جا رہے تھے کہ ایک موٹے تازے آدمی نے آکر ان سے لڑنا شروع کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ تو کون ہے؟ بلا وجہ میرے ساتھ ہاتھا پائی شروع کر دی ہے؟ لیکن وہ باز نہ آیا۔ساری رات لڑائی ہوتی رہی بالآخر صبح کے وقت یعقوب علیہ السلام نے اس کو لات ماری اور گرا دیا پھر پوچھا بتا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں تیرا رب ہوں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔ یہ رب ہے جو بندوں سے کشتی کرتا ہے اور پھر گر جاتا ہے یہ رب تعالیٰ کی توہین نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

اور یہ بھی لکھا ہے (بحوالہ کتاب پیدائش باب:۱۹۔ ۳۰ تا ۳۸) کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہماری خواہش پوری کرنے والا امرد تو ہے کوئی نہیں لہٰذا والد صاحب کو شراب پلا کر ایک ایک رات خواہش پوری کریں۔چنانچہ ایک رات شراب پلا کر ایک بیٹی ان کے ساتھ سوئی، دوسری رات دوسری ان کے ساتھ سوئی اور پھر ان سے بچے بھی پیدا ہوئے۔ ایک کا نام بن عمی رکھا اور دوسرے کا نام موآب رکھا۔ذرا سوچو! ہے کوئی یہ بات کرنے والی۔

اور یہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر بت پرستی ہوتی تھی اور یہودا نے اپنی بہو کے ساتھ بدکاری کی یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام ہے۔اگر قرآنِ کریم نہ ہوتا تو ہر چیز خلط ملط ہو جاتی اور کچھ بھی سمجھ نہ آتا۔قرآنِ کریم پہلی کتابوں کے اصل مضامین کا محافظ ہے۔

فرمایا ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان اس کے مطابق جو رب تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور آپ پیروی نہ کریں ان کی خواہشات کی ﴿عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ اعراض کرتے ہوئے اس کی جو آچکا ہے آپ کے پاس حق۔یعنی آپ کے پاس حق آچکا اس کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی بات پر کان نہ دھریں۔

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا﴾ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے بنائی شریعت اور ایک راستہ ﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ تو بنا تا تمھیں ایک امت۔اللہ تعالیٰ سب کو جبراً مومن بنانے پر بھی قادر ہے اور سب کو جبراً کافر بنانے پر بھی قادر ہے۔وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ﴾ اور لیکن وہ تمھیں آزماتا ہے ان قوتوں اور اسباب میں جو رب تعالیٰ نے تمھیں دیئے ہیں۔رب تعالیٰ نے تمھیں قوت، طاقت اور سمجھ عطا فرمائی۔اور حق و باطل اور جائز و ناجائز سے بھی

آگاہ فرمایا اور ہر چیز کا نتیجہ بھی بتایا ہے۔ اب تمہارا امتحان ہے کہ قوت، طاقت اور سمجھ کو کہاں استعمال کرتے ہو اس کے مطابق حساب اور فیصلہ ہو جائے گا کفر اور اسلام پر وہ مجبور نہیں کرتا۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔" رب تعالیٰ نے نیکی، بدی کا اختیار دیا ہے اور دیکھتا ہے کہ کون اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اور کون بے راہ روی اختیار کرتا ہے۔

قوتِ اختیاری کی آزمائش

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ پس تم سبقت کرو نیکیوں میں۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تم سب نے لوٹنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی سب نے وہاں پیش ہو کر جواب دینا ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے حساب لے گا۔

﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ پس وہ تمھیں بتائے گا وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ بتانے اور خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیکی، بدی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ بدی کی سزا ملے گی اور نیکی کا پھل سامنے آئے گا۔

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ﴾ اور یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی ﴿وَاحْذَرْهُمْ﴾ اور ان سے بچتے رہیں ﴿اَنْ يَّفْتِنُوْكَ﴾ کہ وہ آپ کو فتنے میں ڈال دیں ﴿عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ بعض ان چیزوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں ﴿فَاعْلَمْ﴾ پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جان لیں ﴿اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ﴾ پختہ بات ہے ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ يُّصِيْبَهُمْ﴾ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت میں مبتلا کرے ﴿بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ﴾ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ اور بے شک بہت سے لوگوں میں سے ﴿لَفٰسِقُوْنَ﴾ البتہ نافرمان ہیں ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ﴾ کیا پس یہ جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا﴾ اور کون ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والا ﴿لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ﴾ نہ بناؤ تم یہودیوں کو ﴿وَالنَّصٰرٰٓى﴾ اور نصرانیوں کو ﴿اَوْلِيَآءَ﴾ دوست ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ بعض ان کے دوست ہیں بعض کے ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ﴾ اور جس نے ان کے ساتھ دوستی کی تم میں سے ﴿فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ پس بے شک وہ انہی میں سے ہوگا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو۔

بات پہلے سے یہ چلی آ رہی ہے کہ یہودیوں کے شادی شدہ مرد، عورت نے بدکاری کی اور وہ مقدمہ لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے کہ کوئی نرم سی سزا ہو جائے جرمانہ ہو جائے، کوڑے لگ جائیں یا قید کی سزا ہو جائے۔ لیکن ان کی یہ تدبیر ان کے کام نہ آئی اور آپ ﷺ نے اسلام اور توراۃ کے مطابق رجم کا حکم جاری فرمایا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہماری خواہش کے مطابق فیصلہ ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ﴾ اور یہ کہ آپ (ﷺ) فیصلہ کریں ان کے درمیان ﴿بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ اگر شادی شدہ مرد عورت زنا کا ارتکاب کریں اور اس پر گواہ موجود ہوں یا وہ خود اقرار کریں اپنے گناہ کا تو ان کو رجم کیا جائے گا۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی کہ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی نرم سا حکم مل جائے اور رجم سے بچ جائیں۔ ایسا بالکل نہیں کرنا۔ ﴿وَاحْذَرْهُمْ﴾ اور ان سے بچتے رہیں۔

﴿اَنْ يَّفْتِنُوْكَ﴾ کہ وہ آپ کو فتنے میں ڈال دیں ﴿عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ بعض ان چیزوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں آپ (ﷺ) کی طرف۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کو ٹال کر تمھیں فتنہ میں مبتلا کر دیں لہٰذا آپ ﷺ ان کو صاف صاف کہہ دیں کہ جو تم چاہتے ہو وہ ہم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن کریم اور توراۃ کے مطابق ہم رجم ہی کریں گے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ پھر جائیں کہ حق سے اعراض کریں ﴿فَاعْلَمْ﴾ پس آپ (ﷺ) جان لیں ﴿اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ﴾ پختہ بات ہے ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ يُّصِيْبَهُمْ﴾ یہ کہ ان کو مصیبت میں مبتلا کرے ﴿بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ﴾ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے۔ چنانچہ جب الزام ثابت ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ مجمع میں یہودی بھی تھے، عیسائی بھی تھے، منافق بھی تھے اور مسلمان بھی تھے سب کی موجودگی میں آنحضرت ﷺ کی سرپرستی میں ان کو رجم کیا گیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب لوگ پتھر مارتے تھے یہودی اس عورت پر گر پڑتا تھا کہ اس کو پتھر نہ لگیں۔ بہرحال دونوں کو رجم کر دیا گیا اور ان کی میتیں ان کے وارثوں کے حوالے کر دی گئیں۔ رجم کا حکم توراۃ میں تھا اور قرآنِ کریم میں بھی رجم کا حکم ہے۔ وہ آیت کریمہ اگرچہ تلاوۃً منسوخ ہے مگر حکم باقی ہے۔

اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ .....(الآیۃ) تلاوت منسوخ مگر حکم باقی ہے

آیت کریمہ یہ ہے: اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رجم کا حکم یہودیوں کے لیے تھا اور آپ ﷺ نے یہودیوں کو ہی رجم فرمایا تھا تو یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کے متعلق رجم کا حکم دیا اور ان کو رجم کیا گیا۔

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

واقعہ اس طرح ہوا کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ حضرت ماعز بن اسلم اسلمی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ حضرت! مجھ سے بدکاری سرزد ہوگئی ہے اور میں ہوں بھی شادی شدہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ اقدس دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وہ ادھر سے سامنے آکر کھڑے ہوگئے کہ حضرت! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ اقدس تیسری طرف پھیر لیا وہ ادھر سامنے آکر کھڑے ہوگئے اور اپنے جرم کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ اقدس چوتھی طرف پھیر لیا۔ وہ ادھر ہی سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ اور کہا کہ حضرت! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے مجھے پاک کرو تاکہ میری آخرت خراب نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے محلہ داروں سے دریافت فرمایا کہ یہ پاگل تو نہیں ہے؟ کہنے لگے حضرت نہیں! یہ تو بڑا سمجھ دار آدمی ہے۔ پھر دریافت فرمایا کہ یہ نشہ تو نہیں کرتا؟ معلوم ہوا کہ نہیں وہ نشہ بھی نہیں کرتا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق رجم کا حکم فرمایا اور ان کو رجم کیا گیا۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ تو مسلمان تھے، صحابی تھے، یہودی نہیں تھے''۔

ایک عورت کے رجم کا عجیب وغریب واقعہ

اس طرح ایک عورت کا واقعہ بھی آتا ہے بخاری اور مسلم کی روایت ہے ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی ''حضرت! مجھ سے یہ گناہ ہوا ہے، لہٰذا مجھے پاک کردو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق بھی دریافت فرمایا کہ یہ پاگل تو نہیں ہے یا نشہ تو نہیں کرتی؟ معلوم ہوا کہ نہ پاگل ہے نہ نشہ کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ ابھی تم جاؤ، سوچیں گے۔ اس نے کہا کہ تم مجھے ٹالنا چاہتے ہو مجھے پاک کرو۔ میرے پیٹ میں بچہ بھی حرام کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ غلطی تیری ہے بچے کی تو نہیں ہے؟ لہٰذا بچے کی ولادت کے بعد آنا۔ چنانچہ وہ عورت چلی گئی اور بچے کی پیدائش کے بعد پھر آگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دودھ پلانے والی کوئی ہے؟ کہنے لگی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ اس کو دو سال دودھ پلاؤ جب یہ روٹی کھانے لگ جائے پھر آنا۔ دو سال بعد وہ عورت بچے کو اٹھائے ہوئے پھر آگئی اور بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بچے کو کہا کہ روٹی کھاؤ۔ اس نے روٹی کھانا شروع کی، کہنے لگی حضرت! یہ روٹی کھانے کے قابل ہوگیا ہے۔ اب تو مجھے پاک کردیں۔ اندازہ لگاؤ کہ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود اس کا نظریہ نہیں بدلا اس کو بھی رجم کیا گیا''۔ تو یہ کہنا کہ رجم کا حکم یہودیوں کے لیے تھا بالکل غلط بات ہے۔ مسلمانوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ﴾ اور بے شک بہت سے لوگوں میں سے البتہ نافرمان ہیں ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ﴾ کیا پس یہ جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں۔ کہ ادھر اُدھر پھر رہے ہیں کہ ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ ہوجائے۔ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا﴾ اور کون ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والا؟ اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ توراۃ میں بھی رجم ہے۔ اور اس شریعت میں بھی اس جرم کی سزا رجم ہے۔ اور رب تعالیٰ کا حکم ہے ﴿لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے۔ او

جو رب تعالیٰ پر ایمان اور یقین نہیں رکھتے ان کی بات جدا ہے۔ جب یہود و نصاریٰ توراۃ و انجیل پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ توراۃ و انجیل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت موجود ہے۔ مگر انھوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا تو پھر مسلمانو! تمہارے لیے رب تعالیٰ کا حکم یہ ہے۔

یہود و نصاریٰ سے موالات کی ممانعت

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿ لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ﴾ نہ بناؤ تم یہودیوں کو اور نصرانیوں کو دوست ﴿ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ بعض ان کے دوست ہیں بعض کے۔ یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی جائز نہیں ہے۔ مسجد نبوی زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً کے امام اور خطیب علامہ حذیفی نے خطبہ جمعہ میں یہی آیت کریمہ تلاوت کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے اور تم نے ان کے ساتھ یارانے لگائے ہوئے ہیں اور ان کی فوجیں سرزمین عرب میں داخل کی ہوئی ہیں۔ میں شاہ فہد اور اس کے تمام ارکانِ حکومت کو کہتا ہوں کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی نہ رکھو اور ان کی فوجوں کو یہاں سے نکالو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مسلم شریف اور ترمذی شریف میں موجود ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ)) یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو خود ان کو نکال دوں گا۔ لَا اَتْرُكُ فِيْهَا اِلَّا مُسْلِمًا مسلمانوں کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔" (یہ اعلان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں فرمایا)۔

علامہ حذیفی نے فرمایا کہ قرآنِ کریم کا بھی حکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی حکم ہے اور تم اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہو اور مکہ و مدینہ اسلام کا مرکز ہے۔ پھر تمہارا ایسا کرنا بڑا ظلم ہے۔ اگرچہ حکومت مضبوط ہے مگر انھوں نے آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ کل پروردگار کو کیا جواب دوں گا حق بیان کر دیا اور حق بیان کرنے کی پاداش میں ان کو امامت اور خطابت سے معزول کر دیا گیا۔ اس وقت معلوم نہیں کہ قید ہیں یا آزاد کر دیا گیا ہے۔ (اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امامت اور خطابت کے منصب پر فائز ہیں یعنی ان کو بحال کر دیا گیا ہے۔ مرتب: نواز بلوچ)۔

امریکہ کی چال بازی

حق کہنے کی پاداش میں کئی سو علماء اس وقت بھی سعودیہ کی جیلوں میں بند ہیں۔ اور امریکہ کی فوجیں اسی طرح موجود ہیں اور ظلم کی بات یہ ہے کہ امریکی فوج کے تمام تر اخراجات، قیام و طعام، جس میں شراب اور خنزیر بھی شامل ہیں اور علاج معالجہ بھی سعودی حکومت کے ذمہ ہیں۔ سعودیہ کے ذہن میں انھوں نے یہ بات بٹھائی ہے کہ تجھے عراق کھا جائے گا ہم تیری حفاظت کے لیے آ رہے ہیں۔ بے شک عراق کے پاس دولت بہت ہے مگر فوجی طاقت تو اتنی نہیں ہے کہ وہ تنہا سعودیہ کو کھا جائے گا اور سعودیہ کے تیل پر مکمل طور پر امریکہ قابض ہے۔ اور عراق اپنا تیل اس وقت تک نہیں بیچ سکتا جب تک امریکہ سے اجازت نہ لے۔

ارے تم چچا لگتے ہو کہ وہ تم سے اجازت لے۔ ملک ان کا، تیل ان کا، مزدوران کے۔ بیچیں نہ بیچیں تمہاری اجازت کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بہر حال یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی جائز نہیں ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ﴾ اور جس نے ان کے ساتھ دوستی کی تم میں سے ﴿فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ پس بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔ یعنی وہ پختہ مسلمان نہیں ہوسکتا بے شک نام اس کا مسلمانوں والا ہو۔ لیکن ہوگا وہ یہودی اور عیسائی ہی۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے والا کس طرح مسلمان ہوسکتا ہے آج مسلمانوں کے جتنے ملک ہیں سوائے طالبان کے اکثر امریکہ کے پٹھو اور اس کے حاشیہ بردار ہیں۔ کیا سعودیہ، کیا شام یا مصر، کیا لیبیا اور کیا دوسرے جو کچھ وہ کہتا ہے کرتے ہیں۔ اور جو ان کے خلاف آواز بلند کرتا ہے وہ تخریب کار ہے، دہشت گرد ہے۔ طالبان امریکی خواہش کے مطابق جب روس کے ساتھ لڑ رہے تھے تو مجاہد تھے اب امریکی غرض ختم ہوگئی ہے تو دہشت گرد بن گئے ہیں یہ کتنی زیادتی اور ظلم کی بات ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو۔ لہٰذا تم ظلم نہ کرنا اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی نہ لگانا۔

﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ﴾ پس تو (اے مخاطب) دیکھے گا ان لوگوں کو ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے ﴿يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ﴾ دوڑتے ہیں ان کے اندر جا ملنے کے لیے ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿نَخْشٰى﴾ ہم ڈرتے ہیں ﴿اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ﴾ یہ کہ ہمیں کوئی پہنچے گردش ﴿فَعَسَى اللّٰهُ﴾ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ﴾ یہ کہ لائے فتح ﴿اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ یا اور کوئی معاملہ اپنی طرف سے ﴿فَيُصْبِحُوْا﴾ پس ہو جائیں وہ منافق ﴿عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اس چیز پر جو انھوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھی ﴿نٰدِمِيْنَ﴾ شرمندہ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿اَهٰٓؤُلَآءِ﴾ کیا یہ لوگ ہیں ﴿الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ جنھوں نے قسمیں کھائیں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ﴿جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ مضبوط قسمیں ﴿اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ﴾ کہ وہ البتہ تمہارے ساتھ ہیں ﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ ضائع ہو گئے اعمال ان کے ﴿فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ پس ہو گئے وہ نقصان اُٹھانے والے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو! ﴿مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ﴾ جو مرتد ہو گیا تم میں سے ﴿عَنْ دِيْنِهٖ﴾ اپنے دین سے ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ﴾ پس عنقریب اللہ تعالیٰ لائے گا ﴿بِقَوْمٍ﴾ ایسی قوم ﴿يُّحِبُّهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ محبت کرے گا ﴿وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ نرم ہوں گے ایمان والوں پر ﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ زبردست ہوں گے کافروں کے لیے ﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

اللہِ﴾ جہاد کریں گے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ﴿وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ اور نہ خوف کریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللہِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ﴿یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ﴾ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَاللہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے۔

منافقین کا رویہ

گزشتہ آیات میں ایمان والوں کو خطاب تھا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو ان کے ساتھ دوستی لگائے گا اس کا شمار انہی میں سے ہوگا۔ اور آج کی آیات میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَتَرَى الَّذِیْنَ﴾ پس (اے نبی کریم ﷺ!) آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے ﴿یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ﴾ دوڑتے ہیں ان کے اندر جا کے ملنے کے لیے۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ کلمہ بھی پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کی مجالس میں باقاعدہ حاضری بھی دیتے تھے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان کی دوستی بھی تھی اور کہتے کیا ہیں۔

فرمایا ﴿یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى﴾ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں ﴿اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىِٕرَةٌ﴾ یہ کہ ہمیں پہنچے کوئی گردش۔ یعنی ہم یہودیوں کے ساتھ دوستی اور ملاپ اس لیے رکھتے ہیں کہ اگر قحط پڑ گیا یا کوئی مجبوری بن گئی یا قرض لینے کی ضرورت پیش آ گئی تو ان سے اپنی ضرورت پوری کریں گے۔ یہود و نصاریٰ سے تعلق قائم رکھنے کا جواز پیش کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَعَسَى اللہُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ﴾ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لائے فتح۔ ان کی امداد کے بغیر۔ ﴿اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ یا اور کوئی معاملہ اپنی طرف سے پیدا فرما دے کہ تم ان کے محتاج ہی نہ رہو۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کے احکام بڑے صاف اور واضح ہیں۔ اور یہ حکم بھی رب تعالیٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی مت لگاؤ اور ان کے ساتھ تعلق جوڑنے میں کسی بہانے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ تمہارے کبھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ اور دنیا کے حالات و واقعات اللہ تعالیٰ کے احکام پر شاہد عادل ہیں۔

پاکستان کا جنگی معاہدہ

چنانچہ پاکستان بننے کے بعد حکومت پاکستان نے امریکہ کے ساتھ جنگی معاہدہ کیا کہ اگر تم پر کسی نے حملہ کیا تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اگر ہم پر کسی نے حملہ کیا تو تم ہماری مدد کرو گے اگر ہماری کسی سے جنگ ہو گی تو تم ہمارے ساتھ شریک ہو گے۔ اور مدد کرو گے۔ اور اگر تمہاری کسی کے ساتھ جنگ ہو گی تو ہم تمہارے ساتھ شریک ہوں گے اور مدد کریں گے اس وقت یہ مسجد چھوٹی سی ہوتی تھی جو کافی بوڑھے حضرات تشریف فرما ہیں ان کو یاد ہو گا کہ میں نے خطبہ جمعہ کے دوران میں اس معاہدہ کی

تردید کی اور کہا کہ امریکہ کے ساتھ حکومت نے جو معاہدہ کیا ہے غلطی کی ہے۔ کیونکہ کبھی بھی مسلمانوں کو کافر سے فائدہ نہیں ہوا اور یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے لہٰذا کافروں سے کسی قسم کی توقع رکھنا عبث اور غلط ہے۔

دورانِ کلام نوجوان کی تلخ کلامی

دورانِ تقریر میں گکھڑ کا ایک نوجوان کھڑا ہو گیا جو خاصا گرم اور تیز تھا میں اس کا نام نہیں لیتا غیبت ہو جائے گی۔ کہنے لگا تم مولویوں کے ذہن ہی فضول ہوتے ہیں یہ کوئی مولویوں کا آپس میں معاہدہ تو نہیں ہے۔ اور نہ ہی عام دو پارٹیوں کا معاہدہ ہے یہ تو دو حکومتوں کا معاہدہ ہے۔ میں نے کہا برخوردار! میں نے جو کچھ کہا ہے قرآن وسنت کی روشنی میں کہا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی ذات کوئی نہیں ہے۔ لیکن وہ خاصا گرم تھا میرے اوپر اس نے حملہ آور ہونے کی بھی کوشش کی اور جمعہ بھی نہ پڑھا اور بڑبڑاتا ہوا چلا گیا کہ میں تمہارے ساتھ نمٹ لوں گا۔ اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے حاجی ملک محمد اقبال صاحب کو۔ وہ مسلسل کئی دنوں تک مجھے گھر سے ساتھ لے کر آتے تھے اور پھر واپس گھر چھوڑ کر آتے تھے کہ کہیں وہ نوجوان غلط قدم نہ اٹھائے کیونکہ وہ دھمکی دے کر گیا تھا۔

امریکہ کی دھوکا دہی

اس کے بعد ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی معاہدہ ہونے کے باوجود امریکہ نے ہمارا ساتھ نہ دیا بلکہ ۱۹۷۱ء کی جنگ خود امریکہ نے ہم پر مسلط کرائی اور ہمیں ٹینکوں اور جہازوں کے سپیئر پارٹس تک نہ دیئے۔ کیا فائدہ کافروں کے ساتھ معاہدوں کا؟ رب تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ کافروں سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اللہ تعالیٰ خود ہی مسلمانوں کی نصرت فرمائیں۔

اور مسلمانوں کی کامیابیوں کو دیکھ کر ﴿فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ﴾ پس ہو جائیں وہ منافق اس چیز پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھی ہوئی ہے شرمندہ کہ انھوں نے تمہارا کسی قسم کا کوئی ساتھ نہیں دیا اور اس پر تاریخ شاہد ہے کہ کافروں پر جب بھی اعتماد کیا ہے وہ اعتماد پر پورے نہیں اترے۔ بلکہ الٹا انہوں نے نقصان پہنچایا ہے۔ منافقین، یہودِ مدینہ کو بڑا مضبوط سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے اندرونی طور پر ان کے ساتھ تعلق رکھتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے یہودِ مدینہ کو مغلوب کر دیا کچھ مارے گئے اور کچھ کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اور منافقین کی امیدیں ختم ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ کیا یہ لوگ ہیں جنھوں نے قسمیں کھائیں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ﴿جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ﴾ مضبوط قسمیں ﴿اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ﴾ کہ وہ البتہ تمہارے ساتھ ہیں۔ کہ ہم بھی مومن ہیں۔ یہود کے ساتھ تعلق تو صرف اس لیے رکھا ہوا ہے کہ کوئی ضرورت پیش آجائے تو کام آجائیں۔

﴿حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ﴾ ضائع ہو گئے اعمال ان کے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ان کو یہود کے ساتھ تعلقات کام نہ آئے اور آخرت میں بھی ان کے اعمال کام نہیں آئیں گے اور دوزخ کے نچلے طبقے میں سزا پائیں گے۔
﴿فَاَصۡبَحُوۡا خٰسِرِيۡنَ﴾ پس ہو گئے وہ نقصان اٹھانے والے۔

ہمارے حکمرانوں کی بے غیرتی

اللہ تعالیٰ کے واضح اور صاف حکم کے باوجود ہمارے حکمران ان کے تابع ہیں اس حد تک کہ بجلی اور سوئی گیس کا ریٹ اور دیگر اہم مالی معاملات ان کی راہنمائی میں طے پاتے ہیں۔ گویا کہ ہم ہر چیز میں ان کے محتاج ہیں۔ اور عراق کا یہ حال ہے کہ وہ اپنا تیل اپنی مرضی سے نہیں بیچ سکتا۔ اقتصادی پابندیاں لگائی ہوئی ہیں بچے بھوکوں مر رہے ہیں ان کو دوائیاں قیمتاً بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں غیرت نہیں بیدار ہوگی کام نہیں بنے گا۔ اور سعودیہ حکومت نے امریکہ صاحب کو اپنے سر پر بٹھایا ہوا ہے۔ اس وقت عرب ممالک میں اس کے سولہ ہوائی اڈے ہیں۔ اور سعودیہ کے اپنے سات، آٹھ بھی نہیں ہوں گے۔

مومنین کی صفات کا تذکرہ

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ اے ایمان والو! ﴿مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ﴾ جو مرتد ہو گیا تم میں سے اپنے دین سے۔ وہ رب تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ﴿فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ﴾ پس عنقریب اللہ تعالیٰ لائے گا ایسی قوم ﴿يُّحِبُّهُمۡ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ محبت کرے گا ﴿وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ نرم ہوں گے ایمان والوں پر ﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ زبردست ہوں گے کافروں کے لیے۔ چاہے تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں اور اگر منافقت اختیار کرو گے اور کافروں کا سہارا تلاش کرو گے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی رکھو گے تو اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ البتہ تمہارا اپنا نقصان ہوگا ساری کفریہ طاقتیں مل کر چاہیں کہ اسلام ختم ہو جائے نہیں ختم ہو سکتا کیونکہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ [الصف:۸] اور اللہ تعالیٰ اپنے نور اسلام کو، نورِ توحید کو چمکائے گا۔ چاہے کافر جلتے رہیں۔

کفار پر غلبہ

الحمد للہ! باوجود اس کے کہ امریکہ، برطانیہ اسلام کو مٹانے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں پھر بھی امریکہ، برطانیہ اور دوسرے کافر ملکوں میں خاصی تعداد میں لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ اور اگر ہم اپنی کمزوریاں دور کر لیں ایمان اعتقاد اور اعمال قرآن و سنت کے مطابق بنالیں اور ظاہری شکل و صورت بھی خدا، رسول کے تابع کر دیں تو اسلام اور زیادہ پھیل سکتا ہے، یہ ہمارا ایمان ہے۔

مسلمانوں کی روز افزوں ترقی

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ بارہ ہزار مسلمان قلت کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے کوئی اور سبب درمیان میں آجائے تو الگ بات ہے فرمایا ﴿یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ جہاد کریں گے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ﴿وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ﴾ اور نہ خوف کریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا۔

مجاہد کسی ملامت کا خوف نہیں رکھتا

یعنی وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے نہ کسی باطل پرست کی طعن وتشنیع ان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جس طرح آج کل مجاہدین باطل کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ جب روس کے خلاف لڑ رہے تھے تو مجاہد تھے کیونکہ اس میں امریکہ کے مقاصد شامل تھے۔ اب روس ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے۔ تو اب وہ مجاہد دہشت گرد بن گئے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ رب تعالیٰ امریکہ کے بھی ضرور ٹکڑے کرے گا جو حکومتِ پاکستان کو کہہ کر مجاہدین پر ظلم کر رہا ہے اور ان پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ میں ایمان کی روشنی میں کہتا ہوں کہ مجاہدین پر نہ یہ حکومت پابندی لگا سکتی ہے نہ امریکہ لگا سکتا ہے۔ ان کی پابندیوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا وہ جہاد کرتے رہیں گے وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈریں گے چاہے امریکہ ہو یا اس کے پٹھو ہوں۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ وُسعت والا جاننے والا ہے۔ اس سے زیادہ جاننے والا اور کوئی نہیں ہے۔

﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ﴾ دوست تمہارا اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَرَسُوْلُهٗ﴾ اور اس کا رسول ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اور وہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لائے ﴿الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ مومن وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں ﴿وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ اور وہ عاجزی کرتے ہیں ﴿وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور جو دوستی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ﴿فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ پس بے شک گروہ اللہ تعالیٰ کا وہی غالب آئے گا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ﴾ نہ بناؤ ان لوگوں کو ﴿اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا﴾ جنھوں نے بنایا ہے تمہارے دین کو تمسخر ﴿وَّلَعِبًا﴾ اور کھیل ﴿مِّنَ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے ﴿وَالْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ﴾ اور کافروں کو دوست ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اگر تم مومن ہو ﴿وَاِذَا نَادَیْتُمْ﴾ اور جب تم اذان

دیتے ہو ﴿اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ نماز کے لیے ﴿اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا﴾ بناتے ہیں اس کو مسخرہ ﴿وَّلَعِبًا﴾ اور کھیل ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسی قوم ہے جو عقل نہیں رکھتی، سمجھتی نہیں ہے۔

ربط آیات

پچھلے رکوع کی ابتدا میں اس کا ذکر تھا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ تو پھر کن کو دوست بنائیں؟

مومن کا حقیقی دوست کون؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ پختہ بات ہے دوست تمہارا، تمہارا آقا، تمہارا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول ﷺ ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اور ان کی نصرت کا وعدہ فرما چکا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اور وہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لائے۔ یعنی تمہاری دوستی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں کے ساتھ ہونی چاہیے مومنوں کی کیا پہچان ہے۔ کیونکہ منہ سے بہت سارے لوگ اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ مومنوں کے اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ جن میں یہ صفتیں ہوں وہ مومن ہیں۔

مومنین کی صفات کا ذکر

①...... ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ مومن وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں۔ جو شخص نماز کی پابندی نہیں کرتا اور اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہے، غلط فہمی کا شکار ہے۔

تارکِ صلوٰۃ کا حکم

حدیث پاک میں آتا ہے۔ ((مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ)) "جس نے دیدہ و دانستہ ایک نماز چھوڑ دی اس نے کھلا کفر کیا۔" امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس نے ایک نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا، مرتد ہو گیا۔ اس کی سزا قتل ہے۔ ایمان والوں کی دوسری صفت:

ادائیگی زکوٰۃ کی حکمت اور فلسفہ

②...... ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت اور اس کا تعلق ہر امیر غریب کے ساتھ ہے کچھ زکوٰۃ دینے والے ہیں اور کچھ لوگ زکوٰۃ لینے والے ہیں۔ اور یہ بخل اور حرص کی بیماری کا علاج ہے کہ اس سے انسان کے ذہن سے بخل اور حرص کا مادہ خارج ہوتا ہے اور غربا، مساکین کی حاجات پوری ہوتی ہیں۔ تیسری صفت:

③...... ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔

’’مصداقِ رکوع‘‘ میں مفسرین کے اقوال

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں رکوع سے مراد نماز والا رکوع نہیں ہے بلکہ اس سے عاجزی اور انکساری مراد ہے کہ مومن وہ ہیں جو عاجزی اور انکساری کرنے والے ہیں۔ بعض مفسرینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ:

’’رکوع سے مراد نماز والا رکوع ہی ہے۔ اور اس کا یہاں خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ یہودیوں کے ساتھ امتیاز ہو جائے کیونکہ ان کی نماز میں رکوع نہیں تھا تو پھر معنیٰ ہوگا کہ مومن وہ ہیں جو رکوع کرنے والے ہیں‘‘۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور جو دوستی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں جن کی صفات بیان ہوئی ہیں۔ ﴿فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ پس بے شک گروہ اللہ تعالیٰ کا وہی غالب آئے گا۔ یہی گروہ غالب آئے گا دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ حق والے تھوڑے ہونے کے باوجود غالب ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران:۱۳۹] ’’اور تم ہی غالب ہو اگر ہو تم مومن۔‘‘ مطلب یہ ہے جب تم مومن ہو گے تو تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوگا وہ تمہاری کامیابی کے اسباب پیدا فرمائے گا بلکہ وہ اسباب کا بھی محتاج نہیں ہے۔ بغیر اسباب کے بھی مدد فرمائے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم نہیں ہوگا۔ تو نصرت نہیں آئے گی اس کو تم اس طرح سمجھو کہ یہ لاؤڈ سپیکر چل رہا ہے۔ پنکھے چل رہے ہیں، بتیاں روشن ہیں، کیونکہ ان کا مرکز کے ساتھ کنکشن ہے جوڑ ہے، اگر یہ کنکشن کاٹ دیا جائے تمام چیزیں بند ہو جائیں گی۔ اسی طرح جب رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوگا تو وہ قادرِ مطلق ہے، فرشتوں کے ذریعے بھی مدد کر سکتا ہے فرشتوں کے بغیر بھی مدد کر سکتا ہے۔ اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے والی سب سے بڑی چیز نماز ہے۔ پھر وہ بھی جماعت کی پابندی کے ساتھ ادا ہو پھر اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی سے منع فرماتے ہیں۔

غلبہ مومنین کے لیے شرط کفار سے قلبی دوستی سے ممانعت

ارشادِ ربانی ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا﴾ نہ بناؤ ان لوگوں کو جنھوں نے بنایا ہے تمہارے دین کو تمسخر اور کھیل ﴿مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ ان لوگوں میں سے جن کو دی گئی کتاب ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے ﴿وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ﴾ اور دوسرے کافروں کو دوست۔

ربط رکوع

پہلے رکوع میں جو حکم بیان ہوا تھا اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی نہیں کرنی اور ان کے علاوہ

دوسرے کافروں سے دوستی کرلیں تو کوئی ڈر نہیں ہے۔ یہاں وضاحت فرمادی کہ نہ یہود و نصاریٰ سے دوستی جائز ہے اور نہ دوسرے کافروں سے دوستی جائز ہے۔ اور وجہ بھی بیان فرمادی کہ انھوں نے تمہارے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ دیکھو! تمہارے باپ کا کوئی مذاق اڑائے یا ماں کا مذاق اڑائے تو کتنا غصہ آتا ہے اور دین تو ماں، باپ سے بھی زیادہ قیمتی سرمایہ ہے اس کا کوئی مذاق اڑائے تو زیادہ غصہ آنا چاہیے۔ مگر آئے گا اسے جو مومن ہوگا۔

فلم "حج" اور احتجاج

۱۹۳۵ء کی بات ہے میں گوجرانوالا میں پڑھتا تھا۔ انگریز کی حکومت کا زمانہ تھا۔ گوجرانوالا میں ایک ہندو کا سینما تھا انہوں نے اعلان کیا کہ ہم حج کی فلم دکھائیں گے تمام مسالک کے علماء اکٹھے ہوئے دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث، مشاورت کی اور جلسہ عام رکھا اور اس میں احتجاج کیا کہ حج ہماری عبادت ہے اس کو کھیل تماشے کے طور پر پیش کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ لہٰذا اس فلم کو بند کیا جائے۔ جلسے کے بعد احتجاجی جلوس بھی نکالا میں خود اس جلوس میں شریک تھا۔ انگریز نے احتجاج کو تسلیم کیا اور فلم بند کرادی اور حج فلم پر پابندی لگادی۔ اس کے بعد پاکستان بن گیا اور خانہ خدا کے نام سے فلم تیار کی گئی۔ اور لوگوں کو دکھائی گئی۔

الحمدللہ! میں نے آج تک سینما نہیں دیکھا۔ لوگ بتاتے رہتے ہیں کہ وہاں یہ کچھ ہوتا ہے۔ انہی دنوں میں شیخوپورہ میں بہت بڑا جلسہ تھا حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ جو چوٹی کے مقرر تھے ان کا خصوصی خطاب تھا اور میری صدارت تھی۔ مجھے چونکہ ساتھیوں نے صدر بنایا تھا میرے پاس رقعے آنے شروع ہوگئے ان میں سے ایک رقعہ کے اوپر لکھا ہوا تھا کہ انگریزی دور میں علماء حج فلم پر احتجاج کرتے تھے اور آج حج فلم دکھائی جارہی ہے۔ علماء خاموش کیوں ہیں؟

مولانا جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر کے دوران ہی وہ رقعہ میرے ہاتھ سے لے لیا۔ مولانا بڑے ذہین اور حاضر جواب تھے۔ فرمایا کہ بھائی کسی صاحب نے یہ رقعہ لکھا ہے کہ انگریز کے زمانہ میں علماء نے حج فلم پر احتجاج کیا تھا اور انگریز نے پابندی لگادی تھی اب پاکستان میں "خانہ خدا" فلم چل رہی ہے علماء احتجاج کیوں نہیں کرتے؟ خاموش کیوں ہیں؟ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "علماء خاموش نہیں ہیں اب بھی اس کی تردید کرتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ مائیں دو قسم کی ہوتی ہیں حقیقی اور سوتیلی۔ حقیقی ماں اپنے بچے کو بے تحاشا مارتی ہے اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ اور سوتیلی ماں بچے کو مارتے ہوئے گھبراتی اور ڈرتی ہے کہ لوگ کہیں گے کہ سوتیلی ہے اس لیے ماررہی ہے"۔

فلم "حج" اور مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف

مثال دے کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے ہماری بے بے (ماں) برطانیہ تھی وہ سوتیلی ماں تھی اور اب ہم حقیقی بے بے کے وَس پڑ گئے ہیں۔ یعنی حکومت پاکستان پر احتجاج کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اور یاد رکھنا! خالی تردیدوں اور احتجاجوں سے بھی کچھ

نہیں بنتا۔ بات اس وقت بنے گی جب طالبان کی طرح حکومت کا ڈنڈا ہاتھ آئے گا۔ برائی اس وقت ختم ہوگی جب افغانستان جیسے حالات پیدا ہوں گے وہاں جا کے دیکھو نہ گانا، نہ بینڈ، نہ باجا نہ اور کوئی برائی، ڈاڑھی منڈا تک تمھیں کوئی نظر نہیں آئے گا۔ انہوں نے معاشرے میں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کو نافذ کر دیا ہے۔ اور آپس میں اتفاق واتحاد کے ساتھ حکومت چلا رہے ہیں۔ اور یہاں فتنہ فساد اور اسمبلی مچھلی بازار بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ یہاں ممبران اسمبلی قانون بناتے ہیں اور ہر ممبر اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر رائے دیتا ہے۔ کوئی اپنی جاگیر کو سامنے رکھتا ہے کوئی مل اور کارخانے کو سامنے رکھتا ہے کوئی کاروبار کو سامنے رکھ کر رائے دیتا ہے کہ میرے کاروبار پر زد نہ پڑے اور طالبان کے پاس بنا بنایا قانون ''ہدایہ'' کی شکل میں موجود ہے۔ سارے حنفی مسلک کے لوگ ہیں ان کو نہ اسمبلی بنانے کی ضرورت ہے اور نہ قانون سازی کے لیے لڑنے کی ضرورت ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم مومن ہو ﴿وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ اور جب تم اذان دیتے ہو، نماز کے لیے بلاتے ہو۔ ﴿اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا﴾ بناتے ہیں اس کو مسخرہ اور کھیل، اذان کا مذاق اڑاتے ہیں اس طرح کہ جس طرح مؤذن کانوں میں انگلیاں ڈالتا ہے۔ اسی طرح کانوں میں انگلیاں ڈالتے آواز نکالتے، دائیں، بائیں چہرہ پھیرتے اور اذان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اسی طرح نماز کا بھی مذاق اڑاتے کہ کبھی کھڑے ہو جاتے پھر اوندھے ہوتے، یعنی نماز کے افعال کی نقل اتارتے اور کہتے یہ مسلمانی ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو! تمہاری غیرت کا تقاضا ہے کہ ان کو دوست نہ بناؤ۔ اور یہ لوگ دین کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں۔

فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسی قوم ہے جو عقل نہیں رکھتی، سمجھتی نہیں ہے۔ بے وقوف لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اصول بتائے ہیں کہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی نہیں کرنی اور جو لوگ دین کا مذاق اڑائیں ان کے ساتھ بھی دوستی نہیں ہونی چاہیے۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ کہہ دیں اے اہلِ کتاب! ﴿هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ﴾ نہیں انکار کرتے تم ہم سے ﴿اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ مگر اس بات سے کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اس چیز پر جو اُتاری گئی پہلے ﴿وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور بے شک تمھاری اکثریت نافرمان ہے ﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیں کیا میں تمھیں خبر دوں ﴿بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ﴾ اس سے بُری چیز کی ﴿مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ باعتبار جزا کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ﴿وَ غَضِبَ عَلَيْهِ﴾ اور ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ﴿وَ جَعَلَ مِنْهُمُ﴾ اور بنائے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ﴿الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ﴾ بندر اور خنزیر ﴿وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾ اور

اُنھوں نے عبادت کی طاغوت کی ﴿اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ وہی لوگ بُرے ہیں باعتبار درجے کے ﴿وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ اور زیادہ بہکے ہوئے ہیں سیدھے راستہ سے ﴿وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ﴾ اور جب وہ آتے ہیں تمھارے پاس ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ﴿وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ﴾ حالانکہ تحقیق وہ داخل ہوئے ہیں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں) کفر کے ساتھ ﴿وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ﴾ اور تحقیق وہ نکلے ہیں کفر کے ساتھ ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ﴾ اس چیز کو جو وہ چھپاتے ہیں۔

ربطِ آیات

اس سے پہلی آیات میں اس چیز کا بیان تھا کہ یہود و نصاریٰ اور دوسرے کافروں کو دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارے دین کے مخالف ہیں اور مسلمان کی قیمتی متاع دین، ایمان ہی ہے اور یہ ارکان اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں مثلاً: نماز کا، اذان کا مذاق کرتے ہیں نقالی کر کے۔

تمسخر کی صورت کا بیان

جس طرح مؤذن کانوں میں انگلیاں ڈال کر کلمات اذان بلند آواز سے کہتا ہے اور حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ پر چہرہ دائیں بائیں پھیرتا ہے اس کی نقل اتار کے مذاق اڑاتے ہیں۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ مؤذن جب اذان دے تو کانوں میں انگلیاں ڈالے تا کہ اس کو اپنی آواز بری نہ لگے۔ چاہے جتنی زور سے آواز نکالے۔

حدیث پاک میں اسی طرح آیا ہے اور کانوں میں انگلیاں ڈالنا نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت مؤکدہ بلکہ مستحب ہے۔ تو اگر کوئی شخص اذان دیتے ہوئے کانوں میں انگلیاں نہ بھی ڈالے تو اذان پھر بھی ہو جائے گی اور یہ کہ مؤذن بلند جگہ پر کھڑا ہو کر اذان دے تا کہ دور تک آواز جائے۔ اور حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کہتے وقت چہرہ دائیں طرف پھیرے اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہتے وقت چہرہ بائیں طرف پھیرے تا کہ دائیں بائیں طرف کے لوگ بھی سن لیں۔

اور یہ بھی حکم ہے کہ مؤذن جب اذان کہے تو اس کا جواب دو۔ وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو وہ ((اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) کہے تو تم بھی ((اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) کہو، وہ ((اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ)) کہے تو تم بھی ((اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ)) کہو اور جب مؤذن ((حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ)) کہے تو تم ((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)) کہو۔ جب اذان ہو جائے تو درود شریف پڑھنا ہے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھنی ہے: ((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَ الْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ))۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ((حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) میں اس کے لیے قیامت والے دن ضرور سفارش کروں گا۔ اور مغرب کی اذان کے بعد درود شریف

پڑھنے کے بعد اس دعا کے ساتھ ایک اور چھوٹی سی دعا پڑھنی ہے: ((اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِكَ وَاِدْبَارُ نَھَارِكَ وَ اَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْ لِیْ))۔ اس کا بڑا اجر ہے مگر بہت سارے لوگ اس سے غافل ہیں۔

غرضِ تمسخر

یہ مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ﴾ اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ کہہ دیں اے اہلِ کتاب! ﴿ھَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ﴾ نہیں انکار کرتے تم ہم سے مگر اس بات سے کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر۔

نَقَمَ کی لغوی تحقیق

نَقَمَ، یَنْقِمُ، ضَرَبَ، یَضْرِبُ سے۔ امام رازی رحمہ اللہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں ھَلْ تُنْکِرُوْنَ مِنَّا نہیں انکار کرتے تم ہم سے۔ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نَقَمَ، یَنْقِمُ، کے معنی انتقام کے نہ سمجھ لینا۔

تمسخر کا انجامِ کار

﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا﴾ اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی۔ قرآن اور احادیث پر ہم ایمان لائے ہیں احادیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ ﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اس چیز پر (بھی ہم ایمان لائے) جو اتاری گئی (ہم سے) پہلے۔ توراۃ پر، انجیل پر، زبور پر اور دوسرے آسمانی صحیفے جو نازل ہوئے ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

﴿وَاَنَّ اَکْثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور بے شک تمہاری اکثریت نافرمان ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن تھے کہ ان کی والدہ پر بہتان باندھتے تھے اور انہیں شریف آدمی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے اور عیسائی ضد میں آکر ان کی شریعت کو برا کہتے تھے۔ مگر الحمدللہ! ہم صاف دل ہیں کہ اپنی کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور پہلی تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور تمام پیغمبروں اور کتابوں کو واجب التعظیم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ قومی اسمبلی نے قانون پاس کیا کہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا موت ہے۔ رسالت کا لفظ عام ہے تمام پیغمبروں کو شامل ہے۔ جس پیغمبر کی بھی کوئی توہین کرے گا اس کو سزائے موت ہوگی۔ لیکن امریکہ بہادر اس بات پر مُصر ہے کہ اس قانون کو ختم کرو اور اپنے پیغمبر کی توہین کرنے کا ہمیں حق دو۔

بھائی! ہم تو تمام پیغمبروں کو قابلِ احترام و تعظیم سمجھتے ہیں۔ اور سب کے لیے یکساں قانون ہے۔ ہاں! اگر قانون یہ ہوتا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے والے کی سزا موت ہے تو پھر تمھیں اعتراض کرنے اور کچھ کہنے کا حق پہنچتا تھا۔ لہٰذا اب ان کا اعتراض کرنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ قانون تمام پیغمبروں کی عصمت اور عظمت کی حفاظت کے لیے ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دیں کیا میں تمھیں خبر دوں ﴿بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَۃً عِنْدَ اللّٰہِ﴾ اس سے بُری چیز کی باعتبار جزا کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اس سے جو تم ہماری نماز اور اذان کی نقل اتارتے

اور مذاق کرتے ہو، وہ کیا ہے؟ ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ جیسے عیسائی کہ یہ ملعون ہیں ﴿وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ اور ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ جیسے یہودی کہ وہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ ہیں۔

﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾ اور بنائے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بندر اور خنزیر۔

ایلہ شہر کی تحقیق

بحیرہ قلزم کے کنارے ایلہ نامی شہر تھا آج کل اس کا نام ایلات ہے اور یہودیوں کی بندرگاہ ہے۔ یہ شہر ہزار ہا سال سے چلا آرہا ہے۔ وہاں کے لوگوں کی بودوباش مچھلی کے شکار پر تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ان پر پابندی لگی کہ ہفتے والے دن تم شکار نہیں کرسکتے کیونکہ یہ عبادت کا دن ہے۔ اس دن عبادت کے سوا کسی کام کی اجازت نہیں تھی۔ جس طرح ہماری شریعت میں جمعہ کی اذان سے لے کر اختتامِ نماز تک ہر وہ کام جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے مکروہ تحریمی یعنی حرام ہے۔ اذان سے مراد پہلی اذان ہے۔ تمام فقہی کتابوں میں موجود ہے اَلْمُعْتَبَرُ هُوَ الْاَذَانُ الْاَوَّلُ پہلی اذان ہی معتبر ہے۔ تو پہلی اذانِ جمعہ سے لے کر اختتامِ صلاۃ تک بیچنا حرام، خریدنا حرام، لکھنا حرام، پڑھنا حرام، ہاں خطیب جمعہ کی تقریر کے لیے مطالعہ کر سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق جمعہ کے ساتھ ہے۔

نمازِ جمعہ میں اذان و افعال کی حیثیت

اللہ تعالیٰ کا واضح اور صاف حکم ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے ایمان والو! ﴿اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ دوڑو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ﴿وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو۔ ہاں غسل کرسکتا ہے، مسواک کرسکتا ہے، کپڑے بدل سکتا ہے، خوشبو لگا سکتا ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کا تعلق جمعہ کے ساتھ ہے۔ اور جس فعل کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے وہ جائز نہیں ہے۔ چاہے نکاح ہی کیوں نہ ہو۔

اذانِ اوّل کے بعد نکاح کا حکم

چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں اور مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں ''کہ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد اگر کسی نے نکاح پڑھایا تو نکاح نہیں ہوگا دوبارہ پڑھایا جائے'' حالانکہ نکاح کے متعلق آیا ہے کہ ''نکاح آدھا دین ہے'' لیکن چونکہ اس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے اس لیے وہ بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں جمعہ کی نماز کے بعد اپنا کام کرسکتے ہو اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ پس جب نماز ہو جائے تو پھیل جاؤ زمین میں اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ تو ہمارے لیے تو صرف پہلی اذان سے لے کر اختتامِ نمازِ جمعہ تک ممانعت ہے۔

یہود کے فرقے اور انجامِ کار

مگر یہودیوں کے لیے ہفتے کے چوبیس گھنٹے ممانعت تھی۔ سوائے عبادت کے اور کوئی کام جائز نہیں تھا۔ لیکن ان کے تین گروہ بن گئے۔

① ...... مچھلیاں پکڑنے والا۔

② ...... منع کرنے والا۔

③ ...... اور تیسرا انہوں نے کچھ دن تو ان کو منع کیا مگر جب وہ باز نہ آئے تو وعظ کرنا چھوڑ دیا۔

ایک گروہ آخر تک ان کو منع کرتا رہا۔ خدا کی شان کہ مچھلیاں ہفتے والے دن اوپر تیرتی ہوئی نظر آتیں اور آگے پیچھے نظر نہیں آتی تھیں۔ تو جن لوگوں نے شکار کیا ان میں سے جو بوڑھے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے خنزیر کی شکل میں بدل دیا اور جو جوان تھے ان کو بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اور وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور روتے تھے۔ مگر وہ تین دن کے بعد ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی آگے نسل نہیں چلی۔ آج کل جو بندر اور خنزیر ہیں یہ حیوانوں کی نسل ہے۔

یہ ہماری اذان اور نماز کی نقل اتارتے ہیں انہیں ہمارا رکوع اور سجدہ اچھا نہیں لگتا ہم ان ساری حالتوں میں انسان ہی رہتے ہیں۔ اپنے بڑوں کا حال دیکھو! جو بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے۔ تو انسان کی شکل بری ہے یا جانور کی اور پھر جانوروں میں بندر اور خنزیر کی۔

﴿ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ﴾ اور انھوں نے عبادت کی طاغوت کی۔ شیطان کی، بتوں کی، جادوگروں کی۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ ﴾ وہی لوگ بُرے ہیں باعتبار درجے کے اور زیادہ بہکے ہوئے ہیں ﴿ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴾ سیدھے راستہ سے ﴿ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ ﴾ اور جب وہ آتے ہیں تمہارے پاس ﴿ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ﴾ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ﴿ وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ ﴾ حالانکہ تحقیق وہ داخل ہوئے ہیں (آپ ﷺ کی مجلس میں) کفر کے ساتھ۔ ﴿ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ﴾ اور تحقیق وہ نکلے ہیں کفر کے ساتھ۔ انسان اپنی قیمتی چیز کی حفاظت کرتا ہے جب کہیں جاتا ہے ساتھ لے کر جاتا ہے، آتا ہے تو ساتھ لے کر آتا ہے، ان کی قیمتی چیز کفر ہے۔ ساتھ لے کر آتے ہیں اور ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴾ اس چیز کو جو وہ چھپاتے ہیں، دل میں رکھتے ہیں۔ اس ذات سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔

﴿ وَتَرٰى ﴾ اور اے مخاطب! تو دیکھے گا ﴿ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ ﴾ ان میں سے بہتوں کو ﴿ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ ﴾ دوڑتے ہیں گناہ میں ﴿ وَالْعُدْوَانِ ﴾ اور زیادتی میں ﴿ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ﴾ اور حرام کھانے میں ﴿ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

البتہ بُرا ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ﴾ کیوں نہیں منع کرتے ان کو ﴿الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ﴾ پیر اور مولوی ﴿عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ﴾ ان کی گناہ کی بات سے ﴿وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ اوران کے حرام کھانے سے ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ البتہ بُرا ہے وہ جو (مولوی اور پیر) کرتے ہیں ﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ﴾ اور کہا یہودیوں نے ﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں ﴿غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں ﴿وَلُعِنُوْا﴾ اوران پر لعنت کی جائے ﴿بِمَا قَالُوْا﴾ اس وجہ سے جو انھوں نے کہا ہے ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں ﴿يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے ﴿وَلَيَزِيْدَنَّ﴾ اور البتہ ضرور زیادہ کرے گا ﴿كَثِيْرًا مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے بہتوں کے لیے ﴿مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ جو نازل کیا گیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ تیرے رب کی طرف سے (زیادہ کرے گا) ﴿طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا﴾ سرکشی کو اور کفر کو ﴿وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ﴾ اور ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی ﴿وَالْبَغْضَآءَ﴾ اور بغض اور کینہ ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿كُلَّمَآ﴾ جب کبھی بھی ﴿اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ﴾ جلائیں گے وہ آگ لڑائی کے لیے ﴿اَطْفَاَهَا اللّٰهُ﴾ بجھادے گا اس کو اللہ تعالیٰ ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ اور کوشش کریں گے یہ زمین میں فساد کی ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا فساد کرنے والوں کے ساتھ۔

ربطِ آیت

بات پہلے سے یہودیوں کی چلی آرہی ہے۔لیکن جن کاموں کولوگ کرتے رہے ہیں کسی قوم کی تخصیص نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ﴾ اور اے مخاطب! تو دیکھے گا ان میں سے بہتوں کو ﴿يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ دوڑتے ہیں گناہ میں اور زیادتی میں۔

اثم اور عدوان کا مصداق

مشاہدے کی بات ہے کہ لوگ گناہ کے کام کو دوڑ کے کرتے ہیں ''اثم'' اس گناہ کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا حق ضائع کیا جائے اور نافرمانی کی جائے اور ''عدوان'' کہتے ہیں بندوں کے حق ضائع کرنے کو۔چوری کرنا، ڈکیتی کرنا، کسی کا مال غصب کرلینا، غیبت کرنا، بلاوجہ کسی کو مارنا، گالی دینا، بہتان تراشی کرنا، طعنہ دینا یہ تمام چیزیں ''عدوان'' کی مد میں ہیں۔مطلب یہ ہے کہ حقوق اللہ کو بھی توڑتے ہیں اور حقوق العباد کو بھی توڑتے ہیں۔نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پروا کرتے ہیں اور نہ بندوں کے حقوق کی پروا کرتے ہیں۔

سُحت اور رشوت کی تفصیل

﴿وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ اور حرام کھانے میں جلدی کرتے ہیں۔ایک ہوتی ہے رشوت اور ایک ہے سحت۔ان دونوں میں فرق ہے۔سحت کہتے ہیں پیسے لے کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف فیصلہ کرنا۔مثلاً: چور، ڈکیت کے متعلق فیصلہ کرنا کہ یہ چور، ڈکیت نہیں ہیں۔یا رقم لے کر قاتل کو بری کر دینا اس رقم کو سُحت کہتے ہیں۔اس زمانے میں بھی جج اور قاضی اس طرح کرتے تھے اور آج بھی کوئی کمی نہیں ہے۔

اور رشوت اس رقم کو کہتے ہیں کہ کسی کا کام رقم لے کر کیا جائے۔یعنی رشوت عام ہے۔اور سُحت خاص ہے۔یعنی رشوت عام کاموں میں ہے اور سُحت غلط فیصلہ کرنے میں ہے۔اور رشوت بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو رشوت دینے والے پر، رشوت لینے والے پر اور ان دونوں کے درمیان دلالی کرنے والے پر۔'' یہ سب کے سب ملعون ہیں۔

﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ البتہ بُرا ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع کرتے ہیں، بندوں کے حقوق ضائع کرتے ہیں، حرام کھاتے ہیں۔

حقیقی پیر اور مشائخ کی ذمہ داری

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾ کیوں نہیں منع کرتے ان کو پیر اور مولوی ﴿عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ﴾ ان کی گناہ کی بات سے ﴿وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ اور ان کے حرام کھانے سے۔مولوی اور پیر کیوں نہیں روکتے۔

دیکھنا! علماء سوء اور ٹھگ پیر اس زمانے میں بھی تھے اور آج بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ٹھگ پیر اس زمانے میں بھی لوگوں کو لوٹتے تھے اور آج بھی چھ ماہی وصول کرتے ہیں اس کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔حالانکہ اصل پیر کا کام ہے لوگوں کی اصلاح کرنا، نیکی کی تلقین کرنا، برائی سے منع کرنا، اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو خود نیکی، بدی کا علم ہو۔لہٰذا جاہل آدمی کو پیر نہیں بننا چاہیے، بلکہ بن بھی نہیں سکتا۔جاہل کسی کی کیا اصلاح کرے گا وہ تو خود قابلِ اصلاح ہے۔پیر و مرشد وہ ہوتا ہے جو علوم شریعت سے اچھی طرح واقف ہو اور اخلاق کے اعتبار سے ایسا ہو کہ اس پر کوئی حرف نہ آئے، ایسا پیر دوسروں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کر سکے گا اور جس کے اپنے اخلاق اور اعمال درست نہیں ہیں وہ دوسروں کی کیا تربیت کرے گا۔شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

خفتہ، خفتہ را کے کند بیدار

سویا ہوا سوئے کو کب جگائے گا۔سوئے ہوئے کو تو وہ جگائے گا جو خود جاگتا ہو۔لہٰذا جاہل پیر لوگوں کی کیا اصلاح کرے گا؟ علماء اور مشائخ کی ذمہ داری ہے اور فرض ہے کہ لوگوں کو گناہ اور حرام خوری سے منع کریں۔حدیث پاک میں آتا ہے

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ جو تم میں سے برائی کو دیکھے وہ اس کو ہاتھ سے روکے اور ظاہر بات ہے کہ ہاتھ سے وہ روکے گا جس کے پاس طاقت ہوگی۔ جیسے حاکم وقت ہے یا علاقے کا چودھری اور سردار ہے اور علاقے میں اس کا اثر ورسوخ ہے تو برائی کو ہاتھ سے روکے اور اگر طاقت نہیں ہے تو زبان سے برائی کو روکے لوگوں کو سمجھائے کہ بھائی! جو کام تم کر رہے ہو جائز نہیں ہے شریعت نے منع کیا ہے یا جو بھی اصلاح کا طریقہ مناسب ہو وہ اختیار کرے اور اگر زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہیں ہے تو فَبِقَلْبِهٖ پھر اس کو اپنے دل میں برا سمجھے اور اگر دل میں بھی اس کو برا نہیں سمجھتا تو فرمایا اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

بیان ربط آیات ومضمون

﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ البتہ بُرا ہے وہ جو (مولوی اور پیر) کرتے ہیں۔ یعنی ان کا منع نہ کرنا بُرا کام ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر حق کو جاننے والے بہت سارے ہیں تو حق کو بیان کرنا ان کے لیے فرض کفایہ ہے اگر ان میں سے ایک بھی بیان کردے گا تو سب کے ذمہ سے فرض اُتر جائے گا اور اگر بیان کرنے والا ایک ہی ہے تو اس پر بیان کرنا فرضِ عین ہے اگر وہ بیان نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

یہود کی گستاخی کا بیان

پہلے ذکر تھا کہ یہودی اذان، نماز کا تمسخر کر کے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ایمان والوں کو ایذا پہنچاتے ہیں اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی بے ادبی اور گستاخی کا ذکر ہے قرآنِ کریم میں آتا ہے ﴿وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ "اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو۔" یہودیوں نے کہا (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ محتاج ہوگیا ہے کہ قرض مانگتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی رضا کے لیے تم جو صدقہ خیرات کرو تمھیں اس کا ضرور بدلہ ملے گا۔ جس طرح کسی کو قرض دیا جائے تو رقم مقروض کے ذمہ ہوتی ہے اور اس نے ضرور واپس کرنی ہوتی ہے۔ اسی طرح جو رقم تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے خرچ کرو گے گویا تم نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیا ہے اس کا تمھیں ضرور بدلا ملے گا۔

لیکن یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی گستاخی کی اور یہ بھی کہا ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ اور کہا یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں کہ اپنے بندوں پر خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ الٹا بندوں سے قرض مانگنا شروع کر دیا ہے۔ فرمایا ﴿غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں۔ کیونکہ یہ تمام برائیوں میں مبتلا ہیں اور بخیل ہیں۔

﴿وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا﴾ اور ان پر لعنت کی جائے اس وجہ سے جو انھوں نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ تو بند نہیں ہوئے ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں ﴿يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔ بات سمجھنا یہاں پر اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھوں کا ذکر ہے۔ اور دوسرے مقام پر ایک ہاتھ کا ذکر ہے۔ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾

"برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں شاہی ہے۔" اتنی بات تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں۔ لہٰذا بحیثیت مسلمان ہونے کے ہم نے تسلیم کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں باقی رہی ان کی کیفیت تو ہمیں معلوم نہیں ہے کہ کس طرح کے ہاتھ ہیں۔ مثلاً: ہمارے ہاتھ ہیں کہ ہتھیلی ہے، انگلیاں ہیں، انگوٹھا ہے، انگوٹھے میں دو جوڑ ہیں، انگلیوں میں تین تین جوڑ ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کو ہم حاشا وکلا کسی کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ ہاں! یہ کہیں گے کہ اس کی شان کے جو لائق ہیں اس طرح کے ہاتھ ہیں۔ اور وہ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔

آگے فرمایا ﴿وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم﴾ اور البتہ ضرور زیادہ کرے گا ان میں سے بہتوں کے لیے ﴿مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ جو نازل کیا گیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ﴿مِن رَّبِّكَ﴾ تیرے رب کی طرف سے (زیادہ کرے گا) کیا زیادہ کرے گا؟ ﴿طُغْيَانًا وَكُفْرًا﴾ (زیادہ کرے گا) سرکشی اور کفر کو۔ اب رہی یہ بات کہ قرآنِ کریم تو رحمت محض ہے۔ اس سے سرکشی اور کفر کس طرح زیادہ ہوتا ہے۔ تو یہ بات شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اچھے انداز میں سمجھائی ہے وہ فرماتے ہیں:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید ودر شور بوم خس

"بارش باغ میں گل لالہ اُگاتی ہے اور خراب زمین میں کانٹے دار گھاس۔"

بارش کے تو سارے قطرے ایک طرح کے ہوتے ہیں اچھی زمین پر گریں گے تو اچھی چیزیں پیدا ہوں گی اور نکمی اور کلر والی زمین پر گریں گے تو نکمی چیزیں پیدا ہوں گی۔ بارش وہی ہے باغ پر برسے گی تو خوشبو پھیلے گی اور روڑی (غلاظت) پر برسے گی تو بدبو پھیلے گی، جیسی جگہ ویسا نتیجہ۔ اسی طرح قرآن پاک جب نازل ہوا تو اچھے لوگ ایمان لائے اور یقین کیا اور جوں جوں قرآن نازل ہوتا گیا ان کا ایمان بڑھتا گیا۔ ﴿زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ ان کے ایمان کو بڑھا دیا اور جو برے لوگ ہیں ان کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہوا۔

﴿وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ﴾ اور ہم نے ڈال دی ان (یہود ونصاریٰ) کے درمیان دشمنی، بغض اور کینہ ﴿إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت کے دن تک۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ کی بے شمار آپس میں لڑائیاں ہوئی ہیں۔ اور اب بھی ایک دوسرے کے خلاف بغض اور کینہ لیے بیٹھے ہیں۔ اور یہ لوگ اندرونی طور پر ہمیشہ دست وگریباں رہیں گے۔ کاش! کہ مسلمان صحیح معنیٰ میں مسلمان بن جائیں۔ اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا ہو جائے۔ اور بغض وکینہ ختم ہو جائے تو اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر کافروں نے ان کا ایسا ذہن بنا دیا ہے کہ وہ آپس میں مل کر نہیں بیٹھ سکتے۔ شام، لبنان کے ساتھ نہیں مل سکتا۔ اردن کے ساتھ نہیں مل سکتا، کویت کے ساتھ نہیں مل سکتا، اور عراق سعودیہ کے ساتھ ملنے کو تیار نہیں ہے۔ ایک دوسرے کے دلوں میں اتنی نفرت پیدا کر دی گئی ہے کہ آپس میں تو نہیں ملیں گے، یہودیوں کی گود میں جا بیٹھیں گے اور اس وقت سارے امریکہ کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

﴿كُلَّمَآ أَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ﴾ جب کبھی بھی جلائیں گے وہ آگ لڑائی کے لیے ﴿أَطْفَأَهَا اللّٰهُ﴾ بجھادے گا اس کو اللہ تعالیٰ۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ بے شمار لڑائیاں کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر مرتبہ ناکام فرمایا ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ اور کوشش کریں گے یہ زمین میں فساد کی۔ اس وقت دنیا میں سب سے بڑا غنڈہ اور دہشت گرد امریکہ ہے۔ جو بظاہر امن کا ٹھیکے دار بنا ہوا ہے اور حقیقت میں فساد کا علم بردار ہے۔ اب اس نے شام کو دہشت گرد قرار دیا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ جولان کی پہاڑیاں شامیوں کی تھیں۔ یہودیوں نے ان سے چھین کر اپنی بستیاں آباد کی ہیں۔ امریکہ شام کو کہتا ہے کہ تو ان کی ملکیت سے دست بردار ہو جا اور شام اپنی ملکیت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہے۔ لہٰذا وہ دہشت گرد ہے۔ کہ اس کا حکم نہیں تسلیم کیا۔ بڑی عجیب قسم کی منطق ہے۔

بھائی! ایک آدمی اپنی چیز کے متعلق کہتا ہے کہ یہ میری ہے اور میں اس کی ملکیت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں تو اسے کہتے ہیں کہ تو دہشت گرد ہے۔ یہ فساد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا فساد کرنے والوں کے ساتھ۔ حدیث پاک میں آتا ہے فتنہ سویا ہوا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ لہٰذا فتنے کی کوئی بات کرنا یا فتنے کا کوئی کام کرنا سخت گناہ ہے اور اسلام کی روح کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

﴿وَلَوْ أَنَّ﴾ اور اگر بے شک ﴿أَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اہلِ کتاب ﴿اٰمَنُوْا﴾ ایمان لے آئیں ﴿وَاتَّقَوْا﴾ اور رب تعالیٰ کی مخالفت سے ڈریں ﴿لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ﴾ البتہ ہم مٹادیں ان سے ﴿سَيِّاٰتِهِمْ﴾ ان کی خطائیں ﴿وَلَأَدْخَلْنٰهُمْ﴾ اور البتہ ہم ان کو داخل کریں گے ﴿جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کے باغات میں ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ﴾ اور اگر بے شک وہ ﴿أَقَامُوا التَّوْرٰىةَ﴾ قائم کریں توراۃ کو ﴿وَالْإِنْجِيْلَ﴾ اور انجیل کو ﴿وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ﴾ اور جو کچھ نازل کیا گیا ان کی طرف ﴿مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی طرف سے ﴿لَأَكَلُوْا﴾ البتہ کھائیں وہ ﴿مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ اپنے اُوپر سے ﴿وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ اور اپنے پاؤں کے نیچے سے ﴿مِنْهُمْ أُمَّةٌ﴾ ان میں سے ایک گروہ ہے ﴿مُّقْتَصِدَةٌ﴾ درمیانی چال چلنے والا ﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ﴾ اور بہت سارے ان میں سے ﴿سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾ بُرے ہیں وہ کام جو وہ کرتے ہیں ﴿يٰٓأَيُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! بَلِّغْ پہنچا دیں ﴿مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ جو چیز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نازل کی گئی ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ﴾ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا ﴿فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ تو آپ نے نہ پہنچایا رب تعالیٰ کا پیغام ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے

گا ﴿مِنَ النَّاسِ﴾ لوگوں سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ہدایت نہیں دیتا کافر قوم کو۔

بیان ربط آیات

پہلے سے اہلِ کتاب کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اور اگر بے شک اہلِ کتاب ﴿اٰمَنُوْا﴾ ایمان لے آئیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے پہلے پیغمبروں کی طرح مخصوص نہیں ہے۔ آپ سے پہلے جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں ان کی بعثت مخصوص قوموں کی طرف ہوتی تھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کے لیے قیامت تک پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [الاعراف: ۱۵۸] "آپ کہہ دیں اے انسانو! میں تم سب کے لیے اللہ تعالیٰ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" اور سورۃ فرقان میں ہے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ "بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ ہو جہاں والوں کے لیے ڈرانے والا۔" تو عالمین میں انسان، جنات سب آ گئے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنوں سب کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں اور حدیث پاک میں آتا ہے ((بُعِثْتُ إِلَى الْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرِ وَإِلَى الْجِنِّ وَالْإِنْسِ)) "مجھے کالے، سرخ، انسان، جنات سب کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔" لہٰذا اب قیامت تک کے تمام انسانوں اور جنات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں تو فرمایا کہ اگر اہلِ کتاب ایمان لائیں۔

﴿وَاتَّقَوْا﴾ اور رب تعالیٰ کی مخالفت سے ڈریں اور اس کے پیغمبر کی مخالفت نہ کریں تو ہم یہ کریں گے کہ ﴿لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ البتہ ہم مٹا دیں ان سے ان کی خطائیں اور گناہ۔ ایمان اعظم المکفرات ہے أَلْإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ "اسلام، ایمان اپنے سے پہلے سارے گناہ مٹا دیتا ہے۔" کفر، شرک تک گناہوں کے مٹانے کے ساتھ یہ بھی کریں گے۔

﴿وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ اور البتہ ہم ان کو داخل کریں گے نعمتوں کے باغات میں ﴿اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾ اور اگر بے شک وہ قائم کریں توراۃ اور انجیل کو ﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ اور جو کچھ نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے ﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ البتہ کھائیں وہ اپنے اوپر سے ﴿وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ اور اپنے پاؤں کے نیچے سے۔

اوپر سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ پھل وافر مقدار میں کھائیں کیونکہ پھل فروٹ کے درخت انسان کے سروں سے اوپر ہوتے ہیں اور پاؤں کے نیچے سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے اناج سبزیاں مختلف قسم کی اگتی ہیں وہ بھی کھائیں اور توراۃ اور انجیل کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں کیونکہ پادری صاحبان کے اقرار کے باوجود کہ توراۃ اور انجیل میں تحریف ہوئی ہے پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور صداقت کے اشارات اور

بشارتیں موجود ہیں میں نے اپنی کتاب ''عیسائیت کا پس منظر'' میں عیسائیوں کے حوالے پیش کیے ہیں کہ ان کی کتابوں میں تحریف ہوئی ہے پھر بھی انجیل یوحنا میں یہ آیت آج بھی موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی حواریوں سے فرمایا: ''تم سن چکے ہو کہ میں نے تم سے کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ پھر فرمایا اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں''۔ (یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں ہیں)۔

بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑے معجزے عطا فرمائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہت بلند اور زیادہ ہیں اور دنیا کے سردار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام دنیا اور تمام قوموں کے لیے ہے۔ تو اب معنیٰ یہ بنے گا کہ اہلِ کتاب اگر توراۃ اور انجیل کو قائم کریں کہ آخری پیغمبر پر ایمان لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں توراۃ اور انجیل میں ہیں ان پر عمل کریں تو پھل بھی وافر مقدار میں کھائیں گے اور اناج بھی وافر مقدار میں کھائیں گے۔

﴿مِنۡهُمۡ اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ﴾ ان میں سے ایک گروہ ہے درمیانی چال چلنے والا، اعتدال پسند۔ یہ وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ جیسے: حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ، حضرت اسد، حضرت اسید، حضرت بنیامین رضی اللہ عنہم یہ تمام پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضرت عدی بن حاتم، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما پہلے عیسائی تھے پھر مسلمان ہو گئے۔ اور بھی بہت سارے یہودی اور عیسائی جو اعتدال پسند تھے مسلمان ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

﴿وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ سَآءَ مَا يَعۡمَلُوۡنَ﴾ اور بہت سارے ان میں سے برے ہیں وہ کام جو وہ کرتے ہیں۔ یعنی اکثریت ان کی برے کام کرتی ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہوئے (جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ﴾ [البقرہ:۱۴۶] یہ آخری پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں مگر پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور تاریخ بتلاتی ہے کہ یہودیوں کے مدینہ طیبہ میں آنے کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تھی کہ ان کو جب علم ہوا کہ پیغمبر آخر الزمان نے مکہ مکرمہ میں مبعوث ہونا ہے اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آنا ہے تو ان کے بڑوں نے مدینہ طیبہ میں آ کر ڈیرے جمائے کہ پیغمبر آخر الزمان جب تشریف لائیں گے تو ہم ان کا استقبال کریں گے اور ان پر ایمان لائیں گے۔

مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو منکر ہو گئے بہت تھوڑے ایمان لائے بھلا اس ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟۔ اکثریت ہمیشہ گمراہ رہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک اکثریت گمراہ ہی رہے گی سوائے اس خطے کے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کنٹرول ہوگا نازل ہونے کے بعد وہاں مسلمانوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا اور جن علاقوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کنٹرول نہیں ہوگا وہاں بدستور کافر رہیں گے جیسے چین، روس، جاپان ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثریت کے بے عمل ہونے سے متاثر نہ ہوں آپ کا کام ہے تبلیغ کرنا، آپ تبلیغ کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ﴾ اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! پہنچا دیں جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نازل کی گئی ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ﴾ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا ﴿فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ تو آپ نے نہ پہنچایا رب تعالیٰ کا پیغام۔ یعنی بالفرض اگر آپ نے رب تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو رب تعالیٰ کی طرف سے جو احکام ملتے ہیں وہ مخلوق تک پہنچا دیتا ہے اور کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تبلیغ کا حق ادا کیا اور دوسرے پیغمبروں نے بھی تبلیغ احکام میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی۔

مودودی صاحب کی غلطی کا جائزہ

مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں بہت سی غلط باتیں لکھی ہیں ہماری ان کے ساتھ کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے مسلمہ عقائد کے خلاف باتیں لکھی ہیں۔ علمائے کرام کے اعتراضات کے بعد انھوں نے الفاظ کا ہیر پھیر کیا ہے مگر اعتراض بدستور باقی ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب اپنی تفسیر کے پہلے ایڈیشن میں حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''ان سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں''۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ بھائی! اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے تو ایک کوتاہی بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ کوتاہیاں ہو جائیں۔ لہٰذا یاد رکھنا! کسی پیغمبر نے کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی۔

تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کریں۔ ﴿وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا لوگوں سے۔ اور ان کے شر سے۔ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر، حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ کے لیے پہرا دیا کرتے تھے کہ کوئی بدقماش یہودی مشرک اور منافق آپ کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرات کے قریب نہ آنے پائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے سادہ ہونے کے باوجود بڑے ذہین لوگ تھے جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر پر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمے کے باہر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پہرا دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری جان کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے اب پہرے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا تم جا سکتے ہو۔ اس کے بعد کبھی کسی نے کوئی پہرا نہیں دیا۔

فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافر قوم کو۔ یعنی جبراً اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت نہیں دیتا نہ کسی کو کافر بناتا ہے۔ باوجود اس پر قادر ہونے کے اس نے قانون بنایا ہے۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹] ''پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔''

﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دیں اے اہل کتاب! ﴿لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ﴾ نہیں ہو تم کسی چیز پر ﴿حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ﴾ یہاں تک کہ تم قائم کرو تورات کو اور انجیل کو ﴿وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ﴾ اور اس چیز کو جو نازل

کی گئی تمھاری طرف ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمھارے رب کی طرف سے ﴿وَلَيَزِيْدَنَّ﴾ اور البتہ ضرور زیادہ کرے گی ﴿كَثِيْرًا مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے اکثریت کے لیے ﴿مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ وہ چیز جو نازل کی گئی آپ ﷺ کی طرف ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ (ﷺ) کے رب کی طرف سے (زیادہ کرے گی) ﴿طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾ سرکشی اور کفر کو ﴿فَلَا تَاْسَ﴾ پس نہ افسوس کریں ﴿عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کافر قوم پر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَالَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے ﴿وَالصّٰبِـُٔوْنَ﴾ اور صابی ﴿وَالنَّصٰرٰى﴾ اور نصرانی ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ جو شخص ان میں سے ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کرے گا اچھے ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ پس نہ ہوگا ان پر خوف ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿لَقَدْ اَخَذْنَا﴾ البتہ تحقیق لیا ہم نے ﴿مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ وعدہ بنی اسرائیل سے ﴿وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا﴾ اور بھیجے ہم نے ان کی طرف کئی رسول ﴿كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ﴾ جب بھی لایا ان کے پاس کوئی رسول ﴿بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ﴾ وہ چیز جس کو ان کے نفس نہیں چاہتے تھے ﴿فَرِيْقًا كَذَّبُوْا﴾ پیغمبروں کے ایک گروہ کو انھوں نے جھٹلایا ﴿وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ﴾ اور پیغمبروں کے ایک گروہ کو قتل کرتے رہے ﴿وَحَسِبُوْٓا﴾ اور انھوں نے گمان کیا ﴿اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ کہ نہیں ہوگا کوئی فتنہ اور آزمائش ﴿فَعَمُوْا﴾ پس وہ اندھے ہو گئے ﴿وَصَمُّوْا﴾ اور بہرے ہو گئے ﴿ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان پر متوجہ ہوا ﴿ثُمَّ عَمُوْا﴾ پھر اندھے ہو گئے ﴿وَصَمُّوْا﴾ اور بہرے ہو گئے ﴿كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے بہت سارے ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو عمل وہ کر رہے ہیں۔

اہلِ کتاب اسے کہتے ہیں جو قرآن پاک سے پہلی کتابوں میں سے کسی کتاب کو ماننے کا دعویٰ کرے۔ مثلاً: یہودی توراۃ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، عیسائی انجیل کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ اہلِ کتاب ہیں۔ اس بات میں بعض علماء کا اختلاف ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر معیار پر پورے نہیں اترتے جیسے قادیانی اور باطل فرقے کیا ان کو اہلِ کتاب کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ چونکہ قرآن کریم کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں لہٰذا یہ اہلِ کتاب ہیں مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

محققین فرماتے ہیں کہ یہ ہرگز اہلِ کتاب میں سے نہیں ہیں۔ کیونکہ اہلِ کتاب اسے کہتے ہیں جو قرآنِ کریم سے پہلی کتابوں میں سے کسی کتاب کے ماننے کا دعویٰ کرے۔ لہٰذا قادیانی اور دیگر باطل فرقے اہلِ کتاب کا مصداق نہیں ہیں۔

کافر، ملحد اور زندیق کی تحقیق

ایک ہوتا ہے کافر اور ایک ملحد اور زندیق ہوتا ہے۔ کافر اسے کہتے ہیں جو کھلے طور پر انکار کرے کہ میں قرآنِ کریم کو نہیں مانتا۔ پیغمبر کو نہیں مانتا یا اللہ تعالیٰ کے کسی محکم حکم کا انکار کرے۔ اور ملحد اور زندیق اسے کہتے ہیں جو ماننے کا دعویٰ کرے مگر تعبیر اور مطلب اپنی مرضی سے کرے۔ جیسے قادیانی ختمِ نبوت کے انکار کی وجہ سے کافر ہیں۔ اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعبیر اور تفسیر اپنی مرضی سے کرنے کی وجہ سے ملحد اور زندیق بھی ہیں۔ کیونکہ وہ قرآنِ کریم کی آیت کریمہ وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لفظوں کے منکر نہیں ہیں۔ لیکن اس کی وہ تفسیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی کہ ((اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ)) "کہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی رسول آئے گا۔" اور جو تفسیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمائی، تابعین نے فرمائی، تبع تابعین نے فرمائی، ائمہ مجتہدین، فقہائے کرام رحمہم اللہ نے فرمائی، مفسرین کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ نے فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی تشریعی پیغمبر ہو سکتا ہے نہ غیر تشریعی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا دائرہ اسلام سے خارج ہو گا۔

اور قادیانی خاتم کا معنیٰ کرتے ہیں مہر لگانے والا اور خاتم النبیین کا معنیٰ کرتے ہیں نبیوں پر مہر لگانے والا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جتنے پیغمبر آئیں گے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر کی تصدیق سے آئیں گے۔ حالانکہ یہ معنیٰ خود مرزا غلام احمد قادیانی جس کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ اور والدہ کا نام چراغ بی بی عرف "گھسیٹی" تھا کے مسلمات کے خلاف ہے۔

چنانچہ وہ اپنی کتاب "تریاق القلوب" میں لکھتے ہیں اس طرح پر میری پیدائش ہوئی یعنی کہ میں لکھ چکا ہوں میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جنت تھا (یہ اس کے ساتھ دوزخ تھا) اور پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی اور بعد اس کے میں نکلا تھا۔ اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں اور کوئی لڑکا یا لڑکی نہیں ہوئی۔ اور میں ان کے لیے خاتم الاولاد تھا۔ اور اگر مہر لگانے والا ترجمہ ہو تو پھر معنیٰ یہ بنے گا کہ اب اس کے بعد میرے والدین کے ہاں جتنی اولاد ہو گی وہ میری مہر سے ہو گی۔

تو اہلِ کتاب وہ ہیں جو قرآنِ کریم سے پہلے والی کتابوں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دیں اے اہلِ کتاب! ﴿لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ﴾ نہیں ہو تم کسی چیز پر۔ یعنی تم حق پر نہیں ہو۔ ﴿حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾ یہاں تک کہ تم قائم کرو تورات کو اور انجیل کو ﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اور اس چیز کو (قائم کرو) جو نازل کی گئی ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے۔ ان کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ تورات اور انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بشارتیں موجود ہیں۔ اور اگر تم آخری پیغمبر کی بعثت اور نبوت کو تسلیم نہیں کرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے تو تم نے تورات اور انجیل کو بھی تسلیم نہیں کیا۔

﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ﴾ اور البتہ ضرور زیادہ کرے گی ان میں سے اکثریت کے لیے ﴿مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ وہ چیز جو نازل کی گئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب کی طرف سے کیا زیادہ کرے گی؟ ﴿طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾ سرکشی

اور کفر کو۔ اب سوال یہ ہے کہ قرآنِ کریم تو ہدایت ورحمت ہے یہ سرکشی اور کفر کو کیوں بڑھائے گا؟ اس کا جواب میں نے پہلے بھی شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے دیا تھا جو کہ بہت بڑے بزرگ تھے۔ ان کی کتابیں کریما، گلستان، بوستان آج تک مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کی کتابوں میں فارسی ادب کے علاوہ توحید وسنت، اخلاقیات اور تصوف کے بڑے اسباق ہیں۔ (مثال گزشتہ اسباق میں دیکھ لی جائے)۔

فرمایا ﴿فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ پس نہ افسوس کریں کافر قوم پر۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فلاح کا مدار ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے۔ یعنی جنھوں نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے۔ (اور بعض مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ پہلے پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں)۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے۔

"یہودی" کہنے کی وجوہ

ان کو یہودی کہنے کی وجہ:

① ...... یہ ہے کہ جب ان کے بڑوں سے غلطی ہوتی تھی تو توبہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا "اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ" بے شک ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ تو اس "هُدْنَا" کے لفظ کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔

② ...... تفسیر خازن وغیرہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام تھا یہودا۔ اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔

③ ...... یہ بیان فرماتے ہیں کہ "تَهَوَّدَ" کے معنی ہیں "حرکت کرنا، ہلنا" یہ جب تورات پڑھتے تھے تو حرکت کرتے تھے، ہلتے تھے۔ جس طرح حافظ، قاری جب قرآنِ کریم پڑھتے ہیں تو ہلتے اور جھومتے ہیں۔ یہ چونکہ توراۃ پڑھتے ہوئے ہلتے ہیں اس وجہ سے ان کو یہود کہا جاتا ہے۔

"صابی، نصرانی" کہنے کی وجوہ

﴿وَالصّٰبِـُٔوْنَ﴾ اور صابی۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کو نبی مانتے تھے اور زبور پر ایمان رکھتے تھے۔ فی الجملہ نماز روزے کے بھی قائل تھے۔ آخرت کے بھی قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ چاند اور سورج کی پوجا کرتے تھے اور ستاروں میں خدائی کرشمے مانتے تھے۔ ان کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ اہلِ کتاب میں سے ہیں یا نہیں؟ مگر صحیح بات یہ ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ہیں کیونکہ زبور کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ﴿وَالنَّصٰرٰى﴾ اور نصرانی۔ ان کو نصرانی کہنے کی وجوہ:

① ...... فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس محلے میں پیدا ہوئے تھے اس کا نام تھا "ناصرہ" اس کی طرف نسبت کی وجہ سے نصرانی کہا جاتا ہے۔ اور نسبت کی وجہ سے تاریخ کی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح ناصری آتا ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی، مدنی اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی۔

②......اور ان کو نصاریٰ کہنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہودیوں سے خطرہ محسوس کیا تو اپنے ساتھیوں کو فرمایا ﴿مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہوئے میری مدد کون کرے گا؟“ ﴿قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ [الصف: ۱۴] حواریوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے دین کی ہم مدد کریں گے۔“ اس لیے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام فرقوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ جو شخص ان میں سے ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ اور عمل کرے گا اچھے نہ ہوگا ان پر خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ نہ ان پر آئندہ کے لیے کوئی خوف ہوگا اور نہ گزشتہ پر کوئی غم ہوگا۔

﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ البتہ تحقیق لیا ہم نے وعدہ بنی اسرائیل سے ﴿وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ رُسُلًا﴾ اور بھیجے ہم نے ان کی طرف کئی رسول ﴿كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ﴾ جب بھی لایا ان کے پاس کوئی رسول ﴿بِمَا لَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُهُمْ﴾ وہ چیز جس کو ان کے نفس نہیں چاہتے تھے ﴿فَرِیْقًا كَذَّبُوْا﴾ پیغمبروں کے ایک گروہ کو انھوں نے جھٹلایا ﴿وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ﴾ اور پیغمبروں کے ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا، حضرت شعیا علیہ السلام کو شہید کیا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس وقت کے حاکم نے اپنی حقیقی بھانجی کے ساتھ نکاح کر لیا جبکہ ہماری شریعت کی طرح ان کی شریعت میں بھی بھانجی کے ساتھ نکاح حرام تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو جب اس کی خبر ملی تو انھوں نے سوچا کہ اگر خاموش رہتا ہوں تو گنہگار ہوں گا۔ چنانچہ مسئلہ سمجھانے کے لیے حاکم کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو مسئلہ سمجھایا کہ تو نے جو کچھ کیا ہے صحیح نہیں کیا اور یہ ازروئے شریعت حرام ہے۔ حاکم کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ تو مجھے مسئلے سمجھاتا ہے؟ اور قتل کر دیا۔

﴿وَحَسِبُوْۤا﴾ اور انھوں نے یہ گمان کیا ﴿اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ کہ نہیں ہوگا کوئی فتنہ اور آزمائش۔ اور پھر اس گمان میں ﴿فَعَمُوْا﴾ پس وہ اندھے ہو گئے ﴿وَصَمُّوْا﴾ اور بہرے ہو گئے۔ آنکھیں ان کی حق کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور ان کے کان حق کو سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پھر اس کے بعد پے در پے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ان کے پاس تشریف لاتے رہے اور ان کو حق کا راستہ دکھانے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا۔

﴿ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان پر متوجہ ہوا۔ ان کو توبہ کا موقع دیا ﴿ثُمَّ عَمُوْا﴾ پھر وہ اندھے ہو گئے ﴿وَصَمُّوْا﴾ اور بہرے ہو گئے ﴿كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے بہت سارے پہلے لوگوں کی روش پر چل نکلے۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو عمل وہ کر رہے ہیں۔ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے وقت آنے پر سب کچھ بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو؟

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ ﴿قَالُوْٓا﴾ جنھوں نے کہا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ وہ مسیح بن مریم ہے ﴿وَقَالَ الْمَسِيْحُ﴾ اور فرمایا مسیح (علیہ السلام) نے ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اے بنی اسرائیل ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ﴾ جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ﴿فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کردی جنت ﴿وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہے ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ اور نہیں ہے ظالموں کے لیے ﴿مِنْ اَنْصَارٍ﴾ کوئی مددگار ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ ﴿قَالُوْٓا﴾ جنھوں نے کہا ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ تینوں میں تیسرا ہے ﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ﴾ اور حالانکہ نہیں کوئی الٰہ ﴿اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ مگر ایک ہی الٰہ ﴿وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا﴾ اور اگر وہ باز نہ آئے ﴿عَمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں ﴿لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ﴾ البتہ ضرور پہنچے گا ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ جو ان میں کافر ہیں ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ دردناک عذاب ﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ﴾ کیا پس وہ نہیں توبہ کرتے ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ﴾ اور کیوں نہیں اس سے معافی مانگتے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

عیسائیوں کے گروہوں کا بیان اور نظریات

اب اللہ تعالیٰ عیسائیوں کے باطل عقیدے کا ذکر فرماتے ہیں۔ عیسائیوں کے تین گروہ تھے۔

① نسطوریہ ② یعقوبیہ اور ③ ملکائیہ۔

① ...... نسطوریہ فرقے کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ ان کے عقیدے کا ذکر دسویں پارے میں آتا ہے ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ [توبہ: ۳۰] "اور کہا یہودیوں نے عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔" حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔

بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے۔ (حدیث قدسی اسے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بات کریں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ((يَسُبُّنِيْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ)) "آدم کی اولاد مجھے گالیاں دیتی ہے حالانکہ ان کو گالیاں دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔" کیونکہ رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا﴾ [سورۃ الجن: ۳] "پس اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے نہ اولاد ہے۔" اس کی صفت ہے ﴿لَمْ

﴿لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ﴾ [سورۃ اخلاص: ۳] "نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔"

رب تعالیٰ کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اسی طرح عرب اور دوسرے ملکوں کے جاہل لوگ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ [نحل: ۵۷] "اور وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بناتے ہیں۔"

② ...... یعقوبیہ فرقے والے اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کو الگ ذات مانتے تھے لیکن ساتھ ساتھ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بڑی عبادت کی ہے اتنی عبادت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اندر حلول کر گیا ہے، داخل ہو گیا ہے۔ ان کو حلولیہ اور اتحادیہ بھی کہتے ہیں۔ البتہ اتحادیہ اس میں مزید اضافہ بھی کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے جتنے افعال اور معجزات صادر ہوتے ہیں بظاہر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صادر ہو رہے تھے لیکن حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے صادر ہو رہے تھے۔ جو اندر حلول کیے ہوئے ہے۔

اس کی وہ مثال یہ پیش کرتے ہیں کہ ایک ہے آگ اور ایک ہے لوہا آگ کی تاثیر ہے جلانا اور لوہے کی تاثیر ہے کاٹنا لیکن جب لوہے کو آگ میں ڈالا جائے تو گرم ہو کر وہ بھی جلانے لگ جاتا ہے کہ آگ کے ساتھ متحد ہو کر دونوں ایک ہو گئے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے جب بکثرت عبادت کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو گئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے پھر ان کا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنھوں نے کہا ﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وہ مسیح بن مریم ہے۔ رب تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الْمَسِیْحُ﴾ اور فرمایا مسیح (علیہ السلام) نے ﴿یٰبَنِیْٓ إِسْرَآءِیْلَ﴾ اے بنی اسرائیل ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ﴾ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ مجھ سے جو معجزات ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر حلول کر گیا ہے۔

معجزہ اور کرامت پر تحقیق

معجزے کی تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے وہ نبی کا فعل نہیں ہوتا اور نہ ہی نبی کا اس میں ذاتی طور پر کوئی دخل ہوتا ہے۔ اور معجزے کی طرح کرامت بھی حق ہے اور کرامت کی تعریف یہ ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتی ہے۔ اور ولی کا ذاتی طور پر اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ دیکھو! حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس مصر تشریف لا رہے تھے۔ جب طور کے مقام پر پہنچے۔ تو قرآن پاک میں آتا ہے۔

﴿قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوْٓا﴾ "اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ تم (یہاں) ٹھہرو ﴿إِنِّیْٓ آنَسْتُ نَارًا﴾ مجھے آگ نظر آئی

ہے۔﴿لَعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ شاید میں وہاں (راستے) کا کچھ پتا لاؤں ﴿اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ یا آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم تاپو (آگ سے گرمائش حاصل کرو)﴿فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ﴾ جب اس کے پاس پہنچے آواز آئی میدان کے دائیں کنارے سے مبارک جگہ میں ﴿مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [پارہ: ۲۰، القصص: ۲۹۔۳۰] ایک درخت میں سے میں اللہ ہوں پالنے والا سارے جہانوں کا۔"

اور سورہ طٰہٰ [پارہ : ۱۶، آیت ۱۷ تا ۲۰] میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى﴾ "اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿هِیَ عَصَایَۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ وَ لِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰى ⑲ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰى﴾ یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر سہارا لیتا ہوں۔ اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی فائدے ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ! (علیہ السلام) اس کو پھینک دو پس انھوں نے اس کو پھینک دیا پس وہ اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگا۔"

سورۃ قصص میں آتا ہے ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ﴾ [آیت نمبر: ۳۱] "پس جب دیکھا اس کو پھن ہلاتے جیسا پتلا سانپ پھرا منہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر۔" پہلے لاٹھی پتلا سانپ بن جاتی اور بڑھتے بڑھتے اژدہا کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ﴿ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ﴾ [اعراف: ۱۰۷، شعرا: ۳۲] (بڑا اژدہا) کے الفاظ آئے ہیں یا طور پر پتلا سانپ اور فرعون کے سامنے بڑا اژدہا ہو کر وہ لاٹھی نمودار ہوئی ہو کچھ بھی ہو۔ مطلب بالکل صاف اور واضح ہے۔ آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر معجزہ نبی کا فعل ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی خوف کے مارے نہ بھاگتے کیونکہ اگر خود ہی انہوں نے لاٹھی کا سانپ بنایا ہوتا تو اپنے فعل اور اس کے نتیجے سے بخوبی واقف ہوتے اور ڈرنے اور بھاگنے کی ہرگز ضرورت نہ پیش آتی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی کے اس پہلے موقع پر سانپ سے خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ﴿قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ [طٰہٰ: ۲۱] "پکڑ لے اس کو اور مت ڈر ہم ابھی اس کو پھیر دیں گے پہلی حالت پر۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام صرف یہی تھا کہ اس اژدہا کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کو پہلی حالت پر لاٹھی بنا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام تھا۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ بھی دخل نہ تھا۔ امید ہے کہ آپ حضرات سمجھ گئے ہوں گے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی، ولی کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

یہاں ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ دشمن سے خوف اور ڈر ایک طبعی چیز ہے اس سے ایمان پر کسی قسم کی کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ پیغمبر سے بڑا اور مضبوط ایمان کس کا ہو سکتا ہے۔ نبوت موسیٰ علیہ السلام کو مل چکی تھی یہ تو بطور معجزہ کے مل رہا تھا۔

تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے ﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ بے شک جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ﴿فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کر دی جنت ﴿وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہے۔ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا۔ ﴿وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ

اَنْصَارٍ﴾ اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار۔

③ تیسرا فرقہ جس کا نام ملکائیہ (مخوشیہ) اور تفسیر خازن وغیرہ میں اس کا نام ملکانیہ بھی آیا ہے۔لیکن اصل ہمزے کے ساتھ ہے، ملکائیہ۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ خدائی کے تین ارکان ہیں یعنی اقانیم ثلاثہ کے قائل ہیں کہ تین ارکان سے خدا بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک۔دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تیسرے رکن میں اختلاف کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سَیل انگریز پادری تھا اس نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے اور تفسیر بھی لکھی ہے۔وہ لکھتا ہے کہ ”ایک گروہ کہتا ہے کہ تیسرا رکن حضرت مریم ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تیسرا رکن حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

ساتویں پارے میں آتا ہے ﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ ”اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ (عیسائیوں کو شرمندہ کرنے کے لیے قیامت والے دن) ﴿یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو الٰہ بنالو اللہ تعالیٰ کے سوا؟ ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ﴾ نہیں لائق میرے لیے کہ میں کہوں ایسی بات جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔“ میں یہ بات کس طرح کہہ سکتا تھا۔

تو ملکائیہ فرقے کا نظریہ یہ ہے کہ اقانیم ثلاثہ خدائی نظام چلاتے ہیں۔ بھائی! بڑی عجیب بات ہے کہ تم حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ولادت بھی تسلیم کرتے ہو سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے شروع ہوا ہے۔ یہ ۱۹۹۸ء ہے (بوقت درس) تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوئے ۱۹۹۸ء سال ہو گئے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام ان سے سولہ سترہ سال پہلے پیدا ہوئی ہوں گی اور زمین آسمان چاند، سورج، ستارے تو پہلے کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ان کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے سے یہ محکم نظام چلا آ رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کی پیدائش سے پہلے خدائی ارکان جب مکمل نہیں ہوئے تھے تو یہ نظام کس طرح چلتا آ رہا تھا؟ اور اگر ان کی پیدائش سے پہلے کامل تھا اور یقیناً کامل تھا تو ان کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ میں کون سا نقص آ گیا ہے کہ وہ اب ان کا محتاج ہو گیا ہے۔اور اگر ان کے سوا اللہ تعالیٰ کو ناقص مانتے ہو، معاذ اللہ تعالیٰ، تو ناقص خدا نے زمین بھی پیدا فرما دی، آسمان بھی بنا دیئے، زمین پر پہاڑ بھی رکھ دیئے، چاند، سورج، ستارے بھی پیدا فرما دیئے، اور تھا وہ ناقص، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ، بڑا عجیب گورکھ دھندا ہے۔یہ دنیا کی بڑی عقلمند قوم کہلاتی ہے۔ میں کہتا ہوں دین کے معاملہ میں ان سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہے۔

پھر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جب تم تین خداؤں کے قائل ہو تو، توحید تو نہ رہی تو کہتے ہیں اَلتَّوْحِیْدُ فِی التَّثْلِیْثِ وَالتَّثْلِیْثُ فِی التَّوْحِیْدِ ”ایک تین اور تین ایک۔“ ان سے سوال کرو کہ ایک چار اور چار ایک ہوتے ہیں تو کہیں گے نہیں۔ یا کہو کہ ایک پانچ اور پانچ ایک تو کہیں گے نہیں۔

بھائی! جب ایک چار اور چار ایک نہیں ہو سکتے، ایک پانچ اور پانچ ایک نہیں ہو سکتے، ایک دو اور دو ایک نہیں ہو سکتے تو

ایک تین اور تین ایک کس طرح ہو گئے؟ بڑی عجیب منطق ہے۔ اس فرقے کا ذکر ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا﴾ البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنھوں نے کہا ﴿اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تینوں میں تیسرا ہے۔ خدائی کے دو رکن اور ہیں اور تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ﴾ اور حالانکہ نہیں کوئی الٰہ ﴿اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ مگر ایک ہی الٰہ ہے۔ نہ جبرائیل علیہ السلام اس کی خدائی میں شریک ہیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نہ ان کی والدہ یہ سب ان کی خانہ زاد اور جاہلانہ باتیں ہیں۔

﴿وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ اور اگر وہ باز نہ آئے ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں ﴿لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ البتہ ضرور پہنچے گا ان لوگوں کو جو ان میں کافر ہیں ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ دردناک عذاب ہو سکتا ہے دنیا میں آ جائے اور اگر دنیا کے عذاب سے بچ گئے تو آخرت میں دوزخ سے نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں توبہ کا دروازہ کھلا ہے اب وقت ہے توبہ کر لو۔

در منثور وغیرہ میں حدیث ہے اور تاریخ کی کتابوں میں بھی آتا ہے کہ مغرب کی طرف ایک دروازہ ہے اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک ستر سال کی مسافت ہے۔ یہ اتنا بڑا دروازہ توبہ کا دروازہ ہے۔ یہ اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوگا اور جس دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس دن بند کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد نہ کسی کا ایمان لانا قبول ہوگا اور نہ توبہ قبول ہوگی۔ جس طرح نزع کے عالم میں ایمان اور توبہ قبول نہیں ہوتی۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ﴾ کیا پس وہ نہیں توبہ کرتے اللہ تعالیٰ کی طرف، رجوع نہیں کرتے۔ ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ﴾ اور کیوں نہیں اس سے معافی مانگتے۔ کہ اے پروردگار! ہم نے غلط معبود بنا رکھے ہیں ہمیں معاف فرما دے ان کو ہم چھوڑتے ہیں۔ گزشتہ کی تجھ سے معافی مانگتے ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ نہیں ہیں مسیح بیٹے مریم کے (علیہما السلام) ﴿اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ مگر رسول ﴿قَدْ خَلَتْ﴾ تحقیق گزر چکے ہیں ﴿مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ اس سے پہلے کئی رسول ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾ اور ماں ان کی بہت سچی تھی ﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے ﴿اُنْظُرْ﴾ دیکھ تو ﴿كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ﴾ کیسے ہم بیان کرتے ہیں ان کے لیے نشانیاں ﴿ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ پھر دیکھ کہاں اُلٹے پھرے جاتے ہیں ﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں کیا عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ﴾ اس مخلوق کی جو نہیں مالک تمھارے لیے ﴿ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ نقصان کی اور نہ نفع کی ﴿وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی سننے والا، جاننے والا ہے ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں اے اہلِ کتاب! ﴿لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ نہ غلو کرو ناحق اپنے دین میں ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ﴾ اور نہ پیروی کرو اس قوم کی

خواہشات کی ﴿قَدْ ضَلُّوْا﴾ جو گمراہ ہوگئی ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا﴾ اور انھوں نے گمراہ کیا بہتوں کو ﴿وَّضَلُّوْا﴾ اور گمراہ ہوگئی وہ قوم ﴿عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ سیدھے راستے سے۔

ربط مضمون کا بیان

اس سے پہلی آیات میں عیسائیوں کے دو گروہوں کا ذکر تھا یعقوبیہ جن کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گئے ہیں اور ملکائیہ کا ذکر تھا جو اقانیم ثلاثہ کے قائل ہیں۔ اور نسطوریہ فرقے کا ذکر دسویں پارے میں آتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی تردید فرماتے ہیں کہ نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے نہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حلول کیا تھا، نہ خدائی کا تیسرا رکن تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی

ارشادِ ربانی ہے ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ نہیں ہیں مسیح بیٹے مریم (علیہما السلام) کے مگر رسول ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ تحقیق گزر چکے ہیں اس سے پہلے کئی رسول۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوشخبری خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں اور ساتھیوں کو دی۔ چنانچہ (آیت نمبر:۶) سورہ ''صف'' میں آتا ہے ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ﴾ ''اور میں خوش خبری دینے والا ہوں ایک رسول کی ﴿يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي﴾ جو آنے والا ہے میرے بعد ﴿اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ نام اس کا احمد ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔''

بخاری شریف میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا أَنَا اَحْمَدُ وَأَنَا مُحَمَّدٌ ''میرے مشہور ناموں میں ایک محمد ہے اور ایک احمد ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔'' لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرآن پاک میں چار مقامات پر آیا ہے اور احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک مقام پر ہے۔ تو احمد اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دونوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی نام ہیں اور قادیانیوں کا دجل دیکھو مرزا بشیر الدین محمود اپنی کتاب ''المسیح الموعود'' میں لکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس احمد کی بشارت دی تھی وہ میرے والد صاحب غلام احمد ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس احمد کی بشارت دی تھی وہ ان دجالوں کے نزدیک غلام احمد بن گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں گئے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنا تو صرف ایک نے تھا۔ اس زمانے میں باطل فرقے اپنی تبلیغ میں بہت تیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔ ساتھیو! اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ تو فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

بشریت پر دلیل

﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾ اور ماں ان کی بہت سچی تھی ﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ وہ دونوں (حضرت عیسیٰ اور ان کی

والدہ علیہا السلام) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو! یہ جملہ بڑا مختصر ہے کہ ﴿ كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ مگر اس کی تفصیل بہت زیادہ ہے کیونکہ کھانا کھانے والا زمین کا بھی محتاج ہے۔ زمین سے پیداوار ہوگی تو کھائے گا پھر ہل کا محتاج بیل اور ٹریکٹر کا محتاج کہ جن کے ذریعے فصل بوئے گا۔ پھر آب و ہوا کا محتاج کہ اس کے بغیر فصل اگتی نہیں۔ پھر سورج اور چاند کا محتاج کیونکہ سورج کی گرمی اور چاند کی روشنی کا بھی فصلوں کے ساتھ تعلق ہے۔ ستاروں کا بھی فصلوں سے تعلق ہے۔ اور موسم کا محتاج ہے۔ ان سب چیزوں کے بعد وقت کا محتاج ہے کیونکہ فصل کے پکنے کے لیے وقت بھی درکار ہے۔ پھر کاٹنے کے لئے درانتی اور مشین کا محتاج، پھر گاہنے کا محتاج، تاکہ دانے اور توڑی (بھوسا) الگ الگ ہو جائیں۔ پھر پیسنے کے لیے چکی کا محتاج، گوندھنے کے لیے کُنالی اور پرات کا محتاج، پھر روٹی پکانے کے لیے آگ اور توے کا محتاج اتنی چیزوں کا محتاج رب کس طرح بن گیا۔ رب تو "صَمَدْ" ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہے۔ پھر کھانا کھانے والا قضائے حاجت کا محتاج ہے کیونکہ فضلات خارج ہوئے بغیر انسان رہ نہیں سکتا۔

ایک لطیفہ

ایک دن مجھے انجیل پڑھتے ہوئے ہنسی آگئی۔ انجیل "متی" میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سفر پر تھے کہ بھوک لگ گئی ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس کھانے کی کوئی چیز تھیلے میں ہے تو تلاش کرو مجھے بڑی بھوک لگی ہے۔ ساتھیوں نے تھیلے دیکھے، کھانے کی کوئی چیز نہ ملی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیر کا درخت نظر آیا تو دوڑ کے اس کے پاس پہنچے کہ اس کا پھل اتار کر کھاتا ہوں۔ قریب پہنچے تو خیال آیا کہ انجیر کا تو موسم ہی نہیں ہے۔ ہنسی اس لیے آئی کہ ایسے بھولے کے سپرد خدائی کی جائے کہ جس کو موسم کا بھی علم نہیں ہے۔ یہ نظامِ کائنات کیا چلائے گا۔

بھائی! کبھی اللہ تعالیٰ کو بھی بھوک لگی ہے یا بھول چوک ہوئی ہے، حاشا وکلا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف رسول ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت نہیں ہے۔

نفع ونقصان کا مالک

فرمایا ﴿ اُنْظُرْ ﴾ دیکھ تو ﴿ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ﴾ کیسے ہم بیان کرتے ہیں ان کے لئے نشانیاں ﴿ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ پھر دیکھ کہاں الٹے پھرے جاتے ہیں۔ واضح باتیں ہونے کے باوجود ﴿ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو کہہ دیں کیا عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ایسی مخلوق کی ﴿ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ جو نہیں مالک تمہارے لیے نقصان اور نفع کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ نفع تھا نہ نقصان تھا، نفع نقصان کا مالک تو صرف رب تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ﴾ [پارہ:۹، الاعراف:۱۸۸] "میں اپنے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور دوسرے مقام پر ہے اپنے امتیوں کو کہہ دیں ﴿ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا

رَشَدًا﴾ [الجن:۲۱] نہیں ہوں میں مالک تمہارے لیے نقصان اور بھلائی کا۔ جب پیغمبر نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں خصوصاً اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہستی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کسی کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے کہ وہ نفع نقصان کے مالک ہوں؟ نفع نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

انجیل ''متی، مرقس اور لوقا، یوحنا'' میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب سولی پر لٹکانے لگے (یہ عیسائیوں کے اس گروہ کے مطابق ہے جن کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا گیا)۔ کیونکہ بہت سارے عیسائیوں کا نظریہ ہمارے عقیدے کے مطابق ہے کہ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ [المائدہ:۱۵۷-۱۵۸] ''اور نہ انھوں نے ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا اور لیکن یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔'' مزید فرمایا ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ ''اور نہیں قتل کیا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا اس کو اپنی طرف۔'' تو یہ اناجیل کی آیتیں عیسائیوں کے اس گروہ کے نظریہ کے مطابق ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا۔

عیسیٰ علیہ السلام منجی یا محتاج نجات؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب سولی پر چڑھانے لگے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: إِيلِيْ إِيلِيْ لِمَا سَبَقْتَنِيْ ''اے رب، اے میرے رب تو نے مجھے ان کے قابو میں کیوں دیا ہے مجھے ان سے چھڑا۔'' مگر عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق ان کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ آج عیسائی جگہ جگہ یہ کہتے پھرتے ہیں ''يَسُوْعُ مُنَجِّيْ، يَسُوْعُ مُنَجِّيْ''۔ بھائی! جو اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا وہ تمہارا ''منجی'' کس طرح ہوگیا؟

﴿وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں اے اہلِ کتاب! ﴿لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ نہ غلو کرو ناحق اپنے دین میں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ بناؤ۔ خدائی میں شریک سمجھو نہ خدائی کا درجہ دو کہ اللہ تعالیٰ ان میں داخل ہوگیا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول ہیں۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ﴾ اور نہ پیروی کرو اس قوم کی خواہشات کی ﴿قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ﴾ جو گمراہ ہوگئی اس سے پہلے۔ نہ صرف گمراہ ہوئے بلکہ ﴿وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا﴾ اور انھوں نے گمراہ کیا بہتوں کو۔

فرقِ باطلہ کی سرگرمیاں

ہر دور میں باطل فرقوں کی کوشش رہی ہے کہ وہ سب کو گمراہ کر کے اپنے جیسا بنالیں۔ آج بھی وہ جس قدر نشر و اشاعت اور تبلیغ کر رہے ہیں اس کے مقابلے میں حق والوں کی تبلیغ اور نشر و اشاعت صفر ہے۔ بے شک تقابل کر کے دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی قبر پر جنھوں نے تبلیغ کا کام جاری فرمایا تھا کہ آج ان کی جماعت دنیا میں تبلیغ کر رہی ہے جن کی بدولت تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔

﴿وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ﴾ اور گمراہ ہوگئی وہ قوم سیدھے راستے سے۔ جو اپنی خواہشات پر چلتی ہے لہٰذا تم ان کے راستہ پر نہ چلنا۔ گمراہوں سے بچنا اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق عطا فرمائے اور سیدھے راستے پر قائم رکھے۔ [اٰمین]

﴿لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ لعنت کی گئی ان لوگوں پر جو کافر تھے ﴿مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بنی اسرائیل میں سے ﴿عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ﴾ داوٗد علیہ السلام کی زبان پر ﴿وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ﴾ اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان پر ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا﴾ یہ لعنت اس لیے ہوئی کہ انھوں نے نافرمانی کی ﴿وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ﴾ اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ﴿كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ﴾ نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو ﴿عَنْ مُّنْكَرٍ﴾ برائی سے ﴿فَعَلُوْهُ﴾ جو وہ کرتے تھے ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴾ البتہ بُری تھی وہ کارروائی جو وہ کرتے تھے ﴿تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ﴾ دیکھیں آپ ان میں سے بہت ساروں کو ﴿یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ﴾ دوست بناتے ہیں ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ البتہ بُری ہے وہ چیز جو ان کے لیے آگے بھیجی ہے ان کے نفسوں نے (وہ یہ ہے) ﴿اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ کہ ان پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے ﴿وَفِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ﴿وَلَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَ النَّبِیِّ﴾ اور اپنے نبی پر ﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ﴾ اور اس چیز پر جو اس کی طرف نازل کی گئی ﴿مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ﴾ نہ بناتے ان کو دوست ﴿وَلٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور لیکن اکثریت ان میں سے نافرمانوں کی ہے ﴿لَتَجِدَنَّ﴾ البتہ ضرور پائیں گے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ﴿اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً﴾ لوگوں میں سے زیادہ سخت دشمنی میں ﴿لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿الْیَهُوْدَ﴾ یہود کو ﴿وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا﴾ اور ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا ﴿وَلَتَجِدَنَّ﴾ اور البتہ آپ ضرور پائیں گے ﴿اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً﴾ ان میں سے زیادہ قریب دوستی میں ﴿لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿قَالُوْۤا﴾ جنھوں نے کہا ﴿اِنَّا نَصٰرٰى﴾ بے شک ہم نصرانی ہیں ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ﴾ یہ اس لیے کہ بیشک ان میں سے ﴿قِسِّیْسِیْنَ﴾ عالم ہیں ﴿وَرُهْبَانًا﴾ اور پادری اور درویش ہیں ﴿وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے۔

ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت

بنی اسرائیل کا ایک طبقہ بحیرہ قلزم کے کنارے ایلہ شہر میں آباد تھا آج کل اس کا نام ایلات ہے جو اسرائیل کی بندرگاہ ہے ان کا گزر اوقات مچھلیوں کے شکار پر تھا خود بھی کھاتے اور دور دراز کے علاقوں میں بھی بھیجتے تھے ان کی تجارت کا یہی ذریعہ تھا

بڑے مالدار لوگ تھے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا اور زبور ان پر نازل فرمائی تھی ہفتے کا دن ان کے واسطے عبادت کے لیے مختص تھا کہ باقی دنوں میں تم دن رات شکار کر سکتے ہو لیکن ہفتے کے دن کے چوبیس گھنٹے تمہارے لیے شکار ممنوع ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہ کیا اور حیلے بہانے سے شکار کرتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹالا ہے تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس لعنت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بڑوں کو خنزیر اور نوجوانوں کو بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا جیسا کہ آپ اسی پارے میں پڑھ چکے ہیں۔ ان آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

نافرمانی کا انجام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ لعنت کی گئی ان لوگوں پر جو کافر تھے ﴿مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بنی اسرائیل میں سے ﴿عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ﴾ داؤد علیہ السلام کی زبان پر ﴿وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ﴾ اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان پر۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ہفتے والے دن مچھلی کا شکار نہ کریں۔ مگر یہ لوگ باز نہ آئے اور حیلے بہانے سے شکار کرتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بار بار منع کرنے کے باوجود جب وہ باز نہ آئے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ٹالا ہے لہٰذا تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اس کے بعد انہیں بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ دوبارہ ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی اس واقعہ کا ذکر اس سورۃ کے آخر میں آئے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور مائدہ کا نزول

وہ اس طرح کہ حواریون نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ کیا تیرا رب اس بات پر قادر ہے کہ وہ ہم پر آسمان کی طرف سے دسترخوان نازل فرمائے اور پکے پکائے کھانے اس میں ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مومن ہو رب تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہو کہ وہ قادر مطلق ہے۔ پھر کہتے ہو کہ کیا وہ ایسا کر سکتا ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے سب کچھ کر سکتا ہے۔ کہنے لگے پھر رب تعالیٰ سے کہو کہ ہم پر دسترخوان نازل کرے۔ اور اس میں گوشت بھی ہو پنیر بھی ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ "اے اللہ تعالیٰ ہمارے پروردگار! نازل فرما ہم پر ایک بھرا ہوا دسترخوان آسمان کی طرف سے۔" ان کا مطالبہ مان لیا گیا۔ دو شرطوں کے ساتھ۔

① ...... ایک یہ کہ اس دسترخوان سے غریب کھائیں مالدار نہ کھائیں۔

② ...... دوسرا یہ کہ جتنا کھا سکتے ہیں کھائیں، ذخیرہ نہ کریں، بچا کر نہ رکھیں۔

سببِ لعنت

دوسرے وقت پر پھر آ جائے گا۔لیکن انھوں نے دونوں شرطوں کی پابندی نہ کی۔غریب امیر سب نے کھایا اور رکابیاں (پلیٹیں) ساتھ لے کر آتے ان میں بھر بھر کر ساتھ لے جاتے۔تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان پر لعنت کی گئی۔

فرمایا ﴿ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾ یہ لعنت اس لیے ہوئی کہ اُنھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔اور ان کا حال یہ تھا ﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ ﴾ نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو برائی سے۔﴿ فَعَلُوْهُ ﴾ جو وہ کرتے تھے ﴿ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ البتہ بُری تھی وہ کارروائی جو وہ کرتے تھے۔

نہی عن المنکر کا طریقہ ہائے کار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بیان کرنے کے بعد اپنی امت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ "تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت حاصل ہو فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ پس اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ اور اگر زبان سے بھی روکنے کی طاقت اور ہمت نہیں تو پھر اس فعل کو دل سے برا سمجھے۔" اور اگر دل سے بھی برا نہیں سمجھتا تو اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔بے شک وہ ایمان کا دعویٰ کرتا پھرے۔

الحمد للہ! چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے یہ امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو سرانجام دے رہی ہے۔اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ فریضہ سرانجام دیتی رہے گی۔

﴿ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ ﴾ دیکھیں آپ ان میں سے بہتوں کو ﴿ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ دوست بناتے ہیں ان لوگوں کو جو کافر ہیں۔یہودی کافروں مشرکوں کے ساتھ دوستی رکھتے تھے اور منافقین بھی کافروں کے ساتھ دوستی رکھتے تھے۔

یہود کی سرگرمیاں اور اظہارِ تاسف

﴿ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ البتہ بری ہے وہ چیز جو ان کے لیے آگے بھیجی ہے ان کے نفسوں نے وہ کیا ہے ﴿ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ یہ کہ ان پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔یہ رب تعالیٰ کی ناراضگی تو دنیا میں ہے ﴿ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴾ اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

کفار سے رفاقت کی ممانعت

کچھ یہودی برائے نام مسلمان ہوئے تھے اور ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر ﴿ وَ النَّبِيِّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ﴿ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ ﴾ اور اس چیز پر جو

اس کی طرف نازل کی گئی ﴿مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ نہ بناتے کافروں کو اپنا دوست۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ نبی سے مراد ان کے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں تو پھر مفہوم یہ بنے گا کہ یہ اگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے تو بھی کافروں کو دوست نہ بناتے۔ بلکہ آخری پیغمبر پر ایمان لاتے اور ان کو دوست بناتے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنائی ہے اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے تورات میں اس پر ایمان لاتے تو بھی کافروں کے ساتھ دوستی نہ رکھتے۔ کیونکہ تورات میں کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ کہ کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ ﴿وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور لیکن اکثریت ان میں سے نافرمانوں کی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً﴾ البتہ ضرور پائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے زیادہ سخت دشمنی میں ﴿لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿الْيَهُوْدَ﴾ یہود کو۔ یعنی مسلمانوں کا شدید ترین دشمن یہودی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔ بھلا اس میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

آج سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ فلسطین کے مہاجرین کے دو کیمپوں "صابرہ اور شطیلہ" پر یہودیوں نے حملہ کر کے تقریباً بتیس ہزار فلسطینیوں کو شہید کیا جن میں مرد عورتیں بچے بوڑھے شامل تھے اور آج تک باز نہیں آ رہے۔ یہودی دنیا کی بڑی ذہین اور ضدی قوم ہے۔ اور بڑے منصوبے کے تحت دنیا پر چھائی ہوئی ہے کم تعداد میں ہونے کے باوجود امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، روس وغیرہ کی تجارتی منڈیوں پر ان کا قبضہ ہے۔ اور اسلحہ کے اعتبار سے دنیا کی تیسری قوت ہے۔ ان کی نسبت سے عیسائی کمزور ہیں۔ تعداد میں زیادہ ہیں۔ یہودیوں کی تعداد اسی لاکھ بھی نہیں ہے اور اسرائیل کا کل رقبہ ہمارے دو ضلعوں کے برابر ہے لیکن منصوبہ بندی اور اسلحہ کے بل بوتے پر مسلمانوں کو ذبح کر رہا ہے۔ اور اسرائیل کے آس پاس رہنے والے مسلمانوں کی تعداد بارہ کروڑ سے زیادہ ہے۔ مگر منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے بے بس ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس اسلحہ نہیں ہے۔ عراق نے تھوڑا سا سر اٹھایا تو امریکہ بدمعاش نے اس کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ اور اس کو اپنا تیل بیچنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ امریکہ سے اجازت لے کر تیل بیچتے ہیں اور اتنا ہی بیچتے ہیں جتنے کی وہ اجازت دیتا ہے۔

بھلا تو کچا لگتا ہے پابندی لگانے کا۔ ملک ان کا، تیل ان کا، جتنا چاہیں اور جس طرح چاہیں بیچیں، مگر نہیں کیونکہ وہ بدمعاش ہے۔ بلکہ رقم کے ساتھ دوائی دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ باہر سے خوراک تک نہیں منگوانے دیتا۔ لیکن مسلمان ملکوں پر افسوس ہے کہ تمام کے تمام بمع سعودیہ، لبنان، اردن، شام اور مصر کے سب کے سب بہرے، گونگے اور اندھے بنے ہوئے ہیں اس کے حق میں آواز تک بلند کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور ان ملکوں میں جو حق کی آواز بلند کرتا ہے اس کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔

خصوصاً سعودیہ میں حالانکہ وہ مرکز اسلام ہے۔ الٹا امریکہ کی فوج کو سرزمین عرب میں لا کر بٹھایا ہوا ہے۔ اور ان کے تمام جائز و ناجائز اخراجات بھی برداشت کر رہے ہیں۔ بھائی! انسان کو اتنی ذلت بھی برداشت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ امریکہ نے

ان کے دماغ میں یہ وہم بھر دیا ہے کہ تمہیں عراق کھا جائے گا۔ اور میں تمہارا دفاع کروں گا۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی اَخْرِجُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ۔ ”یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔“ بہرحال یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔

یہود کے بعد ”مشرک“ دشمن اسلام ہیں

﴿وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ اور ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا۔ مسلمانوں کی دشمنی میں سخت پاؤ گے۔ یہود کے بعد مشرک بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔ چاہے مکے کے ہوں یا انڈیا کے ہوں۔ انڈیا کے مشرکوں کا تعصب دیکھو، بابری مسجد کو شہید کر کے وہاں مندر بنانا چاہتے ہیں اس کے علاوہ اور کئی مسجدوں کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں ہمارے بڑوں کے مندر تھے۔

آگے فرمایا ﴿وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً﴾ اور البتہ آپ ضرور پائیں گے ان میں سے زیادہ قریب دوستی میں ﴿لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿الَّذِيْنَ قَالُوْٓا﴾ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا ﴿اِنَّا نَصٰرٰى﴾ بے شک ہم نصرانی ہیں۔ یاد رکھنا! یہ آیات عام نصاریٰ کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ حبشہ کے ملک سے نصاریٰ کا ستر آدمیوں پر مشتمل ایک قافلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور وہ سارے مسلمان ہو گئے تھے۔ آگے آئے گا کہ انھوں نے جب قرآن سنا تو رونے لگ گئے تھے یہ ان کے متعلق ہیں۔ یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کا بادشاہ جو کہ عیسائی تھا وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ﴾ یہ اس لیے کہ بیشک ان میں سے ﴿قِسِّيْسِيْنَ﴾ عالم ہیں ﴿وَرُهْبَانًا﴾ اور پادری اور درویش ہیں ﴿وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے۔ دوبارہ ذہن نشین کر لیں کہ ان آیات کا مصداق آج کے نصاریٰ کو نہ بنانا۔ باقی مزید تشریح اور وضاحت آگے آ رہی ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

﴿ اِذَا سَمِعُوْا ﴾ اور جب انھوں نے سنا ﴿ مَاۤ اُنْزِلَ ﴾ اس چیز کو جو نازل کی گئی ﴿ اِلَى الرَّسُوْلِ ﴾ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھتے ہیں ان کی آنکھوں کو ﴿ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ ﴾ کہ وہ آنسو بہا رہی ہیں ﴿ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ﴾ اس لیے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے ﴿ یَقُوْلُوْنَ ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا ﴾ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ﴿ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴾ پس تو لکھ دے ہمیں حق کے گواہوں میں سے ﴿ وَمَا لَنَا ﴾ اور ہمیں کیا ہے ﴿ لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ تعالیٰ پر ﴿ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ﴾ اور اس چیز پر جو ہمارے پاس آئی ہے حق سے ﴿ وَنَطْمَعُ ﴾ اور ہم امید رکھتے ہیں ﴿ اَنْ یُّدْخِلَنَا ﴾ کہ ہمیں داخل کرے گا ﴿ رَبُّنَا ﴾ ہمارا رب ﴿ مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ﴾ نیک قوم کے ساتھ ﴿ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ ﴾ پس بدلہ دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿ بِمَا قَالُوْا ﴾ اس کا جو انھوں نے کہا ﴿ جَنّٰتٍ ﴾ باغوں کا ﴿ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ﴿ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ﴾ ہمیشہ ان میں رہیں گے ﴿ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ اور یہی ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا ﴿ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿ وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ ﴾ اور انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴾ وہی لوگ جہنم والے ہیں ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿ لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ ﴾ نہ حرام ٹھہراؤ وہ پاکیزہ چیزیں ﴿ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں ﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ﴾ اور نہ تم تجاوز کرو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا تجاوز کرنے والوں سے ﴿ وَكُلُوْا ﴾ اور کھاؤ ﴿ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں رزق دیا ہے ﴿ حَلٰلًا طَیِّبًا ﴾ حلال پاکیزہ ﴿ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿ الَّذِیْۤ ﴾ وہ ذات ﴿ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾ کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

مسلمانوں پر ظلم وستم کا دورِ اوّل اور ہجرت حبشہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت عطا کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ شروع کی اور لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے تو کافروں نے ان پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے اور کمزور اور غلام صحابہ رضی اللہ عنہم پر طرح طرح کے ظلم کیے۔ حضرت یاسر، حضرت سمیہ، حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا۔ بعض کو ٹخنوں سے رسیاں باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ بعض کو انگاروں پر لٹایا گیا۔ بعض کی چھاتیوں پر چڑھ کر کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ کلمہ چھوڑ دو مگر وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت عطا فرمائی اور وہ ایمان پر قائم رہے۔ کافروں کے مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ

حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں کہ شاہ حبشہ جن کا نام اصحمہ اور نجاشی لقب تھا بہت اچھا آدمی ہے۔ اور وہاں کے لوگ بھی بہت اچھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی معلوم ہوا کہ نجاشی اور اس کی رعایا اچھے لوگ ہیں۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے کہ واقعی اچھے لوگ ہیں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ تشریف لے گئے۔ معلوم ہوا کہ واقعی اچھے لوگ ہیں اور عیسائی مذہب رکھتے ہیں۔

مشرکین مکہ کا تعاقب کرنا

چنانچہ مظلوم مسلمانوں کا قافلہ جو چوہتر/ ۷۴ افراد پر مشتمل تھا مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گیا۔ اس قافلے میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ میں شامل تھے۔ جب مشرکین کو علم ہوا کہ یہ شکار ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا ہے تو انھوں نے تعاقب کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور ایک وفد جس میں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص شامل تھے اور یہ دونوں حضرات گفتگو کے بڑے ماہر اور دوسروں کو قائل کرنے میں بڑا تجربہ رکھتے تھے۔ بعد میں دونوں رضی اللہ عنہما ہو گئے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر بنے۔

نجاشی اور فریقین کا مکالمہ

چنانچہ یہ لوگ شاہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس کو کہا کہ ہمارے کچھ غلام بھاگ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ ان کو ہمارے حوالے کرو۔ نجاشی نے ان کی گفتگو سننے کے بعد کہا کہ میں صرف تمہاری بات پر یقین کر کے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ جب تک ان حضرات سے پوچھ گچھ نہ کرلوں کہ ان کا موقف کیا ہے؟ کیونکہ اگر محض دعوے پر فیصلہ کر دیا جائے فریق ثانی کی گفتگو سنے بغیر تو دنیا تباہ ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تک فریقین کی بات نہ سن لو کوئی فیصلہ نہ کرو۔ مشرک کہنے لگے کہ ہم بالکل سچے ہیں کہ یہ ہمارے غلام ہیں اور بھاگ کر آئے ہیں۔ نجاشی نے کہا کہ میں ان کا موقف سنے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور نجاشی

چنانچہ ان حضرات کو بلایا گیا اور ان سے کہا کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے آئے ہیں اور یہ ان کا مؤقف ہے کہ تم ان کے غلام ہو اور وہاں سے بھاگ کر یہاں آئے ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو متکلم بنایا کہ تمھیں گفتگو کرنا ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کس طرح ان کے غلام ہیں؟ یہ بھی قریشی ہیں اور میں بھی قریشی ہوں۔ بلکہ میں نسب میں ان سے اونچا ہوں۔ ہاں! ہمارے ساتھ کچھ غلام بھی ہیں۔ مگر ان کا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جب اس طرح بات نہ بنی تو عمرو بن العاص نے گفتگو کا رخ بدلا اور کہا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہیں؟

عیسائی پادریوں کی حلت وحرمت میں ہرزہ سرائی

نجاشی نے کہا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے بارے میں ہمارا نظریہ وہی ہے جو ہمیں ہمارے پیغمبر نے سکھایا ہے۔ وہ یہ ﴿ہے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ "نہیں ہیں عیسیٰ (علیہ السلام) مگر ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا ﴿وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ [زخرف : ۵۹] اور بنایا ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ۔" مشرک کہنے لگے دیکھو جی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ کہہ کر ان کی توہین کر دی ہے۔ حضرت نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اس نے اس کی نوک کے برابر بھی توہین نہیں کی وہ واقعی بندے تھے۔ مشرکین کا یہ وفد (بے نیل ومرام) واپس آ گیا اور مسلمان وہیں رہے۔ مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر حبشہ کے کئی عیسائی مسلمان ہو گئے اور شاہ حبشہ نجاشی بھی مسلمان ہو گیا۔ اُوپر بھی انہی کا ذکر تھا اور درج ذیل آیات میں بھی انہی کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿اِذَا سَمِعُوْا﴾ اور جب انھوں نے سنا ﴿مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اس چیز کو جو نازل کی گئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ ﴿تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھتے ہیں ان کی آنکھوں کو ﴿تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ کہ وہ آنسو بہا رہی ہیں۔ (کیوں آنسو بہا رہی ہیں؟) ﴿مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ﴾ اس لیے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا﴾ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ پس تو لکھ دے ہمیں حق کے گواہوں میں سے۔ ہم حق کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور قرآن کریم تیری سچی کتاب ہے اور دین اسلام سچا مذہب ہے۔

پھر کہا انھوں نے ﴿وَ مَا لَنَا﴾ اور ہمیں کیا ہے؟ ﴿لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ﴾ اور اس چیز پر جو ہمارے پاس آئی ہے حق سے ﴿وَ نَطْمَعُ﴾ اور ہم امید رکھتے ہیں ﴿اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا﴾ کہ ہمیں داخل کرے گا ہمارا رب ﴿مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴾ نیک قوم کے ساتھ (جنت میں)۔ ان آیات کے مصداق وہ عیسائی ہیں جو حبشہ سے آ کر مسلمان ہوئے تھے سارے عیسائی ان آیتوں کے مصداق نہیں ہیں۔ انگریز کے دور میں بعض مولوی اور پیر جو انگریز کے پٹھو اور وظیفہ خوار تھے۔ ان آیات کو انگریزوں سے چسپاں کرتے تھے کہ یہ ہمارے دوست ہیں۔ علمائے حق ان کو جواب دیتے تھے کہ بھائی اگلی آیات بھی تو پڑھو کہ انھوں نے کہا ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ "اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے پس تو لکھ دے ہمیں حق کے گواہوں میں سے۔" تو کیا انگریز ایمان لایا ہے اور قرآن کو سننے کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں تو انگریز ان آیتوں کا مصداق کس طرح بن گیا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ﴾ پس بدلہ دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿بِمَا قَالُوْا﴾ اس کا جو انھوں نے کہا ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ باغوں کا جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ ان میں رہیں گے ﴿وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور یہی ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا (اور برخلاف اس کے) ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ﴾ اور انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ وہی لوگ جہنم والے ہیں۔ جَحِیم شعلے مارنے والی آگ کو کہتے ہیں۔ مراد دوزخ ہے کہ یہ لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ عیسائیوں میں معتدل بھی تھے اور غالی بھی تھے۔ جو غالی تھے انھوں نے بعض حلال چیزوں کو اپنے لیے حرام کر لیا تھا۔ مثلاً: ان کے پادریوں نے کہا کہ گوشت، انڈا، مچھلی ہمارے لیے

حرام ہے۔ کیوں کہ ان کے کھانے سے جسم میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے درست سمت کی طرف راہنمائی فرمائی ہے کہ مسلمانو! تم اس طرح نہ کرنا۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ نہ حرام ٹھہراؤ وہ پاکیزہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں ﴿وَ لَا تَعْتَدُوْا﴾ اور نہ تم تجاوز کرو۔ کہ حلال کو حرام بناؤ اور حرام کو حلال قرار دو۔ پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں ان کو کھاؤ، پیو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا تجاوز کرنے والوں سے۔ لہٰذا گوشت کھاؤ، دودھ پیو، انڈے کھاؤ اور عیسائیوں سے مشابہت اختیار نہ کرنا۔

فرمایا ﴿وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ اور کھاؤ اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے۔ مگر کھانے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ﴿حَلٰلًا طَیِّبًا﴾ حلال پاکیزہ۔ یہ پہلی شرط ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال فرمایا ہے اور کھانے کی اجازت دی ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ طیب ہو۔ طیب اسے کہتے ہیں کہ اس میں دوسرے کا حق شامل نہ ہو۔ مثلاً: مرغا حلال ہے مگر کسی سے چھین کر یا چوری کر کے لائے تو طیب نہیں ہے۔ اسی طرح گندم، چاول وغیرہ حلال ہیں۔ مگر چوری ڈکیتی کے ہوں گے تو طیب نہیں ہوں گے یا یہ چیزیں دھوکا دہی سے حاصل کی جائیں یا کسی بھی ناجائز طریقے سے حاصل کی جائیں تو طیب نہیں ہوں گی۔ لہٰذا ان کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿الَّذِیْۤ﴾ وہ ذات ﴿اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ لہٰذا اس کے احکام کی بھی تعمیل کرو۔

﴿لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ﴾ نہیں پکڑے گا تمہیں اللہ تعالیٰ ﴿بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ﴾ بے ہودہ قسموں کے بارے میں ﴿وَ لٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ﴾ اور لیکن پکڑے گا تمھیں ﴿بِمَا﴾ ان قسموں کے بارے میں ﴿عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ﴾ کہ تم نے گرہ لگائی ہے قسموں پر ﴿فَكَفَّارَتُهٗۤ﴾ پس اس کا کفارہ ﴿اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ﴾ کھانا کھلانا ہے دس مسکینوں کو ﴿مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ﴾ درمیانے درجے کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو ﴿اَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا ﴿اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ﴾ یا گردن یعنی غلام آزاد کرنا ہے ﴿فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ﴾ پس جو شخص ان میں سے کوئی چیز نہ پائے ﴿فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ﴾ تو تین دن کے روزے ہیں ﴿ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ﴾ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا ﴿اِذَا حَلَفْتُمْ﴾ جب تم قسم اٹھا بیٹھو ﴿وَ احْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ﴾ اور محفوظ رکھو اپنی قسموں کو ﴿كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تا کہ تم شکر ادا کرو۔

(قسم) حلف کے متعلق شرعی اصول

انسان چھوٹا ہو یا بڑا اس کو زندگی میں ضرورت کے تحت بسا اوقات قسم بھی اُٹھانا پڑتی ہے۔ خود آنحضرت ﷺ نے دو تین مرتبہ قسمیں اٹھائی ہیں چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے خانگی حالات کی درستی کے لیے قسم اٹھائی کہ میں شہد نہیں کھاؤں گا وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی ایک بیوی کے پاس بیٹھ کر شہد کھاتے تھے جو دوسری بیویوں کو ناگوار گزرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس قسم کے توڑنے کا حکم فرمایا۔

حلف کی اقسام اور احکام

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ "اے نبی کریم (ﷺ)! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے حلال ٹھہرائی ہے۔ ﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ کیا آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے تمہارے لیے توڑ دینا تمہاری قسموں کا۔"

بہر حال زندگی میں قسم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قسم کے متعلق شرعی اصول یہ ہے کہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی اُٹھانا جائز ہے۔ مثلاً: قسم اٹھانے کے لیے یوں کہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً: کوئی کہتا ہے کہ مجھے رسول کی قسم ہے یا مجھے کعبہ کی قسم ہے۔ یا کہے مجھے پیر کی قسم ہے یا میں دودھ اور بیٹے کی قسم اٹھاتا ہوں یہ سب قسمیں حرام ہیں اور ان کا کفارہ بھی نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ)) "جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔" بلکہ ایک حدیث میں آتا ہے: ((مَنْ قَالَ بِاللَّاتِ وَ الْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) "جس شخص نے کہا مجھے لات و عزیٰ کی قسم ہے وہ فوراً کلمہ پڑھے کہ غیر اللہ کی قسم اٹھانے سے اسلام سے خارج ہو گیا۔"

اب سوال یہ ہے کہ آدمی قرآنِ کریم کی قسم اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً: کوئی آدمی کہے کہ مجھے قرآنِ کریم کی قسم ہے تو آیا یہ قسم ہوگی یا نہیں؟ تو فقہائے کرام رحمہم اللہ کا اس میں اختلاف ہے مگر محققین حضرات فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے قرآنِ کریم کی قسم اٹھائی تو وہ قسم ہو جائے گی۔ پھر قسم کی تین قسمیں ہیں:

① لغو ② غموس اور ③ مُنْعَقِدَہ

① ......"لَغْو" وہ قسم ہے جو غیر اختیاری طور پر بغیر ارادے کے منہ سے نکل جائے جس طرح عام آدمیوں کی عادت ہے۔ بات، بات پر قسم اٹھاتے رہتے ہیں۔ قسم لغو کی ایک اور صورت بھی بیان فرماتے ہیں کہ گزشتہ کسی معاملہ پر قسم اٹھائے کہ وہ کام کیا ہو اور کہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں نے وہ کام نہیں کیا یا نہ کیا ہو اور کہے کہ میں نے کیا ہے۔ لیکن قسم اٹھاتے وقت

یاد نہیں ہے تو یہ بھی لغو ہے۔ یمینِ لغو کی دونوں قسموں کا کفارہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ﴾ نہیں پکڑے گا تمھیں اللہ تعالیٰ ﴿بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ﴾ بے ہودہ قسموں کے بارے میں۔

②......اور دوسری قسم ہے "غَمُوس" کہ گزشتہ کسی چیز کے بارے میں دیدہ دانستہ قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے وہ کام نہیں کیا حالانکہ کیا ہے۔ یا کہتا ہے کہ میں نے وہ کام کیا ہے حالانکہ نہیں کیا۔ اس میں کفارہ نہیں ہے۔ مگر قسم اٹھانے والا گنہگار ہوتا ہے۔ آخرت میں مواخذہ ہوگا کہ رب تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ میں غوطہ دے گا۔ کیونکہ غمس کے معنی غوطے کے ہیں۔ رہی یہ بات کہ کتنی دفعہ غوطہ دے گا؟ تو وہ رب تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے غوطے دے گا۔

③......تیسری قسم ہے "مُنْعَقِدَۃ" وہ یہ ہے کہ مستقبل میں کسی چیز کے متعلق قسم اٹھائے کہ میں وہ کام کروں گا یا نہیں کروں گا۔ مثلاً: یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں فلاں کام کروں گا۔ یا یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں فلاں کام نہیں کروں گا۔ پھر کسی کام کے کرنے کے متعلق قسم اٹھائی اور نہیں کر سکا یا نہ کرنے کے متعلق قسم اٹھائی اور کر لیا تو اس کا کفارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ﴾ اور لیکن پکڑے گا تمھیں ﴿بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ﴾ ان قسموں کے بارے میں کہ تم نے گرہ لگائی ہے قسموں پر۔ کہ تم نے قصداً وہ قسم اٹھائی ہے کہ یہ کام کروں گا یا نہیں کروں گا پھر نہ کر سکا یا کر لیا۔ ﴿فَکَفَّارَتُہٗٓ﴾ پس اس کا کفارہ ﴿اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیْنَ﴾ کھانا کھلانا ہے دس مسکینوں کو۔

مسکین کی تعریف؟

مسکین اسے کہتے ہیں کہ جس کے پاس نصاب کے برابر رقم نہ ہو۔ یا سامان تجارت نہ ہو کہ جس کی مالیت نصاب کے برابر ہو۔ یا گھر میں ضرورت سے زیادہ اتنا سامان نہ ہو کہ جس کی مالیت نصاب کے برابر ہو۔ ضرورت سے زائد سامان وہ ہے جو کبھی کبھار استعمال میں آتا ہے مہمانوں کے آنے پر۔

مسکین کے لیے شرائط؟

مثلاً: پلنگ ہیں، بسترے ہیں، برتن ہیں جو عموماً استعمال میں نہیں آتے صرف دوست احباب، مہمانوں کے آنے پر استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ضرورت سے زائد سامان شمار ہوتا ہے۔ یہ اتنی مالیت کا نہ ہو جو نصاب کو پہنچ جائے تو ایسا شخص مسکین ہے۔ نصاب ساڑھے باون تولے چاندی ہے جس کی مالیت آج کل تقریباً ساڑھے پانچ ہزار ہے۔ (بوقت درس۔ اب موجودہ مالیت کا اعتبار ہوگا۔) اور جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد ساڑھے پانچ ہزار روپے ہیں یا ساڑھے باون تولے چاندی ہے یا کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے کہ ان کی مالیت ساڑھے پانچ ہزار بن جاتی ہے۔ یا سامانِ تجارت ہے یا گھر میں ضرورت سے زائد سامان ہے کہ اس کی مالیت ساڑھے پانچ ہزار بنتی ہے تو ایسا شخص "مسکین" نہیں ہے۔ وہ زکوٰۃ، عشر، فطرانہ، قربانی کی کھال، نذر منت، قسم کے کفارے کی رقم نہیں لے سکتا۔ بلکہ اس پر قربانی کرنا اور فطرانہ دینا واجب ہے، چاہے مرد ہے یا عورت ہے؟ بعض لوگ

بیوہ عورتوں کو محض بیوہ سمجھ کر زکوٰۃ،عشر،فطرانہ اور چرمہائے قربانی کی رقم دے دیتے ہیں حالانکہ بعض بیواؤں کے پاس اتنا مال اور سامان ہوتا ہے کہ جس کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی سے زائد ہوتی ہے۔ایسی بیوہ کو جس نے زکوٰۃ،عشر،فطرانہ کی رقم یا چرمہائے قربانی کی رقم دی تو فرض ادا نہ ہوگا بلکہ ذمہ میں اسی طرح واجب رہے گا تو ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ مسکین ہو۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ''مسکین'' مسلمان ہو کافر نہ ہو کیونکہ کافر کو کفارے کی رقم نہیں لگتی۔نہ زکوٰۃ وعشر وغیرہ کی رقم لگتی ہے۔اور کافر وہ ہے جسے شریعت کافر کہے صرف عوام کی اصطلاح والا کافر نہیں ہے۔شریعت کی زبان میں مرزائی کافر ہے،مشرک کافر ہے،شیعہ کافر ہے۔منکر حدیث کافر ہے، بہائی کافر ہے، بابی کافر ہے، ذکری کافر ہے اور کئی فرقے ہیں جو کافر ہیں۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ مسکین سادات میں سے نہ ہو۔ پانچ بزرگوں کی اولاد کو شریعت ''سید'' کہتی ہے وہ پانچ بزرگ یہ ہیں:(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عباس (۳) حضرت جعفر طیار (۴) حضرت عقیل (۵) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حارث۔

حضرت حارث خود تو مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر ان کی اولاد مسلمان تھی۔ان کی اولاد کو زکوٰۃ،عشر،فطرانہ، چرمہائے قربانی،نذر منت اور قسم کے کفارہ کی رقم نہیں لگتی۔اور جن دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ان میں سے کوئی بوڑھا نہ ہو کہ کھا پی نہ سکے نہ بچہ ہو اور دو وقت کا کھانا کھلانا ہے صبح شام یا آج صبح اور کل صبح یا آج شام اور کل شام۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کھانا کیسا ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ﴾ درمیانے درجے کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔نہ اچار، چٹنی اور لسی کے ساتھ اور نہ اعلیٰ قسم کا کھانا مرغ پلاؤ وغیرہ۔﴿اَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا ہے۔لباس دینا ہے کہ جس میں نماز درست ہو جائے کُرتہ شلوار یا تہہ بند اور ٹوپی البتہ جوتا اس میں شامل نہیں ہے۔﴿اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ یا گردن یعنی غلام آزاد کرنا ہے۔نزولِ قرآنِ کریم کے وقت غلام اور لونڈیاں موجود تھیں۔لونڈی بھی آزاد کرسکتا ہے اور غلام بھی۔جو شخص ان تین چیزوں میں سے کسی ایک پر قادر ہے وہ روزے نہیں رکھ سکتا۔اور جو قادر نہیں ہے اس کے لیے فرمایا ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جو شخص ان میں سے کوئی چیز نہ پائے ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ﴾ تو تین دن کے روزے ہیں۔اور یہ روزے مسلسل رکھنے ہیں۔ایسا نہیں کرسکتا کہ ایک آج رکھ لے اور دوسرا دو دن کے بعد اور تیسرا چار دن کے بعد۔بلکہ لگاتار رکھنے ہیں اور اگر روزے رکھنے کے دوران مسکینوں کو کھانا کھلانے یا لباس پہنانے کی قدرت حاصل ہوگئی۔مثلاً: ایک روزہ یا دو روزے رکھے تھے کہ وراثت میں رقم مل گئی یا کسی نے ہدیئے کے طور پر رقم دے دی کہ یہ مسکینوں کو کھانا کھلانے پر قادر ہوگیا تو صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تیسرا روزہ نہیں رکھ سکتا۔اب دس مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔کیونکہ ابھی وقت باقی ہے اور وہ کھانا کھلانے پر قادر ہوگیا ہے اور ایک یا دو روزے جو اس نے رکھے ہیں ان کا اسے الگ ثواب ملے گا۔

وہ قسمیں جن کا توڑنا واجب ہے؟

﴿ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ﴾ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا ﴿اِذَا حَلَفْتُمْ﴾ جب تم قسمیں اُٹھا بیٹھو۔ ﴿وَاحْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ﴾ اور محفوظ رکھو اپنی قسموں کو۔ اگر قسمیں ایسی ہیں کہ ان کا توڑ دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ قسم اگر نا جائز کام کے لیے اٹھائی ہے تو اس کا توڑ دینا ضروری ہے۔ مثلاً: کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں والدہ یا والد کے ساتھ نہیں بولوں گا یا بھائی کے ساتھ نہیں بولوں گا یا کسی عزیز رشتہ دار کے متعلق کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ نہیں بولوں گا تو ایسی قسم کا توڑنا واجب ہے کیونکہ قطع رحمی حرام ہے۔ یا کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں جوا کھیلوں گا یا شراب پیوں گا اور بہانے بنائے کہ میں مجبور ہوں ان کاموں کے کرنے پر کیونکہ قسم اٹھا بیٹھا ہوں تو بہانہ غلط ہے۔ کیونکہ ایسی قسم کا توڑنا واجب ہے اور کفارہ دینا پڑے گا۔

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تا کہ تم شکر ادا کرو۔ زندگی کے ہر شعبے کے لیے شریعت نے احکام بیان فرمائے ہیں تا کہ تم مہذب بنو۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿الْخَمْرُ﴾ شراب ﴿وَالْمَيْسِرُ﴾ اور جوا ﴿وَالْاَنْصَابُ﴾ اور بت ﴿وَالْاَزْلَامُ﴾ اور تقسیم کے تیر ﴿رِجْسٌ﴾ گندگی ہے ﴿مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کے کام ہیں ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ پس بچو تم اس سے ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تا کہ تم فلاح پاؤ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ﴾ پختہ بات ہے ارادہ کرتا ہے شیطان ﴿اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ﴾ اس بات کا کہ ڈالے تمہارے درمیان ﴿الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ﴾ دشمنی اور بغض (اور کینہ) ﴿فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ شراب اور جوئے کی وجہ سے ﴿وَيَصُدَّكُمْ﴾ اور تا کہ تمہیں روکے ﴿عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ﴿وَعَنِ الصَّلٰوةِ﴾ اور نماز سے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ پس کیا تم باز آؤ گے ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول کی ﴿وَاحْذَرُوْا﴾ اور بچو تم ان کی مخالفت سے ﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ پس اگر تم اعراض کرو گے ﴿فَاعْلَمُوْۤا﴾ پس تم جان لو ﴿اَنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ ہمارے رسول کے ذمہ ہے پہنچا دینا کھول کر ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿جُنَاحٌ﴾ کوئی گناہ ﴿فِيْمَا﴾ اس چیز میں ﴿طَعِمُوْۤا﴾ جو انہوں نے کھایا ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾ جب کہ وہ ڈرتے رہیں اور ایمان پر قائم رہیں ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور نیک عمل کرتے رہیں ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا﴾ پھر وہ تقویٰ اختیار کریں ﴿وَّاٰمَنُوْا﴾ اور ایمان پر قائم رہیں ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا﴾ پھر وہ پرہیزگاری اختیار کریں ﴿وَّاَحْسَنُوْا﴾ اور نیکی کریں ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور

اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔

بیانِ ربط آیات ومضمون

اس سے پہلی آیت کریمہ میں قَسم کے احکام تھے۔ اور آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوا بیان کیا ہے اور دیگر احکام بیان فرمائے ہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں آج بھی شراب بنانے والے اور پینے والے موجود ہیں اور نزول قرآن کے وقتِ بھی بنانے اور پینے والے موجود تھے۔ بلکہ بہت رواج تھا مگر جن حضرات کا مزاج فطرت سلیمہ پر تھا انہوں نے اس زمانے میں بھی نہیں پی۔ جس کو دورِ جاہلیت کہا جاتا ہے۔

شراب کی حلت کا زمانہ اور برگزیدہ شخصیات کی پرہیز گاری

آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک پر نبوت سے پہلے بھی شراب کا ایک قطرہ تک نہیں آیا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے زمانہ کفر میں بھی کبھی شراب نہیں پی تھی باوجود مال دار اور غنی ہونے کے۔ ان کے علاوہ اور بہت سارے بزرگ تھے جنھوں نے شراب کبھی نہیں پی تھی۔ ابتدائے اسلام میں شراب حرام نہیں تھی بعد میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دے دیا۔

شراب کی حرمت کا نزول

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ پختہ بات ہے شراب۔ جو چیزیں قطعی طور پر حرام ہیں ان میں سے ایک شراب ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص شراب بنانے کے ارادے سے پھلوں کا جوس نکالتا ہے اس پر لعنت ہے جو شراب بناتا ہے اس پر لعنت جو اٹھا کر لے جاتا ہے اس پر لعنت ہے جو بیچتا ہے اس پر لعنت۔ جو خریدتا ہے اس پر لعنت جو پیتا ہے اس پر لعنت جو پلاتا ہے اس پر لعنت۔ گویا کہ اول سے لے کر آخر تک شراب کی مد میں جتنے شریک ہیں سب کے سب ملعون ہیں۔ شراب کو حلال سمجھنے والا کافر ہے اور حرام سمجھ کر پینے والا گنہگار ہے۔ اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

فرمایا ﴿وَالْمَيْسِرُ﴾ اور جوا۔ بڑے گناہوں میں سے ایک جوا بھی ہے جس کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ جن کو جواری ہی جانتے ہیں ہم اس سیدھے سادھے مفہوم کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ بہرحال جو شکل بھی ہو حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

اَنصَاب کی تشریح

﴿وَالْاَنْصَابُ﴾ اور بت۔ انصاب نُصب کی جمع ہے جس کا معنی ہے ''بت''۔ اس زمانے میں بھی لوگ جان دار

چیزوں کے بت بناتے اور بیچتے تھے اور آج بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہاتھی کا بت، گھوڑے کا بت، خرگوش وغیرہ کا بت، بلکہ بعض بے باک قسم کی عورتیں اپنے بچوں کے قمیصوں پر کڑھائی کرتی ہیں اور اس میں کبوتر اور سور وغیرہ کی تصویر بناتی ہیں۔ یہ سب حرام ہیں۔ اور جس گھر میں جان دار کی تصویر سامنے نظر آئے اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جن کی ڈیوٹی ہوتی ہے کہ گھروں میں آتے ہیں اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ لیکن خدا کی پناہ! آج تو ہمارے گھر شوقیہ طور پر بت خانے بنے ہوئے ہیں کسی نے اپنی تصویر، کسی نے باپ کی، کسی نے دادا کی اور کسی نے سیاسی لیڈر کی تصویر لٹکائی ہوئی ہے۔ سارا ماحول ہی گندا ہوگیا ہے۔ اخبارات دیکھو تو وہ تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو چیز خریدو اس پر تصویر ہے۔ صابن، ماچس تک تصویر سے خالی نہیں ہیں۔ افسوس کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان قوم کو جس چیز سے منع فرمایا ہے یہ اسی کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور باطل قوموں نے سارا ماحول ہی بدل دیا ہے اور مسلمان اسلامی احکام سے دور ہوگئے ہیں۔ دنیا میں اس وقت تقریباً چون [۵۴] اسلامی ملک ہیں۔ بشمول سعودیہ کے کسی بھی ملک میں مکمل اسلامی قانون نافذ نہیں ہے۔ سوائے طالبان کے علاقہ کے کہ وہاں اول سے لے کر آخر تک اسلامی قانون نافذ ہے۔ اور اس کی برکت سے وہاں امن وسکون ہے۔ اگر کوئی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو شریعت کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ شادی شدہ زانی کو رجم کیا جاتا ہے۔ اور ناجائز قسم کے گانے وغیرہ ممنوع ہیں اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارا ملک پاکستان بھی اس جیسا ملک بن جائے۔

اَزْلَام کی تفسیر وتوضیح

﴿وَالْاَزْلَامُ﴾ اور تقسیم کے تیر۔ اَزْلَامٌ جمع ہے زَلَمٌ کی۔ زلم کے معنی ہیں لاٹری، یہ بانڈ وغیرہ اسی مد میں آتے ہیں۔ یہ اسلام کی روح کے خلاف ہیں۔ زلم کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کعبۃ اللہ میں ایک تھیلا رکھا ہوا تھا اس میں تیر تھے۔ کسی تیر پر لَا لکھا ہوا تھا جس کا معنی ہے ''نہیں''۔ اور کسی پر نَعَمْ لکھا ہوا تھا۔ جس کا معنی ہے ''ہاں'' اور کچھ تیر خالی ہوتے تھے جن پر کچھ نہیں لکھا ہوا تھا لوگ اس طرح کرتے تھے کہ انھوں نے جب کوئی کام کرنا ہوتا تھا مثلاً: کہیں رشتہ کرنا ہے، سفر پر جانا ہے یا کوئی کاروبار شروع کرنا ہے۔ غرضیکہ کوئی بھی اہم کام کرنا ہوتا تو جا کر تیر نکلواتے۔ اس ارادے سے کہ میں یہ کام کروں یا نہ کروں۔ اگر وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہوتا نَعَمْ تو وہ کام کرتا یہ سمجھتے ہوئے کہ بات پکی ہے اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہوتا لَا تو وہ کام نہ کرتا یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کام نہیں ہوسکتا۔ اگر سادہ تیر نکلتا تو دوسری تیسری بار نکالنے کا موقع دیا جاتا بالآخر کوئی تو نَعَمْ یا لَا والا نکل ہی آتا۔ اور ایک صورت یہ بھی تھی کہ دس آدمی مل کر ایک اونٹ خریدتے سارے برابر، برابر رقم دیتے پھر کہتے کہ ہم تیروں سے پوچھتے ہیں کہ یہ اونٹ کس کی قسمت کا ہے؟

مثلاً: زید کی نیت کر کے ایک بچے کو کہتے کہ تیر نکال اگر نعم والا نکل آتا تو سارا اونٹ زید کا ہوجاتا باقی سارے محروم ہوجاتے اور اگر لَا والا نکل آتا تو یہ محروم ہوجاتا۔ پھر دوسرے کے نام کا تیر نکالتے۔

بھائی! سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ تمہارے کاموں کا کیا تعلق ہے؟ اور فال نکالنے کا یہ طریقہ بھی ان میں رائج تھا کہ جب کوئی کسی کام کے لیے باہر جانے کا ارادہ کرتا گھر کے قریب کوئی درخت ہوتا اس پر پتھر مارتا۔ عموماً درختوں پر پرندے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اگر وہ دائیں جانب اڑتے تو کہتا کہ میرا کام ہو جائے گا اگر وہ بائیں جانب اڑتے تو کہتا کہ میرا کام نہیں ہوگا اس کو "تَطَيُّر" کہتے ہیں۔ یعنی پرند کے ذریعے فال نکالنا۔ بھائی! پرندوں کے اڑنے کے ساتھ تمہارے کام کا کیا تعلق ہے؟۔ جس طرح آج کل بعض جاہل کہتے ہیں کہ کوا بولا ہے کوئی مہمان آ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿رِجْسٌ﴾ گندگی ہے۔ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ ﴿مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کے کام سے ہیں ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ پس بچو تم اس سے ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ﴾ پختہ بات ہے ارادہ کرتا ہے شیطان ﴿اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ﴾ اس بات کا کہ ڈالے تمہارے درمیان ﴿الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ﴾ دشمنی اور بغض (اور کینہ) ﴿فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ شراب اور جوئے کی وجہ سے۔

شراب سے منع کی حکمت

شراب پینے کی وجہ سے ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں کسی کو گالی دے گا، کسی کے ساتھ لڑے گا اور یہ لڑائی بڑی لڑائی کی بنیاد بن جائے گی اور جوا ہارنے والا جیتنے والے کی جان کے درپے ہو جاتا ہے۔ اور دشمنی چل پڑتی ہے۔

﴿وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اور تاکہ تمھیں روکے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے۔ ظاہر بات ہے کہ شراب پینے کے بعد جب ہوش و حواس ہی قائم نہیں رہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرنا ہے؟ اور جو شخص جوئے میں مشغول ہے اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف کب ہو سکتی ہے؟

﴿وَعَنِ الصَّلٰوةِ﴾ اور نماز سے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ پس کیا تم باز آؤ گے۔ ان چیزوں کو چھوڑ دو گے، باز آ جاؤ گے؟ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی تو کہا اِنْتَهَيْنَا يَارَبِّ! اے ہمارے پروردگار! ہم باز آ گئے۔ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ میں دھمکی تھی کہ باز آتے ہو یا ہم کوئی اور تدبیر کریں۔ تو فرمایا کہ اِنْتَهَيْنَا يَارَبِّ! اے ہمارے پروردگار! ہم باز آ گئے ان تمام چیزوں سے۔

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿وَاحْذَرُوْا﴾ اور بچو تم ان (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت سے ﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ پس اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے ﴿فَاعْلَمُوْٓا﴾ پس تم جان لو ﴿اَنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ ہمارے رسول کے ذمہ ہے پہنچا دینا کھول کر۔ منوانا اور تسلیم کرانا اس کے فریضہ میں شامل نہیں ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے ذمہ ہے کہ بات کو کھول کر بیان کر دے تاکہ سننے والے سن لیں اور سمجھنے والے سمجھ جائیں۔

شراب جب حرام ہوئی تو بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آیا کہ ہم جو پہلے پیتے رہے ہیں اس کا کیا بنے گا؟ یا ہمارے رشتہ دار عزیز جو پیتے رہے ہیں اور اب فوت ہو چکے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور عمل کیے اچھے ﴿جُنَاحٌ﴾ کوئی گناہ ﴿فِيْمَا﴾ اس چیز میں ﴿طَعِمُوْٓا﴾ جو انھوں نے کھایا۔ ہماری نہی سے پہلے۔ لیکن آئندہ کے لیے شرط یہ ہے کہ ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾ جب کہ وہ ڈرتے رہیں اور ایمان پر قائم رہیں ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور نیک عمل کرتے رہیں ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا﴾ پھر وہ تقویٰ اختیار کریں ﴿وَّاٰمَنُوْا﴾ اور ایمان پر قائم رہیں ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا﴾ پھر وہ پرہیز گاری اختیار کریں اور نیکی کریں۔

بار بار تقوے اور پرہیز گاری کا حکم اس لیے دیا ہے کہ شراب ایسی چیز ہے کہ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ ظالم لگی ہوئی۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ سب کو گناہوں سے محفوظ رکھے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور امتحان لے گا تمہارا اللہ تعالیٰ ﴿بِشَيْءٍ﴾ کسی چیز کے ساتھ ﴿مِّنَ الصَّيْدِ﴾ شکار میں سے ﴿تَنَالُهٗٓ﴾ پہنچیں گے اس شکار کو ﴿اَيْدِيْكُمْ﴾ تمہارے ہاتھ ﴿وَرِمَاحُكُمْ﴾ اور تمہارے نیزے ﴿لِيَعْلَمَ اللّٰهُ﴾ تاکہ ظاہر کر دے اللہ تعالیٰ ﴿مَنْ يَّخَافُهٗ﴾ اس شخص کو جو ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بغیر دیکھے ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى﴾ پس وہ شخص جس نے تجاوز کیا ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ پس اس کے لیے ہے دردناک عذاب ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ﴾ نہ مارو تم شکار کو ﴿وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ اس حال میں کہ احرام میں ہو ﴿وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ﴾ اور جو قتل کرے گا تم میں سے اس شکار کو ﴿مُّتَعَمِّدًا﴾ جان بوجھ کر ﴿فَجَزَآءٌ﴾ پس بدلہ ہے ﴿مِّثْلُ مَا قَتَلَ﴾ اس کے مثل جو اس نے قتل کیا ہے ﴿مِنَ النَّعَمِ﴾ مویشیوں میں سے ﴿يَحْكُمُ بِهٖ﴾ فیصلہ کریں گے اس کے متعلق ﴿ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ دو انصاف والے تم میں سے ﴿هَدْيًا﴾ وہ قربانی ہوگی ﴿بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ کعبہ تک پہنچنے والی ﴿اَوْ كَفَّارَةٌ﴾ یا کفارہ ہے ﴿طَعَامُ مَسٰكِيْنَ﴾ مسکینوں کی خوراک ﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ﴾ یا اس کے برابر ہیں ﴿صِيَامًا﴾ روزے ﴿لِّيَذُوْقَ﴾ تاکہ چکھے وہ شخص ﴿وَبَالَ اَمْرِهٖ﴾ اپنے کام کا وبال ﴿عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ﴾ معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا ﴿وَمَنْ عَادَ﴾ اور جو شخص (پھر) کرے گا ﴿فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ﴾ تو اس سے اللہ تعالیٰ انتقام لے گا ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے ﴿ذُو انْتِقَامٍ﴾ انتقام لینے والا ہے۔

ربط آیات و مضمون

اس سے پہلی آیات میں محرمات ابدیہ کا ذکر تھا یعنی وہ چیزیں جو ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ جیسے شراب وغیرہ اور آج کی آیات میں محرمات وقتیہ کا بیان ہے یعنی جو کچھ وقت کے لیے حرام ہیں ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہیں۔ مثلاً: جب کوئی آدمی حج اور عمرے کا احرام باندھ لے گا تو اس کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے، کرتا، شلوار وغیرہ۔ سر نہیں ڈھانپ سکتا، نہ ٹوپی سے، نہ رومال سے، نہ پگڑی سے، نماز بھی ننگے سر پڑھے گا، سر کے بال نہیں کٹوا سکتا نہ منڈوا سکتا ہے، نہ مونچھیں کٹوا سکتا ہے، نہ ناخن تراش سکتا ہے، نہ خوشبو لگا سکتا، نہ شکار کر سکتا ہے، نہ شکار والے جانور کو ذبح کر سکتا ہے ہاں! گھریلو جانوروں مرغی، بطخ، گائے، بکری وغیرہ کو ذبح کر سکتا ہے وہ جانور جس کا شکار کیا جاتا ہے اس کو ذبح نہیں کر سکتا۔ محرم آدمی احرام کی حالت میں شکاری جانور کو بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر بھی ذبح کرے تو وہ حرام ہے، حلال نہیں ہوگا۔ جس طرح کوئی شخص کتے اور خنزیر کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو وہ حلال نہیں ہو سکتے۔ اور محرم جب تک احرام کی حالت میں ہوگا اس پر ان سب چیزوں کی پابندی ہے۔ البتہ مچھلی اور ٹڈی کا شکار کر سکتا ہے۔ کیونکہ ان کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

محرم (آدمی) کے شکار کا حکم

آنحضرت ﷺ نے فرمایا دو چیزیں ہمارے لیے بغیر ذبح کے حلال کی گئی ہیں۔ الحوت والجراد ایک مچھلی اور دوسری ٹڈی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مدینہ منورہ سے حج، عمرہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے تھے۔ آج کل ذوالحلیفہ کے نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اس کو آج کل بیرِ علی کہتے ہیں۔ یہ مدینہ منورہ کے لیے میقات ہے۔ اور یہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے اور یہاں سے مکہ مکرمہ تین سو میل کی مسافت پر ہے۔ اور مکہ مکرمہ کے اردگرد جتنے بھی میقات ہیں۔ ان میں سے یہ سب سے لمبا میقات ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر چلتے تو راستے میں ان کو شکار کے جانور بہت ملتے تھے۔ نیل گائے، ہرن، شتر مرغ، خرگوش، کبوتر وغیرہ اتنے قریب آ کر بیٹھ جاتے کہ ان کو ہاتھ سے پکڑ سکتے اور نیزے سے شکار کر سکتے تھے۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی طرف دیکھ کر ہنستے کہ اگر ہمیں شکار کرنے کی اجازت ہوتی تو ان کے ساتھ دو دو ہاتھ کرتے لیکن ہم پابند ہیں کچھ کر نہیں سکتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور امتحان لے گا تمہارا اللہ تعالیٰ ﴿بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ﴾ کسی چیز کے ساتھ شکار میں سے ﴿تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ﴾ پہنچیں گے اس شکار کو تمہارے ہاتھ ﴿وَرِمَاحُكُمْ﴾ اور نیزے۔ اگر ہاتھ سے پکڑنا چاہو تو پکڑ سکو گے اور نیزوں سے مارنا چاہو تو مار سکو گے۔ ﴿لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ﴾ تاکہ ظاہر کر دے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے بغیر دیکھے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا علم تو پہلے ہی سے ہے۔ ﴿لِیَعْلَمَ﴾ کا ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما لِیُظْهِرَ کرتے ہیں۔ تاکہ ظاہر کر دے اللہ تعالیٰ اس کو جو بن

دیکھے اس سے ڈرتا ہے۔ ہم نے آج تک اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا مگر ہر مومن کا ایمان اور یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ اور عرش پر بھی مستوی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ سورۃ حدید میں ذکر ہے فرمایا ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ "تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔" ذات کے اعتبار سے، قدرت کے اعتبار سے، علم کے اعتبار سے اور اتنا قریب ہے کہ فرمایا:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [پارہ:۲۶،ق:۱۶] "اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" ﴿حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ اس رگِ جان کو کہتے ہیں جو دل سے دماغ تک جاتی ہے اگر یہ کٹ جائے تو آدمی مرجاتا ہے اس لیے اس کو رگِ جان اور شاہ رگ کہتے ہیں۔ تو جو ذات اتنی قریب ہے اس کے احکام کی پابندی کرنی چاہیے۔ اور ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى﴾ پس وہ شخص جس نے تجاوز کیا ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ ہمارے منع کرنے کے بعد کہ احرام کی حالت میں شکار نہیں کرنا پھر اس نے شکار کیا ﴿فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ نہ مارو تم شکار کو اس حال میں کہ احرام میں ہو۔

محرم سے جنایت اور جزا میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اختلاف

﴿وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا﴾ اور جو قتل کرے تم میں سے اس شکار کو جان بوجھ کر مُتَعَمِّدًا کی قید اتفاقی ہے اگر بھول کر بھی قتل کرے گا کہ اس کو یاد نہیں تھا کہ میں احرام میں ہوں پھر بھی کفارہ آئے گا اور اس پر تمام مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اجماع نقل کیا ہے کہ خطا سے بھی قتل کیا تو کفارہ دینا پڑے گا لیکن اتنا فرق ہوگا کہ اگر دیدہ دانستہ قتل کرے گا تو فعل کا کفارہ الگ ہوگا اور شکار کا الگ ہوگا اور بھول کر کیا ہے تو صرف شکار کا کفارہ ہوگا۔ آگے کفارے کا بیان ہے۔

﴿فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ پس بدلہ ہے اس کے مثل جو اس نے قتل کیا ہے مویشیوں میں سے۔ یعنی جس قسم کا جانور شکار کیا ہے اسی قسم کا جانور خرید کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان کرے۔ مثلاً: اگر کسی شخص نے احرام کی حالت میں شتر مرغ کا شکار کیا تو اسے اونٹ دینا پڑے گا، ہرن شکار کیا تو بکری دینی پڑے گی اگر خرگوش کا شکار کیا تو بکری کا بچہ دینا پڑے گا کیونکہ یہ جانور آپس میں ملتے جلتے ہیں اور جس جانور کی مثل صوری نہ ہو اس کی قیمت دینی پڑے گی۔ جیسے چڑیا یا کبوتر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کبوتر کا شکار کیا تو اسے بکری دینی پڑے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ کبوتر اور بکری میں کیا نسبت ہے؟ فرماتے ہیں کہ باقی جانور جب پانی پیتے ہیں تو پانی کو اپنے اندر کھینچتے ہیں مگر بکری اور کبوتر منہ میں پانی ڈال کر منہ کو اوپر اٹھا کر پانی اندر داخل کرتے ہیں تو پانی پینے میں ان کی آپس میں مشابہت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی مشابہت نہیں ہے۔ تشبیہ یہ ہے کہ ایک جانور کی دوسرے جانور کے ساتھ شکل وصورت ملتی جلتی ہو۔ جیسے: شتر مرغ اور اونٹ یا خرگوش اور بکری کے بچے کی شکل ملتی جلتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ

شکار شدہ جانور کی مثل اور قیمت کا تعین کون کرے گا؟

تو اس کے متعلق فرمایا ﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ فیصلہ کریں گے اس کے متعلق دو انصاف والے تم میں سے۔اس کے متعلق دو انصاف والے تم میں سے محرم نے جس علاقے میں شکار کیا ہے اس علاقہ میں مثلاً: کبوتر یا فاختہ کی کیا قیمت ہے؟ دو عادل آدمی فیصلہ کریں گے کہ اس کی اتنی قیمت ہے یا اس کے مثل فلاں جانور ہے۔ پھر اس کا کیا کریں گے؟

”ہدی“ کی تحقیق

فرمایا ﴿هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ وہ قربانی ہوگی کعبہ تک پہنچنے والی۔ ”هَدْيٌ“ اس قربانی کو کہتے ہیں جو حرم کعبہ میں کی جائے اور حرم سے باہر جو قربانی ہوتی ہے اس کو عربی زبان میں اَضْحِيَةٌ ہمزے کے فتح کے ساتھ یا ضمہ کے ساتھ اُضْحِيَةٌ کہتے ہیں۔ کعبہ سے مراد حرم ہے۔حرم کے علاقہ میں جہاں بھی چاہے اسے ذبح کر سکتا ہے۔

﴿اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ﴾ یا کفارہ ہے مسکینوں کی خوراک۔اس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً: محرم نے کبوتر کا شکار کیا ہے اور وہاں کے دو انصاف والوں نے فیصلہ کیا کہ اس علاقہ میں کبوتر کی قیمت پچاس روپے ہے تو پچاس روپے کی گندم خریدیں گے اور فی مسکین نصف صاع دیں گے جو تقریباً پونے دو سیر بنتی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔جتنی بھی رقم ہوگی نصف صاع کے اعتبار سے رقم یا گندم مسکینوں پر تقسیم کر دیں گے۔

﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ یا اس کے برابر ہیں روزے۔یعنی نصف صاع کے بدلے ایک روزہ ہے تو جتنے نصف صاع ہوں گے اتنے روزے رکھے گا اور اگر تقسیم کرتے کرتے صاع کا چوتھا حصہ بچ گیا ہے تو یا تو اس کے بدلے پورا روزہ رکھے یا اس کو صدقہ کر دے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ نصف صاع کا ایک روزہ تھا تو چوتھائی کے بدلے آدھا روزہ رکھ لوں۔ کیونکہ روزے کے حصے نہیں ہو سکتے۔رب تعالیٰ نے یہ حکم کیوں دیا ہے؟

فرمایا ﴿لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ﴾ تاکہ چکھے وہ شخص اپنے کام کا وبال۔ جب اس پر پابندی تھی تو اس نے احرام کی حالت میں ایسا کیوں کیا ہے؟ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ﴾ معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا۔یعنی منع کرنے سے پہلے اگر کسی نے احرام کی حالت میں شکار کیا تھا یا اور کوئی کمی کوتاہی کی تھی تو وہ رب تعالیٰ نے معاف کر دی ہے۔

﴿وَمَنْ عَادَ﴾ اور جو شخص (پھر) کرے گا ﴿فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ﴾ تو اس سے اللہ تعالیٰ انتقام لے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے ﴿ذُو انْتِقَامٍ﴾ انتقام لینے والا ہے۔ان آیات میں ان چیزوں کا ذکر تھا جو محرم کے لیے عارضی طور پر حرام ہیں اور پہلے بھی گزر چکا ہے ﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ اور جس وقت تم احرام سے نکل جاؤ شکار کر لو۔

﴿اُحِلَّ لَكُمْ﴾ حلال کیا گیا تمہارے لیے ﴿صَیْدُ الْبَحْرِ﴾ سمندر کا شکار ﴿وَ طَعَامُهٗ﴾ اور اس کا کھانا ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ﴾ فائدہ ہے تمہارے لیے ﴿وَ لِلسَّیَّارَةِ﴾ اور مسافروں کے قافلے کے لیے ﴿وَ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ﴾ اور حرام کیا گیا تم پر ﴿صَیْدُ الْبَرِّ﴾ خشکی کا شکار ﴿مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ جب تک تم احرام کی حالت میں ہو ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿الَّذِیْۤ﴾ وہ ذات ہے ﴿اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ﴾ بنایا اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ﴿الْبَیْتَ الْحَرَامَ﴾ جو عزت والا گھر ہے ﴿قِیٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ لوگوں کے قیام کا ذریعہ ﴿وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ اور عزت والا مہینہ ﴿وَ الْهَدْیَ﴾ اور مکہ مکرمہ لے جا کر ذبح کرنے والے جانور ﴿وَ الْقَلَآىِٕدَ﴾ اور جن کے گلوں میں پٹے ڈالے ہوئے ہیں ﴿ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا﴾ یہ تاکہ تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿اِعْلَمُوْۤا﴾ جان لو تم ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ سخت سزا دینے والا ہے ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ﴾ نہیں ہے رسول کے ذمے ﴿اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ مگر بات پہنچا دینا ﴿وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا تُبْدُوْنَ﴾ جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَ مَا تَكْتُمُوْنَ﴾ اور جو تم چھپاتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ﴾ نہیں ہے برابر خبیث چیز اور پاکیزہ ﴿وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ﴾ اور اگرچہ آپ کو تعجب میں ڈالے خبیث چیز کی کثرت ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ اے عقلمندو! ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ربط آیت و مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اجمالی طور پر یہ مسئلہ بیان ہوا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار کرنا ممنوع ہے۔ اور آج کی آیت کریمہ میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

محرم کے فعل صید پر تفصیلی گفتگو

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ﴾ حلال کیا گیا تمہارے لیے سمندر کا شکار۔ سمندر کے شکار سے مراد مچھلی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اُحِلَّتْ لَنَا الْمَیْتَتَانِ : اَلْحُوْتُ وَ الْجَرَادُ دو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ذبح

کیے بغیر حلال فرمائی ہیں ایک مچھلی اور دوسری ٹڈی جس کو ٹڈی دل بھی کہتے ہیں۔ احرام کی حالت میں محرم شکار کو ذبح کرنے کا اہل نہیں ہوتا اگر شکاری جانور ذبح کرے گا تو وہ حلال نہیں ہوگا بے شک تکبیر پڑھ کر ذبح کرے اور مچھلی کو چونکہ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے مچھلی کا شکار کر سکتا ہے۔ اور مکڑی بھی پکڑ سکتا ہے۔

غیر مسلم کے ذبیحہ کا حکم

یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم کی شکار کی ہوئی مچھلی مسلمان خرید سکتا ہے، کھا سکتا ہے کیونکہ غیر مسلم نے اس کو ذبح نہیں کیا ورنہ غیر مسلم کی ذبح کی ہوئی چیز کو مسلمان خرید نہیں سکتا۔ البتہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ ان شرائط کے ساتھ جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے جائز ہے۔

طعام کی توضیح

فرمایا ﴿وَطَعَامُهٗ﴾ اور اس کا کھانا (بھی حلال ہے)۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ طعام کی تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ مَا يُلْقِهِ الْبَحْرُ اِلَى السَّاحِلِ جس کو سمندر کنارے کی طرف پھینکے۔ سمندر میں مدوجزر ہوتا رہتا ہے یعنی کبھی بڑھتا ہے کبھی گھٹتا ہے، پانی کی موج جب باہر ہو کر واپس جاتی ہے تو بسا اوقات مچھلیاں باہر رہ جاتی ہیں یہ ہیں سمندر کا کھانا، یہ حلال ہیں۔

﴿مَتَاعًا لَّكُمْ﴾ فائدہ ہے تمھارے لیے ﴿وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ اور مسافروں کے قافلے کے لیے۔ اس زمانے میں مسافر لوگ تلی ہوئی مچھلیاں ساتھ رکھتے تھے اور کئی کئی دن کھاتے تھے۔ ﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ﴾ اور حرام کیا گیا تم پر خشکی کا شکار ﴿مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ جب تک تم احرام کی حالت میں ہو۔ مُحْرِمٌ، اِحْرَامٌ کی حالت میں شکار کی جنس سے کسی چیز کو ذبح نہیں کر سکتا۔ اگر ذبح کرے گا بھی تو وہ چیز حلال نہیں ہوگی۔ البتہ گھریلو جانوروں کو ذبح کر سکتا ہے جیسے مرغی، بطخ، بکری، دُنبہ وغیرہ۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ وہ ذات ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے میدانِ محشر میں پھر ہر قول اور فعل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ﴾ بنایا اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ﴿الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ جو عزت والا گھر ہے۔

حطیم کعبۃ اللہ میں ہے

کعبہ کا لغوی معنی ہے چوکونا اور بلند۔ ابتداءً کعبہ چوکونا اور بلند تھا۔ ہر طرف سے چوالیس چوالیس فٹ تھا اور پچاس فٹ بلند تھا۔ لیکن حجر اور حطیم کی طرف سے تینتیس فٹ رہ گیا ہے۔ اور حطیم کعبۃ اللہ کا حصہ اور اس میں داخل ہے۔ اگر کوئی شخص بند دروازے والے حصے میں داخل نہیں ہو سکتا تو وہ حجر اور حطیم میں نماز پڑھ لے تو اس نے کعبۃ اللہ کے اندر ہی نماز پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں کہ اس نے غریبوں کے لیے وہ جگہ باہر نکال دی ہے۔

قِیٰمًا لِّلنَّاسِ کی تشریح

﴿قِیٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ لوگوں کے قیام کا ذریعہ ہے۔ ﴿قِیٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ کا یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ لوگ جب نماز پڑھتے ہیں تو کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کرتے ہیں چاہے مشرق کے رہنے والے ہوں یا مغرب کے شمال کے رہنے والے ہوں یا جنوب کے۔ اور یہ معنی بھی ہے کہ جب تک دنیا میں کعبہ ہے دنیا قائم ہے اور جب کعبہ نہیں رہے گا دنیا کو ختم کر دیا جائے گا۔ تو کعبہ لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعہ ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ قرب قیامت میں حبشہ کا، کافر اور ظالم بادشاہ چھوٹے قد اور ٹیڑھی پنڈلیوں والا کعبۃ اللہ کو گرانے کے لیے فوجیں لے کر آئے گا کچھ فوجیں تو بیداء کے مقام پر جو مدینہ منورہ سے مکہ کی طرف پینتیس [۳۵] کلومیٹر کے فاصلے پر ہے زمین میں دھنس جائیں گی اور باقی فوج کو لے کر وہ مکہ مکرمہ پہنچے گا اور کعبۃ اللہ کو گرانے کا حکم دے گا ادھر اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ صور پھونک دو بس اب دنیا کو ختم کرنا ہے۔ تو اس طرح کعبۃ اللہ جہان کے باقی رہنے کا ذریعہ ہے۔

اشہر حرم اور حکم

﴿وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ اور عزت والا مہینہ۔ چار مہینے عزت والے تھے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ یہ اشہر حرم کہلاتے تھے۔ ان مہینوں میں جنگ و جدال ممنوع تھا۔ البتہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کافر تم پر ان مہینوں میں حملہ کریں تو تم جواب دے سکتے ہو ورنہ ان کے احترام کا سب کو حکم تھا۔ مگر جب سورۃ توبہ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

﴿وَالْهَدْیَ﴾ اور مکہ مکرمہ لے جا کر ذبح کرنے والے جانور۔ ''هَدْی'' اس جانور کو کہتے ہیں جو مکہ مکرمہ لے جا کر حرم کعبہ میں قربان کیا جائے اور یہاں جو قربانی ہوتی ہے اس کو عربی میں اضحیہ کہتے ہیں۔

قلادہ کی غرض و حکمت

﴿وَالْقَلَآئِدَ﴾ اور جن کے گلوں میں پٹے ڈالے ہوئے ہیں۔ ''قَلَآئِدَ'' جمع ہے قَلَادَۃٌ کی، جس کا معنی ہے ہار۔ حاجی اپنے ساتھ جو بڑے جانور لے جائیں۔ مثلاً: اونٹ، بیل یا بھینسا ان کے گلے میں پٹا ڈال دیں یا پرانی جوتی ان کے گلے میں لٹکا دیں تا کہ لوگوں کو علم ہو کہ یہ ہَدْی کا جانور ہے۔ تا کہ حاجی اگر قضائے حاجت یا کسی ضرورت کے لیے جائے تو ان کو کوئی تنگ نہ کرے اور نہ کوئی چھیڑے گلے میں ہار ہونے کی وجہ سے علم ہو جائے گا کہ یہ حاجی کا جانور ہے۔ رب تعالیٰ کی رضا کے لیے جا رہا ہے۔

﴿ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا﴾ یہ (ایسی بات ہے) تا کہ تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ کس چیز کو؟...... قول و فعل کو، ظاہر و باطن کو۔

﴿اِعْلَمُوْٓا﴾ جان لوتم ﴿اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ نافرمانوں کو۔ ﴿وَ اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرے گا اسے بخش دے گا۔

﴿مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ نہیں ہے رسول کے ذمے مگر بات پہنچا دینا۔ تسلیم کرانا پیغمبر کے فریضہ میں داخل نہیں ہے۔ ﴿وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَ مَا تَكْتُمُوْنَ﴾ اور جو تم چھپاتے ہو۔ ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ﴾ نہیں ہے برابر ادنیٰ اور عمدہ چیز۔ خبیث سے مراد حرام بھی ہے اور طیب سے مراد حلال تو پھر معنی بنے گا کہ حرام اور حلال برابر نہیں ہیں۔

كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ کی توضیح

﴿وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ﴾ اگرچہ اے مخاطب! تجھے تعجب میں ڈالے خبیث چیز کی کثرت۔ یعنی ایسا دور آئے گا کہ حرام زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ حلال نہیں ہوجائے گا۔ حرام، حرام ہی ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایسا دور آئے گا کہ سود لوگوں کی ناک میں سانس کے ساتھ داخل ہوگا۔ دیکھو! آج کے دور میں کوئی شاذ و نادر ہی ایسا کاروبار ہوگا کہ جس کا تعلق بنک کے ساتھ نہ ہو اور بنک کا تو سارا نظام ہی سود پر ہے۔ حالانکہ سود کے بغیر نظام چلانا ممکن ہے۔ چل سکتا ہے اس وقت کمیونسٹوں کے تین چار ملک ایسے ہیں جہاں سود کے بغیر نظام چل رہا ہے۔ مگر مسلمان ملکوں میں نہیں کیونکہ ان کے ذہنوں پر انگریز سوار ہے۔ اور جب بھی سودی نظام کے ختم کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ تو کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔

فرمایا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ اے عقلمندو! اور رب تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ کامیابی اسی میں ہے کہ تم رب تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کرو اور ان پر عمل کرو۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ﴾ نہ سوال کرو ایسی چیزوں کے بارے میں ﴿اِنْ تُبْدَ لَكُمْ﴾ کہ اگر وہ ظاہر کردی جائیں تمہارے سامنے ﴿تَسُؤْكُمْ﴾ تو تمہیں وہ بری لگیں ﴿وَ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا﴾ اور اگر تم سوال کرو گے ان کے بارے میں ﴿حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ﴾ جس وقت نازل کیا جارہا ہے قرآن ﴿تُبْدَ لَكُمْ﴾ وہ تمہارے سامنے ظاہر کردی جائیں گی ﴿عَفَا اللّٰہُ عَنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا جو اس سے پہلے ہو چکا ﴿وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے ﴿قَدْ سَاَلَهَا﴾ تحقیق ان چیزوں کے متعلق سوال کیا ﴿قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلی قوموں نے ﴿ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ﴾ پھر ہوگئے وہ ان کے منکر ﴿مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ﴾ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ ﴿وَّ لَا سَآئِبَةٍ﴾ اور نہ کوئی سائبہ ﴿وَّ لَا وَصِیْلَةٍ﴾ اور نہ کوئی

وصیلہ ﴿وَّلَا حَامٍ﴾ اور نہ کوئی حام ﴿وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور لیکن وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يَفْتَرُوْنَ﴾ وہ افترا باندھتے ہیں ﴿عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے ﴿تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ﴿قَالُوْا حَسْبُنَا﴾ وہ کہتے ہیں کافی ہے ہمیں ﴿مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ وہ چیز جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ کیا اگرچہ ہوں ان کے باپ دادا ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا﴾ نہ جانتے ہوں کسی چیز کو ﴿وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں حرام چیزوں سے منع کیا گیا اور آج کی آیات میں بے جا اور فضول سوالوں سے منع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں احادیث میں بہت سارے واقعات آئے ہیں ان میں سے چند واقعات ذکر کرتا ہوں۔

آیت سے متصل واقعات

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ فرما رہے تھے ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔ مَنْ أَبِيْ؟ مجھے یہ بتائیں کہ میرا باپ کون ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پانے پر فرمایا: أَبُوْكَ حُذَافَةُ تیرا باپ حُذافہ ہے۔

علم غیب کی نفی پر دلیل

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخرت کے حالات و معاملات بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ أَيْنَ نَاقَتِيْ؟ میری اونٹنی کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَآ أَدْرِيْ اَيْنَ نَاقَتُكَ ۔ مجھے معلوم نہیں ہے تیری اونٹنی کہاں ہے۔ یہ آدمی منافق تھا۔ بڑبڑاتا ہوا باہر نکلا اور کہنے لگا: يُخْبِرُنَا بِخَبَرِ السَّمَآءِ وَلَا يَدْرِيْ أَيْنَ نَاقَتِيْ ہمیں آسمان کی خبریں دیتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہے کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس آدمی کو بلاؤ، بلایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو نے اپنی اونٹنی کے متعلق سوال کیا تھا مجھے اس رب کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا۔ جَآءَنِيْ جِبْرِيْلُ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے ہیں۔ فَأَخْبَرَنِيْ پس انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ تیری اونٹنی فلاں علاقے میں درختوں میں پھنسی ہوئی ہے کہ اس کا پٹا (قلادہ) درخت کی ٹہنی کے ساتھ اٹک گیا تھا۔

اور یہ واقعہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ فرما رہے تھے کہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ مَا فِيْ بَطْنِ نَاقَتِيْ؟ یہ

بتاؤ کہ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے تو جواب نہ دیا مگر آپ ﷺ کے ایک جذباتی صحابی حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو نے اپنی اونٹنی کے ساتھ برائی کی ہے اور اس کے پیٹ میں تیرا نطفہ ہے۔

بعض لوگ اس روایت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے غلام بھی جانتے تھے کہ پیٹ میں کیا ہے۔ آپ ﷺ کیوں نہیں جانتے تھے ان لوگوں کا یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت سلمہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا یہ جواب نہیں تھا اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لَقَدْ فَحُشْتَ یَا سَلْمَةُ! اے سلمہ! تو نے فحش گوئی کی ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے ان کو تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب نہیں دیا تھا بلکہ ناراضی کا اظہار فرمایا تھا کہ تم ایسے سوال کیوں کرتے ہو اس کو تم اس طرح سمجھو کہ کوئی آدمی کسی سے پوچھے کہ تو نے رات کو کیا کھایا تھا؟ اور وہ جواب میں کہے کہ تیرا سر کھایا تھا۔

تو بھائی! یہ جواب تو نہیں ہے بلکہ ناراضی کا اظہار ہے کہ میں نے جو کھایا ہے کھایا تجھے اس سے کیا غرض۔ لہٰذا اس روایت سے پیٹ کے علم پر استدلال کرنا غلط ہے۔ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا حضرت! میں نے فصل کاشت کی ہے۔ مجھے بتائیں کہ بارش کب ہوگی اور میری بیوی امید سے ہے بتائیں لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ میں جس علاقے میں پیدا ہوا ہوں وہ تو مجھے معلوم ہے آپ ﷺ مجھے یہ بتائیں کہ میں مروں گا کہاں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ کل میں نے کون سا کام کرنا ہے؟ اور قیامت کے متعلق پوچھا کہ کب ہوگی؟ اس سلسلے میں سورہ لقمان کی آخری آیت نازل ہوئی۔

پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

① ...... ﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم۔

② ...... ﴿وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ اور وہی بارش نازل کرتا ہے۔

③ ...... ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ اور وہی جانتا ہے جو کچھ پیٹوں میں ہے۔

④ ...... ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا؟

⑤ ...... ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس زمین پر اس کو موت آئے گی۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے۔

غیر ضروری سوالات سے ممانعت اور باعث عذاب

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ﴾ نہ سوال کرو ایسی چیزوں کے بارے میں ﴿إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ کہ اگر وہ ظاہر کردی جائیں تمہارے سامنے تو تمہیں وہ بری لگیں ﴿وَإِن تَسْأَلُوا

عَنْهَا﴾ اور اگر تم سوال کرو گے ان کے بارے میں ﴿حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ﴾ جس وقت نازل کیا جارہا ہے قرآن ﴿تُبْدَ لَكُمْ﴾ وہ تمہارے سامنے ظاہر کردی جائیں گی ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا جو اس سے پہلے ہوچکا۔ آئندہ ایسے لایعنی سوال نہ کرنا۔ ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے ﴿قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ﴾ تحقیق ان چیزوں کے متعلق سوال کیا تم سے پہلی قوموں نے ﴿ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ﴾ پھر ہوگئے وہ ان کے منکر۔ یعنی انھوں نے بے قدری کی۔

چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے سوال کیا کہ اگر تو اللہ تعالیٰ کا نبی ہے تو ہم جس چٹان پر ہاتھ رکھیں اس سے اونٹنی نکال دے۔ ہم تجھے نبی تسلیم کرلیں گے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: نشانیاں اور معجزے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ میری تائید کے لیے ایسا کردے تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ قوم نے کہا ہاں ہم آپ علیہ السلام کو پیغمبر مان لیں گے۔

چنانچہ اس معجزے کے اظہار کے لیے وقت مقرر ہوا کہ فلاں وقت تم آجانا اور جس چٹان پر تمہارا جی چاہے ہاتھ رکھ دینا اللہ تعالیٰ اسی پتھر سے اونٹنی نکال دیں گے۔ چنانچہ اس وقت مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان اچھلتے، کودتے ہوئے آئے کہ آج چٹان سے اونٹنی نکلنی ہے۔ لہٰذا جس چٹان پر انہوں نے ہاتھ رکھا اللہ تعالیٰ نے اسی چٹان سے اونٹنی پیدا فرمادی لیکن ایمان کوئی بھی نہ لایا الٹا ان ظالموں نے اس کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کردیا جس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور ساری قوم تباہ ہوگئی۔

حلال چیزوں کو حرام مت کرو

ساتویں پارے کی ابتدا میں آپ نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! ﴿لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال فرمائی ہیں ان کو حرام نہ کرو۔ اب اگلی آیت کریمہ میں ان محرمات کا ذکر ہے جو بندوں نے از خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔

بحیرہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ﴾ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ۔ بخاری شریف میں رئیس التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ بحیرہ کی تعریف کرتے ہیں کہ بحیرہ اس مادہ جانور کو کہتے ہیں کہ مشرکین جس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کردیتے تھے کہ اس کا دودھ کوئی شخص استعمال نہیں کرسکتا تھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔

سائبہ

﴿وَّلَا سَآئِبَةٍ﴾ اور نہ (اللہ تعالیٰ نے) کوئی سائبہ (بنایا)۔ "سَآئِبَه" اس جانور کو کہتے ہیں جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے نہ اس کا دودھ استعمال کیا جائے نہ اس پر سواری کی جائے۔ جیسے مختلف شہروں میں آپ نے موٹی موٹی گائیں دیکھی ہوں گی وہ جاہل لوگوں نے اپنے پیروں کے نام پر وقف کی ہوتی ہیں۔ ان کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ لوگ ان کی بڑی عزت اور قدر

کرتے ہیں۔ اگر کسی کی ریڑھی یا دکان سے کوئی چیز کھائیں تو بڑے پیار سے کہتے ہیں "بے بے جی (امی جی) پیچھے ہٹ جاؤ"۔

وصیلہ

﴿وَّلَا وَصِیْلَۃٍ﴾ اور (اللہ تعالیٰ نے) نہ کوئی وصیلہ (بنایا ہے)۔ بلکہ مشرکین کی اپنی اختراع ہے۔ وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو مسلسل مادہ بچے جنتی ہے اور درمیان میں کوئی نر بچہ نہ جنتی ہو۔ اس کو بھی لات، منات یا کسی اور بڑے بت کے نام پر وقف کر دیتے تھے۔ اور پھر نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اس سے کوئی اور کام لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ یہ ان کی خودساختہ باتیں ہیں۔

حام

﴿وَّلَا حَامٍ﴾ اور نہ (اللہ تعالیٰ نے) کوئی حام (بنایا ہے)۔ "حام" اس نر کو کہتے ہیں جس نے چند مرتبہ جفتی کر لی ہو۔ مثلاً: اونٹ ہے اس نے دس اونٹنیوں کے ساتھ جفتی کر لی یا بیل ہے اس نے دس گائیوں کے ساتھ جفتی کر لی، بکرا ہے اس نے دس بکریوں کے ساتھ جفتی کر لی تو ایسے نر کو حام بنا دیتے تھے یعنی اس سے کسی قسم کا کوئی کام نہ لیتے تھے۔ بس وہ غیر اللہ کے لیے وقف ہو جاتا اس کو وہ تقرب سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔

﴿وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور لیکن وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ وہ افترا باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے ﴿تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ﴿وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ﴿قَالُوْا حَسْبُنَا﴾ وہ کہتے ہیں کافی ہے ہمیں ﴿مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ وہ چیز جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ کیا اگرچہ ہوں ان کے باپ دادا ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ نہ جانتے ہوں کسی چیز کو اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔

مسئلہ تقلید

بعض کم فہم لوگ اس آیت کریمہ سے تقلید کے ناجائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ اس لیے مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ تقلید کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جائز ہے جبکہ دوسری حرام ہے۔ بعض لوگ دونوں کو آپس میں گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ جائز کون سی ہے اور ناجائز کون سی ہے؟

جائز اور ناجائز تقلید

① ...... قرآن و سنت کے مقابلے میں کسی کی بات ماننا، خلفائے راشدین کے مقابلہ میں کسی شخص کے قول و فعل پر عمل کرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں کسی کی بات ماننا اور اس کی تقلید کرنا یہ تقلید حرام اور ناجائز ہے۔ اور اسلام میں اس تقلید کا کوئی

بھی قائل نہیں ہے۔ نہ حنفی، نہ مالکی، نہ شافعی، نہ حنبلی۔

④ ......اور اگر کوئی مسئلہ صراحۃً قرآن کریم سے نہیں ملتا اور حدیث پاک میں بھی اس کی صراحت نہیں ہے۔ اور خلفائے راشدین نے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس کا کوئی حکم نہیں ملتا تو ایسے مسئلے میں مجتہد کی تقلید جائز ہے۔ یعنی مجتہد اجتہاد کر کے اس کا حکم بتائے تو اس حکم کو ماننا جائز ہے۔ اور اس اجتہاد کا ذکر خود حدیث پاک میں موجود ہے۔

حدیث مبارک سے اجتہاد کا ثبوت

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا:

☆......''جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے گا تو، تو اس کا کیسے فیصلہ کرے گا؟'' انھوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

☆......''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟''۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

☆......''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر کیا کرے گا؟'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اَجْتَهِدُ بِرَأْيِي'' پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا۔

اجتہاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔ یہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے۔ اس حدیث سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی کہ جو مسئلہ قرآن وحدیث میں نہ مل سکے اس میں مجتہد کا قیاس کرنا اور اپنی رائے سے اس کو حل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کا سبب ہے۔

مجتہدین کی اتباع

اور اہلِ اسلام ایسے ہی مسائل میں ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید کے قائل ہیں۔ یعنی ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید ان مسائل میں ہے جو منصوص نہیں ہیں۔ اور ان کے ماننے کا حکم خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ فرمایا: ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ [سورہ لقمان، آیت نمبر ۱۵] "جو لوگ میری طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں تو ان کے راستے کی اتباع کر۔" اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی اتباع نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری اور واجب ہے۔ کیونکہ امر کا صیغہ ہے اور صیغہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

اور سورۂ نحل میں فرمایا ﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ "پس اہلِ علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔" اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کم علم اور ناسمجھ کو چاہیے کہ عالم اور سمجھ دار سے پوچھے۔ اور اس پر عمل کرے۔ لہٰذا اس تقلید کو شرک کہنا سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔

اندھی تقلید کی مذمت

ہاں! خدا رسول کے مقابلے میں باپ، دادا کی اتباع کی جائے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ذکر ہے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو کہتے ہیں '' کافی ہے ہمیں وہ چیز جس پر پایا ہم نے اپنے باپ، دادا کو''۔ تو اس تقلید کے شرک اور حرام ہونے میں کیا شک ہے۔

کیا امام کا درجہ پیغمبر کے برابر ہے؟

باقی کم فہم لوگ ایک بات اور بھی کہتے ہیں۔ وہ بھی سمجھ لیں کہ مقلدوں نے اپنے اماموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گدی پر بٹھایا ہوا ہے یہ بات بالکل غلط ہے۔ اور یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اس لیے کہ پیغمبر معصوم عن الخطاء ہوتا ہے۔ اور مجتہد اور امام کو کوئی بھی معصوم نہیں سمجھتا۔ مجتہد کی بات صحیح بھی ہوتی ہے اور اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ اور پیغمبر سے غلطی نہیں ہوتی تو امام پیغمبر کی گدی پر کس طرح بیٹھ سکتا ہے یا ان کو پیغمبر کی گدی پر کون بٹھا سکتا ہے؟ کتنی غلط بات ہے جو وہ ہمارے ذمہ لگاتے ہیں۔

پھر ہمارا نظریہ ہے کہ امام کی بات اگر خدا اور رسول کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑ دو اس پر عمل نہ کرو تو یہ ہم پر محض الزام لگاتے ہیں۔ (واللہ الموفق)

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ تمہارے ذمے اپنی جانیں ہیں ﴿لَا يَضُرُّكُمْ﴾ تمھیں نہیں نقصان پہنچائے گا ﴿مَّنْ ضَلَّ﴾ جو گمراہ ہوا ﴿اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ جبکہ تم ہدایت پر ہو ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے تم سب کا لوٹنا ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ﴾ پس وہ تمھیں خبر دے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو کام تم کرتے تھے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ﴾ گواہی تمہارے درمیان ﴿اِذَا حَضَرَ﴾ جس وقت کہ آ جائے ﴿اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ تم میں سے کسی ایک پر موت ﴿حِيْنَ الْوَصِيَّةِ﴾ وصیت کے وقت ﴿اثْنٰنِ﴾ دو گواہ ہوں ﴿ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ انصاف والے تم میں سے ﴿اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ یا دو اور ہوں تمہارے سوا دوسروں سے ﴿اِنْ اَنْتُمْ﴾ اگر تم ﴿ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ سفر کرو زمین میں

﴿فَاَصَابَتْكُمْ﴾ پس پہنچے تمہیں ﴿مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ﴾ موت کی مصیبت ﴿تَحْبِسُوْنَهُمَا﴾ ان دونوں گواہوں کو روکو تم ﴿مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ﴾ نماز کے بعد ﴿فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ﴾ پس وہ قسم اٹھائیں اللہ تعالیٰ کی ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ اگر تمھیں شک ہو (قسم اس طرح اٹھائیں) ﴿لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا﴾ کہ ہم اس قسم کے بدلے کوئی قیمت نہیں خریدتے ﴿وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ﴿وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ﴾ اور ہم نہیں چھپاتے اللہ تعالیٰ کی گواہی کو ﴿اِنَّاۤ اِذًا﴾ بے شک ہم اس وقت ﴿لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ﴾ البتہ گناہ گاروں میں سے ہوں گے ﴿فَاِنْ عُثِرَ﴾ پس اگر اطلاع ہو جائے ﴿عَلٰۤى اَنَّهُمَا﴾ اس بات پر کہ وہ دونوں گواہ ﴿اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا﴾ مستحق ہیں گناہ کے ﴿فَاٰخَرٰنِ﴾ پس دوسرے دو ﴿يَقُوْمٰنِ﴾ کھڑے ہوں ﴿مَقَامَهُمَا﴾ ان کی جگہ پر ﴿مِنَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں میں سے ﴿اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ﴾ جن کا حق دیا ہے ﴿الْاَوْلَيٰنِ﴾ جو میت کے بہت قریب ہوں ﴿فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ﴾ پس وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائیں ﴿لَشَهَادَتُنَاۤ﴾ البتہ ہماری گواہی ﴿اَحَقُّ﴾ زیادہ تحقیقی ہے ﴿مِنْ شَهَادَتِهِمَا﴾ ان پہلے دونوں کی گواہی سے ﴿وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ﴾ اور ہم نے تجاوز نہیں کیا ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اس وقت ہم ظالموں میں سے ہوں گے ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى﴾ یہ بات زیادہ قریب ہے ﴿اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ﴾ یہ کہ لائیں وہ لوگ گواہی ﴿عَلٰى وَجْهِهَاۤ﴾ اپنے طریقے پر ﴿اَوْ يَخَافُوْۤا﴾ یا وہ خوف کھائیں ﴿اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ﴾ کہ رد کر دی جائیں گی قسمیں ﴿بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ ان کی قسموں کے بعد ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاسْمَعُوْا﴾ اور سنو ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا نافرمان قوم کو۔

ربطِ آیت

اس سے پہلی آیت کریمہ میں تھا کہ ان لوگوں کو جب خدا اور رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے باپ دادا کا دین کافی ہے۔ آج کی آیات میں فرمایا کہ تم ان کی باتوں پر افسوس نہ کرو۔ بلکہ اپنا فریضہ ادا کرتے رہو۔

مسلمانوں کو تسلی

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے ذمے اپنی جانوں کی فکر کرو۔ ﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ تمھیں نہیں نقصان پہنچائے گا جو گمراہ ہوا جبکہ تم ہدایت پر ہو۔ کسی کی گمراہی کا وبال تم پر نہیں آئے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر...... ہدایت کا معیار

ایک آدمی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس آیت کریمہ سے تو میں یہ سمجھا ہوں کہ آدمی خود ہدایت پر قائم رہے اور اعمالِ صالحہ ادا کرتا رہے۔ دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرنا ضروری نہیں ہے۔ یعنی امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم ہدایت پر ہو۔ تو جو آدمی امر بالمعروف نہی عن المنکر نہیں کرتا وہ کب ہدایت پر ہے؟

﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پس وہ تمھیں خبر دے گا ان کاموں کی جو تم کرتے تھے۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے سب کچھ سامنے آجائے گا اور موت کا کسی کو علم نہیں ہے۔ اور معاملہ تمہارا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔

شانِ نزول

اگلی آیات کا شانِ نزول اگرچہ ایک واقعہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایک ضابطہ اور قانون بیان فرمایا ہے۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین آدمی تجارتی سفر پر روانہ ہوئے ایک حضرت بُدیل بن ورقا خزاعی رضی اللہ عنہ دوسرے تمیم داری اور تیسرے عدی بن بدّا یہ دونوں اس وقت عیسائی تھے مگر بعد میں دونوں مسلمان ہو گئے تھے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ روزانہ تہجد میں قرآنِ کریم ختم کرتے تھے۔

بہرحال یہ تینوں حضرات شام میں تجارت کے لیے سفر پر روانہ ہوئے۔ سفر ان کا بہت خوش گوار رہا کیونکہ باپ دادا سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ جب شام کے علاقہ میں پہنچے اللہ تعالیٰ کی حکمت کہ حضرت بدیل بن ورقا رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور بیماری ایسی تھی کہ سمجھ گئے کہ میں اس سے جان بر نہیں ہو سکتا۔ جب انہیں زندگی کی امید نہ رہی تو اپنے سارے سامان کی فہرست تیار کی کیونکہ پڑھے لکھے آدمی تھے اور وہ فہرست سامان میں چھپا کر رکھ دی اور اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ مجھے اب زندگی کی کوئی امید نہیں ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے اور بیوی ہے یہ میرا سامان ان تک پہنچا دینا۔ یہ وصیت فرمائی اور فوت ہو گئے۔ ساتھیوں نے ان کو دفن کر دیا اور یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کا جنازہ پڑھا گیا یا نہیں؟ کیونکہ دونوں ساتھی تو عیسائی تھے مگر مسلمان جب ایمان کی حالت میں مرے اس کا جنازہ ہو یا نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس کے شاملِ حال ہوتی ہیں۔ جنازہ ہو جائے تو نورٌ علی نور اور اگر کسی وجہ سے جنازہ نہ بھی ہو سکے یا جنازہ میں تھوڑے آدمی شریک ہوں تو مومن بہرحال مومن ہے۔

امام نخعی رحمہ اللہ کا جنازہ

چنانچہ امام نخعی رحمہ اللہ بڑے بلند پائے کے امام اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے تھے اور حق گو تھے اس وقت کی حکومت کے خلاف انھوں نے آواز بلند کی کہ فلاں فلاں کام تمہارے شریعت کے خلاف ہیں۔ تنقید کو حاکموں نے برداشت نہ

کیا۔ کیونکہ اقتدار کا نشہ بہت برا ہوتا ہے اور حکم جاری کیا کہ یہ جہاں ملیں ان کو قتل کر دو جب حضرت کو معلوم ہوا تو روپوش ہو گئے مگر کچھ دنوں کے بعد فوت ہو گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان کا جنازہ صرف سات آدمیوں نے پڑھا۔

تو بہر حال ان کے دونوں ہم سفر جب واپس پہنچے تو ان کے اہل خانہ کو موت کی اطلاع دی اور ان کا سامان گھر والوں کے حوالے کیا۔ مگر چاندی کا ایک کٹورا جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور خاصا وزنی اور قیمتی تھا، چھپا لیا اور بازار فروخت کر کے اس کی رقم دونوں نے آپس میں تقسیم کر لی۔ موت کا صدمہ چونکہ تمام صدموں میں بھاری ہوتا ہے۔ اہلِ خانہ نے اس صدمہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے سامان کو نہ کھولا نہ دیکھا کچھ دن گزرنے کے بعد سامان کھولا تو اس میں سے سامان کی فہرست بھی برآمد ہوئی۔ فہرست کے مطابق بقیہ سامان تو مکمل تھا مگر چاندی کا پیالہ ان کو نہ ملا۔ اس پر انھوں نے ان کے دونوں ساتھیوں کو بلا کر پوچھا کہ بدیل رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے ہیں کیا تم اس وقت ان کے پاس موجود تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں! ہم دونوں ان کے پاس موجود تھے۔

اچھا تو کیا اُنھوں نے اس وقت کوئی صدقہ خیرات کیا تھا؟ کہا نہیں۔ علاج معالجے پر رقم خرچ کی ہو؟ کہا نہیں۔ تمہیں کوئی وصیت کی ہو جس پر تم نے عمل کیا ہو؟ کہنے لگے نہیں۔ تب اہلِ خانہ نے کہا کہ دیکھو! اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سامان کی فہرست ہے اور فہرست کے مطابق ایک کٹورا چاندی کا ہونا چاہیے۔ جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے مگر وہ سامان میں موجود نہیں ہے۔ جب انھوں نے علاج پر بھی خرچ نہیں کیا، صدقہ، خیرات بھی نہیں کیا اور کسی قسم کی وصیت بھی نہیں کی تو وہ پیالہ کدھر غائب ہو گیا ہے؟ کہنے لگے اس بات کا ہمیں تو علم نہیں ہے اس نے جتنا سامان ہمارے حوالے کیا تھا وہ ہم نے تمھیں پہنچا دیا ہے۔ اہلِ خانہ خاموش ہو گئے بات رفع دفع ہو گئی مگر کچھ دنوں کے بعد حضرت بدیل بن ورقا رضی اللہ عنہ کے عزیزوں میں شادی تھی زیور بنوانے کے لیے سنار کے پاس گئے کہ ہمیں اتنی مقدار میں زیور کی ضرورت ہے کہ اتفاقاً چاندی کے ایک پیالے پر نگاہ پڑی جو سنار کے پاس دکان میں پڑا تھا۔ دریافت کیا کہ یہ پیالہ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے بتایا کہ تمیم داری اور عدی بن بدّاء سے میں نے خریدا ہے۔ بات کھل گئی کہ یہ وہی پیالہ ہے جس کے متعلق ہمیں شک تھا کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔

چنانچہ اہلِ خانہ نے اپنا مقدمہ آپ کی عدالت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کے جو قریبی وارث ہیں کیا وہ قسم اٹھانے کے لیے تیار ہیں کہ ان دونوں نے خیانت کی ہے؟ اور یہ پیالہ واقعی ہمارا ہے؟ اہلِ خانہ نے کہا حضرت! ہمیں یقین ہے کہ یہ پیالہ ہمارا ہے اور ہم قسم اٹھانے کے لیے تیار ہیں کہ انھوں نے خیانت کی ہے۔ چنانچہ عصر کی نماز کے بعد قسم لی گئی اور وہ پیالہ ان کے حوالے کر دیا گیا۔

وصیت کے احکام :

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿ شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ ﴾ گواہی

تمہارے درمیان ﴿اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ جس وقت کہ آجائے تم میں سے کسی ایک پر موت ﴿حِیْنَ الْوَصِیَّةِ﴾ وصیت کے وقت ﴿اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ دو گواہ ہوں انصاف والے تم میں سے۔ یعنی مومن ہوں اس بات پر کہ یہ میرا سامان ہے اور یہ میری وصیت ہے میرے اہلِ خانہ کو پہنچا دینا۔

﴿اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ﴾ یا دو اور ہوں تمہارے سوا دوسروں سے۔ یعنی غیر مسلم جس طرح اس موقع پر غیر مسلم تھے یہ گواہ کب بنائے ہیں؟ ﴿اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ اگر تم سفر کرو زمین میں ﴿فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ﴾ پس پہنچے تمھیں موت کی مصیبت ﴿تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ﴾ ان دونوں گواہوں کو روکو تم نماز کے بعد۔

صلوٰۃ وسطیٰ کے ترک پر وعید

تمام تفسیروں میں ہے کہ نماز سے مراد عصر کی نماز ہے۔ جسے صلوٰۃ وسطیٰ کہا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَ مَالُهٗ "پس گویا کہ اس کے گھر کا سامان تباہ ہوگیا ہے اور گھر کے سارے افراد مر گئے ہیں۔" نمازِ عصر کے فوت ہونے کا اتنا بڑا نقصان ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ دو نمازیں منافقوں پر بہت بھاری ہیں ایک عشاء کی اور دوسری فجر کی۔ پس جس آدمی کو ان نمازوں کا وزن محسوس ہو اور پڑھنے سے کترائے تو سمجھ لو منافق ہے۔

قسم اٹھانے کا طریقہ

﴿فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ﴾ پس وہ دونوں قسم اٹھائیں اللہ تعالیٰ کی۔ قسم کی ضرورت کب پڑے گی؟ فرمایا ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ اگر تمھیں شک ہو (قسم ان الفاظ کے ساتھ اٹھائیں) ﴿لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا﴾ کہ ہم اس قسم کے بدلے کوئی قیمت نہیں خریدیں گے ﴿وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ نہ کسی کی رعایت کریں گے اور نہ کسی کی مخالفت کریں گے ﴿وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ﴾ اور ہم نہیں چھپاتے اللہ تعالیٰ کی گواہی کو ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ﴾ بے شک ہم اس وقت اگر ہم گواہی چھپائیں تو البتہ گناہگاروں میں سے ہوں گے ﴿فَاِنْ عُثِرَ﴾ پس اگر اطلاع ہو جائے ﴿عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا﴾ اس بات پر کہ وہ دونوں گواہ مستحق ہیں گناہ کے کہ انھوں نے خیانت کی ہے۔

اوصیاء کی گواہی احق بالقبول ہے

﴿فَاٰخَرٰنِ﴾ پس دوسرے دو ﴿یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا﴾ کھڑے ہوں ان (دونوں) کی جگہ پر ﴿مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ﴾ ان لوگوں میں سے جن کا حق دیا ہے لیکن وہ دو گواہ میت کے بہت قریبی ہوں ﴿فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ﴾ پس وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائیں ﴿لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا﴾ البتہ ہماری گواہی زیادہ تحقیقی ہے ان پہلے دونوں کی گواہی سے ﴿وَمَا اعْتَدَیْنَاۤ﴾ اور ہم نے تجاوز نہیں کیا ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ بے شک اس وقت (اگر ہم تجاوز کریں تو) ہم ظالموں میں

سے ہوں گے۔

اسلام میں کسی کی حق تلفی نہیں

اب رہی یہ بات کہ یہ حق میت کے قریبی وارثوں کو کیوں دیا ہے؟ کہ وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ فلاں نے ہمارا حق مارا ہے تو فرمایا ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى﴾ یہ بات زیادہ قریب ہے ﴿اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ﴾ یہ کہ لائیں وہ لوگ گواہی اپنے طریقے پر۔ کیونکہ ان کو معلوم ہوگا کہ اگر ہم نے گواہی میں گڑبڑ کی تو دوسرے گواہ ہمارے مقابلہ میں کھڑے کردیں گے۔ ﴿اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ یا وہ خوف کھائیں کہ رد کردی جائیں گی قسمیں ان کی قسموں کے بعد۔ کہ میت کے وارثوں کو قسم اٹھانے کا حق ہے۔ اگر ہم کوئی ہیرا پھیری کریں گے۔ تو پھر دوسروں کو قسم اٹھانے کا حق ملے گا۔ پھر ہمیں مال بھی دینا پڑے گا اور بدنام بھی ہوں گے۔

تقویٰ کا انعدام، قیامت کی ایک علامت

آگے فرمایا سب سے بڑی چیز ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے۔ اللہ تعالیٰ سے جو ڈرتا ہے اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ صحیح بات کرے۔ باقی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ لوگوں کے دلوں میں خدا خوفی نہیں رہے گی اور دلوں میں بغض، کینہ اور عداوت آجائے گی اور دل اس طرح سخت ہوں گے جس طرح بھیڑیوں کے ہوتے ہیں۔ یعنی شکلیں انسانوں والی ہوں اور دل بھیڑیوں کے ہوں گے۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ نہ قتل کا خوف ہوگا، نہ لوٹنے سے ڈریں گے، نہ عزت پر حملہ کرنے سے باز آئیں گے۔

﴿وَاسْمَعُوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنو، سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا نافرمان قوم کو۔ ہدایت انہیں ہی دیتا ہے جو ہدایت چاہتے ہیں۔

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا پیغمبروں کو ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس فرمائے گا ﴿مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿لَا عِلْمَ لَنَا﴾ ہمیں کچھ علم نہیں ہے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ بے شک تو ہی ہے پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے (علیہما السلام) ﴿اذْكُرْ نِعْمَتِيْ﴾ یاد کر میری نعمتیں ﴿عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ﴾ جو میں نے تم پر کیں اور تیری والدہ پر کیں ﴿اِذْ اَيَّدْتُّكَ﴾ جب میں نے تیری تائید کی ﴿بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ پاک روح کے ساتھ ﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ﴾ کلام کرتا تھا تو لوگوں کے ساتھ ﴿فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں

﴿وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ﴾ اور جب تعلیم دی میں نے تجھے کتاب کی ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور حکمت کی ﴿وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾ اور تورات اور انجیل کی ﴿وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ﴾ اور جب تم بناتے تھے مٹی سے ﴿كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ﴾ پرندے کی شکل ﴿بِاِذْنِيْ﴾ میرے حکم سے ﴿فَتَنْفُخُ فِيْهَا﴾ پھر اس میں تم پھونکتے تھے ﴿فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ﴾ پس وہ ہو جاتا تھا پرندہ میرے حکم سے ﴿وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ﴾ اور تندرست کرتا تھا تو مادرزاد اندھے کو ﴿وَالْاَبْرَصَ﴾ اور برص والے کو ﴿بِاِذْنِيْ﴾ میرے حکم سے ﴿وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى﴾ اور جب تم نکالتے (زندہ کرتے تھے) مردوں کو ﴿بِاِذْنِيْ﴾ میرے حکم سے ﴿وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ﴾ اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تم سے ﴿اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ جب تم لاتے ان کے پاس واضح دلیلیں ﴿فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پس کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔

روزِ محشر انبیاء علیہم السلام سے سوال

میدانِ محشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مخلوق کو اکٹھا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی اس دن اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں سے سوال کریں گے میں نے تمھیں اپنی اپنی امتوں کی طرف مبعوث کیا تھا کہ میرے احکام ان تک پہنچاؤ تو لوگوں نے تمھیں کیا جواب دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا پیغمبروں کو ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس فرمائے گا ﴿مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ﴾ تمھیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ حالانکہ رب تعالیٰ تو تمام چیزوں کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ مگر پیغمبروں کی زبانی سننا چاہے گا۔

انبیاء علیہم السلام کے اظہارِ لاعلمی کی وجہ

﴿قَالُوْا﴾ وہ (پیغمبر) کہیں گے ﴿لَا عِلْمَ لَنَا﴾ ہمیں کچھ علم نہیں ہے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ اے پروردگار! بے شک تو ہی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ دیکھنا! اس آیت کریمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دریافت کرنے پر انبیاء کرام علیہم السلام مطلقاً لاعلمی کا اظہار فرمائیں گے جبکہ دوسرے مقام پر قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ وہ اپنی اپنی امتوں کے حق میں گواہی دیں گے تو اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں نقل کی گئی ہیں۔

روزِ محشر صالحین کی حالت

ایک یہ کہ جب رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ﴾ تمھیں کیا جواب دیا گیا؟ تو قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ہوش قائم نہیں ہوں گے، بھول جائیں گے کہ ہمیں امتوں نے کیا جواب دیا تھا۔ مگر محققین حضرات اس تفسیر کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ [الانبیاء: ۱۰۳] "ان کو غم میں نہیں ڈالے

گی بڑی گھبراہٹ۔" یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر اس دن کی گھبراہٹ کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ تو پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ پیغمبروں کے ہوش وحواس قائم نہ رہیں۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ پیغمبروں پر ایسا خوف طاری ہو کہ وہ پہلی پچھلی تمام باتیں بھول جائیں۔ لہٰذا یہ تفسیر کہ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ان کے ہوش قائم نہیں رہیں گے قابلِ التفات نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

اس آیت کریمہ کی دوسری تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے فرمائیں گے ﴿مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ تمھیں کیا جواب دیا گیا؟ تو پیغمبر جواب دیں گے اے پروردگار! تیرے تفصیلی اور محیط علم کے مقابلہ میں ہمارا محدود علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ بے شک تو ہی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ اور صحیح تفسیر یہی ہے۔

ابن جریج تابعی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر

اور تیسری تفسیر ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ جو کہ تابعی ہیں ان سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبروں کے کچھ امتی تو ان کے قریب رہتے تھے اور کچھ دور دراز کے علاقوں میں اسی طرح کچھ تو ان کے زمانے میں موجود تھے اور کچھ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی صرف وہی تو نہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں موجودگی میں تھے بلکہ قیامت تک آنے والے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ تو پیغمبر کہیں گے اے پروردگار! ہم ان کو تو جانتے ہیں جو ہمارے سامنے اور قریب تھے کہ انھوں نے ہمیں یہ جواب دیا اور ان کو نہیں جانتے جو دور دراز علاقوں میں رہنے والے تھے۔ یا جو ہمارے دنیا سے چلے آنے کے بعد آئے کہ انھوں نے کیا کہا اور کیا کیا کرتے رہے۔

اگلے رکوع میں آرہا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بناؤ؟ یہاں سے اس سوال کی تمہید ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احسان

فرمایا ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے (علیہما السلام) ﴿اذْكُرْ نِعْمَتِيْ﴾ یاد کر میری نعمتیں ﴿عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ﴾ جو میں نے تجھ پر کیں (کہ تجھے بغیر باپ کے پیدا کیا) اور تیری والدہ پر کیں (کہ بغیر خاوند کے بچہ دیا) اور دوسری نعمتیں الگ ہیں کہ ﴿اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ جب میں نے تیری تائید کی پاک روح کے ساتھ۔

روح القدس کون؟

پاک روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں چونکہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سخت مخالف تھے اور ہر وقت قتل کے درپے رہتے تھے۔ اس لیے اکثر جگہوں پر جہاں خطرہ ہوتا اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی نگرانی اور حفاظت کے لیے بھیجتے تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتیاز

﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا﴾ کلام کرتا تھا تو لوگوں کے ساتھ گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں۔ ''مہد'' کا معنی پنگھوڑا بھی ہے اور گود بھی۔ یعنی آپ ماں کی گود یا پنگھوڑے میں لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے تھے اور تیس اور چالیس سال کے درمیان والے زمانے کو ''کہولت'' کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اگر آدمی بیمار نہ ہو تو اس کی بدنی قوتیں عروج پر ہوتی ہیں۔ اور چالیس سال کے بعد آہستہ آہستہ کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ بعضوں کے جلدی بال سفید ہو جاتے ہیں اور نگاہ کمزور ہو جاتی ہے۔ اور بعضوں کے تاخیر سے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دونوں زمانوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ بچپن اور ادھیڑ عمر میں ایک جیسی گفتگو کرتے تھے حالانکہ بچہ گود یا پنگھوڑے میں گفتگو نہیں کر سکتا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ بچپن میں بھی بڑی معقول تقریر کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی بچپن کی تقریر سورہ مریم میں موجود ہے: ﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ ''فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نے میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں مجھے کتاب دی گئی ہے اور میں نبی بنایا گیا ہوں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا ایک پہلو

﴿وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ اور جب تعلیم دی میں نے تجھے کتاب کی اور حکمت کی ﴿وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ﴾ اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔

کتاب اور حکمت سے مراد

① ...... بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد لکھنا ہے کہ میں نے تجھے لکھنا سکھایا پہلے انبیاء کرام علیہم السلام لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی جانتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيّ ہیں۔ نہ لکھنا جانتے تھے، نہ پڑھنا جانتے تھے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے ﴿وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ [العنکبوت: ۴۸] ''اور آپ اس سے پہلے تو کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے اگر آپ پہلے سے پڑھے لکھے ہوتے تو یہ باطل پرست لوگ شک کرتے اور حکمت سے مراد دانائی کی باتیں ہیں۔''

②...... اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کتاب سے مراد دوسری کتب سماویہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیم بھی دی عیسیٰ علیہ السلام کو۔

③...... اور تیسری تفسیر یہ نقل کرتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے اور حکمت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے نازل ہوں گے اور چالیس سال زمین پر حکومت کریں گے۔ اور قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اگر قرآن وسنت کا علم نہیں ہوگا تو فیصلے کس طرح کریں گے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزات

①...... ﴿وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ﴾ اور جب تم بناتے تھے مٹی سے پرندے کی شکل ﴿بِاِذْنِیْ﴾ میرے حکم سے ﴿فَتَنْفُخُ فِیْهَا﴾ پھر اس میں تم پھونکتے تھے ﴿فَتَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ﴾ پس وہ ہو جاتا تھا پرندہ میرے حکم سے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وہ مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ جانور بن کر اڑ جاتا تھا کون سے پرندے کی شکل بنائی تھی؟ فرماتے ہیں کہ چمگادڑ کی شکل جس کو ''چام چٹی، چمچوری'' اور فارسی میں ''شپرہ چشم'' کہتے ہیں۔

②...... ﴿وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ﴾ اور تندرست کرتا تھا تو مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو ﴿بِاِذْنِیْ﴾ میرے حکم سے۔ برص کے دو معنیٰ کرتے ہیں ایک پھل بہری اور دوسرا کوڑھ۔ سوداوی مزاج آدمیوں کے خون میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس کے ہاتھ پاؤں گر جاتے ہیں اس کو کوڑھ کہتے ہیں اور اس مرض والے کے قریب کوئی نہیں جاتا کیونکہ یہ متعدی اور لاعلاج بیماری ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کوڑھ والے سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اللہ تعالیٰ مادرزاد اندھے کو بینا فرما دیتے تھے۔ کوڑھ والے کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تھے اللہ تعالیٰ اس کو تندرست کر دیتا تھا۔ ایمان کی شرط کے ساتھ کہ مثلاً مادرزاد اندھا آیا آپ اس کو فرماتے تھے کہ اگر تو میرے اوپر ایمان لے آئے تو میں تیری آنکھوں پر ہاتھ پھیروں گا اللہ تعالیٰ تجھے بینا کر دے گا۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک دن میں پچاس ہزار آدمی تندرست ہوئے۔''

چار مردوں کو زندہ کرنے کا بطور خاص ذکر

﴿وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ﴾ اور جب تم نکالتے (زندہ کرتے تھے) مردوں کو میرے حکم سے۔ چار مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر خاص طور پر تفسیروں میں آتا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

①...... ایک آذر نامی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوست تھا اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا قُمْ بِاِذْنِ اللهِ ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔'' قبر پھٹی اور وہ زندہ ہو کر باہر آ گیا۔

②...... دوسرا ابن العجوز ایک بوڑھی عورت تھی اس کا ایک ہی بیٹا تھا وہ فوت ہو گیا ماں بڑی پریشان تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی

قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جا۔ قبر پھٹی اور وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

③......تیسری چونگی پر ملازمت کرنے والے کی ایک لڑکی تھی وہ فوت ہو گئی جس سے وہ بڑا پریشان تھا۔ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ وہ زندہ ہو گئی۔

④......اور چوتھا حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا سام اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو گیا۔

یہ تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچایا!

فرمایا ﴿وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ﴾ اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تم سے۔ وہ تجھے قتل کرنا چاہتے تھے مگر میں نے ان کے ہاتھ آپ تک نہیں پہنچنے دیئے۔ ﴿اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ جب تم لائے ان کے پاس واضح دلیلیں ﴿فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ پس کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے ان میں سے ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔

جن معجزات کا ذکر ابھی تم نے سنا ہے ان کے متعلق انھوں نے کہا کہ یہ کھلا جادو ہے۔ اور ان کو تسلیم نہ کیا۔ اور یہ محض انھوں نے ضد کی وجہ سے کیا۔ ورنہ دلی طور پر وہ سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ یہ حقیقت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضد سے محفوظ فرمائے۔ آمین

﴿وَ اِذْ اَوْحَیْتُ﴾ اور جب میں نے وحی کی ﴿اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ﴾ حواریوں کی طرف ﴿اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ﴾ کہ ایمان لاؤ مجھ پر ﴿وَ بِرَسُوْلِیْ﴾ اور میرے رسول پر ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ کہا انھوں نے ہم ایمان لائے ﴿وَ اشْهَدْ﴾ اور اے اللہ تو گواہ رہ ﴿بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾ بے شک ہم مسلمان ہیں ﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ﴾ جب کہا حواریوں نے ﴿یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ﴾ اے عیسیٰ بن مریم ﴿هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ﴾ کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے ﴿اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا﴾ اس بات کی کہ وہ نازل کرے ہم پر ﴿مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ دسترخوان آسمان کی طرف سے ﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ فرمایا ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اگر ہو تم ایمان والے ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا﴾ ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس دسترخوان سے ﴿وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا﴾ اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں ﴿وَ نَعْلَمَ﴾ اور ہم جان لیں ﴿اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا﴾ کہ تم نے سچ کہا ہے ﴿وَ نَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ اور ہو جائیں ہم اس دسترخوان پر گواہی دینے والوں میں سے ﴿قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ﴾ فرمایا عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) نے ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ﴾ اے اللہ جو ہمارا رب ہے تو ﴿اَنْزِلْ عَلَیْنَا﴾ اتار دے ہم پر ﴿مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ دسترخوان آسمان کی طرف سے ﴿تَكُوْنُ لَنَا﴾ کہ ہو ہمارے لیے ﴿عِیْدًا﴾ خوشی کا ذریعہ ﴿لِّاَوَّلِنَا﴾ ہمارے پہلوں کے لیے ﴿وَ اٰخِرِنَا﴾ اور

ہمارے پچھلوں کے لیے ﴿وَاٰیَةً مِّنْكَ﴾ اور نشانی ہو تیری طرف سے ﴿وَارْزُقْنَا﴾ اور تو ہمیں رزق دے ﴿وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾ اور تو بہتر روزی دینے والا ہے ﴿قَالَ اللّٰهُ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ﴾ میں اتارنے والا ہوں اس دستر خوان کو تم پر ﴿فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ﴾ پس جو شخص ناشکری کرے گا اس کے بعد ﴿فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا﴾ پس میں اس کو سزا دوں گا ایسی سزا ﴿لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ﴾ کہ نہیں سزا دوں گا میں ایسی ﴿اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جہان والوں میں سے کسی ایک کو۔

لفظ ''حواری'' کی تحقیق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو مخلص ساتھی تھے ان کو حواری کہتے ہیں ان کو حواری کہنے کی ایک وجہ تو یہ بیان فرماتے ہیں کہ حواری حور سے مشتق ہے۔ اور حور کے معنی ہیں سفید چونکہ ان کے رنگ سفید تھے جس طرح سفید فام قومیں ہیں اس لیے ان کو حواری کہتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے اس لیے ان کو حواری کہتے تھے اور تیسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ دل کے بڑے صاف تھے جو دل میں ہوتا تھا وہ زبان پر ہوتا تھا اور جو زبان پر ہوتا تھا وہ عمل میں نظر آتا تھا تو دل کے صاف ہونے کی وجہ سے ان کو حواری کہتے تھے۔

حواریوں سے خطاب

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ﴾ اور جب میں نے وحی کی حواریوں کی طرف۔ ان کو وحی کرنے کا ایک مطلب تو یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ان کو پیغام دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے ان پر وحی نازل ہوتی تھی کہ ان کو میرا پیغام پہنچا دے۔ اور وحی کا معنی الہام بھی ہوتا ہے۔ دل میں بات ڈالنا مگر غیر نبی کا الہام قطعی نہیں ہوتا تو مطلب یہ بنے گا کہ میں نے ان کے دل میں بات ڈالی۔

حواریوں سے مطالبہ

﴿اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ﴾ کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول عیسیٰ علیہ السلام پر چونکہ وہ لوگ بڑے مخلص تھے۔ ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ کہا انھوں نے ہم ایمان لائے ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ کہا انھوں نے ہم ایمان لائے ﴿وَاشْهَدْ﴾ اور اے اللہ تو گواہ رہ ﴿بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ وہ حواری بڑے مخلص اور سادے لوگ تھے۔ ﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ﴾ جب کہا حواریوں نے ﴿یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ﴾ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے (علیہما السلام) ﴿هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ﴾ کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے ﴿اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اس بات کی کہ وہ نازل کرے ہم پر دستر خوان آسمان کی طرف سے۔ یہ مطالبہ حواریوں نے اس لیے کیا کہ وہ بڑے غریب تھے کسی وقت کھانا میسر ہوتا تھا کسی وقت نہیں اور بسا اوقات دو، دو، تین، تین دن بھی فاقے میں گزر جاتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تذکیر

﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ڈرو اللہ تعالیٰ سے۔ کہ ایک طرف تو کہتے ہو تیرا رب اور دوسری طرف کہتے ہو کہ وہ آسمان سے دسترخوان اتارنے پر قادر ہے کہ نہیں؟ بھائی! رب ہے اور آسمانوں، زمینوں کا خالق ہے۔ جس نے پہاڑوں کو پیدا کیا، چاند، سورج، ستاروں کو پیدا کیا اس کے لیے آسمان سے دسترخوان اتارنا کون سا مشکل کام ہے۔ اس کی قدرت میں شک کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر ہو تم ایمان والے۔ کہ جب تم اس رب تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو جو ساری مخلوق کا خالق اور قادر مطلق ہے تو اس کے لیے دسترخوان کا اتارنا کون سا مشکل ہے؟

حواریوں کا اطمینانِ قلب

﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے۔ ہمیں اپنے رب کی صفات میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ ﴿نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا﴾ ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس دسترخوان سے ﴿وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا﴾ اور کھانا کھانے کے بعد ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اب بھوک کی وجہ سے ہمارے ہوش وحواس اڑے ہوئے ہیں کھانا کھانے کے بعد اطمینان قلب نصیب ہوگا۔

﴿وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا﴾ اور ہم جان لیں کہ تم نے سچ کہا ہے۔ کہ رب تعالیٰ کا تمہارے ساتھ وعدہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً تمہاری مدد کرتا رہے گا۔ باقی رب تعالیٰ کی قدرت میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے، ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم جیسے گنہگار اس قابل ہیں کہ ہمارے لیے آسمان سے دسترخوان نازل ہو۔ اور ہم آسمانی دسترخوان سے کھانا کھائیں۔

﴿وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ اور ہو جائیں ہم اس دسترخوان پر گواہی دینے والوں میں سے۔ کہ واقعی آسمان سے دسترخوان نازل ہوا تھا اس پر کھانے لگے ہوئے تھے اور ہم نے کھائے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ حواری رب تعالیٰ کی قدرت کے منکر نہیں، صرف تعبیر کرنے میں غلطی ہوئی دل کے بڑے صاف ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

تو ﴿قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ فرمایا عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) نے ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اے اللہ جو ہمارا رب ہے تو اتار دے ہم پر دسترخوان آسمان کی طرف سے ﴿تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا﴾ کہ ہو ہمارے لئے خوشی کا ذریعہ ﴿لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا﴾ ہمارے پہلوں کے لیے اور ہمارے پچھلوں کے لیے۔ پہلوں کے لیے خوشی کا ذریعہ کس طرح ہوگا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ وادی تیہ میں

وہ اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر جب وادی تیہ (اس کی تعریف پیچھے گزر چکی ہے) میں پہنچے۔ اس میدان میں ان کو عمالقہ قوم کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ملا۔ مگر انھوں نے یہ کہہ کر جواب دے دیا کہ ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ﴾

﴿اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ "پس اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگے جانا چالیس سال کے لیے بند کر دیا۔" یہ لاکھوں کی تعداد میں تھے جن میں مرد، عورتیں، جوان، بچے، بوڑھے شامل تھے۔ پانی اور خوراک ایسی چیز ہے کہ جاندار مخلوق کا اس کے بغیر گزارا نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسمان سے "مَنّ" یعنی کھیر اور "سلویٰ" یعنی بٹیر نازل فرمائے۔ ایک پلیٹ میں کھیر ہوتی تھی اور ایک پلیٹ میں بٹیر ہوتے تھے جو یہ بغیر محنت، مشقت کے کھاتے تھے۔ اور پانی کا بھی انتظام فرمایا کہ پتھر سے بارہ چشمے جاری فرمائے یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے پیاز، تھوم، دال، گندم وغیرہ کی فصلیں پیدا فرمائے۔ تو پہلوں سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے دور کے لوگ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے من اور سلویٰ نازل فرمایا۔ اور پچھلوں سے بھی مراد یہی لوگ ہیں جن پر دسترخوان نازل ہوا۔

لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا کا مصداق

تو مطلب یہ بنے گا کہ ہمارے پہلوں کے لیے بھی خوشی تھی اور ہمارے لیے بھی خوشی کا ذریعہ بنے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت موجود تھے کہ آسمان سے دسترخوان نازل ہوگا ہم اس سے کھائیں گے اور ہمارے لیے خوشی کا ذریعہ ہوگا۔ اور پچھلوں سے مراد بعد میں آنے والے ہیں کہ ان کے لیے خوشی کا ذریعہ ہوگا کہ وہ کہیں گے کہ ہمارے بڑوں پر آسمان سے دسترخوان نازل ہوتا تھا اور وہ کھانے کھاتے تھے۔ جس طرح ہم اپنے بڑوں کے کارنامے ذکر کر کے خوش ہوتے ہیں کہ بدر میں اس طرح ہوا۔ فلاں مقام پر اس طرح نصرت آئی۔ فلاں مقام پر اس طرح کامیابی حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہیں

﴿وَاٰيَةً مِّنْكَ﴾ اور نشانی ہو تیری طرف سے اے پروردگار ﴿وَارْزُقْنَا﴾ اور تو ہمیں رزق عطا فرما۔ ﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ اور تو بہتر روزی دینے والا ہے۔ رزق کھاتے تو تمام لوگ کما کر ہیں مگر رزق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا رزق کا خالق کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور ایک تنبیہ

﴿قَالَ اللّٰهُ﴾ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ﴿اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ میں اتارنے والا ہوں اس دسترخوان کو تم پر۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ﴾ پس جو شخص ناشکری کرے گا اس کے بعد ﴿فَاِنِّيْ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا﴾ پس میں اس کو سزا دوں گا ایسی سزا ﴿لَّا اُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ نہیں سزا دوں گا میں ایسی جہان والوں سے کسی ایک کو۔

دستر خوان کا نزول اور احکام

ترمذی شریف میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے دستر خوان نازل ہوا اس میں گوشت اور روٹیاں تھیں۔ بعض تفسیروں میں مچھلی کا بھی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھنی ہوئی مچھلیاں بھی نازل فرمائیں۔ مچھلی بھی گوشت ہے۔

ناشکری کی سزا

رب تعالیٰ کی طرف سے یہ پابندی تھی کہ وقت پر جو کھانا نازل ہو مثلاً: صبح یا شام کے وقت تو تم خوب سیر ہو کر کھاؤ مگر ذخیرہ نہیں کرنا اور یہ تفسیر بھی ہے کہ حکم تھا کہ محتاج اور معذور کھائیں، مالدار اور صاحب حیثیت نہ کھائیں، لیکن انھوں نے قانون کی پابندی نہ کی تھالیاں پلیٹیں ساتھ لے آتے اور ان میں ذخیرہ کر لیتے اور مال داروں نے بھی ساتھ کھانا شروع کر دیا۔ اس طرح یہ لوگ شرائط کی پابندی نہ کر سکے پھر نتیجہ وہی نکلا جس کی خبر پہلے دی جا چکی تھی کہ اگر ناشکری کرو گے تو میں سخت سزا دوں گا۔

بنی اسرائیل کی سزا کا زمانہ

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا۔ بوڑھے جن کی تعداد تقریباً تین سو تھی ان کو خنزیر کی شکل میں اور نوجوانوں کو بندر کی شکل میں تبدیل کیا۔ بنی اسرائیل کو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کیا گیا جو بحر قلزم کے کنارے شہر ایلہ جس کو آج کل ایلات کہتے ہیں اور یہ یہودیوں کی بندرگاہ ہے۔ یہاں آباد تھے۔ وہ الگ واقعہ ہے اور یہ الگ واقعہ ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور کا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو چھہتر [۵۷۶] سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

گانا سننے کی سزا

بخاری شریف اور ترمذی شریف کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کی شکلیں بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کرے گا۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت! وہ کلمہ نہیں پڑھتے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يُصَلُّوْنَ وَيَصُوْمُوْنَ وَيَحُجُّوْنَ)) "نمازیں بھی پڑھتے ہوں گے روزے بھی رکھتے ہوں گے اور حج بھی کریں گے۔" حضرت! پھر ایسا کیوں ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانے سننے کے شوقین ہوں گے۔ رات کو گانے سنتے سنتے سوئیں گے صبح کو اٹھیں گے تو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔ مگر افسوس کہ لوگوں نے گانوں کو گناہ نہیں سمجھا۔ اور یاد رکھنا! جب گناہ کو بار بار کیا جائے تو اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

خلافِ شرع مجالس میں شرکت سے ممانعت

اسی لیے حکم ہے کہ خلافِ شرع مجلسوں میں نہ جاؤ کہ بار، بار جانے سے گناہ کا احساس کم ہوجائے گا اور تم اس میں مبتلا ہوجاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ آمین

﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ﴾ اے عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ﴾ کیا تم نے کہا تھا لوگوں کو ﴿اتَّخِذُوْنِیْ﴾ بناؤ مجھے ﴿وَ اُمِّیَ﴾ اور میری والدہ کو ﴿اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ دو الٰہ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ﴾ کہیں گے عیسیٰ علیہ السلام پاک ہے تیری ذات ﴿مَا یَكُوْنُ لِیْۤ﴾ نہیں تھا میرے لائق ﴿اَنْ اَقُوْلَ﴾ یہ کہ میں کہوں ﴿مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ﴾ جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا ﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ﴾ اگر میں نے یہ بات کہی ہو ﴿فَقَدْ عَلِمْتَهٗ﴾ پس تحقیق تو جانتا ہے ﴿تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ﴾ تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے ﴿وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ﴾ اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ بے شک تو ہی ہے غیبوں کو جاننے والا ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ﴾ میں نے نہیں کہا ان لوگوں کو ﴿اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ﴾ مگر وہ کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا ﴿اَنِ اعْبُدُوا﴾ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ﴾ جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ﴿وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا﴾ اور میں ان پر گواہ تھا ﴿مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ﴾ جب تک میں ان کے اندر تھا ﴿فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ﴾ پس جب تو نے مجھے اٹھالیا ﴿كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ﴾ تو، تو ہی نگران تھا ان پر ﴿وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ اور تو ہر چیز پر گواہ ہے ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ﴾ اگر تو ان کو سزا دے ﴿فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ پس بے شک وہ تیرے بندے ہیں ﴿وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ﴾ اور اگر تو ان کو بخش دے ﴿فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ پس بیشک تو غالب ہے حکمت والا ﴿قَالَ اللّٰهُ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ﴾ یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو ان کا سچ کہنا ﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ﴾ ان کے لیے باغات ہیں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہوں گی ان باغوں کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا﴾ رہا کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان سے ﴿وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی ہے کامیابی بڑی ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں کا ملک اور زمین کا ﴿وَ مَا فِیْهِنَّ﴾ اور جو کچھ زمینوں آسمانوں میں ہے ﴿وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

عیسائیوں کے تین فرقے

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ عیسائیوں کے تین فرقے ہیں۔ نسطوریہ، یعقوبیہ اور ملکائیہ۔ ان میں سے اکثر عیسائی ملکائیہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو شرمندہ کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے۔

نصاریٰ کی فضیحت کے لیے سوالات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ﴾ اے عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کیا تم نے کہا تھا لوگوں کو کہ بناؤ مجھے اور میری والدہ کو دو الٰہ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ اللہ تعالیٰ کے تو سب کچھ علم میں ہے یہ سوال محض عیسائیوں کو شرمندہ کرنے کے لیے ہوگا کہ عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ خدائی کے رکن ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب

﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ﴾ کہیں گے عیسیٰ علیہ السلام پاک ہے تیری ذات ﴿مَا یَكُوْنُ لِیْٓ﴾ نہیں تھا میرے لائق ﴿اَنْ اَقُوْلَ﴾ یہ کہ میں کہوں ﴿مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ﴾ جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ نہ میں خدائی کا حق دار، نہ میری والدہ، خدا خدا ہے اس کی صفات اس کے ساتھ مختص ہیں۔ مخلوق میں نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے، نہ صفات میں شریک ہے۔ ﴿وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ اس کی شان ہے۔

غیب کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ﴾ اگر میں نے یہ بات کہی ہو ﴿فَقَدْ عَلِمْتَهٗ﴾ پس تحقیق تو جانتا ہے۔ کیونکہ ﴿تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ﴾ تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے ﴿وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ﴾ اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر نفس کے لفظ کا بھی اطلاق ہوا ہے۔ اگلی سورت میں آئے گا: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ [الانعام: ۵۴] "اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت لکھی ہے۔" اور تیسرے پارے میں ہے: ﴿وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ [آل عمران: ۳۰] "اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے اور شخص کا لفظ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر بولا گیا ہے۔"

چنانچہ بخاری میں روایت ہے: ((لَا شَخْصَ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰهِ)) "کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند نہیں ہے۔" تو عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے۔ اے پروردگار! میرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو تو جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے میں نہیں جانتا کیونکہ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ بے شک تو ہی ہے غیبوں کو جاننے والا۔

شرک صرف بتوں کی پوجا کا نام نہیں

یاد رکھنا! یہ کسی ولی کا بیان نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے کہ اے پروردگار! غیبوں کا جاننے والا صرف تو ہی ہے۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شرک تو صرف بتوں کی پوجا کا نام ہے اور پیغمبروں، فرشتوں اور اولیاء اللہ کو رب تعالیٰ کے اوصاف میں شریک کرنا، شرک نہیں ہے۔ وہ لوگ کھلے مغالطے کا شکار اور غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ شرک اگر بتوں کی پوجا کا نام ہے جس طرح غلط کار مولوی کہتے ہیں تو حضرت عیسیٰ بت تو نہیں تھے نہ ان کی والدہ بت تھیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور لوگوں نے ان کو الٰہ بنایا۔ لہٰذا رب تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو الٰہ بنانا اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے؟ اور وہ کہیں گے کہ اے پروردگار! تیری ذات پاک ہے۔ میرے لائق نہیں تھا کہ میں ایسی بات کرتا جس کا مجھے حق نہیں تھا۔ تو شرک صرف بتوں کی پوجا کا نام نہیں ہے۔ بلکہ پیغمبروں، فرشتوں اور اولیاء اللہ کی پوجا کرنے والے بھی مشرک ہیں۔

مجسموں کی حیثیت

میں نے اپنی کتاب ''گلدستہ توحید'' میں اس مسئلے کی بڑی وضاحت کی ہے۔ اس کا مطالعہ کر لینا۔ پھر بڑی عجیب بات ہے کہ ایک مَن کی لکڑی یا پتھر حاجت روا اور مسجود نہ ہو سکے لیکن جب اس کو چھیل یا تراش کر دس سیر کا کر دیا جائے تو وہ سب کچھ کر سکے۔ بات یہ ہے کہ ان گھڑے پتھر اور لکڑی میں اس ہستی کی سی آنکھیں ناک اور کان نہیں ہوتے جس کے ساتھ اس کو محبت اور عقیدت ہے۔ مگر جب پتھر اور لکڑی اس کی شکل پر بن گئی تو صاحب مجسمہ کے نام پر وہ قبلہ وکعبہ اور توجہ کا مرکز ہوگئی۔ لیکن اصل عقیدت اور محبت لکڑی اور پتھر سے نہیں بلکہ محبوب انسان وغیرہ سے ہے۔ جس کی شکل پر اس پتھر اور لکڑی کو تراشا گیا ہے۔

مثلاً: بدھ، کرشن، رام چندر سیتا وغیرہ کے جو مجسمے ہیں تو ان کی پوجا محض لکڑی یا پتھر کے خوب صورت ہونے کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ اس شخص کی وجہ سے کی جاتی ہے جس کی شکل پر اس کو بنایا گیا ہے۔ تو دراصل عبادت اس پیغمبر اور ولی کی ہوئی جس کی صورت پر ان کو تراشا جاتا تھا۔

کاغذی تصویر کا حکم

مثلاً: لوگ کاغذ پر بنی ہوئی تصویروں کو جیب میں رکھتے ہیں فریم کرا کے بیٹھک میں سجاتے ہیں۔ تو اس کاغذ کا تو احترام نہیں کرتے؟ کاغذ تو اور بھی قیمتی سے قیمتی ہیں۔ اصل احترام تو اس کا ہو رہا ہے جس کی تصویر اس کاغذ پر ہے۔ اور تصویر والے سے محبت ہو رہی ہے۔ حاشا وکلا! کبھی کسی قوم نے محض پتھر اور لکڑی کی پوجا نہیں کی۔ اس طرح اس درخت کی پوجا کی ہے جس کے نیچے کوئی بزرگ بیٹھا ہے۔ اور اس جگہ کی پوجا کی ہے جہاں کسی بزرگ نے کچھ دیر کے لئے آرام کیا ہے۔ اور اگر کسی دریا کے کنارے لوگ جمع ہوئے ہیں تو اس لئے کہ وہاں ان کے بزرگ نے اشنان یعنی غسل کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل

اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں جب دیکھا کہ لوگ اس درخت کے نیچے آکر بیٹھتے ہیں جس کے نیچے بیٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان لی تھی اور محض اس لیے بیٹھتے ہیں کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے، برکت والی جگہ ہے۔ چونکہ وہ بڑی بصیرت رکھتے تھے انھوں نے سوچا یہ تو پختہ ذہن کے لوگ ہیں۔ محض برکت حاصل کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں۔ اور جب نئی نسلیں آئیں گی تو وہ پوجا شروع کر دیں گی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجی بھیجے کہ اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر اس کا نام ونشان تک مٹا دو۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور نجف علی خان رافضی

یہ بات شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''ازالۃ الخفاء'' میں نقل فرمائی ہے۔ یہ ایسی عمدہ کتاب ہے کہ شاہ صاحب نے جب "ازالۃ الخفاء، قرۃ العینین، در ثمین اور تفہیمات الٰهیه" لکھیں تو روافض کو بڑی تکلیف ہوئی۔ نجف علی خان رافضی جو دہلی کا حکمران تھا اس نے شاہ صاحب کے پونچوں سے ہاتھ کٹوا دیئے تھے کہ ان ہاتھوں سے تو نے یہ کتابیں لکھی ہیں۔ یہ بڑا ظالم فرقہ ہے۔

لہٰذا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ صرف پتھروں کی پوجا شرک ہے۔ بلکہ پیغمبروں، فرشتوں اور اولیاء اللہ کی پوجا بھی شرک ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہیں اور ان کی والدہ ''ولیہ کاملہ'' ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لینا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب وضاحت کے ساتھ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ﴾ میں نے نہیں کہا ان لوگوں کو ﴿إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ﴾ مگر وہ کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا ﴿أَنِ اعْبُدُوا اللهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ﴾ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں نے ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا قطعاً حکم نہیں دیا۔ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ اور میں ان پر گواہ تھا ﴿مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ جب تک میں ان کے اندر تھا ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾ پس جب تو نے مجھے اٹھا لیا ﴿كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ تو، تو ہی نگران تھا ان پر ﴿وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

تَوَفَّيْتَنِي کی دل نشین تشریح

قارئین کو یاد ہوگا کہ تیسرے پارے میں، میں نے عرض کیا تھا کہ ﴿يٰعِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ میں جو ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کا جملہ ہے۔ قادیانی اور دیگر باطل فرقے اس کا ترجمہ ''میں نے تجھے موت دے دی ہے'' کر کے یہ استدلال

کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ حالانکہ توفی کا معنی موت دینا نہیں ہے بلکہ توفی کا معنی پورا پورا لینا ہے۔ یہ لوگ مغالطے کا شکار ہیں۔ انھوں نے توفی کا مجرد مادہ وفات سمجھا ہے جب کہ اس کا مجرد مادہ وَفَا ہے۔ جس کا معنی ہے پورا کرنا۔

چنانچہ مقولہ ہے: اَلْکَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفَا "شریف آدمی جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے۔" قرآنِ پاک میں آتا ہے: ﴿فَیُوَفِّیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ﴾ "وہ ان کو پورا پورا اجر دے گا" اور دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَوُفِّیَتْ اُجُوْرُھُمْ﴾ تو ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ﴾ کا معنی ہے کہ یہ تیرے قتل کے درپے ہیں اور میں نے تجھے پورا پورا یعنی روح مع الجسد اپنی طرف اٹھالیا۔ اور توفی بھی وفا سے ہے تو ﴿فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ﴾ کا معنی ہو گا پس جب تو نے مجھے پورا پورا یعنی روح مع الجسد اٹھالیا تو، تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہی ہر چیز پر گواہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کافر کو بخشنے پر قادر ہے یا نہیں؟

﴿اِنْ تُعَذِّبْھُمْ﴾ اگر تو ان کو سزا دے ﴿فَاِنَّھُمْ عِبَادُكَ﴾ پس بے شک وہ تیرے بندے ہیں ﴿وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ﴾ اور اگر تو ان کو بخش دے ﴿فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ پس بے شک تو غالب ہے حکمت والا۔

ایک مسئلہ اُمت میں اختلافی چلا آرہا ہے وہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کافر کو بخشنا چاہے تو بخشنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے بخشے گا نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ بخشنے پر قادر ہے یا نہیں؟ مثلاً: ابوجہل، ابولہب وغیرہ ان کو اس نے نہ بخشا ہے نہ بخشے گا مگر بخشنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اہلِ حق کا نظریہ ہے کہ بخش سکتا ہے اگرچہ بخشے گا نہیں۔ کرنے اور کر سکنے میں بڑا فرق ہے۔ اگر وہ بخش دے تو اس کو کون پوچھ سکتا ہے؟ اور عیسیٰ علیہ السلام کا مندرجہ بالا بیان اہلِ حق کی تصدیق کرتا ہے۔

اور معتزلہ، اہلِ بدعت، خارجی اور رافضیوں کا نظریہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ بخشنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ اسی طرح کسی نیک سے نیک آدمی کو دوزخ میں ڈالے گا تو نہیں لیکن آیا ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ اہلِ حق کہتے ہیں کہ ڈال سکتا ہے اور رافضی، خارجی، اہلِ بدعت اور معتزلہ کہتے ہیں کہ نہیں ڈال سکتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت جواب

حضرت مجدد الف ثانی شاہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت! یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نیک بندے کو دوزخ میں ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ فرمایا:

ہمہ را دوزخ فرستاد جائے اعتراض نیست

"تو ایک کی بات کرتا ہے اگر وہ تمام کو دوزخ میں ڈال دے کون پوچھ سکتا ہے؟"

فیصلے کا دن

﴿قَالَ اللّٰهُ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾ یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو ان کا سچ کہنا۔ قیامت والے دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔ حق اور باطل نکھر کر الگ ہوجائیں گے۔ حق والوں کے لیے کیا ہوگا؟

اہل حق کا اعزاز

فرمایا ﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہوں گی ان باغوں کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ رہا کریں گے ان باغوں میں ہمیشہ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی سند ہے۔ ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یہی ہے کامیابی بڑی۔ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اختیارات حاصل ہیں اور نہ حضرت مریم علیہا السلام کو، نہ مخلوق میں سے کسی اور کو۔

مختار کل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

بلکہ ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں کا ملک اور زمین کا ﴿وَمَا فِيْهِنَّ﴾ اور جو کچھ زمینوں آسمانوں میں ہے۔ سب کا وہی مالک، وہی متصرف، اسی کا تمام پر کنٹرول ہے۔

میرا اور میرے اسلاف کا عقیدہ

میرا اور میرے تمام بزرگوں کا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام تمام مخلوقات سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی عظمت اور فضیلت سے نوازا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے بڑے معجزات سے نوازا ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات

چاند دو ٹکڑے ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے درخت چل کر آئے، پتھروں نے کلام کیا، انگلیوں کے پوروں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے اور بہت سارے معجزات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب ہیں۔ بایں ہمہ آپ نہ خدا ہیں نہ خدائی اختیارات آپ کے پاس ہیں۔

نفع و نقصان کا مالک بھی پروردگار ہے

قرآنِ پاک میں تصریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا: ﴿قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن:۲۱] "میں تمہارے ضرر اور بھلائی کا مالک نہیں ہوں۔" اور سورہ اعراف آیت نمبر ۱۸۸ میں ہے: ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ "میں اپنے نفع اور نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں۔" نفع نقصان کا مالک صرف رب العالمین ہے۔ دکھ سکھ، راحت آرام

صرف اسی کے اختیار میں ہے۔

خلاصۂ بحث

معجزات کی وجہ سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوجانا بے شک عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر ہیں۔ اور ان سے بھی بڑے بڑے معجزات ظاہر ہوئے ہیں مادرزاد اندھوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک کیا۔ مردے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کیے، مٹی کے پرندے بنا کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا میں اڑا دیئے، برص والے کے جسم پر ہاتھ پھیرا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہوگیا۔

یہ سارے معجزات اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے۔ مالک اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت اور اختیار سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

آج بتاریخ ۷ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ بمطابق ۱۷ فروری ۲۰۰۵ء بروز جمعرات
سورہ مائدہ مکمل ہوئی۔

والحمد للہ تعالیٰ علی ذٰلك

(مولانا) محمد نواز بلوچ
مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡاَنۡعَامِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ وَاِذَا سَمِعُوۡا ، وَلَوۡ اَنَّنَا

⑦ ⑧

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ ششم)

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِّ راہ بن گئی۔وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز بندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔جیسا کہ حدیث نبویؐ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

آیاتہا ۱۶۵ ⑥ سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ ⑤⑤ رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ﴿الَّذِیْ﴾ وہ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ جس نے پیدا کیے آسمان ﴿وَ الْاَرْضَ﴾ اور زمین ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ﴾ اور بنائے اس نے اندھیرے ﴿وَالنُّوْرَ﴾ اور روشنی ﴿ثُمَّ الَّذِیْنَ﴾ پھر وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِیْ﴾ وہ، وہ ذات ہے ﴿خَلَقَكُمْ﴾ جس نے تمھیں پیدا کیا ﴿مِّنْ طِیْنٍ﴾ گارے سے ﴿ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا﴾ پھر اس نے مقرر کی ایک میعاد ﴿وَ اَجَلٌ﴾ اور ایک اور میعاد ہے ﴿مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ مقرر ہے اس کے ہاں ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ﴾ پھر تم اس کی قدرت میں شک کرتے ہو ﴿وَهُوَ اللّٰهُ﴾ اور وہی اللہ تعالیٰ ہے ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَ فِی الْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ﴾ جانتا ہے تمھاری چھپی ہوئی باتوں کو ﴿وَجَهْرَكُمْ﴾ اور ظاہری باتوں کو ﴿وَيَعْلَمُ﴾ اور جانتا ہے ﴿مَا تَكْسِبُوْنَ﴾ جو تم کماتے ہو ﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس ﴿مِّنْ اٰيَةٍ﴾ کوئی نشانی ﴿مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی نشانیوں میں سے ﴿اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴾ مگر ہوتے ہیں اس سے اعراض کرنے والے ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا﴾ پس تحقیق انھوں نے جھٹلایا ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کو ﴿لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ جب حق ان کے پاس آیا ﴿فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ﴾ پس عن قریب آئے گی ان کے پاس ﴿اَنْۢبٰٓؤُا﴾ حقیقت ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ تھے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے۔

"انعام" کی تحقیق اور وجہ تسمیہ

اس سورۃ کا نام "اَنْعَام" ہے۔ "انعام" نعم کی جمع ہے اور نَعَمٌ کے معنیٰ ہیں مویشی۔ چونکہ اس سورت میں ان جانوروں کی حلت کا بیان ہے جن کو مشرکوں نے حرام ٹھہرایا تھا اس لیے اس سورت کا نام انعام ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور اس سے پہلے چوّن [۵۴] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے بیس [۲۰] رکوع اور ایک سو پینسٹھ [۱۶۵] آیات ہیں۔ اس سے پہلے جتنی سورتیں گزری ہیں ان میں زیادہ تر یہود و نصاریٰ کی تردید تھی اگرچہ دوسرے مسائل بھی بیان ہوئے ہیں اور اس سورت میں ہر طرح کے شرک کی تردید ہے اور اس کی ابتداء ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ ہوئی ہے۔ فرمایا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ﴿الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو۔ تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

”ظُلُمٰتٌ“ کی تحقیق

﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ﴾ اور بنائے اس نے اندھیرے ﴿وَالنُّوْرَ﴾ اور روشنی۔ ”ظُلُمٰتٌ“ ظُلْمَۃٌ کی جمع ہے اور ظُلْمَۃٌ کا معنیٰ ہے اندھیرا۔ اور نور کا معنیٰ ہے روشنی۔ تو اندھیرے بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اور روشنی بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی۔

ایرانی اور ان کا خدائی اعتقاد

ایران کے مجوسی جو آگ پرست تھے وہ یہ باطل نظریہ رکھتے تھے کہ خدا دو ہیں۔ ایک کا نام یزدان ہے جو خیر کا خالق ہے، اچھی چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور یزدان کو نور بھی کہتے تھے اور دوسرا ”اَھْرَمَنْ“ ہے۔ یہ خالق شر ہے، بری چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے اور ”اَھْرَمَنْ“ کو ظلمت بھی کہتے تھے یعنی اہرمن کا دوسرا نام ظلمت ہے۔

جس طرح ہم کہتے ہیں کہ ایک ذات رحمٰن ہے اور دوسرا شیطان ہے۔ مگر ہم شیطان کو کسی چیز کا خالق نہیں مانتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ باغی اور سرکش ہے وہ کسی سے جبراً کوئی چیز نہ کروا سکتا ہے نہ منوا سکتا ہے۔ ترغیب دیتا ہے اور اغوا کرتا ہے۔ نفسِ امارہ اس کا مرید ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس نظریے کی تردید فرمائی ہے کہ خیر اور شر کے خالق الگ الگ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اندھیروں کو اور روشنی کو بنانے والا ہے۔ زمین، آسمان اور ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ﴾ پھر وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہتے کہ آسمانوں کو، روشنی اور اندھیروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی نے پیدا کیا ہے، بلکہ ہر چیز کا خالق رب تعالیٰ کو مانتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے کا کیا معنیٰ ہے؟

انسانی تخلیق کا مادہ

﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ وہ، وہ ذات ہے ﴿خَلَقَكُمْ﴾ جس نے تمہیں پیدا کیا ﴿مِّنْ طِيْنٍ﴾ گارے سے، مٹی خشک ہو تو ”تراب“ کہتے ہیں اور گارے کو طین کہتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ساری زمین کے چہرے سے مٹی اکٹھی فرمائی۔ پھر اس کو دست قدرت سے گوندھ کر گارا بنا کر رکھ چھوڑا۔ یہاں تک کہ ”مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ“ وہ ٹھیکری کی طرح بجنے لگی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ تو ابتداً تمہاری تخلیق گارے سے ہے۔

ہر چیز کی میعاد کا مقرر ہونا

﴿ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا﴾ پھر اس نے مقرر کی ایک میعاد۔ ہر آدمی کی موت کا وقت مقرر ہے جس سے وہ نہ آگے جا سکتا ہے نہ پیچھے۔ ﴿وَاَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ اور ایک اور میعاد مقرر ہے ﴿عِنْدَهٗ﴾ اس کے ہاں قیامت کے برپا ہونے کی۔ جس طرح شخصی طور پر

ہرایک کی موت کا وقت مقرر ہے۔اسی طرح سارے جہاں کی موت کا وقت بھی مقرر ہے۔جس کو قیامت کہتے ہیں۔اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ ﴿ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ﴾ پھر تم اس کی قدرت میں شک کرتے ہو۔جس نے تمہیں گارے اور مٹی سے پیدا فرمایا، انسان بنایا، کیسی شکل وصورت عطا فرمائی، سمع وبصر عطا کی پھر تم اس کی قدرت میں شک کرتے ہو۔ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ﴾ اور وہی اللہ تعالیٰ ہے ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَفِي الۡاَرۡضِ﴾ اور زمین میں۔اس کے سوا آسمانوں اور زمینوں میں نہ تو کسی کا اقتدار ہے اور نہ کسی کو اختیار ہے۔

﴿يَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ﴾ جانتا ہے تمہاری چھپی ہوئی باتوں کو ﴿وَجَهۡرَكُمۡ﴾ اور ظاہر باتوں کو بھی۔مخفی سے مخفی تر چیز کو بھی جانتا ہے۔اور تمہارے دلوں میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اس کے علم میں ہیں۔ وہ ﴿عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ ہے۔ ﴿وَيَعۡلَمُ﴾ اور جانتا ہے ﴿مَا تَكۡسِبُوۡنَ﴾ جو تم کماتے ہو۔نیکی یا بدی سے رات کو یا دن کو اکٹھے یا تنہائی میں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔مگر یہ ایسے ضدی ہیں ﴿وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس ﴿مِّنۡ اٰيَةٍ﴾ کوئی نشانی ﴿مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ﴾ ان کے رب کی نشانیوں میں سے ﴿اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ﴾ مگر ہوتے ہیں اس سے اعراض کرنے والے۔

"آیت" کی تفسیر

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد قرآنِ کریم کی آیت ہے۔تو معنیٰ ہوگا کہ قرآن کریم کی جو آیت بھی نازل ہوتی ہے اس سے اعراض کرتے ہیں مانتے نہیں انکار کر دیتے ہیں۔اور آیت کے معنیٰ معجزے اور نشانی کے بھی ہیں۔تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ ان کے پاس جب بھی کوئی معجزہ اور نشانی آتی ہے تو رد کر دیتے ہیں مانتے نہیں۔آنحضرت ﷺ کے ہاتھ مبارک پر اللہ تعالیٰ نے بہت سارے معجزے نازل فرمائے جن کو کافروں نے آنکھوں سے دیکھا مگر ایمان نہیں لائے۔

شق القمر کا نظارہ کرنا اور پھر بھی اسلام نہ لانا

دیکھو! چاند کا دو ٹکڑے ہونا کوئی معمولی معجزہ تھا؟ چودھویں کی رات تھی شریر قسم کے لوگ اکٹھے ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ آج اس کو ستائیں۔آپ ﷺ کے پاس آگئے۔کہنے لگے اے محمد (ﷺ)! تو کہتا ہے کہ میں رب تعالیٰ کا نبی ہوں۔آج ہمیں کوئی کرشمہ دکھا تاکہ ہم مان جائیں۔کسی نے کوئی مطالبہ کیا کسی نے کوئی مطالبہ کیا۔ایک نے کہا کہ یہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ معجزہ رب تعالیٰ کے اختیار اور قدرت میں ہے۔اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے چاند کے دو ٹکڑے کر دے تو کیا تم مان جاؤ گے؟ کہنے لگے ہاں مان جائیں گے۔پس آپ ﷺ نے اشارہ ہی کرنا تھا کہ رب تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ایک ٹکڑا جبل ابوقُبیس پر چلا گیا یہ چھوٹی سی پہاڑی ہے بیت اللہ کے دروازے کے سامنے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے رب تعالیٰ نے یہ پہاڑی دنیا پر نصب فرمائی تھی اور اسی پہاڑی پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان فرمایا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا ﴿وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ "اور لوگوں میں حج کا اعلان فرمادیں۔"

اور چاند کا دوسرا ٹکڑا ''قیقعان'' پہاڑ پر چلا گیا۔ یہ کعبۃ اللہ سے مغرب کی جانب ایک بلند پہاڑ ہے۔ سب نے آنکھوں سے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ تجھے بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں؟ وہ کہتا ہاں! وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ گئے۔ وہاں سے بھی دو ٹکڑے نظر آتے تھے۔ اس سے بڑھ کر کیا معجزہ ہو سکتا ہے۔ چودھویں رات کا چاند سر پر کھڑا ہے۔ بادل اور دھند بھی نہیں ہے اور بھی کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

قرآن میں شق القمر پر مستقل سورت کا ہونا

قرآن کریم میں مستقل سورت ہے سورۃ القمر۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ "قیامت قریب آ پہنچی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے ﴿وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً﴾ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں ﴿يُّعْرِضُوْا﴾ تو منہ پھیر لیتے ہیں ﴿وَ يَقُوْلُوْا﴾ اور کہتے ہیں ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ یہ ہمیشہ کا جادو ہے۔" اور ﴿مُّسْتَمِرٌّ﴾ کا مجرد مادہ ہے مِرَّةٌ اور مِرَّةٌ کا معنیٰ ہے قوت والی۔ تو اس لحاظ سے معنیٰ ہوگا کہ وہ کہتے ہیں بڑا مضبوط جادو ہے۔ یقین جانو! ان میں سے ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا۔ اب اس ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟ کہ منہ مانگا معجزہ دیکھنے کے باوجود کوئی مسلمان نہ ہوا۔

معجزے اور کرامت کی حقیقت

معجزے کی حقیقت بھی سمجھ لیں۔ معجزہ حق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ معجزے کے ظاہر کرنے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو نہیں عطا فرمائی۔

کرامت بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے ولی کی اس میں ذاتی قدرت نہیں ہوتی۔ یعنی معجزے میں نبی کا دخل نہیں اور کرامت میں ولی کا دخل نہیں ہے۔ فرمایا ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا﴾ پس تحقیق انہوں نے جھٹلایا ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کو ﴿لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ جب حق ان کے پاس آیا ﴿فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ﴾ پس عن قریب آئے گی ان کے پاس ﴿اَنْۢبٰٓؤُا﴾ حقیقت ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ تھے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے۔ ﴿اَنْۢبٰٓؤُا﴾ ''نَبَأٌ'' کی جمع ہے۔ اور نَبَأٌ کے معنیٰ ہیں خبر۔ تو مفہوم یہ بنے گا جس عذاب کی خبر کا یہ مذاق اُڑاتے ہیں اس کی حقیقت ان کے سامنے آجائے گی کیوں کہ جب ان کو دھمکی دی جاتی کہ تم رب تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ورنہ عذاب آئے گا تو یہ مذاق اڑاتے اور کہتے کہ دیر کس چیز کی ہے؟ ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [الاعراف: ۷۰] "پس لاؤ تم وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو اگر ہو تم سچے۔" لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کی

حقیقت عن قریب ان کے سامنے لائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿اَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے ﴿کَمْ اَهْلَكْنَا﴾ کتنی ہی ہم نے ہلاک کر دیں ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنْ قَرْنٍ﴾ جماعتیں ﴿مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ ان کو ہم نے قدرت دی تھی زمین میں ﴿مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ﴾ وہ جو نہیں قدرت دی ہم نے تمہیں زمین میں ﴿وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ﴾ اور چھوڑا ہم نے آسمان ﴿عَلَیْهِمْ﴾ ان پر ﴿مِّدْرَارًا﴾ لگا تار بارش برسانے والا ﴿وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ﴾ اور بنائی ہم نے نہریں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ﴾ جو ان کے نیچے جاری تھیں ﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ پس ہم نے ان کو ہلاک کیا ان کے گناہوں کی وجہ سے ﴿وَ اَنْشَاْنَا﴾ اور پیدا کیں ہم نے ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد ﴿قَرْنًا اٰخَرِیْنَ﴾ دوسری جماعتیں ﴿وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا﴾ اور اگر ہم نازل کریں آپ پر کتاب ﴿فِیْ قِرْطَاسٍ﴾ کاغذوں میں لکھی ہوئی ﴿فَلَمَسُوْهُ﴾ پس وہ اس کو چھولیں ﴿بِاَیْدِیْهِمْ﴾ اپنے ہاتھوں سے ﴿لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا﴾ البتہ کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا انہوں نے ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ﴾ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر ﴿مَلَكٌ﴾ فرشتہ ﴿وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا﴾ اور اگر ہم نازل کریں فرشتہ ﴿لَّقُضِیَ الْاَمْرُ﴾ البتہ طے کر دیا جائے معاملہ ﴿ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ﴾ پھر ان کو مہلت نہ دی جائے ﴿وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا﴾ اور اگر ہم بنائیں اس کو فرشتہ ﴿لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا﴾ البتہ بنائیں اس کو مرد ﴿وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ﴾ اور البتہ ہم خلط ملط کر دیں ان پر ﴿مَّا یَلْبِسُوْنَ﴾ اس چیز کو جس کے اشتباہ میں وہ پڑے ہوئے ہیں ﴿وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ﴾ اور البتہ تحقیق مذاق کیا گیا ﴿بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ کتنے رسولوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ﴿فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ﴾ جنہوں نے مذاق کیا تھا ان میں سے ﴿سَخِرُوْا مِنْهُمْ﴾ پس گھیر لیا ان لوگوں کو ﴿مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اس چیز نے جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے۔

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کو سمجھانے کے لیے مختلف طریقے استعمال فرمائے ہیں۔ کبھی تو نعمتوں کا ذکر کر کے سمجھایا کہ میری ان نعمتوں کی قدر کرو اور نافرمانی نہ کرو اور کبھی عذاب سے ڈرایا اور فرمایا کہ ان قوموں کی طرف دیکھو کہ جنہوں نے نافرمانی کی ان کا کیا انجام ہوا۔ تو پہلے کچھ نعمتوں کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں عذاب کا ذکر ہے۔ آگے پھر نعمت کا ذکر ہے۔

”قرن“ کی تعریف

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا﴾ کتنی ہی ہم نے ہلاک کردیں ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنْ قَرْنٍ﴾ جماعتیں۔ ایک دور میں جو لوگ رہتے ہیں وہ قرن ہے۔ جب تک یہ لوگ ہیں یہ ایک ہی قرن ہوگا۔ یہ چلے جائیں گے دوسرے آجائیں گے تو دوسرا قرن شروع ہوجائے گا۔ مثلاً: اس دور میں ہم رہتے ہیں تو ہمارا یہ دور ایک قرن ہے۔ ہمارے بعد دوسرے لوگوں کا دور شروع ہوجائے گا تو وہ دوسرا قرن ہوگا۔ مراد جماعتیں ہیں۔ کہ ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کیں ان سے پہلے۔ ﴿مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ ان کو ہم نے قدرت دی تھی زمین میں ﴿مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ﴾ وہ جو نہیں قدرت دی ہم نے تمہیں زمین میں۔ انہوں نے زمین میں بڑی کاشتکاری کی، بڑے بڑے ڈیم اور حوض بنائے، بڑی بڑی بلڈنگز بنائیں، نشانات کھڑے کیے اور بہت کچھ کیا کہ اتنی وسعت اور طاقت تمہیں حاصل نہیں ہے۔

بارش ایک نعمت

﴿وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ﴾ اور چھوڑا ہم نے آسمان ﴿عَلَیْهِمْ﴾ ان پر ﴿مِّدْرَارًا﴾ لگاتار بارش برسانے والا۔ یعنی ان پر آسمان سے لگاتار بارش برسائی۔ بارش بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اگر ایک حد تک ہو۔ اس سے درخت، گھاس اور کھیت وابستہ ہیں۔ بلکہ اس دور میں بھی بعض علاقے ایسے ہیں کہ وہ پینے کے لیے پانی بھی بارش کا استعمال کرتے ہیں بارش ہو تو ان کو پانی میسر ہوتا ہے اور اگر بارش نہ ہو تو پینے کے لیے بھی پانی نہیں ملتا۔

﴿وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ﴾ اور بنائیں ہم نے نہریں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ﴾ جو ان کی زمینوں کے نیچے جاری تھیں ﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو ہلاک کیا۔ کیوں ہلاک کیا؟ فرمایا ﴿بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ان کے گناہوں کی وجہ سے کہ ان قوموں اور جماعتوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، گناہ کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ کردیا۔ ﴿وَّ اَنْشَاْنَا﴾ اور پیدا کیں ہم نے ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد ﴿قَرْنًا اٰخَرِیْنَ﴾ دوسری جماعتیں۔ اے سرزمین عرب کے رہنے والو! جو نزول قرآن کے وقت موجود ہو اور اس کے بعد قیامت تک آنے والو! گزشتہ قوموں کے حالات دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد کردیا اگر تم ان کے نقش قدم پر چلو گے تو جو انجام ان کا ہوا تمہارا بھی وہی ہوگا۔

کفار کا غیر معقول اعتراض

آگے کافروں کے ایک شوشے کا ذکر ہے۔ کہنے لگے ہم اس شرط پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ لکھی لکھائی کتاب ہمارے سامنے لائے، ہمارے دیکھتے ہوئے تمہارے حوالے کرے اور ہم اسے ہاتھ لگا کر دیکھیں۔

جواب

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا﴾ اور اگر ہم نازل کریں آپ پر کتاب ﴿فِیْ قِرْطَاسٍ﴾

کاغذوں میں لکھی ہوئی ﴿فَلَمَسُوْهُ﴾ پس وہ اس کو چھولیں ﴿بِاَیْدِیْهِمْ﴾ اپنے ہاتھوں سے۔ جس طرح ہمارے ہاتھ قرآن پاک پر لگتے ہیں۔ ﴿لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا﴾ البتہ کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ﴿اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا۔ اب اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے؟

اس طرح کے انہوں نے اور بھی کئی سوال کیے جن کا ذکر پندرہویں پارے میں ہے۔ ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ﴾ اور کہا انہوں نے ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ پر ﴿حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا﴾ یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے چشمہ ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ﴾ یا ہو آپ کے لیے ایک باغ ﴿مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ﴾ کھجوروں اور انگوروں کا ﴿فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا﴾ پھر آپ چلائیں نہروں کو ان کے درمیان چلانا ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ﴾ یا گرا دیں آسمان ﴿كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا﴾ جیسا کہ آپ خیال کرتے ہیں ہم پر کوئی ٹکڑا ﴿اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا﴾ یا لائیں آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو سامنے اور اللہ تعالیٰ کہے یہ میرا پیغمبر ہے ﴿اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ﴾ یا ہو آپ (ﷺ) کے لیے کوئی گھر ﴿مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ سونے کا ﴿اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ﴾ یا چڑھ جائیں آپ آسمان پر ﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ﴾ اور ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ (ﷺ) کے اوپر چڑھنے سے جب چڑھے تو خالی ہاتھ ہو اور جب آئے ﴿حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ حتی کہ اتار دیں ہمارے اوپر ایک کتاب جس کو ہم پڑھیں۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی انہوں نے کہا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ اب بتاؤ اس ضد کا دنیا میں کیا علاج ہے؟

فرشتے کو دیکھنے کا مطالبہ اور اس کا جواب

اور سنیے! آپ ﷺ کے مخالفین نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ آپ کہتے ہیں کہ میرے پاس فرشتہ آیا ہے اور یہ حکم دے گیا ہے وہ فرشتہ ہمیں کیوں نظر نہیں آتا ہمیں بھی نظر آنا چاہیے۔ ہم بھی اس کو دیکھیں کہ فرشتہ آیا ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے۔

فرمایا ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انہوں نے ﴿لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ﴾ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر ﴿مَلَكٌ﴾ فرشتہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا﴾ اور اگر ہم نازل کریں فرشتہ یعنی فرشتہ اپنی اصل شکل میں آئے تو ان میں اس کو دیکھنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ ﴿لَّقُضِیَ الْاَمْرُ﴾ البتہ طے کر دیا جائے معاملہ یعنی اگر فرشتہ ان کے سامنے آجائے تو اسے دیکھنے کی طاقت نہ پا کر فوراً ہلاک ہو جائیں گے ان کا معاملہ ہی صاف ہو جائے گا ﴿ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ﴾ پھر ان کو مہلت نہ دی جائے گی، فوراً جان نکل جائے گی۔

آنحضرت ﷺ کا جبرئیل علیہ السلام کو اصلی حالت میں دیکھنا

آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پہلی دفعہ غار حرا میں اور دوسری مرتبہ

معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

جبرئیل علیہ السلام کا انسانی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا

اور عام طور پر جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ چنانچہ کئی مرتبہ حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے کمرے میں تھے میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ سے گفتگو کر رہے ہیں تو میں پیچھے ہٹ کر پردے میں چلی گئی۔ جب وہ چلے گئے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ام سلمہ! تجھے معلوم ہے کہ یہ کون تھا؟ میں نے کہا دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا نہیں یہ تو جبرئیل علیہ السلام تھے۔اور کبھی حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور لوگوں کی شکل میں بھی آتے تھے۔

چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حدیث آتی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوزانو ہو کر تشریف فرما تھے اس نے آکر سلام کیا اور اپنے گھٹنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ جوڑ دیئے اور اپنے دونوں ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رانوں مبارک پر رکھ دیے۔ کہنے لگا میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پوچھو! اس نے سوال کیا مَا الْاِیْمَانُ ؟ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَ بِلِقَآئِہٖ اور اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ اور آخرت پر ایمان لاؤ وَرُسُلِہٖ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ وَفِیْ نُسْخَۃٍ اور ایک نسخہ میں یہ الفاظ بھی ہیں وَکُتُبِہٖ اور اس کی کتابوں پر ایمان لاؤ۔

پھر اس نے سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِكَ بِہٖ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ اور نماز قائم کرو وَتُؤَدِّیَ الزَّکٰوۃَ الْمَفْرُوْضَۃَ اور فریضہ زکوٰۃ ادا کرو وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ اور ماہِ رمضان کے روزے رکھو۔

پھر اس شخص نے سوال کیا کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّكَ تَرَاہُ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح خشوع وخضوع کے ساتھ کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاكَ سو اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پھر اس شخص نے سوال کیا قیامت کب ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ کہ جس سے یہ بات پوچھی جارہی ہے وہ خود سائل سے زیادہ اس کو نہیں جانتا۔ اور میں تم کو اس کی کچھ علامتیں بتا دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے اور جب سیاہ اونٹوں کو چرانے والے بڑی بڑی بلند عمارتیں بنانے لگیں (تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب ہے)۔

جب وہ چلا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جَآءَ کُمۡ یُعَلِّمُکُمۡ دِیۡنَکُمۡ تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ بہرحال جبرئیل علیہ السلام مختلف آدمیوں کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ تو فرشتے کو اصلی شکل میں دیکھنے کی تو یہ طاقت نہیں رکھتے۔

فرشتہ کو دیکھنے کی دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں آئے تو یہ کہیں گے یہ تو انسان ہے اور ہم نے انسان تو بڑے دیکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا﴾ اور اگر ہم بنائیں اس کو فرشتہ ﴿لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا﴾ البتہ بنائیں اس کو مرد۔ یعنی اگر فرشتے کو رسول بنا کر بھیجیں تو مرد شکل میں بھیجیں گے۔ ﴿وَّ لَلَبَسۡنَا عَلَیۡهِمۡ﴾ اور ہم ان پر خلط ملط کر دیں ﴿مَّا یَلۡبِسُوۡنَ﴾ اس چیز کو جس کے اشتباہ میں وہ پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجیں گے تو یہ کہیں گے کہ یہ تو انسان ہے ہم تو فرشتہ مانگتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے پیغمبر آئے ہیں ان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔

فرمایا ﴿وَ لَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ﴾ اور البتہ تحقیق مذاق کیا گیا ﴿بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ﴾ کتنے رسولوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ﴿فَحَاقَ بِالَّذِیۡنَ﴾ پس گھیر لیا ان لوگوں کو ﴿سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ﴾ جنھوں نے مذاق کیا تھا ان میں سے ﴿مَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ﴾ اس چیز نے جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے۔ یعنی کہتے تھے ﴿فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ﴾ [الاعراف: ۷۰] "لے آوہ عذاب جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر ہے تو سچوں میں سے۔" تو فرمایا پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی مذاق ہوتا رہا ہے۔ بس تمہارا کام ہے صبر کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔

﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ﴾ سیر کرو زمین میں ﴿ثُمَّ انۡظُرُوۡا﴾ پھر دیکھو تم ﴿کَیۡفَ کَانَ﴾ کیسا ہوا ﴿عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِیۡنَ﴾ انجام ان لوگوں کا جنھوں نے حق کو جھٹلایا ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لِّمَنۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ﴾ کس کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں ﴿قُلۡ لِّلّٰهِ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے ﴿کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ﴾ لکھی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت ﴿لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ﴾ البتہ وہ ضرور تمہیں جمع کرے گا ﴿اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿لَا رَیۡبَ فِیۡهِ﴾ جس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ﴾ وہ لوگ جنھوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿فَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ پس وہی ایمان نہیں لاتے ﴿وَ

لَهٗ﴾ اور اسی کے لیے ہے ﴿مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ﴾ جو ٹھہرا ہوا ہے رات میں ﴿وَالنَّهَارِ﴾ اور دن میں ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ اور وہی سننے والا، جاننے والا ہے ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ﴾ آپ کہہ دیں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اَتَّخِذُ وَلِيًّا﴾ بناؤں میں کارساز ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا ﴿وَهُوَ يُطْعِمُ﴾ اور وہ کھلاتا ہے ﴿وَلَا يُطْعَمُ﴾ اور اس کو کھلایا نہیں جاتا ﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ﴾ آپ کہہ دیں بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ﴾ کہ میں ہو جاؤں پہلا وہ جو فرمانبرداری کرنے والا ہے ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور ہرگز نہ ہو شرک کرنے والوں میں سے ﴿قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ﴾ آپ کہہ دیں میں خوف کھاتا ہوں ﴿اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ﴾ اگر میں نے نافرمانی کی اپنے پروردگار کی ﴿عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بڑے دن کے عذاب سے ﴿مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ﴾ جس شخص سے پھیر دیا گیا اس عذاب کو ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اُس دن ﴿فَقَدْ رَحِمَهٗ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا ﴿وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ﴾ اور یہی ہے کامیابی کھلی۔

ربطِ آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ "کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کتنی ہی ہم نے ہلاک کر دیں ان سے پہلے جماعتیں ﴿مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ﴾ ان کو ہم نے قدرت دی تھی زمین میں وہ جو نہیں قدرت دی ہم نے تمہیں زمین میں۔" مگر جب انہوں نے نافرمانی کی تو ان کو ہم نے ہلاک کر دیا اور وہ اسباب ان کو نہ بچا سکے اب اگر تم ان کی روش اختیار کرو گے تو جو انجام ان کا ہوا تمہارا بھی وہی ہوگا۔

سیاحتِ ارض بوجۂ عبرت

اگر ان کو ہماری بات سمجھ نہیں آتی تو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ سیر کرو زمین میں۔ یہ چلنا پھرنا کس نقطہ نظر سے ہے؟ فرمایا ﴿ثُمَّ انْظُرُوْا﴾ پھر دیکھو تم ﴿كَيْفَ كَانَ﴾ کیسا ہوا ﴿عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ انجام ان لوگوں کا جنھوں نے حق کو جھٹلایا۔ توحید کا انکار کیا، پیغمبروں اور کتابوں کی تکذیب کی۔ ان نافرمان قوموں کے انجام اور حشر کو دیکھنے کے لیے زمین میں چلو پھرو۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کس کے لیے ہے وہ مخلوق جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آسمانوں میں فرشتے ہیں، چاند، سورج، ستاروں کے علاوہ بھی بے شمار مخلوق ہے۔ اور زمین میں انسان ہیں، حیوان ہیں، جنات ہیں، پہاڑ اور دریا ہیں، کیڑے مکوڑے اور پرندوں کے علاوہ بے شمار مخلوقات ہیں ان سے پوچھو یہ کس کی ہیں ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ان کا روزی رساں کون ہے؟ فرمایا یہ بڑے ضدی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے سے بتائیں گے نہیں۔

رحمت الٰہی کا ہر چیز پر حاوی ہونا

لہٰذا ﴿قُلْ لِلّٰهِ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ لکھی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت۔ یہ اس کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ ہم آپ سب زندہ ہیں ورنہ ہمارے اخلاق اعمال اتنے بُرے اور نافرمانیاں اس قدر ہیں کہ ایک لمحہ بھی زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ دنیا میں وہ مجرم قومیں بھی موجود ہیں جو رب تعالیٰ کے وجود کا ہی اقرار نہیں کرتیں یہ سب رب تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے ایک کنارے پر لکھا ہوا ہے رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ عَلٰى غَضَبِيْ "میری رحمت میرے غصے اور عذاب سے بہت آگے ہے یعنی غالب ہے۔"

قیامت میں حشر کا تذکرہ

آگے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے کہ یاد رکھو ﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ﴾ البتہ وہ ضرور تمہیں جمع کرے گا ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ جس میں شک نہیں ہے۔

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ قیامت کا بھی ہے کہ قیامت ضرور برپا ہوگی یہ زندگی ختم ہوجائے گی اور اگلے جہاں کی ابدی زندگی شروع ہوگی۔ ﴿اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ وہ لوگ جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ پس وہی ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی توحید پر، پیغمبروں کی رسالت پر، قیامت کے حق ہونے پر اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام پر۔ اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے اور ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔ ورنہ یہ دولت قیمتاً نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ بات سمجھائی ہے کہ قیامت کے دن اگر یہ ساری زمین سونے کی بھری ہوئی کسی کے پاس ہو اور اتنی زمین اور ہو اور وہ بھی سونے سے بھری ہوئی ہو۔ اور وہ شخص چاہے کہ یہ دے کر ایمان حاصل کرے تو نہیں حاصل کر سکتا۔

اور آج ایمان مفت میں ملتا ہے۔ صرف بندہ نیت اور ارادہ کرے اور چاہت کرے تو ایمان کے نصیب ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور ایمان کوئی اتنی وزنی اور بھاری چیز بھی نہیں ہے کہ آدمی اٹھا نہ سکے اگر بھاری ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندوں کو مکلف نہ بناتے۔

ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَهٗ﴾ اور اسی کے لیے ہے ﴿مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ﴾ جو ٹھہرا ہوا ہے رات میں ﴿وَالنَّهَارِ﴾ اور دن میں۔ اللہ تعالیٰ کی کچھ مخلوق ایسی ہے جو رات کو سکون کرتی ہے اور دن کو چلتی پھرتی ہے جیسے چڑیاں، کبوتر اور دیگر پرندے۔ اور کچھ مخلوق ایسی ہے جو دن کو سکون کرتی ہے اور رات کو چلتی پھرتی ہے۔ جیسے درندے اور دیگر جنگلی جانور۔ بہرحال جو دن کو چلتے پھرتے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہے اور جو رات کو چلتے پھرتے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہے ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ

﴿الْعَلِیْمُ﴾ اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ ہر ایک کی قریب اور دور سے سننا اسی کا کام ہے اور ہر چیز کے ظاہر باطن کو جاننا بھی اسی کا کام ہے ﴿یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ وہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ کو اور ظاہر کو ﴿وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ﴾ اور جانتا ہے جو تم کمائی کرتے ہو۔ یہ صرف رب تعالیٰ ہی کی شان ہے۔

کفار کا ایک اشکال

آگے ایک اور شوشے کا جواب ہے۔ وہ اس طرح ہوا کہ مکہ مکرمہ کے مختلف خاندانوں اور برادریوں کے سرداروں نے مشورہ کیا، منصوبہ بنایا اور ایک فارمولہ لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے محمد (ﷺ)! یہ مکہ مکرمہ کے سردار آپ ﷺ کے پاس ایک آرزو لے کر آئے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم چاہتے ہیں یہ لوگ جس طرح آپ ﷺ کے آنے سے پہلے پیار محبت کے ساتھ رہ رہے تھے۔ ایک مذہب اور ایک عقیدہ تھا آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا، لڑائی نہیں تھی اور تمہارے دعوائے نبوت اور پروگرام پیش کرنے کے بعد گھر گھر میں لڑائی شروع ہوگئی ہے۔ باپ بیٹے کا مخالف ہے، بھائی بھائی کا مخالف ہے، میاں بیوی میں اختلاف ہے، گلیوں بازاروں میں جھگڑے ہیں اور ان تمام حالات کے ذمہ دار آپ ﷺ ہیں۔ کیوں کہ بات آپ ﷺ نے شروع کی ہے۔ ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ کسی طرح یہ جھگڑے ختم ہوجائیں۔ اور وہ اس طرح ختم ہوسکتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے خداؤں کی پوجا کریں اور ہم آپ کے خدا کی پوجا کرتے ہیں۔ اکٹھے رہیں اور لڑیں نہیں۔

جواب

رب تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا ﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ﴾ آپ کہہ دیں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اَتَّخِذُ وَلِیًّا﴾ بناؤں میں کارساز یا معبود۔ یہ فارمولہ لے کر آئے ہو اس رب کے سوا کسی اور کی عبادت کروں جو ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا بغیر نمونے کے کہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے ان کا کوئی نمونہ ڈیزائن نہیں تھا کہ جس کی طرف دیکھ کر ان کو پیدا فرمایا۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے جس طرح چاہا ان کو پیدا فرمایا۔ تو کیا اس رب کو چھوڑ کر میں غیروں کی پوجا کروں؟

﴿وَهُوَ یُطْعِمُ﴾ اور وہ کھلاتا ہے ﴿وَلَا یُطْعَمُ﴾ اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ ﴿هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ﴾ [الذاریات: ۵۸] "وہی روزی دینے والا ہے مضبوط طاقت والا ہے۔" اس کو چھوڑ کر تمہاری بات مان لوں۔ ﴿قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ﴾ آپ کہہ دیں بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ﴾ کہ میں ہوجاؤں پہلا وہ جو فرماں برداری کرنے والا ہے۔ وحی اترنے سے پہلے بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہیں۔ کیوں کہ جو خود نہیں مانے گا تو دوسروں سے کیا منوائے گا؟

اور ان کو آپ ﷺ یہ بھی سنا کر کہہ دیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور ہرگز نہ ہو شرک کرنے والوں میں سے۔ شرک کے قریب بھی نہیں جانا یہ کان کھول کر سن لیں کہ خدا کے پیغمبر کو شرک کی دعوت دیتے ہیں۔ اس

نے تمہاری کوئی بات نہیں مانی۔ ﴿قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ﴾ آپ کہہ دیں میں خوف کھاتا ہوں ﴿اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ﴾ اگر میں نے نافرمانی کی اپنے پروردگار کی ﴿عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ بڑے دن کے عذاب سے۔ میں اپنے پروردگار کی ہرگز نافرمانی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ کسی کو معبود سمجھنا ہے، نہ سجدہ کرنا ہے، نہ پکارنا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے سوا مشکل کشا اور حاجت روا ہے، نہ کوئی دست گیر ہے اور نہ کوئی فریادرس ہے لہٰذا مجھ سے اس قسم کی کوئی توقع نہ رکھنا اور خوش قسمت وہی ہے۔

﴿مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ﴾ جس شخص سے پھیر دیا گیا اس عذاب کو ﴿یَوْمَىٕذٍ﴾ اس دن ﴿فَقَدْ رَحِمَهٗ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا ﴿وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ﴾ اور یہی ہے کامیابی کھلی۔ اور سب سے بڑی کہ قیامت والے دن آدمی عذاب سے بچ جائے اور رب تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جائے۔

﴿وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ﴾ اور اگر پہنچائے تجھے اے انسان اللہ تعالیٰ ﴿بِضُرٍّ﴾ کوئی تکلیف ﴿فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ﴾ پس نہیں کوئی دور کر سکتا اس تکلیف کو ﴿اِلَّا هُوَ﴾ مگر صرف وہی ﴿وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ﴾ اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی ﴿فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ پس وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر ﴿وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ اور وہ حکمت والا خبردار ہے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً﴾ کون سی چیز بڑی ہے گواہی کے اعتبار سے ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ﴿شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ﴾ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان ﴿وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ﴾ اور وحی کی گئی میری طرف اس قرآن کریم کی ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ﴾ تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ذریعے ﴿وَ مَنْۢ بَلَغَ﴾ اور جس تک یہ پہنچے ﴿اَىٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ﴾ کیا بے شک البتہ تم گواہی دیتے ہو ﴿اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الٰہ ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَّاۤ اَشْهَدُ﴾ میں گواہی نہیں دیتا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے وہ ایک ہی معبود ہے ﴿وَّ اِنَّنِیْ﴾ اور بے شک میں ﴿بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کو تم رب تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ﴾ پہچانتے ہیں اس کو ﴿كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ جس طرح پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو ﴿اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ وہ لوگ جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ پس وہ ایمان نہیں لاتے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلے سبق میں بیان ہوا تھا کہ مکہ مکرمہ کے مختلف قبائل کے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور جھگڑ

ختم کرنے کا ایک فارمولا پیش کیا کہ آپ ﷺ ہمارے معبودوں کو مشکل کشا سمجھتے ہوئے ان کی پوجا کریں اور ہم تمہارے معبود کی پوجا کرتے ہیں تاکہ دن رات کی لڑائی ختم ہو جائے۔

فائدہ اور نقصان صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فارمولا پیش کرنے والوں کو خصوصاً اور دیگر تمام انسانوں کو عموماً سمجھایا ہے کہ کان کھول کر سن لو ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ اور اگر پہنچائے تجھے اے انسان اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پس نہیں کوئی دُور کرسکتا اس تکلیف کو مگر صرف وہی۔ یہ جو تم نے لات، منات، عزیٰ اور دیگر تین سو ساٹھ بت کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے ہیں اور ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہو اور نعرے مارتے ہو یَا لَاتُ اَغِثْنِیْ یَا مَنَاتُ اَغِثْنِیْ اے لات! میری مدد کر، اے منات! میری مدد کر۔ ان میں سے کوئی بھی تمہاری مشکل کشائی نہیں کرسکتا نہ کوئی تمہارا دکھ درد دور کرسکتا ہے۔ مشکل کشا، حاجت روا، دکھ درد، دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ﴾ اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی ﴿فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ پس وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور گیارہویں پارہ سورۃ یونس میں ہے ﴿وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تم سے بھلائی کرنی چاہے ﴿فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آنحضرت ﷺ کی وصیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ چھوٹے بچے تھے۔ آنحضرت ﷺ گدھے پر سوار ہو کر کسی قریبی جگہ پر تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور فرمایا یَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ اے عزیز، اے برخوردار، اے بچے! اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرنا رب تعالیٰ تمہاری حفاظت کریں گے۔ پھر فرمایا سنو! اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے کوئی دکھ لکھا ہے تو ساری مخلوق مل کر تجھے اس سے بچا نہیں سکتی اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لیے راحت اور آرام لکھا ہوا ہے تو ساری مخلوق مل کر تجھ سے وہ روک نہیں سکتی۔ برخوردار! اِذَا سَاَلْتَ فَسْئَلِ اللّٰهَ جب مانگنا تو اللہ تعالیٰ سے مانگنا اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ جب مدد طلب کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا۔ یہ حدیث ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دو کتب کا تذکرہ

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دو کتابیں مشہور ہیں "غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب" دونوں عربی میں تھیں اور دونوں کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتوح الغیب کا اردو ترجمہ کیا ہے مولانا حکیم محمد صادق صاحب مرحوم نے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا

فرمائے۔ اس کا ضرور مطالعہ کرو۔ فتوح الغیب میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: فَيَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَّجْعَلَ هٰذَا الْحَدِيْثَ شِعَارَهٗ وَ دِثَارَهٗ "ہر مومن کو چاہیے کہ وہ اس حدیث کو اپنے ظاہر اور باطن کا لباس بنائے۔" جس طرح لباس ہر وقت انسان کے جسم پر ہوتا ہے اسی طرح اس حدیث کو ہر وقت یاد رکھے اور بھولے نہ۔

پھر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں سے وہی مانگتا ہے جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور رب تعالیٰ پر اس کا یقین اور اعتماد نہیں ہوتا۔ ورنہ قادر مطلق ذات کے ہوتے ہوئے اوروں کے سامنے کیوں ہاتھ پھیلاتا ہے۔

انسان کا اللہ تعالیٰ سے نہ مانگنا غضب کو دعوت دینے کے مترادف

نسائی شریف میں حدیث آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ "جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔" بڑی موٹی سی بات ہے آسانی سے سمجھ آسکتی ہے کہ ہم یہ گوارہ نہیں کرتے کہ ہماری بیوی، بچی یا بہو محلے کے کسی آدمی کو کہے کہ مجھے شلوار قمیص خرید دو، مجھے کنگھی پراندہ خرید دو۔ چاہے وہ آدمی جس کو کہہ رہی ہے کتنا ہی پارسا نیک ہو مگر ہم یہ گوارہ نہیں کرتے کہ ہمارا بچہ یا بچی محلے کے کسی آدمی کو یہ کہے اور کسی سے مانگے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم سے ہی مانگے اور ہم ہی لا کر دیں گے چاہے چوری کر کے لائیں۔ بے شک یہ بُرا فعل ہے۔

تو اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے وہ کب برداشت کرتا ہے کہ میرا بندہ مجھے چھوڑ کر کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلائے اور میرے علاوہ کسی اور سے مانگے۔ یاد رکھنا! مانگنا صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کیونکہ نفع نقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ نفع کا اختیار ہے اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر۔ وہ اپنے بندوں سے جس طرح چاہے کام لے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مہلت اور رضا شاہ پہلوی

اور اگر کوئی اکڑ جائے تو اس کو دبا بھی سکتا ہے۔ دیکھو! دنیا میں لوگ اپنی کرسیوں اور عہدوں کو بچانے کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں۔ مگر یہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ مہلت دے اور جب اللہ تعالیٰ چھیننا چاہتا ہے تو اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ بھلا یہ بات بھی کوئی سوچ سکتا تھا کہ رضا شاہ پہلوی ایران کو چھوڑ دے گا جب کہ صدیوں سے شاہی پشت در پشت ان کے خاندان میں چلی آرہی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جب اس کو ذلیل کرنا چاہا اور وہ ایران سے نکلا تو اس کا جہاز مختلف ملکوں میں گیا۔ اُترنے کی اجازت مانگی مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم تیری قدر کرتے ہیں لیکن بین الاقوامی حالات سے مجبور ہیں اترنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ بالآخر مصر نے دل مضبوط کیا اور کہا کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا اتر آؤ۔

چنانچہ کچھ عرصہ مصر میں رہا پھر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ایک وقت تھا کہ شہنشاہِ ایران کہلاتا تھا اور ایک وہ وقت تھا کہ اس کو قبول کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ رضا شاہ پہلوی اس علاقہ میں امریکی مفادات کا چوکیدار تھا مگر امریکہ بہت خبیث

شے ہے۔ جب تک اس کے لیے کام کرتے رہو تو خوش رہتا ہے اور اپنے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتا۔ مگر یاد رکھنا! جس طرح روس تباہ ہوا ہے یہ بھی اسی طرح تباہ ہوگا۔ زوال سب کے لیے ہے بقا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرنا چاہے گا اس کے تمام منصوبے اور فارمولے دھرے رہ جائیں گے اور ہوگا وہی جو رب تعالیٰ چاہے گا۔ ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔

کفار کا ایک اور اعتراض

کافروں نے ایک اور شوشہ چھوڑا۔ کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہونے کے دعوے دار ہیں اور دعوائے نبوت کے لیے گواہ ضروری ہیں۔ لہٰذا تم نبوت کے دعویٰ پر گواہ پیش کرو مگر اپنے ساتھیوں کے علاوہ۔ کیوں کہ یہ تو تیرے چیلے ہیں ان کے علاوہ عرب سے کوئی گواہ پیش کرو۔ اور ظاہر بات تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ تو سارے عرب میں مشرک ہی مشرک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے کی گواہی کس نے دینی تھی اور وہ لوگ بھی یہی چاہتے تھے یہ لاجواب ہو جائے اور ہم کہیں کہ یہ اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کر سکا اس لیے ہم اس کو نبی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

جواب

تو اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب دیا اور فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں ﴿اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً﴾ کون سی چیز بڑی ہے گواہی کے اعتبار سے ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ﴿شَهِيدٌۢ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان۔

سوال

اب سوال یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے گواہی کس طرح دی؟

جواب

چاند کو دو ٹکڑے کر کے رب تعالیٰ نے گواہی دی اور مکہ مکرمہ میں ایک پتھر تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کو سلام کرتا تھا اور اس کا یہ سلام کرنا سننے والے سنتے تھے۔ تو اس پتھر کو گویائی کی طاقت کس نے عطا فرمائی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں کو اشارہ کیا وہ چل کر آپ کے پاس آ گئے۔ درختوں کو کس نے چلایا؟ وہ جس کے اشارہ پر چلا رہا ہے وہ اس کا نبی اور رسول ہے اور یہ اس کی گواہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن اور جوانی میں مکہ مکرمہ کا ماحول

پھر عموماً جس بچے کے سر پر ماں باپ دادا، دادی کا سایہ نہ ہو وہ آوارہ ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی پیدا

ہونے سے پہلے فوت ہو گئے۔ چھ سال کی عمر مبارک میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آٹھ سال کی عمر میں دادا بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ چالیس سال کا زمانہ یتیمی اور جوانی کا مکہ مکرمہ کے ایسے ماحول میں گزرا کہ جہاں شراب عام تھی، زنا عام تھا اور مجلسیں بُری تھیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک دامنی سب پر عیاں تھی۔ شراب کا ایک قطرہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک کے قریب تک نہیں آیا۔ اور ایسے ماحول کے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس گلی سے گزرتے تھے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، لونڈیاں، غلام، تک اشارہ کر کے کہتے تھے کہ اس نوجوان سے زیادہ نیک کوئی نہیں ہے۔ کبھی غلط بات زبان سے نہیں نکالی۔ اتنی بات تو لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے ماحول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پاک دامن رکھنا رب تعالیٰ کی گواہی ہے۔

②...... دوسری گواہی فرمایا ﴿وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ﴾ اور وحی کی گئی میری طرف اس قرآن کریم کی۔ یہ قرآن پاک میری نبوت کی گواہی ہے۔

ابتدائے نزولِ قرآن کے وقت عرب کا ماحول

یہ قرآن پاک ایسی فصیح اور بلیغ کتاب ہے کہ اس کا آج تک کوئی مقابلہ نہیں کر سکا اور ایسے زمانہ میں نازل ہوا کہ اس وقت فصاحت اور بلاغت اپنے عروج پر تھی۔ مرد تو مرد پندرہ سولہ سال کی بکریاں چرانے والی اَن پڑھ لڑکیاں ایسے شعر بناتی تھیں کہ آج کا ایم اے پاس، بڑے سے بڑا ماہر بھی ان جیسے اشعار نہیں بنا سکتا۔ ان کے قصیدے آج بھی دیوان حماسہ میں موجود ہیں پڑھ کر حیرانگی ہوتی ہے۔

دیکھو الحمد للہ! میں نے سولہ سال پڑھا ہے اور پچپن سال پڑھایا ہے۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا مگر علمائے کرام مجھ پر اعتماد کرتے ہیں کہ اس کا مطالعہ بڑا وسیع ہے اور پاکستان میں علم عربیت کا سب سے بڑا ماہر عالم ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اتنی مہارت ہوتے ہوئے بھی میں ان بچیوں جیسے شعر نہیں بنا سکتا۔ ان کو سلیقہ تھا وہ فصیح و بلیغ لوگ تھے۔

مکہ مکرمہ فصاحت و بلاغت کا مرکز تھا۔ مقابلے ہوتے تھے کہ اگر تمہارے اندر ہمت ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت بنا کر لاؤ۔ اور اگر تم تمام کے تمام مل کر بھی ایک چھوٹی سی سورۃ لانے سے عاجز ہو جاؤ تو سمجھ جاؤ کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس نے میری طرف وحی کیا ہے، میرے اوپر نازل ہوا ہے۔ میں اس کا رسول اور نبی ہوں اور یہ قرآن کریم میری نبوت کی گواہی ہے۔ اور کیوں نازل کیا گیا ہے؟

﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ﴾ تاکہ میں ڈراؤں تمھیں اس کے ذریعے رب تعالیٰ کے عذاب سے ﴿وَ مَنْۢ بَلَغَ﴾ اور جس تک یہ پہنچے ان کو بھی ڈراؤں۔ جس طرح ہم تک پہنچا ہے ﴿اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ﴾ کیا بے شک البتہ تم گواہی دیتے ہو ﴿اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الٰہ ہیں۔ ان مشرکوں کا کوئی اعتبار نہیں ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَّاۤ اَشْهَدُ﴾ میں گواہی نہیں دیتا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے وہ ایک ہی معبود ہے۔ بے شک تمہارے کلیجے جلتے

رہیں اے مشرکو! ﴿وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ اور بے شک میں بے زار ہوں ان چیزوں سے جن کو تم رب تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

تو پہلی گواہی رب تعالیٰ کی، دوسری گواہی قرآن کریم کی اور تیسری گواہی منصف مزاج اہلِ کتاب کی۔ کیونکہ شان والے پیغمبر کو سارے اہلِ کتاب جانتے اور پہچانتے تھے مگر ان میں سے جو ضدی تھے وہ مانتے نہیں تھے۔ اور ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں جو دیانت دار ہیں وہ ضرور گواہی دیں گے کہ یہ وہی نبی ہے جس نے آنا تھا۔

اہلِ کتاب کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بچوں سے زیادہ پہچاننا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی، تورات، زبور، انجیل۔ ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ﴾ پہچانتے ہیں اس پیغمبر کو ﴿كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ جس طرح پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودی تھے ان کی پھوپھی اور ان کے والد اپنے دور میں تورات کے بڑے ماہر عالم تھے اور یہ خود بھی بڑے فاضل تھے۔ ان کی پھوپھی ان کو بتایا کرتی تھی ایک نبی آنے والا ہے اور اس کی یہ، یہ علامتیں ہوں گی، وہ مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوگا اور ہجرت کر کے یثرب آئے گا۔ جب وہ یہاں آئے گا دوپہر کا وقت ہوگا اور گرمی کا موسم ہوگا وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سفید لباس میں ہوں گے اور فلاں جانب سے نمودار ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے عین دوپہر کا وقت تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے ساتھیوں کا لباس سفید تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کھجور پر چڑھے ہوئے کھجوریں اتار رہے تھے اور ان کی پھوپھی نیچے بیٹھی ہوئی تھی انہوں نے آواز دی پھوپھی! جن کے متعلق تو کہا کرتی تھی وہ تشریف لے آئے ہیں اور تمام نشانیاں بتائیں۔ پھوپھی نے کہا بے شک وہی ہیں مگر کسی سے بات نہ کرنا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور پیش کرنا اور اسلام قبول کرنا

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کھجور کے گچھے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اے لوگو! رب تعالیٰ سے ڈرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، آپس میں سلام کو عام کرو وَ لِیْنُوْا الْكَلَامَ اور گفتگو کرو نرمی کے ساتھ۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اپنی اولادوں کے متعلق تو شبہ ہو سکتا ہے کہ ہماری بیویوں نے خیانت کی ہو لیکن رب تعالیٰ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی شبہ نہیں بلکہ یہ وہی پیغمبر ہیں جنھوں نے آنا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ وہ لوگ جنھوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿فَهُمْ لَا

یُؤْمِنُوْنَ﴾ پس وہی ایمان نہیں لاتے۔ اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو ان کی مرضی ہے میں اپنی طرف سے حقیقت کو دلائل کے ساتھ واضح کر چکا ہوں اللہ تعالیٰ سب کو توحید پر قائم رکھے اور شرک سے بچائے۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ﴾ اور کون زیادہ ظالم ہے ﴿مِمَّنِ افْتَرٰی﴾ اس شخص سے جس نے افتراء باندھا ﴿عَلَی اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿كَذِبًا﴾ جھوٹ کا ﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ یا اس نے جھٹلا دیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ نہیں فلاح پائیں گے ظالم ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾ اور جس دن ہم جمع کریں گے سب کو ﴿ثُمَّ نَقُوْلُ﴾ پھر کہیں گے ﴿لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا﴾ ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا ﴿اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ﴾ کہاں ہیں تمہارے شریک ﴿الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ﴾ پھر نہیں ہوگا ان کا عذر اور فریب ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْا﴾ مگر یہ کہ وہ کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا﴾ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا رب ہے ﴿مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ ہم نہیں تھے شرک کرنے والے ﴿اُنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ کیسا جھوٹ بولا ہے انھوں نے اپنی جانوں پر ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ﴾ اور گم ہوگئی ان سے ﴿مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ جس کو وہ افتراء باندھتے تھے ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ اور بعض ان میں سے ہیں جو کان رکھتے ہیں آپ ﷺ کی طرف ﴿وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ اور ڈال دیے ہیں ہم نے ان کے دلوں پر پردے ﴿اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ اس بات سے کہ وہ اس کو سمجھیں ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہیں ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ﴾ اور اگر وہ دیکھیں ہر قسم کی نشانی ﴿لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ نہیں ایمان لائیں گے اس پر ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ﴾ یہاں تک کہ وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں ﴿يُجَادِلُوْنَكَ﴾ تو جھگڑا کرتے ہیں آپ کے ساتھ ﴿يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اِنْ هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ قرآن کریم ﴿اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ اور وہ اس سے روکتے ہیں ﴿وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ اور خود بھی دور ہوتے ہیں ﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ﴾ اور نہیں وہ ہلاک کرتے ﴿اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ مگر اپنی جانوں کو ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور نہیں سمجھتے وہ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى﴾ اور اگر دیکھیں آپ ﴿اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ﴾ جب کھڑے کیے جائیں گے آگ پر ﴿فَقَالُوْا﴾ پس کہیں گے ﴿يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ﴾ ہائے افسوس ہم پر ہم لوٹائے جائیں ﴿وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا﴾ اور نہ ہم جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو ﴿وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہو جائیں ہم ایمان لانے والوں میں سے۔

سب سے بڑا ظالم؟

دنیا میں ظلم بھی بڑے بڑے ہوئے اور ظالم بھی بڑے بڑے ہیں لیکن رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ﴾ اور کون زیادہ ظالم ہے ﴿مِمَّنِ افْتَرٰى﴾ اس شخص سے جس نے افتراء باندھا ﴿عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿كَذِبًا﴾ جھوٹ کا۔یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء باندھا۔اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کس طرح باندھا؟ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا۔حالاں کہ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا بڑا ظلم ہے۔

اہلِ کتاب کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اعتقادات؟

جب کہ یہود نے کہا ﴿عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا ﴿الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔جب لوگوں کا تھوڑا اساذہن بنا کہ رب تعالیٰ کے بیٹے ہو سکتے ہیں تو پھر خود دعویٰ کر دیا ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ﴾ [المائدہ:۱۸] ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ [النحل:۵۷] اور کچھ (جاہلوں) نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنا دیا۔﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور بلند ہے ان سے جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔تو رب تعالیٰ کی طرف شریک کی نسبت کرنا بیٹے بیٹی کی نسبت کرنا، یہ تمام رب تعالیٰ کی طرف افتراء ہے۔اور جو ایسا کرتا ہے اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے۔

﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ یا اس سے بڑا کون ظالم ہے کہ اس نے جھٹلا دیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔اور کافروں میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔رب تعالیٰ کے شریک بھی بناتے ہیں اور اس کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں، بیٹے بیٹیاں بناتے ہیں اور رب تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔یوں سمجھو کہ ظلم کے ٹھیکے دار ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہمارا فیصلہ بھی سن لو ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ نہیں فلاح پائیں گے ظالم۔

ظالم کو مہلت اور اس کا انجام؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ رب تعالیٰ ظالم کو کچھ مہلت دیتا ہے (یہ اس کی حکمت ہے جتنی مہلت دے) لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔اور یہ بات بھی کتابوں میں موجود ہے کہ ظلم کا بدلہ دنیا میں بھی ضرور ملتا ہے چاہے جیسا کیسا ظلم ہو۔کسی کی رقم ہڑپ کر گیا۔اس نے مطالبہ کیا تو اس کو گالیاں دیں یا جس طرح کا بھی کسی کا حق کھایا ہے یا کسی کو مارا پیٹا ہے کوئی بھی ظلم زیادتی کی ہے اس کا بدلہ دنیا میں ضرور ملے گا۔بالفرض والمحال دنیا میں بچ بھی گیا تو قبر اور آخرت میں تو چھٹکارا نہیں ہے۔ جائے گا کہاں؟

''محشر'' کی تحقیق وتفسیر

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ظالموں کا اور قصہ سنو! ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا﴾ اور جس دن ہم جمع کریں گے سب کو۔تمام اولین وآخرین، انسان، جن، کیڑے مکوڑے تک، تمام مخلوق اکٹھی ہوگی۔حشر کا معنٰی ہے جمع کرنا۔میدان محشر کو میدان محشر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اکٹھے ہونے کی جگہ ہے۔کیوں کہ محشر اسم ظرف کا صیغہ ہے۔اس کا لفظی معنٰی ہے جمع ہونے کی جگہ۔

توجس دن ہم ساری کائنات کو جمع کریں گے ﴿ثُمَّ نَقُولُ﴾ پھر کہیں گے ﴿لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا رب تعالیٰ کی ذات اور صفات میں، رب تعالیٰ کے کاموں میں۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ﴾ کہاں ہیں تمہارے شریک ﴿الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ ان کے پاس بھی کچھ اختیارات ہیں اور یہ ہمارے کام کرواسکتے ہیں اور کرسکتے ہیں وہ تمہارے شریک کہاں ہیں؟

نفع اور نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ

اور کل کا سبق آپ کو یاد ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ﴾ اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور اگر وہ تجھ کو کچھ نقصان پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بات واضح فرمادی ہے کہ اس کے بغیر کوئی نفع نقصان کا مالک نہیں ہے۔اور اگر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نفع نقصان کا مالک ہوتا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔کیوں کہ مخلوق میں ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے۔اور حال یہ ہے کہ سورت جن میں رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا ﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ [جن:۲۱] ''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں بیشک میں تمہارے لیے ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔'' اور نویں پارے میں فرمایا ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ ''میں اپنی جان کے لیے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔'' یہ دونوں آیتیں اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے بھی اور اپنی امت کے لیے بھی نفع نقصان کے مالک اور مختار نہیں۔جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے سو وہی ہوتا ہے تو اور کون ہے جو کسی کے نفع ونقصان کا مالک ہو؟

مراتب درجات

کیا ولیوں کا درجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے؟ شہیدوں کا درجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے؟ یہ تو تمام کے تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاک پا ہیں۔اپنی جگہ پر یہ سارے نیک پاک ہیں ہم ان کی خاک پا نہیں مگر وہ سارے بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پا نہیں ہیں؟ تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں تو دنیا میں اور کون ہوسکتا ہے؟ کسی کے ساتھ جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔حق کو حق سمجھو اور یہ نہ دیکھو زیادہ کون ہیں۔اکثریت ہر دور میں گمراہوں کی رہی ہے۔

مشرکین کا ایک فارمولا

ان شاء اللہ العزیز آٹھویں پارے میں پڑھو گے کہ مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کئی فارمولے پیش کیے کہ اِس طرح کرلو اور اُس طرح کرلو۔ یہ بھی انھوں نے کہا کہ تم کہتے ہو ہم سچے ہیں، ہم کہتے ہیں ہم سچے ہیں۔ اس طرح کرتے ہیں کہ مردم شماری کرالیتے ہیں ووٹنگ ہو جائے معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے ساتھی زیادہ ہیں یا ہمارے؟

فارمولے کا جواب

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ﴿وَ اِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ﴾ [الانعام:۱۱۶] "اور اگر آپ اطاعت کریں گے ان لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں تو بہکا دیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔" اکثریت تو ہے ہی گمراہوں کی لہٰذا یہ نہ دیکھو زیادہ کون ہیں اور تھوڑے کون ہیں۔ بلکہ یہ دیکھو کہ حق پر کون ہیں۔ تو رب تعالیٰ قیامت والے دن مشرکوں سے فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ ان کو اختیارات حاصل ہیں۔

"فتنہ" کی تحقیق

﴿ثُمَّ لَمۡ تَکُنۡ فِتۡنَتُہُمۡ﴾ پھر نہیں ہوگا ان کا عذر اور فریب۔ "فتنہ" کا معنیٰ فریب بھی ہے اور معذرت بھی۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کا معنیٰ معذرت کا کرتے ہیں اور بعض فریب کا کرتے ہیں۔ پھر نہیں ہوگا ان کا عذر اور فریب ﴿اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا﴾ مگر یہ کہ وہ کہیں گے ﴿وَاللّٰہِ رَبِّنَا﴾ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا رب ہے ﴿مَا کُنَّا مُشۡرِکِیۡنَ﴾ ہم نہیں تھے شرک کرنے والے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ دنیا میں مشرک سے بڑا کوئی بے حیا نہیں ہے۔ حالاں کہ دنیا میں بڑے بڑے بے حیا ہیں۔

مشرکین کا میدانِ محشر میں جھوٹ بولنا

کیوں کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا﴾ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے ﴿ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا﴾ پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا کہ وہ تمہارے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ مشرک کہیں گے ﴿وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشۡرِکِیۡنَ﴾ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا رب ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔ میدانِ محشر ہوگا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی اور رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم مشرکوں کو کہیں گے وہ تمہارے شریک کہاں ہیں؟ اور مشرک قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے؟ او ظالمو! رب تعالیٰ تمھیں مشرک فرما رہے ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے اور وہ بھی قسم اٹھا کر۔ تو تم سے بڑا بھی کوئی بے حیا ہے؟ تو جو مشرک رب تعالیٰ کے سامنے شرک کو نہیں مانے گا وہ ہمارے تمھارے سامنے کب مانے گا؟ چنانچہ آج بھی تم کسی مشرک سے پوچھو جو شرک میں ڈوبا ہوا ہو، قبروں کا پجاری، خانقاہوں پر چکر لگانے

والا، غیر اللہ سے مدد مانگنے والا، مسجدوں میں کہنے والے ۔

امداد کن ، امداد کن ، از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر
ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

کہ تم شرک کرتے ہو؟ تو وہ اپنے آپ کو مشرک تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا بلکہ کہے گا کہ ہم کب شرک کرتے ہیں ہم تو بزرگوں سے پیار اور محبت کرتے ہیں۔ تو مشرک اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں قسم اٹھا کر شرک سے انکار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ کیسا جھوٹ بولا ہے انہوں نے اپنی جانوں پر ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ﴾ اور گم ہوگئی ان سے ﴿مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ وہ چیز جس کو وہ افترا باندھتے تھے۔ نہ لات ٹانگ اَڑائے گا، نہ منات، نہ عزیٰ، نہ ہبل ،کوئی بھی نزدیک نہیں آئے گا۔ حالاں کہ دنیا میں ان کو نذرانے دیے، چڑھاوے چڑھائے، طواف کیے، چراغ جلائے، بہت کچھ کیا مگر کوئی بھی سامنے نہیں آئے گا۔

مشرکین کا اعتراض کی نیت سے قرآن سننا

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ اور بعض ان میں سے ہیں جو کان رکھتے ہیں آپ ﷺ کی طرف۔ عربی لوگ تھے، قرآن کریم بھی عربی زبان میں، آنحضرت ﷺ تلاوت فرماتے تو سنتے اور سمجھتے تھے۔ البتہ بعض مرتبہ سمجھانے کی ضرورت بھی پیش آتی تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ وہ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ تو آپ ﷺ مجمل کی تفسیر بھی کرتے تھے بعض مشرک آپ ﷺ کی مجلس میں اوّل تا آخر بیٹھتے آپ ﷺ کا بیان سنتے تھے مگر مانتے نہیں تھے کیونکہ سمجھنے کی غرض سے نہیں سنتے تھے بلکہ اس لیے سنتے تھے کہ ہمیں کوئی اعتراض کی چیز مل جائے۔

مشرکین کا ایک اور اعتراض

چنانچہ چھٹے پارے میں آپ حضرات نے یہ پڑھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ کہ تم پر مردار اور خون حرام کر دیا گیا ہے۔ یعنی وہ جانور جس کو تم ذبح نہ کر سکو اور وہ مر جائے تو تم پر حرام ہے تو ان کا ناخن اڑ گیا کہ بات کرنے کا موقع مل گیا اور اس کی بڑی تشہیر کی کہ ہم محمد ﷺ کا درس سن کے آئے ہیں اس نے کہا ہے کہ جس کو رب مارے وہ حرام ہے اور جس کی جان تم خود نکالو، ذبح کرو وہ حلال ہے۔ دیکھو! گیت تو رب کے گاتے ہیں کہ ہم رب تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے مارے ہوئے کو حرام کہتے ہیں۔ تو یہ شوشہ انہوں نے چھوڑا۔

جواب :

اس کا جواب یہ ہے کہ جو خود بہ خود مرتا ہے اس کو رب مارتا ہے اور جس کو ہم ذبح کرتے ہیں اس کو بھی رب ہی مارتا ہے۔ مگر جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر تو وہ رب تعالیٰ کے نام کی برکت سے حلال اور پاک ہو جاتا ہے۔ اور جو جانور پرندہ خود بہ خود مر گیا وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے محروم ہو کر حرام ہو گیا۔ اتنی بات ان کو سمجھ نہیں آتی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ اور ڈال دیے ہیں ہم نے ان کے دلوں پر پردے۔ اَكِنَّةً ، كِنَانٌ کی جمع ہے۔ كِنَانٌ پردے کو کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ﴿اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ اس بات سے کہ وہ اس قرآن کو سمجھیں ﴿وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ چڑھا دیے ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ﴾ اور اگر وہ دیکھیں ہر قسم کی نشانی ﴿لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ نہیں ایمان لائیں گے اس پر۔ یعنی ہر قسم کی نشانی، معجزہ دیکھیں، قرآن کریم کی آیت سنیں، ایمان نہیں لائیں گے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے ہیں اور کانوں میں ڈاٹیں چڑھا دی ہیں۔

دلوں پر پردے اور کانوں میں ڈاٹیں لگانے کا مطلب :

سطحی قسم کے لوگ جن کو صحیح معنیٰ میں قرآن کریم کی سمجھ نہیں ہے وہ ایسی آیتوں سے مغالطے میں پڑ جاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ہدایت کے تمام راستے بند کر دیے ہیں تو اب اگر وہ ایمان نہیں لائیں تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟ لہٰذا بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور پہلے بھی سمجھا چکا ہوں۔ چوبیسواں پارہ سورہ حٰم سجدہ کی آیت نمبر ۵ نکالو ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ان کافروں نے ﴿قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ﴾ ہمارے دل پردوں میں ہیں اس چیز سے جس چیز کی طرف آپ بلاتے ہیں ﴿وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے ﴿وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔ ہم تجھے اس آنکھ سے دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں جس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ دیکھتے ہیں۔ ﴿فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ پس آپ اپنا کام کرتے جائیں بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

دیکھو! ان کافروں نے اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے دلوں پر غلاف چڑھا لیے اور کانوں میں ڈاٹ دے لیے اور آنکھوں پر پردے باندھ لیے، ہدایت کے تمام راستے خود بند کر لیے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵] جس طرف کوئی جانا چاہتا ہے ہم اس کو اس طرف پھیر دیتے ہیں۔

تو جب انھوں نے اپنے لیے یہ پسند کیا اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو کہا تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کریں گے ہم تیری بات سننے کے لیے تیار نہیں، تجھے دیکھنے کے لیے تیار نہیں، تیری بات ہمارے دلوں تک نہیں پہنچ سکتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے، کانوں میں ڈاٹیں اور آنکھوں پر پردے ڈال دیے۔ ایسا نہیں ہے کہ پہلے قدم پر ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے، کانوں میں ڈاٹیں اور آنکھوں پر پردے ڈال دیے کہ کوئی اعتراض کر سکے کہ جب رب تعالیٰ ہی نے

پردے ڈال دیے ہیں تو اب بندہ کیا کر سکتا ہے؟ رب تعالیٰ نے تو اختیار دیا ہے۔

ایمان یا کفر کا انتخاب آدمی کے اختیار میں

فرمایا﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ [پارہ:۳۰] ہم نے دونوں راستوں کی راہنمائی کی ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" پھر کفر اور ایمان میں سے جس چیز کو اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کی توفیق دے دے گا۔ جبراً اور قہراً اللہ تعالیٰ کسی کو نہ گمراہ کرتا ہے اور نہ ہدایت دیتا ہے۔ جب کوئی ارادہ اور نیت کرتا ہے تو اس کے مطابق توفیق ملتی ہے۔﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾[الرعد:۱۱] "اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنی حالت خود نہ بدلے۔" علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال اپنی حالت بدلنے کا

رب تعالیٰ نے ان پر جبر نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اس کو پسند کیا اللہ تعالیٰ نے بھی غلاف چڑھا دیے ہیں، ڈاٹیں اور پردے ڈال دیے ہیں لہٰذا اب یہ جتنی نشانیاں دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے۔

قرآن کے بارے میں مشرکین کے خیالات

﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ﴾ یہاں تک کہ وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں ﴿يُجَادِلُوْنَكَ﴾ تو جھگڑا کرتے ہیں آپ کے ساتھ، کیا کہتے ہیں؟ ﴿يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا﴾ کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اِنْ هٰذَاۤ﴾ نہیں ہے یہ قرآن کریم ﴿اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی۔ اَسَاطِیْرُ جمع ہے اُسْطُوْرَۃٌ کی اور اُسْطُوْرَۃٌ کے معنیٰ ہیں کہانی، قصہ، ناول۔ کہتے تھے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ بے شک قرآن کریم میں پہلے لوگوں کے قصے اور واقعات بھی ہیں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ہے، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کے واقعات ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک میں فرعون اور دیگر مجرموں کے واقعات بھی ہیں مگر یہ محض قصے نہیں ہیں بلکہ ان میں نصائح اور عبرتیں ہیں۔ کافر اور کیا کام کرتے تھے؟

مشرکین کا دوسرا کام

فرمایا﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ اور وہ اس سے روکتے ہیں ﴿وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ﴾ اور خود بھی دور ہوتے ہیں "نأیٌ" کے معنیٰ ہیں دور ہونا۔ خود بھی قرآن سے دور ہوتے ہیں اور بھاگتے ہیں اور دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔

چوبیسویں پارے میں آتا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اس قرآن کو نہ

سنو ﴿وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ اور جب یہ قرآن پڑھیں تو شور مچاؤ ﴿لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ حٰم سجدہ:۲۶]۔" تاکہ تم غالب آجاؤ۔"

﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ اور نہیں وہ ہلاک کرتے مگر اپنی جانوں کو۔ کیوں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا وبال تو ان کی جانوں پر پڑے گا ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ سمجھتے نہیں۔ ان کو شعور ہی نہیں ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کا انجام کیا ہے؟

مشرکین کا انجام بد

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آج تو یہ باتیں کرتے ہیں اور حرکتیں کرتے ہیں ﴿وَلَوْ تَرٰٓى﴾ اور اگر دیکھیں آپ ﴿اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ﴾ جب کھڑے کیے جائیں گے آگ پر۔ پہلے دوزخ کے کنارے کھڑا کر کے ان کو دوزخ کا منظر دکھایا جائے گا پھر فرشتے دھکا مار کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ تو جس وقت ان کو دوزخ کے کنارے کھڑا کیا جائے گا ﴿فَقَالُوْا﴾ پس وہ کہیں گے ﴿يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ﴾ ہائے افسوس ہم پر ہم لوٹائے جائیں ﴿وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا﴾ اور نہ جھٹلائیں ہم اپنے رب کی آیتوں کو ﴿وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہو جائیں ہم ایمان لانے والوں میں سے۔ مگر

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

دوبارہ دنیا میں کسی نے نہیں آنا جو کچھ کرنا ہے اب کر لو۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔

﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ﴾ بلکہ ظاہر ہوگی ان کے لیے ﴿مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ﴾ وہ چیز جس کو وہ چھپاتے تھے اس سے پہلے ﴿وَلَوْ رُدُّوْا﴾ اور اگر بالفرض ان کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے ﴿لَعَادُوْا﴾ البتہ لوٹیں گے ﴿لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ اس چیز کی طرف جس سے ان کو منع کیا گیا ﴿وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ وہ جھوٹے ہیں ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ نہیں ہے یہ ہماری زندگی مگر دنیا کی زندگی ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ اور ہم نہیں اُٹھائے جائیں گے ﴿وَلَوْ تَرٰٓى﴾ اور اگر دیکھے تو ﴿اِذْ وُقِفُوْا﴾ جن کھڑے کیے جائیں گے ﴿عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ اپنے پروردگار کے سامنے ﴿قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ فرمائے گا رب تعالیٰ کیا نہیں ہے یہ قیامت حق ﴿قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا﴾ کہیں گے کیوں نہیں حق اور قسم ہے ہمارے رب کے حق کی ﴿قَالَ﴾ فرمائے گا ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ رب تعالیٰ پس چکھو تم عذاب ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ﴾ تحقیق گھاٹے میں پڑے وہ لوگ ﴿كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ﴾ جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ﴾ یہاں تک کہ جب آئے گی ان کے پاس قیامت ﴿بَغْتَةً﴾ اچانک ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿يٰحَسْرَتَنَا﴾ ہائے افسوس ہم پر ﴿عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا﴾ اس چیز پر جو ہم نے کوتاہی کی قیامت کے بارے میں ﴿وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ﴾

﴿اَوۡزَارَهُمۡ﴾ اور وہ اُٹھائیں گے اپنے بوجھ ﴿عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ﴾ اپنی پشتوں پر ﴿اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ﴾ خبردار برا ہوگا وہ بوجھ جس کو وہ اٹھائیں گے ﴿وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ﴾ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی ﴿اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ﴾ مگر کھیل اور تماشا ﴿وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ﴾ اور گھر آخرت کا ﴿خَيۡرٌ﴾ بہتر ہے ﴿لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ﴿اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں ﴿قَدۡ نَعۡلَمُ﴾ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿اِنَّهٗ لَيَحۡزُنُكَ الَّذِىۡ﴾ بے شک شان یہ ہے البتہ پریشان کرتی ہے آپ کو وہ چیز ﴿يَقُوۡلُوۡنَ﴾ جو وہ کہتے ہیں ﴿فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ﴾ پس بے شک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو ﴿وَلٰـكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ اور لیکن ظالم ﴿بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ﴾ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ﴿وَلَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ﴾ اور البتہ تحقیق جھٹلائے گئے کئی رسول ﴿مِّنۡ قَبۡلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿فَصَبَرُوۡا﴾ پس انھوں نے صبر کیا ﴿عَلٰى مَا كُذِّبُوۡا﴾ اُس کارروائی پر جس میں اُن کی تکذیب کی گئی ﴿وَاُوۡذُوۡا﴾ اور ان کو تکلیف پہنچائی گئی ﴿حَتّٰۤى اَتٰٮهُمۡ نَـصۡرُنَا﴾ یہاں تک کہ آگئی ان کے پاس ہماری مدد ﴿وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ﴿وَلَقَدۡ جَآءَكَ﴾ اور البتہ تحقیق آئے آپ کے پاس ﴿مِنۡ نَّبَاِى الۡمُرۡسَلِيۡنَ﴾ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے کچھ حالات۔

مشرکین کا عذاب پر حسرت و یاس

کل کے سبق میں آپ نے پڑھا اور سنا ﴿وَلَوۡ تَرٰٓى﴾ اور اگر دیکھیں آپ ﴿اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَى النَّارِ﴾ جب کھڑے کیے جائیں گے آگ پر ﴿فَقَالُوۡا﴾ پس کہیں گے ﴿يٰلَيۡتَنَا نُرَدُّ﴾ ہائے افسوس ہم پر ہم لوٹائے جائیں ﴿وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا﴾ اور نہ جھٹلائیں ہم اپنے رب کی آیتوں کو ﴿وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ اور ہو جائیں ہم ایمان لانے والوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نہ تو یہ مومن بنیں گے اور نہ ہی ان کو واپس لوٹایا جائے گا ﴿بَلۡ بَدَا لَهُمۡ﴾ بلکہ ظاہر ہوگی ان کے لیے ﴿مَّا كَانُوۡا يُخۡفُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ﴾ وہ چیز جس کو وہ چھپاتے تھے اس سے پہلے۔

مشرکین کا وقت بعثت شرمندگی

اس سے پہلے پارے میں آتا ہے کہ ابتداءً جب ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ ان کی نگاہیں پست ہوں گی شرمندگی کی وجہ سے اور پست نگاہوں سے دیکھیں گے کہ دنیا میں ایمان والے جو ہمیں ایمان کی دعوت دیتے تھے وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں یا نہیں؟ فطری بات ہے کہ شکست خوردہ اپنے حریف سے شرمندہ ہوتا ہے وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ اور وہ اپنی شرمندگی کو چھپائیں گے شروع، شروع میں تاکہ ہمارے دشمن پر ہماری کمزوری ظاہر نہ ہو۔ لیکن وہ اس ندامت کو کب تک

چھپائیں گے بالآخر ظاہر ہو جائے گی۔ واویلا کریں گے اور شور مچائیں گے کہ ایک دفعہ ہمیں واپس بھیج دیا جائے تو ہم مومن ہوں گے اور رب تعالیٰ کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ رُدُّوْا﴾ اور اگر بالفرض ان کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے ﴿لَعَادُوْا﴾ البتہ لوٹیں گے ﴿لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ اس چیز کی طرف جس سے ان کو منع کیا گیا وہی کچھ کریں گے جو کچھ پہلے کرتے رہے ہیں اور روکنے کے باوجود باز نہیں آتے تھے ﴿وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس بات میں کہ ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ایمان لائیں گے یہ اتنے سخت دل ہیں کہ اگر ان کو دنیا کی طرف لوٹا بھی دیا جائے تو ایمان نہیں لائیں گے دور جانے کی ضرورت نہیں دنیا میں ہی دیکھ لیں۔

مشکل وقت میں یادِ خدا

ماشا (ہم لوگ) جب بیمار ہوتے ہیں اور بیماری لمبی ہو جاتی ہے اور زندگی سے ناامید ہو جاتے ہیں تو رب تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگار! صحت عطا فرما دے نمازیں پڑھیں گے، روزے رکھیں گے، نیکی کے کام کریں گے، برائی کے قریب نہیں جائیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ صحت عطا کر دیتے ہیں تو دماغ بگڑ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا کوئی وعدہ بھی یاد نہیں رہتا۔ نہ نماز، نہ روزہ، نہ کوئی اور نیکی۔ اسی بندے نے اگلے جہاں جانا ہے اس لیے فرمایا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ ہم مومن ہو جائیں گے۔

مشرکین کا ایک اور شوشہ

انہوں نے ایک اور شوشہ چھوڑا ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور کہا انہوں نے ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ نہیں ہے یہ ہماری زندگی مگر دنیا کی زندگی ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ اور ہم قبروں سے نہیں اٹھائے جائیں گے۔ بڑی سختی کے ساتھ قیامت کا انکار کرتے تھے کہتے تھے ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [المومنون: ۳٦] "بعید ہے بعید ہے وہ چیز کہ جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے" کہ مر کر دوبارہ زندہ ہو گے۔ اور یہ بھی کہتے تھے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ [سورۃ یٰسین] "ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟" اور سورۃ واقعہ میں ہے کہ کہتے تھے ﴿اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا﴾ کیا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ کیا البتہ ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔ اور سورۃ ق میں یہ جملہ بھی ہے ﴿ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ یہ دوبارہ لوٹنا دور کی بات ہے۔

مشرکین کا رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جانا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا﴾ اور اگر دیکھے تو جب کھڑے کیے جائیں گے ﴿عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ پروردگار کے سامنے یعنی عدالت میں ﴿قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ فرمائے گا رب تعالیٰ کیا نہیں ہے یہ قیامت حق، یہ اٹھنا حق ہے کہ نہیں؟

دوبارہ زندگی ملی ہے کہ نہیں؟ تم تو کہتے تھے کہ ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا ﴿قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا﴾ کہیں گے کیوں نہیں حق اور قسم ہے ہمارے رب کی حق ہے۔ دنیا میں تو بڑے زوردار الفاظ کے ساتھ انکار کرتے تھے ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب یہ حق ہے تو ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ فرمائے گا رب تعالیٰ پس چکھو تم عذاب ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے۔ اگر دنیا میں ایمان لے آتے اور آخرت کی تیاری کرتے تو آج عذاب سے بچ سکتے تھے۔ مگر اب نہیں ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ﴾ تحقیق گھاٹے میں پڑے وہ لوگ ﴿كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ﴾ جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو یعنی قیامت کو جھٹلایا۔

مرنے کے ساتھ ہی قیامت کا شروع ہوجانا

ساتھیو! قیامت ضرور آئے گی اس کو سامنے رکھ کر زندگی گزارو اور آنکھیں بند ہونے کے ساتھ ہی قیامت کی ابتدا ہوجاتی ہے مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ جو مرا اس کی قیامت قائم ہوگئی فرشتے بھی نظر آئیں گے جنت دوزخ بھی نظر آئے گی اور اگلے جہاں کی تمام چیزیں نظر آئیں گی۔ اور جب بڑی قیامت قائم ہوگی اس وقت کیا کیفیت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ یہاں تک کہ جب آئے گی ان کے پاس قیامت اچانک۔

قیامت کا ہول ناک منظر

احادیث میں آتا ہے کہ لوگ اپنے اپنے دنیا کے کاموں میں مصروف ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہوجائے گی۔ مثلاً: ایک آدمی کپڑا خریدنے کے لیے دکان پر جائے گا، دکان دار اس کو تھان کھول کر دکھائے گا یہ پسند کرے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔ گاہک پیسے نہیں دے سکے گا اور وہ کپڑا نہیں لپیٹ سکے گا۔ فرمایا ایک آدمی دودھ، دوہ کر لائے گا گھر والوں کے حوالے کرے گا ان کو پینا نصیب نہیں ہوگا کہ بگل بجادیا جائے گا۔ لقمہ منہ میں ڈالے گا نگل نہیں سکے گا کہ قیامت برپا ہوجائے گی۔ پینے کے لیے پانی منہ میں ڈالے گا حلق سے نیچے نہیں اتار سکے گا قیامت قائم ہوجائے گی۔ گھر میں داخل ہونے کے لیے ایک پاؤں دروازے کے اندر رکھے گا دوسرا پاؤں اندر نہیں رکھ سکے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔ یہ اجتماعی قیامت کی بات ہے کہ شرقاً غرباً شمالاً جنوباً کوئی اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بچے گی۔ سب پر قیامت قائم ہوجائے گی یہاں تک کہ صور پھونکنے والا فرشتہ بھی مرجائے گا ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ "اور تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو ذوالجلال والاکرام ہے۔" جب قیامت قائم ہوجائے گی تو ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿يٰحَسْرَتَنَا﴾ ہائے افسوس ہم پر ﴿عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا﴾ اس چیز پر جو ہم نے کوتاہی کی قیامت کے بارے میں۔

"افراط وتفریط" کی تحقیق

عربی زبان کے دو مشہور الفاظ ہیں افراط اور تفریط۔ افراط باب افعال سے ہے اس کا معنیٰ ہے زیادتی اور تفریط باب

تفعیل سے ہے اس کا معنیٰ ہے کوتاہی تو معنیٰ بنے گا افسوس ہمارے اوپر اس چیز پر جو ہم نے قیامت کے بارے میں کوتاہی کی۔ اس کا انجام سامنے ہے۔ ﴿وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ﴾ اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ ﴿عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ﴾ اپنی پشتوں پر۔

خیانت کا بدترین انجام

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ''محصلین زکوٰۃ'' کو فرمایا جو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجے جاتے تھے کہ یاد رکھنا! تم میں سے جس نے خیانت کی تو اس کا بوجھ قیامت والے دن اٹھائے گا اگر بکری چرائی تو وہ اس کے کندھے پر ہوگی اور اونٹ چرایا تو وہ اس کی پیٹھ پر ہوگا، گائے، بیل، چرایا تو وہ اس کی پیٹھ پر ہوں گے اور ہر جانور اپنی اپنی آواز نکال رہا ہوگا اور یہ اس کو میدانِ محشر میں اٹھائے پھرے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا حدیث پر اشکال کا جواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مسخرے آدمی نے کہا کہ حضرت! تم یہ حدیث سناتے ہو کہ جس آدمی نے جو چیز چرائی وہ اس کی پیٹھ پر ہوگی۔ اگر ایک آدمی پانچ اونٹ چراتا ہے تو پانچ اونٹ اس مختصر سی پیٹھ پر کس طرح آئیں گے؟ یا سو بکریاں چراتا ہے تو وہ اس کی پیٹھ پر کس طرح آئیں گی؟ یا لوگ دوسروں کی زمین غصب کر لیتے ہیں تو مربع دو مربع زمین اس کی پیٹھ پر کس طرح آئے گی؟ یا کوئی ظالم کسی کا مکان یا کوٹھی غصب کر لیتا ہے تو وہ ان کو پیٹھ پر کس طرح اٹھائے گا؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احادیث کا انکار نہ کر اور کان کھول کر سن لے یہ حدیث تو نے سنی ہے؟ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجرم کو اتنا چوڑا کر دیا جائے گا کہ تین دن تک تیز رفتار گھوڑا دوڑایا جائے تو دائیں کندھے سے بائیں کندھے تک نہ پہنچ سکے گا کہنے لگا سنی ہے۔ فرمایا پھر تو خود سمجھ لے کہ جب اتنا چوڑا کر دیا جائے گا تو کتنی چیزیں اس پر آجائیں گی۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ بعض مجرم اتنے بڑے بنا دیے جائیں گے کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ اتنی ہوگی کہ جتنی جگہ پر اُحد پہاڑ پھیلا ہوا ہے اور یہ بھی سنا ہے یا نہیں کہ بعض مجرموں کی ڈاڑھیں اتنی بڑی ہوں گی کہ اُحد پہاڑ کے برابر ایک دانت ہوگا۔ فرمایا یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو یا آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لو عقل پر نہ تولو۔

احوالِ برزخ کو عقل سے نہیں پرکھا جاسکتا

متعدد بار عرض کر چکا ہوں کہ ہم اگر ان چیزوں کو عقل سے سمجھنا چاہیں تو نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری عقلیں کمزور ہیں۔ بھلا عقل یہ بات مان سکتی ہے کہ دودھ کی نہریں بارہ مہینے چلتی رہیں اور دودھ خراب نہ ہو یہاں تو دودھ دو تین گھنٹے باہر رکھ دو تو خراب ہو جاتا ہے۔ اور وہاں درخت اتنے بڑے ہوں گے کہ تیز رفتار گھوڑا سو سال تک دوڑتا رہے تو اس کے سائے کو طے نہیں کر سکے گا۔ عقل یہ بات کس طرح تسلیم کر سکتی ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز بھی ہو اور اس میں سانپ بچھو بھی ہوں،

آدمی بھی رہیں، سزا بھگتیں، چیخیں ماریں اور مریں بھی نہیں۔ ہماری سمجھ میں تو نہیں آسکتا۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرو تو جس نے جو بھی اور جس طرح کی بھی خیانت کی ہوگی قیامت والے دن پیٹھ پر اٹھا کے آئے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ﴾ خبردار بُرا ہوگا وہ بوجھ جس کو وہ اٹھائیں گے ﴿وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ﴾ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی ﴿اِلَّا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ﴾ مگر کھیل اور تماشا۔

"لہو ولعب" کی تحقیق

لہو بے مقصد چیز کو کہتے ہیں اور لعب اسے کہتے ہیں جو انسان کو مشغول کر دے۔ مثلاً: بچے تماشا کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہ بن جاتا ہے، کوئی وزیر بن جاتا ہے، کوئی چور بن جاتا ہے، کوئی تھانے دار اور کوئی جج بن جاتا ہے۔ پس یہ تھوڑی دیر کے لیے شغل ہوتا ہے اور حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی کھیل تماشا ہے اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

کفار تو یہ کہتے تھے کہ دنیا کی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہی نہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فانی زندگی حیاتِ اُخروی کے مقابلہ میں محض ہیچ اور بے حقیقت ہے۔ یہاں کی زندگی کے صرف ان ہی لمحات کو زندگی کہا جاسکتا ہے جو آخرت کی درستگی میں خرچ کیے جائیں۔ بقیہ تمام اوقات جو آخرت کی فکر و تیاری سے خالی ہوں ایک عاقبت اندیش کے نزدیک لہو ولعب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ پرہیزگار اور سمجھدار لوگ جانتے ہیں کہ اصل گھر آخرت کا گھر اور ان کی حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

فرمایا ﴿وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ﴾ اور گھر آخرت کا ﴿خَیْرٌ﴾ بہتر ہے ﴿لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، متقی پرہیزگار ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔ حقیقت اور کھیل میں تم فرق نہیں سمجھتے۔ باقی رہنے والی اور فنا ہونے والی زندگیوں میں بڑا فرق ہے۔ عارضی چیز اور ہوتی ہے دائمی اور ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

آگے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں۔ فرمایا ﴿قَدْ نَعْلَمُ﴾ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ﴾ بے شک شان یہ ہے البتہ پریشان کرتی ہے آپ کو وہ چیز ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ جو وہ کہتے ہیں کہ توحید کا انکار کرتے ہیں، رسالت کا انکار کرتے ہیں ﴿فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ﴾ پس بے شک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو ﴿وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور لیکن ظالم ﴿بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو سارے ہی امین اور صادق کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ دشمن جو سارا دن ڈانگیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پھرتے تھے وہ بھی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری امانتیں اسی کے گھر محفوظ رہ سکتی ہیں۔ ہجرت والی رات بھی آپ کے گھر لوگوں کی امانتیں موجود تھیں تو وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے قائل تھے وہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جھٹلاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریبی عزیزوں کو ڈرانے کا حکم

نبوت کے پانچویں سال جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ [الشعراء: ۲۱۴] اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا پہاڑی کی چٹان پر کھڑے ہو کر سفید چادر ہلائی۔ کیوں کہ اس زمانے میں یہ خطرے کا الارم ہوتا تھا۔ تیزی سے لوگ جمع ہو گئے جن میں عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے، جوان سب شامل تھے۔ تیزی کے ساتھ جمع ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان دنوں مکہ مکرمہ میں ایک افواہ گردش کر رہی تھی کہ سراقہ بن مالک کنعانی جو ایک قبیلے کا سردار تھا اور مکہ والوں سے اس کی مخالفت تھی، وہ حملہ کرنے والا ہے۔

کفار کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ''صادق اور امین'' کی گواہی دینا

بہر حال جب لوگ جمع ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے دامن میں فوج ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا میری بات مان لو گے سب نے کہا مَا جَرَّبْنَاكَ اِلاَّ صَادِقًا'' ہم نے آج تک آپ سے سچ ہی سنا ہے۔'' اور یہ الفاظ بھی آتے ہیں مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا قَطُّ ''ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان سے جھوٹ کبھی نہیں سنا'' اگر ہمیں لشکر نظر نہ آیا تو ہم کہیں گے ہماری نگاہیں خطا کر گئی ہیں آپ کی زبان سچی ہے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کی عمر مبارک پینتالیس سال تھی چالیس سال نبوت سے پہلے کے اور پانچ سال نبوت کے بعد کے کہ آپ کو صادق اور امین ہی مانتے تھے تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تیری ذات کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔

بدترین دشمن ابوجہل کا بھی معترف ہونا

مستدرک حاکم حدیث کی کتاب ہے اور مسند احمد بھی حدیث کی کتاب ہے۔ ان دونوں کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ ابوجہل جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا اس نے کہا: یَا مُحَمَّدُ (ﷺ)! لَا نُكَذِّبُكَ وَ لٰكِنْ نُكَذِّبُ الَّذِیْ جِئْتَ بِهٖ ''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم تجھے جھوٹا نہیں کہتے لیکن آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کو جھٹلاتے ہیں۔'' یہ جو آپ کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، کوئی معبود نہیں ہے، یہ جھوٹ ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)۔

چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ [الصافات: ۳۵، پارہ: ۲۳] ''بے شک یہ لوگ کہ جب ان کے سامنے کہا جاتا ہے ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ تو تکبر کرتے ہیں ٹھکرا دیتے ہیں''، یہ بھی کہتے تھے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ [ص: ۵؛ پارہ: ۲۳] ''کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود۔'' اس نے سارے مشکل کشا حاجت روا فریاد رس ختم کر دیئے ہیں ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ ''یہ ایک عجیب چیز ہے۔'' کہ اکیلا خدا تمام کام کرتا ہے۔ تو یہ مسئلہ

توحید سے قیامت سے اور رسالت کے مسئلہ سے بدکتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے قائل تھے۔

اللہ رب العزت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے جھٹلانے سے آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور البتہ تحقیق جھٹلائے گئے کئی رسول آپ سے پہلے ﴿فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا﴾ پس انہوں نے صبر کیا اس کارروائی پر جس میں ان کی تکذیب کی گئی۔ صرف ان کی تکذیب ہی نہیں کی گئی بلکہ ﴿وَاُوْذُوْا﴾ اور ان کو تکلیف پہنچائی گئی ﴿وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ اور انہوں نے نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، شعیا علیہ السلام کو ظالموں نے شہید کر دیا۔

﴿حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا﴾ یہاں تک کہ آگئی ان کے پاس ہماری مدد ﴿وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو وہی ہوگا جو رب تعالیٰ کو منظور ہوگا ﴿وَلَقَدْ جَآءَكَ﴾ اور البتہ تحقیق آئے ہیں آپ کے پاس ﴿مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے کچھ حالات کہ ان کو بھی لوگوں نے جھٹلایا اور اذیت دی لہٰذا ان کی باتوں پر صبر کرو، برداشت کرو کہ دنیا میں یہ ہوتا رہا ہے وہ اپنا کام کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام کریں۔

﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ﴾ اور اگر ہے شاق آپ پر ﴿اِعْرَاضُهُمْ﴾ ان لوگوں کا اعراض کرنا ﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ﴾ پس اگر آپ طاقت رکھتے ہیں ﴿اَنْ تَبْتَغِىَ﴾ کہ تلاش کر لیں ﴿نَفَقًا فِى الْاَرْضِ﴾ سرنگ زمین میں ﴿اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ﴾ یا سیڑھی آسمان میں ﴿فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ پس لا کر دیں ان کو کوئی نشانی ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ البتہ جمع کر دے ان کو ہدایت پر ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ نادانوں میں سے ﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ﴾ پختہ بات ہے قبول کرتے ہیں وہ لوگ ﴿يَسْمَعُوْنَ﴾ جو سنتے ہیں ﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾ اور مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ پھر اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ﴾ کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی ﴿مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اس کے رب کی طرف سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً﴾ اس بات پر کہ اتار دے کوئی نشانی ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ نہیں جانتے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ اور نہیں کوئی چلنے والا جانور ﴿فِى الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَلَا طٰٓئِرٍ﴾ اور نہ کوئی پرندہ ﴿يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾ جو اڑتا ہے اپنے دونوں پروں کے ساتھ ﴿اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ مگر وہ بھی امتیں ہیں تمہارے جیسی ﴿مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ﴾ ہم نے نہیں کمی کی کتاب کے بیان کرنے میں کسی شی کی ﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ﴾ پھر اپنے

رب کی طرف ﴿يُحْشَرُوْنَ﴾ وہ جمع کیے جائیں گے ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿صُمٌّ﴾ وہ بہرے ہیں ﴿وَّبُكْمٌ﴾ اور گونگے ہیں ﴿فِي الظُّلُمٰتِ﴾ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں ﴿مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ﴿يُضْلِلْهُ﴾ گمراہ کر دیتا ہے ﴿وَمَنْ يَّشَاْ﴾ اور جس کو چاہتا ہے ﴿يَجْعَلْهُ﴾ ڈال دیتا ہے ﴿عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھی راہ پر۔

آیات کا شانِ نزول

مشرکین مکہ کا ایک بہت بڑا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جو کہ ان کے سرداروں اور بااثر افراد پر مشتمل تھا ان کو دیکھ کر اور بھی کافی لوگ جمع ہو گئے کہ سردارانِ قریش جمع ہوئے ہیں اس کی کیا وجہ ہے یہ کیا پوچھتے ہیں؟ اور وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ مشرکین نے بہت سی باتیں کیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ کہنے لگے آپ کہتے ہیں میرا تعلق رب تعالیٰ کے ساتھ ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں اور قرآن بھی آپ کے اوپر نازل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں تو ہم مختلف قبیلوں کے سردار آپ کے پاس بیٹھے ہیں ہم سب آپ کا کلمہ پڑھ لیں گے اور جب ہم مسلمان ہو جائیں گے تو ہماری اولاد اور ہمارے نوکر چاکر بھی سارے مسلمان ہو جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں طبعی طور پر یہ خیال آیا کہ رب تعالیٰ کے لیے تو یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔ وہ چاہے تو دنیا کے تمام پہاڑوں کو سونا بنا دے۔ ہمالیہ کو بنا دے، نانگا پربت کو بنا دے، جودی پہاڑ کو سونا بنا دے، وہ قادرِ مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ ان کا یہ مطالبہ پورا ہو جائے تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور ان کی نسلیں بھی مومن ہوں گی اور اگر ان کا یہ مطالبہ پورا نہ ہوا تو یہ مزید ضد پر اتر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ فرمائشی معجزہ صادر کرنا منظور نہ کیا۔ وہ حکیم ہے، خبیر ہے، علیم ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے۔ اس کے کاموں کی حکمتوں کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ جن کو رب تعالیٰ نے تھوڑی بہت حکمت عطا فرمائی ہے وہ اپنی سمجھ کے مطابق بعض حکمتیں بیان فرماتے ہیں۔

ائمہ کی فہم و فراست

چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے کافی بزرگ گزرے ہیں جن کی فہم و فراست ہم سے بہت زیادہ تھی۔ انھوں نے اور ان کے پیروکاروں نے مشرکین مکہ کے اس مطالبہ کو پورا نہ کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کا مطالبہ پورا کر دیتے اور صفا کی چٹانیں سونے کی بن جاتیں تو قریب والے لوگ جو وہاں موجود تھے یا اس کے آس پاس کے لوگ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت سمجھتے مگر دور دراز کے لوگ یہ کہتے کہ لوگ جوق در جوق اس لیے مسلمان ہو رہے ہیں کہ اس کے پاس سونا ہے۔ تو پھر قرآن کریم کی خوبی واضح نہ ہوتی، اسلام کی حقانیت روشن نہ ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کا

نتیجہ سامنے نہ آتا۔ اور سونے چاندی کے پیچھے تو دنیا دوڑ دوڑ کر جاتی ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھوکا بھی رکھا فاقے پر فاقے آئے آنحضرت ﷺ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر دو پتھر باندھے۔ اگر آپ ﷺ کو پہننے کے لیے نیا جوتا نہیں ملا تو پرانی جوتی اپنے ہاتھ سے گانٹھ کر پہن لی۔ کیوں کہ اگر آپ کے پاس دولت کے ڈھیر ہوتے تو کہنے والے کہتے کہ بھائی دولت مند ہے اس لیے لوگ ناشتے کے وقت بھی پہنچتے ہیں اور روٹی کے وقت بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اور دولت مندوں کو لوگ ضرورت کی وجہ سے سلام کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مطالبہ پورا نہ فرمایا کہ صفا پہاڑی سونے کی بن جائے۔ اگرچہ آپ طبعی طور پر چاہتے تھے کہ یہ صنادید قریش (قریش کے سردار) مسلمان ہو جائیں تو اسلام کے لیے مزید دروازے کھل جائیں گے مگر رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا ﴿وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ﴾ اور اگر ہے شاق آپ پر ﴿اِعْرَاضُهُمْ﴾ ان لوگوں کا اعراض کرنا ﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ﴾ پس اگر آپ طاقت رکھتے ہیں ﴿اَنْ تَبْتَغِيَ﴾ کہ تلاش کر لیں ﴿نَفَقًا فِي الْاَرْضِ﴾ سرنگ زمین میں ﴿اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ﴾ یا سیڑھی آسمان میں ﴿فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ پس لا کر دیں ان کو کوئی نشانی یعنی اگر آپ کے اختیار میں ہے تو ان کا مطالبہ پورا کر دے ہماری حکمت میں نہیں ہے۔

کیا انبیاء علیہم السلام مختارِ کل ہوتے ہیں؟

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم تو ان کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اگر آپ کے بس میں ہے تو ایسا کر لو۔ لیکن آج لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر مختارِ کل ہے۔ ساری کائنات کے اختیارات اس کے پاس ہیں۔ حاشا و کلا! کوئی ایسی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے اختیارات کسی کے پاس نہیں ہیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنے اختیارات عطا کیے ہیں۔ پیغمبروں کے پاس اختیارات والا عقیدہ عیسائیوں اور رافضیوں کا ہے۔ اور اسلام کے بالکل مدمقابل ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ تمام مخلوق کا خالق بھی وہی ہے اور سارے جہاں کے اختیارات صرف رب تعالیٰ کے پاس ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے اختیارات کسی کے پاس ہوتے تو آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتے۔

بالجبر کسی کو مسلمان کرنا حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے

فرمایا ﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ البتہ جمع کر دے ان کو ہدایت پر۔ جبراً قہراً اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے کر مومن بنا سکتا ہے مگر ایسا کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو عقل دی ہے اور نیکی بدی کرنے کی طاقت بھی دی ہے اور نیکی بدی سمجھانے کے لیے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، تعلیم دی۔ پھر ہر دور میں حق کی آواز بلند کرنے والے کھڑے کیے، خیر و شر کا راستہ بتایا۔ اس کے بعد جو جس طرف جانا چاہے جائے اور اپنے کیے کے مطابق جزا و سزا پائے۔

ضابطۂ خداوندی

اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵؛ پارہ:۵] ہم اسے ادھر ہی چلا دیں گے جس راستے پر وہ چلنا چاہے۔ یعنی اس راستے پر چلنے کی طاقت دیں گے ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [صف:۵؛ پارہ:۲۸] ”پس جب انہوں نے کج روی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔“ اور رب تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت:۶۹؛ پارہ:۲۱] ”اور جو لوگ ہماری طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔“ رب تعالیٰ نے بندوں کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹]۔ جو اپنے ارادہ اور اختیار سے ایمان لانا چاہے ایمان لائے اور جو اپنے ارادہ اور اختیار سے کفر اختیار کرنا چاہے کفر اختیار کرے۔ ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ ” ہم نے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔“

اگر اللہ تعالیٰ جبراً سب کو مسلمان بنا دے تو پھر بندے کا اختیار تو نہ رہا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ سب کو جبراً کافر بنا دے تو پھر اختیار تو ختم ہو گیا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے بندہ جس طرح کی نیت کرے گا اللہ تعالیٰ اسی طرح کی طاقت عطا کر دیں گے۔ انسان جب تک اپنی حالت خود نہ بدلنا چاہے اللہ تعالیٰ نہیں بدلتے۔ سورۂ رعد میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ ”اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔“ تو جبراً ہدایت دینے کا مطلب یہ ہوا کہ انسان، انسان نہ رہیں جن، جن نہ رہیں اور ان سے اختیار سلب کر لیا جائے۔

﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ نادانوں میں سے۔ ان مطالبات کی طرف توجہ ہی نہ دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے امت کو سمجھایا گیا ہے کہ ہرگز جاہلوں میں سے نہ ہو۔ ﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ﴾ پختہ بات ہے قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو سنتے ہیں۔ جو قبول کرنے کے لیے سنتے ہیں وہ مانتے ہیں اور محض سننے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا ہے ﴿صُمٌّ﴾ بہرے ہیں ﴿بُكْمٌ﴾ گونگے ہیں ﴿عُمْيٌ﴾ اندھے ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ کافر بہرے، گونگے اور اندھے ہوتے ہیں بلکہ ﴿صُمٌّ﴾ کا معنیٰ ہے کہ ایسا سننا کہ جس کے بعد وہ قبول کریں حاصل نہیں ہے ﴿بُكْمٌ﴾ گونگے ہیں۔ حق بات کہنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ﴿عُمْيٌ﴾ اندھے ہیں یعنی حق کی نشانیاں نہیں دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾ اور مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ پھر اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔

ہر حال میں بعثت کا ہونا

قیامت کا مسئلہ بھی حق ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور رب تعالیٰ کے سامنے پیشی ہے اور جو جس حالت میں مرا ہے

اور جہاں مرا ہے اور مرنے کے بعد چاہے دفن کیا گیا ہے یا جلا دیا گیا ہے یا جانور کھا گئے ہیں، مچھلیاں کھا گئیں ہیں جہاں بھی ہو گا اٹھے گا اور رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا۔ اور قرآن کریم میں قبور کا لفظ بھی آتا ہے ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ [الحج: ۷] "اور بے شک اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو قبروں میں ہی اٹھائے گا۔" یہ اہلِ عرب کو سامنے رکھ کر فرمایا کیوں کہ قرآن پاک کے اوّل اور بالذات مخاطب اہلِ عرب ہیں پھر ساری کائنات ہے۔ اور عرب کے لوگ مردوں کو نہ جلاتے تھے اور نہ پانی میں پھینکتے تھے بلکہ دفن کرتے تھے۔ عیسائی اور یہودی بھی دفن کرتے تھے اور صَابِئِیْنَ بھی دفن کرتے تھے۔ اور ان کی پیروی میں مجوسی جو آگ پرست تھے وہ بھی دفن کرتے تھے۔ اور ہندوستان میں ہندو اور سکھ وغیرہ مردوں کو جلاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن کو آگ میں جلا کر راکھ کر دیا گیا ہے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ حاشا وکلا! ہر گز ایسا نہیں ہے عذاب وثواب سب کو ہوگا۔

ایک گناہ گار مسلمان کا واقعہ

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ پہلی امتوں میں سے کسی امت میں ایک آدمی بڑا گنہگار تھا۔ جس کے متعلق یہاں تک آتا ہے کہ مردوں کے کفن بھی چوری کر لیتا تھا مگر تھا اہلِ توحید اور اہلِ اسلام میں سے۔ جب موت قریب آئی تو اس نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور کہا کَیْفَ اَبَاکُمْ کہ تمہارا باپ کیسا ہے؟ بیٹوں نے کہا کہ ہمارے حق میں تو بہت اچھا ہے۔ باپ نے کہا کہ تم مجھے حلف دو کہ جو بات میں نے تم سے کرنی ہے کسی کو نہیں بتاؤ گے اور حلف دو کہ اس پر عمل بھی کرو گے۔ بیٹوں نے قسمیں اٹھائیں تو باپ نے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور ہڈیوں کو پیس کر میری راکھ کچھ ہوا میں اڑا دینا اور کچھ سمندر میں بہا دینا۔ بیٹے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ ہم کس طرح جلائیں گے؟ جب کہ یہاں جلانے کا رواج تو ہے نہیں اور باپ نے ہمیں قسموں کے ساتھ قابو کر لیا ہے۔

بہر حال جب وہ مرا تو بیٹوں نے اس کو جلایا۔ لوگ اکٹھے ہوئے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ بیٹوں نے کہا کہ ہمارے باپ نے وصیت کی تھی ہم نے اس پر عمل کیا ہے۔ آگ جب ٹھنڈی ہوئی تو انہوں نے ہڈیوں کو پیسا اور کچھ راکھ ہوا میں اڑا دی اور کچھ سمندر میں پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کے ایک ایک ذرے کو ضائع ہوئے بغیر جمع کر دے اور سمندر کو حکم دیا کہ اس کے ایک ایک ذرے کو ضائع کیے بغیر جمع کر دے۔ پروردگار نے اپنی قدرت کاملہ سے اچھا بھلا صحیح سالم بندہ بنا کر کھڑا کر دیا اور اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کارروائی کیوں کی ہے؟ اس نے کہا تیرے ڈر سے اے پروردگار! کہ تو جانتا ہے کہ میں نے نیکی تو کوئی کی نہیں ہے اور ہوں میں بندہ اور بندوں والا کام میں نے کوئی کیا نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ رب تعالیٰ کے سامنے بندہ ہو کر نہ جاؤں بلکہ راکھ ہو کر جاؤں۔

زندگی بے بندگی شرمندگی

تا کہ رب تعالیٰ کو مجھ پر رحم آجائے اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

معتزلہ اور عذابِ قبر

ایک ''معتزلہ'' فرقہ ہے اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں انھوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ جس کو مچھلیاں کھا گئیں اس کو کس طرح عذاب ہوتا ہے؟ اور جس کو جلا دیا جائے اس کو کس طرح عذاب ہوتا ہے؟ جس کو پرندے کھا جائیں اس کو کس طرح عذاب ہوگا؟ تو ان شوشوں سے تو عذابِ قبر نہیں ٹل سکتا۔ معاملہ ہے رب تعالیٰ کے ساتھ اور وہ قادرِ مطلق ہے اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ﴾ کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی ﴿مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اس کے رب کی طرف سے۔ ہم اکٹھے ہو کر آئے ہیں کہ رب تعالیٰ سے کہو صفا کو سونا بنا دے۔ اس طرح کی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ مخالف کو تو صرف بہانہ چاہیے۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً﴾ اس بات پر کہ اتار دے کوئی نشانی ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے کہ اگر ہم صفا کو سونا بنا دیں تو دور دراز کے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوں گے کہ اس لیے مسلمان ہو رہے ہیں کہ اس کے پاس سونا ہے۔ لہٰذا اس طرح کی حکمتیں رب تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اگر تم رب تعالیٰ کی قدرتیں دیکھنا چاہتے ہو تو وہ اور بہت ہیں دیکھ لو۔

''دَآبَّةٌ'' کی تفسیر

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ اور نہیں کوئی چلنے والا جانور ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں۔ دو ٹانگوں والا ہو یا چار ٹانگوں والا یا اس سے زیادہ ٹانگوں والا۔ چنانچہ ایک جانور ہے اس کو اَرْبَعَةٌ اَرْبَعُوْنَ کہتے ہیں۔ اس کی بائیس ٹانگیں ایک طرف ہوتی ہیں اور بائیس ٹانگیں دوسری طرف ہوتی ہیں۔ اور ایک جانور کو فارسی زبان میں ہزار پائے کہتے ہیں۔ اس کی پانچ سو ٹانگیں ایک طرف ہوتی ہیں اور پانچ سو ٹانگیں دوسری طرف۔ اور ایسے بھی ہیں کہ جن کی ایک ٹانگ بھی نہیں ہے اور ٹانگوں والے سے تیز دوڑتے ہیں جیسے سانپ ہے۔ بلکہ علامہ طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سانپ کی بعض ایسی قسمیں ہیں کہ بندوق کی گولی سے بھی تیز چلتے ہیں۔ لہٰذا رب تعالیٰ کی قدرت دیکھنا چاہو تو جانوروں کو زمین پر چلتے پھرتے دیکھ لو۔

﴿وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾ اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دونوں پروں کے ساتھ۔ اڑنے والے پرندوں کو دیکھو ان کو کس نے اڑایا، کس نے ان کو پر عطا کیے، فضا کس نے بنائی اور ان پرندوں کو کیسی کیسی شکلیں اور صورتیں عطا فرمائیں۔ جو رب تعالیٰ یہ سب کچھ کر سکتا ہے وہ صفا کو سونا بھی بنا سکتا ہے۔ جو ماننا چاہے تو اس کے لیے بہت کچھ ہے اور نہ ماننے والے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

فرمایا ﴿اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ مگر وہ بھی امتیں ہیں تمہارے جیسی۔ اپنا وجود بھی دیکھو اور ان کا وجود بھی دیکھو اور رب تعالیٰ کی قدرت پر غور و فکر کرو کہ جو رب یہ کر سکتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ

﴿مِن شَیۡءٍ﴾ ہم نے نہیں کمی کی کتاب کے بیان کرنے میں کسی شی کی۔ہم نے اصولی طور پر کتاب میں تمام چیزیں بیان کردی ہیں جزئیات نہیں۔فرمایا ان کو یادرکھنا چاہیے۔﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ﴾ پھر اپنے رب کی طرف وہ جمع کیے جائیں گے ﴿وَالَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿صُمٌّ﴾ وہ بہرے ہیں۔ایسا سننا ان کو حاصل نہیں ہے کہ سن کر مان لیں ﴿وَّبُكۡمٌ﴾ اور گونگے ہیں کہ ساری باتیں کرتے ہیں مگر حق بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔﴿فِی الظُّلُمٰتِ﴾ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔

ہدایت کا رجوع کرنے والے کو ملنا

﴿مَنۡ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضۡلِلۡهُ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے۔اور گمراہ اسے کرتا ہے جو ہدایت کی طرف رجوع نہیں کرتا۔جب رب تعالیٰ نے نیکی بدی کی طاقت دی ہے پھر یہ نیکی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔الٹا رب تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور ایمان کی بجائے کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے۔تو پھر رب تعالیٰ اس کو ادھر ہی چلا دیتے ہیں۔

﴿وَمَنۡ یَّشَاۡ یَجۡعَلۡهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴾ اور جس کو چاہتا ہے ڈال دیتا ہے سیدھی راہ پر۔جو شخص ایمان کی طرف آتا ہے، قدم اٹھاتا ہے رب تعالیٰ اس کو صراط مستقیم پر چلا دیتے ہیں۔کیوں کہ رب تعالیٰ نے نیکی بدی کی توفیق عطا فرمائی ہے۔جبراً اور قہراً رب تعالیٰ کسی سے نہ نیکی کراتا ہے اور نہ بدی۔اگر اس طرح کرے تو پھر انسان، انسان نہیں، جن، جن نہیں بلکہ پتھر ہیں۔

﴿قُلۡ اَرَءَیۡتَكُمۡ﴾ آپ کہہ دیں بتاؤ مجھے ﴿اِنۡ اَتٰىكُمۡ﴾ اگر آجائے تمھارے پاس ﴿عَذَابُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا عذاب ﴿اَوۡ اَتَتۡكُمُ السَّاعَةُ﴾ یا آجائے تم پر قیامت ﴿اَغَیۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿بَلۡ اِیَّاهُ تَدۡعُوۡنَ﴾ بلکہ تم اسی کو پکارو گے ﴿فَیَكۡشِفُ مَا﴾ پس وہ دور کرے گا اس تکلیف کو ﴿تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡهِ﴾ جس کی طرف تم اس کو پکارتے ہو ﴿اِنۡ شَآءَ﴾ اگر وہ چاہے ﴿وَتَنۡسَوۡنَ﴾ اور تم بھول جاتے ہو ﴿مَا تُشۡرِكُوۡنَ﴾ جن کو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے رسول ﴿اِلٰۤی اُمَمٍ﴾ ان امتوں کی طرف ﴿مِّنۡ قَبۡلِكَ﴾ جو آپ سے پہلے تھیں ﴿فَاَخَذۡنٰهُمۡ﴾ پس پکڑا ہم نے ان لوگوں کو ﴿بِالۡبَاۡسَآءِ﴾ مالی پریشانی میں ﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ اور بدنی پریشانی میں ﴿لَعَلَّهُمۡ یَتَضَرَّعُوۡنَ﴾ تاکہ وہ گڑگڑائیں اور عاجزی کریں ﴿فَلَوۡلَاۤ﴾ پس کیوں نہیں ہوا ﴿اِذۡ جَآءَهُمۡ﴾ جب آیا ان کے پاس ﴿بَاۡسُنَا﴾ ہمارا عذاب ﴿تَضَرَّعُوۡا﴾ تو وہ گڑگڑاتے عاجزی کرتے ہوئے ﴿وَلٰكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ﴾ اور لیکن ان کے دل سخت ہو گئے ﴿وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ﴾ اور مزین کردیا شیطان نے ان کے لیے ﴿مَا كَانُوۡا

﴿یَعْمَلُوْنَ﴾ اس کارروائی کو جو وہ کرتے تھے ﴿فَلَمَّا نَسُوْا﴾ پس جب انہوں نے بھلادیا ﴿مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ اس بات کو جس کی انہیں یاددہانی کرائی گئی تھی ﴿فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ﴾ پس کھول دیے ہم نے ان پر ﴿اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز کے دروازے ﴿حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا﴾ یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوگئے ﴿بِمَاۤ اُوْتُوْۤا﴾ اس چیز کے ساتھ جو ان کو دی گئی تھی ﴿اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً﴾ تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا ﴿فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ پس اچانک وہ ناامید ہوگئے ﴿فَقُطِعَ﴾ پس کاٹ دی گئی ﴿دَابِرُ﴾ جڑ ﴿الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ اس قوم کی جس نے ظلم کیا ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بتاؤ تم ﴿اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ﴾ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمھارے کان ﴿وَاَبْصَارَكُمْ﴾ اور تمہاری آنکھیں ﴿وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ﴾ اور مہر لگادے تمہارے دلوں پر ﴿مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ کون ہے معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿يَاْتِيْكُمْ بِهٖ﴾ جو لائے تمہارے پاس اس چیز کو ﴿اُنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ﴾ کس طرح پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ﴾ پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔

مذمت شرک اور اس کی اقسام

اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے اور شرک کی بہت سی قسمیں ہیں اور ان میں سے ایک قسم عامۃ الورود ہے یعنی جو عام پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی جب کسی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس اور دستگیر سمجھ کر پکارے اور ان سے مرادیں مانگے۔

ایسے ہی لوگوں کو رب تعالیٰ خطاب کر کے فرماتے ہیں ﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ﴾ آپ کہہ دیں بتاؤ مجھے ﴿اَرَءَيْتَكُمْ﴾ اَخْبِرُوْنِیْ کے معنیٰ میں ہے کہ مجھے بتاؤ مجھے خبر دو میں تم سے پوچھتا ہوں ﴿اِنْ اَتٰىكُمْ﴾ اگر آجائے تمہارے پاس ﴿عَذَابُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا عذاب ﴿اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ﴾ یا آجائے تم پر قیامت کیا اس وقت بھی ﴿اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے تو بتاؤ ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ﴾ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم صرف اسی اللہ تعالیٰ کو ہی پکارو گے۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں پکارو گے ﴿فَيَكْشِفُ مَا﴾ پس وہ دور کرے گا اس تکلیف کو ﴿تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ﴾ جس کے بارے میں تم اس کو پکارتے ہو ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر وہ چاہے۔ کیوں کہ وہ مجبور نہیں ہے اگر اس کی مرضی ہوگی تو دور کرے گا۔ ﴿وَتَنْسَوْنَ﴾ اور تم بھول جاتے ہو ﴿مَا تُشْرِكُوْنَ﴾ جن کو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ اس وقت نہ لات یاد رہتا ہے، نہ منات، نہ عزیٰ، نہ ہُبل نہ اور کوئی۔ تو جب اس مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہے تو اب بھی کوئی نہیں ہے۔ یہ تو مشرکوں کا رد تھا۔

اللہ رب العزت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

آگے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ پریشان نہ ہوں پہلی اُمتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے گئے ان لوگوں نے بھی اسی طرح کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے رسول ﴿اِلٰٓى اُمَمٍ﴾ ان امتوں کی طرف ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ جو آپ سے پہلے تھیں۔ تمام امتیں پہلے گزری ہیں یہ تو آخری امت ہے۔

"بَاْسَآءِ، ضَرَّآءِ" علامہ اظہری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

﴿فَاَخَذْنٰهُمْ﴾ پس پکڑا ہم نے ان لوگوں کو ﴿بِالْبَاْسَآءِ﴾ مالی پریشانی میں ﴿وَ الضَّرَّآءِ﴾ اور بدنی پریشانی میں۔ علامہ اظہری رحمۃ اللہ علیہ پرانے بزرگوں میں سے ہیں ان کی وفات ۳۷۰ھ میں ہوئی ہے۔ انھوں نے لغت پر کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "فقہ اللغۃ" اس میں وہ فرماتے ہیں کہ "باسا" اس تکلیف کو کہتے ہیں جو انسان کے بدن سے باہر ہو، بیرونی طور پر پیش آئے۔ مثلاً: سیلاب آجائے یا دشمن کا خطرہ لاحق ہو جائے، قحط سالی ہو جائے یا مالی پریشانی ہو جائے یا اشیائے ضرورت مہنگی ہو جائیں وغیرہ۔ اور "ضرآء" اس تکلیف کو کہتے ہیں جو بدن کے اندر ہوتی ہے۔ مختلف قسم کی بیماریاں جو جسم کے اندر ہوتی ہیں۔ تو رب تعالیٰ نے ان کو مالی پریشانیوں میں بھی مبتلا فرمایا اور بدنی تکلیفوں میں بھی ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ تاکہ وہ گڑگڑائیں اور عاجزی کریں۔ انسان جب آسائش اور آرام میں ہوتا ہے تو رب تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتا ہے اور جب پریشانی اور تکلیف میں ہوتا ہے تو رب تعالیٰ کو بہت زیادہ اور جلدی یاد کرتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم مظلوم (جس کا سر انگریزوں نے کاٹ کر تھالی میں رکھ کر بھنگڑا ڈالا تھا) نے کیا خوب بات کی ہے:

ظفرؔ اسے آدمی نہ جانئے گا خواہ وہ ہو کیسا ہی فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تکلیفوں میں تمہاری دعائیں قبول ہوں تو تم پر لازم ہے کہ راحت اور خوشی کے زمانے میں رب تعالیٰ کو نہ بھولو۔ اور یہاں ایسا ہوتا ہے کہ عام طور پر تو لوگ بھول چوک کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور شادی کے موقع پر نماز بھی جاتی رہتی ہے۔ حالاں کہ خوشی کے موقع پر خدا کا زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے یہ دن نصیب فرمایا ہے۔ لیکن ہم ناشکرے ہو گئے ہیں۔ اور ہماری عادت بن گئی ہے کہ ہمیں دولت نصیب ہو جائے تو بُرے اور غلط کاموں پر خرچ کرتے ہیں اچھے کاموں کے لیے کہو تو پیشانی پہ بَل پڑ جاتے ہیں۔ آج سے تقریباً سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے گوجرانوالا میں ایک مجلس میں ایک صاحب نے کہا کہ میں نے شادی کے موقع پر تین دن کا بل ساٹھ ہزار ادا کیا ہے۔ اندازہ لگاؤ

کہ لوگ ایسے موقعوں پر کتنا خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَوْ لَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ﴾ پس کیوں نہیں ہوا جب آیا ان کے پاس ﴿بَاْسُنَا﴾ ہمارا عذاب، ہماری گرفت ﴿تَضَرَّعُوْا﴾ تو وہ گڑگڑاتے، عاجزی کرتے۔ انھوں نے کیوں نہ عاجزی کی ﴿وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور لیکن ان کے دل سخت ہو گئے۔ اب تو حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دل ان سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ زلزلہ آتا ہے لوگ مرتے ہیں، سیلاب آتا ہے لوگ بہہ جاتے ہیں، سامان بہہ جاتا ہے اور کوئی آفت اور تکلیف آتی ہے تو کہتے ہیں ٹھیک ہے اور کوئی پروانہیں کرتے، عبرت نہیں حاصل کرتے۔

نیک بخت کون؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ سَعِيْدٌ مَنْ وُعِظَ لِغَيْرِهٖ نیک بخت وہ ہے جو دوسرے کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ بے شک طوفان آجائیں اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ ہم ویسے ہی رہتے ہیں جیسے پہلے تھے۔ سب کچھ دیکھ کر بھی ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بزرگوں میں سے تھے۔ پہلے منڈی بہاؤالدین میں مسجد کے خطیب تھے پھر فیصل آباد تشریف لے گئے اور وہاں بھی خطابت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اور وہیں انتقال ہوا۔ اپنے مہاجر ساتھیوں کو دیکھا کہ جس طرح وہاں بے دین تھے یہاں بھی اسی طرح بے دین ہیں وہاں بھی حلال حرام کی تمیز نہیں کرتے تھے اور یہاں بھی نہیں کرتے۔ تو کہنے لگے ؎

زمین بدلی، زماں بدلا، مکین بدلے، مکاں بدلا
نہ تو بدلا، نہ میں بدلا پھر بدلا تو کیا بدلا

نہ تو ٹس سے مس ہوا اور نہ میں ٹس سے مس ہوا تو جگہ بدلنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ بہرحال قرآن کریم یہ تعلیم دیتا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی پر کوئی تکلیف آئے تو مسلمان اس سے عبرت حاصل کرے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے جتنی بھی تکلیفیں آتی ہیں محض اس لیے آتی ہیں کہ انسان انسانیت میں رہے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

نفس ما کمتر از فرعون نیست

ہمارا نفس بھی فرعون سے کم نہیں ہے۔ مگر اس کے پاس تو مال تھا، دولت تھی، حکومت تھی اور ہم ان چیزوں کے بغیر بھی فرعون بنے ہوئے ہیں۔

شیطان کا بُرے اعمال کو مزین کر کے پیش کرنا

فرمایا ﴿وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ﴾ اور مزین کر دیا شیطان نے ان کے لیے ﴿مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس کارروائی کو جو وہ

کرتے تھے۔ اپنے بُرے کاموں کو اچھا سمجھتے تھے اور دن رات انہی میں صرف کرتے تھے اور اس پر راضی تھے۔ ﴿فَلَمَّا نَسُوْا﴾ پس جب انہوں نے بھلا دیا ﴿مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ اس بات کو جس کی انہیں یاد دہانی کرائی گئی تھی کہ ان کو مالی پریشانیوں میں مبتلا کیا بطور نصیحت کے اور بدنی پریشانیوں میں مبتلا کیا کہ ان کو کچھ ہوش آئے سمجھ جائیں لیکن انہوں نے اس سے عبرت حاصل نہ کی تو ہم نے تقدیر کا رخ بدلا۔

فراخی سبب امتحان

﴿فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ﴾ پس کھول دیے ہم نے ان پر ﴿اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کے دروازے۔ مال اولاد وغیرہ ﴿حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا﴾ یہاں تک کہ جب وہ خوش ہو گئے ﴿بِمَاۤ اُوْتُوْۤا﴾ اس چیز کے ساتھ جو ان کو دی تھی مال اولاد کثرت سے اور اقتدار اور سلطنت ﴿اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً﴾ تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تنگی کے بعد فراخی ہو تو اس میں بھی رب تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے فراخی کو رب تعالیٰ کی رضا نہ سمجھو۔ اگر شکر ادا نہ کیا تو پھر پکڑ لیتا ہے ﴿فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ پس اچانک وہ ناامید ہو گئے۔ پھر اس وقت کہتے ہیں ﴿اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ بے شک ہم ہی ظالم ہیں۔ لیکن جب رب تعالیٰ کی پکڑ میں آ گئے تو اب اپنے آپ کو ظالم کہنے کا کیا فائدہ؟ وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ پس کاٹ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا۔ اگر درخت کی جڑ موجود ہو اور ہو بھی ہری تو امید ہوتی ہے کہ کسی وقت بھی یہ درخت ہرا ہو جائے گا اور جب جڑ ہی کاٹ دی جائے تو اب تو سلسلہ ہی ختم ہو گیا ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

بعد از تباہی "الحمدللہ" کہنے کا مطلب

دیکھو! قوم کی تباہی کے بعد فرمایا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تو تباہی کے بعد ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کہنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جتنے بھی اعضاء بنائے ہیں تمام کے تمام قیمتی ہیں خدانخواستہ کوئی عضو ایسا بیمار اور فاسد ہو جائے کہ ڈاکٹر کہیں کہ اس کا کاٹنا ضروری ہے اگر اس کو نہ کاٹا گیا تو دوسرے اعضا کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو جب اس عضو کو کاٹ دیا جائے گا تو بیمار بھی کہے گا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ عزیز رشتہ دار بھی ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کہیں گے کہ باقی اعضاء محفوظ ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ظالم اور فسادی لوگ پوری انسانیت کے دشمن ہوتے ہیں ان کا تباہ اور ختم ہونا ہی ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ہے اگر ان کو ختم اور تباہ نہ کیا جائے تو یہ دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

زبانِ نبوت سے مشرکین کو خطاب

آگے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مشرکوں کو فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ یہاں

﴿اَرَءَیۡتُمۡ﴾ ''اَخۡبِرُوۡنِیۡ'' کے معنیٰ میں ہے مجھے خبر دو مجھے بتاؤ ﴿اِنۡ اَخَذَ اللّٰہُ سَمۡعَکُمۡ﴾ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان۔ اس طرح کہ قوتِ سماعت چھین لے کانوں کے ہوتے ہوئے آدمی سن نہ سکے اور اس طرح بھی ہو سکتا ہے پیشانی کی طرح برابر کر دے۔ ﴿وَاَبۡصَارَکُمۡ﴾ اور تمہاری آنکھیں لے لے کہ بینائی چھین لے کیوں کہ ایسے لوگ موجود ہیں کہ آنکھیں صحیح ہیں مگر نظر کچھ نہیں آتا یا پیشانی کی طرح برابر کر دے۔ ﴿وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ﴾ اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر کہ دلوں سے بات سمجھنے کی صلاحیت ختم کر دے، پاگل بنا دے کہ تم بات سمجھ ہی نہ سکو، تمہاری بصیرت چھین لے ﴿مَنۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ﴾ کون ہے معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿یَاۡتِیۡکُمۡ بِہٖ﴾ جو لائے تمہارے پاس اس چیز کو کہ کان لا کر تمہیں دے آنکھیں لا کر تمہیں دے، دل لا کر تمہیں دے۔

مومن نما مشرکین کا حال

مگر معاف رکھنا! آج کل کے مشرکوں نے تو کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ ایک کتاب ہے ''مداح اعلیٰ حضرت'' یہ احمد رضا خان بریلوی کے ایک شیدائی نے لکھی ہے اس میں وہ کہتا ہے ؎

دل میرا ایمان میرا ، آنکھیں میری
جو ملا تجھ سے ملا احمد رضا
کون کہتا ہے مجھے کس نے دیا
جو دیا تو نے دیا احمد رضا

لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ۔ دیکھو! قرآن کریم کے ساتھ کتنی واضح ٹکر ہے، غلو کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اگر یہ بھی شرک نہیں ہے تو پھر یقین جانو! ابو جہل بھی مشرک نہیں تھا۔ کہتا ہے ؎

تجھے میں تو مشکل کشا ہی کہوں گا
میری تجھ سے مشکل کشائی ہوئی

لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ۔ کتنا غلو ہے۔ یہ تو مرید ہے اب پیر کی سنو ؎

احد سے احمد ، احمد سے تجھ کو
سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

اللہ تعالیٰ نے تمام خدائی اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن اور مکن کے سارے اختیارات شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کر دیے ہیں۔ اس لیے گیارہویں نہیں چھوڑتے۔ پھر کہتا ہے ؎

ذی تصرف بھی ہے، مختار بھی، ماذون بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر

سورج نہیں نکلتا جب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو سلام نہ کرے۔ ایسے شخص کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر اولیاء سے زیادہ مقام دیتے ہیں اور یہ اس کی اپنی کتابیں ہیں جن کے میں نے حوالے دیئے ہیں اور میرے پاس موجود ہیں ''حدائق بخشش'' وغیرہ۔ مگر تم کسی سے جھگڑا نہ کرنا۔ جھگڑے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور تشدد سے مسائل حل نہیں ہوتے۔

صدام کی ضد اور نادانی کی وجہ سے تیس سے زیادہ حکومتیں اس کو ختم کرنے کے درپے ہوئیں مگر اس کو ختم نہ کر سکیں وہ اگر کویت پر حملہ نہ کرتا تو ساری دنیا کے مسلمان اس کے ساتھ تھے۔ معلوم ہوا کہ تشدد سے معاملات حل نہیں ہوتے۔ لہٰذا کسی سے جھگڑا نہیں کرنا اور عقیدہ قرآن اور حدیث کے مطابق بنانا ہے اور عقیدے میں کسی قسم کی نرمی نہیں کرنی۔

﴿ اُنْظُرْ ﴾ دیکھ ﴿ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ﴾ کس طرح پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیتیں۔ عقلی دلیلیں، نقلی دلیلیں، آفاق کے دلائل، نفس کے دلائل ﴿ ثُمَّ هُمْ یَصْدِفُوْنَ ﴾ پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

﴿ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ ﴾ آپ کہہ دیں مجھے بتاؤ ﴿ اِنْ اَتٰىكُمْ ﴾ اگر آئے تمہارے پاس ﴿ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً ﴾ اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک ﴿ اَوْ جَهْرَةً ﴾ یا کھلے طور پر ﴿ هَلْ یُهْلَكُ ﴾ نہیں ہلاک کی جائے گی ﴿ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ مگر وہ قوم جو ظالم ہے ﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴾ اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو ﴿ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ ﴾ مگر خوش خبری سنانے والے ﴿ وَمُنْذِرِیْنَ ﴾ اور ڈرانے والے ﴿ فَمَنْ اٰمَنَ ﴾ پس جو شخص ایمان لایا ﴿ وَاَصْلَحَ ﴾ اور اس نے اصلاح کر لی ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ ﴾ پس نہ خوف ہوگا اُن پر ﴿ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ﴿ بِاٰیٰتِنَا ﴾ ہماری آیتوں کو ﴿ یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ ﴾ پہنچے گا ان کو عذاب ﴿ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ﴾ آپ کہہ دیں میں نہیں کہتا تمہیں ﴿ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ ﴾ کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں ﴿ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ﴾ اور میں نہیں جانتا غیب ﴿ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ﴾ اور میں نہیں کہتا تمہیں کہ میں فرشتہ ہوں ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ ﴾ میں نہیں پیروی کرتا ﴿ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ﴾ مگر اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ﴾ کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا ﴿ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ کیا تم غور وفکر نہیں کرتے۔

ربط ؟

اس سے پہلے سبق میں تم نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اَرَءَیْتُمْ ﴾ بتاؤ تم ﴿ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ ﴾ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان ﴿ وَاَبْصَارَكُمْ ﴾ اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ تعالیٰ

کے بغیر کون اللہ ہے جو تمہیں یہ چیزیں لاکر دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں واپس لے لے تو اس کے بغیر کوئی تمہیں دے نہیں سکتا اور اب عذاب کا ذکر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عذاب نازل فرمائے تو اس کو بھی کوئی نہیں روک سکتا اور تمہیں رب تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ﴾ آپ کہہ دیں مجھے بتاؤ ﴿اِنْ اَتٰىكُمْ﴾ اگر آئے تمہارے پاس ﴿عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً﴾ اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک کہ کوئی نشانی ظاہر نہ ہو دفعۃً آئے ﴿اَوْ جَهْرَةً﴾ یا کھلے طور پر کہ پہلے کوئی معمولی سی عذاب کی نشانی ظاہر ہو پھر بڑھتے بڑھتے آہستہ آہستہ بڑا عذاب آجائے۔

پیغمبروں کا عذاب کی صورت میں محفوظ رہنا

یادرکھنا! جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی موجودگی میں عذاب آئے تو صرف مجرم قوم تباہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اور اس کے ساتھی محفوظ رہتے ہیں۔ جیسا کہ ہود علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ نے سات دن ہوا چلائی باقی قوم تباہ ہوگئی ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی محفوظ رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا صَیْحَةٌ کے لفظ بھی آئے ہیں اور رَجْفَةٌ کے لفظ بھی آئے ہیں۔ ان پر زلزلہ آیا مجرموں کے کلیجے پھٹ گئے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی بالکل ٹھیک رہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر رب تعالیٰ نے پتھر برسائے اور لوط علیہ السلام اور ان کی بچیوں کو محفوظ رکھا۔ تو پیغمبروں کی موجودگی میں جب عذاب آتا ہے تو صرف مجرم تباہ ہوتے ہیں۔ پیغمبر اور ان کے ساتھی محفوظ رہتے ہیں۔

پیغمبر کی عدم موجودگی میں سب پر عذاب کا نازل ہونا

پیغمبر کی عدم موجودگی میں جو عذاب آتا ہے تو اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ کیوں کہ پیغمبر تو موجود نہیں ہے کہ اس کے وجود مسعود کی برکت سے مومن پرہیزگار بچ جائیں اور خصوصاً جب سارے ہی گناہوں میں مبتلا ہوں۔

جیسے: ہمارا زمانہ ہے کہ ہم سارے ہی گنہگار ہیں جو اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتا وہ غلطی پر ہے۔ یہ ہماری نادانی ہے کہ ہمیں جب کوئی تکلیف آتی ہے تو کہتے ہیں۔ ''رب جانے کس گناہ کی وجہ سے ہے'' ایسے معصومانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں کہ جیسے ہم واقعۃً ہی معصوم ہیں حالانکہ گناہگار ہیں، نمازیں ہماری رہ گئی ہیں، روزے ہمارے چھوٹ گئے ہیں، جھوٹ ہم بولتے ہیں، غیبت ہم کرتے ہیں، حلال و حرام کی تمیز ہم نہیں کرتے، شکلیں ہماری مسلمانوں والی نہیں ہیں، وضع قطع ہماری اسلام کے مطابق نہیں ہے۔

تو جب ایسے لوگوں پر عذاب آتا ہے تو سب پر آتا ہے۔ ماشا کوئی نہیں بچ سکتا۔ زلزلہ آئے گا تو سارے دبیں گے، سیلاب آئے گا تو سارے بہیں گے، نیک بد کی تمیز نہیں ہوگی، پتھر برسے تو سب تباہ ہوں گے۔ البتہ قیامت والے دن اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

شاہِ حبشہ کا خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے لشکر کشی کرنا

بخاری شریف میں حدیث آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حبشہ کے بادشاہ کی سربراہی میں جس کا قد چھوٹا اور ٹانگیں ٹیڑھی ہوں گی ایک لشکر آئے گا کعبۃ اللہ کو گرانے کے لیے جب یہ لشکر بیداء کے مقام پر پہنچے گا جو مکہ مکرمہ سے باہر ایک میدان ہے تو اللہ تعالیٰ اس لشکر کو زمین میں دھنسا دے گا۔ اس میں کچھ لوگ بچ کر کعبۃ اللہ میں پہنچ جائیں گے گرانے کے لیے وہ جب کعبۃ اللہ کو گرانا شروع کریں گے تو اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ صور پھونک دو اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

معلوم ہوا کہ جب تک کعبۃ اللہ موجود ہے دنیا قائم ہے اور جب کعبۃ اللہ نہیں رہے گا دنیا بھی نہیں رہے گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ حضرت! وہ سارے زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! کہنے لگیں حضرت! ان میں وہ بھی تو ہوں گے کہ جن کو وہ ظالم جبراً لائے ہوں گے اور ان کی نیت کعبۃ اللہ کو گرانا اور اس کی توہین کرنا نہیں ہوگی؟ فرمایا ان کو بھی زمین میں دھنسا دیا جائے گا مگر قیامت والے دن اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ [ہود: ۱۱۳؛ پارہ: ۱۲] "ظالموں کے پاس نہ رہو اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو تم بھی نہیں بچ سکو گے۔" فرمایا ﴿هَلْ يُهْلَكُ﴾ نہیں ہلاک کی جائے گی ﴿اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ مگر وہ قوم جو ظالم ہے ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو ﴿اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ﴾ مگر خوش خبری سنانے والے کہ ایمان لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے گی قبر کے عذاب سے بچ جاؤ گے، میدانِ محشر میں کامیابی ہوگی، پل صراط سے آسانی کے ساتھ گزر جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ﴿وَمُنْذِرِيْنَ﴾ اور ڈرانے والے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے اور اچھے اعمال نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ دنیا میں بھی عذاب آئے گا اور قبر میں بھی عذاب ہوگا۔ میدان محشر میں ناکام ہو گے اور پل صراط سے گزرتے ہوئے گر کر جہنم میں جاؤ گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہو گے۔

ہدایت کا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہونا

اللہ تعالیٰ ناراض ہوں تو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [قصص: ۵۶؛ پارہ: ۲۰] "اے نبی کریم (ﷺ) بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے اس کو جس کے ساتھ آپ محبت کرتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔"

پیغمبروں کا کام ہے ڈرانا اور خوشخبری دینا ﴿فَمَنْ اٰمَنَ﴾ پس جو شخص ایمان لایا ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کر لی۔ عمل کے ساتھ محض ایمان نہیں تم جہاں بھی پڑھو گے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر ضرور ہوگا۔

"خوف" اور "حزن" میں فرق

﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ پس نہ خوف ہوگا ان پر ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف کا تعلق آئندہ کے

ساتھ ہوتا ہے کہ جب وہ جنت میں جائیں گے تو انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا کہ ہم مرجائیں گے یا بیمار ہوں گے یا جنت سے نکالے جائیں گے۔ اور حزن اور غم ہوتا ہے گزشتہ چیز پر۔ تو جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ غم نہیں ہوگا کہ کاش! کہ ہم ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے کیوں کہ یہ تو وہ تمام کر کے آئے ہوں گے تو وہ اپنے کیے پر مطمئن ہوں گے ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ﴿بِاٰيٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں کو ﴿يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ﴾ پہنچے گا ان کو عذاب، قبر میں بھی اور دوزخ میں بھی ﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ پرسوں کے سبق میں بیان ہوا تھا کہ مشرکوں کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر صفا کی پہاڑی سونا بن جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا۔

دنیا کے ہوتے ہوئے بھی فقر و فاقہ کو ترجیح دینا

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان کروایا فرمایا ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ﴾ آپ کہہ دیں میں نہیں کہتا تمہیں ﴿عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ﴾ کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں، میں خزانوں کا مالک ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دو دو، تین تین مہینے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی مہمان آتا تو ساتھیوں سے پوچھتے کہ اس کی خدمت کون کرے گا؟ جو ذمہ لیتا وہ مہمان کو ساتھ لے جاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کا عجیب واقعہ

چنانچہ ایک دفعہ ایک مہمان آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عادت مبارک کے مطابق پوچھا کہ مہمان کی خدمت کون کرے گا مگر مہمان بول پڑا اور کہنے لگا کہ حضرت! میں آپ کا مہمان ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ عائشہ کے پاس ان سے جا کر کہو کہ گھر میں جو چیز کھانے کی ہے بھیج دو۔ انھوں نے جواب دیا کہ گھر نہ آٹا ہے، نہ دانے ہیں، نہ کھجوریں ہیں، نہ دودھ ہے، کوئی چیز کھانے کی گھر میں نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہ یک وقت نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ تمام حجروں سے پتہ کرایا مگر کسی بیوی کے حجرے سے ایک مہمان کا کھانا نہ مل سکا۔ نمازی بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمام گھروں سے دریافت کیا ہے۔ میرے کسی گھر سے ایک مہمان کا کھانا نہیں مل سکا آپ حضرات میں سے کوئی ہے جو یہ قربانی دے اور میرے مہمان کو کھانا کھلا دے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میں حاضر ہوں۔ سوچو بھئی! کہ جو دنیا کے خزانوں کے مالک ہوں دوسروں کو کہتے ہیں کہ میرے مہمان کو کھانا کھلا دو۔

ایک سائل کا آپ ﷺ کے ساتھ عجیب سلوک

ایک موقع پر ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا آپ ﷺ کے پاس جو کچھ تھا آپ ﷺ نے اس کو دے دیا کچھ وقفے کے بعد پھر وہ آیا اس وقت بھی جو آپ کے پاس تھا اس کو دے دیا کچھ وقفے کے بعد پھر وہ آیا اس وقت آپ ﷺ کے پاس کچھ نہیں تھا فرمایا کہ آج میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تھا وہ جذباتی کہنے لگا میرے نے واسطے تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔
آپ ﷺ نے فرمایا ((یَغْضِبُ عَلَیْنَا عَلٰی اَ لَّا اَجِدُ مَا اُعْطِیْهِ)) اللہ تعالیٰ کا بندہ اس لیے غصہ کرتا ہے کہ میرے پاس دینے کے لیے شے کوئی نہیں ہے۔ کیا خزانوں کے مالک کے پاس ایک سائل کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا؟ خزانوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

علام الغیوب صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ کا ہونا

اور دوسرا اعلان کرنا ہے کہ ﴿وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ اور میں نہیں جانتا غیب اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا البتہ آپ ﷺ نے غیب کی خبریں بتائی ہیں جس طرح کہ پارہ ۱۲ سورہ ہود میں آتا ہے ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ﴾ "یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم آپ ﷺ کی طرف بھیجتے ہیں۔" ایک مقام میں آتا ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ﴾ [آل عمران: ۴۴] "یہ غیب کی خبروں میں سے ہے اس کو ہم آپ ﷺ کی طرف وحی کرتے ہیں۔" تو ﴿اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ﴾ کا معنیٰ ہے غیب کی خبریں۔ تو غیب اور چیز ہے اور غیب کی خبریں اور چیز ہے۔

اخبار و قصص کا آپ ﷺ کو بتایا جانا

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو غیب کی خبریں بتائی ہیں کہ مثلاً: پہلے پیغمبر اس طرح آئے انھوں نے اس طرح وعظ کیا اور قوموں کو سمجھایا۔ جب قوموں نے نہ مانا تو وہ اس طرح تباہ ہوئیں اور لوگوں کے ساتھ کیا کیا حالات پیش آئے۔ اسی طرح قیامت تک کی موٹی موٹی خبریں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتائیں۔ مثلاً: یہ کہ دجال ظاہر ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور یاجوج اور ماجوج کی قوم ظاہر ہوگی اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ قبر میں یہ کچھ ہوگا اور میدانِ محشر میں یہ، یہ حالات پیش آئیں گے، جنت میں یہ ہوگا اور دوزخ میں یہ ہوگا۔ اجمالی طور پر آپ ﷺ نے ان حالات سے آگاہ فرمایا ہے۔ یہ تمام غیب کی خبریں ہیں اور غیب کی خبریں جتنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائی ہیں وہ کسی اور پیغمبر کو نہیں بتلائیں۔

علم غیب کا معنیٰ

اور ایک ہے علم غیب، علم غیب تو ایک ذرہ بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ وہ کسی نبی ولی کو

حاصل نہیں ہے۔

تبلیغ دین کے لیے جانے والے وفد کا قصہ

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے۔روایت ہے بخاری شریف کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف قبیلوں کے لوگ آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی ہمارے ساتھ بھیجیں تا کہ وہ ہمیں دین کی تعلیم دیں مگر وہ آنے والے لوگ مکار تھے۔ پہلے تو ان کی بولیاں اور تھیں مگر جب وہ اپنے اپنے علاقے کے قریب پہنچے تو ان کی بولیاں بدل گئیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی شک گزرا کہ پہلے تو ان کا مزاج اور تھا اور اب اندازِ گفتگو بدل گیا ہے۔ان میں ایک لنگڑے صحابی تھے حضرت کعب بن یزید رضی اللہ عنہ اگر چہ وہ بھاگ تو نہیں سکتے تھے مگر وہ کہیں چھپ گئے اور باقی انہتر آدمیوں کو انھوں نے شہید کر دیا۔شہادت سے پہلے ان حضرات نے دعا کی: اَللّٰهُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔اے اللہ! ہماری اس مظلومیت کی خبر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے کہ ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ فَجَآءَ جِبْرَئِيْلُ فَاَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ تمہارے ساتھی دھوکے کے ساتھ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک پریشان رہے۔اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوتا تو اپنے ساتھیوں کو ان کے ساتھ کبھی نہ بھیجتے۔

کھانے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام کرنا

اور سنیے! ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے سازش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی جائے اور کھانے میں زہر ڈال کر ان کا کام تمام کر دیا جائے تا کہ ہماری جان چھوٹ جائے۔ چنانچہ زینب بنت الحارث نامی ایک یہودی عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا۔ پہلا لقمہ کھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا (بلکہ گوشت کے ٹکڑے نے بول کر کہا کہ حضرت! مجھ میں زہر ہے مت کھایئے)۔ [ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۶۴، مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۵۴۲] کہ اس میں زہر ہے۔اور اگر چہ بحمد اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس کا ناپاک ارادہ پورا نہ ہو سکا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت بشر بن براء بن معرور جان بر نہ ہو سکے۔ [ابوداؤد شریف ج ۲، ص ۲۶۴ و مستدرک ج ۳، ص ۲۱۹]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم غیب نہ تھا۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو بھی نہ مرنے دیتے۔ لہٰذا بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ایک ہے علم غیب۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ایک ہے غیب کی خبریں۔ وہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو دی ہیں۔

اور فرمایا یہ اعلان بھی کرنا ہے ﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾ اور میں نہیں کہتا تمہیں کہ میں فرشتہ ہوں میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔اور پندرہویں پارے میں ہے ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ﴾ اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیں میرا پروردگار پاک ہے ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۹۳] "نہیں ہوں میں مگر بشر رسول۔" اور سورۂ کہف میں ہے ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾

"آپ ﷺ کہہ دیں پختہ بات ہے میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔" یہ قرآن کریم تمہارے سامنے ہے۔خود فیصلہ کرلو کہ آپ انسان تھے یا ملک نوری تھے۔

"آپ ﷺ کا سایہ مبارکہ" دلائل کی روشنی میں

مگر وہ فرقے بھی موجود ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں آپ ﷺ کو بشر نہ کہو کیوں کہ آپ ﷺ نور ہیں۔اور دلیل دیتے ہیں کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ یہ بات ان کی بالکل غلط ہے۔ میں نے اپنی کتاب تنقید متین میں صحیح روایت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ تھا۔اس کتاب کا مطالعہ کرلینا۔ اور جو روایت یہ لوگ پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا اس روایت میں ایک راوی ہے عبدالرحمٰن بن قیس زعفرانی یہ راوی رافضی تھا اس کے متعلق محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کَذَّابٌ خَبِيْثٌ يَضَعُ الْحَدِيْثَ پرلے درجے کا جھوٹا اور خبیث راوی تھا جعلی حدیثیں بناتا تھا۔تو یہ کذاب اور خبیث راوی کی حدیث ہے۔اور اس کے مقابلہ میں صحیح روایات میں موجود ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ تھا۔

دنیا میں آپ ﷺ کو جنت و دوزخ کا نظارہ ہونا

چنانچہ ایک روایت میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آنحضرت ﷺ ایک رات نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا پھر پیچھے ہٹالیا۔پس ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو اس نماز میں ایسی کارروائی کرتے دیکھا ہے جو آپ ﷺ نے اس سے قبل نہیں کی۔فرمایا ہاں! مجھ پر بلا شبہ جنت پیش کی گئی تو میں نے اس میں اُونچے درخت دیکھے جن کے گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے کچھ لے لوں۔پس میری طرف وحی آئی کہ پیچھے ہٹ جاسو میں پیچھے ہٹ گیا۔اور مجھ پر دوزخ پیش کی گئی اور میرے اور تمہارے درمیان تھی یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی میں رَاَيْتُ ظِلِّيْ وَ ظِلَّكُمْ میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔پس میں نے تمہیں اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ سو میری طرف وحی آئی کہ ان کو ان کی جگہ ٹکا رہنے دے۔کیوں کہ تو نے اسلام قبول کیا اور انھوں نے بھی، تو نے بھی ہجرت کی اور انہوں نے بھی، تو نے بھی جہاد کیا اور انہوں نے بھی، پس میں تیری ان پر بجز نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں دیکھتا۔پس میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ میری امت میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہوگی۔" [مستدرک حاکم: ج ۴، ص ۴۵٦]۔اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ تھا جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سایہ تھا آپ ﷺ بشر تھے۔

لوازماتِ بشریہ کا آپ ﷺ کے بشر ہونے پر دلالت کرنا

اور تمام لوازمات بشریہ آپ کے ساتھ تھیں۔آپ ﷺ کو بھوک پیاس بھی لگتی تھی گرمی سردی بھی لگتی تھی بیمار اور

تندرست بھی ہوتے تھے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر اور گھٹنوں میں اتنا درد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ کیا فرشتوں کی کمر میں بھی درد ہوتا ہے اور ان کے گھٹنوں میں بھی تکلیف ہوتی ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان کروایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں کہ میں نوری فرشتہ نہیں ہوں انسان ہوں، بشر ہوں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا رتبہ عطا فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق میں سے اور کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ رتبہ اور مقام اور چیز ہے اور ذات اور چیز ہے۔

فرمایا ﴿اِنْ اَتَّبِعُ﴾ میں نہیں پیروی کرتا ﴿اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ﴾ مگر اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ میں قرآن کی پیروی کرتا ہوں، حدیث کی پیروی کرتا ہوں۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ﴾ کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا۔ جس طرح یہ برابر نہیں ہیں اسی طرح مومن اور کافر بھی برابر نہیں ہیں، موحد اور مشرک برابر نہیں ہیں، سنت پر چلنے والا اور مشرک برابر نہیں ہیں۔ ﴿اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ کتنی موٹی اور واضح باتیں تمہارے سامنے ہیں۔

﴿وَ اَنْذِرْ بِهِ﴾ اور آپ ڈرائیں اس قرآن کے ذریعے ﴿الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ﴾ ان لوگوں کو جو خوف کھاتے ہیں ﴿اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ﴾ اس بات سے کہ ان کو جمع کیا جائے گا ان کے رب کے پاس ﴿لَیْسَ لَهُمْ﴾ نہیں ہوگا ان کے لیے ﴿مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے ورے ﴿وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ﴾ کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی ﴿لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں ﴿وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ اور مجلس سے دھکیل کر نہ نکال ان لوگوں کو ﴿بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ﴾ پہلے پہر اور پچھلے پہر ﴿یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا ﴿مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ نہیں ہے آپ پر ان کے حساب میں سے کچھ بھی ﴿وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ اور نہیں ہے آپ کے حساب میں سے ان پر کوئی شے ﴿فَتَطْرُدَهُمْ﴾ پس آپ ان کو دھکیل دیں ﴿فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ تو ہو جائیں گے آپ ناانصافوں میں سے ﴿وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا﴾ اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈالا ﴿بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ بعض کو بعض کے ذریعے ﴿لِّیَقُوْلُوْۤا﴾ تاکہ کہیں وہ ﴿اَهٰۤؤُلَآءِ﴾ کیا یہ لوگ ہیں ﴿مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہمارے درمیان سے ﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ﴾ خوب جاننے والا شکر گزاروں کو ﴿وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ﴾ اور جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا﴾ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر ﴿فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ﴾ پس آپ کہیں سلام ہو تم پر ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ﴾ لکھی تمہارے رب نے ﴿عَلٰى نَفْسِهِ﴾ اپنی ذات پر ﴿الرَّحْمَةَ﴾ رحمت ﴿اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ﴾

سُوْٓءًۢا﴾ بے شک شان یہ ہے جو شخص تم میں سے عمل کرے گا بُرا ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ نادانی کے ساتھ ﴿ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ پھر اس نے توبہ کی اس کے بعد ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کی ﴿فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور تاکہ خوب روشن ہو جائے مجرموں کا راستہ۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیت کریمہ میں تھا کہ میں نہیں پیروی کرتا مگر اس چیز کی جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔ اب فرمایا کہ اس وحی قرآن کے ذریعے لوگوں کو ڈرائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَنْذِرْ بِهِ﴾ اور آپ ڈرائیں اس قرآن کے ذریعے ﴿الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ﴾ ان لوگوں کو جو خوف کھاتے ہیں ﴿اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ﴾ اس بات سے کہ ان کو جمع کیا جائے گا ان کے رب کے پاس یعنی رب تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی۔

قرآن سمجھنے اور سمجھانے کی فضیلت

یاد رکھنا! قرآن کریم کو سمجھنا اور پھر آگے سمجھانا بہت بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جہادِ کبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ الفرقان میں ہے ﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ "اور جہاد کریں ان کے ساتھ قرآن کریم کے ذریعے بڑا جہاد۔" تو یہاں جہادِ کبیر سے مراد قرآن کریم کی تعلیم ہے اور اس کا سمجھنا سمجھانا مراد ہے۔ قرآن کریم کی نشر و اشاعت کرنا مراد ہے۔ اور کافروں کے ساتھ جہاد بالسیف کرنا جہادِ اصغر ہے اور قرآن کریم کی تعلیم کے ذریعے جہاد کرنا جہادِ کبیر ہے۔ لہٰذا تم بھی یہ جہاد کیا کرو اس طرح کہ جو تم پڑھتے ہو اس کو گھروں میں جا کر پڑھایا اور سنایا کرو۔

تو فرمایا کہ ان کو رب تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا ﴿لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ﴾ نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ورے کوئی حمایتی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی کوئی حمایت نہیں کر سکے گا اور اس کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا ﴿وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ اور نہ کوئی سفارشی ہوگا اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکے گا ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ "کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔" آنحضرت ﷺ میدانِ محشر میں تمام مخلوق کے لیے سفارش کریں گے تو آپ ﷺ سجدے میں گر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف حمد و ثنا کریں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی پھر سفارش کریں گے۔ فرمایا ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔ کفر سے، شرک سے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔

کفارِ قریش کودعوت دینے کا خصوصی انداز

آگے ایک واقعہ بیان ہوا ہے وہ اس طرح کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پروگرام بنایا کہ مکہ مکرمہ کے سرداروں سے براہِ راست ملاقات کی جائے اوران کوتوحید کی، اسلام کی، دین کی دعوت دی جائے۔ان میں سے بعضوں نے وقت تو دیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دین کوقبول نہ کیااور بعضوں نے وقت ہی نہ دیااور بہانے بنائے کہ مثلاً: سویا ہوا ہے یا یہ کہہ دیا کہ بیمار ہے یا گھر میں نہیں ہے۔مگر ایک دوسرے موقع پر سردارانِ قریش نے آپس میں مشورہ کیا کہ خوداس کے پاس چلتے ہیں اور الٹے سیدھے مطالبات کرکے اس کو پریشان کرتے ہیں مگراس کی کوئی بات نہیں ماننی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں غرباء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے رہتے تھے ان کا اپنا کوئی کاروبار نہیں تھا، نہ تجارت، نہ زراعت۔ صاحب حیثیت اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کو کھانا کھلادیتے تھے اور یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔جیسے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ ،حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ،حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ ،حضرت یاسر رضی اللہ عنہ ،حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ اور مالی اعتبار سے کمزور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۔

سردارانِ قریش کا تکبرو غرور

یہ سردارانِ قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آج ہم آپ کی بات سننے کے لیے آئے ہیں مگر ہماری شرط یہ ہے کہ ہم سرداران کمی (گھٹیا) (معاذ اللہ) قسم کے لوگوں میں بیٹھ کر بات نہیں سنیں گے۔ پہلے ان کو مجلس سے اٹھاؤ پھر ہم بات سنیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں محض خیال ہی پیدا ہوا تھا کہ میں ان لوگوں کی تلاش میں تھا یہ لوگ ملتے نہیں تھے اور آج یہ خود بہ خود آگئے ہیں۔لہٰذا ان کے مطالبے کے پیش نظر تھوڑی دیر کے لیے ان ساتھیوں کو مجلس سے اٹھادوں اور یہ میری بات سن لیں تو حرج والی بات نہیں ہے۔اور شرعی اور فقہی طور پر اس بات کی اجازت بھی ہے کہ مثلاً: کوئی استاد اپنے شاگردوں میں سے کسی کو مجلس سے اٹھادے تو وہ اس کا مجاز ہے، پیر اگر اپنے مریدوں میں سے کسی کو مجلس سے اٹھادے تو اس کو یہ حق حاصل ہے۔باپ اپنے بیٹے کو یا کوئی بڑا آدمی اپنے ماتحت کو مجلس سے اٹھادے کسی خاص بات کے لیے تو اس کو یہ حق حاصل ہے۔تو جب ان حضرات کو یہ حق حاصل ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو یہ حق کروڑ درجے زیادہ حاصل ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق بہت زیادہ ہے۔لیکن رب تعالیٰ کی رحمت نے گوارہ نہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حق استعمال فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا مسلمان غرباء کی حوصلہ افزائی کرنا

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ ﴾ اور مجلس سے دھکیل کر نہ نکال ان لوگوں کو ﴿ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو ﴿ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ﴾ پہلے پہر اور پچھلے پہر۔ اور اللہ تعالیٰ کو پکارنے سے ان کا مقصود کیا ہے؟ ﴿ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ چاہتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی رضا ﴿مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ نہیں ہے آپ پر ان کے حساب میں سے کچھ بھی ﴿وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ اور نہیں ہے آپ کے حساب میں سے ان پر کوئی شے۔ وہ اپنا حساب دیں گے اور آپ اپنا حساب دیں گے۔ ﴿فَتَطْرُدَهُمْ﴾ پس آپ ان کو دھکیل دیں ﴿فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ تو ہو جائیں گے آپ ناانصافوں میں سے۔

غرباء کو مجلس سے نہ اٹھانے میں حکمت

اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو بہتر جانتا ہے اس لیے اس نے ایسا نہیں کرنے دیا لیکن اگر اس موقعہ پر ایسا ہو جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرعی طور پر اٹھا دینے کے مجاز بھی تھے تو پھر قیامت تک امیر کی مجلس اور ہوتی اور غریب کی مجلس اور ہوتی اور غریب امیروں میں کبھی نہ بیٹھ سکتے اور لوگ اس واقعہ کو بطور سند کے پیش کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کو مال دار کافروں کے لیے مجلس سے اٹھا دیا تھا۔

غیر مسلموں میں انتہاء درجے کی تفریق پسندی

اور یہی خرابی آج کل یورپ میں ہے کہ کیا مجال ہے کہ سیاہ فام عیسائی، سفید فام عیسائی کے گرجے میں داخل ہو سکے۔ یعنی کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے گرجے الگ ہیں، کالوں کے سکول الگ ہیں اور گوروں کے سکول الگ ہیں۔ یہاں تک کہ کالا گورے کے ہسپتال سے علاج نہیں کروا سکتا، کالا عیسائی گورے عیسائی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا۔ اور یہی گورے کالے جب مسلمان ہو جاتے ہیں تو اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہوتے ہیں۔ لوگ ان کو دیکھتے ہیں تو بڑا تعجب کرتے ہیں اور اسلام آیا ہی اس تفریق کو مٹانے کے لیے ہے۔ کالوں کا خالق بھی رب ہے اور گوروں کا خالق بھی رب ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے گوارہ نہ کیا کہ غریبوں کو مجلس سے اٹھایا جائے فرمایا ان کا جی چاہتا ہے تو آپ کی بات سنیں اور اگر نہیں چاہتا تو نہ سنیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا﴾ اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈالا ﴿بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ بعض کو بعض کے ذریعے۔ کسی کو مال دیا، کسی کو شکل و صورت عطا فرمائی، کسی کو قدر، کسی کو اولاد، کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ دیا۔ ﴿لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ﴾ تاکہ کہیں وہ لوگ کیا یہ لوگ ہیں ﴿مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا﴾ جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہمارے درمیان سے۔

کفار کا اعتراض

کافر کہتے تھے کہ اسلام اگر کوئی سچی چیز ہوتی تو ہمیں کیوں نہ سمجھ آتی صرف ان کو سمجھ آئی اور کیا اسلام کا احسان رب تعالیٰ نے صرف ان پر کیا ہے ہم پر نہیں کر سکتا تھا۔

جواب

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ﴾ خوب جاننے والا شکر

گزاروں کو۔ اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے کہ یہ شکر گزار ہیں اور رب تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں گو کمزور ہیں۔ تو کہاں یہ اور کہاں تمہارا تکبر اور غرور۔

ذاتِ باری تعالیٰ کا غرباء کی دل جوئی کرنا

فرمایا ﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ﴾ اور جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا﴾ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر ﴿فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ پس آپ کہیں سلام ہو تم پر۔ یعنی ان کی دل جوئی کے لیے ان کو سلام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے غریبوں کے ساتھ کتنی ہمدردی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ﴾ لکھی تمہارے رب نے ﴿عَلٰى نَفْسِهِ﴾ اپنی ذات پر ﴿الرَّحْمَةَ﴾ رحمت۔ اور یہ اس کی رحمت ہی کا نتیجہ ہے کہ غریب کو مقام حاصل ہے۔

فرمایا ﴿اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا﴾ بے شک شان یہ ہے جو شخص تم میں سے عمل کرے گا بُرا ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ نادانی کے ساتھ ﴿ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ پھر اس نے توبہ کی اس کے بعد ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کی۔

کون سی توبہ قابلِ قبول ہے؟

محض زبان سے توبہ توبہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جب تک آدمی سچے دل سے توبہ نہ کرے اس طرح کہ اپنی اصلاح کرے اور پھر وہ گناہ نہ کرے اور اگر صرف زبان سے توبہ توبہ کرتا رہے اور ساتھ ساتھ برائی بھی کرتا رہے یہ تو اللہ رب العزت کے ساتھ مذاق ہے۔

"جہالت" کی تحقیق

"جہالت" کا لفظ آیا ہے کہ جہالت کی وجہ سے برائی کی تو جہالت کبھی ابتداء میں ہوتی ہے کہ علم نہیں تھا اور گناہ کر لیا۔ معلوم نہیں تھا کہ یہ گناہ ہے۔ اور ایک جہالت انتہاء کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ مسئلے کا تو علم ہے یہ کام گناہ کا ہے مگر اس کی سزا سے واقف نہیں ہے کہ اس گناہ پر یہ سزا ملنی ہے اور اگر اس کی سزا سے واقف ہوتا تو کبھی بھی گناہ کا ارتکاب نہ کرتا۔ ان دونوں جہالتوں کا اعتبار ہے۔ ﴿فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں آیتیں۔ کیوں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں؟ ﴿وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور تاکہ خوب روشن ہو جائے مجرموں کا راستہ۔ حق و باطل کا امتیاز ہو جائے توحید اور شرک کا فرق واضح ہو جائے سنت اور بدعت کے میان امتیاز ہو جائے اور کوئی شخص غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔

﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں مجھے منع کیا گیا ہے ﴿اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ﴾ اس بات سے کہ میں عبادت کروں ﴿تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیں میں نہیں پیروی کروں گا تمہاری خواہشات کی ﴿قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا﴾ تحقیق میں تو اس وقت بہک جاؤں گا ﴿وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ﴾ اور نہیں ہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں سے ﴿قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں میں بے شک واضح دلیل پر ہوں ﴿مِّنْ رَّبِّیْ﴾ اپنے رب کی طرف سے ﴿وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ﴾ اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے ﴿مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ﴾ نہیں ہے میرے پاس وہ چیز جس کی تم جلدی کرتے ہو ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿یَقُصُّ الْحَقَّ﴾ وہ بیان کرتا ہے حق کو ﴿وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ﴾ اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیں بے شک اگر میرے پاس ہوتی ﴿مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ﴾ وہ چیز جس کی تم جلدی کرتے ہو ﴿لَقُضِیَ الْاَمْرُ﴾ تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا معاملے کا ﴿بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ﴾ میرے اور تمہارے درمیان ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ﴾ اور اسی (اللہ تعالیٰ) کے پاس ہی ہیں غیب کی چابیاں ﴿لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں جانتا ان کو کوئی مگر صرف وہی ﴿وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور سمندر میں ہے ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ﴾ اور نہیں گرتا کوئی پتہ ﴿اِلَّا یَعْلَمُهَا﴾ مگر وہ اس کو جانتا ہے ﴿وَلَا حَبَّةٍ﴾ اور نہ کوئی دانہ ﴿فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ﴾ زمین کی تاریکیوں میں ہے ﴿وَلَا رَطْبٍ﴾ اور نہ کوئی تر چیز ﴿وَّلَا یَابِسٍ﴾ اور نہ کوئی خشک چیز ﴿اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾ مگر وہ اس کتاب میں ہے جو واضح کرنے والی ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور وہ، وہ ذات ہے ﴿یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ﴾ جو وفات دیتا ہے تمہیں رات کو (یعنی نیند دیتا ہے رات کو) ﴿وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ اور وہ جانتا ہے جو تم کماتے ہو دن کو ﴿ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ﴾ پھر وہ اٹھاتا ہے تم کو ﴿لِیُقْضٰۤی﴾ تاکہ طے کیا جائے ﴿اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ مقررہ میعاد کو ﴿ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر اسی کی طرف ہے تمہارا لوٹنا ﴿ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ﴾ پھر وہ تمہیں بتلائے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ وہ کام جو تم کرتے تھے۔

ربط:

مشرکین کے عقائد کے خلاف جب مسائل بیان کیے جاتے تو ان کو بڑی تکلیف ہوتی اور اس سے ان کو بڑا صدمہ ہوتا۔ مسائل حقہ سے ان کو بڑی ضد اور چڑ تھی۔ خصوصاً مسئلہ الٰہ سے کہ جب کہا جاتا ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ تو ان کے دماغ میں

چوٹ لگتی۔ سورۃ الصافات میں ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ "بے شک جب ان کو کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے کوئی معبود نہیں ہے کوئی مسجود نہیں ہے، کوئی حاجت روا مشکل کشا نہیں ہے، کوئی فریادرس نہیں ہے، کوئی دستگیر نہیں ہے تو اکڑتے ہیں، تکبر کرتے ہیں" اور کہتے ہیں ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ [ص:۵] "کیا اس نے سب خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے۔"

کفار کے وفد کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور سوال کرنا

اسی سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ مکرمہ کے سرداروں کا ایک وفد آیا وفد خاصا بڑا تھا کہ اس میں ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی شریک تھا اور کچھ آدمی دیکھا دیکھی ساتھ مل گئے اور کچھ حضرات آپ کے پاس پہلے سے بیٹھے تھے۔ ان کے متکلم نے گفتگو شروع کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مکہ مکرمہ میں لوگ بڑے پیار سے رہ رہے تھے۔ کوئی لڑائی جھگڑا اور اختلاف نہیں تھا جس دن سے آپ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی رٹ لگائی ہے اس دن سے گھر گھر جھگڑا شروع ہو گیا ہے کہ باپ بیٹے کے خلاف ہے، بھائی، بھائی کے خلاف ہے، بیوی خاوند میں اختلاف ہے، اور خسر اور داماد میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کے ذمہ دار صرف آپ ہیں۔ ہم اور طریقے سے بھی علاج کر سکتے ہیں مگر مل بیٹھ کر مسئلہ حل ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ وقت صلح صفائی سے پاس ہو جائے۔ آپ اس طرح کریں کہ ہمارے خداؤں کو تسلیم کر لیں کہ ان سے حاجتیں مانگیں اور ہم آپ کے الٰہ کو پکاریں گے اور اس سے حاجتیں طلب کریں گے

اللہ رب العزت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیغمبر! آپ ان کو جواب دیں ﴿قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں مجھے منع کیا گیا ہے ﴿اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ﴾ اس بات سے کہ میں عبادت کروں ﴿تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو تم پکارتے ہو، حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں میں نہیں پیروی کروں گا تمہاری خواہشات کی، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور الٰہ بناؤں تو ﴿قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا﴾ تحقیق میں تو اس وقت بہک جاؤں گا ﴿وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ اور نہیں ہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں سے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے، نبی بنایا اور قرآن نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا میں تمہاری بات کس طرح مان سکتا ہوں؟

اور یہ بات آپ حضرات اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ کافروں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا کہ ہم آپ کو نبی ماننے کے لیے تیار ہیں اگر آپ صفا پہاڑی کو سونا بنا دیں اور یہ اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا۔ اس وفد میں سے ایک نے کہا کہ خوشی تو آپ دکھا نہیں سکے۔ نہ آپ کی سونے کی کوئی کوٹھی ہے، نہ باغ ہے، نہ پانی کے چشمے ہیں۔ چلو پھر جس عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو وہی لے آؤ تاکہ تمہارے لیے میدان صاف ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ اِنِّیْ عَلٰى بَیِّنَةٍ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیں میں بے شک واضح دلیل پر ہوں ﴿مِّنْ رَّبِّیْ﴾ اپنے رب کی طرف سے ﴿وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ﴾ اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے ﴿مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ﴾ نہیں ہے میرے پاس وہ عذاب جس کی تم جلدی کرتے ہو ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿یَقُصُّ الْحَقَّ﴾ وہ بیان کرتا ہے حق کو ﴿وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ﴾ اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیں بے شک اگر میرے پاس ہوتی ﴿مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ﴾ وہ چیز جس کی تم جلدی کرتے ہو ﴿لَقُضِیَ الْاَمْرُ﴾ تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا معاملے کا ﴿بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ﴾ میرے اور تمہارے درمیان۔ اگر میرے پاس عذاب ہوتا تو جب تم نے پہلی مرتبہ انکار کیا تھا اس وقت تم پر نازل کر دیتا مگر رحمت بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور عذاب بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات میں سے ایک رتی کے برابر بھی کسی کو کچھ نہیں دیا۔ ﴿وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔

کفار کا دوسرا سوال

پھر انھوں نے گفتگو کا رخ بدلا اور کہنے لگے کہ دیکھو نہ تم صفا کو سونا بنا سکے اور نہ ہی تم عذاب لانے پر قادر ہو اور عذاب کی دھمکیاں بھی دیتے ہو۔ چلو پھر ہمیں عذاب کا وقت ہی بتا دو۔ آگے اس بات کا جواب ہے۔

جواب

فرمایا ﴿وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ﴾ اور اسی اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہیں غیب کی چابیاں۔ غیب کے خزانے اور غیب کی چابیاں رب تعالیٰ کے پاس ہیں ﴿لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں جانتا ان کو کوئی مگر صرف وہی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم پر عذاب کب آئے گا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا وقت بھی نہیں بتایا۔

"مَفَاتِحُ" کی تحقیق

مَفَاتِحُ، مِفْتَحٌ کی جمع بھی بن سکتی ہے، اور مِفْتَحٌ کے معنیٰ ہیں ''چابی''۔ تو معنیٰ ہوں گے چابیاں رب تعالیٰ کے پاس ہیں اور مَفْتَحٌ کی جمع بھی بن سکتی ہے اور مَفْتَحٌ کے معنیٰ ہیں خزانہ۔ تو اس وقت معنیٰ بنے گا کہ غیب کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

اور اس سے پہلے رکوع میں تم پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان کروایا کہ ﴿قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ﴾ میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں ﴿وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ اور میں اعلان کرتا ہوں کہ میں غیب نہیں جانتا۔ ﴿وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾ اور جانتا ہے وہ (اللہ) جو کچھ خشکی میں ہے اور سمندر میں ہے۔

بغیر اذنِ الٰہی کے ایک پتے کا بھی حرکت نہ کر سکنا

﴿وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ﴾ اور نہیں گرتا کوئی پتہ کسی درخت سے ﴿اِلَّا یَعْلَمُهَا﴾ مگر وہ اس کو جانتا ہے وہ رب تعالیٰ کے علم

میں ہے دنیا میں بے شمار درخت ہیں کسی کے پتے چوڑے ہیں کسی کے لمبے ہیں کسی کے موٹے ہیں کسی کے پتلے ہیں جب بھی کوئی گرتا ہے رب تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ ﴿وَلَا حَبَّةٍ﴾ اور نہ کوئی دانہ ﴿فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ﴾ زمین کی تاریکیوں میں ایسا ہے جو رب تعالیٰ کے علم میں نہ ہو ﴿وَلَا رَطْبٍ﴾ اور نہ کوئی تر چیز ﴿وَّلَا یَابِسٍ﴾ اور نہ کوئی خشک چیز ﴿اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾ مگر وہ اس کتاب میں ہے جو واضح کرنے والی ہے۔

کتابِ مبین سے مراد

کتابِ مبین سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ اور لوحِ محفوظ اللہ تعالیٰ کے علم کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ لوحِ محفوظ میں تو دنیا کی تخلیق سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک کی تمام چیزیں درج ہیں اس سے پہلے کی اور دنیا کے فنا ہونے کے بعد کی باتیں ابدالآباد تک کی، وہ لوحِ محفوظ میں نہیں ہیں اور وہ باتیں اس کی نسبت بہت زیادہ ہیں اور وہ تمام رب تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

”نیند“ اللہ تعالیٰ کی نعمت

﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور وہ، وہ ذات ہے ﴿یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ﴾ جو وفات دیتا ہے رات کو (یعنی نیند دیتا ہے رات کو)۔ نیند اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔ سورۂ نبا میں ہے ﴿وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ اور نیند کو ہم نے تمہارے لیے موجب آرام بنایا۔ اگر آدمی کو تین چار گھنٹے نیند نہ آئے تو پاگل ہو جائے یا نیم پاگل تو ضرور ہو جائے۔ ﴿وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ اور وہ جانتا ہے جو تم کماتے ہو دن کو کہ حلال کی ہے یا حرام کی ہے، دین کی کمائی ہے یا دنیا کی۔ سب رب تعالیٰ کے علم میں ہے ﴿ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ﴾ پھر وہ اٹھاتا ہے تم کو دن میں (صبح کے وقت)۔ نیک بخت وہ لوگ ہیں جو بروقت اٹھتے ہیں۔

شیطان کی انسان کے ساتھ کارروائی

بخاری شریف میں روایت آتی ہے کہ جب آدمی سوتا ہے تو شیطان اپنا منتر اور جادو پڑھ کر اس کے سر پر تین گرہیں لگاتا ہے اور کہتا ہے عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ سو جا رات لمبی ہے۔ اگر سحر کے وقت اٹھ کر وضو کیا تو ایک گرہ کھل جائے گی۔ نماز پڑھی، دوسری گرہ کھل گئی، اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تیسری گرہ کھل گئی۔ اور اگر نہ اٹھا تو یَبُوْلُ فِیْ اُذُنَیْهِ اس کے دونوں کانوں میں پیشاب کر کے چلا جاتا ہے۔

اور جو شخص صبح سویرے اٹھتا ہے اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ طَیِّبُ نَفْسٍ اس کا نفس ہلکا پھلکا ہوتا ہے، خوش خوش ہوتا ہے۔ جو نہ اٹھا اور نماز قضا ہو گئی تو كَسْلَانُ خَبِیْثُ النَّفْسِ بڑا سست اور پلید نفس ہوتا ہے۔ کیوں کہ شیطان کے پیشاب نے بھی تو اثر دکھانا ہے۔ ﴿لِیُقْضٰۤى﴾ تاکہ طے کیا جائے ﴿اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ مقررہ میعاد کو ﴿ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر اسی کی طرف ہے تمہارا لوٹنا۔ ایک دن قیامت کا دن آنے والا ہے تم نے رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی۔

”خبر“ دینے کا مطلب

﴿ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ﴾ پھر وہ تمہیں بتلائے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ وہ کام جو تم کرتے تھے۔ خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ نیکی بدی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ رب تعالیٰ نے توحید کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور حق پر قائم رہنے کے لیے بڑا زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توحید پر قائم رکھے اور آخرت کے لیے نیکیاں کمانے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ﴾ اور وہ غالب ہے ﴿فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں پر ﴿وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً﴾ اور وہ بھیجتا ہے تم پر نگران ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے کسی ایک پر موت ﴿تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ اس کی جان نکالتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ﴿وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ﴾ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے ﴿ثُمَّ رُدُّوْۤا﴾ پھر وہ لوٹائے جاتے ہیں ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ جو ان کا سچا آقا ہے ﴿اَلَا﴾ خبردار ﴿لَهُ الْحُكْمُ﴾ اسی کا حکم ہے ﴿وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ﴾ اور وہی ہے جلد حساب لینے والا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ﴾ کون تمہیں نجات دیتا ہے ﴿مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں ﴿تَدْعُوْنَهٗ﴾ جس کو تم پکارتے ہو ﴿تَضَرُّعًا﴾ عاجزی سے ﴿وَّخُفْیَةً﴾ اور آہستہ آہستہ ﴿لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا﴾ البتہ اگر اس نے ہمیں بچا لیا ﴿مِنْ هٰذِهٖ﴾ اس مصیبت سے ﴿لَنَكُوْنَنَّ﴾ البتہ ضرور ہو جائیں گے ہم ﴿مِنَ الشّٰكِرِیْنَ﴾ شکر گزاروں میں سے ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی نجات دیتا ہے اس تکلیف سے ﴿وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾ اور ہر قسم کی تکلیفوں سے ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴾ پھر تم شرک کرتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ الْقَادِرُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ﴾ اس بات پر کہ بھیجے تم پر ﴿عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ عذاب تمہارے اوپر سے ﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے ﴿اَوْ یَلْبِسَكُمْ﴾ یا تمہیں خلط ملط کر دے ﴿شِیَعًا﴾ مختلف فرقوں میں ﴿وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ اور چکھائے تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ ﴿اُنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ﴾ کیسے پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو ﴿لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ﴾ تاکہ وہ سمجھ جائیں ﴿وَكَذَّبَ بِهٖ﴾ اور جھٹلایا اس قرآنِ کریم کو ﴿قَوْمُكَ﴾ تیری قوم نے ﴿وَهُوَ الْحَقُّ﴾ حالانکہ وہ قرآنِ پاک حق ہے ﴿قُلْ﴾ آپ (ﷺ) کہہ دیں ﴿لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ﴾ نہیں ہوں میں تم پر نگہبان ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ﴾ ہر خبر کے لیے ایک ٹھکانا ہے ﴿وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور عنقریب تم جان لوگے۔

مسئلہ توحید و شرک

شرک کا رد اور توحید کا اثبات، یہ موضوع چلا آ رہا ہے۔ توحید قرآن کے بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے اور مسئلہ توحید اس وقت تک سمجھ نہیں آ سکتا جب تک شرک کا مفہوم نہ سمجھا جائے۔ اس لیے قرآن کریم میں دونوں چیزوں کو بیان کیا گیا ہے۔ شرک کا رد اور توحید کا اثبات۔ توحید یہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اور شرک کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مافوق الاسباب طریقے سے تعلق جوڑا جائے۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ﴾ اور وہ غالب ہے ﴿فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں پر۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق پر غالب ہے اس کے حکم سے کوئی سرکشی نہیں کر سکتا۔

"حَفَظَةً" کی تحقیق

﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ اور وہ بھیجتا ہے تم پر نگران۔ حَفَظَةً، حَافِظٌ کی جمع مکسر ہے جس طرح کَفَرَةٌ کَافِرٌ کی جمع ہے اور فَجَرَةٌ فَاجِرٌ کی جمع ہے۔ ایک تفسیر کے مطابق نگران سے مراد کراماً کاتبین ہیں جو نیکی بدی لکھتے ہیں۔

سورۃ الانفطار میں آتا ہے ﴿وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ "اور حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں عالی قدر لکھنے والے جو کچھ تم کرتے ہو اسے وہ جانتے ہیں۔" اور سورۃ "ق" میں آتا ہے ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ "کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگران اس کے پاس تیار کھڑا ہے۔" جو بات زبان سے نکلتی ہے وہ اسے فوراً لکھ لیتا ہے۔ ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ "ایک فرشتہ دائیں کندھے پر ہے اور ایک بائیں پر موجود رہتا ہے۔"

ہمیں ان فرشتوں کے بیٹھنے کا احساس نہیں ہے۔ ہلکے پھلکے رومال کا کندھے کو احساس ہوتا ہے۔ چیونٹی کا کتنا وجود ہے اگر وہ بھی کندھے پر چڑھ جائے تو احساس ہو جاتا ہے مگر فرشتوں کے بیٹھنے کا ہمیں کوئی احساس نہیں ہے۔

حالانکہ جب فجر کی نماز شروع ہوتی ہے تو دو فرشتے آ جاتے ہیں اور جب عصر کی نماز شروع ہو گی تو یہ چلے جائیں گے اور دوسرے دو آ جائیں گے۔ یہ چار فرشتے دن رات کے انسان کے اعمال لکھتے ہیں۔ وہ اعمال، اقوال ہوں، چاہے افعال ہوں، یا اشارات ہوں۔ انسان جو بھی نیکی بدی کرتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اور جب ڈیوٹی تبدیل ہوتی ہے اور یہ فرشتے رب تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ رب تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے مگر ایک طریقہ کار ہے اس کا كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ؟ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں هُمْ يُصَلُّوْنَ وہ نماز میں مصروف تھے اور اب جب ہم واپس آئے ہیں تو بھی نماز میں مصروف تھے۔ اس لیے فجر اور عصر کی نماز کی بڑی اہمیت ہے۔ کیوں کہ اس وقت فرشتوں کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی ہے۔

سوال ✿ اب سوال یہ ہے کہ انسان دل میں جو نیکی اور بدی کا ارادہ کرتا ہے اس کو فرشتے جانتے ہیں یا نہیں؟

جواب ✿ تو دلوں کے راز فرشتوں کو معلوم نہیں ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو ﴿عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ ہے۔

دل میں خوشبو یا بدبو کا پیدا ہونا

تو پھر فرشتے نیکی والے ارادے کی نیکی کس طرح لکھتے ہیں؟ اس کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ انسان کے دل میں جب اچھی چیز کا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو فرشتوں کو اس کی خوشبو محسوس ہوتی ہے جس سے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے نیکی کا ارادہ کیا ہے اگرچہ وہ اس نیکی کا تعین نہیں کر سکتے کہ یہ کیا کرنا اور کیا کہنا چاہتا ہے مگر رائحۂ طیبہ سے محسوس کر کے لکھ لیتے ہیں۔ اور اگر برے کام کا ارادہ کرے تو اس سے بدبو ظاہر ہوتی ہے جس سے فرشتے سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے بدی کا ارادہ کیا ہے۔ اگرچہ وہ اس بدی کا تعین نہیں کر سکتے کہ اس نے کون سی بدی کا ارادہ کیا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ''نگران'' کا مفہوم

ایک تفسیر کے مطابق نگران سے مراد یہ فرشتے ہیں۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق نگران سے مراد وہ فرشتے ہیں جن کا ذکر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس فرشتے دن کو اور دس فرشتے رات کو انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں جب تک اور جن چیزوں سے حفاظت منظور ہوتی ہے یہ کرتے ہیں۔ تو بیس یہ اور چار وہ۔ چوبیس فرشتے ہر انسان کے ساتھ ہیں اور ہر جن کے ساتھ ہیں اس سے فرشتوں کی تعداد کا اندازہ خود لگا لو۔

آسمان کا فرشتوں سے بھرا ہوا ہونا

اس کے علاوہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آسمان پر چار انگشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت نہ کر رہا ہو۔ ساتوں آسمانوں کا یہی حال ہے اور عرش کے آس پاس جو فرشتے ہیں وہ تو شمار ہی میں نہیں آ سکتے۔ تو فرشتے اللہ تعالیٰ نے نگران مقرر فرمائے ہیں ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے کسی ایک پر موت ﴿تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ اس کی جان نکالتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ﴿وَهُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ﴾ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے جان نکالنے میں جس وقت جس کی جان نکالنی ہوتی ہے اسی وقت نکالتے ہیں اور جس کی جان نکالنی ہوتی ہے اسی کی نکالتے ہیں۔ اور لوگوں نے جو اس طرح کی کہانیاں بنائی ہوئی ہیں کہ ایک آدمی تھا اس کے نام کا ایک اور آدمی تھا۔ فرشتے کو غلطی لگ گئی وہ پہلے کی بجائے دوسرے کی جان نکال کر لے گیا۔ حاشا وکلا! ایسی کوئی بات نہیں ہے فرشتے بھول چوک سے پاک ہیں ﴿ثُمَّ رُدُّوۡۤا﴾ پھر وہ لوٹائے جاتے ہیں ﴿اِلَی اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿مَوۡلٰىهُمُ الۡحَقِّ﴾ جو ان کا سچا آقا اور بادشاہ ہے۔

ارواح کا علیین یا سجین میں جانا

مرنے والے اگر نیک ہیں تو ان کی ارواح کو علیین کے مقام میں پہنچایا جاتا ہے۔اور اگر بد ہیں تو سجین کے مقام میں پہنچایا جاتا ہے اور جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے ابھی لوگ قبر سے پیچھے نہیں ہٹتے کہ وہ زندہ ہو چکا ہوتا ہے اور فرشتے اس سے سوال جواب کرتے ہیں۔ مَنْ رَّبُّكَ؟ تیرا رب کون ہے؟ مَنْ نَّبِيُّكَ؟ تیرا نبی کون ہے؟ مَا دِيْنُكَ؟ تو کس دین پر تھا؟ اور لوگ جب اسے دفن کر کے واپس جا رہے ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ یہ مجھے دفن کر کے جا رہے ہیں۔

﴿اَلَا﴾ خبردار ﴿لَهُ الْحُكْمُ﴾ اسی کا حکم ہے ﴿وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ﴾ اور وہی ہے جلد حساب لینے والا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ﴾ کون تمہیں نجات دیتا ہے ﴿مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں۔خشکی کے اندھیرے، شیر، چیتے بھیڑیے اور دیگر موذی جانور اور ڈاکوؤں، چوروں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے۔اور جب تم سمندر کا سفر کرتے ہو کشتیوں پر تو سمندر کے اندھیروں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے؟ ﴿تَدْعُوْنَهٗ﴾ جس کو تم پکارتے ہو ﴿تَضَرُّعًا﴾ عاجزی سے ﴿وَّخُفْيَةً﴾ اور آہستہ آہستہ جب تم پریشانی میں مبتلا ہوتے ہو۔

ذکرِ خفی کی فضیلت

اور حدیث پاک میں آتا ہے خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ بہتر ذکر وہ ہے جو مخفی طور پر ہو صرف ہونٹ ہلیں اور اپنے کان سنیں۔اور حدیث کے مطابق آہستہ ذکر کرنے کا اجر بلند آواز سے ذکر کرنے سے ستر [۷۰] گنا زیادہ ہے۔ہاں شریعت نے جہاں بلند آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے وہاں بلند آواز سے کرو جیسے اذان بلند آواز سے کہنی ہے، تکبیر بلند آواز سے کہنی ہے، عیدالاضحیٰ کے موقع پر نویں تاریخ سے لے کر تیرہویں تاریخ تک ہر نماز کے بعد تکبیرات تشریق بلند آواز سے کہنی ہیں۔اسی طرح تلبیہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بلند آواز سے کہنا ہے۔اور جہاں شریعت نے بلند آواز سے کہنے کا حکم نہیں دیا وہاں آہستہ ہی بہتر ہے۔

ائمہ اربعہ کا بیان

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور باقی تینوں آئمہ بھی اس مسئلے پر متفق ہیں کہ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ بِدْعَةٌ وَّيُخَالِفُ الْاَمْرَ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى. "بلند آواز سے ذکر کرنا اور دعا کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مخالف ہے۔" بعض لوگ دعا اور دعا کی طرف توجہ کرانے کا فرق نہیں سمجھتے۔مثلاً: ایک آدمی کہتا ہے کہ فلاں آدمی فوت ہو گیا ہے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرو، فلاں بیمار ہے اس کی صحت کے لیے دعا کرو۔یہ دعا کی طرف توجہ دلانا ہے۔یہ بلند آواز سے کہے گا تو معلوم ہوگا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ اور ایک ہے دعا کرنا۔مثلاً: بارش کے لیے دعا کرنا، مسلمانوں کے لیے دعا کرنا، مجاہدین کی کامیابی کے لیے دعا کرنا، یہ آہستہ کرنی ہے اور ذکر جب بھی کرنا ہے آہستہ کرنا ہے۔

تو فرمایا کہ تم جب پریشان ہوتے ہو تو اسے پکارتے ہو اور کہتے ہو ﴿لَئِنْ اَنْجٰنَا﴾ البتہ اگر اس نے ہمیں بچا لیا ﴿مِنْ هٰذِهٖ﴾ اس مصیبت سے ﴿لَنَكُوْنَنَّ﴾ البتہ ضرور ہو جائیں گے ہم ﴿مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ شکر گزاروں میں سے۔ پکا مشرک بھی انتہائی مشکل میں صرف رب تعالیٰ کو پکارتا ہے۔

مشرکین کا انتہائی پریشانی کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارنا

چنانچہ سورۃ عنکبوت میں آتا ہے ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ پھر جب سوار ہوئے کشتیوں میں پکارنے لگے اللہ تعالیٰ کو خالص اسی پر رکھ کر اعتقاد۔ یعنی کشتیوں میں سوار ہونے کے بعد سمجھتے تھے کہ ہم طوفان کے گھیرے میں آگئے ہیں تو صرف رب تعالیٰ کو پکارتے تھے۔ اور کلمہ پڑھنے والا کہتا ہے: ؎

بگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

مصیبت کے چکر میں یعنی پانی کی موجوں میں کشتی پھنس گئی ہے اے معین الدین چشتی مدد کر۔ یہ کلمہ گو مشرک انتہائی مصیبت میں بھی غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔ بھائی! کیا شرک کے سینگ ہوتے ہیں؟ شرک بہت بری چیز ہے اللہ تعالیٰ اس سے بچائے اور محفوظ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی نجات دیتا ہے اس تکلیف سے ﴿وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾ اور ہر قسم کی تکلیفوں سے ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴾ پھر تم شرک کرتے ہو؟ جب تم انتہائی مصیبت میں پھنسے ہوتے ہو تو اس وقت صرف رب تعالیٰ ہی یاد آتا ہے۔ اور جب وہ تمہیں مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو اس وقت تمہیں اور بھی یاد آجاتے ہیں۔

مختلف قوموں پر عذاب کا تذکرہ

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ الْقَادِرُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ﴾ اس بات پر کہ بھیجے تم پر ﴿عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ عذاب تمہارے اوپر سے کہ پتھر برسائے تم پر جس طرح لوط علیہ السلام کی قوم پر برسائے تھے یا ہوا آئے اوپر سے جس طرح قوم عاد علیہ السلام پر رب تعالیٰ نے ہوا مسلط فرمائی تھی یا بارش کی صورت میں عذاب آئے کہ تم بھی اور تمہارے مکان بھی بہہ جائیں ﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب آئے، زلزلہ آئے، زمین پھٹ جائے اور تم قارون کی طرح زمین میں دھنس جاؤ۔ ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ﴾ یا تمہیں خلط ملط کر دے ﴿شِيَعًا﴾ مختلف فرقوں میں۔ تمہیں آپس میں لڑا کر گروہ در گروہ بنا دے ﴿وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ اور چکھائے تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب سے پناہ مانگنا

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے جب یہ الفاظ نازل ہوئے ﴿عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس عذاب سے ہمیں محفوظ رکھنا۔ پھر جب الفاظ ﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ اُترے تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے والے عذاب سے پناہ مانگی۔ آیت کا تیسرا ٹکڑا ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نسبتاً آسان ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ان تین دعاؤں میں سے اللہ تعالیٰ نے پہلی دو کو منظور کر لیا اور فرقہ بندی کے متعلق دعا قبول نہ ہوئی۔

فرمایا ﴿اُنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ﴾ کیسے پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو ﴿لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ﴾ تا کہ وہ سمجھ جائیں ﴿وَ كَذَّبَ بِهٖ﴾ اور جھٹلایا اس قرآن کریم کو ﴿قَوْمُكَ﴾ تیری قوم نے ﴿وَ هُوَ الْحَقُّ﴾ حالانکہ وہ قرآنِ پاک حق ہے۔

پیغمبر کے ذمے صرف پہنچانا ہی ہے یا منوانا بھی؟

﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ﴾ نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔ میں مبلغ ہوں، حق کی بات تم تک پہنچاتا ہوں، منوانا میرے فریضے میں داخل نہیں ہے۔ ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ﴾ ہر خبر کے لیے ایک ٹھکانہ ہے، وقت مقرر ہے۔ جب اس خبر کا وقت آئے گا وہ پوری ہو جائے گی۔ عذاب کی بھی، ثواب کی بھی، راحت کی بھی اور تکلیف کی بھی۔ ﴿وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور عن قریب تم جان لو گے کہ حق اور توحید کے انکار کرنے کا کیا نتیجہ ہے؟ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے۔ ساری حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ﴾ اور جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو ﴿يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا﴾ جو عیب جوئی کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿حَتّٰى يَخُوْضُوْا﴾ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں ﴿فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ﴾ کسی اور بات میں ﴿وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ﴾ اور اگر آپ کو بھلا دے شیطان ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى﴾ پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بیٹھیں یاد آ جانے کے بعد ﴿مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ظالم قوم کے ساتھ ﴿وَ مَا عَلَى الَّذِيْنَ﴾ اور نہیں ہے ان لوگوں پر ﴿يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ﴾ جو بچتے ہیں ان کے حساب میں سے ﴿مِّنْ شَيْءٍ﴾ کچھ بھی ﴿وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى﴾ اور لیکن نصیحت ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تا کہ وہ بچ جائیں ﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ﴾ اور آپ چھوڑ دیں ان لوگوں کو ﴿اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ﴾ جنھوں نے بنایا اپنے دین کو ﴿لَعِبًا وَّ لَهْوًا﴾ کھیل اور

تماشا ﴿وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا﴾ اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا کی زندگی نے ﴿وَذَكِّرۡ بِهٖۤ﴾ اور آپ نصیحت کریں اس قرآن پاک کے ذریعے ﴿اَنۡ تُبۡسَلَ نَفۡسٌ﴾ کہ نہ گرفتار کیا جائے کوئی نفس ﴿بِمَا كَسَبَتۡ﴾ اپنی کمائی کے ساتھ ﴿لَيۡسَ لَهَا﴾ نہیں ہوگا اس نفس کے لیے ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ﴾ کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی ﴿وَاِنۡ تَعۡدِلۡ﴾ اور اگر وہ فدیہ دے ﴿كُلَّ عَدۡلٍ﴾ پورا فدیہ ﴿لَّا يُؤۡخَذۡ مِنۡهَا﴾ تو نہیں لیا جائے گا اس سے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿اُبۡسِلُوۡا﴾ جو گرفتار کیے جائیں گے ﴿بِمَا كَسَبُوۡا﴾ اس کے بدلے میں جو انھوں نے کمایا ﴿لَهُمۡ شَرَابٌ﴾ ان کے لیے پینا ہوگا ﴿مِّنۡ حَمِيۡمٍ﴾ کھولتے ہوئے پانی سے ﴿وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ اور عذاب ہوگا دردناک ﴿بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ﴾ اس لیے کہ وہ انکار کرتے تھے۔

سُوَرِ قرآن کی وجہ تسمیہ

قرآنِ کریم کی سورتوں کے نام کسی خاص واقعہ اور قصے کی وجہ سے ہوتے ہیں جس کا ذکر سورت میں ہوتا ہے۔

سورۃ بقرہ کی وجہ تسمیہ

مثلاً: سورۃ فاتحہ کے بعد پہلی سورت ہے "البقرہ"۔ اس کا نام بقرہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بقرہ کے معنیٰ گائے کے بھی ہیں اور بیل کے بھی۔ اور سورت میں چونکہ بقرہ کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام بقرہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا واقعہ

واقعہ یوں پیش آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک آدمی قتل ہوا اور قاتلوں کا پتہ نہیں چل رہا تھا مقدمہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیل ذبح کرو اور اس کا ایک حصہ اس مقتول کو مارو وہ فوراً زندہ ہوکر تمہیں بتائے گا کہ میرا قاتل کون ہے۔ چنانچہ انھوں نے بیل کو ذبح کیا اور اس کا دل نکال کر اس کو مارا تو اس نے زندہ ہوکر بتادیا کہ میرا قاتل فلاں ہے۔

سورۃ النساء کی وجہ تسمیہ

اور ایک سورۃ کا نام النساء ہے۔ نساء کا معنیٰ ہے عورتیں۔ چوں کہ اس میں عورتوں کے حقوق کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام نساء ہے۔

سورۃ مائدہ کی وجہ تسمیہ

اور ایک سورۃ کا نام ہے مائدہ اور مائدہ کا معنیٰ ہے دستر خوان۔ اس میں چوں کہ مائدہ کا ذکر ہے وہ اس طرح کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دستر خوان مانگو جو آسمان سے اترے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما۔ اس لیے اس سورۃ کا نام ''مائدہ'' ہے۔

''اَنعام'' کی تحقیق اور وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا نام ''اَنعام'' ہے۔ انعام کے معنیٰ ہیں مویشی (ڈنگر)۔ اونٹ، بھیڑ، بکری وغیرہ۔

سورۂ عنکبوت کی وجہ تسمیہ

آگے ایک سورت آئے گی اس کا نام ہے عنکبوت۔ ''عنکبوت'' کا معنیٰ ہے مکڑی۔ چوں کہ اس میں مکڑی کی مثال بیان کی گئی ہے اس وجہ سے اس کا نام عنکبوت ہے۔ غرضیکہ سورتوں کے نام کسی خاص واقعہ کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

مشرکین کا سُوَرِ قرآن کا مذاق اڑانا

لیکن مشرکین مکہ اپنی مجلسوں اور چوپالوں میں قرآن کریم اور سورتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ اس طرح کہ مثلاً: ایک کہتا بھائی ''بقرہ'' میری ہے میں اس کا دودھ پیوں گا۔ چوں کہ بقرہ کے معنیٰ گائے بھی ہیں۔ اور دوسرا کہتا ''مائدہ'' میری ہے چونکہ میں کھانے کا بڑا شوقین ہوں۔ تیسرا کہتا کہ میں عورتوں کا بڑا شوقین ہوں لہٰذا ''نساء'' میری ہے۔ دوسروں کو کہتے بھائی عنکبوت تمہیں دیں گے۔ اور قرآن کریم میں چونکہ مکھی اور مچھر کا بھی ذکر ہے۔

چنانچہ مکھی کا ذکر سترہویں پارہ میں آتا ہے کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو ﴿لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لیے سب اکٹھے ہو جائیں۔ اور پہلے پارے میں مچھر کا ذکر آتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال ﴿بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ مچھر کی یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی۔

تو کبھی اس طرح مذاق اڑاتے کہ دیکھو! یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس میں مکھیوں اور مچھروں کا ذکر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثالیں سمجھانے کے لئے بیان فرمائی ہیں۔

''مخاطب'' کی تعریف

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا رَاَیْتَ﴾ اے مخاطب جب تو دیکھے۔ ''مخاطب'' سننے والے کو کہتے ہیں اور قیامت تک آنے والا ہر آدمی اس آیت کریمہ کا مخاطب ہے۔ ﴿الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ﴾ ان لوگوں کو جو عیب جوئی کرتے ہیں، شغل اور مسخرہ کرتے ہیں ﴿فِیْٓ اٰیٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں میں، ہماری آیتوں کے ساتھ ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دین کی باتوں کا مذاق اڑائیں ان کے پاس بالکل نہ بیٹھو۔

مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کہیں قرآن کریم کے خلاف بات ہو رہی ہو یا حدیث کے خلاف بات ہو رہی ہو یا اسلام کے خلاف بات ہو رہی ہو تو ایسی مجلس میں بیٹھنا گناہ ہے۔ یہ حکم ہے اور مذاق اڑانے کا گناہ انکار کرنے سے بھی بڑا ہے۔

دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر ہے

مثلاً: مسواک کرنا احادیث سے ثابت ہے اور مستحب ہے۔ کیوں کہ مسواک کی حدیثیں خبر واحد ہیں اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے، قطعی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مسواک کی احادیث کو نہیں مانتا تو بڑا گناہ گار ہوگا مگر کافر نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مسواک کا مذاق اڑائے کہ مثلاً: نقل اتارے اور کہے کہ ایسے کرتے ہیں اور ایسے کرتے ہیں تو فوراً کافر ہو جائے گا۔

مونچھ منڈوانے پر مذاق اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

جب کاشغر تک صحیح معنیٰ میں اسلامی حکومت قائم تھی جو تقریباً ترپن لاکھ مربع میل رقبہ بنتا ہے۔ قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شاگرد اسلامی حکومت کے چیف جسٹس تھے۔ ان کے دور میں ایک آدمی نے مونچھیں منڈوائیں تو دوسرے آدمی نے اس کا مذاق اڑایا کہ تو نے یہ کیا پھاٹک بنوایا ہے۔ پلیٹ فارم بنوایا ہے۔ ان الفاظ کی وجہ سے اس آدمی کے خلاف مقدمہ دائر ہوا اور عدالت نے فیصلہ سنایا کہ اس آدمی نے چونکہ سنت کی توہین کی ہے لہٰذا یہ آدمی کافر ہو گیا ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ دوبارہ کلمہ پڑھے اور دوبارہ نکاح پڑھایا جائے۔

مونچھوں کے متعلق ائمہ کے اقوال

مونچھوں کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہونٹوں تک قینچی کے ساتھ کاٹنی افضل ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استرے کے ساتھ صاف کرنی زیادہ بہتر اور افضل ہیں۔

ایک اور استہزاء کرنے والے کے خلاف مقدمہ

اسی طرح ایک اور کیس دائر ہوا کہ ایک آدمی کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان ہوئی کہ ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ)) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرماتے تھے۔ اس شخص نے کہا اَمَّا اَنَا لَا اُحِبُّ الدُّبَّاءَ بہر حال مجھے کدو پسند نہیں ہے۔ اس کے ان الفاظ پر مقدمہ دائر ہوا کہ اس نے اس موقع پر جب کہ اس کے سامنے حدیث پیش کی گئی کیوں کہا کہ مجھے کدو پسند نہیں ہے۔ بے شک کسی کو اچھا لگے یا نہ لگے۔ کسی کو کوئی چیز موافق ہوتی ہے اور کسی کو موافق نہیں ہوتی۔ مگر اس موقع پر ایسا کہنے سے اس نے حدیث کا مذاق اڑایا ہے۔ فتویٰ دیا گیا کہ یہ مرتد ہو گیا ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔

یادرکھنا! ڈاڑھی کے ساتھ مذاق، ٹنڈ کے ساتھ مذاق، پنڈلیوں تک چادر یا شلوار ہونے کا مذاق، یہ سب کفر ہے۔ ایسا کرنے والا مرتد ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے کی تمام نیکیاں ضائع ہو گئیں توبہ کے بعد مسلمان ہوگا تو نیکیوں کی ابتداء ہوگی۔ اور اب حال یہ ہے کہ مذاق ہی رہ گیا ہے۔

تو حکم خداوندی یہ ہے کہ جہاں قرآن و حدیث یا اسلام کا مذاق اڑایا جارہا ہو وہاں نہ بیٹھو۔ وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ ﴿حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ﴾ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں ﴿وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ﴾ اور اگر آپ کو بھلا دے شیطان ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى﴾ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بیٹھیں یاد آجانے کے بعد ﴿مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ظالم قوم کے ساتھ۔ اور اگر ان کے ساتھ بیٹھے گا تو اس کا حکم پانچویں پارے میں آتا ہے ﴿فَاِنَّكَ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ تو اس وقت تو بھی ان کی طرح مجرم ہوگا۔ یہ جو باطل فرقوں کے جلسے ہوتے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ ان میں شرکت کرنا گناہ ہے۔ ایسے جلسوں میں صرف وہ شخص جاسکتا ہے جو راسخ العقیدہ، مضبوط عمل والا ہو اور دین کے متعلق پختہ ذہن رکھتا ہو اور ان کے نظریات سننے کے لیے جائے کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ تاکہ ان کا جواب دیا جاسکے۔

﴿وَ مَا عَلَى الَّذِیْنَ﴾ اور نہیں ہے ان لوگوں پر ﴿یَتَّقُوْنَ﴾ جو بچتے ہیں ان چیزوں سے کہ وہ قرآن و حدیث کا مذاق نہیں اڑاتے اور حق کو سمجھتے اور مانتے ہیں ﴿مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ ان کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے ﴿وَّ لٰكِنْ ذِكْرٰى﴾ اور لیکن نصیحت کرنا تو ہے ﴿لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ وہ بچ جائیں۔

"لعب اور لہو" کی تفاسیر

﴿وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ﴾ اور آپ چھوڑ دیں ان لوگوں کو جنھوں نے بنایا اپنے دین کو ﴿لَعِبًا وَّ لَهْوًا﴾ کھیل اور تماشا۔ ایک تفسیر کے مطابق یہی دین اسلام مراد ہے۔ کیونکہ یہ دین حق ہے تو سب پر لازم ہے کافروں کے لیے بھی اس کا ماننا لازم اور فرض ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ کبھی اذان کا، کبھی نماز کا، کبھی دین کے کسی اور رکن کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ایک تفسیر یہ بھی کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دین ہے جو ان کو پہلے دیا گیا تھا کہ انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے۔

سورۃ انفال میں ہے ﴿وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِیَةً﴾ "نہیں ہے ان کی نماز مسجد حرام کے پاس مگر تالیاں بجانا اور سیٹیاں مارنا۔" یعنی قوالی کرنا ان کی عبادت ہے۔ جس طرح آج کل لوگ قوالی کو عبادت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اشعار میں بڑی بڑی خرافات ہوتی ہیں جن کا بیان کرنا بھی گناہ ہے اور سننا بھی گناہ ہے۔ ﴿وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا﴾ اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا کی زندگی نے ﴿وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ﴾ اور آپ نصیحت کریں اس قرآن پاک کے ذریعے ﴿اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ﴾ کہ نہ گرفتار کیا جائے کوئی نفس ﴿بِمَا كَسَبَتْ﴾ اپنی کمائی کے ساتھ کہ اس نے جو بدی کی ہے اس میں گرفتار نہ ہو جائے ﴿لَیْسَ لَهَا﴾ نہیں ہوگا اس نفس کے لیے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ﴾ کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی۔ اللہ تعالیٰ

کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکے گا۔

تیسرے پارے میں ہے ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ ﴿وَ اِنْ تَعْدِلْ﴾ اور اگر وہ فدیہ دے ﴿كُلَّ عَدْلٍ﴾ پورا فدیہ ﴿لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا﴾ تو نہیں لیا جائے گا اس سے۔ دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ لوگ بعض جرائم کا جرمانہ دے کر رہا ہو جاتے ہیں مگر وہاں آخرت میں ایسا نہیں ہوگا۔ ﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿اُبْسِلُوْا﴾ جو گرفتار کیے جائیں گے ﴿بِمَا كَسَبُوْا﴾ اس کے بدلے میں جو انہوں نے کمایا۔

جہنمیوں کی شراب

﴿لَهُمْ شَرَابٌ﴾ ان کے لیے پینا ہوگا ﴿مِّنْ حَمِیْمٍ﴾ کھولتے ہوئے پانی سے۔ وہ اتنا گرم ہوگا کہ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ہونٹوں کو لگے تو ہونٹ جل جائیں گے، حلق سے نیچے یَتَجَرَّعُهٗ قطرہ قطرہ کر کے اتاریں گے۔ اتنا گرم ہوگا کہ نیچے اتار نہیں سکیں گے مگر مجبور ہوں گے۔ نیچے اتارنے پر اور چند قطرے جب اندر جائیں گے تو فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ وہ ان کی آنتوں کو کاٹ کر پاخانہ کے راستے سے نکال دے گا پھر آنتیں ان کے اندر ڈالی جائیں گی۔

﴿وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ﴾ اور عذاب ہوگا دردناک ﴿بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ﴾ اس لیے کہ وہ انکار کرتے تھے۔ اور کفر کا بدلہ ضرور ملے گا۔

﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿اَنَدْعُوْا﴾ کیا ہم پکاریں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿مَا لَا یَنْفَعُنَا﴾ اس مخلوق کو جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہے ﴿وَ لَا یَضُرُّنَا﴾ اور نہ نقصان دے سکتی ہے ﴿وَ نُرَدُّ﴾ اور ہم لوٹا دیے جائیں گے ﴿عَلٰۤى اَعْقَابِنَا﴾ ایڑیوں کے بل ﴿بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہے ﴿كَالَّذِی﴾ اس شخص کی طرح ﴿اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ﴾ جس کو گمراہ کر دیا شیطانوں نے ﴿فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ﴾ زمین میں حیران ہے ﴿لَهٗۤ اَصْحٰبٌ﴾ اس کے ساتھی ہیں ﴿یَّدْعُوْنَهٗۤ﴾ جو اس کو بلاتے ہیں ﴿اِلَى الْهُدَى﴾ ہدایت کی طرف (کہتے ہیں) ﴿ائْتِنَا﴾ ہماری طرف آجا ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿اِنَّ هُدَى اللّٰهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ﴿هُوَ الْهُدٰى﴾ وہ ہدایت ہے ﴿وَ اُمِرْنَا﴾ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے ﴿لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کہ ہم جھک جائیں رب العالمین کے سامنے ﴿وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ نماز کو قائم کرو ﴿وَ اتَّقُوْهُ﴾ اور اس سے ڈرو ﴿وَ هُوَ الَّذِیْۤ﴾ اور وہ، وہ ذات ہے ﴿اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور وہی ذات ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا

آسمانوں کو اور زمین کو ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ﴾ اور جس دن وہ فرمائے گا ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ ہو جا، پس سب کچھ ہو جائے گا ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ اس کی بات سچی ہے ﴿وَلَهُ الْمُلْكُ﴾ اور اسی کے لیے بادشاہی ہے ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ جس دن پھونکا جائے گا صور میں ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ غائب اور حاضر چیزوں کو جاننے والا ہے ﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ اور وہی ہے حکمت والا خبر رکھنے والا۔

آیات کا شانِ نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کی تبلیغ سے روکنے کے لیے مشرکین مکہ نے کئی حربے اختیار کیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں پر بڑے بڑے ظلم کیے، مارا پیٹا، انگاروں پر لٹایا، شہید کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سال تک نظر بند رکھا اور ہر طرح کا بائیکاٹ کیا کہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی تبلیغ چھوڑ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے والد ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ آئے۔ ولید بن مغیرہ بڑا مال دار آدمی تھا اور عتبہ بن ربیعہ کی لڑکیاں بڑی خوبصورت تھیں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اگر آپ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی تبلیغ چھوڑ دیں تو میں تجھے اتنا مال دینے کو تیار ہوں کہ تیری کئی پشتوں کو کافی ہو جائے گا۔ اور عتبہ بن ربیعہ نے کہا اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی تبلیغ چھوڑ دیں تو میری جس لڑکی کی طرف اشارہ کریں میں اس کے ساتھ تیرا نکاح کر دوں گا بغیر حق مہر کے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو مجھے دولت کی لالچ ہے اور نہ عورتوں کی خواہش ہے۔ میں رب تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اس کا پیغام پہنچاؤں گا چاہے اس میں میری جان چلی جائے۔

مشرکین کا ایک اور وفد دربارِ رسالت میں

اس کے بعد مشرکوں نے ایک اور وفد تیار کر کے بھیجا کہ اس کے ساتھ صلح صفائی کی بات کرو اور صلح ہوتی ہے کچھ لو اور کچھ دو کے قانون پر۔ چنانچہ اس وفد نے گفتگو شروع کی۔ کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے آنے سے پہلے یہاں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں تھا جس دن سے آپ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تبلیغ شروع کی ہے اس دن سے ہر گھر میں لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ بھائی، بھائی کا مخالف ہے، خاوند، بیوی سے لڑتا ہے، باپ بیٹا آپس میں لڑ رہے ہیں اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا اس لڑائی کے آپ ذمہ دار ہیں۔ ہم آپ کے پاس خیر خواہی کے جذبہ کے تحت آئے ہیں یہ جھگڑے اس طرح ختم ہو سکتے ہیں کہ آپ ہمارے خداؤں کو پکاریں اور ہم آپ کے خدا کو پکارتے ہیں تاکہ مل جل کر زندگی بسر کریں۔

مطالباتِ مشرکین کا جواب

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیا اور فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیں ﴿اَنَدْعُوْا﴾ کیا ہم پکاریں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿مَا لَا يَنْفَعُنَا﴾ اس مخلوق کو جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہے ﴿وَلَا يَضُرُّنَا﴾ اور نہ نقصان

دے سکتی ہے۔لات منات عزیٰ وغیرہ کے پاس کیا ہے کہ ہم ان کو پکاریں ﴿وَنُرَدُّ﴾ اور ہم لوٹا دیے جائیں گے ﴿عَلٰٓی اَعْقَابِنَا﴾ ایڑیوں کے بل۔

سوال ❀ یہاں پر بظاہر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نبوت کے ملنے سے پہلے بھی موحد تھے کیونکہ پیغمبر پیدائشی طور پر موحد ہوتا ہے اور پیغمبر معصوم ہوتا ہے اس سے گناہ سرزد نہیں ہوسکتا اور ''لوٹا دیئے جائیں'' سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پہلے کافر مشرک تھے پھر اس طرح ہو جائیں ﴿بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

جواب ❀ مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کا ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ ﴿وَنُرَدُّ﴾ میں تغلیب ہے۔تغلیب کا مطلب ہے ایک کو دوسرے پر غلبہ دینا۔جس طرح کہا جاتا ہے ''والدین'' تو دو والد تو کسی کے نہیں ہیں بلکہ والد کو والدہ پر غلبہ دے کر والدین کہا جاتا ہے۔اس طرح شمسین دوسورج۔تو دو سورج تو نہیں ہیں بلکہ سورج کو چاند پر غلبہ دیا گیا ہے۔مراد سورج اور چاند ہیں۔یا کہا جاتا ہے قمرین دو چاند۔تو چاند تو ایک ہے تو یہاں چاند کو سورج پر غلبہ دیا گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو کبھی شرک نہیں کیا مگر اکثر ساتھی تو زمانہ جاہلیت میں شرک میں مبتلا رہے تو ان کو غلبہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہم پلٹا دیے جائیں اُلٹے پاؤں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

دوسرا جواب ❀ دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ کافروں کے زعم اور خیال کے مطابق کیا گیا ہے۔کیوں کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ شروع نہیں کی تھی کافر یہ سمجھتے تھے یہ ہمارے ہیں اور جس دن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ شروع فرمائی تو کافروں نے یہ سمجھا کہ آج سے یہ ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔تو یہ جواب ان کے خیال کے مطابق دیا گیا ہے حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ تمہارا خیال ہے کہ میں پہلے تمہارے ساتھ تھا۔حاشا وکلا! ایسا نہیں ہے کہ ہم پلٹا دیے جائیں الٹے پاؤں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہے۔﴿كَالَّذِی﴾ اس شخص کی طرح ﴿اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ﴾ جس کو گمراہ کر دیا شیطانوں نے ﴿فِی الْاَرْضِ حَيْرَانَ﴾ زمین میں حیران ہے ﴿لَهٗٓ اَصْحٰبٌ﴾ اس کے ساتھی ہیں ﴿يَّدْعُوْنَهٗ﴾ جو اس کو بلاتے ہیں ﴿اِلَى الْهُدَى﴾ ہدایت کی طرف (کہتے ہیں) ﴿ائْتِنَا﴾ ہماری طرف آجا۔اور وہ آتا نہیں یعنی جنگل میں کسی کو جن چمٹ جائے اور وہ آسیب کی وجہ سے بدحواس ہو جائے اور اس کو اس کے ساتھی بلائیں کہ تو ہماری طرف آ مگر اس کے تو ہوش وحواس ہی قائم نہیں ہیں وہ کس طرح آئے گا۔

میں نے تیسرے پارے میں اس کے متعلق ضروری بحث کی تھی۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، ان کی کتاب اور اہل سنت کا نظریہ

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں وہ اپنی کتاب مبسوط میں لکھتے ہیں جو اکیس جلدوں میں ہے کہ اہل سنت

والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ بسا اوقات جنات انسان کے وجود میں داخل ہوکر اس کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن جنات کی بیماری اتنی عام نہیں ہے کہ جتنا ان فراڈیوں نے جوفالوں اور تعویذ گنڈے والوں نے لوگوں کا ذہن بگاڑا ہوا ہے۔ ہر ایک کو کہتے ہیں کہ تیرے اوپر سایہ ہے اور تیرے اوپر جادو ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے مسلمان کو اتنا وہمی نہیں ہونا چاہیے۔ سو مریضوں میں سے ایک دو ایسے ہوں گے کہ جن پر جنات کا اثر ہو باقی سب طبعی بیماریاں ہیں۔ بالکل غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے سمجھ دار اس بیماری میں مبتلا ہیں افسروں تک۔

کل دو آدمی میرے پاس آئے کہنے لگے ہم پر وار ہو گیا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ، کچھ ویسے ذہن بگڑے ہوئے ہیں اور کچھ ان ٹھگ باز تعویذ والوں نے بے ایمان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے کوئی شے ہمیں خالص ملتی نہیں۔ خوراک ہماری کھاد والی ہے، دودھ، مرچ، نمک تک میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ پھر صحت کس طرح قائم رہے گی؟ تو زیادہ تر بیماریاں ہیں۔ باقی اثر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے خرافات کہ جو باتیں سمجھ نہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں چھوڑو ان خرافات کو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول

تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا حدیث خرافہ، یہ خرافہ کی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! حدیث خرافہ کا مطلب کیا ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ حضرت بڑوں سے میں نے سنا ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو کہہ دیتے ہیں حدیث خرافہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خُرَافَةُ اِسْمُ رَجُلٍ خرافہ ایک آدمی کا نام ہے اَسَرَتْهُ الْجِنَّاتُ اس کو جنات گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ اور کئی سال تک جنات کے قبضہ میں رہا۔ پھر جنات نے اس کو رہا کر دیا۔ وہ جب واپس آیا تو ایسی باتیں کرتا تھا جو لوگوں کو سمجھ نہیں آتی تھیں۔ تو اس سے ضرب المثل بن گئی کہ جو بات سمجھ نہ آتی اس کو کہہ دیتے حدیث خرافہ یہ خرافہ کی بات ہے۔ اور اسی سے خرافات کا لفظ نکلا ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿اِنَّ هُدَى اللهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ﴿هُوَ الْهُدٰى﴾ وہ ہدایت ہے ﴿وَاُمِرْنَا﴾ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اے وفد والو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ ہم جھک جائیں رب العالمین کے سامنے۔ اور ہمیں حکم ہے ﴿وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ نماز کو قائم کرو ﴿وَاتَّقُوْهُ﴾ اور اس سے ڈرو۔ لہٰذا ہم تمہاری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور یاد رکھو! ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور وہی ذات ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے میدانِ محشر میں۔ او ظالمو! تمہیں یہ بات سمجھ نہیں آتی ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ، وہ ذات ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ۔ تمہارے لات، منات، عزیٰ اور دوسرے خداؤں نے کیا پیدا کیا ہے؟ اگر کچھ پیدا کیا ہے تو بتاؤ۔ ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ﴾ اور جس دن وہ فرمائے گا ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

ہوجا، پس سب کچھ ہوجائے گا۔ وہ جس طرح چاہے گا اسی طرح ہوجائے گا۔ جب قیامت برپا کرنا چاہے گا قیامت برپا ہوجائے گی اور دنیا فنا ہوجائے گی اور جب دوبارہ اٹھانا چاہے گا ساری دنیا اٹھ کھڑی ہوگی۔ ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ اس کی بات سچی ہے۔

شاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے

﴿وَ لَهُ الْمُلْكُ﴾ اور اسی کے لیے بادشاہی سچی ﴿یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ﴾ جس دن پھونکا جائے گا صور میں اس دن صرف اللہ تعالیٰ کی شاہی ہوگی۔ آج تو دنیا میں میری تیری ہے کہ میری حکومت، میری سلطنت، میرا اقتدار، میری صدارت، میری وزارت، اس میری تیری نے لوگوں کو تباہ کردیا ہے۔ اور اُس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ﴾ بتاؤ آج ملک کس کا ہے؟ سب کی طرف سے جواب آئے گا ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [المومن:١٦] اس رب کا ہے جو اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے۔ ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ غائب اور حاضر چیزوں کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا بندوں کی نسبت سے ہے، مخلوق کی نسبت سے ہے کہ جو چیز بندوں سے اور اس کی مخلوق سے غائب ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے اور جو چیز حاضر ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو غائب ہے اس کو جانتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ ﴿وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ اور وہی ہے حکمت والا، خبر رکھنے والا۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ وہ ہر شے کے ظاہر، باطن، قول، فعل، نیتوں اور ارادوں کو جانتا ہے۔

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ﴾ اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿لِاَبِیْهِ اٰزَرَ﴾ اپنے باپ آزر سے ﴿اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا﴾ کیا تو بناتا ہے بتوں کو ﴿اٰلِهَةً﴾ معبود ﴿اِنِّیْۤ اَرٰىكَ﴾ بے شک میں دیکھتا ہوں تجھے ﴿وَ قَوْمَكَ﴾ اور تیری قوم کو ﴿فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ کھلی گمراہی میں ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ﴾ دکھائے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ عجائبات آسمانوں کے اور زمین کے ﴿وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ﴾ اور تاکہ ہوجائیں وہ یقین کرنے والوں میں سے ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ﴾ پس جب تاریکی چھا گئی ان پر رات کی ﴿رَاٰ كَوْكَبًا﴾ دیکھا اس نے ایک ستارہ ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّیْ﴾ کہا اس نے یہ میرا رب ہے ﴿فَلَمَّاۤ اَفَلَ﴾ پس جب وہ غائب ہوگیا ﴿قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾ کہا میں نہیں پسند کرتا غائب ہوجانے والوں کو ﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ﴾ پس جب دیکھا انہوں نے چاند کو ﴿بَازِغًا﴾ چمکتا ہوا ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّیْ﴾ کہا یہ میرا رب ہے ﴿فَلَمَّاۤ اَفَلَ﴾ پس جب وہ غائب ہوگیا ﴿قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ﴾ کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا پروردگار ﴿لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ﴾ البتہ ہوجاتا میں بھی گمراہ لوگوں میں سے ﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً﴾ پس جب دیکھا اُس نے سورج کو چمکتا ہوا ﴿قَالَ

﴿هٰذَا رَبِّیْ﴾ کہا یہ میرا رب ہے ﴿هٰذَاۤ اَكْبَرُ﴾ یہ بڑا ہے ﴿فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ﴾ پس جب وہ بھی غروب ہو گیا ﴿قَالَ﴾ کہا ﴿یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ اے میری قوم! بے شک میں بے زار ہوں ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ﴾ بے شک میں نے متوجہ کر لیا اپنا چہرہ ﴿وَجْهِیَ لِلَّذِیْ﴾ اس ذات کی طرف ﴿فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿حَنِیْفًا﴾ اور میں ایک طرف ہونے والا ہوں ﴿وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور نہیں ہوں میں شرک کرنے والوں میں سے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شاہکار شخصیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت تمام مذہبوں اور تمام فرقوں میں مسلم تھی اور سب ان کو عقیدت، محبت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مسلم شخصیت ہونے کی وجہ سے ہر فرقہ اپنی نسبت اور تعلق ان کے ساتھ جوڑتا تھا۔ چنانچہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے اور مشرکین مکہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ ہم میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تیسرے پارے میں ان سب کی تردید فرمائی بڑے صاف الفاظ میں فرمایا ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ عیسائی تھے اور لیکن وہ ایک طرف ہو کر رہنے والے مسلمان تھے اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے اور ایک مقام پر صابئین کا لفظ بھی آیا ہے۔

”صابی“ تعریف و تحقیق

صابی فرقہ پیغمبروں پر ایمان رکھتا تھا اور قیامت کو بھی مانتا تھا اور نماز روزہ کا بھی قائل تھا اور جنت و دوزخ کو بھی مانتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ کواکب پرستی میں مبتلا تھا کہ ستاروں میں خدائی کرشمے مانتا تھا کہ فلاں ستارے کو یہ اختیار ہے اور فلاں کو یہ اختیار ہے اور فلاں کو یہ اختیار ہے۔

سیاروں، ستاروں میں تاثیر کا ہونا

یہاں آپ حضرات ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تاثیر رکھی ہے اس کا انکار نہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کام میں لگایا ہے، وہ اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ ان میں خدائی اختیارات نہیں ہیں۔ جس طرح سورج اور چاند میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے۔ علم نباتات والے بتاتے ہیں کہ سورج کی حرارت اور تپش کا فصلوں پر اثر پڑتا ہے اور چاند اور ستاروں کی روشنی بھی پھلوں میں مؤثر ہے کہ اس سے پھلوں میں رس اور مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ یہ تاثیر ان میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے اس کا انکار نہیں ہے۔ سورج کی حرارت اور تپش کا کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن خدائی اختیارات کسی میں نہیں ہیں۔ نہ سورج میں، نہ چاند میں، نہ ستاروں میں، آج کا سبق بھی شرک کی تردید پر مشتمل ہے۔

’’آزر‘‘ ہی ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ﴾ اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿لِاَبِیْهِ اٰزَرَ﴾ اپنے باپ آزر کو قرآنِ کریم نے آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا ہے۔ اس کے خلاف کوئی قوی اور مضبوط دلیل موجود نہیں ہے۔ ایک دو روایتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں مگر وہ سند کے اعتبار سے انتہائی درجے کی ضعیف ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر ان کا چچا تھا اور یہ روایتیں اتنی ضعیف ہیں کہ قرآن کریم کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتیں۔ باپ سے کیا کہا ﴿اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا﴾ کیا تو بناتا ہے بتوں کو ﴿اٰلِهَةً﴾ معبود۔

’’صنم‘‘ کی تحقیق وتفسیر

اس آیت کی تشریح میں تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ صنم کہتے ہیں: اَلَّذِیْ یُتَّخَذُ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ الْخَشَبِ وَالْحَجَرِ وَالْمَدَرِ عَلٰی صُوْرَةِ الْاِنْسَانِ وَ هُوَ الْوَثَنُ اَیْضًا۔ جو بنایا جائے سونے اور چاندی سے اور لکڑی اور پتھر سے اور مٹی سے انسانی شکل پر اور وثن بھی یہی ہے اور اگر انسان کی شکل پر نہ ہو تو اس کو کبھی تو ہیکل کہتے ہیں اور کبھی تمثال کہتے ہیں اور کبھی کسی اور لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی۔ اپنے بزرگوں کے فوٹو اور تصویریں بنائی ہوئی تھیں اور ان کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ اصل عقیدت تو ان بزرگوں کے ساتھ تھی جن کی شکلوں پر یہ بت بنائے ہوئے تھے اور انہی کی پوجا کرتے تھے کیوں کہ محض پتھر اور لکڑی کی پوجا تو کبھی کسی نے نہیں کی۔

ہندوؤں کا پتھروں کو تراشنا اور بت بنانا

یہ جو پرانے بزرگ ہیں انہوں نے ہندوؤں کو دیکھا ہوگا کہ وہ رام چندر اور کرشن اور بدھ کی پوجا کرتے تھے۔ اس طرح کہ ایک مَن کا پتھر لے کر اس کو تراشتے کرشن جی کی شکل پر۔ تراشتے تراشتے جب وہ پانچ سیر کا رہ جاتا اور کرشن جی کی شکل بن جاتی یا رام چندر کی شکل بن جاتی یا بدھ کی شکل بن جاتی تو اس کو پوجنا شروع کر دیتے تھے۔ وہ پتھر جب ایک مَن کا تھا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی اس کی کسی نے پوجا نہیں کی اور جب وہ پانچ سیر کا رہ گیا تو اب اس کی پوجا شروع ہوگئی۔ کیوں کہ اب وہ کسی کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ پوجا پتھر کی نہیں بلکہ اس ذات کی ہے جس کی شکل پر اس کو تراشا گیا ہے۔ اسی طرح وہ بیس سیر کی لکڑی میں کوئی کرشمہ نہیں مانتے تھے مگر جب اس کو تراش کر بدھ یا کرشن جی اور رام چندر کی شکل بنا دیتے تو اس کی پوجا کرتے۔ لہٰذا اصل پوجا تو اس کی ہوئی جس کی شکل پر اس کو تراشا گیا۔ یہ تو محض نشان اور ماڈل ہوتا تھا۔

تو ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بزرگوں کے بت بنائے ہوئے تھے جن کی پوجا کرتے تھے۔ فرمایا ﴿اِنِّیْۤ اَرٰىكَ﴾ بے شک میں دیکھتا ہوں تجھے ﴿وَ قَوْمَكَ﴾ اور تیری قوم کو ﴿فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ کھلی گمراہی میں۔ یہ بتوں کی پوجا کھلی گمراہی ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ﴾ دکھائے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ عجائبات آسمانوں کے

اور زمین کے ﴿وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ﴾ اور تا کہ ہو جائیں وہ یقین کرنے والوں میں سے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرستی کے ساتھ ساتھ کواکب پرستی میں بھی مبتلا تھی کہ ستاروں میں خدائی کرشمے اور قدرتیں مانتے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام نے کون سا ستارہ دیکھا ؟

رات کا وقت تھا مجلس لگی ہوئی تھی ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ﴾ پس جب تاریکی چھا گئی ان پر رات کی ﴿رَاٰ كَوْكَبًا﴾ دیکھا اس نے ایک ستارہ۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ مشتری تھا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ زحل تھا اور بعض کہتے ہیں کہ زہری تھا۔

"هٰذَا رَبِّيْ" کا مفہوم ؟

بہر حال کوئی ستارہ دیکھا تو ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ یہ ﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾ استفہام ہے۔معنیٰ بنے گا ''کہا اس نے یہ میرا رب ہے؟'' ستارے کو رب نہیں کہا کیونکہ استفہام ہے۔مطلب یہ ہے کہ اے ستاروں کو رب بنانے والو! یہ میرا رب ہے؟ ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ﴾ پس جب وہ ستارہ غائب ہو گیا ﴿قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ کہا میں نہیں پسند کرتا غائب ہو جانے والوں کو کہ اپنی جگہ پر کھڑا نہیں ہو سکتا میں اس کو رب بنانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔آپ نے قوم کو سمجھایا کہ تم محض ستارے کی چمک دیکھ کر اسے معبود بناتے ہو حالانکہ یہ تو غائب ہو جانے والی چیز ہے۔اور جس چیز پر زوال آ جائے وہ الٰہ نہیں ہو سکتی۔ ﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ﴾ پس جب دیکھا انھوں نے چاند کو ﴿بَازِغًا﴾ چمکتا ہوا کہ یہ ستارے سے زیادہ چمکنے والا ہے ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ کہا یہ میرا رب ہے، کیا میں اس کو رب بنالوں ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ﴾ پس جب وہ غائب ہو گیا ﴿قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ﴾ کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا پروردگار ﴿لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ﴾ البتہ ہو جاتا میں بھی گمراہ لوگوں میں سے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ ستارے کو رب مانا اور نہ ہی چاند کو۔قوم کے ساتھ مکالمہ تھا اور ان کی تردید کر رہے تھے کہ میں ان زوال پذیر چیزوں کو رب بنالوں جو اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکتے اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں تمہارے جیسا گمراہ ہوتا۔

﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً﴾ پس جب دیکھا اس نے سورج کو چمکتا ہوا سورج طلوع ہوا دیکھا کہ وہ چاند سے بھی زیادہ منور ہے ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ کہا یہ میرا رب ہے ﴿هٰذَآ اَكْبَرُ﴾ یہ بڑا ہے ﴿فَلَمَّآ اَفَلَتْ﴾ پس جب وہ بھی غروب ہو گیا ﴿قَالَ﴾ کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ اے میری قوم! بے شک میں بے زار ہوں ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو۔میں تمہاری بت پرستی سے بھی بے زار ہوں اور کواکب میں جو تم خدائی کرشمے مانتے ہو اس سے بھی بے زار ہوں یعنی میں ان کو تسلیم نہیں کرتا۔

جہلاء کا آیاتِ بینہ کے مقابلے میں کہانیاں بنانا ؟

قرآنِ کریم کی آیات بڑی واضح اور صاف ہیں مگر لوگوں نے بڑی بڑی کہانیاں بنائی ہوئی ہیں وہ تمام کی تمام جھوٹی اور بے اصل ہیں۔مثلاً: ایک کہانی یہ بنائی ہوئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ابھی دودھ پیتے بچے تھے کہ ان کو والدین ایک غار میں رکھ کر

آ گئے تھے جبرئیل علیہ السلام ان کو وہیں دودھ پلاتے رہے یہاں تک کہ جب وہ بڑے ہو گئے اور غار سے باہر آئے تو ایک ستارہ دیکھا۔ کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔ پھر اس کے بعد چاند طلوع ہوا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔ پہلے کو چھوڑ کر دوسرے کو رب بنا لیا۔ پھر جب سورج طلوع ہوا اور خوب روشن ہوا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے۔ حاشا وکلا ثم حاشا وکلا! یہ سب کہانیاں ہیں۔ کسی پیغمبر نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی شرک نہیں کیا، نہ نبوت سے پہلے اور نہ نبوت کے بعد۔ وہ تو ہر لحظہ اور ہر آن شرک کی تردید کرنے والے ہیں۔

''فَطَرَ'' کی تحقیق

فرمایا ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ﴾ بے شک میں نے متوجہ کر لیا اپنا چہرہ ﴿لِلَّذِیْ﴾ اس ذات کی طرف ﴿فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو بغیر نمونے کے۔ ''فطور'' کا معنیٰ ہے بغیر مثال اور نمونے کے کسی شے کو پیدا کرنا۔ پہلے نہ تو آسمان کا کوئی نمونہ تھا اور نہ زمین کا۔ نمونہ سامنے رکھ کر بنانا آسان ہوتا ہے۔ اسی لیے امریکہ پریشان ہے کیوں کہ اس نے افغانستان میں چھتیس میزائل پھینکے ان میں سے کچھ پھٹے اور کچھ نہیں پھٹے تو اس کو پریشانی ہے کہ ان کی کوئی نقل نہ اتار لے کیوں کہ نمونہ سامنے آ گیا ہے۔

''حَنِیْفًا'' کی تفسیر

﴿حَنِیْفًا﴾ اور میں ایک طرف ہونے والا ہوں میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر نمونے کے پیدا فرمایا حَالَ کَوْنِهٖ حَنِیْفًا اس حال میں کہ میں ایک طرف ہونے والا ہوں۔ میں نہ تو بتوں کا پجاری ہوں نہ ستاروں اور چاند، سورج کا اور اے میری برادری! سن لو ﴿وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور نہیں ہوں میں شرک کرنے والوں میں سے۔ اتنی تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے دور میں یعنی نبوت سے پہلے راستے میں تھے اس لیے انہوں نے ستارے کو بھی رب مانا اور چاند اور سورج کو بھی تو یہ بات بالکل غلط ہے۔

مودودی صاحب کی کج فہمی

مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں اس قسم کا دعویٰ کیا تھا اگرچہ صریح الفاظ نہیں تھے مگر اس کا مفہوم یہ نکلتا تھا کہ ایک منزل ہوتی ہے اور ایک راستہ ہوتا ہے راستے میں بھٹک جانا اور ہے اور منزل میں بھٹک جانا اور ہے جب ہم نے اس کے خلاف آواز اٹھائی کہ پیغمبر نہ راستے میں بھٹکتا ہے اور نہ منزل میں تو پھر انہوں نے نئے ایڈیشن سے وہ الفاظ نکال دیے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح اور صاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ﴾ اور جھگڑا کیا ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم نے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ﴾ کیا تم میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿وَقَدْ هَدٰىنِ﴾ اور تحقیق اس نے مجھے ہدایت دی ہے ﴿وَلَآ اَخَافُ﴾ اور میں نہیں خوف کھاتا ﴿مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ﴾ ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو ﴿اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا﴾ مگر یہ جو چاہے میرا رب کوئی شے ﴿وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ وسیع ہے میرے رب کا علم ہر چیز کو ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿وَكَیْفَ اَخَافُ﴾ اور کیسے میں خوف کھاؤں ﴿مَآ اَشْرَكْتُمْ﴾ جن کو تم نے خدا کا شریک بنایا ہے ﴿وَلَا تَخَافُوْنَ﴾ اور تم خوف نہیں کھاتے ﴿اَنَّكُمْ﴾ بے شک تم نے ﴿اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ﴾ شریک بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿مَا﴾ ان چیزوں کو ﴿لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا﴾ کہ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تم پر کوئی سند اور دلیل ﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ﴾ پس دونوں فریقوں میں سے کون ﴿اَحَقُّ بِالْاَمْنِ﴾ زیادہ حق دار ہے امن کا ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ﴾ وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہوگا ﴿وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور وہی ہیں ہدایت پانے والے۔

ربط آیات

کل کے سبق میں تم نے یہ بات پڑھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر اور قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو تم نے بت پرستی اور کواکب پرستی شروع کی ہوئی ہے اور چاند، سورج، ستاروں میں خدائی کرشمے مانتے ہو یہ بالکل غلط ہے۔ ان میں کوئی رب تعالیٰ والی صفت نہیں ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کو جو روشنی عطا فرمائی ہے بس وہی ہے ﴿اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور بتوں اور ستاروں کی تردید کرنے کے بعد صاف لفظوں میں فرمایا ﴿اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ بے شک میں بے زار ہوں ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو اور یہ بھی فرمایا کہ ﴿وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے۔

عقائد کی وجہ سے قوم ابراہیم علیہ السلام کا لڑائی جھگڑا

صاف ظاہر ہے کہ یہ باتیں ان کے عقیدے پر ضرب کاری تھیں اور عقیدہ، عقیدہ ہوتا ہے چاہے کسی کا غلط ہو یا صحیح ہو دنیا میں عقیدے سے بڑھ کر کوئی چیز قوی اور مضبوط نہیں ہے۔ تو انہوں نے لڑائی شروع کر دی اس کا ذکر ہے۔

فرمایا﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ﴾اور جھگڑا کیا ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم نے، ان کے ساتھ لڑ پڑے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ﴾ کیا تم میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہ میں کہتا ہوں وہ وحدہٗ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

"هَدٰىنِ" کی تحقیق

﴿وَقَدْ هَدٰىنِ﴾ اور تحقیق اس نے مجھے ہدایت دی ہے۔ اصل میں هَدٰنِیْ تھا "ی" گر گئی۔ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا۔ کہنے لگے کہ تو ہمارے معبودوں کی تردید اور توہین کرتا ہے یقین جان! ہمارے معبود تجھے تکلیف پہنچائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا، فرمایا ﴿وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ﴾ اور میں نہیں خوف کھاتا ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو۔ مجھے ان کا کوئی خوف اور ڈر نہیں ہے۔ وہ میرا بال بھی ٹیڑھا نہیں کر سکتے ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْـًٔا﴾ مگر یہ جو چاہے میرا رب کوئی شے، تو اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علاقے کا واقعہ

ہمارے علاقہ میں جہاں میری پیدائش ہوئی ہے لوگ بڑے جاہل تھے اب الحمد للہ! لوگ بڑے سمجھ دار ہو گئے ہیں، تعلیم آگئی ہے۔ جہالت کے زمانے میں لوگ بزرگوں کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے اور پہاڑی علاقہ ہے اور پہاڑوں پر چیڑ، دیار اور بیار کے بلند درخت ہیں۔ ان درختوں پر جھنڈے لٹکاتے جو قبروں کے پاس ہوتے تھے۔

میں اس وقت نابالغ تھا اور میرا طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریریں سنتا تھا اور ان سے بڑا متاثر تھا۔ وہ تقریروں میں ان جھنڈوں کی بڑی تردید کرتے تھے اور میں درختوں پر چڑھنے کا بھی بڑا ماہر تھا۔ میں ان مشکل درختوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر جھنڈے اتار کر طالب علموں کو دیتا تھا۔ کوئی تو ان کو سلوا لیتا تھا اور کوئی قرآنِ کریم پر غلاف چڑھا دیتا۔ ایک دفعہ میں درخت پر چڑھ کر جھنڈا اتار رہا تھا کہ لوگ آگئے اور کہنے لگے کہ یہ قبر والا بابا تجھے تکلیف پہنچائے گا۔ چوں کہ الحمد للہ! ذہن پختہ تھا میں نے کہا کہ تم مجھے نہ چھیڑو بابا جانے اور میں جانوں۔ تم نے مجھے کچھ نہیں کہنا۔ وہ انتظار میں تھے کہ یہ اب گرے گا اور بابا اس کی ٹانگ توڑ دے گا میں جھنڈے اتار کر نیچے اتر آیا اور وہ دیکھتے رہ گئے کہ اسے کچھ نہیں ہوا۔

چڑھاوے کے متعلق فقہی مسئلہ

اس کے متعلق فقہی طور پر مسئلہ یہ ہے کہ لوگ قبروں پر جو کچھ چڑھاوا چڑھاتے ہیں مثلاً: تیل ہے، موم بتی ہے، کپڑا وغیرہ مختلف چیزیں ہوتی ہیں ان کا لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ چیزیں اس کی ملک ہیں جو شخص چڑھاوا چڑھا کر گیا ہے۔ شرعی طور پر ان کو اور کوئی نہیں لے سکتا اور جہاں فتنے اور جھگڑے کا خطرہ ہو وہاں چھیڑ چھاڑ بھی نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں اگر اقتدار اپنے پاس

ہو اور جھگڑے کا خطرہ نہ ہو تو پھر ان چیزوں کو مٹانا ضروری ہے۔ اور عوام الناس کو ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا۔

مشرکین کا ابراہیم علیہ السلام کو ڈرانا

تو ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا کہ یہ ہمارے معبود تجھے تکلیف پہنچائیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے شریکوں سے نہیں ڈرتا ہاں! اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ علیحدہ بات ہے۔ ﴿وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ وسیع ہے میرے رب کا علم ہر چیز کو ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، او ظالمو! ﴿وَكَیْفَ اَخَافُ﴾ اور کیسے میں خوف کھاؤں ﴿مَاۤ اَشْرَكْتُمْ﴾ جن کو تم نے خدا کا شریک بنایا ہے ﴿وَلَا تَخَافُوْنَ﴾ اور تم خوف نہیں کھاتے ﴿اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ﴾ بے شک تم نے شریک بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا﴾ ان چیزوں کو کہ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تم پر کوئی سند اور دلیل۔

او ظالمو! تم نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے ہوئے ہیں کہ جن کے شریک ہونے پر تمہارے پاس کوئی سند اور دلیل نہیں ہے۔ اور اس حرکت پر خدا سے نہیں ڈرتے کہ اللہ تعالیٰ کتنا ناراض ہے اور اس کی پکڑ کتنی سخت ہوگی اور مجھے تم بناوٹی خداؤں سے ڈراتے ہو۔

مشرک رب تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا

اور یہ بات میں آپ حضرات کے سامنے کئی بار بیان کر چکا ہوں کہ مشرک رب تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا وہ رب تعالیٰ کے وجود کا قائل ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کو سب پر غالب اور قاہر مانتے ہوئے اس سے نیچے نیچے اپنے لیے اور سہارے تلاش کرتا ہے اور ظاہر طور پر دیکھا جائے تو مشرک کی رب تعالیٰ کے ساتھ بڑی عقیدت نظر آتی ہے۔

چنانچہ آٹھویں پارے میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اگر زندگی نے ساتھ دیا تو آپ حضرات پڑھیں گے کہ مشرک اپنی پیداوار میں سے رب تعالیٰ کا حصہ بھی نکالتے تھے اور اپنے بنائے ہوئے شریکوں کا حصہ بھی نکالتے تھے اور کہتے تھے کہ ﴿هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اپنے خیال سے ﴿وَهٰذَا لِشُرَكَآىِٕنَا﴾ اور یہ ہمارے شریکوں کا حصہ ہے ﴿فَمَا كَانَ لِشُرَكَآىِٕهِمْ﴾ پس وہ حصہ جو ان کے شریکوں کا ہوتا ہے ﴿فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ﴾ پس وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَمَا كَانَ لِلّٰهِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا ہے ﴿فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآىِٕهِمْ﴾ پس وہ پہنچتا ہے ان کے شریکوں کی طرف۔ دیکھو! رب تعالیٰ کا حصہ پہلے نکالتے پھر اپنے شریکوں کا۔

مشرکین کا اور خداؤں کے علاوہ رب تعالیٰ کو غنی سمجھنا

پھر عجیب بات ہے کہ جو ڈھیری رب تعالیٰ کی ہوتی تھی اگر اس میں سے کچھ دانے شریکوں والی ڈھیری میں مل جاتے تو

اس سے الگ نہیں کرتے تھے کہتے کہ رب تعالیٰ محتاج نہیں ہے اور یہ محتاج ہیں۔ اور اگر شریکوں کی ڈھیری میں سے کچھ دانے رب تعالیٰ کی ڈھیری میں مل جاتے تو فوراً الگ کر لیتے کہ رب تو غنی ہے۔ اور یہ محتاج ہیں اس سے اندازہ لگاؤ کہ مشرک کتنا قائل ہے رب تعالیٰ کے وجود کا اور رب تعالیٰ کو کتنا بڑا سمجھتا ہے۔

مشرکین کے خودساختہ دلائل

اور مشرک یہ بھی کہتے تھے کہ ہم ان کی پوجا ان کو رب سمجھ کر تو نہیں کرتے بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے بغیر ہماری اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے۔ اور ہم بہت پست ہیں ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس: ۱۸] "یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔" پھر مثالیں دیتے کہ ملک کے صدر کو ملنے کے لیے گورنر، وزیر اعلیٰ، ڈی، سی کی ضرورت پڑتی ہے۔ یا ایم، این، اے یا ایم، پی، اے کی ضرورت پڑتی ہے۔ براہِ راست کون مل سکتا ہے؟ مکان کی چھت پر جانے کے لیے سیڑھی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند ہے اس طرح کی مثالیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے چودھویں پارے میں اس کا جواب دیا فرمایا ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ "پس نہ بیان کرو اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: ۷۴] بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔" صدر کو تم پہلے مطمئن کرو گے کہ گولی مارنے کے لیے نہیں آرہے۔ پھر اپنے حالات اور ضرورت بتاؤ گے کیونکہ وہ عالم الغیب نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کا علم ہے اس کو سفارشیوں کے ذریعے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور رہا مسئلہ سیڑھیوں کا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق: ۱۶] "ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" تو یہاں سیڑھیوں کی کیا ضرورت ہے؟

فرمایا ﴿فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ﴾ پس دونوں فریقوں میں سے کون ﴿اَحَقُّ بِالْاَمْنِ﴾ زیادہ حق دار ہے امن کا۔ ایک رب تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے اور دوسرا غیروں سے ڈرنے والا ہے۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے۔ مگر تم نے جانتے ہوئے بھی خاموش رہنا ہے، صحیح بات نہیں کرنی۔ لہٰذا مجھ سے سنو ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ﴾ وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن ہوگا ﴿وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور وہی ہیں ہدایت پانے والے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا تفہیم آیت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت کریمہ کا مطلب نہ سمجھے اور پریشان ہو گئے کہنے لگے حضرت یہ فرمائیں کہ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنی جان پر تھوڑی بہت زیادتی نہ کی ہو؟ زبانی طور پر یا عملی طور پر۔ مثلاً: زبان سے کسی کی غیبت ہو جائے یا جھوٹ بولا جائے یا گالی گلوچ ہو جائے یہ زبانی ظلم ہے۔ اور عملی طور پر ظلم یہ ہے کہ مثلاً: کسی کا مال کھایا جائے

توصحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ظلم سے عام ظلم سمجھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شافی جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کو نہیں ملایا ان کے لیے امن ہے۔

دوسرا جواب

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ آیت کریمہ پڑھی جو حضرت لقمان بن باحور بن ناحور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سوران رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھاتے ہوئے فرمایا تھا اے بیٹے! ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ "اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان: ۱۳؛ پارہ: ۲۱] بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔" ظلم کا معنیٰ ہے کہ حق کسی کا بنتا ہو اور دے کسی اور کو دیا جائے۔ بھائی! عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کو دو گے تو ظلم ہوگا۔ چڑھاوا اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کا چڑھاوا چڑھاؤ گے تو ظلم ہوگا، صدا اور پکار رب تعالیٰ کا حق ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پکارو گے تو ظلم ہوگا، سجدہ رب تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کے آگے جھکو گے تو ظلم ہوگا اور یہی شرک ہے، شرک کی معمولی سی ملاوٹ بھی ہوگی تو اعمال برباد ہو جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو اور کون محبوب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الزمر: ۶۵] "اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کی طرف بھی وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف بھی کہ اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی شرک کیا تو آپ کے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تم ہو جاؤ گے گھاٹا پانے والوں میں سے۔" یہ ہمیں سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ورنہ پیغمبر تو معصوم ہیں۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ شرک کتنی بری اور قبیح چیز ہے۔ لہٰذا شرک سے بچو اور ایمان کے ساتھ شرک کو نہ ملاؤ۔

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ﴾ اور یہ مذکورہ ہماری دلیل ہے ﴿اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ﴾ جو دی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم کے مقابلے میں ﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ﴾ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے ہم چاہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ حکمت والا، جاننے والا ہے ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ﴾ اور بخشا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ اسحاق اور یعقوب علیہما السلام ﴿كُلًّا هَدَيْنَا﴾ سب کو ہم نے ہدایت دی ﴿وَنُوْحًا هَدَيْنَا﴾ اور نوح علیہ السلام کو ہم نے ہدایت دی ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ﴾ اور ان کی اولاد میں سے ہیں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ﴿وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ اور ایوب، اور یوسف، اور موسیٰ اور ہارون علیہم السلام

کو ہدایت دی ﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿وَ زَكَرِیَّا وَ یَحْیٰى وَ عِیْسٰى وَ اِلْیَاسَ﴾ اور زکریا اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس علیہم السلام کو ﴿كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ سب نیکو کاروں میں سے تھے ﴿وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا﴾ اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط علیہم السلام کو ﴿وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور سب کو ہم نے فضیلت دی تمام جہان کے لوگوں پر ﴿وَ مِنْ اٰبَآىٕهِمْ﴾ اور ان کے باپ دادوں میں سے ﴿وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ﴾ اور ان کی اولادوں میں سے ﴿وَ اِخْوَانِهِمْ﴾ اور ان کے بھائیوں میں سے ﴿وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو چنا ﴿وَ هَدَیْنٰهُمْ﴾ اور ان کو ہم نے ہدایت دی ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ سیدھے راستے کی ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ﴿یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ وہ ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے جس کو چاہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿وَ لَوْ اَشْرَكُوْا﴾ اور اگر بالفرض یہ بھی شرک کرتے ﴿لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ البتہ ضائع ہو جاتے ان سے وہ اعمال جو وہ کرتے رہے ہیں۔

ربط آیات

اس سے پہلے رکوع میں یہ بات گزری ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے رات کے وقت جب ستارہ دیکھا تو فرمایا ﴿هٰذَا رَبِّیْ﴾ کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ قوم پر چوٹ تھی اور اس کے رب ہونے کا انکار تھا۔ پھر چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا ﴿لَىٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ﴾ اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا پروردگار تو میں گمراہ قوم کا ایک فرد ہوتا پھر جب سورج طلوع ہوا دن چڑھا اور سورج ان سے بڑا تھا تو فرمایا ﴿هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ﴾ کیا یہ میرا رب ہے؟ کہ یہ ان سے بڑا ہے جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا ﴿اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ اے میری قوم! میں بےزار ہوں ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو سمجھانے کے لیے مخصوص انداز اختیار کرنا

اور یہ بات میں نے تفصیلاً بیان کی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے کسی کو رب نہیں بنایا نہ ستارے کو، نہ چاند کو، نہ سورج کو بلکہ قوم کو سمجھانے کے لیے یہ انداز اختیار کیا۔

اس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ﴾ اور یہ مذکور ہماری دلیل ہے ﴿اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ﴾ جو دی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو کہ ان کے دماغ میں ڈالی ﴿عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم کے مقابلے میں، قوم کو سمجھانے کے لیے ﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ﴾ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے ہم چاہتے ہیں۔

کتب عقائد میں مندرج مراتب درجات

عقائد کی کتابوں میں تحریر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں پہلا درجہ اور مقام ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دوسرا درجہ اور مقام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور تیسرا درجہ اور مقام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں دوسرے نمبر کی شخصیت ہیں۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک تیرا رب حکمت والا، جاننے والا ہے ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ﴾ اور بخشا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور یعقوب علیہ السلام پوتے تھے۔ ﴿كُلًّا هَدَيْنَا﴾ سب کو ہم نے ہدایت دی۔ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دور میں اسحاق علیہ السلام کو اپنے دور میں اور یعقوب علیہ السلام کو اپنے دور میں۔

نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کا درمیانی وقفہ

﴿وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اور نوح علیہ السلام کو ہم نے ہدایت دی اس سے پہلے۔ کیوں کہ نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہیں۔ تاریخ دان بتاتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام طوفانِ نوح سے سترہ سو نو سال بعد تشریف لائے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ﴾ اور ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ”ہٖ“ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور نوح علیہ السلام کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ کیونکہ آگے جن حضرات کا ذکر ہے وہ دونوں حضرات کی اولاد ہیں۔ لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہے۔ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ﴿دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام، اور یوسف علیہ السلام، اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو ہدایت دی ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ﴾ اور زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور الیاس علیہ السلام کو ﴿كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ سب نیکوکاروں میں سے تھے ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا﴾ اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط علیہم السلام کو ﴿وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور سب کو ہم نے فضیلت دی تمام جہان کے لوگوں پر۔ اپنے زمانے میں دوسرے لوگوں پر ان کو فضیلت حاصل تھی۔

تعداد انبیاء علیہم السلام کے متعلق روایات اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول

پیغمبروں کی صحیح تعداد تو رب تعالیٰ ہی جانتا ہے البتہ ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے۔ لیکن دونوں روایتوں کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے بلند پائے کے محدث، مفسر اور مؤرخ بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے دونوں روایتیں ضعیف اور کمزور ہیں۔

پیغمبروں کی تعداد بیان کرنے کا طریقہ

لہٰذا اگر پیغمبروں کی کل تعداد بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے تو قطعی اور یقینی طور پر ایک لاکھ چوبیس ہزار نہ کہو۔ بلکہ اس طرح کہو کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم وبیش جتنے بھی رب تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کی تعداد قرآنِ کریم میں ہوتی تو قطعی اور یقینی تھی اگر حدیث متواتر میں ہوتی تو پھر بھی یقینی تھی اور اگر خبر واحد صحیح ہوتی تو پھر بھی غالب گمان ہوتا کہ ہوسکتا ہے کہ ان کی تعداد زیادہ ہو اور ہم کم بیان کر کے ایمان ضائع کریں اور اگر کم ہوں اور ہم زیادہ بیان کریں۔ تو ہم نے غیر نبی کو نبی بنا کر کفر کا ارتکاب کیا۔ لہٰذا ان ضعیف حدیثوں کی بنا پر اگر تعداد بیان کرو تو ساتھ یہ جملہ ضرور کہو کہ ''یا اس سے کم وبیش''۔

تذکرۂ اسماءِ انبیاء علیہم السلام وملائکہ قرآنِ کریم میں کہاں، کتنا

قرآنِ کریم میں کل پچیس پیغمبروں کے نام مذکور ہیں اور اس رکوع میں اٹھارہ پیغمبروں کے نام آئے ہیں اتنا اکٹھا پیغمبروں کا ذکر کسی اور رکوع میں نہیں آیا۔ اور قرآن کریم میں صرف چھ فرشتوں کا نام آیا ہے۔ پہلے پارے میں چار فرشتوں کا ذکر ہے جبرائیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام اور ہاروت و ماروت۔ اور پانچواں ''رعد'' ہے جس کے نام پر مستقل سورۃ الرعد ہے اور اس میں آتا ہے ﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ﴾ اور تسبیح بیان کرتا ہے رعد اس کی حمد کی۔ اور چھٹا فرشتہ مالک ہے جس کا ذکر سورۃ زخرف میں آتا ہے ﴿يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ دوزخی کہیں گے اے مالک! تیرا رب ہمیں موت دے دے۔

قرآن میں کفار کے نام

اور قرآنِ کریم میں چھ کفار کے نام آئے ہیں۔ ابلیس، فرعون، ہامان، قارون، آزر، ابولہب۔

حضرت مریم علیہا السلام کا اسم گرامی قرآن میں کہاں اور کتنی مرتبہ آیا ہے

اور ایک عورت کا نام آیا ہے اور وہ حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کا نام قرآنِ کریم میں تیس مرتبہ آیا ہے۔ یوں سمجھو کہ اوسطاً فی پارہ ایک مرتبہ۔

تذکرہ اسم صحابی رضی اللہ عنہ

اور سارے قرآن میں ایک صحابی کا نام آیا ہے اور وہ ہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جن کا ذکر سورۃ الاحزاب میں ہے ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا﴾ پس جب پورا کر لیا زید نے اس عورت سے اپنی غرض کو۔ ﴿وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ﴾ اور ان کے باپ دادوں میں سے بھی ہم نے نبی بنائے ﴿وَذُرِّيّٰتِهِمْ﴾ اور ان کی اولادوں میں سے بھی ہم نے نبی بنائے ﴿وَاِخْوَانِهِمْ﴾ اور ان کے بھائیوں میں سے بھی ہم نے نبی بنائے ﴿وَاجْتَبَيْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو چنا نبوت اور رسالت کے لیے ﴿وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور ان کو ہم نے ہدایت دی سیدھے راستے کی ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ﴿يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ وہ ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے۔

ہدایت کس کو ملتی ہے؟

اور ہدایت دیتا کن کو ہے؟ اس کا ذکر سورۃ شوریٰ میں ہے ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ اور راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے اور جو غلط راستے پر چلتا ہے اور اسی کو پسند کرتا ہے تو اس کو ادھر ہی چلا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کسی پر جبر نہیں

﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [الصف:۵] "پس جب انھوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔" اللہ تعالیٰ کسی پر جبر نہیں کرتا اس نے اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے پس ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔" پھر جو راستہ کوئی اپنے لیے اختیار کرے گا ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵] "پھیر دیں گے ہم اسی طرف جس طرف وہ پھرے گا۔"

آگے سب کا نتیجہ بیان فرمایا ہے ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا﴾ اور اگر بالفرض یہ بھی شرک کرتے جو اللہ کے منتخب بندے اور پیغمبر ہیں کہ ان میں سے اٹھارہ کا ذکر تو ناموں کے ساتھ ہے اور باقیوں کا ذکر اجمالی طور پر ﴿وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ﴾ میں کیا گیا ہے۔ گویا کہ تمام پیغمبروں کا ذکر آ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بھی آ گیا ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

شرک کی قباحت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کر کے فرمایا اگر بالفرض یہ پیغمبر بھی شرک کرتے تو ﴿لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ البتہ ضائع ہو جاتے ان سے وہ اعمال جو وہ کرتے رہے ہیں۔ اور چوبیسویں پارے میں آتا ہے ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ "اور البتہ تحقیق وحی کی گئی آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے پیغمبر ہو چکے ہیں ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ کہ البتہ بالفرض اگر آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے ﴿وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اور ہو جائیں گے گھاٹا پانے والوں میں سے۔"

اندازہ لگاؤ کہ شرک کتنی بری اور پلید شے ہے کہ بالفرض پیغمبر بھی شرک کرتے تو اعمال ضائع ہو جاتے۔ میں نے کئی دفعہ مثال دے کر یہ بات سمجھائی ہے کہ دو من دودھ کا مٹکا ہو بالکل صاف اور کھرا۔ اس مٹکے میں اپنے ہی بیٹے کا تھوڑا سا پیشاب گر جائے تو دیانت دار آدمی اس کو استعمال کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا اور یہ نہیں کہے گا کہ دو من دودھ میں تھوڑا سا پیشاب گر گیا

ہے تو کیا ہو گیا ہے۔ پھر پیشاب بھی گدھے گھوڑے کا تو نہیں اپنے ہی بیٹے اور لختِ جگر کا ہے بلکہ اس کو ضائع کر دے گا۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ وہ دودھ قابلِ استعمال نہیں رہتا بالفرض شرک کا ایک قطرہ بھی اعمال میں آ گیا تو سب اعمال ضائع ہو جائیں گے چاہے پیغمبر کے اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ ہمارے آپ کے اعمال کی کیا حیثیت ہے؟ اور یہ بات بھی آپ حضرات کئی مرتبہ سن چکے ہیں کہ پیغمبر کے اعمال اتنے بھاری ہیں کہ امت کے تمام اعمال پیغمبر علیہ السلام کے ایک عمل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں ﴿اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ جن کو ہم نے کتابیں دیں ﴿وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ اور حکم دیا اور نبوت دی ﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا﴾ پس اگر انکار کریں ان چیزوں کا ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ یہ لوگ ﴿فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا﴾ پس تحقیق سپرد کر دیں ہم نے یہ چیزیں ﴿قَوْمًا﴾ ایسے لوگوں کے ﴿لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ کہ وہ ان کا انکار کرنے والے نہیں ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ وہی لوگ ہیں ﴿هَدَى اللّٰهُ﴾ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ﴿فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ پس ان کی ہدایت کی تو بھی پیروی کر ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ آپ کہہ دیں میں نہیں مانگتا تم سے اس قرآن پر کوئی معاوضہ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ نہیں ہے یہ مگر نصیحت جہان والوں کے لیے ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ﴾ اور نہیں قدر کی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ﴿حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾ جیسا کہ اس کا حق ہے قدر کرنے کا ﴿اِذْ قَالُوْا﴾ جب انہوں نے کہا ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ کسی بشر پر کوئی شے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ﴾ کس نے نازل کی وہ کتاب ﴿الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى﴾ جس کو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ﴿نُوْرًا﴾ جو روشنی تھی ﴿وَّهُدًى﴾ اور ہدایت تھی ﴿لِّلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ﴾ جس کو تم نے کر دیا ﴿قَرَاطِيْسَ﴾ ٹکڑے ٹکڑے ﴿تُبْدُوْنَهَا﴾ ظاہر کرتے ہو تم ان ٹکڑوں کو ﴿وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا﴾ اور چھپاتے ہو بہت سے حصے کو ﴿وَعُلِّمْتُمْ﴾ اور تمہیں تعلیم دی گئی ﴿مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ﴾ ان چیزوں کی جن کو نہیں جانتے تھے تم ﴿وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ﴾ اور نہ تمہارے آباؤ اجداد ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ﴾ پھر آپ چھوڑ دیں ان کو ﴿فِيْ خَوْضِهِمْ﴾ ان کے شغل میں ﴿يَلْعَبُوْنَ﴾ کھیلتے رہیں ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ﴾ اور یہ کتاب ہے ﴿اَنْزَلْنٰهُ﴾ جس کو ہم نے نازل کیا ﴿مُبٰرَكٌ﴾ برکت والی ہے ﴿مُّصَدِّقُ﴾ تصدیق کرنے والی ہے ﴿الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ اس کی جو اس سے پہلے ہے ﴿وَلِتُنْذِرَ﴾ اور تاکہ تو ڈرائے ﴿اُمَّ الْقُرٰى﴾ تمام بستیوں کی اصل بستی کو ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اور اس کے اردگرد والوں کو ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان

لاتے ہیں ﴿بِالْاٰخِرَةِ﴾ آخرت پر ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ وہ ایمان لاتے ہیں قرآن پاک پر ﴿وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ربط آیات/درس

گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا کہ بالفرض اگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے سارے اعمال ضائع ہوجاتے۔ حالانکہ بلاشبہ انبیاء کرام علیہم السلام شرک سے پاک ہوتے ہیں۔لہٰذا یہ بات سب لوگوں کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام مستثنیٰ نہیں ہیں تو پھر کسی اور کو معافی کس طرح مل سکتی ہے۔لہٰذا شرک سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی فضیلت اور ان کا مقام بیان فرمایا ہے۔﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتابیں دیں ﴿وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ﴾ اور حکم دیا اور نبوت دی۔ مذکورہ پیغمبروں میں وہ بھی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل فرمائیں۔ جیسے: موسیٰ علیہ السلام کے پاس تورات تھی عیسیٰ علیہ السلام کے پاس انجیل تھی، حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس زبور تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا۔اور ان میں سے بعض وہ تھے جن کے پاس کتاب تو نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوتا رہا، وحی اترتی رہی۔﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ﴾ پس اگر انکار کریں ان چیزوں کا یہ لوگ یعنی کتابوں کا حکم اور نبوت کا یہ مکے والے تو کوئی بات نہیں ﴿فَقَدْ وَ كَّلْنَا بِهَا قَوْمًا﴾ پس تحقیق سپرد کر دیں ہم نے یہ چیزیں ایسی قوم کے لیے ﴿لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ کہ وہ ان کا انکار کرنے والے نہیں ہیں الحمدللہ! قیامت تک آنے والے اگر مکے والے نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ ایسی قوموں تک یہ چیزیں پہنچیں گی کہ وہ انکار نہیں کریں گے بلکہ تسلیم کریں گے۔الحمدللہ! آج دنیا میں سوا ارب کے قریب مسلمان موجود ہیں ان چیزوں کو تسلیم کرنے والے۔﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ وہی لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جن کا ذکر ہوا ہے ﴿هَدَى اللّٰهُ﴾ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ﴿فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی کریں۔

پیغمبر پیکر خلوص وللہیت

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ آپ ان کو کہہ دیں میں نہیں مانگتا تم سے اس قرآن پر کوئی معاوضہ۔بعض کافروں کو یہ شبہ تھا کہ غریب اور کمزور آدمی ہے اس نے نبوت کا دعویٰ کر کے روپیہ کمانے کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔

ولید بن مغیرہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباحثہ

چنانچہ مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا والد ولید بن مغیرہ مکہ مکرمہ میں سب سے زیادہ مال دار آدمی تھا۔ تیرہ بیٹے تھے۔خود بھی اور بیٹے بھی بڑے صحت مند تھے۔ بیٹوں میں بیٹھا ہوتا تو کوئی تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ باپ کون ہے اور بیٹا کون ہے۔ تیرہ میں سے تین کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت خالد بن ولید، ہشام بن ولید اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہم، باقی دس

کفر پر مرے۔ ولید بن مغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ کو مال کی ضرورت ہے تو میں تجھے اتنا مال دینے کے لیے تیار ہوں کہ تیری سات پشتوں کو کافی ہو جائے گا مگر ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی رٹ لگانی چھوڑ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارا غلط خیال ہے میں تمہیں کسی معاوضے کے لیے نہیں سناتا بلکہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے اور رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تمہیں سناؤں اور اللہ تعالیٰ کے احکام تمہیں پہنچاؤں ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ نہیں ہے یہ مگر نصیحت جہان والوں کے لیے۔

ابورافع یہودی کا قصہ اور آیات کا شانِ نزول

ایک مجلس میں یہودی، عیسائی، صابی اور مشرک موجود تھے یعنی مشترکہ مجلس تھی۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوۃ اور رسالت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا فرمائی ہے اور میرے اوپر قرآن نازل فرمایا ہے اور معجزات عطا فرمائے ہیں۔ ابورافع یہودی بڑا منہ پھٹ اور بے حیا آدمی تھا۔ جس طرح کعب بن اشرف بڑا منہ پھٹ اور بے لحاظ آدمی تھا بعض آدمی بات کرنے سے جھجکتے نہیں ہیں چاہے بات کتنی بُری ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اس قسم کے لوگوں میں سے تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر کتاب نازل فرمائی ہے۔ تو ابورافع یہودی کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے تو کسی انسان پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی تیرے اوپر کتاب کہاں سے نازل ہوگئی؟ یہ بات اس نے محض ضد کی وجہ سے کہی ورنہ بڑا سمجھدار آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔

فرمایا ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾ اور نہیں قدر کی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسا کہ اس کا حق ہے قدر کرنے کا ﴿اِذْ قَالُوْا﴾ جب انھوں نے کہا ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی شے، نہ وحی، نہ کتاب۔

اللہ تعالیٰ کی بے قدری کرنے کا مطلب

اب اس میں اللہ تعالیٰ کی بے قدری کس طرح ہوئی؟ اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ ایک ملک کا صدر دوسرے ملک میں اپنا سفیر بھیجے مکمل دستاویزات اور سندیں دے کر اور اس کا صدر اس کو سفیر ماننے سے انکار کر دے۔ تو یہ اس سفیر کی توہین نہیں بلکہ اس کے بادشاہ کی توہین ہے جس نے اس کو مکمل دستاویزات کے ساتھ بھیجا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ان پر وحی نازل فرمائی کتابیں نازل فرمائیں اور ان کو معجزات عطا فرمائے ان تمام دلائل کے ہوتے ہوئے جو ان کا انکار کرے گا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی ہے قدر نہیں کی۔

چوں کہ کہنے والا یہودی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ﴾ کس نے نازل کی وہ کتاب ﴿الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى﴾ جس کو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ﴿نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾ جو روشنی تھی اور ہدایت تھی، لوگوں کے لیے اپنے دور میں بتاؤ ظالمو! وہ کتاب موسیٰ علیہ السلام پر کس نے نازل فرمائی تھی؟ اور کیا موسیٰ علیہ السلام بشر نہیں تھے؟

''قَرَاطِیْسَ'' کی تحقیق

﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ﴾ جس کو تم نے کر دیا ٹکڑے ٹکڑے قَرَاطِیْسَ، قِرْطَاسٌ کی جمع ہے جس کا معنیٰ کاغذ اور ٹکڑا ہے۔﴿تُبْدُوْنَهَا﴾ ظاہر کرتے ہو تم ان ٹکڑوں کو جو تمہارے مطلب کے ہیں ﴿وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا﴾ اور چھپاتے ہو بہت سے حصے کو جس کی وجہ سے تم پر زد پڑتی ہے۔﴿وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ﴾ اور تمہیں تعلیم دی گئی ان چیزوں کی جن کو نہیں جانتے تھے تم ﴿وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ﴾ اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔اس کتاب کے ذریعے تمہیں وہ احکام بتائے گئے جو حلال حرام جائز ناجائز ثواب وعقاب پر مشتمل تھے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔بتاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے؟ فرمایا یہ تو ضد میں ہیں لہٰذا یہ جواب نہیں دیں گے کیونکہ جب آدمی ضد پر اتر آئے تو حق کا انکار کر دیتا ہے۔

﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ﴾ پھر آپ چھوڑ دیں ان کو ﴿فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ﴾ ان کے شغل میں کھیلتے رہیں۔تو جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی اور بشر تھے اسی طرح ﴿وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ﴾ اور یہ کتاب ہے قرآنِ کریم جس کو ہم نے نازل کیا ﴿مُبٰرَكٌ﴾ برکت والی ہے۔اس کو ہاتھ لگانا باعث برکت ہے، اس کو دیکھنا برکت ہے، اس کو پڑھنا برکت ہے، اس کو سمجھنا باعث برکت ہے۔اور قرآن کریم کو کھول کر سامنے رکھ کر پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے۔اس لیے کہ زبان پڑھے گی اور آنکھیں دیکھیں گی کیونکہ پڑھنے کا الگ ثواب ہے اور دیکھنے کا الگ ثواب ہے اور ہاتھ لگانے کا الگ ثواب ہے (درس میں چھوٹے بچے آگے بیٹھ جاتے ہیں میں نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ بڑے حضرات آگے ہو کر بیٹھا کرو۔کیونکہ سمجھنا تو بڑوں نے ہے ان کا شوق اپنی جگہ پر ٹھیک ہے مگر یہ سمجھ تو نہیں سکتے اس لیے بڑے حضرات آگے بیٹھا کریں)۔﴿مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے۔جو کتابیں قرآن کریم سے پہلے نازل ہوئی ہیں قرآن کریم ان کی تصدیق کرتا ہے۔

''مکہ'' کا معنیٰ اور ''ام القریٰ'' کا مطلب

﴿وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى﴾ یہ کتاب اس لیے اتاری ہے تاکہ آپ ڈرائیں تمام بستیوں کی اصل کو۔مکہ مکرمہ کا نام ''اُم القریٰ'' بھی ہے یہ تمام بستیوں کی ماں ہے۔کیونکہ یہی سے اللہ تعالیٰ نے زمین کو شرقاً، غرباً، شمالاً، جنوباً پھیلایا ہے۔

جس طرح آٹے کا پیڑا ہوتا ہے اور اس کو پھیلا کر روٹی بنائی جاتی ہے اسی طرح زمین کو پیڑے کی شکل میں بنا کر یہاں رکھا جہاں مکہ مکرمہ ہے ﴿وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ اس کے بعد پھر زمین کو چاروں طرف پھیلا دیا۔اور مکہ کا لفظی معنیٰ ناف ہے جو آدمی کے درمیان میں ہوتی ہے۔ماں کے پیٹ میں بچے کو اسی کے ذریعے خوراک ملتی ہے۔

ام القریٰ کو ڈرانے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کو ڈرائیں ﴿وَ مَنْ حَوْلَهَا﴾ اور اس کے اردگرد والوں کو بھی ڈرائیں ﴿وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں آخرت پر ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ وہ ایمان لاتے ہیں قرآن

پاک پر جو آخرت کو مانتے ہیں وہ قرآن کریم کو بھی مانتے ہیں ان کی واضح اور صاف نشانی یہ ہے کہ ﴿وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو نمازوں کی حفاظت اور پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ﴾ اور کون بڑا ظالم ہے ﴿مِمَّنِ افْتَرٰى﴾ اس شخص سے جس نے افترا باندھا ﴿عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿أَوْ قَالَ﴾ یا جس نے کہا ﴿أُوْحِيَ إِلَيَّ﴾ میری طرف وحی کی گئی ہے ﴿وَلَمْ يُوْحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ﴾ حالاں کہ اس کی طرف کوئی چیز وحی نہیں کی گئی ﴿وَمَنْ قَالَ﴾ اور اُس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے کہا ﴿سَأُنْزِلُ﴾ میں بھی نازل کرسکتا ہوں ﴿مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اس کی مثل جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے ﴿وَلَوْ تَرٰى﴾ اور اگر آپ دیکھیں ﴿إِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ﴾ جب کہ ظالم موت کی غشیوں ہوں گے ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور فرشتے ﴿بَاسِطُوْا أَيْدِيْهِمْ﴾ اپنے ہاتھ ان کی طرف پھیلائے ہوئے ہوں گے ﴿أَخْرِجُوْا أَنْفُسَكُمْ﴾ نکالو اپنی جانوں کو ﴿اَلْيَوْمَ﴾ آج کے دن ﴿تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ تمھیں بدلا دیا جائے گا ذلت کا عذاب ﴿بِمَا كُنْتُمْ﴾ اس لیے کہ تھے تم ﴿تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ﴾ کہتے اللہ تعالیٰ پر ﴿غَيْرَ الْحَقِّ﴾ ناحق ﴿وَكُنْتُمْ﴾ اور تھے تم ﴿عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ آیتوں سے تکبر کرتے ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى﴾ اور البتہ تحقیق آئے تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے ﴿كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جیسا کہ ہم نے تمھیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ ﴿وَتَرَكْتُمْ﴾ اور چھوڑ دیا تم نے ﴿مَا خَوَّلْنٰكُمْ﴾ اس کو جو ہم نے تمھیں نعمتیں دی تھیں ﴿وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ﴾ تمھاری پشتوں کے پیچھے سے ﴿وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ﴾ اور نہیں دیکھتے ہم تمھارے ساتھ ﴿شُفَعَآءَكُمُ﴾ تمھارے سفارشیوں کو ﴿الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے ﴿أَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا﴾ کہ بے شک وہ تمھارے اندر شریک ہیں ﴿لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ﴾ البتہ تحقیق منقطع ہوگئے ہیں تعلقات جو تمھارے درمیان تھے ﴿وَضَلَّ عَنْكُمْ﴾ اور غائب ہوگئے تم سے ﴿مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے۔

دُنیا میں بدترین ظالم

دنیا میں ظلم کی بھی بڑی قسمیں ہیں اور ظالم بھی بہت ہیں مگر تین ظالم سب سے بڑے ہیں۔ اس مقام پر تین بڑے ظالموں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ﴾ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اور کون بڑا ظالم ہے ﴿مِمَّنِ افْتَرٰى﴾ اس شخص سے جس نے افترا باندھا ﴿عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا۔

افتراء باندھنے کا مطلب

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف شریک کی نسبت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کے زمرے میں آتا ہے۔

ظلم کی ایک قسم

اور یہ بھی بہت بڑا ظلم ہے جس طرح یہودیوں نے کہا ﴿عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ﴾ کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا ﴿الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ﴾ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں دنیا کے جاہل اور مشرک کہتے ہیں فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ابن آدم سے گلہ کرنا

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں يَشْتِمُنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ "اولادِ آدم مجھے گالیاں دیتی ہے حالانکہ اسے حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجھے گالیاں دے، گالیاں کس طرح دیتا ہے يَدْعُوا لِي وَلَدًا وہ میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے وَيُكَذِّبُنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ اور ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اسے کوئی حق نہیں ہے مجھے جھٹلانے کا جھٹلاتا کس طرح ہے؟ کہتا ہے لَنْ يُّعِيْدَنِيْ مجھے قیامت والے دن نہیں اٹھایا جائے گا اور میں کہتا ہوں کہ ضرور اٹھاؤں گا۔"

دوسرا بڑا ظالم

دوسرا بڑا ظالم ﴿أَوْ قَالَ﴾ یا جس نے کہا ﴿أُوْحِيَ إِلَيَّ﴾ یا جس نے کہا میری طرف وحی کی گئی ہے ﴿وَلَمْ يُوْحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ﴾ حالانکہ اس کی طرف کوئی چیز وحی نہیں کی گئی۔ جھوٹا نبی بنتا ہے اور کہتا ہے کہ میری طرف فرشتہ وحی لے کر آتا ہے۔ یہ بھی بڑا ظالم ہے اور اس سے بڑا ظالم بھی کوئی نہیں ہے اور ایسے ظالم بہت گزرے ہیں۔

دورِ نبوت کے کذاب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو ساون برساتی کے مینڈکوں کی طرح جھوٹے نبی آئے۔

عصرِ حاضر کے کذاب اور مرزا قادیانی لعین

اس وقت بھی امریکہ میں ایک دجال ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ

کیا کہ میری طرف وحی آتی ہے اور قادیانیوں نے دنیا میں جال پھیلایا ہوا ہے، تبلیغ سے باز نہیں آتے۔ حالاں کہ قادیانی جھوٹا آدمی تھا۔

قادیانی کا چندہ لینا اور دھوکہ دہی کرنا

قادیانی نے ایک مرتبہ لوگوں سے چندہ مانگا کہ میں نے چالیس جلدوں میں ایک کتاب لکھنی ہے لہٰذا میرے ساتھ تعاون کرو لوگوں نے چندہ دیا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے "اربعین" کے نام سے۔ اربعین (۱) اربعین (۲) اربعین (۳) اربعین (۴) اور خاموش ہوگیا۔ کئی سال گزرنے کے بعد لوگوں نے مطالبہ کیا کہ آپ نے چندہ لیا تھا چالیس جلدوں میں کتاب لکھنے کا مگر یہ چار چھوٹے چھوٹے رسالے آئے ہیں باقی چھتیس کہاں ہیں؟ تو مرزا قادیانی نے جواب دیا کہ چار میں نے لکھ دیے ہیں اس کے ساتھ صفر تم لگالو تو چالیس ہوجائیں گے۔

دیکھو! یہ ہے نبی اور یہ نبیوں کا کام ہے۔ قادیانی عام طور پر لوگوں کو کہتے ہیں اور دھوکہ دیتے ہیں کہ قادیانی تشریعی نبی نہیں ہے شریعت والا نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف حلال وحرام اور امر و نہی کے احکام نازل ہوں یہ محض دھوکہ ہے۔ کیونکہ مرزا قادیانی نے چوتھے نمبر میں لکھا ہے کہ میں تشریعی نبی ہوں۔ یہ حوالہ یاد رکھنا۔

تیسرا بڑا ظالم

اور تیسرا بڑا ظالم: ﴿وَ مَنْ قَالَ﴾ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے کہا ﴿سَاُنْزِلُ﴾ میں بھی نازل کر سکتا ہوں ﴿مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اس کی مثل جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے قرآنِ کریم۔

قرآن کا چیلنج

اس سلسلے میں قرآنِ کریم کا چیلنج آج تک موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا کہ اگر کسی میں ہمت ہے تو اس جیسا قرآن لاؤ اگر مکمل نہیں تو دس سورتیں لے آؤ اور اگر دس نہیں لاسکتے تو فرمایا ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ "پس لے آؤ اس جیسی کوئی چھوٹی سی سورت ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام اپنے مددگاروں کو بلالو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا﴾ [البقرۃ: ۲۴] پس اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے۔" صدیاں گزر گئیں آج تک کوئی ماں کا لال قرآن جیسی چھوٹی سی سورت نہیں لاسکا۔ باقی ڈینگیں اور لاف و گزاف مارنے کا مسئلہ جدا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَ لَوْ تَرٰۤى﴾ اور اے مخاطب! اگر آپ دیکھیں ﴿اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ﴾ جب کہ ظالم موت کی غشیوں میں ہوں گے ﴿وَ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور فرشتے ﴿بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ﴾ اپنے ہاتھ ان کی طرف پھیلائے ہوئے ہوں گے ﴿اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ کہیں گے نکالو اپنی جانوں کو۔ ہمارے حوالے کرو۔

تخریج ارواحِ نیک وبد

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب نیک آدمی کی روح نکالنے کا وقت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ کہتا ہے ﴿ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴾ اے پاکیزہ روح! ﴿ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴾ چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ لہٰذا ہمارے ساتھ خوشی خوشی سے چل اور جو بدبخت ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ اے پلید روح! اُخْرُجِیْ اِلٰی سَخَطٍ مِّنَ اللہِ باہر نکل اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف اللہ تعالیٰ تجھ سے ناراض ہے۔ وہ بدن سے نہیں نکلتی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جیسے گیلی روئی سے سلاخ گرم کر کے نکالی جائے اس طرح نکالتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ﴾ آج کے دن تمہیں بدلا دیا جائے گا ذلت کا عذاب۔ مرنے کے بعد جب آدمی کو قبر میں اتارا جاتا ہے تو فوراً عذاب وثواب شروع ہو جاتا ہے ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ﴾ اس لیے دیا جائے گا کہ تھے تم کہتے اللہ تعالیٰ پر ناحق۔ کبھی تم اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے تھے کبھی رب تعالیٰ کے شریک بناتے تھے کبھی کہتے ہم بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کتابیں نازل کر سکتے ہیں لہٰذا آج ان باتوں کا مزا چکھو۔ ﴿ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ اور تھے تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے تکبر کرتے، ٹھکرا دیتے تھے۔

''فُرَادٰی'' کی تحقیق

﴿ وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى ﴾ ''فُرَادٰی'' ''فرد'' کی جمع ہے اور فرد کا معنیٰ ہے اکیلا۔ اور البتہ تحقیق آئے تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے۔ بچہ جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اکیلا ہوتا ہے۔ نہ بہن بھائی اس کے ساتھ ہوتے ہیں نہ اولاد۔ کبھی جڑواں بھی پیدا ہوتے ہیں مگر اکثر اکیلا ہی پیدا ہوتا ہے اور اس کے جسم پر کپڑا بھی نہیں ہوتا۔ قیامت والے دن قبروں سے اسی طرح نکلیں گے۔ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ پھر قبروں سے نکلنے کے بعد کسی کو دوسرے قدم پر کسی کو تیسرے قدم پر کسی کو چوتھے قدم پر اپنے اپنے اعمال کے مطابق لباس پہنایا جائے گا۔

قیامت والے دن لباس پہنائے جانے کی ترتیب

حدیث پاک میں آتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسرے نمبر پر مجھے لباس پہنایا جائے گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس اس لیے پہلے پہنایا جائے گا کہ ظالموں نے جب ابراہیم علیہ السلام کو آلۂ منجنیق میں رسیوں سے مضبوط جکڑ کر جُرِّدَ عَنِ الثِّیَابِ کپڑوں سے ننگا کر کے آگ میں ڈالا تھا۔ نمرود کی کرسی وہیں ایک طرف رکھی ہوئی تھی اور اس کے پاس اس کے وزیر بیٹھے ہوئے تھے اور نمرود زندہ باد کے نعرے پر نعرے لگ رہے تھے اور تماشا دیکھ رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ اب ان کا سر پھٹے گا اور ٹھاہ ہوگی اور ہمارے کلیجے ٹھنڈے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا آگ کو حکم برودت

اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا ﴿ قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ﴾[الانبیاء:۶۹] ”اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا ابراہیم علیہ السلام پر“ مگر اتنی زیادہ نہیں کہ ان کو سردی لگنے لگ جائے گل وگلزار ہوجا آگ نے صرف ان رسیوں کو جلایا جن سے ان کو باندھا گیا تھا سر مبارک داڑھی مبارک اور جسم مبارک کا ایک بال بھی نہیں جلایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں اس طرح پھر رہے تھے جس طرح کوئی باغ میں ٹہل رہا ہوتا ہے۔

پدرِ ابراہیم علیہ السلام کا خدا کے بارے میں حسنِ ظن

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ سے صحیح سالم باہر تشریف لائے تو ان کے والد نے یہ الفاظ کہے: نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّكَ یَا اِبْرٰهِیْمُ اے ابراہیم! تیرا رب بہت اچھا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ الفاظ نقل کیے ہیں اتنا کچھ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لایا۔ دھڑا نہیں چھوڑا اس لیے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے لباس پہنایا جائے گا اور دوسرے نمبر پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو فرمایا، البتہ تحقیق آئے تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے ﴿ كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ جیسا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ۔

رب العزت کے سامنے انسان کا اکیلے پیش ہونا

﴿ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ ﴾ اور چھوڑ دیا تم نے ان کو جو ہم نے تمہیں نعمتیں دی تھیں۔ وہ بنگلا کوٹھی اور کارخانہ تمہارے ساتھ نہیں آیا، دکان مال بھی ساتھ نہیں آیا ﴿ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ﴾ پشتوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ کچھ تو ساتھ لانا تھا یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ کسی خوش نصیب کو کفن نصیب ہوتا ہے اور کسی کو وہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ﴿ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ ﴾ اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو۔ جن کے متعلق تم کہتے تھے ﴿ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾[یونس:۱۸] کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔ ﴿ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ ﴾ وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے ﴿ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ﴾ کہ بے شک وہ تمہارے اندر شریک ہیں وہ تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ ﴿ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ ﴾ البتہ تحقیق منقطع ہوگئے ہیں تعلقات جو تمہارے درمیان تھے، آج نہ تم ان کے کام آسکتے ہو اور نہ وہ تمہارے کام آسکتے ہیں۔ ﴿ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴾ اور غائب ہوگئے تم سے وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اور ہمارے کام آئیں گے۔ وہاں نہ سفارشی کام آئیں گے، نہ دولت کام آئے گی، ایمان کام آئے گا اور عمل صالح کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ان کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى﴾ پھاڑ کر نکالتا ہے دانے اور گٹھلیوں سے ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے ﴿وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ﴾ اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ﴾ یہی ہے اللہ تعالیٰ ﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ پس کدھر تم الٹے پھرے جا رہے ہو ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ﴾ وہ پھاڑ نکالتا ہے صبح کو ﴿وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا﴾ اور اس نے بنایا رات کو سکون کے لیے ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ اور سورج اور چاند حساب سے چل رہے ہیں ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ﴾ یہ اندازہ ہے ﴿الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ غالب، جاننے والے کا ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ﴾ جس نے بنائے تمہارے لیے ستارے ﴿لِتَهْتَدُوْا بِهَا﴾ تاکہ تم راہ پاؤ ان کے ذریعے ﴿فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ﴾ تحقیق ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو جاننا چاہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا تم کو ﴿مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ایک نفس سے ﴿فَمُسْتَقَرٌّ﴾ ایک قرارگاہ ﴿وَّمُسْتَوْدَعٌ﴾ اور امانت سپرد کرنے کی جگہ ہے ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ﴾ تحقیق تفصیل کے ساتھ بیان کی ہم نے آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو سمجھ رکھتی ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ جس نے نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ﴾ پس نکالے ہم نے اس پانی کے ذریعے ﴿نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر چیز کے پودے ﴿فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ﴾ پس نکالے ہم نے اس پودے سے ﴿خَضِرًا﴾ سبز رنگ کے دانے ﴿نُّخْرِجُ مِنْهُ﴾ ہم نکالتے ہیں اس سے ﴿حَبًّا مُّتَرَاكِبًا﴾ دانے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے ﴿وَمِنَ النَّخْلِ﴾ اور کھجوروں سے ﴿مِنْ طَلْعِهَا﴾ ایک کے خوشوں سے ﴿قِنْوَانٌ﴾ گچھے ﴿دَانِيَةٌ﴾ لٹکے ہوئے ﴿وَّجَنّٰتٍ﴾ اور باغات ہیں ﴿مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ﴾ انگوروں اور زیتون کے ﴿وَالرُّمَّانَ﴾ اور اناروں کے ﴿مُشْتَبِهًا﴾ جو ملتے جلتے ہیں ﴿وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ اور جو نہیں ملتے جلتے ﴿اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ﴾ دیکھو اس کے پھل کی طرف ﴿اِذَآ اَثْمَرَ﴾ جب وہ پھل دیتا ہے ﴿وَيَنْعِهٖ﴾ اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں کئی نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلی آیت کریمہ ہے ﴿وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا﴾ وہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارشی جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے متعلق ہمارے

شریک ہیں۔ وہ کہاں ہیں وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ قیامت والے دن سب بے بس نظر آئیں گے اختیارات تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں گے۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں کو بیان فرما رہے ہیں کہ یہ تمام کام تو اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں تمہارے شریکوں لات، منات، عزیٰ یا اور کسی نے کیا، کیا ہے اور اس چیز کو تم بھی تسلیم کرتے ہو پھر شریک بنانے کا کیا مطلب ہے؟

"حَبّ" کی تحقیق

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ﴾، حَبّ، حَبَّۃٌ کی جمع ہے اور اس کا معنیٰ ہے "دانہ"۔ تو حَبٌّ کے معنیٰ ہوں گے دانے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑ کر نکالتا ہے دانے۔ لوگ جو گندم، جو، مکئی، باجرہ وغیرہ کی فصلیں بوتے ہیں ان کے دانوں کو پھاڑ کر زمین سے کون اگاتا ہے رب ہی تو ہے۔

"نَوٰی" کی تحقیق

﴿وَالنَّوٰی﴾، اور گٹھلیوں سے نَوٰی، نَوَاۃٌ کی جمع ہے اور اس کا معنیٰ ہے گٹھلی۔ مثلاً: آم کی گٹھلی ہے، کھجور کی گٹھلی ہے تم ان کو زمین میں دبا دیتے ہو رب تعالیٰ ان کو پھاڑ کر زمین سے اُگا دیتا ہے۔

زندہ کو مُردہ سے نکالنے کا مطلب

اور یہ تم تسلیم بھی کرتے ہو ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے۔ نطفہ بے جان ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ بچہ پیدا فرماتے ہیں انڈہ بظاہر بے جان ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ چوزہ پیدا فرماتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ باپ کافر ہوتا ہے اس سے مومن بیٹا پیدا کرتا ہے اور جاہل سے عالم پیدا کرتا ہے۔ نیک سے بد اور بد سے نیک پیدا کرتا ہے زندہ کو مُردہ کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے۔

مُردہ کو زندہ سے نکالنے کا مطلب

﴿وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ﴾ اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے۔ انسان زندہ ہے اس سے نطفہ بے جان پیدا کرتا ہے مرغی زندہ ہے اس سے انڈا بے جان پیدا کرتا ہے۔ مومن سے کافر پیدا کرتا ہے۔ نوح علیہ السلام جیسے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے کنعان جیسا سرکش اور باغی بیٹا کس نے پیدا کیا اور کتنے علماء کی اولاد جاہل بلکہ "اجہل" ہوتی ہے۔ تو علماء سے جاہل اجہل کون پیدا کرتا ہے؟ رب ہی تو ہے۔ ﴿ذٰلِکُمُ اللّٰہُ﴾ یہی ہے اللہ تعالیٰ ﴿فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ﴾ پس کدھر تم الٹے پھرے جا رہے ہو۔

صبح کو نکالنا اور رات کو آرام کی چیز بنانا

﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ﴾ وہ پھاڑ جا نکالتا ہے صبح کو، اندھیرے کو ختم کر کے روشنی کون لاتا ہے رب ہی تو ہے ﴿وَجَعَلَ الَّیْلَ

سَكَنًا﴾ اور اس نے بنایا رات کو سکون کے لیے کہ دن کو طرح طرح کا شور ہوتا ہے رات کو تم آرام کرو۔ تو یہ رات رب تعالیٰ نے ہی تو بنائی ہے۔

سورج اور چاند کو اندازے سے مقرر کرنا

﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ اور سورج اور چاند حساب سے چل رہے ہیں۔ بے شمار چیزیں سورج اور چاند سے وابستہ ہیں ان کے بغیر نظام ہی نہیں چل سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حساب سے رکھا ہے۔ مجال ہے کہ سورج اور چاند کی رفتار میں کمی بیشی آئے اور جو راستے اور منزلیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمائی ہیں مجال ہے کہ ان سے اِدھر اُدھر ہو جائیں۔ ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ یہ اندازہ ہے غالب جاننے والے کا۔ یہ تمام کام بھی رب تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

”ستارے“ راہِ راست کی علامت

﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ﴾ جس نے بنائے تمہارے لیے ستارے ﴿لِتَهْتَدُوْا بِهَا﴾ تاکہ تم راہ پاؤ ان کے ذریعے ﴿فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں۔ آج تو سائنس نے بڑی ترقی کی ہے مگر جس زمانے میں قرآن کریم نازل ہوا تھا وہ بڑا سادہ زمانہ تھا لوگ صحرائی سفر کرتے تھے تو ستاروں کو دیکھ کر سمت کو متعین کرتے تھے کہ یہ ستارہ یہاں ہے لہٰذا ہم نے ادھر جانا ہے اور سمندر میں کشتیوں کے راستے بھی ستاروں کے ذریعے متعین کرتے تھے۔

فرمایا ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ﴾ تحقیق ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو جاننا چاہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کی اور قدرت کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا تم کو ﴿مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ایک نفس سے، یعنی آدم علیہ السلام سے۔ ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا پھر ان سے آگے نسل انسانی بڑھائی۔

”مُسْتَقَرٌّ، مُسْتَوْدَعٌ“ کی تحقیق وتفسیر

﴿فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ﴾ پس ایک قرارگاہ اور امانت سپرد کرنے کی جگہ ہے۔ مُسْتَقَرٌّ کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ آدمی کا مادہ باپ کی پیٹھ میں ہوتا ہے اور ماں کی چھاتی میں ہوتا ہے۔ تو یہ مستقر ہوا پھر ماں کے رحم میں ودیعت ہوتا ہے تو یہ مستودع ہوا اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ مستقر سے مراد ماں کا رحم ہے اور مستودع سے مراد یہ زمین ہے جس میں کچھ عرصہ کے لیے رہنا ہے۔ ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ﴾ تحقیق تفصیل کے ساتھ بیان کیں ہم نے آیتیں اس قوم کے لیے جو سمجھ رکھتی ہے۔

پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ جس نے نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی۔ انسانی زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بالکل فری کر دیا ہے۔ ہوا کے بعد ضروری چیز پانی ہے عالمِ اسباب میں جس پر زندگی کا دارومدار ہے یہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے نازل فرمایا ہے۔

فرمایا ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ پس نکالے ہم نے اس پانی کے ذریعے ہر چیز کے پودے۔ سارے باغات اور فصلیں پانی کے ذریعے ہی اگتی ہیں۔ ﴿فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا﴾ پس نکالے ہم نے اس پودے سے سبز رنگ کے دانے ﴿نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا﴾ ہم نکالتے ہیں اس سے دانے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے۔ ہر خوشہ پہلے سبز رنگ کا ہوتا ہے پھر پک کر سرخ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے بے شمار دانے پیدا ہوتے ہیں۔ عام اناج کا ذکر کرنے کے بعد۔

کھجوروں اور انگوروں کا ذکر بکثرت کرنے کی وجہ

آگے اللہ تعالیٰ نے خاص چیز کا ذکر فرمایا ہے ﴿وَمِنَ النَّخْلِ﴾ اور کھجوروں سے، اور ہم نے پانی کے ذریعے کھجوروں کو پیدا فرمایا ﴿مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ﴾ ایک کے خوشوں سے گچھے لٹکے ہوئے ہیں ﴿وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ﴾ اور باغات ہیں انگوروں کے۔

قرآنِ کریم میں انگوروں اور کھجوروں کا ذکر کثرت سے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا پھل دیر تک رہتا ہے۔ دوسرے پھل موسمی ہیں کہ موسم کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ کھجوریں کئی کئی سال تک باقی رہتی ہیں اور کام آتی ہیں۔ اور انگوروں کا منقہ اور کشمش بنا کر لوگ رکھتے ہیں۔ اور یہ کئی کئی سال تک کام آتی ہے۔ تو یہ کھجوریں اور انگور کس نے پیدا فرمائے ہیں۔

خاصیاتِ زیتون و دیسی گھی

﴿وَّالزَّيْتُوْنَ﴾ اور زیتون کے۔ زیتون کو کس نے پیدا فرمایا؟ عرب کے علاقہ میں عموماً کھانے کے لیے زیتون کا تیل استعمال ہوتا ہے اور یہ گھی سے زیادہ مفید ہے۔ البتہ دیسی گھی ان لوگوں کے لیے تو سونے پر سہاگہ ہے جو بدنی محنت اور مشقت کا کام کرتے ہیں اور جو لوگ بیٹھے رہتے ہیں ان کے لیے مضر ہے کہ ان کے اعصاب کو کمزور کرتا ہے اور زیتون کے تیل کی یہ خوبی ہے کہ وہ بدن سے رطوبات کو خارج کر کے رگوں کو صاف کرتا ہے اور اعصاب کو مضبوط کرتا ہے۔ اور پیٹ کی بیماریوں کا علاج ہے۔

پھلوں کی اقسام و نقشہ جات کا قدرتِ الٰہی کی گواہی دینا

﴿وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ اور اناروں کے جو ملتے جلتے ہیں اور جو نہیں ملتے جلتے۔ یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مگر چکھو تو ایک کے دانے میٹھے ہیں اور دوسرے کے کھٹے ہیں۔ پھر کوئی موٹا ہے اور کوئی پتلا ہے، کوئی سرخ رنگ کا ہے

اور کوئی سفید ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کس نے بنائے ہیں؟

﴿اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ﴾ دیکھو اس کے پھل کی طرف جب وہ پھل دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کیسی شکل بنائی ہے۔ کھجور کا اپنا نقشہ اور ذائقہ ہے اور فوائد ہیں۔ یہ کس نے پیدا کئے ہیں؟ ﴿وَيَنْعِهٖ﴾ اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو۔ درخت پر پکا ہوا تو ہمیں نصیب نہیں ہوتا ہماری طرف تو وہ کچا توڑ کر مصالحہ لگا کر بھیج دیتے ہیں اور روپے وہ لے لیتے ہیں اور پھوک ہم کھا لیتے ہیں جس میں نہ ذائقہ اور نہ لطف ہوتا ہے۔ اصل پھل تو وہ ہے جو درخت پر پکے اور باغباں ہی کھاتے ہیں۔ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں کئی نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو رب تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ﴾ اور بنائے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ﴿شُرَكَآءَ الْجِنَّ﴾ شریک جن ﴿وَخَلَقَهُمْ﴾ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا ہے ﴿وَخَرَقُوْا﴾ اور گھڑے ان لوگوں نے ﴿لَهٗ بَنِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے ﴿وَبَنٰتٍ﴾ اور بیٹیاں ﴿بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ جہالت سے ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿وَتَعٰلٰى﴾ اور بلند ہے ﴿عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾ اس چیز سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿اَنّٰى یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ﴾ کہاں سے ہوگی اس کی اولاد ﴿وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ حالاں کہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ اور اس نے پیدا کی ہے ہر چیز ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہاری تربیت کرنے والا ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر وہی ﴿خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ پس تم اس کی عبادت کرو ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں ﴿وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ اور وہ پاتا ہے آنکھوں کو ﴿وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ اور وہ نہایت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے ﴿قَدْ جَآءَكُمْ﴾ تحقیق آ چکی ہیں تمہارے پاس ﴿بَصَآىِٕرُ﴾ بصیرت کی باتیں ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے ﴿فَمَنْ اَبْصَرَ﴾ پس جس نے دیکھا ﴿فَلِنَفْسِهٖ﴾ پس اپنے نفس کے لیے دیکھے گا ﴿وَمَنْ عَمِیَ﴾ اور جو اندھا ہوا ﴿فَعَلَیْهَا﴾ پس اس کے نفس پر پڑے گا ﴿وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ﴾ اور نہیں ہوں میں تم پر نگران ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ﴾ ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ﴾ اور تاکہ وہ کہیں کہ آپ نے پڑھا ہے ﴿وَلِنُبَیِّنَهٗ﴾ اور تاکہ ہم قرآن کو بیان کریں ﴿لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ اس قوم کے

لیے جو جانتی ہے۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں اس چیز کا بیان ہے کہ اناج اور پھل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ زندہ سے مُردہ اور مُردہ سے زندہ بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ دن رات، چاند سورج ستارے، سب اسی کے حکم سے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ تمہیں بھی اسی نے ایک نفس سے پیدا فرمایا، ہر قسم کا سبزہ کھجوریں انگور اور انار سب رب تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔

جنات کو شریک بنانے کا مطلب

لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ ﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ﴾ اور بنائے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک جنات۔ جنات کو شریک بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنات کو خالق سمجھتے تھے، نہیں، خالق نہیں سمجھتے تھے بلکہ ﴿وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ [سورۃ الجن: ۶] "اور یہ بات بھی ہے کہ مرد انسانوں میں سے پناہ پکڑتے تھے جنوں میں سے کچھ مردوں کے ساتھ پس بڑھا دیا انھوں نے ان کی سرکشی کو۔" حالانکہ پناہ دینا رب تعالیٰ کی صفت ہے۔

تو یہ جنات سے پناہ پکڑنا ان کو سورنا پکارنا حاجت میں یہ شریک بنانا ہے۔ کیونکہ ماوراء الاسباب یہ اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَ خَلَقَهُمْ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا ہے ﴿وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍ﴾ اور گھڑے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں ﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور یہودیوں نے کہا عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور عیسائیوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ جب لوگوں کی ذہن سازی ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی بھی کوئی اولاد ہو سکتی ہے تو پھر اپنے لیے دعویٰ کر دیا بیٹے ہونے کا اور کہا ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

کفار کا ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنانا

﴿وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ اور بنائی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں۔ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ جہالت سے یہ باتیں کرتے ہیں رب تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے، نہ بیٹی ہے، نہ اس کی ماں ہے نہ باپ ہے وہ ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ﴾ ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے بیٹوں اور بیٹیوں سے شریکوں سے ﴿وَ تَعٰلٰى﴾ اور بہت بلند ہے ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اس چیز سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے شریک ہیں اور یہ بھی پناہ دے سکتے ہیں اور ان کو بھی پکارنا جائز ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بہت بلند ہے۔

بغیر نمونے کے زمین وآسمان کو بنانا

﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔اس سے پہلے ایسی کوئی چیز نہیں تھی کہ جس طرح آسمانوں اور زمینوں کو بنانا اور بغیر نمونے کے کسی چیز کو بنانا بڑا مشکل ہوتا ہے اور بنی ہوئی چیز کی نقل اتارنی آسان ہوتی ہے۔یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اولاد بغیر بیوی کے نہیں ہوسکتی

پھر ان ظالموں سے پوچھو ﴿اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ﴾ کہاں سے ہوگی اس کی اولاد ﴿وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی تو اولاد کہاں سے آئے گی؟ عادت یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

نصاریٰ کا مریم علیہا السلام کو در پردہ اللہ تعالیٰ کی بیوی کہنا

البتہ عیسائی اگرچہ زبانی طور پر اقرار تو نہیں کرتے مگر ان کے اندازِ گفتگو سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی بیوی ہوں۔معاذ اللہ تعالیٰ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کا بیٹا بھی مانتے ہیں تو منطقی طور پر یہ بات لازم آتی ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی بیوی ہوں۔ ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ اور اس نے پیدا کی ہے ہر چیز ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہاری تربیت کرنے والا جس کی صفات ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی﴾ سے شروع ہوئی ہیں ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر وہی ﴿خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے

﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ پس تم اس کی عبادت کرو اس کے سوا کسی اور کے سامنے نہ جھکو نہ کسی کے نام کی نذر و نیاز دو اور نہ ہی کسی اور کا طواف کرو۔کیونکہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ ﴿وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔وہی ہر ایک کا کام بنانے والا ہے۔ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ نہیں پاسکتیں اس کو آنکھیں یعنی مخلوق کی آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں ﴿وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ اور وہ پاتا ہے آنکھوں کو یعنی ان کا احاطہ کرنے والا ہے۔

دیکھنے اور احاطہ کرنے میں فرق

دیکھنا اور چیز ہے اور احاطہ کرنا اور چیز ہے۔دونوں میں فرق ہے مخلوق میں سے کسی کی آنکھ اس کا احاطہ نہیں کرسکتی دیکھ سکتی ہے۔

”معتزلہ“ تعارف/عقائد

ایک باطل فرقہ ہے ”معتزلہ“ وہ صرف عقل کے پیچھے چلتے ہیں اور جو چیز ان کے عقل میں نہ آئے اس کا انکار کر دیتے ہیں وہ قیامت والے دن دیدارِ الٰہی کے منکر ہیں کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا۔ اور ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ نہیں دیکھیں گی اس کو آنکھیں حالانکہ قرآنِ کریم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ [سورۃ القیامہ] ”کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔“

روزِ قیامت دیدارِ الٰہی کا ضرور ہونا

اور متواتر درجے کی صحیح احادیث میں جو تم حدیث کے درس میں سن چکے ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اپنے رب تعالیٰ کو دیکھیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ چودھویں رات کا چاند ہو اور دھند، بادل بھی نہ ہو تو چاند تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوپہر کا وقت ہو۔ دھند اور بادل بھی نہ ہوں تو سورج تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا حضرت! نظر آتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَ كَذٰلِكَ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ اسی طرح تم اپنے پروردگار کا دیدار کرو گے۔ تو دیدارِ الٰہی قرآنِ کریم سے بھی ثابت ہے اور احادیث سے بھی ثابت ہے اور اس پر امت کا اجماع اور اتفاق ہے۔ البتہ آنکھیں رب تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں ﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ اور وہ نہایت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔

”بَصَآئِرُ“ کی تحقیق

﴿قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ ”بَصَآئِرُ“، بَصِيْرَةٌ کی جمع ہے اور بصیرت کا معنیٰ ہے دل کی روشنی۔ تو معنیٰ ہوگا تحقیق آچکی ہیں تمہارے پاس وہ چیزیں جو دل میں روشنی پیدا کرتی ہیں تمہارے رب کی طرف سے۔ پھر کیا ہوگا ﴿فَمَنْ اَبْصَرَ﴾ پس جس نے دیکھا آنکھیں کھول کر ﴿فَلِنَفْسِهٖ﴾ پس اپنے نفس کے لیے دیکھے گا ﴿وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا﴾ اور جو اندھا ہوا پس اس کے نفس پر پڑے گا یہ اندھا پن۔ دوپہر کا وقت ہو بادل، دھند وغیرہ بھی نہ ہوں اور کوئی شخص آنکھیں بند کر کے کہے کہ مجھے دکھاؤ سورج کہاں ہے؟ تو ایسے شخص کو سورج کوئی نہیں دکھا سکتا۔ ؎

آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

دلائل عقلیہ ونقلیہ کے ہوتے ہوئے بھی نہ ماننا

اللہ تعالیٰ کی توحید پر عقلی اور نقلی دلائل کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص ضد کر کے شرک پر اڑا رہے تو اس ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اسی طرح جو ضدی کافر مشرک اور منافق ہیں ان کی آنکھیں ضد کی وجہ سے بند ہو چکی ہیں۔ ان کو رب تعالیٰ کی

قدرتیں اور اس کی وحدانیت کے دلائل نظر نہیں آتے بس یہ اپنی غرض سے غرض رکھتے ہیں۔ ﴿وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ﴾ اور نہیں ہوں میں تم پر نگران، حفاظت کرنے والا ہر چیز کی صرف رب تعالیٰ ہے۔

مظاہرِ قدرت کا مقصود صرف سمجھانا ہے

﴿وَ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ﴾ اور اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں۔ کبھی آسمان کی طرف متوجہ کرتے ہیں، کبھی زمین کی طرف، کبھی اپنے وجود کی طرف اور کبھی چاند اور سورج کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کبھی نظام بارش کی طرف اور کبھی درختوں اور پھلوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو ﴿وَلِیَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ﴾ اور تاکہ وہ کہیں کہ آپ نے پڑھا ہے قرآنِ کریم کی آیتوں کو پھیر پھیر کر اور تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے بیان کیا گیا تاکہ وہ سمجھیں۔ مگر مخالف اس کا غلط مطلب لیتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کسی دوسرے شخص سے سیکھ کر آتے ہیں اس لیے تھوڑا تھوڑا کر کے سناتے ہے۔

اور یہ شوشہ بھی انہوں نے چھوڑا تھا کہ ﴿تُمۡلٰی عَلَیۡهِ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلًا﴾ [الفرقان:۵] یہ آیتیں اس کو صبح و شام لکھوائی جاتی ہیں حالانکہ سب کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے اور سورۃ العنکبوت میں ہے ﴿وَلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیۡنِکَ﴾ اور نہ لکھتے تھے داہنے ہاتھ سے اور وحی کے نازل ہونے سے پہلے آپ ﷺ پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے ﴿الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ﴾ [الاعراف:۱۵۷] آپ ﷺ کی صفت ہے اس کے باوجود یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ آپ ﷺ کو آیتیں لکھوائی جاتی ہیں اور یہ بھی کہا کہ خود بنا کر لاتا ہے ﴿وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ﴾ اور تاکہ ہم قرآن کو بیان کریں اس قوم کے لیے جو جانتی ہے اور علم سے کام لیتی ہے۔ اور جو نہیں جانتے اور علم سے کام نہیں لیتے ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿اِتَّبِعۡ﴾ آپ پیروی کریں ﴿مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ﴾ اس چیز کی جو وحی کی گئی آپ کی طرف ﴿مِنۡ رَّبِّکَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی معبود مگر صرف وہی ﴿وَاَعۡرِضۡ﴾ اور آپ اعراض کریں ﴿عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾ شرک کرنے والوں سے ﴿وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر چاہے اللہ تعالیٰ ﴿مَاۤ اَشۡرَکُوۡا﴾ تو یہ شرک نہ کر سکیں ﴿وَمَا جَعَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا﴾ اور نہیں بنایا ہم نے تمہیں ان پر نگران ﴿وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِوَکِیۡلٍ﴾ اور نہیں ہیں آپ ان کے وکیل ﴿وَلَا تَسُبُّوا﴾ اور نہ برا کہو ﴿الَّذِیۡنَ﴾ ان کو ﴿یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿فَیَسُبُّوا اللّٰهَ﴾ پس وہ بُرا کہیں گے اللہ تعالیٰ کو ﴿عَدۡوًۢا﴾ تجاوز کرتے ہوئے ﴿بِغَیۡرِ عِلۡمٍ﴾ بغیر علم کے ﴿کَذٰلِکَ﴾ اسی طرح ﴿زَیَّنَّا﴾ ہم نے مزین کیا ﴿لِکُلِّ اُمَّۃٍ﴾ ہر امت کے لیے ﴿عَمَلَهُمۡ﴾ ان کا عمل ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ﴾ پھر ان کا اپنے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے ﴿فَیُنَبِّئُهُمۡ﴾ پس وہ ان

کو خبر دے گا ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ جو کچھ وہ کرتے تھے ﴿وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور قسمیں اٹھائیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ﴿جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ مضبوط قسمیں ﴿لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ﴾ البتہ اگر آئے گی ان کے پاس کوئی نشانی معجزہ ﴿لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا﴾ البتہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں ﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ﴾ اور (اے ایمان والو!) تمھیں کیا معلوم ہے ﴿اَنَّهَآ﴾ کہ شاید وہ معجزہ ﴿اِذَا جَآءَتْ﴾ جب ان کے پاس آئے ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ تو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ﴾ اور ہم پھیر دیں ان کے دلوں کو ﴿وَاَبْصَارَهُمْ﴾ اور ان کی آنکھوں کو ﴿كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ﴾ جس طرح کہ وہ نہیں ایمان لائے اس پر ﴿اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ پہلی مرتبہ ﴿وَّنَذَرُهُمْ﴾ اور ہم چھوڑ دیں ان کو ﴿فِيْ طُغْيَانِهِمْ﴾ وہ اپنی سرکشی میں ﴿يَعْمَهُوْنَ﴾ سرگردان اور حیران پھر رہے ہیں۔

ربط رکوعات

پہلے دو رکوعوں میں شرک کی تردید تھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل کا بیان تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تسلی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ پیروی کریں اس چیز کی جو وحی کی گئی آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے۔ آپ اپنے رب کے حکم کو ماننے کے پابند ہیں آپ کا پہلے بھی یہی عقیدہ ہے۔

معبود، حاجت روا، فریاد رس صرف اللہ تعالیٰ

پھر صاف لفظوں میں سن لیں اور ان لوگوں کو سمجھائیں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی معبود مگر صرف اس کے سوا نہ کوئی عبادت کے لائق ہے اور نہ کوئی حاجت روا، نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی فریاد رس، نہ کوئی دست گیر، نہ کوئی عالم الغیب والشہادہ، نہ کوئی حاضر و ناظر، نہ کوئی قانون بنانے والا، نہ کوئی حاکم ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ [یوسف: ۴۰] "حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔"

مشرکین کے غلط جملوں کا جواب دینے کی ممانعت

﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور آپ اعراض کریں شرک کرنے والوں سے کہ ان کے غلط جملوں کا جواب نہ دیں کہ یہ آپ کو مجنون، مفتری اور جادوگر، کبھی کذاب اور کبھی مسحور کہتے ہیں۔ اگر آپ نے بھی اسی طرح جواب دیا تو آپ میں اور ان میں فرق نہیں رہے گا اور یہ محض آپ کی لڑائی بن جائے گی۔

"اعراض" کا مطلب

اعراض کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ان کو تبلیغ نہ کریں ان کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ کیونکہ تبلیغ تو آپ کا فریضہ ہے۔

ان کو مسئلہ توحید سمجھانا ہے شرک کا رد کرنا ہے۔

انسان، ملائکہ فرق/مقصد تخلیق

﴿وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر چاہے اللہ تعالیٰ ﴿مَآ اَشْرَكُوْا﴾ تو یہ شرک نہ کر سکیں اس طرح کہ رب تعالیٰ ان کو ایمان پر مجبور کر دے، انکار اور بدی کی طاقت ان سے سلب کر لے جس طرح فرشتے ہیں کہ وہ کفر نہیں کر سکتے بدی نہیں کر سکتے کہ ان میں کفر اور بدی کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ تو رب تعالیٰ چاہے تو ان کو فرشتہ صفت بنا دے کہ شرک کر ہی نہ سکیں۔ تو پھر انسان تو نہیں رہیں گے فرشتے بن جائیں گے۔ تو پھر انسان کو پیدا کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اور جب انسان، انسان ہے اور جن، جن ہے تو اس میں خیر کی طاقت بھی ہوگی اور شر کی طاقت بھی اور دونوں کا اختیار بھی دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو نیکی بدی پر مجبور نہیں کرتا۔

مقصدِ بعثت

﴿وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر نگران ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ اور نہیں ہیں آپ ان کے وکیل کہ جبراً ان کو ہدایت دے دیں اور ان سے تسلیم کروالیں آپ تو حق کے مبلغ ہیں ان کے سامنے حق بیان کر دیں پھر ان کی مرضی ہے کہ قبول کریں یا نہ کریں۔

مشرکین کے خود ساختہ خداؤں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور نہ برا کہو ان کو جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ورے ورے۔ ہر زمانے میں جذباتی قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور سنجیدہ مزاج کے لوگ بھی ہوتے ہیں اس زمانے میں بھی جذباتی لوگ موجود تھے۔ جب ان کے سامنے کوئی لات، منات، عزیٰ کا ذکر کرتا یا دیگر بتوں کا تو وہ ان کو گالیاں دینی شروع کر دیتے۔ اس کے جواب میں لات، منات، عزیٰ کے پجاری رب تعالیٰ کو گالیاں دینی شروع کر دیتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے پابندی لگا دی کہ تم ان کے خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہو ﴿فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ پس وہ بُرا کہیں گے اللہ تعالیٰ کو تجاوز کرتے ہوئے بغیر علم کے۔

شرک کی تردید فرض ہے

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ایک ہے شرک کی تردید کرنا کہ لات، منات، عزیٰ کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہیں یہ مشکل کشا، حاجت روا نہیں ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی صفات نہیں ہیں۔ یہ بیان کرنا تو فرض ہے کیونکہ جب تک ان کی الوہیت کی تردید نہیں کی جائے گی شرک کی تردید نہیں ہوگی۔ اور ایک ہے ان کو برا بھلا کہنا کہ لات کی ایسی کی تیسی، منات کی ایسی تیسی اور ان کو گالیاں دینا یہ صحیح نہیں ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک ہے کسی کا عقیدہ بیان کرنا کہ اس کا عقیدہ کیسا ہے؟ مثلاً:

ہم کہتے ہیں کہ شیعہ کافر ہیں اور ان کے کفر میں رتی برابر بھی شک نہیں ہے اور کافر کو کافر کہنا کوئی جرم نہیں ہے۔

کافر کو دیکھ کر کافر کافر کے نعرے لگانا درست نہیں

دیکھو! قرآنِ کریم میں ہے ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کہہ دیں ﴿يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اے کافرو اور سورۃ مائدہ میں ہے ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ "البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنھوں نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ وہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہے۔" اگر اس کو کافر اپنے لیے گالی سمجھیں تو یہ ان کی نادانی ہے۔ اور ایک ہے کہ ان کو دیکھ کر نعرے لگانے شروع کردے کافر، کافر شیعہ کافر۔ کافر، کافر شیعہ کافر۔ اس کو شریعت پسند نہیں کرتی کہ اس سے فتنے کا دروازہ کھلتا ہے۔

اسی طرح عیسائی بھی کافر ہیں، یہودی بھی کافر ہیں مگر ان کو کوئی دیکھ کر شروع ہو جائے۔ کافر، کافر عیسائی کافر۔ کافر، کافر یہودی کافر۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ مرزائیوں کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے مگر مرزائی کو دیکھ کر کہنا شروع کردے کافر، کافر مرزائی کافر۔ اس کو شریعت پسند نہیں کرتی کیوں کہ یہ انداز چڑانے کا ہے۔

اپنے والدین کو گالی دینے کا مطلب

حدیث پاک میں آتا ہے کہ کوئی اپنے والدین کو گالی نہ دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضرت! کوئی ایسا بھی ہے کہ والدین کو گالیاں دے آج کل کا زمانہ ہوتا تو سوال کی ضرورت ہی نہ پڑتی کیونکہ اس زمانے میں ماں باپ کو گالیاں دینے والے بکثرت موجود ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح ہوگا کہ یہ کسی ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نے خود اپنے ماں باپ کو گالی دی ہے۔

اعمال مزین کرنے کا مطلب

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ﴾ اسی طرح ہم نے مزین کیا ہر امت کے لیے ﴿عَمَلَهُمْ﴾ ان کا عمل۔ ہر قوم اپنے اعتقادات اور رسم و رواج کو ہی بہتر سمجھتی ہے۔ مشرکین کے نزدیک شرک بھی ایک بہت اچھا کام ہے۔ بدعتی بدعت پر نازاں ہے۔ کافر اپنے معبودانِ باطلہ کی پوجا کر کے خوش ہے۔ غرضیکہ ہر امت اپنے اپنے اعمال کو اچھا خیال کر کے اس پر عمل پیرا ہے۔ تو جب وہ کفر اور شرک کو اپنے لیے اچھا خیال کرنے لگے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وہی اعمال مزین کر دیے۔ مومنوں کے لیے ایمان اور کافروں کے لیے کفر۔

"مرجع" کی تحقیق

﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ﴾ پھر ان کا اپنے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ لفظ "مرجع" مصدر کا صیغہ بھی بن سکتا ہے اور ظرف کا صیغہ بھی بن سکتا ہے۔ اگر مصدر ہو تو معنیٰ ہوگا رب کی طرف لوٹنا۔ اور ظرف ہو تو معنیٰ ہوگا رب کی طرف ان کے لوٹنے کی

جگہ ہے۔ ﴿ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ پس وہ ان کو خبر دے گا اس چیز کی جو کچھ وہ کرتے تھے۔ یعنی ان کی نیکی بدی کا پورا پورا بدلہ دے گا ﴿ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ ﴾ اور قسمیں اٹھائیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ﴿ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ﴾ مضبوط قسمیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے۔

معجزات کا صادر ہونا رب العزت کی طرف سے ہے

﴿ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ﴾ البتہ اگر آئے گی ان کے پاس کوئی نشانی معجزہ ﴿ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ﴾ البتہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔ اور نشانیاں مانگتے تھے اپنی مرضی کی۔ کہتے تھے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو پھر آپ کی سونے کی کوٹھی ہونی چاہیے اور کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہونا چاہیے جس میں نہریں جاری ہوں یا ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ کر وہاں سے کتاب لے کر آ۔ اس قسم کے معجزے مانگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ قُلْ ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ پختہ بات ہے کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ مجھے ان پر اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ ﴾ اور اے ایمان والو! تمہیں کیا معلوم ہے ﴿ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ ﴾ کہ شاید وہ معجزہ جب ان کے پاس آئے ﴿ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ تو یہ لوگ ایمان نہ لائیں۔

رؤیت شق القمر اور کفار کا بدستور انکار

یہ کتنے ضدی ہیں اس کا اندازہ اس سے لگالو کہ چودھویں کی رات تھی چاند سر پر تھا اور مطلع بھی بالکل صاف تھا بادل، دھند، غبار وغیرہ نہیں تھا۔ ان کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں تو چاند دو ٹکڑے ہو جائے ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کر لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کرنا میرے اختیار میں تو نہیں ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو مان لو گے۔ کہنے لگے کیوں نہیں مانیں گے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا جبل ابو قبیس پر چلا گیا جو کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے پہاڑ ہے اور دوسرا ٹکڑا مغرب کی طرف قیقعان پہاڑ پر چلا گیا۔ ستائیسویں پارے میں ہے ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ﴾ قیامت قریب آ گئی ہے ﴿ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ اور چاند پھٹ گیا ہے۔ سب نے آنکھوں سے دیکھا اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ تجھے بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں؟ وہ کہتا ہاں! مجھے بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں۔ وہاں سے چند قدم ہٹ کر دیکھا دو ٹکڑے ہی نظر آئے اور چند قدم ہٹ کر دیکھا پھر بھی دو ٹکڑے ہی نظر آئے۔ اتنا بڑا معجزہ اور نشانی دیکھنے کے باوجود ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا ﴿ وَ كَذَّبُوْا وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴾ جھٹلایا اور اپنی خواہشات پر چلے ﴿ وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ اور کہا بڑا قوی جادو ہے۔ ایسے ضدی تھے کہ نشانی دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے ﴿ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ ﴾ اور ہم پھیر دیں ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو ﴿ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ ﴾ جس طرح کہ وہ نہیں ایمان لائے اس پر ﴿ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ پہلی مرتبہ۔ اسی طرح پھر بھی انکار کر سکتے ہیں شق القمر کو دیکھا مگر ایمان نہیں لائے۔ اس کے علاوہ اور کئی معجزے دیکھے مگر

ایمان نہیں لائے۔ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے یہ محض آپ کو ستانے اور تنگ کرنے کے لیے شوشے چھوڑتے تھے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔اور جو ماننے والے ہوتے ہیں وہ صرف اطمینان چاہتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں۔

کھجور کے گچھے کو دیکھ کر ایمان لے آنا

چنانچہ ترمذی شریف میں روایت آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔کھجور کے ایک بلند درخت پر کھجور کے گچھے لٹک رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کہو کہ کھجور کا ایک گچھا اتر کر تمہاری گود میں آجائے۔آپ ﷺ نے فرمایا رب تعالیٰ قادر ہے وہ کرسکتا ہے سب نے دیکھا کہ گچھا اُتر کر آگیا۔اس شخص نے کہا کہ میری تسلی ہوگئی ہے اٰمَنْتُ وَصَدَّقْتُ میں ایمان لایا اور میں نے تصدیق کی۔چونکہ وہ درخت کسی اور شخص کی ملکیت تھا اس لیے وہ گچھا دوبارہ اس کے ساتھ جڑ گیا جس طرح پہلے تھا۔مالک کا نقصان بھی نہ ہوا اور اس آدمی کی تسلی بھی ہوگئی اور جو ضدی ہوتے ہیں وہ نہیں مانتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنَذَرُهُمْ﴾ اور ہم چھوڑ دیں ان کو ﴿فِي طُغْيَانِهِمْ﴾ وہ اپنی سرکشی میں ﴿يَعْمَهُونَ﴾ سرگرداں اور حیران پھر رہے ہیں۔حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

﴿وَ لَوْ اَنَّنَا﴾ اور اگر بے شک ہم ﴿نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ﴾ نازل کریں ان کی طرف ﴿الْمَلٰٓىٕكَةَ﴾ فرشتے ﴿وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى﴾ اور گفتگو کریں ان کے ساتھ مردے ﴿وَ حَشَرْنَا عَلَیْهِمْ﴾ اور جمع کر دیں ان کے سامنے ﴿كُلَّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز ﴿قُبُلًا﴾ سامنے ﴿مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا﴾ نہیں ہیں یہ کہ ایمان لائیں ﴿اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے جاہل ہیں ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا﴾ اور اسی طرح بنائے ہم نے ﴿لِكُلِّ نَبِیٍّ﴾ ہر نبی کے لیے دشمن ﴿عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ﴾ انسانوں اور جنوں میں سے شیطان ﴿یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ القا کرتے ہیں بعض بعض کو ﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾ ملمع کی ہوئی بات ﴿غُرُوْرًا﴾ دھوکا دینے کے لیے ﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ﴾ اور اگر چاہے تیرا پروردگار ﴿مَا فَعَلُوْهُ﴾ تو نہ کر سکیں یہ اس بات کو ﴿فَذَرْهُمْ﴾ پس چھوڑ دیں ان کو ﴿وَ مَا یَفْتَرُوْنَ﴾ اور اس چیز کو جس کا یہ افترا کرتے ہیں ﴿وَ لِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ﴾ اور تاکہ مائل ہوں اس کی طرف ﴿اَفْـٕدَةُ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے دل ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ جو نہیں ایمان رکھتے آخرت پر ﴿وَ لِیَرْضَوْهُ﴾ اور تاکہ اس کو پسند کریں ﴿وَ لِیَقْتَرِفُوْا﴾ اور تاکہ وہ کمائیں ﴿مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾ جو کچھ وہ کماتے ہیں ﴿اَفَغَیْرَ اللّٰهِ﴾ کیا پس اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اَبْتَغِیْ حَكَمًا﴾ تلاش کروں میں فیصلہ کرنے والا ﴿وَّ هُوَ الَّذِیْۤ﴾ حالاں کہ اسی نے ﴿اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ﴾ نازل کی تمہاری طرف کتاب ﴿مُفَصَّلًا﴾ تفصیلی ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے ﴿یَعْلَمُوْنَ﴾ وہ جانتے ہیں ﴿اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ﴾ کہ بے شک یہ اُتاری گئی ہے ﴿مِّنْ رَّبِّكَ﴾ تیرے رب کی طرف سے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ اور مکمل ہو گیا ہے تیرے رب کا فیصلہ ﴿صِدْقًا وَّ عَدْلًا﴾ سچائی اور انصاف کے ساتھ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ کوئی نہیں تبدیل کر سکتا اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ﴿وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

ربط ؟

کل کے درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ ﴿وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ﴾ کافروں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اٹھائیں ﴿لَىٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا﴾ کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔یعنی اگر معجزہ ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق آجائے تو مان لیں گے۔ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ نشانیاں لانا میرے بس کی بات نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پھر ایمان والوں سے خطاب کیا کہ تمہیں کیا معلوم کہ نشانی آجانے پر یہ

ضرور ہی ایمان لے آئیں گے۔

کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی کا بیان

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اتنے ضدی ہیں کہ اگر ہم ان کی طرف فرشتے نازل کریں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿وَلَوْ اَنَّنَا﴾ اور اگر بے شک ہم ﴿نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ نازل کریں ان کی طرف فرشتے اور وہ ان سے گفتگو کریں اور یہ سمجھ جائیں کہ واقعی یہ فرشتے ہیں ﴿وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى﴾ اور گفتگو کریں ان کے ساتھ مردے ﴿وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا﴾ اور جمع کر دیں ان کے سامنے دُنیا کی ہر چیز۔

"قُبُلً" کی تحقیق

"قُبُلً" قبیل کی جمع بھی بن سکتی ہے۔ پھر اقسام کے معنیٰ ہوں گے کہ ہر قسم کی چیزیں ان کے سامنے جمع کر دیں اور "قُبُلً" مصدر بھی آتا ہے۔ تو اس وقت سامنے کے معنیٰ ہوں گے کہ ہم ان کے سامنے دنیا کی ہر چیز جمع کر دیں ﴿مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا﴾ نہیں ہیں یہ کہ ایمان لائیں۔

ابوجہل کی شرارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

یہ روایت تم پہلے بھی سن چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مومن بھی تھے اور کافر بھی تھے کہ ابوجہل آیا۔ سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھو! یہ کیا بات کرتا ہے۔ کیونکہ کرنی تو اس نے شرارت ہی ہوتی تھی۔ کہنے لگا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے بتاؤ کہ میری مٹھی میں کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا جی اگر مٹھی والی چیز بول کر بتادے تو پھر کیا ہوگا؟ کہنے لگا اچھا ان کو کہو کہ یہ بولیں۔

روایات میں آتا ہے کہ اس نے مٹھی میں جو کنکر پکڑے ہوئے تھے انہوں نے بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیا سُبْحَانَ اللہِ سُبْحَانَ اللہِ اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ پڑھنا شروع کر دیا اور سب نے اس طرح سنا جس طرح میں پڑھ رہا ہوں اور تم سن رہے ہو۔ ابوجہل نے کنکریوں کو یہ کہہ کر پھینک دیا کہ تم بھی اس کی طرف دار ہوگئی ہو۔ اب بتاؤ کہ اس ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟ تو فرمایا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللہُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ لیکن وہ جبر کسی پر نہیں کرتا کیونکہ اس کا قانون ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ پس جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے جاہل ہیں سمجھ دار لوگ دنیا میں ہمیشہ تھوڑے ہوئے ہیں۔

ہر نبی کی اُمت میں اس کے دشمنوں کا ہونا

آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کوئی نئی چیز نہیں ہے پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی اس طرح دشمنی کی گئی ہے۔

فرمایا ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ﴾ اور اسی طرح بنائے ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن انسانوں اور جنات میں سے۔ جنھوں نے پیغمبروں کی ڈٹ کر مخالفت کی ﴿یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ﴾ القا کرتے ہیں بعض بعض کو ﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ ملمع کی ہوئی بات دھوکہ دینے کے لیے۔

"زُخْرُفْ" کا لفظی معنیٰ

"زُخْرُفْ" کے لغوی معنیٰ ہیں پیتل یا تانبے پر سونے کا پانی چڑھا کر اس کو سونا ظاہر کیا جائے۔ یعنی ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ تو ﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾ کے معنیٰ ہوں گے ایسی بات جس کا ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ ہو۔ فرمایا ﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ﴾ اور اگر چاہے تیرا پروردگار ﴿مَا فَعَلُوْهُ﴾ تو نہ کر سکیں یہ اس بات کو۔

جن وانس کو اختیار دیتے ہوئے پیغمبروں کے ذریعے کتابیں نازل کرنا

رب تعالیٰ ان سے بدی کی قوت سلب کر لے، کفر کرنے کی طاقت سلب کر لے مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ کیونکہ اس نے جنوں اور انسانوں کو اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی سے جو راستہ چاہو اختیار کرو۔ البتہ اس نے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر حق اور باطل کو واضح کر دیا ہے اور اپنی خوشی اور ناراضگی سے بھی آگاہ کر دیا ہے اور ہر زمانے میں حق کی تبلیغ کرنے والے کھڑے کیے ہیں جو حق و باطل سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد تمہاری مرضی ہے جدھر جانا چاہو چلے جاؤ۔

کفار کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت

﴿فَذَرْهُمْ وَ مَا یَفْتَرُوْنَ﴾ پس چھوڑ دیں ان کو اور اس چیز کو جس کا یہ افترا کرتے ہیں۔ اس کی طرف توجہ ہی نہ دو اور اس لیے بھی دوسروں کو باتیں سناتے ہیں۔ ﴿وَ لِتَصْغٰۤی اِلَیْهِ﴾ اور تاکہ مائل ہوں اس کی طرف ﴿اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے دل ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ جو نہیں ایمان رکھتے آخرت پر اور دنیا کی چیزوں پر مطمئن ہیں ﴿وَ لِیَرْضَوْهُ﴾ اور تاکہ اس کو پسند کریں برا ذہن بری چیز کو پسند کرتا ہے ﴿وَ لِیَقْتَرِفُوْا﴾ اور تاکہ وہ کمائیں ﴿مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾ جو کچھ وہ کماتے ہیں جو کرنا چاہتے ہیں کریں سب کا بدلہ ملے گا۔

صنادید قریش کا مطالبہ اور حکم الٰہی

قریش کے مختلف خاندان تھے اور ہر ہر خاندان کا الگ الگ سردار تھا، سرداری نظام تھا۔ صنادید قریش اکٹھے ہو کر

آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی اکٹھے ہو گئے کہ دیکھو! کیا کہتے ہیں؟ ویسے بھی فارغ ہوتے تھے۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے دو مطالبے کیے۔ایک کا ذکر آج کی آیتوں میں ہے اور دوسرے کا بیان کل ہوگا، ان شاء اللہ۔

کہنے لگے اس بات کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف ہے اور دنیا کا قاعدہ اور دستور ہے کہ فریقین میں جھگڑے کا حل ثالث ہوتا ہے اور ثالث کو عربی زبان میں حکم کہتے ہیں۔لہٰذا حکم مقرر کر لیتے ہیں جو وہ فیصلہ کرے تسلیم کر لو۔رب تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔فرمایا آپ ان سے کہہ دیں ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا﴾ کیا پس اللہ تعالیٰ کے سوا تلاش کروں میں ثالث کسی اور کو میں ثالث مان لوں؟

مشرکین کی سازش ناکامی سے دوچار

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ حالانکہ اسی نے نازل کی تمہاری طرف کتاب تفصیلی۔اور رب تعالیٰ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ حق میرے ساتھ ہے تمہارے ساتھ نہیں ہے۔اور تم بلاوجہ سینہ زوری کرتے ہو۔مشرکین مکہ کا ذہن یہ تھا کہ اکثریت ہماری ہے۔لہٰذا ہم کسی سردار کا نام لیں گے کہ اس کو حکم تسلیم کر لو پھر وہ سردار اس پر فردِ جرم عائد کر دے گا کہ یہ سارا فساد تیری وجہ سے ہے لہٰذا تم باز آ جاؤ اور اپنے پروگرام کو چھوڑ دو۔تو آپ ﷺ نے سرے سے ان کی بات کا انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

طالبان کی اسلامی حکومت اور کفریہ طاقتوں کا بلا جواز دباؤ

یہی چال آج کل افغانستان میں چل رہے ہیں اور طالبان کو کہتے ہیں کہ وسیع البنیاد حکومت تشکیل دو کہ تمام فریقوں کو حکومت میں شامل کرو۔یعنی طالبان نے جن مرتدوں کو نکالا ہے ان کو واپس بلا کر شریک اقتدار کریں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔کیونکہ جید اور سمجھ دار علماء کرام ان میں موجود ہیں۔اگر بالفرض انھوں نے ایسا کیا تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے کہ جس گند کو انھوں نے باہر پھینکا ہے پھر اس کو شامل کر لیا۔اور اس وقت اقوام متحدہ جو بین الاقوامی خبیث اور غنڈہ ہے وہ ان کو اس بات پر آمادہ کر رہا ہے کہ مشترکہ حکومت تشکیل دو تاکہ حق و باطل کا ملغوبہ بن جائے اور جو خالص اسلام نافذ ہے وہ نہ رہے۔اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ دنیا میں ہمیشہ حق کا راستہ روکنے کے لیے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال ہوتے رہے ہیں۔

فہم حق کے لیے منصف مزاج اہلِ کتاب سے رابطے کا مشورہ

تو آپ نے ثالث ماننے سے انکار کر دیا۔ہاں اگر تم حق کو سمجھنا چاہتے ہو اور میری بات تم ضد کی وجہ سے نہیں مانتے تو اہلِ کتاب میں جو منصف مزاج ہیں ان کی طرف رجوع کر لو۔فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب

دی ہے ﴿یَعْلَمُوْنَ﴾ وہ جانتے ہیں ﴿اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ﴾ کہ بے شک یہ اتاری گئی ہے ﴿مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔ چنانچہ اہلِ کتاب میں جو منصف مزاج تھے وہ مانتے تھے اور دوسروں کو بھی کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر ہے اور قرآنِ کریم سچی کتاب ہے۔ اسلام حق اور سچا مذہب ہے۔

دیگراں رانصیحت خودرافضیحت

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ﴾ کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا ﴿وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ [البقرہ:۴۴] اور بھول جاتے ہو اپنے نفسوں کو کہ خود قبول نہیں کرتے۔ اس کا جواب پہلے پارے میں موجود ہے۔ کہتے تھے دیکھو! آپ لوگ محنت مشقت کرتے ہو، ملازمتیں کرتے ہو ہمارا تو کوئی کاروبار نہیں ہے سوائے اس کے کہ ان سے نذرانے اور وظائف ملتے ہیں اگر ہم ایمان لے آئیں تو یہ نذرانے اور وظائف بند ہو جائیں گے ہماری روزی کہاں سے آئے گی؟ لہٰذا ہم مجبور ہیں اور تمہاری تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔

﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے اسلام کی حقانیت اور قرآنِ کریم کی صداقت کے متعلق ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ اور مکمل ہو گیا ہے تیرے رب کا فیصلہ سچائی اور انصاف کے ساتھ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ کوئی نہیں تبدیل کر سکتا اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ مکمل کرے گا اپنے نورِ توحید کو ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف:۸] اور اگرچہ کافر پسند نہ کریں اور کڑھتے رہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ اور اگرچہ مشرک پسند نہ کریں اور کڑھتے رہیں اللہ تعالیٰ اپنے نورِ ایمان کو چمکائے گا۔ کفریہ طاقتیں اگرچہ قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالتی ہیں مگر الحمدللہ! اسلام میں اور مسلمانوں میں کمی نہیں آئی بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

عصرِ حاضر میں دنیا اور ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد

اس وقت دنیا میں مسلم قوم سب سے زیادہ ہے اور دوسرے ملکوں کی نسبت ہندوستان میں تقریباً اٹھائیس کروڑ مسلمان ہیں اور ہندو انہیں مجبور کرتے ہیں کہ یا تو ہندو ہو جاؤ یا پھر پاکستان چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو شہید بھی کرتے ہیں اور مسجدیں بھی مسمار کرتے ہیں مگر وہ ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور معاف رکھنا! وہ ہم سے زیادہ مضبوط مسلمان ہیں۔ بہر حال کفریہ طاقتیں جتنا مرضی زور لگائیں وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، ان شاء اللہ العزیز۔

﴿وَ اِنْ تُطِعْ﴾ اور اگر آپ اطاعت کریں گے ﴿اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ اکثر ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں ﴿يُضِلُّوْكَ﴾ وہ بہکا دیں گے آپ کو ﴿عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ﴾ نہیں وہ پیروی کرتے ﴿اِلَّا الظَّنَّ﴾ مگر گمان کی ﴿وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ اور نہیں ہیں وہ مگر اٹکل اور تخمینے سے باتیں کرتے ہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ﴾ بے شک تیرا پروردگار وہ خوب جانتا ہے ﴿مَنْ يَّضِلُّ﴾ جو گمراہ ہو گیا ﴿عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ اس کے راستے سے ﴿وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو ﴿فَكُلُوْا﴾ پس کھاؤ ﴿مِمَّا﴾ اس چیز کو ﴿ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ﴾ اگر ہو تم ﴿بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ﴿وَ مَا لَكُمْ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے ﴿اَلَّا تَاْكُلُوْا﴾ کہ تم نہیں کھاتے ﴿مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے ﴿وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ﴾ اور تحقیق تفصیل کے ساتھ اس نے بیان کیا ہے تمہارے لیے ﴿مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ان چیزوں کو جو اس نے تم پر حرام قرار دی ہیں ﴿اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ مگر وہ جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ ﴿وَ اِنَّ كَثِيْرًا﴾ اور بے شک بہت سے لوگ ﴿لَّيُضِلُّوْنَ﴾ بہکاتے ہیں ﴿بِاَهْوَآئِهِمْ﴾ اپنی خواہشات کے ساتھ ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر علم کے ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ﴾ وہ خوب جانتا ہے تجاوز کرنے والوں کو ﴿وَ ذَرُوْا﴾ اور چھوڑ دو ﴿ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ ظاہری اور چھپے ہوئے گناہ کو ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ﴾ جو کماتے ہیں گناہ ﴿سَيُجْزَوْنَ﴾ عن قریب ان کو بدلہ دیا جائے گا ﴿بِمَا﴾ اس چیز کا ﴿كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ﴾ جو وہ کماتے رہے ﴿وَ لَا تَاْكُلُوْا﴾ اور نہ کھاؤ ﴿مِمَّا﴾ اس چیز کو ﴿لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں ذکر کیا گیا ﴿وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ اور بے شک یہ کھانا البتہ نافرمانی ہے ﴿وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ﴾ اور بے شک شیاطین ﴿لَيُوْحُوْنَ﴾ البتہ القاء کرتے ہیں ﴿اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ﴾ اپنے دوستوں کی طرف ﴿لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ تا کہ وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ ﴿وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ﴾ اور اگر تم نے شیطانوں کی اطاعت کی ﴿اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ بے شک تم بھی البتہ مشرک بن جاؤ گے۔

ربطِ آیات

کل کے سبق میں بیان ہوا تھا کہ مشرکین مکہ کا ایک نمائندہ وفد جوان کے سرداروں پر مشتمل تھا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مکہ مکرمہ دار الامن تھا لوگ یہاں صدیوں سے بڑے آرام اور چین سے رہ رہے تھے جب

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی رٹ لگائی ہے اس وقت سے گھر گھر میں جھگڑا فساد ہے، بازاروں اور گلیوں میں لڑائیاں ہیں، باپ بیٹے کا جھگڑا ہے، میاں بیوی کا جھگڑا ہے، بھائی، بھائی آپس میں لڑتے ہیں، خسر، داماد کا جھگڑا ہے۔

اور اس تمام فساد کے آپ ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا کسی کو ثالث تسلیم کریں۔ اگر وہ ہمارے عقیدے کے درست ہونے کا فیصلہ کردے تو پھر آپ ہمارے ساتھ مل جائیں اور اگر ثالث آپ کے عقیدے کے درست ہونے کا فیصلہ کردے تو ہم آپ کے ساتھ مل جائیں گے۔ اس کا جواب آپ حضرات کل کے سبق میں سن چکے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو ثالث تسلیم کرلوں یہ نہیں ہوسکتا۔

کفار کی دوسری خودساختہ پیش کش

انہوں نے دوسری پیش کش یہ کی کہ کہنے لگے فریقین میں جھگڑا ہو تو صلح کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگوں سے رائے لے لی جاتی ہے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے؟ لہٰذا لوگوں کو جمع کر کے ریفرنڈم کرالیتے ہیں لوگوں کی اکثریت جو فیصلہ دے اس کو تسلیم کرلیں۔

پیش کش کا جواب

ان کی اس پیشکش کا جواب آج کی آیت کریمہ میں ہے۔ فرمایا ﴿وَاِنْ تُطِعْ﴾ اور اگر آپ اطاعت کریں گے ﴿اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ اکثر ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں ﴿يُضِلُّوْكَ﴾ وہ بہکا دیں گے آپ کو ﴿عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں کہ اکثریت تو ہے ہی گمراہوں کی ان کی رائے تو ان کے ساتھ ہوگی، ووٹنگ کی کیا ضرورت ہے؟ ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ﴾ نہیں وہ پیروی کرتے ﴿اِلَّا الظَّنَّ﴾ مگر گمان کی ﴿وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ اور نہیں ہیں وہ مگر اٹکل اور تخمینے سے باتیں کرتے ہیں۔ دلیل ان کے پاس کوئی نہیں ہے تو جو اکثریت اٹکل اور تخمینے کے پیچھے چلتی ہو تو ان کے ووٹوں کی کیا حیثیت ہے؟

انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کی تعداد

اور یہ بات آپ کئی مرتبہ سن چکے ہیں کہ دنیا میں ایسے پیغمبر بھی تشریف لائے کہ ان پر ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا، نہ بہن، نہ بھائی، نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ بیوی، کسی نے بھی ساتھ نہ دیا اکیلا پیغمبر حق پر رہا۔ اور ایسے پیغمبر بھی تھے کہ جن پر صرف دو آدمی ایمان لائے اور ایسے بھی تھے کہ جن پر تین آدمی ایمان لائے اور اکثریت دوسری طرف ہی رہی۔ تو اکثریت ہمیشہ غلط کار ہی رہی ہے۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ﴾ بے شک تیرا پروردگار وہ خوب جانتا ہے ﴿مَنْ يَّضِلُّ﴾ جو گمراہ ہو گیا ﴿عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ اس کے راستے سے ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو لہٰذا آپ اپنا کام کرتے جائیں نہ کسی کو حکم ماننے کی ضرورت ہے اور نہ ووٹنگ کی۔

کفار اور مشرکین کا شوشہ

مشرکوں اور کافروں نے ایک یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ یہ مسلمان اپنے ہاتھ کا مارا ہوا جانور یعنی ذبح شدہ جانور حلال سمجھتے ہیں اور خدا کا مارا ہوا یعنی طبعی موت مرا ہوا جانور حرام سمجھتے ہیں یہ مسلمان کیسی عجیب مخلوق ہے؟ عوام بڑے سطحی ذہن کے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ واقعی بات تو صحیح ہے کہ رب کا مارا ہوا حرام اور اپنا مارا ہوا حلال۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مارتا اس کو بھی رب تعالیٰ ہے اور اس کو بھی رب تعالیٰ ہے البتہ جس پر تکبیر پڑھی گئی ہے یعنی تکبیر پڑھ کر ذبح کیا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے حلال ہے اور جو مردار ہو گیا وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نام سے محروم ہے اس لیے حرام ہے۔

تکبیر کے متعلق مسئلہ

تکبیر کے متعلق مسئلہ سمجھ لیں کہ جانور کو ذبح کرتے وقت جب تکبیر پڑھی جائے تو اتنی آواز ہو کہ اپنے کان سنیں اور اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور اپنے کانوں نے نہ سنا تو بحر الرائق وغیرہ فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں میں ہے کہ جانور حلال نہیں ہوگا۔

نماز کے متعلق اہم ترین مسئلہ

اسی مناسبت سے نماز کے متعلق بھی مسئلہ سمجھ لیں کہ آدمی جب نماز پڑھے تو تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک جو کچھ بھی پڑھتا ہے اس انداز سے پڑھے کہ اپنے کان سنیں چاہے مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ بہرہ نہ ہو اگر اپنے کانوں نے نہیں سنا تو نماز بالکل نہیں ہوگی اور پڑھی ہوئی بھی اس کی گردن پر فرض ہے۔

کفار کے شوشے کا جواب

اللہ تعالیٰ کافروں کے شوشے کا جواب دیتے ہیں فرمایا ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ پس کھاؤ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے تکبیر پڑھی گئی ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴾ اگر ہو تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے ﴿اَلَّا تَاْكُلُوْا﴾ کہ تم نہیں کھاتے ﴿مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ کافر ضد میں آکر کہتے تھے کہ اس کو تم نہیں کھاتے جس پر تکبیر نہیں پڑھی گئی یعنی مردار اور ہم تمہارا ذبح کیا ہوا نہیں کھاتے۔ اور ضد، ضد ہوتی ہے اس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ان کافروں کی بات کی طرف توجہ نہ دو اور جس پر تکبیر پڑھی گئی ہے اس کو کھاؤ ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ﴾ اور تحقیق تفصیل کے ساتھ اس نے بیان کیا ہے تمہارے لیے ﴿مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ان چیزوں کو جو اس نے تم پر حرام قرار دی ہیں کہ مردار وغیرہ نہیں کھانا۔

مجبور کی تعریف وحکم

﴿اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ مگر وہ جس کی طرف تم مجبور کر دیے گئے ہو کہ مثلاً: آدمی ایسے مقام پر ہے کہ وہاں مردار یا حرام مال کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اس کی حالت یہ ہے کہ اگر نہیں کھاتا تو موت کا خطرہ ہے تو اس موقع پر اس کو حرام مردار اور خنزیر کھانے کی اجازت ہے مگر اتنا کہ جان بچ جائے ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ نہ لذت طلب کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو۔ اگر ایک چھٹانک کھانے سے اس کی جان بچ سکتی ہے تو چھ تولے کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو شدید پیاس ہے کہ جان کو خطرہ ہے اور شراب کے سوا پینے کے لیے کوئی اور چیز موجود نہیں ہے تو اتنی پی سکتا ہے کہ جس سے جان بچ جائے اگرچہ شراب قطعی حرام ہے اور اگر ایسی صورت میں حرام نہیں کھاتا اور نہیں پیتا اور مر جاتا ہے تو گنہگار مرے گا کیونکہ ایسے موقع پر رب تعالیٰ نے حرام کھانے اور پینے کی اجازت دی ہے اور رب تعالیٰ کی اجازت کو قبول نہ کرنا بھی گناہ ہے۔

مشرکین کی جہالت

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ بہکاتے ہیں اپنی خواہشات کے ساتھ ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر علم کے۔ مشرکین کا یہ شوشہ کہ مسلمان اپنا مارا ہوا کھاتے ہیں اور خدا کا مارا ہوا نہیں کھاتے یہ بات بھی وہ جہالت سے کرتے تھے۔

مولانا عبد الحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

دار العلوم دیوبند میں ہمارے ایک استاد تھے مولانا عبد الحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ملک میں ہر تیسرا آدمی مفتی ہے اور ہر چوتھا آدمی حکیم ہے۔ کوئی مسئلہ پیش کرو وہاں موجود آدمیوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور بول پڑے گا، چاہے اسے الف با کا بھی علم نہ ہو۔ اسی طرح اگر تم کہو کہ میں بیمار ہوں تو تمہیں ضرور اس کا علاج بتائیں گے چاہے حکمت کے ابجد سے بھی واقف نہ ہوں۔ یہ لوگوں کی عادت بن گئی ہے۔

جاہل را سکوت بہتر است

حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے تو خاموش رہو یا کہو کہ میں اس کے متعلق نہیں جانتا۔ مگر ہم ضرور ٹانگ اڑاتے ہیں اور بغیر علم کے لوگوں کو غلط راہ پر لگاتے ہیں۔ یہی کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشات سے بہکاتے ہیں۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ﴾ وہ خوب جانتا ہے تجاوز کرنے والوں کو ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ اور چھوڑ دو ظاہری اور چھپے ہوئے گناہ کو ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ﴾ جو کماتے ہیں گناہ ﴿سَيُجْزَوْنَ﴾ عن قریب ان کو بدلہ دیا جائے گا ﴿بِمَا﴾ اس چیز کا ﴿كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ﴾ جو وہ کماتے رہے ہر نیکی بدی کا بدلہ رب تعالیٰ کی طرف سے ملے گا ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ اور نہ کھاؤ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں

ذکر کیا گیا ﴿وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ اور بے شک یہ کھانا البتہ نافرمانی ہے۔

شیاطین کا اپنے دوستوں کی طرف القاء کرنا

﴿وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ﴾ اور بے شک شیاطین البتہ القاء کرتے ہیں ﴿اِلٰۤى اَوْلِیٰٓـٕهِمْ﴾ اپنے دوستوں کی طرف۔ یہ بھی شیطان کا سبق ہے جو اس نے اپنے ساتھیوں کے ذہنوں میں ڈالا ہے۔ ﴿لِیُجَادِلُوْكُمْ﴾ تاکہ وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ۔ شیطان نے ان کے ذہن میں بات ڈالی ہے کہ ان سے پوچھو کہ رب تعالیٰ مارے تو حرام اور تم خود مارو تو حلال۔ یہ کیسی منطق ہے؟ ﴿وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ﴾ اور اگر تم نے شیطانوں کی اطاعت کی ﴿اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ بے شک تم بھی البتہ مشرک بن جاؤ گے۔

ناجائز بات کا ماننا شرک میں داخل ہے

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ کسی کی غلط اور ناجائز بات کو ماننا بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ ناجائز کام شیطان ہی کرواتا ہے اور شیطان کی اطاعت کرنا بھی شرک ہے چاہے قولاً ہو یا فعلاً ہو۔ شرک کے سینگ نہیں ہوتے کہ جو شرک کرے تو اس کو سینگ لگ جائیں اور اس کو دیکھ کر کہیں کہ دیکھو بھائی! یہ مشرک صاحب جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے محفوظ فرمائے۔ [آمین]

﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا﴾ کیا وہ شخص جو مردہ تھا ﴿فَاَحْیَیْنٰهُ﴾ پس ہم نے اس کو زندہ کیا ﴿وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا﴾ اور ہم نے بنایا اس کے لیے نور ﴿یَّمْشِیْ بِهٖ﴾ وہ چلتا ہے اس روشنی کے ساتھ ﴿فِی النَّاسِ﴾ لوگوں میں ﴿كَمَنْ مَّثَلُهٗ﴾ اس شخص کی طرح ہے ﴿فِی الظُّلُمٰتِ﴾ جو اندھیروں میں ہے ﴿لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ نہیں نکلنے والا اندھیروں سے ﴿كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ اسی طرح مزین کیا گیا کافروں کے لیے ﴿مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ وہ عمل جو وہ کرتے ہیں ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا﴾ اور اسی طرح بنائے ہم نے ﴿فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ﴾ ہر بستی میں بڑے ﴿مُجْرِمِیْهَا﴾ اس کے جرم کرنے والے ﴿لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا﴾ تاکہ وہ مکاریاں کریں اس میں ﴿وَ مَا یَمْكُرُوْنَ﴾ اور نہیں وہ مکر کرتے ﴿اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ مگر اپنے نفسوں کے ساتھ ﴿وَ مَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ نہیں سمجھتے ﴿وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ﴾ اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی نشانی ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ﴾ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے ﴿حَتّٰى نُؤْتٰى﴾ یہاں تک کہ ہمیں بھی دیا جائے ﴿مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ اس طرح کی چیز جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دی گئی ہے ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ جہاں اس نے رکھنی ہے اپنی رسالت ﴿سَیُصِیْبُ

﴿الَّذِیْنَ﴾ عن قریب پہنچے گی ان لوگوں کو ﴿اَجْرَمُوْا﴾ جنھوں نے جرم کیے ﴿صَغَارٌ﴾ ذلت ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿وَعَذَابٌ شَدِیْدٌ﴾ اور سخت عذاب ﴿بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے رہے ﴿فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ﴾ پس وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ یَّهْدِیَهٗ﴾ کہ اس کو ہدایت دے ﴿یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ کھول دیتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے ﴿وَمَنْ یُّرِدْ﴾ اور وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ یُّضِلَّهٗ﴾ کہ اس کو گمراہ کردے ﴿یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا﴾ کر دیتا ہے کہ اس کے سینے کو تنگ ﴿حَرَجًا﴾ بہت زیادہ تنگ ﴿كَاَنَّمَا﴾ گویا کہ وہ ﴿یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ﴾ چڑھتا ہے آسمان پر ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ﴾ ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ گندگی ﴿عَلَى الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں پر ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ جو ایمان نہیں لاتے۔

ربط آیات ؟

اس سے قبل دو گروہوں کا ذکر تھا۔ ہدایت یافتہ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں تھا کہ ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ اور دوسرا گمراہوں کا جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ﴾ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے تجاوز کرنے والوں کو۔

جاہل اور عالم برابر نہیں ہو سکتے ؟

آج کی آیات میں بھی اسی طرح کے دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا﴾ کیا وہ شخص جو مردہ تھا یعنی جاہل، کافر اور مشرک تھا رب تعالیٰ کے حکموں کا باغی اور نافرمان تھا ﴿فَاَحْیَیْنٰهُ﴾ پس ہم نے اس کو زندہ کیا ایمان اور اسلام کی دولت دی علم عطا کیا اس کے دل میں خدا خوفی آئی۔ ﴿وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا﴾ اور ہم نے بنایا اس کے لیے نور ایمان کا، اسلام کا، حق کا، سنت کا۔ ﴿یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ﴾ وہ چلتا ہے اس نور اور روشنی کے ساتھ لوگوں میں۔ تو کیا ان صفات والا آدمی ﴿كَمَنْ مَّثَلُهٗ﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے ﴿فِی الظُّلُمٰتِ﴾ جو اندھیروں میں ہے ﴿لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ نہیں نکلنے والا اندھیروں سے۔ کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ روشنی والا اور اندھیروں والا دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح جو کافر ہیں مثلاً: ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ جو کفر کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں یہ ان کے برابر ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان عطا فرمایا ہے۔ اور وہ ایمان کی روشنی میں چلتے پھرتے ہیں جیسے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اپنی مخلوق کو فائدہ پہنچایا۔ تاریخ ان کے عدل کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

گاندھی اور عدلِ شیخین رضی اللہ عنہما کی گواہی ؟

تقسیمِ ہند سے پہلے ہندوستان کے گیارہ صوبے تھے پانچ صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور سات صوبوں میں۔

ہندوؤں کی اکثریت تھی۔لیکن ہوا یہ کہ ہندو وزیر بنے۔گاندھی جس کا نام کرم چند رداس تھا وہ ہریجن نامی اخبار نکالتا تھا۔جولائی ۱۹۳۰ء کے اخبار میں گاندھی نے اپنے ہندو وزیروں کو تلقین کی اور ہدایت کی کہ اگر تم انصاف اور دیانت کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے ہو تو دو آدمیوں کی تاریخ کو سامنے رکھنا جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام عمر رضی اللہ عنہ ہے۔حالاں کہ گاندھی بڑا متعصب ہندو تھا۔یہ بڑی وزنی شہادت ہے کہ کٹر قسم کا ہندو گواہی دے رہا ہے کہ وہ بڑے انصاف والے تھے۔

آج ظلم و زیادتی اور گھپلوں کا دور ہے۔ہم نے عدل وانصاف تو دیکھا ہی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان ظالم حکمرانوں سے نجات عطا فرمائے۔

﴿ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ اسی طرح مزین کیا گیا کافروں کے لیے ﴿ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ وہ عمل جو وہ کرتے ہیں کہ اپنے بُرے عمل کو بھی ہنر اور کمال سمجھتے ہیں۔چاہیے تو یہ تھا کہ اس پر شرمندہ اور نادم ہوتے کہ ہم نے غلط کیا ہے۔

مجرم بنانے کی وجہ

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا ﴾ اور اسی طرح بنائے ہم نے ﴿ فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ﴾ ہر بستی میں بڑے اس کے جرم کرنے والے۔بڑوں کے مجرم بننے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ بیان فرمائی ہے۔فرمایا ﴿ وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ [الشوریٰ:۲۷؛پارہ:۲۵] "اور اگر اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا رزق اپنے بندوں کا تو زمین میں فساد کرنے لگتے۔" مال بڑھ جائے تو اس کا لازمی نتیجہ سرکشی اور نافرمانی ہے الا ماشاء اللہ کہ ہزار میں سے کوئی ایک شخص بھی نہیں ملے گا کہ مال دار ہونے کے باوجود رب تعالیٰ کا نافرمان نہ ہو۔مال کی خاصیت ہے کہ جب آئے گا سرکشی آئے گی،شرابیں چلیں گی،لڑائیاں ہوں گی اور ہر بُرا کام کریں گے۔فرمایا کہ ہم نے ہر بستی میں بڑوں کو مجرم بنایا۔﴿ لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ﴾ تاکہ وہ مکاریاں کریں اس میں۔

"مکار" کی مکاری اسی کے خلاف

﴿ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾ اور نہیں وہ مکر کرتے مگر اپنے نفسوں کے ساتھ۔کیونکہ اس کا نقصان انہی کو ہوگا۔آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا ﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ نہیں سمجھتے کہ ہم کس کا نقصان کر رہے ہیں؟ بیشک اس وقت وہ لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں،زیادتی کر رہے ہیں،بے عزتی کر رہے ہیں لیکن نقصان سارا اپنا کر رہے ہیں کہ اس کا نتیجہ ان کے خلاف ہی مرتب ہوگا۔

مشرکین کی بے جا ضد

﴿ وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ﴾ اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) ﴿ قَالُوْا ﴾ کہتے ہیں ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى

﴿مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں بھی دی جائے اس طرح کی چیز جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دی گئی ہے کہ ہمارے ہاتھ پر بھی معجزے ظاہر ہوں تب ہم ایمان لائیں گے۔

اپنی کوشش اور محنت سے کوئی نبی نہیں بن سکتا

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اس نے رکھنی ہے اپنی رسالت۔ نبوت و رسالت رب تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ اس مقام تک پہنچنا کسی کے بس میں نہیں ہے اپنی مرضی محنت اور کسب سے کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ یہ اتنا بلند مقام ہے کہ محنت اور کوشش سے کوئی یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ محنت اور کوشش سے ولی بن سکتا ہے، غوث بن سکتا ہے، قطب بن سکتا ہے، لیکن نبی نہیں بن سکتا۔ مخلوق میں نبی کے درجے سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ہے اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں آپ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ پرلے درجے کا بے ایمان اور کافر ہے۔

پسر قادیانی لعین کے مغلظات

نبوت کے جھوٹے دعوے داروں میں سے مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہے۔ مرزا قادیانی کے لڑکے نے ایک کتاب لکھی ہے سیرت مہدی۔ اس میں اس نے اپنے باپ کے کمالات لکھے ہیں۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے تو عبادت کرتے کرتے رب کو راضی کر کے محمد رسول اللہ کا درجہ حاصل کر سکتا ہے بلکہ آپ ﷺ کے درجے سے بڑھ سکتا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ، ثم معاذ اللہ تعالیٰ، ثم معاذ اللہ تعالیٰ، کیسی بکواس کی ہے؟

آپ ﷺ کے درجہ علیا تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی

یاد رکھنا! آنحضرت ﷺ کا درجہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ ہے اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی آگے بڑھ جائے۔ ڈینگیں اور بڑھکیں مارنے والے تو دنیا میں بہت ہیں لیکن اس سے کیا بنتا ہے۔

مرزا قادیانی لعین کی الٹی منطق

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تین ہزار معجزات ہیں اور میرے دس لاکھ معجزے ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں کوئی مستقل نبی نہیں ہوں میں ظلی اور بروزی نبی ہوں۔ یعنی آنحضرت ﷺ کا سایہ ہوں۔ بڑی عجیب منطق ہے کہ اصل کے تو تین ہزار معجزے ہوں اور سائے کے دس لاکھ معجزے ہوں۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اصل تو تین ہزار درجے تک بلند ہوا اور سایہ دس لاکھ درجوں تک چھلانگیں لگا رہا ہے۔ حالانکہ سایہ تو اصل کا ہوتا ہے تو سایہ اصل سے کس طرح بڑھ گیا؟ اصل یہ ہے کہ یہ ہی سارا جھوٹ۔

مرزا قادیانی مجسم دھوکہ وفریب

میں نے عرض کیا تھا کہ ایک دفعہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ میں نے ایک کتاب لکھنی ہے چالیس جلدوں میں۔ انگریز کا دور تھا ان کو خوش کرنے کے لیے ٹوڈیوں نے بڑی بڑی رقمیں دیں۔ مرزے نے چار چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے ''اربعین'' کے نام سے پھر چپ سادھ لی اور باقی رقم کھا گیا۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ تم نے تو چالیس جلدوں کے لکھنے کا اعلان کیا تھا اور یہ چار چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے ہیں۔ تو نبی صاحب نے جواب دیا کہ چار تو میں نے لکھے ہیں صفر ساتھ تم لگالو چالیس ہو جائیں گے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اس طرح تو شعبدہ باز اور ٹھگ بھی نہیں کرتے چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اس طرح کرے۔ نبی کی ذات بہت بلند ہوتی ہے ایسے دھوکے باز نبی نہیں ہوتے۔

''مکار'' کے لیے سخت ترین عذاب کی وعید

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا﴾ عن قریب پہنچے گی ان لوگوں کو جنھوں نے جرم کیے ﴿صَغَارٌ﴾ ذلت ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہوں گے، شکست کھائیں گے اور مارے جائیں گے ﴿وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ اور سخت عذاب ﴿بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے رہے اس کا بدلہ ان کو ضرور ملے گا۔

ہدایت کس کو ملتی ہے

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ﴾ پس وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ يَّهْدِيَهٗ﴾ کہ اس کو ہدایت دے۔ اور یہ بات میں کئی مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ ہدایت اس کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ [الشوریٰ:۱۳] اور اللہ تعالیٰ راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے اور ہدایت کا طالب ہوتا ہے ﴿يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ کھول دیتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے۔

گمراہ کن کو کیا جاتا ہے

﴿وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ﴾ اور وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو گمراہ کردے اور میں یہ بات بھی کئی مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور کافروں کو گمراہ کرتا ہے ﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ نافرمانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جبراً نہ تو کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے۔

گمراہوں کے لیے ''ضیق صدر''

اور جس کو گمراہ کرتا ہے ﴿يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا﴾ کر دیتا ہے اس کے سینے کو تنگ ﴿حَرَجًا﴾ بہت زیادہ تنگ یعنی اس کا سینہ ایمان قبول کرنے سے تنگ ہو جاتا ہے اور اس کو ایمان سے بہت نفرت ہوتی ہے ﴿كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ گویا کہ وہ

چڑھتا ہے آسمان پر۔ کوئی آدمی اڑنا چاہے اور اڑ نہ سکے تو وہ کتنا تنگ ہوتا ہے۔ تو ایسے آدمی کا سینہ ایمان قبول کرنے سے اتنا تنگ ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی آسمان کی طرف اڑنا چاہے اور اُڑ نہ سکے تو جتنا تنگ ہوتا ہے۔ ﴿ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اسی طرح ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ گندگی ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے ورنہ جبراً کسی کو وہ گمراہ نہیں کرتا۔

﴿ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ ﴾ اور یہ راستہ ہے تیرے رب کا ﴿ مُسْتَقِيْمًا ﴾ سیدھا ﴿ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ ﴾ تحقیق ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں آیتیں ﴿ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴾ اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرے ﴿ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ ﴾ ان کے لیے سلامتی کا گھر ﴿ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ان کے رب کے پاس ﴿ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی ان کا آقا ہے ﴿ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اس وجہ سے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ﴾ اور جس دن اکٹھا کرے گا ان سب کو (فرمائے گا) ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ ﴾ اے جنات کے گروہ ﴿ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ﴾ تحقیق بہت زیادہ ملا لیے تم نے انسان ﴿ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ ﴾ اور کہیں گے ان کے ساتھی ﴿ مِّنَ الْاِنْسِ ﴾ انسانوں میں سے ﴿ رَبَّنَا ﴾ اے ہمارے پروردگار! ﴿ اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ﴾ فائدہ اٹھایا ہمارے بعض نے بعض سے ﴿ وَّبَلَغْنَآ ﴾ اور ہم پہنچے ﴿ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ﴾ اس میعاد تک جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی ﴿ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ ﴾ ہمیشہ اس میں رہا کریں گے ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے ﴿ اِنَّ رَبَّكَ ﴾ بے شک تیرا رب ﴿ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ حکمت والا، جاننے والا ہے ﴿ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ ﴾ اور اسی طرح ہم دوست بناتے ہیں ﴿ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا ﴾ بعض ظالموں کو بعض کا ﴿ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کماتے ہیں۔

ماقبل سے ربط

اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بیان فرمایا کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے اس کو کھاؤ اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ ذکر کیا جائے اس کو نہ کھاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ان حربوں کا ذکر فرمایا جن کے ذریعے وہ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ فرماتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اس کا سینہ تنگ کر دیتے ہیں۔

صراطِ مستقیم کون سا ہے؟

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا﴾ اور یہ راستہ ہے تیرے رب کا سیدھا جو اس نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿فَاتَّبِعُوْهُ﴾ پس اس کی پیروی کرو ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ﴾ [الانعام: ۱۵۳] اور نہ چلو دوسرے راستوں پر وہ تمہیں بہکا دیں گے۔ جو راستہ قرآن کریم بیان کرتا ہے وہ سیدھا ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے اور خلفاء راشدین جس راستے پر چلے ہیں اور سلف صالحین نے اپنایا ہے وہ صراطِ مستقیم ہے۔

نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے انعامات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ﴾ تحقیق ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں آیتیں اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرے اور نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے ہوگا کیا؟ فرمایا ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے لیے سلامتی کا گھر ان کے رب کے پاس ﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی ان کا آقا ہے۔

جنتیوں کے انعامات، پہلا انعام

جنت کا ایک نام دارالسلام بھی ہے۔ اس لیے کہ جنتی جب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے کہیں گے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ [الزمر: ۷۳؛ پارہ: ۲۴] "تم پر سلام تم بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ اور خوشیاں مناؤ۔"

دوسرا انعام

پھر جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو حوریں اور غلمان جو موتیوں جیسے ہوں گے وہ ان کو سلام کہیں گے جنتی جب آپس میں ملیں گے ﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ تو ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

تیسرا انعام

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے جنتیو! تم پر سلامتی ہو۔ اور معنوی اعتبار سے بھی سلامتی ہوگی کہ جنت میں کوئی بھوکا نہیں مرے گا، کسی کو پیاس نہیں لگے گی، ذہنی، جسمانی تکلیف کسی کو نہیں ہوگی۔ نہ چوری کا خطرہ، نہ ڈاکوؤں کا ڈر، نہ غنڈوں کا خوف، نہ عزت کا خطرہ، نہ جان کا خطرہ، امن ہی امن اور سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس وجہ سے جو کچھ وہ عمل کرتے تھے نیک اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی شکل میں دے گا۔

قیامت کا عجیب خوفناک منظر

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا﴾ اور جس دن اکٹھا کرے گا ان سب کو میدانِ محشر میں۔ انسان، جنات اور دیگر تمام مخلوق اکٹھی ہوگی۔ عجیب سماں ہوگا۔ آج دنیا میں میلہ یا جلسہ ہو یا اور کوئی خاص بات ہو تو لوگ اکٹھے ہوتے ہیں تو بندہ حیران ہو جاتا ہے کہ یہ اتنی مخلوق کہاں سے آگئی ہے؟ تو اندازہ لگاؤ کہ اس وقت کیا حال ہوگا جب آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک سب جمع ہوں گے اور سارے جنات جمع ہوں گے۔ یہاں تو جنات ہمیں نظر نہیں آتے مگر وہاں نظر آئیں گے۔ یہاں فرشتے بھی نظر نہیں آتے میدانِ محشر میں فرشتے بھی نظر آئیں گے۔ وہاں کا ماحول ہی جدا اور الگ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کر کے پوچھے گا ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ﴾ اے جنات کے گروہ ﴿قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ تحقیق بہت زیادہ ملا لیے تم نے انسان۔

"طائف" مسکن جنات

بہت سارے ایسے مقامات ہیں جہاں جنات کثرت سے آباد ہیں اور وہاں سے گزرنے والے انسانوں کو چھیڑتے بھی ہیں۔ ایسے ہی طائف کے علاقے میں ایک مقام تھا جس کا نام تھا "وجع"۔ بڑے وسیع جنگلات، پہاڑ اور چشمے تھے۔ غیر آباد علاقہ تھا۔ جنات وہاں رہائش پذیر تھے۔ اس کے درمیان سے ایک راستہ گزرتا تھا۔ لوگ جب طائف جاتے تھے تو اس راستے سے جاتے تھے۔ وہاں سے جب گزرتے تو جنات چھیڑتے تھے۔

جنات کا انسانوں کو تنگ کرنا

چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی وہاں سے گزر رہا تھا کہ ایک جن نے پیچھے سے اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو کوئی شے نہیں۔ چل پڑا۔ تھوڑا سا آگے گیا تو جن نے پھر کپڑا پکڑ کر کھینچا۔ مڑ کر دیکھا تو کوئی نہیں۔ اب وہ ڈر گیا اور اتنی بات اس نے پہلے سن رکھی تھی کہ یہاں جنات رہتے ہیں۔

انسان کی جنات سے عاجزی اور جنات کی سرکشی

کہنے لگا خدا کے لیے مجھے کچھ نہ کہو میں تیری پناہ میں آتا ہوں اور یہ ستو اور کھجوریں اور گھی تیرے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ جنات نے سمجھا کہ بڑا سستا سودا ہے کہ تھوڑا سا چھیڑنے سے مال بھی چھوڑ جاتے ہیں اور معافیاں بھی مانگتے ہیں تو وہ اور زیادہ سر چڑھ گئے۔ سورۃ الجن میں ہے ﴿كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ "انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات سے پناہ لیتے ہیں اس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔" جنات نے سمجھا کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ تو اس طرح وہ انسانوں کو اپنے ساتھ ملا لیتے تھے۔

تو فرمایا قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے جنات کے گروہ! تم نے بہت زیادہ ملا لیے انسان ﴿وَقَالَ

﴿اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ اور کہیں گے ان کے ساتھی انسانوں میں سے ﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ﴾ اے ہمارے پروردگار! فائدہ اٹھایا ہمارے بعض نے بعض سے۔ مثلاً: ہم نے ان سے یہ فائدہ اٹھایا کہ ان کی چھیڑ خانی سے محفوظ ہو گئے اور انھوں نے ہم سے یہ فائدہ اٹھایا کہ ان کو خوراک مل گئی۔ یہ دنیا کا معاملہ تھا جو ہم کرتے رہے۔

دوزخیوں کو سردی کا عذاب بھی دیا جاتا ہے

﴿وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا﴾ اور ہم پہنچے اس میعاد تک جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی یعنی موت تک ہم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے ﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ﴾ ہمیشہ اس میں رہا کریں گے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ تمہیں آگ کے خانے سے نکال کر زمہریر سرد خانے کے طبقے میں ڈال دے یعنی کبھی گرمی کی سزا اور کبھی سردی کی سزا۔

ملحدین کا اعتراض

بعض ملحدوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ انسان چونکہ خاکی ہے اس کو آگ کی سزا دینا تو سمجھ آتی ہے اور جنات تو ناری ہیں ان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے ان کو آگ کی سزا سمجھ میں نہیں آتی کہ ان کو آگ سے کیا تکلیف ہوگی؟

جواب

اس کے جواب میں محققین فرماتے ہیں کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے لہٰذا دنیا کی آگ سے پیدا ہونے والے کو اس آگ میں سزا ہو تو یہ عقل کے خلاف نہیں ہے۔

طبقاتِ جہنم

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جہنم کے بعض طبقوں نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی اے پروردگار! اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا کہ میرا یہ طبقہ مجھے کھا رہا ہے یعنی جہنم کے طبقوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک طبقے نے شکایت کی کہ یہ دوسرا طبقہ میرے اوپر غالب ہے۔ مجھے اس سے تکلیف ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو اجازت دی کہ ایک سانس نکال لے دوزخ نے سانس نکالا فرمایا کہ یہ جو سخت گرمی ہے یہ اس سانس کا اثر ہے جہنم میں ایک طبقہ زمہریر کا ہے۔ اس کو بھی سانس نکالنے کی اجازت دی گئی۔ فرمایا یہ جو سخت سردی ہے یہ اس کے سانس کا اثر ہے۔ یہ تو اس کے سانس کا اثر ہے خود دوزخ کا کیا حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ فرمائے۔

سائنس دان اور قیامت کی نشانیاں

سائنس دان کہتے ہیں کہ پانچ سو سال بعد یہ صدی سخت گرم رہی ہے۔ سائنس دان جتنا سر مارتے پھریں اصل بات یہ

ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے موسموں کا بدلنا کہ گرمیوں میں سردی اور سردیوں میں گرمی اور ہماری بداعمالیوں کا بھی اثر ہے۔ جوں، جوں ہمارے گناہ بڑھتے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ سخت ہوتی جائے گی۔ تو بات یہ بیان کر رہا تھا کہ جنات اگرچہ ناری ہیں پھر بھی ان کو دوزخ میں سزا ہوگی۔

ناری مخلوق بھی جہنم میں جلے گی

مشہور قصہ ہے کہ ایسے ہی کسی ملحد نے ایک سادے مسلمان کو کہا کہ تمہارا قرآن کہتا ہے کہ جنات دوزخ میں جلیں گے وہ تو آگ سے پیدا ہوئے ہیں ان کو آگ کیا تکلیف دے گی؟ اس مسلمان نے ایک ڈھیلا اٹھا کر اس کے سر میں دے مارا اس کا خون نکل آیا۔ درد کے ساتھ اس نے کہا کہ تو نے یہ کیا حرکت کی ہے؟ اس نے کہا کہ تم بھی خاکی اور ڈھیلا بھی خاکی۔ تو خاک کو خاک سے کیا تکلیف ہوتی ہے؟ سمجھانے کا اپنا اپنا انداز ہے۔ ﴿اِنَّ رَبَّکَ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ﴾ بے شک تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے۔

ظالم کو ظالم کا دوست بنانے کا مطلب

﴿وَ کَذٰلِکَ نُوَلِّیۡ بَعۡضَ الظّٰلِمِیۡنَ بَعۡضًا﴾ اور اسی طرح ہم دوست بناتے ہیں بعض ظالموں کو بعض کا۔ ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں غلط کاریوں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ یہ دوست کیوں بنایا ﴿بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ﴾ اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کماتے ہیں۔ یعنی ان کی کمائیاں آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ جنس، جنس کو پیاری ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں۔

﴿یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ ﴿اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ﴾ کیا نہیں آئے تمہارے پاس ﴿رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ﴾ رسول تم میں سے ﴿یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ﴾ جو بیان کرتے رہے تم پر میری آیتیں ﴿وَ یُنۡذِرُوۡنَکُمۡ﴾ اور تمہیں ڈراتے رہے ﴿لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ہٰذَا﴾ تمہارے اس دن کی ملاقات سے ﴿قَالُوۡا﴾ وہ کہیں گے ﴿شَہِدۡنَا عَلٰۤی اَنۡفُسِنَا﴾ ہم گواہی دیتے ہیں اپنی جانوں کے خلاف ﴿وَ غَرَّتۡہُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا﴾ اور دھوکہ دیا ان کو دنیا کی زندگی نے ﴿وَ شَہِدُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ﴾ اور وہ گواہی دیں گے اپنے نفسوں کے خلاف ﴿اَنَّہُمۡ کَانُوۡا کٰفِرِیۡنَ﴾ کہ بے شک وہ کافر تھے ﴿ذٰلِکَ اَنۡ لَّمۡ یَکُنۡ رَّبُّکَ﴾ یہ اس لیے نہیں ہے کہ تیرا رب ﴿مُہۡلِکَ الۡقُرٰی﴾ ہلاک کرنے والا بستیوں کو ﴿بِظُلۡمٍ﴾ ظلم کے ساتھ ﴿وَّ اَہۡلُہَا غٰفِلُوۡنَ﴾ اور وہاں کے رہنے والے غافل ہوں ﴿وَ لِکُلٍّ دَرَجٰتٌ﴾ اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں ﴿مِّمَّا عَمِلُوۡا﴾ اس سے جو انہوں نے عمل کیے ﴿وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ﴾ اور نہیں ہے تیرا رب

غافل ﴿عَمَّا یَعْمَلُوْنَ﴾ ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں ﴿وَرَبُّكَ الْغَنِیُّ﴾ اور تیرا رب بے پرواہ ہے ﴿ذُو الرَّحْمَةِ﴾ اور رحمت والا ہے ﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ﴾ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کردے ﴿وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ﴾ اور جانشین بنادے تمہارے بعد ﴿مَّا یَشَآءُ﴾ جس کو وہ چاہے ﴿كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ﴾ جیسا کہ اس نے پیدا کیا ہے تمہیں ﴿مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ﴾ دوسری قوم کی اولاد سے ﴿اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ﴾ بے شک وہ چیز جس کا وعدہ تمہارے ساتھ کیا جارہا ہے البتہ وہ آنے والی ہے ﴿وَّمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقہ پر ﴿اِنِّیْ عَامِلٌ﴾ بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لو گے ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ جس کے لیے آخرت کا گھر ہے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے ﴿لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے سبق میں تم نے پڑھا کہ جس دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع کر کے جنات سے پوچھیں گے کہ تم نے بہت سے انسانوں کو اپنے ساتھ ملالیا اور اس بات کو جنات بھی تسلیم کریں گے اور انسان بھی تسلیم کریں گے کہ واقعی ایسا ہوا۔

انس و جن کے متعلق انبیاء و رسل علیہم السلام کا استفسار

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! ﴿اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے ﴿یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ﴾ جو بیان کرتے رہے تم پر میری آیتیں ﴿وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ اور تمہیں ڈراتے رہے تمہارے اس دن کی ملاقات سے۔

نظریہ اہل حق برائے انبیاء و رسل علیہم السلام

اہلِ حق کا نظریہ اور مسلک یہ ہے کہ پیغمبر جتنے بھی تشریف لائے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے کوئی جن پیغمبر نہیں ہوا کیونکہ نبوت کا مقام بہت بلند ہے اور اس کے لیے جس قدر قابلیت اور استعداد کی ضرورت ہے وہ جنات میں نہیں ہے۔ ہاں! جنات شریعت کے پابند اور مکلف ضرور ہیں ان کے لیے ایمان ہے، نمازیں ہیں، روزے ہیں، حج اور زکوٰۃ ہے۔ یعنی جو احکام انسانوں کے لیے ہیں وہ جنات کے لیے بھی ہیں لیکن براہِ راست ان کی طرف کوئی پیغمبر نہیں آیا جس زمانے میں انسانوں میں سے پیغمبر آتا اس زمانے کے جنات اس کی نبوت کے تابع ہوتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالمی پیغمبر/ نبی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں اور تمام جنوں کے لیے ہے۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام قومی اور علاقائی پیغمبر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم! اے میری قوم! اور اس علاقے کے جو جنات ہوتے تھے وہ اس نبی کے تابع ہوتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ نے فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا﴾ [الاعراف:۱۵۸؛ پارہ:۹] "اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔" اور فرمایا بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَ الْاَحْمَرِ وَ اِلَى الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ "میں بھیجا گیا ہوں سرخ اور کالے کی طرف اور تمام انسانوں اور جنوں کی طرف۔"

جس دن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی ہے اس دن سے لے کر اسرافیل علیہ السلام کے بگل پھونکنے تک مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک تمام انسان اور تمام جنات آپ کی شریعت کے پابند اور مکلف ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن جنوں اور انسانوں سے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس میرے پیغمبر نہیں آئے تھے اور انہوں نے میری آیتیں تمہیں نہیں سنائی تھیں؟ اور اس دن سے تمہیں نہیں ڈرایا تھا؟

اپنے نفسوں کے خلاف انس وجن کا جواب

﴿قَالُوْا﴾ انسان اور جنات کہیں گے ﴿شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا﴾ ہم گواہی دیتے ہیں اپنی جانوں کے خلاف کہ واقعی ہمارے پاس پیغمبر آئے انھوں نے ہمیں سمجھایا، تبلیغ کی مگر ہم نے ان کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔ نہ ماننے کی وجہ ﴿وَ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا﴾ اور دھوکہ دیا ان کو دنیا کی زندگی نے دنیا کی محبت کی وجہ سے انہوں نے آخرت سے غافل دنیا داروں کے ساتھ تعلقات قائم کیے جس کی وجہ سے انہوں نے آخرت بگاڑ لی۔

انسان اپنے دوست کے دین پر

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کسی آدمی کی نیکی اور بدی معلوم کرنی ہو کہ یہ نیک ہے یا برا ہے فَلْیَنْظُرْ مَنْ یُّخَالِلُ تو دیکھو کہ وہ کیسے آدمیوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے، سوسائٹی پر نگاہ ڈالو فَاِنَّ الْمَرْءَ عَلٰى دِیْنِ خَلِیْلِهٖ کیونکہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ جو اس کے ساتھیوں کا نظریہ ہوگا وہ اس کا ہوگا۔ اور یاد رکھنا! نیکی کا اثر آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور بدی کا اثر بہت تیزی سے ہوتا ہے۔ سمجھ دار لوگ کہتے ہیں کہ نیکی کی رفتار چیونٹی کی طرح ہے اور بدی کی رفتار گھوڑے کی طرح ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کی رفتار برابر نہیں ہو سکتی۔ ﴿وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ اور وہ گواہی دیں گے اپنے نفسوں کے خلاف ﴿اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ﴾ کہ بے شک وہ کافر تھے۔

غافلین کو ہلاک کرنا سنت اللہ نہیں

﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ﴾ یہ پیغمبر کیوں بھیجے گئے؟ اس لیے بھیجے گئے نہیں ہے تیرا رب ﴿مُهْلِكَ الْقُرٰى﴾ ہلاک

کرنے والا بستیوں کو ﴿بِظُلْمٍ﴾ ظلم کے ساتھ ﴿وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴾ اور وہاں کے رہنے والے غافل ہوں جب تک اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیج کر ان کو اپنی خوشی اور ناراضگی سے آگاہ نہ کرے اور پندرہویں پارے میں ہے ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ اور ہم کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک پیغمبر نہ بھیجیں اور اتمام حجت نہ ہو جائے۔ ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء: ۱۶۵] تاکہ پیغمبروں کے تشریف لانے کے بعد لوگ بہانہ نہ بنا سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ کون سا کام جائز ہے اور کون سا ناجائز ہے؟ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ ہم تو بے خبری میں مارے گئے یہ نہ کہہ سکیں۔

نبی اسی قوم میں سے اللہ پاک بھیجتے تھے

پھر کیسی حکمت خداوندی ہے فرمایا ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ [ابراہیم: ۴؛ پارہ: ۱۳] "نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔" تاکہ یہ نہ کہہ سکیں کہ پیغمبروں کی بولی (زبان) اور تھی اور ہماری اور تھی ہم ان کی بات ہی نہیں سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے حجت پوری کی اور ان کی قومی زبان میں پیغمبر بھیجا اور پیغمبروں نے تبلیغ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور عرصہ دراز تک تبلیغ کرتے رہے۔

پیغمبروں کی تبلیغ کا زمانہ/عرصہ

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کی۔ بعضوں نے سو، سو سال تک تبلیغ کی۔ اور ایسے پیغمبر بھی گزرے ہیں کہ انہوں نے پچاس، پچاس سال، ساٹھ، ساٹھ سال تبلیغ کی مگر ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا۔ اس میں پیغمبر کا کوئی قصور نہیں ہے انھوں نے تو حق بیان کیا اور حجت پوری کی اگر کوئی ایمان نہیں لایا تو وہ اس کا قصور ہے۔

درجات بمطابق اعمال

﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں اس سے جو انھوں نے عمل کیا۔ نیکوں کو نیکی کے مطابق اور بدوں کو بدی کے مطابق درجے ملیں گے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور نہیں ہے تیرا رب غافل ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔

بروزِ قیامت کردہ خیر وشر انسان دیکھ لے گا

نیکی بدی سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ذرے کے برابر بھی نیکی بدی ہوگی تو میدانِ محشر میں سامنے آئے گی ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ "پس جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔" اس کا باقاعدہ ریکارڈ تیار ہو رہا ہے وہ قیامت والے دن سامنے پیش کیا جائے گا۔ جب اپنا اعمال نامہ پڑھے گا تو کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ [الکہف ۴۹: پارہ: ۱۵] "یہ

کیسی کتاب ہے نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی بات کو مگر اسے لکھ رکھا ہے۔" آنکھ اور ہاتھ کے اشارے درج ہوں گے۔

خیر و شر کا فائدہ و نقصان انسان ہی کو ہوگا

اے مخاطب! ﴿ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ﴾ اور تیرا رب بے پرواہ ہے وہ نہ تیرے ایمان کا محتاج ہے اور نہ نیکی کا۔ ایمان اور نیکیوں کا تجھے فائدہ ہے تیرے کام آئیں گے کسی کے ایمان لانے سے اس کی شان میں زیادتی نہیں ہوتی اور نہ لانے سے کمی نہیں ہوتی۔

رب نہایت مہربان بے پرواہ ہے

﴿ ذُوالرَّحْمَةِ ﴾ رحمت والا ہے۔ اور اے مخلوق یہ بھی سن لو ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ﴾ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے، آنِ واحد میں ﴿ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ ﴾ اور جانشین بنادے تمہارے بعد ﴿ مَّا يَشَآءُ ﴾ جس کو وہ چاہے ﴿ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾ جیسا کہ اس نے پیدا کیا ہے تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے۔ پہلے یہاں تمہارے بڑے آباد تھے وہ دنیا سے چلے گئے ان کی جگہ تم آگئے ہو رب اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں آنِ واحد میں فنا کر کے دوسروں کو لا کر آباد کر دے۔ اس کے لیے کیا مشکل ہے؟

جاپان کا زلزلہ اور حکومت کے تاثرات

آج سے چند سال قبل جاپان میں ایک زلزلہ آیا تھا صرف سترہ سیکنڈ کا۔ اس سے اتنی تباہی ہوئی تھی کہ جاپانیوں نے کہا تھا کہ اس سترہ سیکنڈ کے زلزلہ سے اتنا نقصان ہوا ہے کہ حکومت جاپان اس کو پچاس سال میں بھی پورا نہیں کر سکتی۔ اگر مکمل ایک منٹ کا ہوتا تو کیا حشر ہوتا۔ رب، رب ہے۔ اس جیسا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ فرمایا یاد رکھو! ﴿ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ﴾ بے شک وہ چیز جس کا وعدہ تمہارے ساتھ کیا جا رہا ہے البتہ وہ آنے والی ہے۔ قیامت بھی ضرور آئے گی اور رب تعالیٰ کی نافرمانی کے بعد عذاب بھی ضرور آئے گا ﴿ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے کہ رب تعالیٰ کے فیصلوں کو ٹال کر اپنے فیصلے نافذ کرو۔ ﴿ قُلْ ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿ يٰقَوْمِ ﴾ اے میری قوم! ﴿ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقہ پر ﴿ اِنِّيْ عَامِلٌ ﴾ بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں ﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ پس عنقریب تم جان لو گے ﴿ مَنْ ﴾ اس کو ﴿ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ﴾ جس کے لیے آخرت کا گھر ہے۔

قابل تفہیم مسئلہ

یہاں یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ ﴿ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقے پر۔ اس میں کفر کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ تہدید ہے، ناراضگی کا اظہار ہے۔ کیونکہ آگے جملہ ہے کہ عن قریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہے؟

پیغمبروں کی تعلیمی سلسلے میں کامیابی

پیغمبروں کی تعلیم میں تشدد نہیں تھا اسی لیے تمام پیغمبر تعلیمی سلسلے میں کامیاب ہو گئے یہ الگ بات ہے کہ ظالموں نے ان کی نرمی سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے کتنے پیغمبروں کو شہید کر دیا، فرمایا یاد رکھو! ﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جو ظالم مشرک ہیں وہ فلاح نہیں پا سکتے ان کو دنیا میں بھی ضرور سزا ملے گی اور آخرت میں بھی۔

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ﴾ اور بنایا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿مِمَّا﴾ اس چیز سے ﴿ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ﴾ جو اس نے پیدا کی ہے کھیتی ﴿وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا﴾ اور مویشی میں حصہ ﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ﴾ پس انہوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿بِزَعْمِهِمْ﴾ اپنے خیال کے مطابق ﴿وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے ﴿فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ﴾ پس وہ حصہ جو ان کے شریکوں کا ہوتا تھا ﴿فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ﴾ پس وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ﴾ اور وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ کا ہوتا تھا ﴿فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ﴾ پس وہ پہنچتا ان کے شریکوں کی طرف ﴿سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿وَ كَذٰلِكَ زَیَّنَ﴾ اور اسی طرح مزین کیا ﴿لِكَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ بہت سے مشرکوں کے لیے ﴿قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ﴾ ان کی اولاد کا قتل کرنا ﴿شُرَكَآؤُهُمْ﴾ ان کے شریکوں نے ﴿لِیُرْدُوْهُمْ﴾ تاکہ ان کو ہلاک کر دیں ﴿وَ لِیَلْبِسُوْا عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ﴾ اور تاکہ خلط ملط کر دیں ان پر ان کا دین ﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿مَا فَعَلُوْهُ﴾ تو نہ کرتے وہ لوگ یہ کام ﴿فَذَرْهُمْ﴾ پس ان کو چھوڑ دے ﴿وَ مَا یَفْتَرُوْنَ﴾ اور اس کو جو وہ افتراء باندھتے ہیں۔

لوگوں کی عجیب غلط فہمی

پہلے بھی بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار تھے اور اب بھی ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کافر اور مشرک حضرات اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ پہلے کافر اور مشرک بھی رب تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے اور موجودہ بھی قائل ہیں۔

"دہریہ" فرقہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر

صرف ایک دہریہ فرقہ تھا اور اب بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہے وہ کہتا ہے کہ رب تعالیٰ کوئی شے نہیں ہے یہ نظام دنیا خود بہ خود چل رہا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ مگر ان کی تعداد دوسرے کافروں کی نسبت بہت کم ہے ان کے علاوہ سب کافر مشرک

اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں۔ چاہے وہ یہودی ہوں یا نصرانی ہندو ہوں یا سکھ یا بدھ مت ہوں یا مشرکین عرب ہوں۔

وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں مشرکین سے مکالمہ

سورۂ زخرف میں آتا ہے ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ﴾ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ﴿لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ﴾ تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو زمیوں کو کس نے پیدا کیا ﴿لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ﴾ تو ضرور کہیں گے کہ ان کو غالب علم والے نے پیدا کیا ہے۔

اور سورۂ عنکبوت میں ہے ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں ﴿مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ﴾ کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کس نے کام میں لگایا سورج اور چاند کو ﴿لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ﴾ تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے اتارا آسمان سے پانی ﴿فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا﴾ پھر زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے کے بعد ﴿لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ﴾ تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔

اور سورۂ یونس میں ہے ﴿قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ﴾ تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے ﴿اَمَّنۡ يَّمۡلِكُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ﴾ یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا ﴿وَمَنۡ يُّخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ﴾ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے ﴿وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ﴾ اور کون نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے ﴿وَمَنۡ يُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ﴾ اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی ﴿فَسَيَقُوۡلُوۡنَ اللّٰهُ﴾ تو وہ بول اٹھیں گے "اللہ"۔ تو کافر مشرک اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر نہیں تھے۔ ان کے یہ عقائد صاف اور صریح لفظوں میں قرآن کریم میں موجود ہیں کہ رزاق، مالک، خالق، مدبر الامر، بارش نازل کرنے والا وغیرہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔

کفار کا رب العزت کے احکامات کو نہ ماننا

صرف اللہ تعالیٰ کے ان حکموں کے منکر تھے جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا وحدہ لاشریک ہونا ان کو سمجھ نہیں آتا اور کہتے تھے ﴿اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ [ص:۵؛ پارہ: ۲۳] "کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا ہے کہ تمام خداؤں مشکل کشاؤں، حاجت رواؤں، فریاد رسوں اور دستگیروں کو چھوڑ کر صرف ایک کو حاجت روا اور مشکل کشا مان لیں ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عُجَابٌ﴾ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" تو وہ رب تعالیٰ کے وجود کے منکر نہیں تھے رب تعالیٰ کی توحید کے منکر تھے رب تعالیٰ کو مانتے تھے بلکہ ظاہری طور پر بڑی قدر کرتے تھے آج کی آیتوں کو پڑھو اور سمجھو تو یہ بات سمجھ آجائے گی۔

کفار، مشرکین کا اللہ رب العزت کے نام کا حصہ نکالنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الۡحَـرۡثِ وَالۡاَنۡعَامِ نَصِيۡبًا﴾ اور بنایا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس چیز سے جو اس نے پیدا کی ہے کھیتی اور مویشی سے حصہ۔ زمین سے جو فصلیں پیدا ہوتیں اناج اور پھل پیدا ہوتے ان میں سے

ایک حصہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ مثلاً:

دسواں حصہ کہ جو فصل پیدا ہوتی اس کا دسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے نام کا نکالتے اسی طرح جو جانور تھے بھیڑ، بکریاں اونٹ ، گائے یا بیل وغیرہ اللہ تعالیٰ کے نام کا نکالتے۔ ﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ﴾ پس انہوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿بِزَعْمِهِمْ﴾ اپنے خیال کے مطابق ﴿وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے۔ یعنی ایک حصہ شریکوں کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ مثلاً: دسواں حصہ اللہ تعالیٰ کا اور گیارھواں شریکوں کا، لات، منات، عزیٰ کا، ہبل کا۔ اب دیکھو! ظاہری طور پر رب تعالیٰ کی کتنی قدر کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا حصہ پہلے نکالتے پھر اپنے دوسرے معبودوں کا نکالتے رب تعالیٰ کی کتنی قدر ہے۔

مشرکین کا رب العزت کو غنی سمجھنا

پھر کیا کرتے ﴿فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ﴾ پس وہ حصہ جو ان کے شریکوں کا ہوتا تھا ﴿فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ﴾ پس وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کی طرف۔ مطلب یہ ہے کہ فصل وغیرہ سے جب اللہ تعالیٰ اور شریکوں کا حصہ نکالتے تو ایک ڈھیری اللہ تعالیٰ کی ہوتی اور دوسری ڈھیری شریکوں کے لیے۔ اگر ان کی شریکوں والی ڈھیری سے کچھ دانے اللہ تعالیٰ کی ڈھیری کے ساتھ مل جاتے تو فوراً الگ کر لیتے کہ رب تعالیٰ تو محتاج نہیں ہے اور یہ محتاج ہیں۔ ﴿وَمَا كَانَ لِلّٰهِ﴾ اور وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ کا ہوتا تھا ﴿فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ﴾ پس وہ پہنچتا ان کے شریکوں کی طرف یعنی رب تعالیٰ کی ڈھیری اور حصہ سے بچے کے کھیلنے یا اور کسی وجہ سے کچھ دانے شریکوں کی ڈھیری میں مل جاتے تو کہتے رہنے دو محتاج ہیں اللہ تعالیٰ تو غنی ہے۔

یہی شرک ہوتا ہے

تو دیکھو! ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کی کتنی قدر کرتے ہیں اس کو رب بھی مانتے ہیں اور اس کا حصہ بھی پہلے نکالتے ہیں اتنا کچھ مانتے سمجھتے ہوئے پھر شرک کرتے ہیں اس کے حصہ دار بناتے ہیں یہی شرک ہے اور شرک کے سینگ تو نہیں ہوتے کہ جو شرک کرے اس کو سینگ لگ جائیں ﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ باتیں بڑی چھوٹی معلوم ہوتی ہیں مگر ہیں بہت بڑی۔ ہائے افسوس! کہ لوگوں نے شرک کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ شرک کو سمجھو اور اس سے بچو یہ بڑی قبیح چیز ہے۔

رسوم و رواج سے بچنے کی خصوصی تاکید

اور بہت سی ایسی رسمیں ہیں جو ہمارے اندر رائج ہیں ہم ان کو رواج سمجھ کر کرتے ہیں حالانکہ وہ شرکیہ ہیں۔ عورتیں آتی ہیں تعویزوں کے لیے۔ نہ سونے دیتی ہیں نہ نماز پڑھنے دیتی ہیں اور لائن لگی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہاں مفت میں تعویز ملتے ہیں اور دوسرے لوگ کھال اتار لیتے ہیں۔ آ کر کہتی ہیں کہ یہ میری بچی ہے یا بچہ ہے گھر بیٹھا تھا کہ فلاں عورت آئی، بیمار ہو گئی یا بیمار ہو گیا۔ یا کہیں گی کہ میری بچی فلاں عورت کے پاس بیٹھی تھی اس کی بیماری اس کو لگ گئی ہے۔ اگر یہ شرک نہیں ہے تو اور

شرک کس کو کہتے ہیں؟

اسلام بدفالی کا قائل نہیں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَا عَدْوٰی وَ لَا طِیَرَۃَ فِی الْاِسْلَامِ)) اسلام اس کا قائل نہیں ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جائے ہاں اگر کچے عقیدے کے ہو تو احتیاط کرو اپنی بیماری دوسرے کے ذمہ نہ لگاؤ اور فرمایا کہ وَلَا طِیَرَۃَ اسلام میں بدفالی نہیں ہے کہ کوا آ کر بولا تو کہا کہ مہمان آ رہا ہے۔ اگر فلاں کام ہوا تو یہ ہو جائے گا۔ پھر کاموں کے لیے دن اور سمتیں مقرر کی ہوئی ہیں کہ منگل بدھ کو شمال کی طرف نہ جاؤ۔ پنجابی میں کہتے ہیں: ؎

منگل بدھ نہ جاویں پہاڑ
جیتی بازی آویں ہار

منگل اور بدھ والے دن پہاڑ کی جانب سفر نہ کرنا کہ اگر تو جیتا ہوا ہے پھر بھی ہار کے آئے گا، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ یہ سب شرکیہ باتیں ہیں۔

مشرکینِ عصرِ حاضر کی ناگفتہ بہ صورتِ حال

آج کل مسلمانوں کی اکثریت شرک میں مبتلا ہے اور مشرکین مکہ سے آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ وہ انتہائی مشکل میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور یہ انتہائی مشکل میں بھی غیر اللہ کو پکارتے ہیں، قرآنِ کریم میں آتا ہے ﴿فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ﴾ [العنکبوت: ۶۵؛ پارہ: ۲۱] پس جب وہ سوار ہوتے ہیں کشتیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت یعنی کشتیاں جب طوفان میں پھنس جاتیں اور غرق ہونے کا خطرہ ہوتا تو اس وقت وہ نہ لات کو پکارتے نہ منات کو نہ عزیٰ اور ہبل کو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور کہتے کہ اِنَّ اٰلِھَتَکُمْ لَا تُغْنِیْ عَنْکُمْ شَیْئًا بے شک تمہارے معبود تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے یہاں وہ ٹانگ نہیں اَڑا سکتے یہاں صرف رب ہی کام آئے گا مگر آج کا مشرک ایسے موقعہ پر کیا کہتا ہے

؎ وبگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

بیڑہ غرق ہو رہا ہے مدد کر معین الدین چشتی۔ یا بہاؤ الحق بیڑا دھک۔ یہ لوگ تو شرک میں ان سے آگے نکل گئے ہیں بلکہ ان کے کان کاٹ دیئے ہیں۔

ولی کامل حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بڑے اکابر اولیاء میں سے گزرے ہیں جن کو لوگ داتا گنج بخش کہتے ہیں۔ یہ بڑے بلند پائے کے بزرگ تھے۔ ان کی وجہ سے ہمارے باپ دادوں کو دین ایمان نصیب ہوا ورنہ ہمارے بڑے تو کھتری اور سکھ ہوتے تھے۔ ان کی قبر کو اسی من دودھ سے دھویا جاتا ہے۔

بیگم جنرل اسلم بیگ اور بدعتی ٹولہ

جنرل اسلم بیگ کی بیوی علی گڑھ کی فارغ تھی۔ وہ بے چاری کہہ بیٹھی کہ تم نے ۸۰ من دودھ ضائع کیا ہے یہ یتیم مسکین عورتوں کو دے دیتے ان کے کام آتا قبر کو اس سے کیا فائدہ ہوا؟ آج سے چند سال پہلے یہ بات اخبار میں چھپی تھی۔ اس نے اتنی بات کہی تو بدعتی مولویوں نے اس پر بھڑوں کی طرح حملہ کر دیا۔ کہنے لگے کہ یہ مرتد ہو گئی ہے اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ حالانکہ اس نے صحیح بات کہی تھی قبروں کو دودھ اور عرق گلاب سے دھونا کون سا دین ہے؟ ان بزرگوں نے جو کہا ہے وہ کرو اور جو کہا ہے اس پر عمل کرو۔

"گلدستۂ توحید" کا تعارف

تو یاد رکھنا! شرک بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھو میں نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب لکھی ہے "گلدستۂ توحید" اس کو خود پڑھو بچوں کو پڑھاؤ عورتوں کو پڑھاؤ اور شرک کی حقیقت کو سمجھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور اسی طرح مزین کیا بہت سے مشرکوں کے لیے۔

مشرکین کا معبودانِ باطلہ کے نام پر اپنے بچوں کو ذبح کرنا

﴿قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ﴾ اپنی اولاد کا قتل کرنا ان کے شریکوں نے۔ مشرکوں نے یہ ذہن بنایا ہوا تھا کہ اگر کسی کے دس بیٹے ہو جائیں تو دسویں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد اپنے بھائیوں میں دسویں تھے اس قاعدے کے مطابق ان کو جب ذبح کرنے کے لیے لے گئے تو ان کی پھوپھیاں آڑے آگئیں انھوں نے کہا کہ ان کے بدلے اونٹوں کا فدیہ دے دو ہم اپنے بھائی کو ذبح نہیں کرنے دیں گی۔ تو ان کے بدلے میں سو اونٹ ذبح کیے گئے۔ اور ان کا یہ بھی ذہن بنایا گیا تھا کہ بتوں کے نام پر بچوں کو ذبح کرنے کا بڑا فائدہ ہوتا ہے وہ جاہل لوگ اپنے بچوں جیسی عزیز متاع کو معبودانِ باطلہ کے نام پر ذبح کر دیتے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا ﴿لِيُرْدُوْهُمْ﴾ تاکہ ان کو ہلاک کر دیں نسل برباد کر دیں ﴿وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ﴾ اور تاکہ خلط ملط کر دیں ان پر ان کا دین کہ جو چیزیں دین نہیں ہیں ان کو دین میں ملا دیں ﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ کرتے وہ لوگ یہ کام جبراً اللہ تعالیٰ روکنا چاہے تو وہ نہیں کر سکتے تھے۔

اور یہ بات میں کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر جبر نہیں کرتا اس نے انسانوں اور جنوں کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔ اور نیکی بدی کی ہر ایک کو قوت دی ہے اور دونوں کا انجام بھی بتا دیا ہے بس جس راستے پر کوئی چلنا چاہتا ہے اس پر چلے۔ قیامت والے دن ہر چیز سامنے آجائے گی۔ ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ پس جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اس کو دیکھ لے گا ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ اور جو ذرہ برابر بھی بدی کرے گا اس کو دیکھ لے گا۔

﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ پس ان کو چھوڑ دے اور اس کو جو وہ افترا باندھتے ہیں۔ آپ اپنا کام کریں ان کی باتوں میں نہ آئیں۔ رب تعالیٰ شرک سے بچائے شرک بڑی قبیح اور بری چیز ہے۔

﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ﴾ یہ مویشی اور کھیتی ﴿حِجْرٌ﴾ ممنوع ہیں ﴿لَّا يَطْعَمُهَاۤ﴾ ان دونوں کو نہیں کھائے گا کوئی ﴿اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ﴾ مگر وہ شخص جس کو ہم چاہیں ﴿بِزَعْمِهِمْ﴾ اپنے خیال کے مطابق ﴿وَاَنْعَامٌ﴾ اور کچھ جانور ہیں ﴿حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا﴾ حرام کر دی گئی ان کی پشتوں پر سواری ﴿وَاَنْعَامٌ﴾ اور کچھ جانور ایسے ہیں ﴿لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا﴾ کہ نہیں ذکر کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام ﴿افْتِرَآءً عَلَيْهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہوئے ﴿سَيَجْزِيْهِمْ﴾ عن قریب ان کو بدلہ دے گا اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اس چیز کا جو وہ افتراء کرتے رہے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ﴾ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے ﴿خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا﴾ وہ خالص ہے ہمارے مردوں کے لیے ﴿وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا﴾ اور حرام ہے ہماری عورتوں پر ﴿وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً﴾ اور اگر ہو وہ مردہ ﴿فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ﴾ پس وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں ﴿سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ﴾ ضرور اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دے گا اس بیان کا ﴿اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک وہ حکمت والا ہے جاننے والا ہے ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ﴾ تحقیق نقصان میں پڑے ہیں وہ لوگ ﴿قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ﴾ جنھوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو ﴿سَفَهًا﴾ حماقت کرتے ہوئے ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ علم کے بغیر ﴿وَّحَرَّمُوْا﴾ اور انھوں نے حرام کیا ﴿مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ﴾ اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ﴿افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ﴾ افتراء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر ﴿قَدْ ضَلُّوْا﴾ تحقیق وہ گمراہ ہوئے ﴿وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ اور نہ ہوتے وہ ہدایت پانے والوں میں سے۔

اشیاء کی حلت وحرمت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

شرک کی بہت سی اقسام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر مسلمان کو شرک کی ہر قسم سے محفوظ فرمائے۔ شرک کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ بغیر کسی شرعی ثبوت کے کسی شے کو حرام یا حلال ٹھہرانا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کسی شے کے حلال وحرام کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خانگی مصلحت کے پیش نظر صرف اپنی ذات کے لیے شہد حرام کیا تھا کہ میں شہد نہیں کھاؤں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے پوری سورۃ تحریم نازل فرمائی اور فرمایا ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ "اے نبی آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے آپ اپنی عورتوں کی رضامندی چاہتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ [پارہ: ۲۸] تحقیق اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے تمہارے لئے کھول دینا تمہاری قسموں کا۔" قسم توڑو، حلال چیز کو کھاؤ اور کفارہ ادا کرو۔ جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تمام پیغمبروں کے امام اور سردار اور خلاصۂ کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کسی چیز کو حلال وحرام کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تو اور کسی کو کیا حق پہنچتا ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں کہ اَلتَّحْلِيْلُ وَالتَّحْرِيْمُ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى کسی چیز کو حلال وحرام کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لیکن مشرکین نے از خود یہ چیز بنائی ہوئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ﴾ یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں ﴿لَّا يَطْعَمُهَآ﴾ ان دونوں کو نہیں کھائے گا کوئی ﴿اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ﴾ مگر وہ شخص جس کو ہم چاہیں اپنے خیال کے مطابق۔ مثلاً: کہتے اس جانور کا دودھ وہ پی سکتا ہے جو لات کا چیلہ ہو، اس جانور پر سواری وہ کر سکتا ہے جو منات کا پجاری ہے۔ اس رقبے کی پیداوار صرف لات، منات، عزیٰ کے پجاریوں کے لیے جائز ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے کونڈوں کا حرام ہونا

یہ جو رجب کے مہینے میں امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے کونڈے تقسیم کرتے ہیں اور ان کے لیے کچھ شرائط مقرر کی ہوئی ہیں کہ جو پکائے اپنے گھر میں بٹھا کر کھلائے اور کھانے والے سائے میں بیٹھ کر کھائیں وغیرہ وغیرہ۔ عورتیں گھر کے کونوں میں بیٹھ کر کھاتی کھلاتی ہیں۔ برتن سنبھال کر رکھتی ہیں اور کسی کو نظر بھی نہ آئے۔ یہ تمام کا تمام شرک ہے اور تیمور لنگ شیعے کی ایجاد ہے اسلام کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ بالکل حرام ہے اور اسی مد کے ہیں وہ طریقے جو مشرکین مکہ نے بنائے ہوئے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام پر عورتوں کو اکٹھا کر کے گمراہ کرنا

اسی طرح کچھ عورتوں نے یہ بدعت شروع کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قصے کے نام پر عورتوں کو اکٹھا کر کے گمراہ کرتی ہیں یہ بھی رافضیوں کی ایجاد ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو مقام ہے الحمد للہ! وہ آپ حضرات ہر جمعہ کے خطبہ میں یہ جملہ سنتے رہتے ہیں وَ فَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ مگر یہ بناوٹی قصے کہانیاں اور پھر ان کے نام کی کھیریں، یہ سب حرام ہیں اور ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ ان چیزوں کے قریب بھی نہ جانا۔ یہ سب انھوں نے اپنے خیال سے بنائی ہوئی ہیں۔

جانوروں پر اپنی طرف سے حلال و حرام کا حکم لگانا

﴿وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا﴾ اور کچھ جانور ہیں حرام کر دی گئی ان کی پشتوں پر سواری۔ ساتویں پارے میں آتا ہے ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ﴾ [مائدہ: ۱۰۲] "نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام۔" حام اس نر کو کہتے ہیں جس نے چند مرتبہ جفتی کر لی ہو۔ مثلاً: اونٹ ہے اس نے دس اونٹنیوں کے ساتھ جفتی کر لی یا بیل ہے اس نے دس گائیوں کے ساتھ جفتی کر لی۔ تو ایسے اونٹ پر سواری کرنا اور بوجھ لادنا حرام سمجھتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے تو اس کو تمھاری سواری کے لیے اور تمھارے سامان اٹھانے کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ تم کون ہوتے ہو اس پر حرام کا حکم لگانے والے؟

مشرکین کا جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لینا

﴿وَ اَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا﴾ اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ نہیں ذکر کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام۔ ذبح کرتے وقت بلکہ لات، منات، عزیٰ کا نام ذکر کرتے۔ مثلاً: ذبح کرتے وقت کہتے بِاسْمِ الْاٰتِ بِاسْمِ الْمَنَاتِ اور کھا جاتے حالانکہ جانور کے حلال ہونے کے لیے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا شرط ہے۔ اگر کوئی شخص بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کی جگہ مکمل سورۂ یٰسین پڑھ لے یا درود شریف پڑھ کر ذبح کرے تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ حالانکہ سورۂ یٰسین اور درود شریف کا کتنا درجہ ہے۔ یا ذبح کرتے وقت مکمل درود شریف پڑھے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ تو جانور حرام ہوگا حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ شریعت نے بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

فقہ کا اہم ترین مسئلہ

اور تمام فقہی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص بِاسْمِ دَاوٗدَ یا بِاسْمِ مُوْسٰی یا بِاسْمِ عِیْسٰی یا بِاسْمِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ پڑھ کر جانور ذبح کرے کہ میں جانور کو داؤد، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ذبح کرتا ہوں تو جانور حرام ہوگا

کھا نہیں سکتا۔ شریعت نے جو حدیں مقرر فرمائی ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑے گا تو کچھ جانور ایسے تھے کہ ان کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے۔

مشرکین کا اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنا

﴿افْتِرَآءً عَلَيْهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس طرح کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔ ﴿سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ عنقریب ان کو بدلہ دے گا اللہ تعالیٰ اس چیز کا جو وہ افترا کر رہے ہیں بس مرنے کی دیر ہے بدلہ سامنے آجائے گا ان خرافات کا۔

مردوں، عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تحریم و تحلیل

﴿وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ﴾ اور کہا انھوں نے جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے۔ مثلاً: اونٹنی ہے، گائے ہے، بکری ہے ان مادہ جانوروں کے پیٹ میں جو بچہ ہے ﴿خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا﴾ وہ خالص ہے ہمارے مردوں کے لیے ﴿وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا﴾ اور حرام ہے ہماری عورتوں پر ﴿وَإِن يَكُن مَّيْتَةً﴾ اور اگر ہو وہ مردہ ﴿فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ﴾ پس وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر بچہ زندہ پیدا ہوتا تو کہتے کہ یہ مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام ہے۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوتا تو سخی نورن بن جاتے اور کہتے کہ عورتوں کے لیے بھی حلال ہے وہ بھی کھا سکتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حلال و حرام کرنے کا اختیار تمھیں کس نے دیا ہے؟ حالانکہ جو کھانے پینے کی چیزیں مردوں کے لیے حلال ہیں وہ عورتوں کے لیے بھی حلال ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔ تم کون ہوتے ہو یہ کہنے والے ﴿خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا﴾۔

اللہ تعالیٰ کی تفریق کا ہی مقبول و مستحسن ہونا

ہاں جن چیزوں کا فرق اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے وہ ہے کہ مثلاً: سونے چاندی کا زیور مردوں کے لیے ناجائز ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے ریشمی لباس مردوں کے لیے ناجائز ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ﴾ ضرور اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دے گا اس بیان کا ﴿إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ بے شک وہ حکمت والا ہے جاننے والا ہے اگر فوری طور پر سزا نہیں دیتا تو اس میں کوئی حکمت ہے۔ جاننے والا ہے اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

ناحق قتلِ اولاد کرنے والوں کا خسارے میں ہونا

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ﴾ تحقیق نقصان میں پڑے ہیں وہ لوگ جنھوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو ﴿سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ حماقت کرتے ہوئے علم کے بغیر۔ عرب میں ایسے لوگ بھی تھے کہ اگر ان کے دس بیٹے ان کے سامنے جواں ہو جاتے تو

دسویں کو جو سب سے چھوٹا ہوتا تھا ذبح کر دیتے۔ یہ ایک شرکیہ رسم تھی اور میں نے بیان کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور دسویں نمبر پر تھے قاعدے کے مطابق جب ان کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں آڑے آگئیں کہ ہم اپنے بھائی کو ذبح نہیں ہونے دیں گی۔ بڑا شور ہوا۔ کچھ لوگ مخالف ہو گئے کہ دیکھو جی! اپنے لیے یہ قاعدے کو چھوڑ رہے ہیں اور ایسے موقع پر اختلاف ہو ہی جاتا ہے تو کچھ مخالف اور کچھ موافق تھے بہر حال ان کے بدلے سو اونٹوں کی قربانی دی گئی تب لوگوں کی زبانیں بند ہوئیں۔ تو اولاد کو قتل کرنے کا کیا جواز ہے کہ کسی کے کہنے پر اولاد کو قتل کر دیا جائے۔

عام انسان اور پیغمبر کا خواب برابر نہیں

اور نہ ہم اس کے مجاز ہیں کہ ہمیں کوئی خواب میں کہے کہ بیٹے بیٹی کو ذبح کر دو تو ہم ذبح کر دیں حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور ان کا خواب وحی تھا عام آدمی کے خواب کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا پیغمبر کی بات جدا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا ایک بچے کو قتل کرنا

جیسے: حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو ناحق قتل کر دیا ہے۔ فرمایا خاموش رہو آخر میں بتاؤں گا پھر بتایا۔ فرمایا ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ [الکہف] یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے میرے رب نے کروائے ہیں۔ تو پیغمبر جو کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہے۔

اشیاء اکل و شرب کا اپنی طرف سے حرام کرنا

فرمایا ﴿وَحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور انھوں نے حرام کیا اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ﴿افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ﴾ افتراء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر کہ رب تعالیٰ نے ہمیں اس طرح کہا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ ﴿قَدْ ضَلُّوْا﴾ تحقیق وہ گمراہ ہوئے ﴿وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والوں میں سے۔

خلاصہ یہ کہ کسی شے کو حلال و حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے مخلوق میں سے کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿اَنْشَاَ جَنّٰتٍ﴾ جس نے پیدا کیے باغات ﴿مَّعْرُوْشٰتٍ﴾ جن کو چھتریوں پر چڑھایا جاتا ہے ﴿وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ اور وہ جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے ﴿وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ﴾ اور کھجوریں پیدا کیں اور کھیتی ﴿مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ﴾ مختلف ہیں پھل اس کے ﴿وَالزَّيْتُوْنَ﴾ اور زیتون پیدا کیا ﴿وَالرُّمَّانَ﴾ اور انار ﴿مُتَشَابِهًا﴾ جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ﴿وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ اور جو ایک دوسرے

سے نہیں ملتے جلتے ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ﴾ کھاؤان کے پھلوں کو ﴿اِذَآ اَثْمَرَ﴾ جس وقت وہ پھل دار ہوں ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ﴾ اور اس کا حق ادا کرو ﴿يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ اس کے کاٹنے کے دن ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ اور اسراف نہ کرو ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ بے شک وہ محبت نہیں کرتا اسراف کرنے والوں سے ﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً﴾ اور اس نے پیدا کیے جانوروں میں سے بوجھ اٹھانے والے ﴿وَّفَرْشًا﴾ اور زمین کے ساتھ لگے ہوئے ﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ کھاؤاس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک وہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ماقبل سے ربط

کل کے درس میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور جانوروں میں اللہ تعالیٰ کے لیے اور خود ساختہ معبودوں لات، منات، عزیٰ کے لیے حصے مقرر کیے ہوئے تھے اپنے زعم اور گمان کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ تو خالق ہے دوسرے کیسے حصہ دار بن گئے اسی لیے آخر میں فرمایا ﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ یہ بُرے فیصلے کرتے ہیں۔ آج کی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے پیدا کیے باغات جن کو چھتریوں پر چڑھایا جاتا ہے۔

''معروشات'' کی تشریح

﴿وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ اور وہ جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے۔ بعض پھل تو بڑے بڑے درختوں پر لگتے ہیں البتہ بعض پھل اور سبزیاں بیلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان بیلوں میں سے کچھ ایسی ہیں جنھیں معروشات کہتے ہیں کہ انہیں زمین سے اوپر اٹھا کر رکھنا پڑتا ہے ایسی بیلیں لکڑی کی چھت بنا کر ان پر چڑھا دی جاتی ہیں یا دیواروں کے ساتھ لٹکا دی جاتی ہیں یا پھر درختوں پر چڑھا دی جاتی ہیں۔

کون سی بیل کو اوپر چڑھایا جاتا ہے اور کونسی نیچے رکھی جاتی ہے

انگور کی بیل کو لازماً اوپر اٹھا کر رکھنا پڑتا ہے ورنہ وہ بیل پھل نہیں دیتی۔ سبزیوں میں توری کی بیل ہے اور جڑی بوٹیوں میں گلو ہے۔ اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائی جاتیں وہ خربوزہ اور تربوز کی بیلیں ہیں، کریلے اور سردے کی بیلیں ہیں یا ٹینڈے اور کدو کی بیلیں ہیں جو زمین پر پڑے پڑے عمدہ پھل دیتی ہیں ان کو اوپر چڑھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

''کھجور'' کا ذکر کرنے کی وجہ

فرمایا﴿وَّالنَّخْلَ﴾ اور کھجوریں پیدا کیں۔ عرب کے بہت سے علاقے ایسے تھے کہ جن کی خوراک ہی کھجوریں تھیں اور کھجوروں کی پیداوار پر ہی ان کی روزی کا سلسلہ چلتا تھا۔ ﴿وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ﴾ اور کھیتی کہ مختلف ہیں پھل ان کے۔ مکئی کے دانے اور رنگ کے ہیں، گندم کے دانے اور رنگ کے ہیں، باجرے کے اور رنگ کے ہیں، مونجی اور رنگ کی ہے، چنے اور مسور کا رنگ مختلف ہے، مونگی کا اور ہے، ماش کا اور ہے۔ یہ سب مشاہدے کی باتیں ہیں اور تمام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

''زیتون'' اور اس کے خواص

﴿وَالزَّيْتُوْنَ﴾ اور زیتون پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے تذکرے میں زیتون کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ زیتون کے درختوں کے ساتھ جوڈوڈے لگتے ہیں ان سے لوگ تیل نکال کر کھاتے ہیں۔ آج بھی بہت سے علاقوں میں زیتون کھانے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ طبی لحاظ سے زیتون کا تیل مقوی اعصاب اور مقوی معدہ ہے۔ اور اس میں وہ اثرات نہیں ہوتے جو گائے اور بھینس کے گھی میں ہوتے ہیں۔ گائے اور بھینس کا گھی ان لوگوں کے لیے جو بدنی محنت مشقت کرتے ہیں سونے پر سہاگہ ہے اور جو لوگ بدنی مشقت کا کام نہیں کرتے ان کے بدن میں نزلے کا مواد پیدا کرتا ہے۔ بخلاف زیتون کے تیل کے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں کے لیے مفید ہے۔

''انار'' کا ذکر کرنے کی وجہ

﴿وَالرُّمَّانَ﴾ اور انار کو اس نے پیدا کیا ﴿مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور جو ایک دوسرے سے نہیں ملتے جلتے۔ بعض دفعہ ایک انار کا دانہ دوسرے کے ساتھ ملتا ہے اور بعض دفعہ نہیں ملتا۔ ایک چھوٹا ہوتا ہے ایک بڑا ہوتا ہے، ایک میٹھا ہوتا ہے ایک ترش ہوتا ہے، ایک کا رنگ سفید ہوتا ہے اور دوسرے کا سرخ ہوتا ہے۔ او ظالمو! یہ تمام چیزیں پیدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور تم حصے دوسروں کے نکالتے ہو یہ دوسرے حصے دار کہاں سے آگئے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ﴾ کھاؤ ان کے پھلوں کو جس وقت وہ پھل دار ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کو اکلِ حلال اور اعمالِ صالحہ کا حکم

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی حکم دیا ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ [المومنون: ۵۱؛ پارہ: ۱۸] اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ فرمایا ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ﴾ اور اس کا حق ادا کرو ﴿يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ اس کے کاٹنے کے دن۔ جس دن فصلیں کاٹو، پھل اتارو ان کا حق ادا کرو۔

اہم ترین مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ جو زمینیں بارش سے سیراب ہوتی ہیں یا دریا کے بیلے اور کنارے پر زمینیں ہیں جہاں فصلوں کو پانی دینے کی ضرورت نہیں ہوتی سیلاب سے ہی تیار ہو جاتی ہیں جن کا آبیانہ نہیں دینا پڑتا ان علاقوں کی پیداوار میں سے دسواں حصہ دینا پڑے گا جس کو عشر کہتے ہیں۔ اور وہ زمینیں جو نہری پانی یا کنویں اور ٹیوب ویل کے ذریعے سیراب ہوتی ہیں یعنی جن کا آبیانہ دینا پڑتا ہے یا خرچہ کرنا پڑتا ہے ان کی پیداوار کا بیسواں حصہ دینا پڑے گا، یہ عشر ہے۔ اور یہ عشر اخراجات مثلاً: بجلی کا خرچہ ہے، کھاد کی کٹائی، گہائی وغیرہ کا خرچہ نکالنے سے پہلے نکالنا ہے۔ تمام کتابوں میں تصریح ہے قَبْلَ اَنْ تُرْفَعَ الْمُؤْنَةُ اخراجات نکالنے سے پہلے۔

مالک و مضارع کے مابین عشر کی تقسیم کا طریقہ/تفصیل

اگر زمین بٹائی اور حصے پر دی ہوئی ہے تو اس میں تفصیل ہے اگر مالک اور مزارع دونوں مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار ہیں تو عشر پہلے نکالا جائے گا پھر حصے کے مطابق آپس میں تقسیم کریں گے۔ اگر مالک مسلمان اور مزارع غیر مسلم ہے، عیسائی وغیرہ تو پہلے تقسیم کریں گے کیونکہ عیسائی پر تو عشر نہیں ہے۔ صرف مسلمان اپنے حصے میں سے عشر نکالے گا یا مالک اور مزارع ہیں تو دونوں مسلمان مگر ایک صرف نام کا مسلمان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے عشر نہیں دینا اور دوسرا فرماں بردار ہے تو اس صورت میں بھی بٹائی اور تقسیم پہلے ہوگی اور فرماں بردار مسلمان اپنے حصے میں سے عشر نکالے گا۔

جنرل ضیاء الحق اور عشر و زکوٰۃ کی تقسیم

ضیاء الحق کی نادانیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کا حکومتی سطح پر حکم دیا کہ زکوٰۃ اور عشر حکومت خود وصول کرے گی۔ ہم نے اس حکم کے خلاف احتجاج کیا کہ یہ شرعاً نا جائز ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ زکوٰۃ اور عشر کا جو مصرف ہے وہاں خرچ نہیں ہوگا اور ایسا ہی ہوا اور حکومت نے بھی تسلیم کیا کہ واقعی یہ خرابی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کافروں پر عشر نہیں ہے اگر مالک مسلمان اور مزارع کافر ہے عیسائی، ہندو وغیرہ تو مسلمان کے حصے پر تو عشر آئے گا اور کافر کے حصے پر عشر نہیں آئے گا یا ویسے ہی کوئی عشر سے بچنے کے لیے کہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں میرے اوپر عشر نہیں ہے۔ یا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی کہے کہ ہمارے مسلک میں زکوٰۃ اور عشر نہیں ہے جیسے رافضی۔ تو اس طرح نام کے سنی حضرات بھی زکوٰۃ و عشر سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو رافضیوں کے ساتھ منسلک کر لیں گے۔

صحیح العقیدہ مسلمان کا شیعہ بن جانا اور اس کا نقصان

چنانچہ فیصل آباد، جھنگ اور سرگودھا کے علاقوں سے ہمارے پاس بڑے خطوط آئے فتووں کے لیے کہ کئی زمیندار جو

سو، سو مربع کے مالک ہیں انھوں نے زکوٰۃ وعشر سے بچنے کے لیے بنکوں کو لکھ کر دے دیا ہے کہ ہم شیعہ ہیں ہمارے اوپر زکوٰۃ وعشر نہیں ہے۔ حالانکہ وہ صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہیں۔ ان کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ مان لیتے ہیں کہ انھوں نے یہ حیلہ زکوٰۃ و عشر سے بچنے کے لیے کیا ہے اور رسمی طور پر کئی خاندان شیعہ بن گئے مگر آگے ان کی نسلیں تو پکی شیعہ بن جائیں گی اور یہ سارا وبال ضیاء الحق پر پڑے گا۔

شیعہ کے خودساختہ اقوال برائے عشر وزکوٰۃ

اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ جب تک امام مہدی نہیں آتے اس وقت تک ہمارے اوپر زکوٰۃ وعشر نہیں ہے۔ حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کیونکہ ان کی بنیادی کتابوں میں زکوٰۃ وعشر کی تصریح ہے۔ ان کی بنیادی کتابیں چار ہیں جن پر شیعہ مذہب کا مدار ہے۔ اصولِ کافی، احتجاج طبرسی، مَنْ لَّا يَحْضُرُهُ الْفَقِيْهِ اور تہذیب الاحکام۔ ان کو یہ اصولِ اربعہ کہتے ہیں اور ان کی حیثیت ان کے ہاں ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں صحاحِ ستہ کی ہے۔ اور ان چاروں کتابوں میں زکوٰۃ وعشر کا ذکر ہے۔ اور یہ محض جان چھڑانے کے لیے کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اور اہم مسئلہ

اور یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ زمین کی تمام پیداوار میں عشر ہے۔ لہسن، پیاز، مرچیں ہر طرح کی سبزی پر۔ بلکہ یہاں تک کہ گھر کے اندر جو تم نے لہسن لگایا ہوا ہے اس پر بھی عشر ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے كُلَّمَا اَخْرَجَتْهُ الْاَرْضُ ہر وہ چیز جس کو زمین پیدا کرے اس میں عشر ہے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے اور اسی پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عمل ہے۔

"اسراف" کی ممانعت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ اور اسراف نہ کرو کہ فصل کے پکنے پر واہی تباہی قسم کا خرچ کرتے ہیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ بے شک وہ محبت نہیں کرتا اسراف کرنے والوں سے۔ یہ درخت، پھل اور میوے تمام کے تمام اسی نے پیدا فرمائے ہیں لہٰذا اس کے حکموں کے مطابق چلو ﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً﴾ اور اس نے پیدا کیے جانوروں میں سے بوجھ اٹھانے والے۔ اونٹ، گدھا وغیرہ جن پر لوگ بوجھ لادتے ہیں ﴿وَّفَرْشًا﴾ اور زمین کے ساتھ لگے ہوئے یعنی چھوٹے قد والے۔ جیسے: بھیڑ، بکریاں وغیرہ جو زمین پر بچھی ہوئی ہیں یہ سب رب تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں ﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ کھاؤ اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں رزق دیا ہے۔

پیرویِ شیطان سے رک جانے کا حکم

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی۔ کیوں؟ ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک وہ

شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔وہ ہر ایسی بات کرے گا جس سے تمہارے ایمان پر زد آئے۔لہٰذا شیطان کی بات پر عمل نہ کرو اور رب تعالیٰ جو فرمائیں اس پر عمل کرو۔

﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ یہ آٹھ قسم کے جانور ہیں ﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ﴾ بھیڑوں میں سے دو ہیں ﴿وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ﴾ اور بکریوں میں سے دو ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿ءٰٓالذَّكَرَيْنِ﴾ کیا ان دونوں کے نر ﴿حَرَّمَ﴾ اللہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں ﴿اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ یا ان دونوں کی مادہ کو ﴿اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ﴾ یا جس پر مشتمل ہیں ﴿اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ دونوں مادہ کے رحم ﴿نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ﴾ خبر دو مجھے علم کے ساتھ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ﴾ اور اونٹوں میں سے دو ہیں ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ اور گائے میں سے دو ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿ءٰٓالذَّكَرَيْنِ﴾ کیا ان دونوں کے نروں کو ﴿حَرَّمَ﴾ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ﴿اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ یا ان دو کی مادہ کو ﴿اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ﴾ یا جس پر مشتمل ہیں ﴿اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ دونوں مادہ کے رحم ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ﴾ کیا تم حاضر تھے ﴿اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا﴾ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا تاکیدی حکم دیا تھا ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے ﴿افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ جس نے افترا باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿لِّيُضِلَّ النَّاسَ﴾ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر علم کے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے۔

ماقبل سے ربط

کل کے درس میں بیان ہوا تھا کہ حلال وحرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا حلال وحرام کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے۔ چاہے وہ کتنی بڑی شخصیت ہی کیوں نہ ہو۔حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حلال وحرام کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچا پیاز اور لہسن نہ کھانا

چنانچہ مسلم شریف اور ابوعوانہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ساتھی بھی تھے۔اس کھانے میں کچا لہسن بھی تھا جس طرح سلاد میں ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کچا لہسن دیکھا تو کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا اور ساتھیوں سے فرمایا کہ تم کھاؤ میں نہیں کھاؤں گا۔ساتھیوں نے کہا حضرت کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا نہیں

جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا میں اس کو حرام نہیں کرسکتا مگر اس کے کھانے سے منہ سے بُو آتی ہے وَ اِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَّا تُنَاجُوْنَ اور میں ان سے گفتگو کرتا ہوں جن سے تم نہیں کرتے یعنی مجھے فرشتوں سے گفتگو کرنی پڑتی ہے اور فرشتوں کو بُو سے سخت نفرت ہے۔

لہسن، پیاز کھا کر فوراً مسجد میں آنے کی ممانعت

اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ کچا پیاز اور کچا لہسن کھا کر فوراً مسجد میں نہ آؤ جب تک اس کی بو ختم نہ ہو جائے۔ کیونکہ بہ نسبت دوسری جگہوں کے مسجد میں فرشتے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کو بو سے سخت نفرت ہے۔

آدمی کا مسجد میں انتظارِ صلوٰۃ میں بیٹھنا اور فرشتے کا اس کے لیے دعا کرنا

چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آدمی جب وضو کر کے مسجد میں نماز کے انتظار کے لئے خاموشی کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے یا آہستہ آہستہ ذکر کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے سر کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے برابر دعا کرتا رہتا ہے رَبِّ اغْفِرْہُ وَ ارْحَمْہُ مَا لَمْ یُحْدِثْ اے میرے پروردگار! اس کی بخشش فرما اور اس پر رحم کر جب تک اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ بے وضو ہونے کی بو سے فرشتہ چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بشمول انبیاء علیہم السلام کے کوئی حرام نہیں کرسکتا

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لہسن کی وجہ سے کھانا نہ کھایا اور فرمایا کہ حرام نہیں ہے کیونکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے میں اس کو حرام نہیں کرسکتا۔ لیکن مشرکوں نے بعض جانوروں کو اپنی مرضی سے اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا اور بعض جانوروں کی سواری حرام کی ہوئی تھی اور بعض کا دودھ اور زمین کی پیداوار میں سے اللہ تعالیٰ اور اپنے شریکوں کے حصے مقرر کیے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کو پیدا کرنے والا تو میں ہوں یہ شریک کس طرح حصے دار بن گئے۔

آٹھ قسم کے حلال جانوروں کی توضیح

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جن آٹھ قسم کے جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کی تشریح و توضیح فرمائی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ﴾ یہ آٹھ قسم کے جانور ہیں۔

"ضَأْن" کی تعریف

﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ﴾ بھیڑوں میں سے دو ہیں۔ "ضَأْن" اون والے جانور کو کہتے ہیں۔ بھیڑ اور دنبہ اس میں آتے ہیں نر اور مادہ چکی ہو یا نہ ہو سینگ ہوں یا نہ ہوں ﴿وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ﴾ اور بکریوں میں سے دو ہیں نر اور مادہ۔

مشرکین کی خود ساختہ حلت وحرمت کا عملی محاسبہ

﴿قُلْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں ﴿ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ کیا ان دونوں کے نر اللہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں یا ان دونوں کی مادہ کو؟ بتاؤ! دنبہ حرام ہے یا بھیڑ؟ بکرا حرام ہے یا بکری؟ بھیڑ حرام ہے یا چھترا؟ ﴿اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ یا جس پر مشتمل ہیں دونوں مادہ کے رحم یعنی جو بھیڑ کے پیٹ میں ہے وہ حرام ہے یا جو بکری کے پیٹ میں ہے وہ حرام ہے؟ ﴿نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ﴾ خبر دو مجھے علم کے ساتھ کوئی علمی دلیل پیش کرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ﴾ اور اونٹوں میں سے دو ہیں نر اور مادہ ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ اور گائے میں سے دو ہیں نر اور مادہ۔

"بقرہ" کی تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ بدعت

"بقرہ" کا لفظ گائے بیل دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے پارے میں جہاں بقرہ کا ذکر ہے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیل کا ترجمہ کیا ہے۔ اصل قصہ اس طرح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص بڑا مال دار تھا اور تھا بھی لاولد یعنی اولاد نہیں تھی۔ اور اس کے بھتیجے بڑے غریب تھے کبھی کھانے کو مل جاتا اور کبھی نہ ملتا۔ انھوں نے اپنے چچا کو کہا کہ ہم تمہارے ہیں اور ہمارے حالات تمہارے سامنے ہیں اور تمہارے پاس بے شمار دولت ہے لہٰذا ہمیں کم از کم کھانے کو دے دیا کرو۔ اس نے انکار کیا اور کہا خود کماؤ اور کھاؤ۔ بھتیجوں نے اس کے قتل کا مشورہ کیا کہ اس کو قتل کر دیں وراثت تو ہمیں ہی ملنی ہے۔ چنانچہ اس کو قتل کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے کہ ہمارے چچے کو کسی نے قتل کر دیا اس کی تحقیق تفتیش کرو۔ ان کے ذہن میں تھا کہ ہم تو مدعی ہیں ہمارے اُوپر کس نے شبہ کرنا ہے اور موقع کا گواہ کوئی ہے نہیں لہٰذا معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ بقرہ ذبح کرو اور اس کا ایک حصہ مقتول کے بدن پر مارو یہ زندہ ہو کر تمہیں بتا دے گا کہ میرا قاتل کون ہے؟

تو یہاں بقرہ کا معنیٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیل کیا ہے۔ اس پر اہلِ بدعت حضرات نے بڑا شور مچایا کہ دیکھو تمہارے حکیم الامت کو بقرہ کا معنیٰ بھی نہیں آتا کہ بقرہ کے معنیٰ تو گائے کے ہیں اس لیے میں نے آپ حضرات کو بتایا ہے کہ لغتِ عرب میں بقرہ کا لفظ گائے، بیل دونوں پر بولا جاتا ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قرینے سے بیل کا ترجمہ کیا ہے وہ پہلے پارے میں ہی موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ بقرہ ایسی ہو کہ نہ تو اس کے ذریعہ ہل چلایا گیا ہو اور نہ ہی اس کے ذریعہ سے کنویں سے پانی نکالا گیا ہو اور یہ دونوں کام عموماً بیل کرتے ہیں گائیں تو نہیں کرتیں۔ اس لیے حضرت نے بیل کا ترجمہ کیا ہے۔

بھینس اور بھینسا کے متعلق فقہائے کرام رحمہم اللہ کا قول

اور یہ جو بھینس اور بھینسا ہے اس کے متعلق فقہاءِ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں اَلْجَامُوْسُ نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ بھینس اور بھینسا، گائے اور بیل ایک قسم کے ہیں قربانی ان کی بھی جائز ہے۔

نصابِ زکوٰۃ کی تفسیر

زکوٰۃ کے نصاب میں گائے بھینس اوران کے بچوں کو اکٹھا شمار کیا جاتا ہے اگر کسی کے پاس ان کے چھوٹے بڑے تیس نگ ہوں تو ایک سال کا بچہ جو دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو زکوٰۃ میں دیا جائے گا اور چالیس نگ ہو جائیں تو دو سال کا بچہ دیا جائے گا۔ تو فرمایا کہ اونٹوں میں سے دو ہیں نر اور مادہ اور بقر میں سے دو ہیں نر اور مادہ۔

﴿قُلْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں ﴿ءٰٓالذَّكَرَيْنِ﴾ کیا ان دونوں کے نروں کو ﴿حَرَّمَ﴾ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ﴿اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ یا ان دو کی مادہ کو ﴿اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ یا جس پر مشتمل ہیں دونوں مادہ کے رحم۔ بتاؤ جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے وہ حرام ہے یا گائے کے پیٹ میں جو ہے وہ حرام ہے تم جو کہتے ہو ﴿هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ﴾ یہ جانور اور کھیتی ممنوع ہے ﴿لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ﴾ اسے کوئی نہیں کھا سکتا مگر وہ جس کو ہم چاہیں۔ یہ تمہیں کس نے کہا ہے؟

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ﴾ کیا تم حاضر تھے ﴿اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا﴾ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا تاکیدی حکم دیا تھا کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے ﴿افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ جس نے افتراء باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال حرام ٹھہرانے کا اختیار دیا ہے یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں تھا۔

لسانِ نبوت سے خود حلال وحرام کی تردید

چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی لڑکی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: وَاِنِّیْ لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَّلَا اُحِلُّ حَرَامًا اور بلاشبہ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ اَبَدًا لیکن بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی دونوں کبھی یکجا (جمع) نہیں ہو سکتیں۔ اگر تو جویریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے کیونکہ دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس کے بعد پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسرے نکاح کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ مجھے حلال وحرام کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا مشرکین نے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام کا اختیار دیا ہے۔

"ظالموں" کو ہدایت کا نہ ملنا

﴿لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو بغیر علم کے۔ کیونکہ غلط کام کرنا گمراہی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے۔ جو کفر وشرک پر ڈٹے ہوئے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ جبراً

ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت ان کو دیتا ہے جو ہدایت کے طالب ہوں۔

﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿لَّآ اَجِدُ﴾ میں نہیں پاتا ﴿فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ﴾ ان احکام میں جو میری طرف وحی کیے گئے ہیں ﴿مُحَرَّمًا﴾ کسی چیز کو حرام ﴿عَلٰی طَاعِمٍ﴾ کسی کھانے والے پر ﴿یَّطْعَمُهٗٓ﴾ جو اس کو کھائے ﴿اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً﴾ مگر یہ کہ ہو وہ مردار ﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ یا خون بہایا گیا ﴿اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ﴾ یا خنزیر کا گوشت ﴿فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ پس بے شک وہ خنزیر ناپاک ہے ﴿اَوْ فِسْقًا﴾ یا نافرمانی کی گئی ہو ﴿اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ جو نامزد کیا گیا ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر اس کو ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ پس جو شخص مجبور کیا گیا ﴿غَیْرَ بَاغٍ﴾ لذت تلاش کرنے والا نہ ہو ﴿وَّلَا عَادٍ﴾ اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو ﴿فَاِنَّ رَبَّكَ﴾ پس بے شک تیرا رب ﴿غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا﴾ اور ان لوگوں پر جو یہودی ہیں ﴿حَرَّمْنَا﴾ ہم نے حرام کیا ﴿كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ﴾ ہر ناخن والا جانور ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ﴾ اور گائے سے ﴿وَالْغَنَمِ﴾ اور بھیڑ بکریوں سے ﴿حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ﴾ حرام کر دیں ہم نے ان پر ﴿شُحُوْمَهُمَآ﴾ ان کی چربیاں ﴿اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ﴾ مگر وہ چربی جو ان کی پشتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو ﴿اَوِ الْحَوَایَآ﴾ یا آنتوں کے ساتھ ﴿اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو ﴿ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ﴾ یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ﴿بِبَغْیِهِمْ﴾ ان کی سرکشی کا ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ ہم سچے ہیں ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ پس اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں ﴿فَقُلْ﴾ تو پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ﴾ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے ﴿وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ﴾ اور نہیں ٹالا جاتا اس کا عذاب ﴿عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ مجرم قوم سے۔

ربطِ رکوعات

اس سے پہلے رکوعوں میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین نے از خود بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرایا ہوا تھا جہالت سے۔ اور ذمے اللہ تعالیٰ کے لگاتے تھے جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جو حقیقتاً حرام ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿قُلْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں ﴿لَّآ اَجِدُ﴾ میں نہیں پاتا ﴿فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا﴾ ان احکام میں جو میری طرف وحی کیے گئے ہیں کسی چیز کو حرام ﴿عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ﴾ کسی کھانے والے پر جو اس کو کھائے ﴿اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً﴾

مگر یہ کہ ہو وہ مردار یعنی وہ جانور جو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے۔ اور یہ مشرک اس کو بھی کھا جاتے تھے بلکہ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ کہتے تھے کہ جس کو رب مارے اس کے متعلق تم کہتے ہو کہ حرام ہے اور جو تم مارو ذبح کرو تو کہتے ہو حلال ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کے بدن میں زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے اگرچہ وہ تھوڑی مقدار میں ہوتا ہے مگر وہ انسانی صحت کے لیے انتہائی مضر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حکم دیا کہ میرا نام لے کر ذبح کرو تو ذبح کرتے وقت خون کے ساتھ وہ مادہ بھی نکل جاتا ہے پھر گوشت صحت کے لیے مضر نہیں ہوتا۔

مسئلہ ❀ ذبح کرنے کے بعد جو خون گوشت کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے وہ پاک ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر دھوئے گوشت پکا لے تو جائز ہے۔ البتہ نظافت اس میں ہے کہ گوشت کو دھو کر پکایا جائے۔ اور بغیر ذبح کرنے کے جو جانور مر جائے تو وہ حرام ہے۔

مردار کا چمڑہ استعمال کرنے کی اجازت

سوائے چمڑے کے کہ اس کا کوئی حصہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ رنگنے کے بعد چمڑا استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک موٹی تازی بکری مردار ہوگئی۔ لوگ اس کو دور پھینکنے کے لیے کھینچ کر لے جا رہے تھے تا کہ لوگوں کو بدبو نہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا تم نے اس کا چمڑا کیوں نہیں اتارا کہنے لگے حضرت یہ مردار ہوگئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا چمڑا اتار کر رنگنے کے بعد استعمال کر سکتے ہو۔ فرمایا ﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ یا خون بہایا گیا ذبح کرتے وقت وہ بھی حرام ہے اندرونی طور پر بھی کہ اس کو کھایا جائے اور بیرونی طور پر بھی کہ اس کی مالش کی جائے۔

خرگوش کے خون کے ساتھ علاج کرنے کی ممانعت

بعض جاہل قسم کے لوگ خرگوش کے خون کو کھانسی کے لیے بطور علاج کے استعمال کرتے ہیں یہ بالکل حرام ہے۔ نہ بڑوں کے لیے جائز ہے اور نہ بچوں کے لیے ﴿اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ﴾ یا خنزیر کا گوشت ﴿فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ پس بے شک وہ خنزیر ناپاک ہے۔

خنزیر کا نجس العین ہونا

خنزیر نجس العین ہے اس کی ہر چیز ناپاک ہے۔ چونکہ کھانے والی چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے اس لیے اس کے گوشت کے متعلق فرمایا کہ اس زمانے میں بھی لوگ خنزیر کا گوشت کھاتے تھے اور آج بھی اس کے کھانے والے بڑے ہیں۔ مگر جن کو

اللہ تعالیٰ نے سمجھ عطا فرمائی ہے وہ اس کے قریب نہیں جاتے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی لندن واپسی کی روئیداد/انگریز کا اخلاق

ایک دفعہ میں لندن سے واپس آرہا تھا میرے ساتھیوں نے ٹکٹ پر لکھوادیا کہ یہ جہاز میں کھانا نہیں کھائیں گے اور مجھے بھی بتادیا کہ ہم نے آپ کے ٹکٹ پر یہ لکھوادیا ہے۔ کیونکہ یہ جہاز برطانیہ کا ہے اس باورچی خانے میں اگرچہ پکانے والے مسلمانوں کے لیے گائے، بکری اور مرغی کا گوشت پکائیں گے مگر ہانڈی میں چلانے والا چمچہ مشترک ہوتا ہے کہ خنزیر کی ہانڈی میں بھی وہی چلاتے ہیں۔ بارہ تیرہ گھنٹوں کا سفر تھا۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو میں نے کہا کہ میں نے نہیں کھانا۔ وہ میری بات نہ سمجھ سکی چونکہ وہ اردو نہیں جانتی تھی۔ وہ اُردو سمجھنے والی کو لے آئی۔ اس نے پوچھا بابا جی! آپ کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ میں نے کہا بس میں نے نہیں کھانا۔ کہنے لگی آپ کے ذہن میں جو خدشہ ہے وہ ہم نہیں لائیں گی۔ ہم آپ کے لیے مرغی یا بکری کا گوشت لے آتے ہیں۔ میں نے اس کا بھی انکار کردیا۔ ان کے لیے مصیبت بن گئی۔ ایک جاتی ہے اور دوسری آتی ہے۔ جس طرح گھروں میں بڑوں کو راضی کیا جاتا ہے مجھے راضی کرنے کے لیے لائن لگ گئی۔ میں نے کہا بارہ تیرہ گھنٹے بھوکا رہنے سے میں نہیں مرتا آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ کہنے لگیں کوئی سبزی لے آئیں؟ تو میں نے کہا ٹھیک ہے سبزی لے آؤ مگر سور والا چمچہ نہ استعمال کرنا۔ تب جاکر کہیں ان کو سکون آیا اس سے ان کے اخلاق کا اندازہ لگائیں۔

ابوظہبی سے واپسی کی روئیداد/مسلمان کا اخلاق

یہ تو انگریز تھے اب مسلمانوں کا حال بھی سن لو۔ جب میں ابوظہبی اترا۔ نماز میں نے پڑھنی تھی اور تھا بھی باوضو۔ رومال میں نے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ ایک افسر کو بلا کر میں نے کہا "اَرِنِیْ جِهَةَ الْقِبْلَةِ اُرِيْدُ الصَّلَاةَ" مجھے قبلے کا رخ بتادیں میں نے نماز پڑھنی ہے۔ اس نے کوئی پروا نہ کی۔ دوسرے سے پوچھا وہ بھی بڑبڑ کرتا ہوا چلا گیا اور بتایا نہیں۔ پھر ایک اور افسر آیا اس نے بڑی پیٹی اور کندھے پر پھول لگائے ہوئے تھے میں نے اس کو سلام کیا اور اس کا بازو پکڑا اور کہا میں مسافر ہوں میں نے نماز پڑھنی ہے مجھے قبلے کا رخ بتادو۔ اس نے بڑے ترش لہجے میں کہا "هِنَا" ادھر ہے۔ میں نے کہا ان کا اخلاق دیکھو اور ان کا اخلاق دیکھو کتنا فرق ہے۔

"غیراللہ" کی نذرونیاز کا مردود ہونا

﴿اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ یا نافرمانی کی گئی ہو جو نامزد کیا گیا ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر۔ نامزد کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز کسی بت جن، فرشتے، نبی یا بزرگ کے تقرب یا خوشنودی کے لیے بطور نیاز دی جائے کہ وہ ہستی اس سے خوش ہو کر مجھے مصیبت سے بچالے گی، میری مصیبت ٹل جائے گی میرا کام بن جائے گا۔ اس ارادے سے اگر کوئی شے دے گا تو وہ

حرام ہے۔ چاہے وہ جانور ہو، دودھ ہو، کپڑا ہو، کھال ہو سب حرام ہیں۔ جانور کو چاہے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے پھر بھی حرام ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ماکولات، ملبوسات، مشروبات ہمہ ایں حکم دارند“ کھانے کی چیزیں ہوں، پہننے کی چیزیں ہوں، پینے کی چیزیں ہوں سب کا یہی حکم ہے۔

”ایصالِ ثواب“ کا حکم

ایصالِ ثواب کا مسئلہ الگ ہے۔ ایصالِ ثواب کے لیے جو چیز دی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر دی جاتی ہے اور اس کا ثواب مرنے ہوؤں کو پہنچایا جاتا ہے اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ نیک ہے تو اس کے درجات بلند ہوں اور گنہگار ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے اس کو فائدہ ہو۔

”گیارہویں“ کا حکم

اور گیارہویں میں تفصیل ہے۔ اگر اس ارادے سے دیتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے، ولی اللہ تھے ان کو ثواب پہنچے تو بدعت ہے۔ اس لیے کہ اولیاء اللہ اور بھی بہت ہیں ان کے نام پر یعنی ان کے ایصالِ ثواب کے لیے کیوں نہیں دیتے۔ مہینے کے اور دن بہت ہیں گیارہویں تاریخ کیوں مخصوص ہے؟ اور اگر اس ارادے سے دیتے ہیں کہ ہمارا کام ہو جائے گا اگر نہ دی تو کام خراب ہو جائے گا تو پھر خالص شرک اور قطعی حرام ہے۔ اور ﴿فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ کی مد میں ہے کہ نافرمانی کرتے ہوئے غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہے۔ وہ چاہے بکرا یا دیگ ہو بالکل حرام ہے۔

جان بچانے کے لیے بقدرِ ضرورت حرام کھانا پینا

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ پس جو شخص مجبور کیا گیا ﴿غَيْرَ بَاغٍ﴾ لذت تلاش کرنے والا نہ ہو ﴿وَّلَا عَادٍ﴾ اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو اگر بھوک کی وجہ سے جان خطرے میں ہو اور خنزیر اور مردار کے علاوہ بھی کوئی چیز موجود نہ ہو تو اتنا کھانے کی اجازت ہے کہ جس سے جان بچ جائے۔ عاد کا معنیٰ ہے ضرورت سے زیادہ نہ کھائے کہ ایک چھٹانک کھانے سے جان بچ سکتی ہے تو چھ تولے نہ کھائے۔ اور ”باغ“ کا معنیٰ ہے لذت تلاش کرنے والا کہ اس کا ذائقہ کیا ہے ذائقے کے لیے بھی نہ کھائے۔ اور ایسے موقع پر اگر نہ کھائے گا تو گنہگار مرے گا۔ کیونکہ اس نے رب تعالیٰ کی اجازت کو قبول نہیں کیا اور رب تعالیٰ کی اجازت کو قبول نہ کرنا بھی گناہ ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص انتہائی پیاسا ہے کہ جان کا خطرہ ہے اور شراب کے سوا پینے کے لیے کوئی چیز موجود نہیں ہے تو وہ اتنی شراب پی لے کہ جس سے جان بچ جائے اور اگر نہ پی اور مر گیا تو گنہگار مرا ہے۔ اور جان بچانے کے لیے جو حرام کھائے گا اور

پیئے گا اس کے لیے معافی ہے۔ ﴿فَاِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہود پر ناخن والے جانوروں کا حرام ہونا، بشمول چربی کے

﴿وَ عَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا﴾ اور ان لوگوں پر جو یہودی ہیں ﴿حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ﴾ ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کے پاؤں پنجے کی شکل میں ہوں اور درمیان سے پھٹے ہوئے نہ ہوں۔ جیسے: اونٹ، شترمرغ، بطخ، مرغابی وغیرہ ہیں ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ﴾ اور گائے سے ﴿وَ الْغَنَمِ﴾ اور بھیڑ بکریوں سے ﴿حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ﴾ حرام کردیں ہم نے ان پر ان کی چربیاں کہ ان کی چربی تم استعمال نہیں کر سکتے ﴿اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ﴾ مگر وہ چربی جو ان کی پشتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔

"حَوَایَا" کی تحقیق

﴿اَوِ الْحَوَایَآ﴾ "حَوَایَا" حَاوِیَة کی جمع ہے اور آنت کو کہتے ہیں یا آنتوں کے ساتھ جو چربی لگی ہوئی ہے ﴿اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ یہ جائز ہے اور جو چربی گردوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے یا دنبے کی چکی والی چربی ہے وغیرہ حرام ہے۔ یہ ان پر کیوں حرام کی گئی؟

یہود کو سرکشی کا بدلہ اور اس کا مطلب

فرمایا ﴿ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ﴾ یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ﴿بِبَغْیِهِمْ﴾ ان کی سرکشی کا۔ ورنہ فی نفسہ یہ چیزیں حلال تھیں۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ چند آدمیوں کا اکٹھا ہونا کوئی جرم نہیں ہے اور اگر حکومت کو خدشہ ہو کہ یہ اکٹھے ہو کر فتنہ برپا کریں گے تو حکومت دفعہ ۱۴۴ لگا دیتی ہے کہ اتنے آدمیوں سے زیادہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ تو یہ حکم عارضی ہوتا ہے ان کی شرارت کی وجہ سے۔ ایسے ہی یہ چیزیں یہودیوں پر حرام کی گئیں ان کی شرارت کی وجہ سے۔ فرمایا ﴿وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ ہم سچے ہیں اپنے احکام میں کہ جو نافرمانی کرے گا ہم اس کو دنیا میں بھی سزا دیں گے اور آخرت میں بھی۔

دیر گیر د سخت گیرد

﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ پس اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں، معاذ اللہ تعالیٰ ﴿فَقُلْ﴾ تو پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں ﴿رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ﴾ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ ورنہ جس وقت انھوں نے جھٹلایا تھا فوراً عذاب آجاتا مگر وہ مہربان ہے موقع دیتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو ﴿وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ﴾ اور نہیں ٹالا جاتا اس کا عذاب ﴿عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ مجرم قوم سے۔ اگر رب تعالیٰ کے عذاب میں تاخیر ہوئی ہے تو مجرم یہ نہ سمجھیں کہ ہم بچ جائیں گے، وہ آکر رہے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

﴿سَیَقُوْلُ﴾ تاکید کے ساتھ کہیں گے ﴿الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا﴾ وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا ﴿لَوْشَآءَ اللّٰهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿مَآ اَشْرَكْنَا﴾ تو ہم شرک نہ کریں ﴿وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ اور نہ ہمارے باپ دادا ﴿وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ﴾ اور نہ ہم حرام ٹھہراتے کسی چیز کو ﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ﴾ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے تھے ﴿حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا﴾ یہاں تک کہ انھوں نے چکھا ہمارے عذاب کا مزا ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیں ﴿هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ﴾ کیا ہے تمہارے پاس کوئی علم ﴿فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا﴾ پس نکالو اس علم کو ہمارے سامنے ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ نہیں پیروی کرتے تم مگر گمان کی ﴿وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ﴾ اور نہیں ہو تم مگر اٹکل پر چلتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیں ﴿فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے دلیل کامل ﴿فَلَوْشَآءَ﴾ پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ تو تم سب کو ہدایت دے دے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیں ﴿هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ﴾ لاؤ اپنے گواہ ﴿الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ﴾ جو گواہی دیں ﴿اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان چیزوں کو ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا﴾ پس اگر وہ گواہی دیں ﴿فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ﴾ پس آپ نہ گواہی دیں ان کے ساتھ ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ﴾ اور نہ پیروی کریں ان لوگوں کی خواہشات کی ﴿كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور ان لوگوں کی ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں۔

ماقبل سے ربط :

اس سے قبل مشرکوں کی بعض شرکیہ رسموں کا رد کیا گیا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کھیتی میں بھی حصے دار بنائے ہوئے ہیں اور جانوروں میں بھی اور یہ کہ انھوں نے حلت وحرمت کے ضابطے بھی خود بنائے ہوئے ہیں کہ یہ چیز مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام ہے۔ مشرکین نے شرکیہ رسوم اور خود ساختہ قاعدوں کے جواز پر دلیل پیش کی اس کا ذکر ہے۔

کیا پدی، کیا پدی کا شوربہ :

اور یاد رکھنا! دنیا میں کوئی خاموش نہیں رہتا چاہے وہ انتہائی چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ مشہور کہاوت ہے "کیا پدی، کیا پدی کا شوربہ" یہ ایک چھوٹا سا پرندہ ہے یہ گھاس دار زمین پر بیٹھا تھا اور گھاس کے ساتھ دھاگے الجھے ہوئے تھے۔ پدی کی ٹانگ دھاگے سے اٹک گئی اڑتی پھڑ پھڑا کر بیٹھ جاتی۔ نہ دھاگہ ٹوٹتا نہ گھاس زمین سے اکھڑتی۔ کوے نے ازراہِ ہمدردی پوچھا تا کہ

دھا گہ کاٹ کر جان چھڑا دے، خالہ کیا بات ہے؟ تو پدی نے کہا کہ میں زمین تول رہی ہوں۔ تو خاموش تو پدی بھی نہیں رہی اور ہار نہ مانی۔ تو مشرک کہاں ہار ماننے کے لیے تیار ہوں گے۔

مشرقی پنجاب کے مظالم اور بدعتی مولوی کی تقریر

جس زمانے میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر بڑے ظلم ڈھائے جا رہے تھے مسجدیں گرائی جا رہی تھیں عورتوں کی بے حرمتی ہو رہی تھی بچوں کو قتل کیا جا رہا تھا اور بہت کچھ ہو رہا تھا اس وقت ایک مولوی صاحب نے ''بٹ دری فیکٹری'' کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ اولیاء اللہ ہماری مدد کرتے ہیں اور شرک کی خوب آب یاری کی۔

تردیدِ باطل کا رِفرضِ کفایہ

اور مسئلہ یہ ہے کہ باطل کی تردید فرضِ کفایہ ہے اگر کسی جگہ باطل ظاہر ہوا اور اس کی کسی نے تردید نہ کی تو تمام کے تمام لوگ مجرم ہوں گے اور اگر ایک ثقہ آدمی نے اس کی تردید کر دی تو تمام کی گردنیں آزاد ہو جائیں گی، گناہ سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔

اہلِ بدعت کے خلاف حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اور ایک بابا

اس وقت میں گکھڑ میں نیا نیا آیا تھا میں نے سوچا کہ اس نے غلط تقریر کی ہے اگر تردید نہ ہوئی تو گکھڑ کے سارے لوگ گنہگار ہوں گے۔ لہٰذا ایک دن کے وقفے کے بعد میں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ مدد کرنا صرف رب تعالیٰ کا کام ہے مخلوق کا کام نہیں ہے۔ بڑی سے بڑی ہستی بھی مافوق الاسباب کسی کی مدد نہیں کر سکتی اور نماز میں ہم پڑھتے ہیں ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ پروردگار ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی اور مدد بھی صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مافوق الاسباب کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ تقریر میں میں نے یہ بھی کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مدد کر سکتا ہے تو مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہا ہے پیر، فقیر ان کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ بڑے بڑے ولی اس دھرتی میں ہیں۔ مثلاً: شاہ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔

پچاس ساٹھ سال کی عمر کا ایک بابا کھڑا ہوا۔ ڈاڑھی اس کی کتری ہوئی تھی۔ کہنے لگا اولیاء اللہ مدد کرتے ہیں مگر آج کل سارے بزرگ حج کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ حج کا موسم بھی نہیں تھا مگر وہ چپ نہیں رہا۔ شوشہ چھوڑ کر چلا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی کتنا جھوٹا کیوں نہ ہو خاموش نہیں رہتا۔ تو مشرکوں نے اپنے شرک کے صحیح ہونے پر یہ شوشہ چھوڑا۔

مشرکین کی ایک مضحکہ خیز دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا﴾ تاکید کے ساتھ کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

﴿مَآ اَشْرَكْنَا﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم شرک نہ کریں۔ وہ ہمیں روکتا کیوں نہیں؟ لہٰذا وہ ہمارے شرک پر راضی ہے ﴿وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ اور نہ ہمارے باپ دادا، شرک کرتے۔ اگر یہ بری چیز تھی تو رب تعالیٰ نے روکا کیوں نہیں؟ ﴿وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ﴾ اور نہ ہم حرام ٹھہراتے کسی چیز کو۔ ہم نے جو ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے تو رب تعالیٰ نے روکا کیوں نہیں ہے؟

مشرکین کی دلیل کا جواب

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ﴿حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا﴾ یہاں تک کہ انھوں نے چکھا ہمارے عذاب کا مزا ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ﴾ کیا ہے تمہارے پاس کوئی علم ﴿فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا﴾ پس نکالو اس علم کو ہمارے سامنے ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ نہیں پیروی کرتے تم مگر گمان کی ﴿وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ﴾ اور نہیں ہو تم مگر اٹکل پر چلتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے دلیل کامل۔ وہ حجت کامل کیا ہے؟ چودھویں پارے کا گیارھواں رکوع نکالو۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جنھوں نے شرک کیا ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ﴾ تو ہم اس سے ورے ورے کسی کی عبادت نہ کرتے ﴿نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا ﴿وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ﴾ اور نہ ہم حرام ٹھہراتے اللہ تعالیٰ سے ورے ورے کسی شے کو، اس نے چاہا ہے تو ہم نے ایسا کیا ہے ﴿كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اسی طرح کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ﴿فَهَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ پس پیغمبروں کے ذمے اللہ تعالیٰ کے احکام کو کھول کر پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعے، کتابوں کے ذریعے، ان چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ البتہ جبراً نہیں روکا کہ وہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر امت میں رسول اور ان کو حکم دیا ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

"طاغوت" کی تحقیق

﴿وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ اور شرک سے بچو۔ طاغوت شیطان کو بھی کہتے ہیں، شرک کو بھی کہتے ہیں اور بت کو بھی کہتے ہیں اور تمام بُری چیزیں طاغوت ہیں۔

بعثتِ انبیاء علیہم السلام اور نزولِ کتب، لوگوں کے گمراہ ہونے کی نشانی

تو اللہ تعالیٰ نے تو منع فرمایا ہے تم کس طرح کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ راضی ہے اگر اللہ تعالیٰ تمہارے شرک پر اور خود ساختہ محرمات پر راضی ہوتا تو پیغمبر کیوں بھیجتا، کتابیں کیوں نازل کرتا؟ اس نے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر حجت پوری فرما دی

ہے ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ﴾ پھر بعض ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ جو گمراہی پر اڑے رہے اور پیغمبروں کی بات نہیں مانی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے غیر اللہ کی عبادت سے بھی منع کیا اور دوسری برائیوں سے بھی منع کیا۔

منع کرنے کی دوسری صورت

البتہ منع کرنے کی ایک صورت یہ تھی کہ تم سے برائی کا مادہ ختم کر دیا جاتا کہ تم برائی کر ہی نہ سکتے۔ تو دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں انسان نہ رہنے دیتا بلکہ فرشتے بنا دیتا اور فرشتے معصوم ہوتے ہیں ان میں برائی کا مادہ نہیں ہوتا۔ مگر جب تمہیں انسان رکھنا ہے تو پھر خیر کا مادہ بھی ہوگا اور شر کا مادہ بھی ہوگا اور جنات میں بھی خیر وشر دونوں مادے ہیں۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ ”یہ کام ہم سے رب تعالیٰ کرواتا ہے“ غلط ہے۔

ایمان وکفر کا اختیار انسان کے پاس

اس نے نیکی اور بدی کی طاقت عطا فرما کر اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے اور ساتھ ہی فرما دیا کہ ﴿لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ [الزمر: ۷] اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر پر راضی نہیں ہے۔ اور کفر اور ایمان لانے پر کسی کو مجبور بھی نہیں کرتا۔ ﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو ہدایت دے دے جبراً کہ تمہارے اندر سے کفر اور برائی کا اختیار سلب کرلے جس طرح فرشتوں کو بدی کرنے کا اختیار نہیں ہے مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

مشرکین سے گواہوں کی طلبی

﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ﴾ لاؤ اپنے گواہ ﴿الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ﴾ جو گواہی دیں ﴿اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان چیزوں کو جن کو تم حرام قرار دیتے ہو پھر اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتے ہو کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح کہا ہے۔ فرمایا ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا﴾ پس اگر وہ گواہی دیں کیونکہ دنیا میں ہر قسم کے لوگ مل جاتے ہیں تو اگر چند مسخرے اور بہروپیے قسم کے لوگ اکٹھے ہو کر کہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں ﴿فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ﴾ پس آپ نہ گواہی دیں ان کے ساتھ، حرام وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور حلال وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی چیز کو حلال وحرام نہیں کر سکتا۔

کاذبین کی خواہشات کی پیروی سے ممانعت

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ﴾ اور نہ پیروی کریں ان لوگوں کی خواہشات کی ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ جنھوں نے جھٹلایا

ہماری آیتوں کو ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اوران لوگوں کی ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ جوایمان نہیں رکھتے آخرت پر ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں۔ان کے شوشوں میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ہمیں سمجھایا گیا ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿تَعَالَوْا﴾ آؤ ﴿اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ﴾ میں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو حرام قرار دی ہیں تمہارے رب نے ﴿عَلَیْكُمْ﴾ تم پر ﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــًٔا﴾ یہ کہ نہ شریک ٹھہراؤ اسکے ساتھ کسی چیز کو ﴿وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو ﴿وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ﴾ اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو ﴿مِّنْ اِمْلَاقٍ﴾ غربت کے خوف سے ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ﴾ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ﴾ اور نہ قریب جاؤ بے حیائی کی باتوں کے ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہوں ﴿وَلَا تَقْتُلُوا﴾ اور نہ قتل کرو ﴿النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ اس نفس کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ تم سمجھ جاؤ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ﴾ اور نہ قریب جاؤ تم یتیم کے مال کے ﴿اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ مگر اس طریقے سے جو بہت اچھا ہو ﴿حَتّٰى یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی قوت اور جوانی کو ﴿وَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ﴾ اور پورا دو ماپ کر اور تول کر ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا﴾ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو ﴿اِلَّا وُسْعَهَا﴾ مگر اس کی طاقت کے مطابق ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ﴾ اور جب تم بات کرو ﴿فَاعْدِلُوْا﴾ تو انصاف کی بات کرو ﴿وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ اور اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا کرو ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ اس چیز کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا﴾ اور بے شک یہ میرا راستہ ہے سیدھا ﴿فَاتَّبِعُوْهُ﴾ پس تم اس کی پیروی کرو ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ اور نہ پیروی کرو تم اور راستوں کی ﴿فَتَفَرَّقَ بِكُمْ﴾ پس وہ تم کو جدا کر دیں گے ﴿عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ اس چیز کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ تم بچ جاؤ۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے سبق میں مشرکین کے اس دعوے کا رد تھا کہ انہوں نے اپنی مرضی سے کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ کو حرام ٹھہرایا ہوا تھا اور ذمے اللہ تعالیٰ کے لگاتے تھے کہ ایسا کرنے کو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

حرام اشیاء کی تفصیل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کو انہوں نے حرام ٹھہرایا ہوا ہے وہ تو حرام نہیں ہیں اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے وہ سن لو۔ فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں ﴿تَعَالَوْا﴾ آؤ ﴿اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ﴾ میں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو حرام قرار دی ہیں تمہارے رب نے ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر جن کی تم پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے کیا حرام کیا ہے؟

①......شرک کرنا

﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ یہ کہ نہ شریک ٹھہراؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو۔ نہ انسانوں میں سے، نہ جنوں میں سے، نہ فرشتوں میں سے اس کی ذات میں اس کا کوئی شریک ہے نہ صفات میں نہ افعال میں۔ رب تعالیٰ نے شرک تم پر حرام کیا ہے اور تم اس میں ڈوبے ہوئے ہو۔

②......والدین کی نافرمانی

اور کیا حرام ہے؟ سنو ﴿وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو ان کی توہین و تنقیص حرام ہے ان کی دل آزاری بھی حرام ہے چاہے قولً سے ہو یا فعل سے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔

③......قتل اولاد

﴿وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ﴾ اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو غربت کے خوف سے۔ عرب میں بعض خاندان تو ایسے تھے جو لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے اور بعض لڑکوں کو بھی قتل کر دیتے تھے اپنے جھوٹے معبودوں کو خوش کرنے کے لیے۔ اس کو کارِ ثواب سمجھتے تھے۔ اور لڑکیوں کو غربت کے خوف سے قتل کر دیتے تھے کہ ہم ان کو کھلائیں گے کہاں سے؟

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔ اگر انہیں تم رزق کے خوف سے قتل کرتے ہو کہ کھائیں گے کہاں سے تو پہلے خودکشی کرو کہ تم کہاں سے کھاؤ گے؟ جو رب تعالیٰ تمہیں دیتا ہے وہ ان کو بھی دے گا۔

④......فحاشی و عریانی کا حرام ہونا اور ''فواحش'' کی تحقیق

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ﴾ فَوَاحِش، فَاحِشَةٌ کی جمع ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں بے حیائی۔ معنیٰ ہوگا اور نہ قریب جاؤ

بے حیائیوں کے ﴿مَاظَهَرَ مِنْهَا﴾ جو ظاہر ہوں ان میں سے۔ یعنی کھل کے ہوتی ہوں۔ جیسے: ناچ، مجرا وغیرہ قسم کی جو خرافات ہیں۔ آج کل تو اخبارات میں بے حیائی بڑی نمایاں ہوتی ہے جسے دیکھ کر بڑی دل آزاری ہوتی ہے اور حالات یہاں تک خراب ہو گئے ہیں کہ روکنے والے گونگے ہو گئے ہیں۔

شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی رقص وسرود پر مجرمانہ خاموشی

شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز آیا تو اس کے لیے انھوں نے بڑا رقص وسرود کا انتظام کیا۔ وہ بھی خاموشی سے دیکھتا سنتا رہا اور گونگا ہو کے بیٹھا رہا۔ حالانکہ اس کا فرض تھا ان کو منع کرتا اور کہتا کہ ہمارا مذہب ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا۔ اب لوگوں نے اس واقعہ کو سند بنا لیا کہ سو مولوی بھی کہیں کہ یہ ناجائز ہے تو لوگ نہیں مانیں گے کہ عرب کے بادشاہ کے سامنے سب کچھ ہوا ہے اس نے منع نہیں کیا تم کون ہوتے ہو منع کرنے والے ﴿وَمَا بَطَنَ﴾ اور جو پوشیدہ ہوں ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔

⑤......قتل نفس بغیر حق

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اور نہ قتل کرو اس نفس کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ شریعت میں کسی کو قتل کرنے کی صرف تین صورتیں جائز ہیں ان کے علاوہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

قتلِ حق کی پہلی صورت

پہلی شکل یہ کہ معاذ اللہ کوئی شخص مرتد ہو جائے۔ تو مرتد کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ تین دن تک اس کو مہلت دی جائے گی کہ اسلام کے متعلق اس کو جو شکوک وشبہات ہیں دور کر لے۔ اس کو سمجھائیں گے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام پر کوئی اعتراض ہو اور اس کا جواب نہ ہو۔ اگر تین دن تک نہ سمجھا تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور یہ قتل، قتل بالحق ہو گا۔

قتلِ حق کی دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کو قصداً قتل کرے۔ ایک ہے قتلِ خطا کہ مثلاً: بس یا ٹرک کے نیچے آ کر مر جائے یا کسی نے کسی جانور پر فائر کیا اور لگ کسی آدمی کو گیا اور وہ مر گیا۔ یہ قتلِ خطا ہے۔ اس پر قصاص نہیں ہے۔ قصاص قتلِ عمد پر ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ [البقرة:۱۷۹] اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو! تو جو شخص جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے گا تو وہ قصاصاً یعنی اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ یہ قتل بھی قتل بالحق ہے۔

قتلِ حق کی تیسری صورت

اور تیسری صورت یہ ہے کہ شادی شدہ مرد یا شادی شدہ عورت بدکاری کریں اور اس کا شرعی ثبوت بھی مل جائے تو ان کو

میدان میں کھڑا کر کے سنگسار کیا جائے گا۔اس کے علاوہ شریعت کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تا کہ تم سمجھ جاؤ۔

⑥......مالِ یتیم کھانا

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ﴾ اور نہ قریب جاؤ تم یتیم کے مال کے ﴿اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ مگر اس طریقے سے جو بہت اچھا ہو۔اور اچھا طریقہ یہی ہے کہ اس کے مال کی دیانت داری کے ساتھ حفاظت اور نگرانی کی جائے اور اس کے مال کے قریب نہ جاؤ کہ ہڑپ کرنے کی کوشش کرو حفاظت کرو ﴿حَتّٰى یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی قوت اور جوانی کو۔ بالغ ہونے کے بعد اس کا مال اس کے حوالے کر دو لیکن آج لوگ یتیم کا مال کھانے کے گناہ میں مبتلا ہیں۔

اہم ترین مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ مرنے والے کے مال میں سے صدقہ خیرات اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس کی وراثت تقسیم نہ ہو جائے یا تمام وارث اگر بالغ ہوں تو ان کی اجازت کے ساتھ مشترکہ مال میں سے صدقہ خیرات کر سکتے ہیں کہ جتنا مال خیرات میں خرچ ہو گا کل مال میں سے نکال لیا جائے گا اور بقیہ وارثوں پر حصے کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔اور اگر وارثوں میں کوئی بچہ یا بچی نابالغ ہے تو پھر صدقہ، خیرات بالکل جائز نہیں ہے چاہے نابالغ سے اجازت بھی لے لی جائے۔کیونکہ نابالغ کی اجازت کی شرعی طور پر کوئی حیثیت نہیں ہے۔ایسے مال میں سے اگر صدقہ خیرات کیا گیا تو بالاتفاق حرام ہے۔

محدثین، فقہاء رحمہم اللہ کا اتفاق اور رسوم کی تردید

تمام محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ اس مسئلے پر متفق ہیں کہ اگر وارثوں میں ایک بچہ بھی نابالغ ہو تو جب تک وراثت تقسیم نہ ہو جائے مشترک مال میں سے صدقہ خیرات حرام ہے۔اور اس میں دیوبندی، بریلوی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔اب سمجھنے والی بات یہ ہے کہ تیجا، ساتا، دسواں اور چالیسویں کی رسموں پر مرنے والے کے مال میں سے خرچ کیا جاتا ہے۔جو ابھی وارثوں پر تقسیم نہیں کیا ہوا۔

رسوم پر مالِ یتیم کا کھانا

اور اکثر مرنے والا یتیم بچے چھوڑ کر جاتا ہے۔تو ان رسموں پر یتیم کا مال کھایا جاتا ہے کیونکہ یہاں کا دستور یہ ہے کہ وراثت اس وقت تک تقسیم نہیں ہوتی جب تک بہن بھائی آپس میں لڑ نہ پڑیں اور یتیم کا مال کھانے میں سب آلودہ ہوتے ہیں۔ کچھ پکانے والے اور کچھ کھانے والے الا ماشاء اللہ۔اور سارے حرام کھا جاتے ہیں مولوی بھی، قاری بھی، حاجی بھی، جاٹ، چودھری، رشتہ دار بھی۔اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس کو ایصالِ ثواب کا نام دے رکھا ہے۔بھائی! ایصالِ ثواب تو غریب مسکین

کو کھلانے سے ہوتا ہے اور یہاں چاچے، مامے، پھوپھیاں، خالائیں اور دیگر رشتہ دار کھا جاتے ہیں۔ یہ کیا ایصالِ ثواب ہوا؟ یہ ان لوگوں نے عجیب مکاری شروع کی ہوئی ہے۔ بھائی! ایصالِ ثواب تو ہوتا ہے کسی بھوکے پیاسے اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے سے اور ان کو تم دھکے مارتے ہو اور کھا خود جاتے ہو۔ لہٰذا یاد رکھنا! تیجا، ساتا، دسواں، چالیسواں بدعات ہیں اور یتیم کا مال کھانا قطعی حرام ہے۔

فوتگی والے گھر پڑوسیوں کا کھانا پکانا

البتہ فوتگی کے موقعہ پر عزیز رشتہ دار اور پڑوسی جو کھانا پکا کر بھیجتے ہیں یہ سنت ہے اور یہ کھانا جائز ہے۔ کیونکہ وہ یتیموں کے مال میں سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جب موتہ کے مقام پر شہید ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اِصْنَعُوْا لِاَهْلِ جَعْفَرَ طَعَامًا فَاِنَّهُمْ آتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ)) تم جعفر کے اہلِ خانہ کے لیے کھانا پکا کر بھیجو کیونکہ ان کو صدمے کی خبر پہنچی ہے۔ تو صدمے کے دنوں میں کھانا پکا کر بھیجنا سنت ہے۔ البتہ تین دن کے بعد جب کھانا گھر میں پکے گا تو یہ کھانا رشتہ دار بھی نہیں کھا سکتے۔ چاہے دور دراز سے کیوں نہ آئے ہوئے ہوں۔ کیونکہ یہ مشترکہ مال سے پکایا گیا ہے۔ لہٰذا رشتے دار تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ اور اگر ٹھہریں تو اپنے کھانے کا انتظام خود کریں۔

مالِ یتیم کھانے پر وعید

چوتھے پارے میں آتا ہے یتیموں کا مال کھانے والوں کو اس طرح سمجھو ﴿اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں ﴿وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ [النساء:۱۰] اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ لہٰذا یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔

⑦...... میزان کا درست نہ رکھنا حرام

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ﴾ اور پورا دو ماپ کر (اگر پیمانے میں ماپ کر چیز دینی ہے) اور تول کر ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ۔ اگر ترازو سے تول کر دینی ہے نہ پیمانے میں گڑبڑ ہو اور نہ ترازو میں ڈنڈی مارو ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ ہر ایک کو ہم نے وہ احکام دیے ہیں جو وہ آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔

⑧...... انصاف کی بات نہ کرنا حرام

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾ اور جب تم بات کرو تو انصاف کی بات کرو۔ سوچ سمجھ کر کہ اس میں میری اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ تو نہیں ہوگی کہ اس میں کسی کی دل آزاری نہ ہو اور کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو اور بات بھی صحیح ہو ﴿وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ اور اگرچہ وہ

قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ نہ ان کو تکلیف دینے کے لیے بات کرو اور نہ ان کو فائدہ پہنچانے کے لیے بات کرو۔ صرف رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے بات کرو۔

⑨...... وعدے کو پورا نہ کرنا حرام

﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا کرو جو وعدہ تم نے رب تعالیٰ کے ساتھ کیا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی الٰہ نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ جو انھوں نے حکم دیا ہے وہ کرنا ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ اس چیز کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا﴾ اور بے شک یہ میرا راستہ ہے سیدھا۔ یعنی یہ جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے ﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ﴾ سے لے کر ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تک۔ ﴿فَاتَّبِعُوْهُ﴾ پس تم اس کی پیروی کرو اور ہر نماز میں ہم ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ پڑھتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ اب اگر کوئی اس کے خلاف عمل کرے گا جو چیزیں اوپر بیان ہوئی ہیں تو وہ صراطِ مستقیم پر نہیں ہے۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ اور نہ پیروی کرو تم اور راستوں کی ﴿فَتَفَرَّقَ بِكُمْ﴾ پس وہ تم کو جدا کر دیں گے ﴿عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ اس چیز کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ تم بچ جاؤ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اور دوزخ کے عذاب سے۔

﴿ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى﴾ پھر ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو ﴿الْكِتٰبَ﴾ کتاب ﴿تَمَامًا﴾ مکمل کرتے ہوئے نعمت ﴿عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ﴾ اس شخص پر جس نے نیکی کی ﴿وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ﴾ اور تفصیل ہر چیز کے لیے ﴿وَّهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ اور ہدایت اور رحمت ﴿لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ﴾ تاکہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ﴾ اور یہ کتاب ہے ﴿اَنْزَلْنٰهُ﴾ جس کو ہم نے نازل کیا ﴿مُبٰرَكٌ﴾ برکت والی ہے ﴿فَاتَّبِعُوْهُ﴾ پس تم اس کی پیروی کرو ﴿وَاتَّقُوْا﴾ اور تم ڈرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿اَنْ تَقُوْلُوْۤا﴾ تاکہ تم یہ نہ کہو ﴿اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ﴾ کہ پختہ بات ہے نازل کی گئی کتاب ﴿عَلٰى طَآىِٕفَتَیْنِ﴾ دو گروہوں پر ﴿مِنْ قَبْلِنَا﴾ ہم سے پہلے ﴿وَاِنْ كُنَّا﴾ اور بے شک ہم تھے ﴿عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ﴾ ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر ﴿اَوْ تَقُوْلُوْا﴾ یا تم یہ نہ کہو ﴿لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ﴾ اگر بے شک اتاری جاتی ہمارے اوپر کتاب ﴿لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ﴾ تو ہم ہوتے ان سے زیادہ ہدایت والے ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ﴾ پس تحقیق آگئی تمہارے پاس واضح دلیل ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے ﴿وَهُدًى﴾ اور ہدایت ﴿وَّرَحْمَةٌ﴾ اور رحمت

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ﴾ پس کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے ﴿مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿وَصَدَفَ عَنْهَا﴾ اور اعراض کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ﴿سَنَجْزِي الَّذِيْنَ﴾ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان لوگوں کو ﴿يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا﴾ جو اعراض کرتے ہیں ہماری آیتوں سے ﴿سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ بُرا عذاب ﴿بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ اعراض کرتے ہیں۔

ماقبل سے ربط/صراطِ مستقیم کی مزید تفسیر

اس سے پچھلے سبق میں آپ حضرات نے صراطِ مستقیم کی مختصر تفسیر سنی اور اس پر چلنے کا حکم سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر چلو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے بچ جاؤ ﴿ثُمَّ﴾ کا مطلب ہوتا ہے، پھر۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حکم تو تم نے سن لیا پھر یہ بھی سن لو۔

پہلی کتابوں میں تورات کا مرکزی کتاب ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ پھر ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات۔ جتنی بھی آسمانی کتابیں ہیں ان میں قرآنِ کریم کے بعد توراۃ بڑی اہم اور مرکزی مقدس کتاب ہے۔ توراۃ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، علماء اور مشائخ اپنے اپنے دور میں فیصلے کرتے رہے ﴿تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ﴾ مکمل کرتے ہوئے نیکی اس شخص پر جس نے نیکی کی۔

"تَمَامًا" کی تفسیر

مفسرین کرام اس جملے کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں کہ تَمَامًا لِنِعْمَةٍ عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ قِيَامَ بِهٖ یہ توراۃ نازل فرما کر اپنی نعمت مکمل کی اس شخص پر جس نے دین کو اچھے طریقے سے قائم کیا۔ دین روحانی نعمت اور غذا ہے۔

جسم اور روح میں روح کو فوقیت

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم اور دوسرا روح۔ جسم کی ضروریات تو تمام لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کو خوراک کی ضرورت ہے اور اگر بیمار ہو جائے تو علاج کی ضرورت ہے مگر روح کی ضروریات کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل انسانیت روح کے ساتھ ہے جسم تو اس کے لیے سواری ہے۔ جس طرح گھوڑا گدھا آدمی کے لیے سواری ہیں۔ تو اس میں اصل انسان ہے گھوڑا گدھا اصل نہیں ہیں۔ مثلاً: کوئی آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا ہو اور گھوڑے کو ٹھوکر لگے اور دونوں گر جائیں تو لوگ پہلے آدمی کو اٹھائیں گے کہ یہ انسان ہے۔ گھوڑے کی بھی فکر ہوگی مگر بعد میں۔ کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے لیکن زیادہ فکر انسان کی ہوگی۔ اور اگر سارے لوگ گھوڑے کی طرف ہو جائیں اور آدمی کی خبر کوئی نہ لے تو حماقت ہوگی یہ ہمارا

بدن روح کے لیے سواری ہے۔ گھوڑے، گدھے اور ٹٹو کی طرح اس کی لوگوں کو فکر ہے کہ اس کی خوراک بھی ہو اور اس کا علاج بھی ہوتا کہ تندرست رہے اور پوشاک بھی ہو۔

انسان کا انسان نہ بننا ایک المیہ

اور روح کے متعلق بہت کم فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل فرمائی ہیں یہ روح کی خوراک ہیں اور انسان کو انسان بنانے کے لیے نازل کی گئی ہیں۔ انسان اگر صحیح معنیٰ میں انسان بن جائے تو نہ کسی سے جھگڑا ہو نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ کسی پر ظلم و زیادتی ہو۔ اور اگر انسانیت مخدوش ہو تو پھر سب کچھ ہوگا۔ حق تلفی ہوگی، جھگڑا ہوگا، ظلم و زیادتی ہوگی۔ یہ آسمانی کتابیں توراۃ، انجیل، زبور، قرآنِ مجید انسانیت کا سبق دینے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔

قرآنِ کریم کا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہونا

اس وقت دنیا میں قرآنِ کریم کے سوا کوئی آسمانی کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہے۔ قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹؛ پارہ: ۱۴] "بے شک ہم نے ہی قرآنِ کریم کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔" اس لیے اس کے الفاظ محفوظ، لب ولہجہ محفوظ، ترجمہ محفوظ اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ جب دنیا سے یہ قرآنِ کریم اٹھ جائے گا تو دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔

قرآن کی موجودگی میں قیامت نہیں آسکتی

مسند احمد، مستدرک حاکم، موارد الظمآن، یہ حدیث کی کتابیں ہیں۔ ان سب میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ موجود ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس دنیا کا نظام سمیٹنا اور لپیٹنا منظور ہوگا تو قرآنِ کریم کے اوراق سے حرف اڑ جائیں گے صرف کاغذ رہ جائے گا اور حفاظ کے سینوں سے قرآنِ کریم نکال لیا جائے گا۔ اس میں ان کی توہین نہیں ہوگی بلکہ نظامِ عالم کو ختم کرنے کے لیے ایسے کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کتاب کی موجودگی میں قیامت نہیں آسکتی۔

مسلمان کی موجودگی میں بھی قیامت نہیں آسکتی

اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تک دنیا میں کوئی اللہ، اللہ کرنے والا اور لا الٰہ الا اللہ کہنے والا موجود ہوگا تب تک قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ اور تفصیل ہر چیز کے لیے۔ اُس وقت دینی اعتبار سے جو ان کی ضروریات تھیں توراۃ میں ان کی تفصیل تھی ﴿وَّهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ اور ہدایت اور رحمت یہ کتاب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کیوں دی تھی ﴿لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ﴾ تاکہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

اصولِ ثلاثہ

توحید و رسالت کی طرح قیامت کا مسئلہ بھی بنیادی ہے۔ اور تمام آسمانی کتابوں میں توحید و رسالت کی طرح قیامت کا سبق دیا گیا ہے۔ اصول تین ہی ہیں توحید، رسالت، قیامت۔ باقی تمام ان کے فروعات ہیں۔ ان اصولوں میں کسی زمانے میں فرق نہیں آیا اور تمام آسمانی کتابوں میں ان کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی اسی طرح ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ﴾ اور یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ﴿مُبٰرَكٌ﴾ برکت والی ہے۔

قرآن کا کتاب برکت ہونا

اس کا ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور سننے پر بھی دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کو دیکھنا ثواب ہے، اس کو ہاتھ لگانا ثواب ہے مگر بغیر وضو کے اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے البتہ بے وضو پڑھنے کی اجازت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے لَا تَمَسُّهٗ اِلَّا اَنْتَ طَاهِرٌ قرآنِ کریم کو ہاتھ نہ لگاؤ مگر جب کہ تم پاک ہو۔ قرآنِ کریم کو جنابت کی حالت میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ عورتیں ایامِ ماہواری میں نہیں پڑھ سکتیں البتہ دعا کے طور پر کوئی جملہ کوئی آیت پڑھیں تو اجازت ہے۔ کیونکہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ بھی تو قرآنِ کریم کی آیت ہے اس کو ہر کام کے شروع میں بطور دعا کے پڑھیں تو جائز ہے۔ اس طرح کوئی صدمہ یا مصیبت آئے تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھیں تو اجازت ہے تو فرمایا یہ کتاب برکت والی ہے۔

نیست ممکن جز بقرآں زیستن

﴿فَاتَّبِعُوْهُ﴾ پس تم اس کی پیروی کرو۔ جب تک اس کی پیروی ہوتی رہی اور مسلمان اس کے احکامات پر عمل کرتے رہے تو ان کا سر آسمانوں کے ساتھ لگا رہا۔ بڑی بڑی مغرور حکومتیں ان سے ڈرتی اور کانپتی تھیں۔ اور جب اس کی طرف پیٹھ پھیر دی اس وقت دنیا میں ذلیل ہو گئے۔ آج پوری دنیا میں امریکہ کی حکمرانی ہے۔ اس کا حکم، اس کا سکہ، اس کا آرڈر چلتا ہے اور کسی کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ مسلمان قرآن کریم کے قریب آئے گا تو اس ذلت سے نکلے گا۔ ﴿وَاتَّقُوْا﴾ اور تم ڈرو، کس سے؟ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے۔ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ﴿عِقَابَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو۔ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ شرک سے ڈرو اور بچو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

مقصد و حکمت نزولِ قرآن

آگے اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کے نازل کرنے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اس کو ہم نے کیوں نازل کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا﴾ تاکہ تم یہ نہ کہو ﴿اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ کہ پختہ بات ہے نازل کی گئی کتاب دو گروہوں یہود و نصاریٰ پر ہم سے پہلے۔

سرزمین عرب میں بالترتیب پانچ گروہ

سرزمین عرب میں اکثریت مشرکین کی تھی مشرکین کے بعد مردم شماری کے اعتبار سے دوسرا نمبر یہود کا تھا کہ مدینہ طیبہ، خیبر کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی آباد تھے اور تیسرا نمبر نصاریٰ کا تھا کہ نجران کے علاقے میں سارے وہی تھے اور نجران کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی اِکا دُکا آباد تھے۔ مردم شماری کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر صابئین تھے اور پانچویں نمبر پر مجوس تھے اور وہ بہت کم تعداد میں تھے کہ حجر کے علاقے میں کچھ مجوسیوں کے ڈیرے تھے۔ یہ پانچ فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت موجود تھے۔ ان میں سے دو بڑے گروہ یہود و نصاریٰ تھے۔ یہود کی طرف توراۃ اور نصاریٰ کی طرف انجیل مقدس نازل کی گئی۔ عرب بڑے ذہین تھے اور اب بھی بڑے ذہین ہیں۔ یہ توراۃ وانجیل سنتے تھے اور یہود و نصاریٰ سے واقف تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عربیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب قرآنِ کریم اس وجہ سے نازل فرمائی کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتابیں نازل ہوئیں۔

تورات وانجیل کی نزولی زبان کا مبہم ہونا

﴿وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾ اور بے شک ہم تھے ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر۔ کہ توراۃ وانجیل کی زبان عربی نہیں تھی کوئی اور زبان تھی۔ وہ کون سی زبان میں نازل ہوئی ہیں؟ اس وقت کے پادری صاحبان بھی یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتے کہ ان کی اصلی زبان کون سی تھی؟ تو عربیو! تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہماری زبان عربی تھی اور یہ کتابیں اور زبانوں میں تھیں ہم ان کے سمجھنے سے غافل رہے اس لیے ہم نے قرآنِ کریم عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم سمجھ سکو۔ ﴿اَوْ تَقُوْلُوْا﴾ یا تم یہ نہ کہو ﴿لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ﴾ اگر بے شک اتاری جاتی ہمارے اوپر کتاب ﴿لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ﴾ تو ہم ہوتے ان سے زیادہ ہدایت والے۔

یہود و نصاریٰ میں نیک سیرت لوگوں کا مسلمان ہونا

یہود میں جو نیک دل لوگ تھے جیسے: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت اسد رضی اللہ عنہ، حضرت اُسید رضی اللہ عنہ، حضرت ثعلبہ بن یامین رضی اللہ عنہ۔ یہ بڑے نیک سیرت لوگ تھے۔ فطرت صحیح تھی آپ کے تشریف لانے پر مسلمان ہو گئے۔ لوگ ان کی زندگیوں پر رشک کرتے تھے۔ اسی طرح عیسائیوں میں بھی کچھ لوگ نیک دل تھے۔ جیسے: تمیم داری رضی اللہ عنہ، عدی بن بدا رضی اللہ عنہ اور حاتم طائی کے بیٹے عدی رضی اللہ عنہ۔ یہ نیک سیرت لوگ تھے اور مسلمان ہو گئے۔ ان کو دیکھ کر لوگ رشک کرتے تھے۔ اس لیے یہ کتاب نازل کی گئی تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ اگر ہماری طرف کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ نیک سیرت اور ہدایت یافتہ ہوتے۔

قرآن کا تمام عالم کے لیے ہدایت ورحمت ہونا

﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ پس تحقیق آ گئی تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے قرآن پاک جو

الحمدللہ! آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اور اس کا پڑھنا صرف مولویوں اور قاریوں کا کام نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان مردعورتوں کے لیے ہے اور تمام کائنات کے لیے ﴿وَهُدًى﴾ اور ہدایت ہے ﴿وَرَحْمَةٌ﴾ اور رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفا ہے ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ پس کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿وَصَدَفَ عَنْهَا﴾ اور اعراض کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ﴿سَنَجْزِي الَّذِينَ﴾ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان لوگوں کو ﴿يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا﴾ جو اعراض کرتے ہیں ہماری آیتوں سے ﴿سُوءَ الْعَذَابِ﴾ بُرا عذاب ﴿بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ اعراض کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کا بدلہ ان کو ضرور ملے گا۔

اعراض، مخالفت پر سزا کا ملنا امرِ فطری ہے

دیکھو! آج جو جس ملک میں رہتا ہے اس ملک کے قوانین کی پابندی کرنا اس پر لازمی ہے اگر مخالفت کرے گا تو سزا سے نہیں بچ سکتا۔ حالانکہ دنیا کے حکمرانوں نے نہ تو اس کو پیدا کیا ہے اور نہ ہی اس کی خوراک پیدا کی ہے۔ اور نہ ہی وہ اس کی موت وحیات کے مالک ہیں اور رب تعالیٰ کی ذات نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے۔ اس نے پیدا کیا خوراک، لباس اور تمام ضروریات پیدا فرمائیں صحت عطا فرمائی۔ تو جو اس کی نافرمانی کرے گا وہ اس کی گرفت سے کس طرح بچ سکتا ہے؟ حَاشَا وَكَلَّا! ہرگز نہیں بچ سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان کو جو ہماری آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ﴾ نہیں وہ انتظار کرتے ﴿إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ مگر اس بات کا کہ آئیں ان کے پاس فرشتے ﴿أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ﴾ یا آئے تیرا رب ﴿أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ یا آئیں تیرے رب کی بعض نشانیاں ﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ جس دن آئیں گی تیرے رب کی بعض نشانیاں ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا﴾ نہیں نفع دے گا کسی نفس کو ﴿إِيمَانُهَا﴾ اس کا ایمان ﴿لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ جو نفس کہ ایمان نہیں لایا تھا اس سے پہلے ﴿أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ یا اس نے نہیں کمائی اپنے ایمان میں کوئی نیکی ﴿قُلِ انْتَظِرُوا﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیں انتظار کرو ﴿إِنَّا مُنْتَظِرُونَ﴾ بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿فَرَّقُوا دِينَهُمْ﴾ جنھوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں ﴿وَكَانُوا شِيَعًا﴾ اور ہو گئے شیعہ ﴿لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ﴾ بے شک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ﴾ پھر وہ ان کو بتائے گا ﴿بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ جو کچھ وہ کرتے رہے ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ جو شخص لایا ایک نیکی ﴿فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ پس اس کے لیے دس گنا اجر ہے ﴿وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ﴾ اور جو شخص لایا برائی ﴿فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا﴾

پس نہیں بدلا دیا جائے گا مگر اس کے مثل ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے رکوع میں توحید کا بیان ہوا اور حقوق العباد کا ذکر ہوا اور ان کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ﴾ یہ کتاب قرآنِ کریم اس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے اس کا اتباع کرو۔

دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں نہ سمجھنا، چہ معنیٰ دارد؟

قرآنِ کریم میں جو عقلی ونقلی دلائل بیان ہوئے ہیں ان سے بڑھ کر سمجھانے میں، پھر سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ ہر پڑھا لکھا اور اَن پڑھ سمجھ سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی تسلیم نہ کرے تو وہ کس چیز کے انتظار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ﴾ نہیں وہ انتظار کرتے ﴿اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ مگر اس بات کا کہ آئیں ان کے پاس فرشتے عذاب کے ساتھ پھر مانیں گے؟

"يَاْتِيَ رَبُّكَ" کی تفاسیر

﴿اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ﴾ یا آئے تیرا رب۔ ﴿يَاْتِيَ رَبُّكَ﴾ کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ مراد ہے تیرے رب کا حکم آئے۔ چنانچہ چودھویں پارہ میں سورۃ النحل میں ہے ﴿اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ تو یہاں ﴿رَبُّكَ﴾ کے لفظ سے پہلے امر کا لفظ موجود ہے۔ معنیٰ ہوگا یا تیرے رب کا حکم آئے اور مفسرین کرام رحمہم اللہ کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ حقیقۃً رب تعالیٰ کا آنا ہی مراد ہے کہ قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی رب تعالیٰ آئیں گے جس طرح کا آنا اس کی شان کے لائق ہوگا۔ ہم اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے آنے کی کیفیت کیا ہوگی۔

رب تعالیٰ کا دیکھنا، سننا، کلام کرنا اور اعضا وغیرہ کا مطلب

جیسے: قرآنِ کریم میں آتا ہے ﴿بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ اس کے ہاتھ میں ہے شاہی یہاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا ذکر ہے۔ اور دو ہاتھوں کا ذکر بھی آتا ہے ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ رب تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ رب تعالیٰ کے ہاتھ کیسے ہیں بس ہم یہی کہیں گے کہ جو اس کی شان کے لائق ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ بھی ہے کہ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا سننا اور دیکھنا مخلوق کی طرح تو نہیں ہے کہ ہم کانوں سے سنتے ہیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کان اور آنکھیں مخلوق کی طرح نہیں ہیں۔ بس یہی کہیں گے کہ جو اس کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی گفتگو کا ذکر بھی قرآنِ کریم میں آتا ہے۔ ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ [النساء: ١٦٤] اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی۔ مگر رب تعالیٰ کا

بولنا ہماری طرح نہیں کہ بولتے ہیں تو منہ کھولتے ہیں، دانت ہلاتے ہیں، ہونٹ ہلاتے ہیں، رب تعالیٰ دانتوں اور ہونٹوں سے پاک ہے۔ بس یہی کہیں گے کہ اس نے گفتگو فرمائی جس طرح اس کی شان کے لائق تھی۔

تو قرآن و حدیث میں اس طرح کی جتنی صفات بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں ہمارا سب پر ایمان ہے۔ ان کی حقیقت جاننا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم کہیں کَمَا یَلِیْقُ بِشَانِہٖ جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ بھی قرآنِ کریم میں آتا ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ [طٰہٰ:۵] رحمٰن عرش پر قائم ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ وہ اپنی شان کے ساتھ قائم ہے اور یہ بھی آتا ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ اس کا ساتھ ہونا کس طرح کا ہے؟ بھائی جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ کا قیامت والے دن آنا حق ہے۔ عدالت لگی ہوگی انصاف فرمائیں گے جو اس کی شان کے لائق ہوگا اس طرح آئے گا۔

آگے فرمایا ﴿اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾ یا آئیں تیرے رب کی بعض نشانیاں ﴿يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾ جس دن آئیں گی تیرے رب کی بعض نشانیاں ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا﴾ نہیں نفع دے گا کسی نفس کو ﴿اِيْمَانُهَا﴾ اس کا ایمان ﴿لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ جو نفس کہ ایمان نہیں لایا تھا اس سے پہلے ﴿اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾ یا اس نے نہیں کمائی اپنے ایمان میں کوئی نیکی یہ کون سی نشانیاں ہیں جن کے ظہور کے بعد کوئی خیر اور نیکی کام نہیں آئے گی۔

علاماتِ قیامت

صحیح روایات میں آتا ہے کہ سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا ہے۔

①...... زمین میں سے جانور کا نکلنا

صفا کی چٹان پھٹے گی اور بیل کی طرح کا ایک جانور زمین سے نکلے گا لوگوں کے ساتھ اس طرح گفتگو کرے گا جس طرح اب میں آپ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہوں اور آپ حضرات سمجھ رہے ہیں وہ تقریر کرے گا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے دوڑیں گے۔

②...... سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا

اور جس دن دابۃ الارض نکلے گا۔ اسی دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس کی شکل اس طرح بنے گی کہ مثلاً: اب سورج کے طلوع ہونے کا وقت ہے مطلع بالکل صاف ہے اسی طرح مطلع صاف ہوگا لوگ سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہے ہوں گے مگر سورج طلوع نہیں ہوگا۔ لوگ حیران ہوں گے کہ بادل بھی نہیں ہیں دھند بھی نہیں ہے اور طلوع ہونے کے آثار نظر نہیں آرہے کہ پہلے مشرق کی طرف سے سفیدی پھیلتی ہے پھر سرخی پھیلتی ہے اور آج کچھ بھی نہیں ہے سورج مغرب سے طلوع ہو کر سر پر آپہنچے گا۔

علاماتِ قیامت کے پورا ہونے کے بعد توبہ کا قبول نہ ہونا

لوگوں میں افراتفری پھیل جائے گی توبہ کرنے والے توبہ کریں گے مگر اب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اس سے پہلے جو ایمان لا چکے تھے ان کا ایمان معتبر ہوگا اور اس سے پہلے جو توبہ کرتے تھے ان کی توبہ بھی قبول ہوگی اور پہلے نیکیاں کرتے تھے ان کی وہ نیکیاں بھی معتبر ہوں گی جو اس کے بعد کریں گے اور دابۃ الارض کے زمین سے نکلنے اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد جو ایمان لائے گا اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اسی طرح پہلے نیکی نہیں کرتا تھا اور اب شروع کی تو اس نیکی کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ جس طرح نزع کی حالت طاری ہونے کے بعد کوئی شخص ایمان لائے یا توبہ کرے استغفار کرے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسی طرح سورج کا مغرب سے طلوع ہونا جہاں پر نزع کی حالت ہوگی اس کے بعد بھی ایمان اور توبہ قبول نہیں ہوگی تو سورج دوپہر تک آئے گا پھر اسے اللہ تعالیٰ حکم دیں گے واپس لوٹ جا اور جس طرح پہلے مشرق سے طلوع ہوتا تھا اسی طرح اب بھی مشرق سے طلوع ہو سورج اپنی لیٹ بھی نکال لے گا اور مشرق سے طلوع ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں روایات نقل کرتے ہیں کہ اس کے بعد تقریباً ایک سو بیس سال گزریں گے پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے۔

علاوہ ازیں علاماتِ قیامت

ان کے علاوہ قیامت کی اور بھی بہت سی نشانیاں ہیں مثلاً: امام مہدی علیہ السلام کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے نازل ہونا، یاجوج ماجوج کا خروج، دجال کا خروج اور خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزیرۃ العرب، مشرقی ملکوں میں ایک پورے علاقے کا زمین میں دھنس جانا اور مغربی ممالک میں ایک علاقے کا زمین میں دھنس جانا اور جزیرۂ عرب میں ایک ٹکڑے کا زمین میں دھنس جانا۔ یہ سب کچھ ہونے والا ہے اور ہو کر رہے گا۔

خسفِ جزیرۂ عرب کے متعلق حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

یہ جو جزیرۂ عرب میں ایک ٹکڑے کے دھنس جانے کا ذکر ہے اس کے متعلق غیب تو رب تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کون سا علاقہ ہوگا مگر میرا ذہن یہ کہتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہوگی جہاں امریکہ کی ایک لاکھ سے زیادہ فوج بیٹھی ہوئی ہے جس کو شہزادوں نے اپنی حفاظت کے لیے پاک زمین پر ٹھہرایا ہوا ہے۔ وہاں شراب بھی چلتی ہے، زنا بھی ہوتا ہے اور جو کچھ انگریز قوم کرتی ہے وہ سارا کچھ وہاں ہو رہا ہے اور یہ تمام اخراجات شہزادے برداشت کر رہے ہیں۔ یہ ٹکڑا بمع ان کے زمین میں دھنس جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلِ انْتَظِرُوْٓا﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں انتظار کرو ﴿اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ بے شک ہم بھی انتظار

کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ﴾ جنھوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں۔

"شِیَعًا" کی تحقیق

﴿وَ كَانُوْا شِيَعًا﴾ اور ہوگئے شیعہ۔ "شِیَعًا"، شِیْعَةٌ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے "گروہ"۔ تو معنیٰ ہوگا اور گروہ بن گئے شیعہ بن گئے۔ ﴿لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلام میں سب سے پہلا باطل فرقہ "شیعہ"

سب سے پہلا باطل فرقہ "شیعہ" ہے جس کی بنیاد عبداللہ بن سبا یہودی نے رکھی۔ یہ عبداللہ جس کے باپ کا نام "سبا" تھا یمن کا رہنے والا تھا۔ یہ کٹر یہودی، بڑا خبیث اور شاطر قسم کا انسان تھا۔ جیسے: آج کل کے لیڈر ہیں بس وہ ان کا باپ تھا۔ اس نے سوچا کہ اسلام کے ساتھ ٹکرانے سے تو کام نہیں چلے گا کہ نہ تو دلائل کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ تلوار کے ساتھ۔ لہٰذا برائے نام مسلمان بن کر اسلام میں داخل ہو کر مسلمانوں کے ذہن بگاڑو۔ چنانچہ اس پالیسی میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوا۔ مصر میں اس نے اپنا مرکز قائم کیا اور حالات کا جائزہ لیتا رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ بڑی دور رس تھی۔ اگر کوئی فتنہ سر اٹھاتا تو وہ اس کو کچل دیتے تھے۔ ان کے دس سالہ دور میں کوئی فتنہ نہیں چل سکا۔ اول تو کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا اور اگر کسی نے سر اٹھایا تو اسے کچل دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ طبعی طور پر بڑے نرم مزاج انسان تھے۔ وہ بارہ سال خلیفہ رہے ہیں۔ ان کے دورِ خلافت میں ان کے چچازاد بھائی مروان بن حکم اور اس قسم کے جو افسر تھے ان کی کچھ شرارتیں بھی سامنے آئیں۔ اس سے ابن سبا کو لوگوں کے ذہن خراب کرنے کا موقع مل گیا۔

لہٰذا اس نے کوفہ اور بصرہ میں لوگوں کے ذہن بگاڑے اور شام کے لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی، اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں بھی اس کی بات نہ چل سکی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک شروع ہوگئی۔ اور ان سے مطالبہ کیا کہ یا تو خلافت سے دست بردار ہو جاؤ یا زندگی سے ہاتھ دھونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں خلافت تو نہیں چھوڑوں گا اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا اے عثمان! رب تعالیٰ تجھے ایک کرتا پہنائے گا لوگ اسے اتارنا چاہیں گے تم نہ اتارنا، یہ خلافت کا کرتا ہے۔ لہٰذا میں نہیں اتاروں گا حالات کافی خراب ہو گئے۔

اسود تجیبی لعین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل

اور پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ اسود تجیبی خبیث نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گلے پر چھری چلا کر ذبح کر دیا۔ یہ سب عبداللہ بن سبا کی تحریک کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد یہی سبائی فرقہ رافضی بنا۔ اسلام میں یہ سب سے پہلا فرقہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے زیادہ اور بدترین دشمن یہی رافضی فرقہ ہے۔ یہ گندہ تالاب ہے۔ پھر آگے اس سے کئی شاخیں نکلی ہیں۔ انھوں نے ہی فرقہ بازی کی ہے اور فرقہ واریت پھیلائی ہے مگر افسوس ہے کہ آج بہت سارے مسلمان شیعوں کو رشتے دیتے ہیں اور ان سے لیتے ہیں اور ان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ (رافضیوں نے تقیہ کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے جس سے عوام کو ان کی حقیقت کا پتہ نہیں چلتا اور دھوکے میں آ جاتے ہیں۔ بلوچ)۔

"تقیہ" کا مطلب

ان کا تقیہ سمجھیں۔ تقیے کا مطلب ہے کہ باطن میں کچھ ہو اور ظاہر میں کچھ اور ہو۔ اور تقیہ کرنا ان کے ہاں کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ کہتے ہیں لَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا تَقْیَةَ لَهٗ اس شخص کا دین نہیں ہے جس کا تقیہ نہیں ہے یعنی جو شخص تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جس نے کسی سنی کے پیچھے تقیہ کرتے ہوئے نماز پڑھی تو کَاَنَّمَا صَلّٰی خَلْفَ نَبِیٍّ گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ یعنی تقیہ اتنا وزنی اور فضیلت رکھتا ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

کافر کو کافر سمجھنا لیکن لڑائی سے گریز کرنا

اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ کسی کے غلط اور برے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے ساتھ لڑائی شروع کر دیں۔ کیونکہ اسلام لڑائی جھگڑے، قتل وقتال کو اچھا نہیں سمجھتا۔ ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ بولان کے علاقے میں سب ہندو رہتے ہیں اور کراچی میں بھی ہندو ہیں اور اس کے علاوہ اور علاقوں میں بھی رہتے ہیں۔ اسی طرح سکھ بھی ہمارے ملک میں رہتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی بھی آباد ہیں اور پارسی بھی موجود ہیں۔ سب کو زندہ رہنے کا حق ہے مگر ان کو مسلمان نہ سمجھو۔ قادیانی بھی کافر ہیں اور وہ ابھی تک اس پر مصر ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اس دعوے سے وہ مسلمان تو نہیں ہو جائیں گے ان کو کافر سمجھو کیونکہ کفر کو اسلام سمجھنا غلط ہے اور ان کے ساتھ میل جول بھی نہ رکھو۔

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ﴾ بے شک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ﴿ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ﴾ پھر وہ ان کو بتائے گا ﴿بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴾ جو کچھ وہ کرتے رہے۔

قانونِ قدرت ایک نیکی کا بدلہ دس گنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ جو شخص لایا ایک نیکی ﴿فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ پس اس کے لیے دس گنا اجر

ہے۔مثلاً: ایک شخص کہتا ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ تو اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور ایک گناہ خود بخود گر جائے گا اور ایک درجہ بھی بلند ہوگا۔ اسی طرح کوئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو دس نیکیاں ملیں گی یا اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے یا کسی مسلمان بھائی کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ کہتا ہے یا وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کہتا ہے تو دس نیکیاں ملیں گی۔غرضیکہ کوئی بھی قولی یا فعلی طور پر نیکی کا کام ہو اس پر دس گنا اجر ملے گا اور یہ عام حالات میں ہے۔

فی سبیل اللہ کی مد میں نیکی کا بدلہ سات سو گنا تک

اور جو نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں ہو اس کے متعلق تیسرے پارے میں حکم موجود ہے کہ ایک نیکی کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو گنا ہے ﴿وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے اس سے بھی بڑھا دے۔علم دین حاصل کرنے کے لیے نکلنا فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔آپ حضرات صبح گھر سے اس ارادے اور نیت کے ساتھ نکلیں کہ ہم نے قرآنِ کریم کا درس سننا ہے، حدیث پاک کا درس سننا ہے تو ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکی ملے گی۔دین کی تبلیغ کے لیے نکلنا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے روپیہ خرچ کرنا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ایک روپیہ خرچ کرنے والے کو سات سو روپے کا ثواب ملے گا۔اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے جانا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔اور جو حضرات جمعہ کے لیے آتے ہیں ان کا ہر ہر قدم فی سبیل اللہ کی مد میں آتا ہے۔کیونکہ جمعہ میں وعظ و نصیحت ہوتی ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص جمعہ کے لیے گھر سے نکلتا ہے اس کا ہر قدم فی سبیل اللہ ہے۔ہر قدم پر سات، سات سو نیکیاں ملیں گی۔

برائی کے بدلے میں ایک برائی کا ہی ملنا

فرمایا ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ﴾ اور جو شخص لایا برائی ﴿فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا﴾ پس نہیں بدلا دیا جائے گا مگر اس کے مثل۔ یعنی برائی ایک کی تو ایک ہی لکھی جائے گی دو نہیں لکھی جائیں گی۔اور نیکیاں ہر ایک پر دس یا سات سو اور اس سے بھی زیادہ۔اتنی بڑی بخشش اور رخصت کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص دوزخ مین جائے تو یقیناً انتہائی بدبخت انسان ہے۔﴿وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔کسی کی نیکی ضائع نہیں کی جائے گی اور بدی سے زیادہ اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔

﴿قُلْ اِنَّنِیْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں بے شک مجھے ﴿ھَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ﴾ ہدایت دی ہے میرے رب نے ﴿اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ سیدھے راستے کی ﴿دِیْنًا قِیَمًا﴾ دین ہے سیدھا ﴿مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا﴾ ملت ہے ابراہیمؑ کی جو یکسو ہونے والے تھے ﴿وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ﴾ بے شک میری نماز ﴿وَ نُسُکِیْ﴾ اور میری قربانی ﴿وَمَحْیَایَ﴾

اور میری زندگی ﴿ وَمَمَاتِیْ ﴾ اور میری موت ﴿ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ﴿ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ﴾ اس کا کوئی شریک نہیں ہے ﴿ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ ﴾ اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ اور میں فرماں برداروں میں سب سے پہلا ہوں ﴿ قُلْ ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿ اَغَیْرَ اللّٰهِ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿ اَبْغِیْ رَبًّا ﴾ میں تلاش کروں کسی اور کو رب ﴿ وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ حالانکہ وہی ہے رب ہر چیز کا ﴿ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ﴾ اور نہیں کماتا کوئی نفس ﴿ اِلَّا عَلَیْهَا ﴾ مگر اسی پر پڑتی ہے ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ ﴾ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا ﴿ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ کسی دوسرے کا بوجھ ﴿ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ ﴾ پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے ﴿ فَیُنَبِّئُكُمْ ﴾ پس وہ تمہیں خبر دے گا ﴿ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾ جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿ جَعَلَكُمْ ﴾ جس نے بنایا تمہیں ﴿ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ﴾ زمین کا خلیفہ ﴿ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ اور بلند کیا تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں ﴿ لِّیَبْلُوَكُمْ ﴾ تاکہ وہ تمہارا امتحان لے ﴿ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ﴾ ان چیزوں میں جو اس نے تمہیں دی ہیں ﴿ اِنَّ رَبَّكَ ﴾ بے شک تیرا رب ﴿ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ﴾ جلد سزا دینے والا ہے ﴿ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ اور بے شک وہ البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ماقبل سے ربط اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ﴿ قُلْ اِنَّنِیْ ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں بے شک مجھے ﴿ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ ﴾ ہدایت دی ہے میرے رب نے ﴿ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ سیدھے راستے کی۔ صراطِ مستقیم کی تفسیر دو رکوع پیچھے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، غربت کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو، بے حیائی کے قریب نہ جاؤ۔ اور کسی کو ناحق قتل نہ کرو اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، پورا ناپ کرو، اور پورا تول کرو اور جب بات کرو تو انصاف کی کرو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرو اور مخلوق کے ساتھ جو جائز وعدہ کیا ہے اس کو بھی پورا کرو۔

ان چیزوں کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ﴾ اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ اس میں عقائد بھی ہیں اعمال اور اخلاق بھی معاملات بھی ﴿ دِیْنًا قِیَمًا ﴾ دین ہے سیدھا اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استقامت

﴿ مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ﴾ ملت ہے ابراہیم علیہ السلام کی جو یکسو ہونے والے تھے سب کو چھوڑ کر، باپ نے مخالفت کی حق کے

سلسلے میں، اس وقت کے بادشاہ نے مخالفت کی، عزیز رشتہ داروں نے مخالفت کی، بڑا زور لگایا اور ان سے جو کچھ ہوسکتا تھا انھوں نے کیا مگر ابراہیم علیہ السلام نے حق کو نہیں چھوڑا ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔

تردید دعویٰ شرک

اس میں مشرکوں کے دعوے کی تردید ہے۔ کیونکہ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے مذہب پر تھے اور ہم ابراہیمی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ارے مشرکو! وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت سب کے ہاں مسلم تھی اس لیے ہر گروہ اپنی نسبت ان کے ساتھ جوڑتا تھا اور کہتے تھے کہ وہ ہمارے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے دعووں کی بھی تردید

چنانچہ تیسرے پارے میں موجود ہے کہ یہودیوں نے دعویٰ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، عیسائیوں نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو بلکہ وہ تو عیسائی تھے اور مشرکوں نے کہا کہ وہ ہمارے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کی تردید فرمائی اور کہا ﴿مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ "ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے اور لیکن وہ ایک طرف ہو کر رہنے والے مسلمان تھے اور وہ نہ تھے مشرکوں میں سے۔" یہ تمہارے زبانی دعوے سینہ زوری اور دھکے شاہی ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہر طرح کی عبادت وقربانی رب تعالیٰ کے لیے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں ﴿إِنَّ صَلَاتِي﴾ بے شک میری نماز ﴿وَنُسُكِي﴾ اور میری قربانی ﴿وَمَحْيَايَ﴾ اور میری زندگی ﴿وَمَمَاتِي﴾ اور میری موت ﴿لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ تمام چیزیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں نماز عبادت ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور نماز کی جتنی حالتیں ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہیں۔ مثلاً: ہاتھ باندھ کے کھڑا ہونا، رکوع کے لیے جھکنا، سجدہ کرنا وغیرہ۔

مصافحہ بالیدین اور معانقہ کس طرح اور کب کیا جائے؟

فقہائے کرام رحمہم اللہ بیان فرماتے ہیں اور احادیث میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضرت! دو آدمی جب آپس میں ملتے ہیں تو کیا مصافحہ کر سکتے ہیں؟ فرمایا کر سکتے ہیں۔ اور سنت مصافحہ دو ہاتھوں سے ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے المصافحة بالیدین مصافحہ دو ہاتھوں سے ہے۔ پھر پوچھا معانقہ بھی کر سکتے ہیں؟ (یعنی کوئی عزیز دوست جب کافی دیر کے بعد ملے تو گلے مل سکتے ہیں) فرمایا ہاں مل سکتے ہیں۔ پھر پوچھا حضرت! کیا بندہ سلام کرتے وقت جھک سکتا ہے؟ فرمایا لا جھک نہیں سکتا۔ مثلاً: دو لوگ کھڑے ہیں تو سلام کرتے وقت دونوں جھکیں یا ایک جھکے۔ تو

یہ جائز نہیں ہے کہ رکوع کی حالت کے ساتھ مشابہت ہے اور رکوع نماز کا رکن ہے۔

بامرِ مجبوری جھکنا مستثنیٰ ہے

اور ایک جھکنا ہے بامر مجبوری۔ اس کی حیثیت اور ہے۔ مثلاً: میں بیٹھا ہوں کوئی آنے والا آ کر میرے ساتھ مصافحہ کرتا ہے تو وہ لازماً جھکے گا۔ اسی طرح کوئی شخص بیمار ہے لیٹا ہوا ہے اس کے ساتھ کوئی شخص مصافحہ کرتا ہے تو جھک کر کرے گا اس جھکنے کی حیثیت اور ہے۔ اس کو رکوع کی حالت پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ بامرِ مجبوری ہے۔ دونوں کھڑے ہوں تو جھکنا جائز نہیں ہے۔

نمازِ جنازہ میں رکوع وسجود کی ممانعت کی وجہ

یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ میں رکوع وسجود نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا میں عقل مند بھی موجود ہیں اور سطحی قسم کے لوگ بھی ہیں۔ ممکن ہے کوئی کہتا کہ اے مسلمانو! تم تو کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ رکوع سجود کسی کے لیے جائز نہیں ہے جب کہ جنازہ میں میت تمہارے سامنے ہوتی ہے اور رکوع بھی ہو رہا ہے اور سجدہ بھی۔ اس لیے رکوع و سجود ختم کر دیا گیا اور باقی تمام شرائط نماز والی ہیں بس کھڑے کھڑے دعا کرنی ہے۔

ایک دینی غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض قراء اور حفاظ حضرات جب مجمع میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت کے مطابق مردوں کے لیے اور سینے پر باندھنا عورتوں کے لیے حالت نماز میں ہے۔ لہٰذا پبلک کے سامنے جلسہ وغیرہ میں نہیں باندھنے، بلکہ چھوڑ دینے ہیں۔

''قربانی'' اور اس کے متعلقات

اور فرمایا ﴿وَ نُسُكِيْ﴾ اور میری قربانی بھی صرف رب کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور کے نام پر قربانی دینا تقرب کی نیت سے قطعاً حرام ہے۔ تقرب کا معنیٰ ہے اس سے کوئی امید رکھ کر کہ میرا فلاں کام ہو جائے اور اگر نہیں دوں گا تو میرا کام خراب ہو جائے گا۔ نفع نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نفع نقصان کا مالک سمجھنا شرک ہے۔ باقی ایصالِ ثواب کا مسئلہ جدا ہے۔ وہ اس طرح کہ دے تو اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اس کا ثواب جس کو چاہے پہنچائے یہ صحیح ہے۔

خودکشی حرام ہونے کی وجہ

﴿وَ مَحْيَايَ﴾ اور میرا زندہ رہنا بھی رب العالمین کے لیے ہے ﴿وَ مَمَاتِيْ﴾ اور میری موت بھی رب العالمین کے

لیے ہے۔موت وحیات رب تعالیٰ کے لیے ہے۔کیونکہ وجود اللہ تعالیٰ کا ہے اس نے دیا ہے اپنا نہیں ہے۔اسی لیے خودکشی حرام ہے۔کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں خودکشی کر کے کسی کو تو نقصان نہیں پہنچا رہا اپنی جان ضائع کر رہا ہوں۔یہ غلط ہے۔کیونکہ جان اس کی نہیں ہے رب تعالیٰ کی ہے اس کے پاس امانت ہے۔امانت کو جان بوجھ کر ضائع کرے گا تو سزا ہوگی۔

خودکشی کے بارے میں حدیث کا مفہوم

حدیث پاک میں آتا ہے کہ خودکشی کرتے وقت اس نے جس طرح کی سزا برداشت کی ہے مرنے کے بعد اس کو ہمیشہ وہ سزا دی جائے گی۔مثلاً: اگر اس نے اپنے آپ کو بلندی سے گرا کر خودکشی کی ہے تو اسے دوزخ کے پہاڑوں سے گرایا جائے گا۔آگ میں چلتا رہے گا اور گرتا بھی رہے گا۔اگر پیٹ میں چھرا گھونپا ہے یا گلا کاٹ کے خودکشی کی ہے تو چھرا گھونپتا رہے گا اور گلا کاٹتا رہے گا۔اور اگر زہر کھایا ہے تو اس کو زہر کھلایا جائے گا اور آگ کی سزا بھی ساتھ ساتھ ہوگی۔اور مسئلہ یاد رکھنا! کہ جو شخص دیدہ دانستہ خودکشی کو حلال سمجھتے ہوئے کرے تو وہ کافر ہے اس کا جنازہ بھی جائز نہیں ہے۔مگر عموماً لوگ جذبات میں آکر خودکشی کرتے ہیں حلال نہیں سمجھتے لہٰذا گنہگار ہیں کافر نہیں ہیں۔تو فرمایا میری نماز، قربانی، زندگی اور موت سب رب العالمین کے لیے ہیں۔

ممانعت شرک

﴿ لَا شَرِيكَ لَهُ ﴾ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ اس کے کاموں میں اس کا کوئی شریک ہے ﴿ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ ﴾ اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں نماز پڑھوں، قربانی دوں اور اپنی موت وحیات کو رب تعالیٰ کے لیے سمجھوں۔

"اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ" کا مطلب

﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور میں فرماں برداروں میں سب سے پہلا ہوں۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو اس کا سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اقرار کیا ہے کیونکہ اگر خود تسلیم نہ کریں تو دوسروں کو کیا کہہ سکتے ہیں۔آگے اور بات کا ذکر ہے۔

کفار کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خودساختہ کاموں پر آمادہ کرنا

وہ یہ کہ کافر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔کبھی ڈراتے دھمکاتے اور کبھی خیرخواہانہ انداز میں آکر کہتے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ گھر گھر لڑائی اور اختلاف آپ کی وجہ سے ہوا ہے اس سے پہلے کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں تھا۔اس کو ختم کرنے کے لیے اس طرح کرتے ہیں کہ ہم تمہارے رب کو پکارتے ہیں اور تم ہمارے خداؤں، لات، منات، عزیٰ

کو پکارو اور مل جل کر وقت گزاریں۔

اللہ رب العالمین کی طرف سے جواب

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ﴿اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا میں تلاش کروں کسی اور کو رب مان لوں ﴿وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ حالانکہ وہی ہے رب ہر چیز کا۔ میں اس رب کو چھوڑ کر اوروں کو پوجنے کے لیے تیار نہیں ہوں ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا﴾ اور نہیں کماتا کوئی نفس مگر اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور سورۃ لقمان میں آتا ہے ﴿لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔ ہر ایک کو اپنے کیے کا پھل ملے گا کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ایک اشکال

یہاں ظاہری طور پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اس کو سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ اگر کسی نے کسی کو گمراہ کیا تو یہ گمراہ ہونے والا جو گناہ کرے گا اس کا بوجھ گمراہ کرنے والا بھی اٹھائے گا اور اس کا وبال اس پر پڑے گا۔ تو یہ بظاہر اس آیت کریمہ کے خلاف نظر آتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی کی اصلاح کی، کسی کو نیکی پر لگایا تو جتنی نیکیاں کرنے والے کو ملیں گی اتنی ہی اصلاح کرنے والے کو بھی ملیں گی۔

اشکال کا جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے کسی کو گمراہ کیا ہے تو یہ گمراہ کرنا اس کا فعل ہے گویا وہ اپنا ہی بوجھ اٹھا رہا ہے۔ اسی طرح کسی کی اصلاح کرنا یہ اصلاح کرنے والے کا فعل ہے۔ تو وہ اپنے فعل کی بدولت نیکیاں کما رہا ہے اور نیکی کرنے والے کی نیکیوں میں بھی کمی نہیں آئے گی۔

نیکی کا ثواب نیکی پہنچانے والے کو بھی برابر ملتا ہے

مثلاً: آج امت جو نیک عمل کر رہی ہے وہ تمام کے تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ یہ تمام نیکیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بتلائی ہیں۔ ان کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے سمجھایا ہے۔ پھر جن جن راستوں سے ہم تک پہنچی ہیں ان کو بھی برابر کا ثواب ملے گا۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، تابعین ہیں، تبع تابعین ہیں، ائمہ کرام رحمہم اللہ ہیں۔ یہ سب کڑیاں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ یہ قرآنِ کریم ہم پڑھتے ہیں تو اس کا ثواب ان تمام حضرات کو پہنچتا ہے جن کے واسطہ سے ہم تک پہنچا ہے اور ہمیں بھی پورا پورا ثواب ملتا ہے اور ان کو بھی پورا پورا ثواب ملتا ہے۔

ایصالِ ثواب کے متعلق اہم مسئلہ

ایصالِ ثواب کے متعلق بھی ایک مسئلہ سمجھ لیں کہ مثلاً: کوئی آدمی کسی کو قرآنِ کریم پڑھ کر ثواب بخشتا ہے تو پڑھنے والے کو بھی پورے قرآن کا ثواب ملے گا اور جس کو ثواب بخشتا ہے اس کو بھی پورے قرآن کا ثواب ملے گا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مثلاً: ایک قرآن کا ثواب متعدد کو بخشتا ہے مثلاً: والد، والدہ، دادا، دادی وغیرہ کو تو کیا ان پر تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو ایک ایک قرآن کا ثواب برابر، برابر ملے گا۔

علامہ شامی اور حضرت گنگوہی کے اقوال

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا۔ میں بیس بائیس سال تک متردد رہا کہ یہ سب بڑی اونچی شخصیات ہیں جو فرما رہے ہیں کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا مگر اس کے لیے کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ جب بخاری اور مسلم کی روایت سامنے آئی تو تسلی ہوگئی۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی کمائی سے ایک روپیہ اپنی بیوی کو دیا کہ اگر کوئی ضرورت مند آئے تو اس کو دے دینا۔ بیوی نے خاوند کی اجازت سے کسی کے پاس امانت رکھ دیا کہ گھر میں رہا تو خرچ نہ ہو جائے۔ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ بیوی نے لونڈی یا خادم کو بھیجا کہ فلاں آدمی کے پاس ہماری امانت پڑی ہے وہ روپیہ لے کر اس فقیر کو دے دے۔ لونڈی یا غلام نے لا کر دے دیا۔ تو حدیث میں آتا ہے کہ کمانے والے کو، بیوی کو اور جس کے پاس امانت رکھا اس کو اور لونڈی یا غلام جس نے اٹھا کر فقیر کو دیا، سب کو ایک ایک روپے کا ثواب ملے گا اور کسی کے اجر میں کمی نہیں آئے گی۔

حجِ بدل والے کو پورا ثواب ملتا ہے

اسی طرح جو شخص کسی کی طرف سے حجِ بدل ادا کرتا ہے تو اس کو پورا ثواب ملے گا اور جس کی طرف سے حجِ بدل کیا ہے اس کا حج بھی ادا ہو جائے گا۔

بوجھ ہر ایک نے اپنا اپنا ہی اٹھانا ہے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ﴾ پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ﴾ پس وہ تمہیں خبر دے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ یعنی جن حق اور صحیح چیزوں میں تم نے اختلاف کیا رب تعالیٰ تمہیں خبر دے گا یعنی ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اللہ ہی ہے جس نے انسان کو زمین کا خلیفہ بنایا

﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿جَعَلَكُمْ﴾ جس نے بنایا تمہیں ﴿خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ زمین کا خلیفہ پہلے تمہارے آباؤ اجداد رہتے اور آباد تھے اب تم ہو پھر تمہاری اولاد آجائے گی یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک جاری رہے گا۔

مراتب انسانی

﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ اور بلند کیا تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں، شکل میں، عقل میں، قد و قامت میں، مال و دولت میں، منصب اور مرتبے میں، کسی کو زیادہ کسی کو کم۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہے کسی کا قد بڑا ہے کسی کا چھوٹا ہے، کوئی زیادہ سمجھ دار ہے اور کوئی کم ہے، کسی کی اولاد زیادہ ہے اور کسی کی تھوڑی ہے، کوئی زیادہ مال دار ہے اور کوئی کم، کوئی اعلیٰ منصب پر فائز ہے کوئی ادنیٰ پر، ایک کی شکل اور ہے اور دوسرے کی شکل اور ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج اور قابیل کا مزاج اور۔ نوح علیہ السلام کے چار بیٹوں میں سے کنعان کا مزاج اور باقی تینوں کا مزاج اور۔ یہ تفاوت اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں رکھا ہے۔

وجۂ تفاوت

﴿لِيَبْلُوَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمہارا امتحان لے ﴿فِي مَا اٰتٰىكُمْ﴾ ان چیزوں میں جو اس نے تمہیں دی ہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿سَرِيْعُ الْعِقَابِ﴾ جلد سزا دینے والا ہے اور ساتھ یہ بھی یاد رکھو ﴿وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور بے شک وہ البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔ نافرمانوں کو سزا دے گا اور اطاعت کرنے والوں کو بخش دے گا اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آج مؤرخہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ بروز اتوار بمطابق ۱۳ مئی ۲۰۰۷ء سورۃ الانعام مکمل ہوئی۔

بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہ

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالا

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

0321 8741292